یا اللہ جل جلالہ　　　　　　　　　　یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ھدایۃالسالکین
الی
احسن الخالقین

تصنیف
فقیر سیداحمدعلی شاہ حنفی ترمذی سیفی غفرلہ ولوالدیہ
فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، پشاور، پاکستان
ساکن شالپین ضلع سوات حال فقیر کالونی کراچی

ناشر
جامعہ امام ربّانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن، کراچی

نامِ کتاب:	هداية السالكين الى احسن الخالقين
مصنّف:	حضرت علامہ سید احمد علی شاہ حنفی سیفی ترمذی
نظر ثانی:	تراب اقدام الاولیاء فقیر سید عبد الحق شاہ سیفی و استاذ العلماء شیخ القرآن و الحدیث مفتی سید منور شاہ نقشبندی مجددی سیفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
اشاعتِ اول:	ربیع الاول ۱۴۴۳ھ بمطابق اکتوبر ۲۰۲۱ء
تعدادِ طباعت:	ایک ہزار
کمپوزر:	سید فرحان الحسن سیفی
هدیه:	روپے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حمد بے حد اُس ذات احد کو جس نے جمیع کائنات کو پیدا کیا اور انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کا اعزاز عطا فرما کر اس کو اپنے اسماء وصفات کے عکس سے منور کیا اور إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً کا لقب عنایت فرمایا، اور اپنی ذات کو نہاں اور ظل اسماء وصفات کو عیاں فرما کر بعض قلوب مومنین کو بذریعہ کشف اور بعض کو بواسطۂ آئینۂ یقین اپنی ذات نہاں کا عارف بنایا، اور کنہ ذات میں خلعت حیرت مرحمت فرما کر اپنا مقرب بنایا۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم | وز ہرچہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر | ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

(حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

اور درود نا محدود اُن سردار انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کہ اسم پاک ان کا محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ہے۔ اور ذات ان کی باعث تخلیق اٹھارہ ہزار عالم ہے اور صفت ان کی رحمۃ للعالمین اور شفیع المذنبین ہے، اور امت ان کی خیر الامم اور علماء اُن کی امت کے مثل انبیائے بنی اسرائیل ہیں اور دین ان کا ناسخ جمیع ملل و ادیان ہے اور تعریف میں اُن کی توریت و زبور و انجیل و فرقان ہیں اور ان کے مرتبہ کی تلاش میں تمام خلق حیران ہے۔ خدا کی حمد و ثناء کے واسطے حضرت نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور آپ کی تعریف کے واسطے خدا کی تعریف کافی ہے۔ خلق خالق کی اور اس کے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی کیا تعریف کر سکتی ہے۔

حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

خدا در انتظار حمد ما نیست | محمد چشم بر راہ ثنا نیست
خدا مدح آفرین مصطفیٰ بس | محمد حامد حمد خدا بس
مناجاتے اگر باید بیاں کرد | بہ بیتے ہم قناعت میتواں کرد
محمد از تو می خواہم خدا را | الٰہی از تو حُب مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کرد

اور ہزاروں نعمت خدا کی نازل ہوں ان کے چار یار باوقار اور آل اطہار اور ازواج مطہرات اور اصحاب کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر کہ ہر ایک اُن میں سے آسمان ہدایت کے ستارہ ہیں، اپنی ذات وصفات میں اور مقرب ہیں امام مرسلین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے جیسے دانہائے تسبیح قریب ہوتے ہیں امام سے، زبان عاجز ہے ان کی تعریف میں اور قلم قاصر ہے ان کے حالات لکھنے میں اور خیال سرنگوں ہے ان کے مرتبہ کی تلاش میں، دوست ان کا دوست خدا اور رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ہے اور دشمن ان کا دشمن خدا اور رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ راضی ہو چاروں آئمہ شریعت و طریقت اور جملہ علمائے حقانی و عرفائے ربانی سے کہ ان بزرگواروں کی محنتوں اور برکتوں سے ہم کو راستہ خدا کی مرضی پر چلنے کا ملا ہے اور اُمت پر بڑا احسان ہے ان مبارک ذاتوں کا کہ جس کا حق ہم سے ادا نہیں ہو سکتا۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

امابعد

فرمان حضرت اخندزادہ صاحب مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

"سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں سب سے اول اور پہلے مرشد اور پیر میرے شیخ المشائخ مولانا شاہ رسول صاحب طالقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ آپ نے مجھے پہلا سبق "لطیفۂ قلب" عطا فرمایا تھا اور اس کی تلقین فرمائی تھی، پس آپ کی وفات کے بعد باقی اسباق یعنی "لطیفہ روح" سے لے کر آخری مراقبہ "مراقبۂ لاتعین" تک میں نے شیخ المشائخ مولانا محمد ہاشم سمنگانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حاصل کیئے اور انتہا تک پہنچا دیئے"۔

جان لو کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ تمام سلاسل تصوف سے اعلیٰ و بالا ہے کیونکہ یہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت ہے۔ اس سلسلۂ عالیہ میں سنن نبوی ﷺ کی متابعت کا لزوم ہے اور اصحاب نقشبند کا حضور (طریقت کے اسباق، مرشد کریم اور ان کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے تعلق) دائمی رہتا ہے۔ ان کی خلوت جلوت میں ہوتی ہے (یعنی سالکین و مریدوں کے جھرمٹ میں بیٹھے ہوتے ہیں پھر بھی خلوت و گوشہ نشینی کے فیوض و برکات ان کو حاصل ہوتے ہیں) حضرات نقشبند کے کمالات کا پہلا قدم دیگر سلاسل طریقت کے مشائخ و مریدین کے کمالات کے انتہائی اور آخری قدم سے بھی فوق اور بالا ہوتا ہے۔ (ماشاءاللہ)

بعض مشائخ کرام کو جو کمالات میں عروج و بلندی حاصل ہے وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیوض و برکات سے اقتباس (حاصل کردہ فیوضات) ہے۔ اس سلسلہ عالیہ میں مرید کو فیض دینا (افادہ) اور شیخ سے فیض لینا (استفادہ) حالت سکوت میں زیادہ ہوتا ہے۔ حضرات نقشبند کی توجہات کا فیض اور روحانی تصرفات کا کمال غائبین و حاضرین (تمام مریدین) کو یکساں ملتا اور پہنچتا ہے، اور مشائخ کی ایسی قوت متصرفہ ان مریدین کے مراتب کو مشائخ عظام کی ارواح تک عروج عطا فرماتی ہے، مشائخ نقشبند کی ایک توجہ دیگر سلاسل کے مشائخ کے سو (۱۰۰) چلوں سے بہتر ہے۔ جیسے کہ اس کی تصریح امام ربانی قدس سرہ نے فرمائی ہے۔

جو کمالات و مقامات قرب (قرب مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ و قرب رسول ﷺ و قرب خداوندی جل جلالہ) اور جو علوم و معارف و اسرار و دقائق اس سلسلہ نقشبندیہ میں حاصل ہوتے ہیں وہ کسی اور سلسلہ طریقت میں نہیں ملتے۔

سالکین کی رغبت کے لئے لطائف طریقت و مراقبات کے کمالات کا مختصر بیان کیا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے!

یہ بات ذہن نشین رہے کہ انسان جو عالم صغیر ہے، وہ عالم کبیر یعنی عالم خلق و عالم امر کے لطائف کے اجزاء سے مرکب ہے۔

پس انسان کی سیر (طریقت کے اسرار و رموز کی سیر) دائرۂ ممکنات میں واقع ہو گی جس کو عالم خلق و امر کہتے ہیں، عالم خلق مکانی بھی ہے اور امکانی بھی ہے۔ امکان کا معنی یہ ہے کہ اس کا عدم و وجود دونوں ممکن ہوں، اور عالم امر امکانی ہوتا ہے لیکن مکانی نہیں ہوتا بلکہ لامکانی ہوتا ہے، لیکن بوجہ امکانی کے عالم صغیر کو بھی مکانی کہا جاتا ہے۔ اگر کسی سالک و مرید کی سیر ممکنات کے دائرے کی انتہا تک پوری ہوتی ہے اور یہی سالک طالب و رشید جو **محمدی المشرب** ہوتا ہے، ان لطائف خمسہ کو جو عالم کبیر میں ہوتے ہیں کو لطائف کے اصول کے مطابق بالترتیب طے کرتا ہے اور دائرہ امکان کے آخرے نقطے تک پہنچتا ہے تو اس طالب و سالک پر فنا کا اطلاق جائز ہے (یعنی اس کو فنا کہہ سکتے ہیں)، "فنا طریقت کے رموز میں سے ہے جو کئی مراحل سے گزر کر حاصل ہوتا ہے اور اس طالب و سالک نے

اس مقام "فنا" سے اس ولایت صغریٰ میں شروع فرمادیا جو اولیاء کرام کی ولایت ہے اور اس سے اس طالب و سالک کی "سیر الی اللہ" عام معنی میں تمام اور پوری ہو گئی۔

اب اگر سالک وطالب کے لئے اس مقام سے اوپر "سیر" حاصل ہوتی ہے تو وہ "سیر" وجوب کے مراتب میں ہے جہاں عدم کا (نہ ہونے کا) شک وشائبہ نہیں ہوتا تو اس سیر کو سیر فی اللہ کہا جاتا ہے کیونکہ یہ وجوب کے مراتب میں سے ہے ورنہ حقیقت میں یہ بھی سیر الی اللہ کے زمرے میں آتی ہے۔ بشر طیکہ یہ ذات خداوندی سے تحت اور نیچے ہو، پس معلوم ہوا کہ ایک ذات اقدس ہے اور ایک اس ذات اقدس کی صفات ہیں۔

ذات پاک سے پہلے جو سیر ہوتی ہے وہ شیونات اور اعتبارات میں ہوتی ہے، اور صفات سے پہلے جو سیر ہوتی ہے وہ صفات کے ظلال (سایہ) میں ہوتی ہے اور ذات اقدس میں سیر مقدم، سیر فی الصفات ہوتی ہے، پس ان تمام سیروں کی ترتیب یوں ہوئی کہ ممکنات میں سیر کے مکمل ہونے کے بعد صفات اور اسماء کے ظلال (سایہ) میں سیر شروع ہوتی ہے، اور یہی ظلال (سایہ) حقیقت میں عالم امر کے پانچ لطائف کے اصول ہیں، اور یہی ظلال انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اور فرشتوں کے علاوہ دیگر مخلوق کے تعینات کا مبدأ اور ابتداء ہے، ان کی تعین کا مبدأ اس دائرے کے فوق اور اوپر نہیں ہے، اور ہر اسم کا "ظل" ہر الگ الگ شخص کے تعین کا مبدأ ہے، اس طرح کہ ظلال کا دائرہ جو اسماء وصفات کے مرتبے کی تفصیل ہے کہ ہر صفت حقیقی اور اسم حقیقی کے اجزاء ہیں، اور یہی اجزاء صفت حقیقی کے ظلال ہیں، یہ تفصیلی ظلال اپنے اجمال کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اس صفت حقیقی کے تمام اجزاء میں سے ہر جزء، الگ الگ شخص کی حقیقت ہے، سوائے انبیاء کرام اور فرشتوں علیہم السلام کے، کیونکہ ان کے تعینات کے مبادی ان ظلال کے اصول ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعین کا مبدأ ایک نقطہ ہے جو ظلال کی انتہاء کے دائرے کے فوق اور اوپر ہے۔ جو اصول اور تفصیلات کے مابین برزخ (آڑ) کی طرح ہے، لہٰذا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت یقیناً تمام نسبتوں کے اوپر ہے۔

اور جب سالک رشید (ہدایت یافتہ سالک) اسماء وصفات وجوبی کے ظلال کے دائرے کو بہ طریقہ "سیر فی اللہ" بہ معنیٰ عمومی اور "سیر الی اللہ" کو بہ معنی حقیقی طے اور تمام کرتا ہے تو اس مقام پر ولایت صغریٰ کے عروج کی انتہا آگئی اور یہ سالک اور مرید فنا کی حقیقت سے مشرف اور سرفراز ہوتا ہے۔ پھر اس کے اوپر ولایت کبریٰ میں قدم رنجہ فرمانا ہے جو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت بھی ہے اور انبیاء کرام کے تعین کی ابتداء (مبدأ) اور اسماء وصفات کا بھی مبدأ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ظلال کے دائرے کا مرکز جو اسماء وصفات ہیں وہی انبیاء کرام علیہم السلام کے تعین کا مبدأ ہے۔

اور اسماء و صفات کے دائرے کا مرکز جو اسماء و شیونات کے لئے اصل ہے وہ وحدت کے نام سے موسوم ہے۔ اور اس کی تفصیل کہ جو اسماء وصفات اور شیونات کا دائرہ ہے وہ مرتبۂ احدیت کے نام سے موسوم ہے۔

پس جب دائرہ اسماء وصفات (جو ظلال کے دائرے کے لئے اصل ہے) میں عروج واقع ہوتا ہے تو ولایت کبریٰ کے کمالات میں سیر شروع ہو جاتی ہے۔ پس اسماء وصفات کا دائرہ دو حصوں میں تقسیم ہے، ایک حصہ اسماء وصفات پر مشتمل ہے اور یہ اسماء وصفات ذات کے علاوہ اور غیر ہے اور اس کو اس دائرے کا نصف سافل (نیچے والا حصہ) کہا جاتا ہے۔

اور اس کا علم، علم حصولی ہے، اور نصف آخر یعنی باقی آدھا حصہ شیونات اور اعتبارات پر مشتمل ہے جس پر زائد اور اضافی ہونے کا اطلاق جائز نہیں ہے، اور یہ آدھا حصہ اپنے اصل کے ساتھ ملا ہوا ہے اور وہ اصل ذات باری تعالیٰ کی وحدت ہے اور اس نصف حصے کو نصف عالی (اوپر والا آدھا حصہ) کہا جاتا ہے، اور اس کا علم علم حضوری ہے، اس مقام میں غیریت اور عینیت کی نفی ہے، اور عالم امر کے لطائف خمسہ کے عروج کی انتہاء اس مقام تک ہوتی ہے، اور یہ اسماء و شیونات کا دائرہ ہے۔ پس اگر کریم ذات خداوندی کے لطف و کرم سے اس سے اوپر بھی سیر اور عروج واقع ہوتا ہے تو پھر یہ سیر اصول کے دائرے اصل الاصل میں واقع ہوتا ہے، پھر ان اصول کے دائرے سے گزرنے کے بعد اصول کا ایک دوسرا دائرہ ہے جو اس دائرے کے اصول کے لئے اصل ہے، پھر اس تیسرے دائرے کو طے کرنے کے بعد پھر ایک اور دائرہ ہے جو دوسرے اصل کا دائرہ ہے جس کو دائرہ قوسی کہا جاتا ہے (اور یہ تمام ترقیات (منازل طے کرنا) اصل میں باطن کی استعدادات میں ترقی کرنا ہے اور یہ خارج میں اعتبارات مجردہ ہیں) قوسیت کا دائرہ بھی قطع ہو سکتا ہے۔

ان مذکورہ اصولوں کو قطع کرنے میں اطمینان نفس اور شرح صدر نصیب ہوتا ہے اور سالک و مرید اسلام حقیقی سے مشرف ہو جاتا ہے اور مقام رضا تک ترقی حاصل کر لیتا ہے اور یہ ولایت کبریٰ کی انتہاء ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی ولایت ہے۔

درج بالا تحقیق تک یہ ان عروجات کی تفصیل ہے جو اسم **الظاھر** کے ساتھ موقوف ہے جو سیر و سلوک کی فضاء میں اڑنے کے لئے دو پروں میں سے ایک پر ہے، رہی بات اسم **الباطن** کے عالم قدس میں اُڑنے کی تو وہ فی الحال باقی ہے کیونکہ ان دونوں اسماء کے مابین فاصلے کا اندازہ نہیں ہو سکتا اور باطن کا بیان بھی **مبطون** (مخفی) ہے مگر یہ کہ **اسم الظاھر** کی سیر صفات میں **اصالةً** (بالذات) ہے لیکن اس کے ضمن میں **سیر فی الذات** ملحوظ ہے، اور **اسم الباطن** کی سیر اگرچہ **سیر فی الاسماء** ہے لیکن پھر بھی اسماء میں ذات کا معنیٰ ملحوظ ہے جیسے کہ صفات میں ذات کا معنیٰ ملحوظ ہوتا ہے جیسے کہ **صفت العلم** میں ذات ملحوظ نہیں ہے مگر بعید اور دور والا معنیٰ لے کر جیسے علم، **علیم** (جاننے والے) کے لئے ہے اور علیم تو ذات ہوتی ہے اور **اسم العلیم** میں ذات ملحوظ ہوتی ہے صفت (علیم) کے پردے کے پیچھے، اس معنیٰ کے طور پر کہ علیم اس ذات کو کہا جاتا ہے جو اہل علم ہوتا ہے۔

پس **صفت العلم** یا **علی ھذا القیاس** دیگر صفات مثلاً ارادہ، قدرت، سماعت، بصارت وغیرھا میں سیر **اسم الظاھر** میں سیر ہے۔ اور **اسم العلیم** و **علی ھذا القیاس** دیگر اسماء جیسے **مرید، قدیر، سمیع و بصیر** وغیرھا میں سیر یہ **اسم الباطن** میں سیر ہے۔ (اس کو سمجھنے کی کوشش کریں) یعنی اللہ تعالیٰ صفات کے طور پر ظاھر اور ذات کے طور پر باطن ہے۔ **فافھم**

پس وہ اسماء جن کا تعلق **اسم الباطن** کے ساتھ ہے وہ ملائکہ کے تعینات کے مبادی ہیں، اور ان اسماء میں قدم رکھنا، ولایت علیا جو ملائکہ ملأ الاعلیٰ کی ولایت ہے میں قدم رکھنا ہے۔

پس جب یہ دونوں پر میسر ہو جائیں عالم قدس میں اُڑنے کے لئے تو اُڑنا بھی آسان ہو جائے گا اور جب ان دونوں پروں کے ذریعے عروج (بلندی) حاصل ہو جائے تو یہ ترقیات اصل میں **عناصر ثلاثه** (تین عناصر) کا حصہ ہے جو **آب و باد و نار** (پانی، ہوا اور آگ) ہیں۔ ملائکہ کی ترکیب بھی ان ہی (تین) عناصر سے ہے ماسوا خاک (مٹی) کے، کیونکہ خاک کے ساتھ انسان خاص ہے، پس اس سیر کی انتہاء میں تعین اول تک عروج ہے جو تمام اسماء و صفات و شیونات و اعتبارات کے مراتب کا جامع ہے، اسی طرح یہ ان مراتب کے

اصول اور اصول کے اصول کا جامع ہے جو اعتبارات ذاتیہ کی انتہاء و منتہاء ہے، اسی طرح یہ تعین اول، انبیاء کرام و ملائکہ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی تمام ولایت کا بھی جامع ہے۔

اور اصل میں ولایت علیا کی انتہاء ہے جو ان تمام مراتب مذکورہ کا اجمال ہے اور یہ حقیقت محمدی ﷺ کے نام سے موسوم و مسمیٰ ہے، حقیقت محمدی ﷺ کی بناء پر اپنے مقام سے عروج کرنے کی وجہ سے، حقیقت احمدی ﷺ کے متعلق ناامید ہے۔ اور اس اجمال کو تعین اول اس لئے کہتے ہیں کہ اجمال، تعین اول کے ظل کا مرکز ہے، **فافهم**۔

اور جب اس تعین اول سے فوق (اوپر) سیر واقع ہوتی ہے تو یہ سیر **اصالةً** (حقیقتاً) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے ساتھ خاص ہے، اور یہ کمالات نبوت میں شروع اور ابتداء ہے، اور ان کمالات کا حصول ہے اصل میں عنصر خاک (مٹی) کے ساتھ خاص ہے، اور اس عنصر کے لطائف ان کمالات کے تابع ہیں اور یہ عنصر بشر (انسان) کے ساتھ خاص ہے، اور مکمل و اکمل اتباع کرنے والوں کے لئے اتباع و تابعداری کرنے کی وجہ سے ان کمالات میں سے وافر اور بڑا حصہ ہے۔

یہاں پر کوتاہ ذہن اور کم عقل شخص یہ شک و گمان نہ کرے کہ یہ معاملہ تو ختم نبوت کے منافی ہے، کیونکہ نبوت تو **من کل الوجوہ محمد رسول اللہ** ﷺ پر ختم ہو چکی ہے جیسے کہ یہ مسئلہ محقق ہے جب کہ کمالات نبوت جو مکمل تابعداری و اتباع کی وجہ سے بطور وراثت و میراث مکمل اتباع کرنے والوں کو علم میں رسوخ (اعلیٰ مقام پانے) کے لئے ملتے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ عنصر خاک بشر (انسان) کے ساتھ خاص ہے اور اگرچہ باعتبار ولایت فرشتے افضل ہیں لیکن نبوت کے کمالات کے اعتبار سے انسان (بشر) کے خواص فرشتوں کے خواص سے افضل ہیں۔ اور اس سیر میں یہ بھی معلوم ہوا کہ تمام ولایتیں، خواہ ولایت صغریٰ ہو یا ولایت کبریٰ یا ولایت **ملأ الاعلیٰ** جس کو ولایت علیا کہتے ہیں، یہ تمام کے تمام مقام نبوت کے کمالات کا ظل (سایہ) ہے۔ ان کمالات میں سے اگر ایک نقطہ بھی قطع ہو (کٹ) جائے تو وہ ایک نقطہ مقام ولایت کے تمام کمالات سے زیادہ ہے تو پھر آپ خود سوچیں کہ تمام کمالات نبوت کی ولایت کے کمالات کے ساتھ کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ مگر یہ کہ ایسی نسبت ہوگی جیسے غیر متناہی کی نسبت متناہی کے ساتھ۔

اور جو سیر کمالات نبوت میں واقع ہوتی ہے وہ بھی **صعودی** (اوپر جانے والی) ہے کہ اس کے عروجات کی انتہاء ان کمالات کے علاوہ نہیں آتی۔ پس جب کمالات ولایت والے بزرگ نزول فرماتے ہیں تو اس کا ظاہر مخلوق بوجہ مقامات کے عروج کے نقصان و کمی کے اور کمالات نبوت والے بزرگ **ہبوط** (نزول) فرماتے ہیں تو مکمل طور پر مخلوق کی دعوت کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں بوجہ مکمل عروج کے۔

پس ہر وہ سیر جو **اسم الظاہر** میں تھی وہ عالم امر کے انتہائی (بلند و بالا) دائرے کے اسماء اور شیونات کے لطائف کے عروج کے ساتھ تھی اور اصول کے عروج کے ساتھ تھی۔ اور اصول میں جو سیر تھی وہ نفس مطمئنہ کی تھی۔ اور وہ سیر جو **اسم الباطن** میں تھی وہ تین عناصر کا حصہ ہے اور عناصر ثلاثہ پانی، ہوا اور آگ ہے۔ اس کے بعد کمالات نبوت میں جو سیر تھی، وہ **اصالةً** (اصلاً) خاص ہوئی خاک (مٹی) کے عنصر کے ساتھ، اور جس طرح خاک (مٹی) کا عنصر عروج کرنے میں سب سے بالاتر جاتا ہے اسی طرح **نزول** (تنزلی و

پستی) میں بھی سب سے نیچے ہوتا ہے جس طرح کہ اس مٹی کی طبعی صفت بھی ہے (کہ اوپر گراؤ تو ہوا، آگ اور پانی کے مقابلے میں سب سے اوپر جاتی ہے کیونکہ باقی تین ادھر اُدھر چلے جاتے ہیں اسی طرح نیچے گرنے میں بھی نیچے آتی ہے۔ مترجم)

اس کے بعد جو سیر واقع ہوتی ہے تو وہ انسان کی ہیئت وحدانی کے ساتھ خاص ہے جس کی **نشأة** (تخلیق وانشاء) عالم امر اور عالم خلق کے مجموعے سے ہے باوجود اس کے کہ یہاں بھی دیگر عناصر کا رئیس خاک (مٹی) ہے اور اس مقام پر عدم اور وجود دونوں کا اطلاق حقیقت میں ممتنع ہے مگر یہ کہ عبارات کے میدان کی تنگی کی وجہ سے اس پر وجود کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ وجود کا نقیض اور ضد یعنی معدوم ہونا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ **"لا ضدله ولا ندله ولا نقیض فی الاصل"** اللہ تعالیٰ کا مقابل اور مثل نہیں اور اصل میں کوئی نقیض نہیں ہے (اس کو سمجھ لیجئے)

پس عالم امر کی سیر جو ظلال کے مراتب میں سے ہے وہ عالم خلق کی سیر سے اسفل ہے، مراتب اصول میں سے ہے جو اعلیٰ اور زیادہ موافق ہے۔ اسی طرح عالم امر کے لطائف کے مابین درجات میں تفاوت (کمی زیادتی) الگ معنی میں ہے جو واضح ہے۔ لیکن عالم خلق کے لطائف کے مابین درجات میں تفاوت (کمی زیادتی) اس معنی میں نہیں ہے کیونکہ سالکین کے لطائف کے درجات انبیاء اولوالعزم علیہم السلام کے قدم مبارک کے ساتھ مربوط ہیں اور ہر درجہ الگ الگ نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے قدم مبارک کے ساتھ جڑا ہوا ہے، مثلاً درجہ اولیٰ جو قلب کا مقام ہے وہ حضرت آدم علیہ السلام کے قدم مبارک کے ساتھ مربوط ہے اور صفات فعلیہ کی تجلی ہے۔ اور روح کا درجہ حضرت ابراہیم ونوح علیہما السلام کے ساتھ مربوط ہے جو صفات ذاتیہ حقیقہ کی تجلی ہے، اور لطیفۂ سر کا درجہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قدم مبارک کے ساتھ مربوط ہے جو ذاتی شیونات کی تجلی ہے اور لطیفۂ خفی کا درجہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قدم کے ساتھ مربوط ہے جو تنزیہ (پاکی) اور تقدس کا مقام ہے۔ اور لطیفۂ اخفیٰ کا درجہ حضرت نبی اکرم ﷺ کے قدم مبارک کے ساتھ مربوط ہے جو تمام کمالات کا جامع ہے۔

رہی بات نبوت کے مقام کے کمالات کے درجات میں تفاوت (کمی وزیادتی) کی تو وہ اس طرح سے نہیں ہے کہ اس موڑ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان **جسیم** (بلند وزیادہ) ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان سے اور وہ کمالات جو کعبہ شریفہ کی حقیقت سے متعلق ہیں وہ کمالات تمام بشری (انسانی) اور ملکی (فرشتوں کے) حقائق سے فوق وبلند وبالا ہیں، تو ان کمالات کا مرکز جو اجمال ہے تو **خاتم الرسل** (محمد عربی) ﷺ کا حصہ ونصیب ہے، اور اس کے علاوہ دیگر تفصیل تمام کی تمام حضرت خلیل الرحمٰن (ابراہیم) علیہ السلام کو سپرد کر دیا (بخشا گیا) اور یہ درجہ دیگر سے بالکلیہ افضل ہے کیونکہ کعبہ مقدسہ کی حقیقت تمام انسانوں اور فرشتوں کے لئے مسجود الیہ ہے (یعنی کعبہ کی طرف سجدہ کیا جاتا ہے) الغرض نبوت ورسالت کے کمالات اور انبیاء اولوالعزم علیہم السلام کے کمالات اور پھر اولوالعزم انبیاء کرام علیہم السلام میں ہر ایک نبی علیہ السلام کے کمالات مختلف اور غریب وعجیب باریکی (رموز) رکھتے ہیں۔

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست　　　　نہ ہر کہ سر مبراشد قلندری داند

اس مقام میں ہزار باریک نکتے (راز واسرار) ہیں جو بال سے بھی زیادہ باریک ہیں۔ ایسا نہیں کہ ہر وہ شخص جو سر کے بال تراشے تو وہ قلندری ہے (رموز واسرار کی حقیقت تک پہنچے)۔

اور وہ کمالات جو کلام اللہ (قرآن) اور صلوٰۃ (نماز) کی حقیقت کے ساتھ متعلق ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات بیچون (بے مثل و بے مشابہ) اور نظر کی رقاقت (نرمی) کے کمال کی وسعت کی وجہ سے ابطن البطون تک یہاں میسر ہوتے ہیں۔ پس جب ثقل (بوجھ اور سختی) کا ورود و نزول ہوتا ہے تو یہ اس کی علامت ہے کہ کلام اللہ (قرآن) کی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے جیسے فرمان الٰہی ہے:

إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا (المزمل ۵)

بے شک عنقریب ہم تم پر ایک بھاری بات ڈالیں گے۔

یہ آیت مبارکہ اسی معنی کی خبر دیتی ہے۔

پس جب ایک جزء کعبہ ربانی کی حقیقت اور دوسرا اجزء قرآن مجید کی حقیقت میسر ہو گئے تو اب حقیقت صلوٰۃ (نماز کی حقیقت) کے کمالات کی تحصیل بھی ہو گئی کیونکہ نماز دو مقامات (کعبہ و قرآن مجید) کی جامع ہے، بلکہ اس اجتماع سے بعض دیگر قسم کے کمالات بھی حاصل ہوتے ہیں جو بعد میں آنے والے کمالات کے لیئے بنیاد واصل ہے پس جب ان کمالات سے فوق (اوپر) قدم رکھا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے سوا اور غیر سے معبودیت کی نفی اور اللہ تعالیٰ کی ذات بے چون (بے مثل و بے مثال) کے حضور (موجودگی) کا اثبات بطریقہ کامل و مکمل میسر ہو جاتا ہے۔ یعنی ابتدائی اور درمیانی (متوسط) سالکین کے حق میں لا الٰہ الا اللہ کا جو معنی صوری تھا اور ان کے حق میں مقصودیت کی نفی اصل تھی تو یہاں اس مقام پر وہ صوری معنی حقیقت میں بدل کر حقیقی معنٰی بن جاتا ہے اور سالک صرف مقام معبودیت سے مستفید ہو جاتا ہے۔

محض معبودیت کے مقام کی سیر کے بعد محبت کے مراتب میں سیر حاصل ہو جاتی ہے۔ اللہ کی محبت ذاتی اور دوستی کے تین اعتبارات وحالات ہیں:

(۱) محبوبیت کا اعتبار ہے (۲) محب ہونے کا اعتبار ہے (۳) محبت کا اعتبار ہے

پس پہلا اعتبار یعنی محبوبیت کا اعتبار تو یہ محمد رسول اللہ ﷺ کا نصیب و حصہ ہے اس کے دو کمالات ہیں ایک فعلی اور دوسرا انفعالی۔ فعل تاثیر (اثر کرنا) اور عامل (عمل کرنا) ہے اور انفعال اثر کو قبول کرنا ہے۔ عامل اور تاثیر عمل اور اثر پر مقدم ہوتا ہے وجود (ظاہر) میں اور اثر کے لئے اصل ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یقیناً کمال فعلی، اصل اور مقدم بالوجود ہوا کمال انفعالی پر اور فعل کی جو علت غائی (غرض و مقصد) ہے وہ بھی وہی انفعالی ہے جو اس کا باعث اور سبب ہے، پس اسی وجہ سے کمال انفعالی تصور میں مقدم ہوا کمال فعلی پر۔

آپ ﷺ کے دو اسماء مبارکہ محمد ﷺ اور احمد ﷺ ہیں، ولایت محمدی ﷺ یقیناً محبوبیت سے ناشی (پیدا) ہے۔ محض محبوبیت یہاں پر موجود نہیں بلکہ محبیت (محب ہونا) سے بھی خلط (ملا ہوا) ہے اور اسم مبارک محمد ﷺ میں دو میموں (م) کے حلقوں میں یہ رمز اور اشارہ ہے کہ عبدیت کے دو طوق (زنجیریں) ہیں کہ ایک طوق، خلق (مخلوق) کی طرف متوجہ ہے جو تعین اول ہے اور محبیت (محب ہونے) کے ساتھ ممتزج (ملا ہوا، خلط ملط) ہے۔ اور طوق ثانی بجانب حق (اللہ تعالیٰ کی طرف) متوجہ ہے جو تعین ثانی ہے اور یہ محبیت (محب ہونے) کے ساتھ ممتزج (خلط) نہیں ہے، ہاں ولایت احمدی میں عین محبوبیت سے ناشی اور پیدا ہوا ہے جو محبیت (محب ہونے) کا شائبہ اور شک نہیں رکھتا اور یہ ولایت بہ جانب مطلوب ایک مرحلہ قریب تر اور پیش قدم ہے اور (نام مبارک محمد) کے

ایک میم کا حلقہ جو رمز (اشارہ) ہے طوق عبدیت سے، وہ مطلوب کی طرف بالکلیہ متوجہ ہے اور اسی مقام میں استغناء اور بے نیازی کامل تر ہے اور اسی وجہ سے محب کی نظر میں زیباتر (خوش نما) آتا ہے جو اپنے محب (محبت کرنے والے) کو اپنی طرف ثبت زیادہ جذب کرتا ہے۔

نہ تنہا آفتم زیبائی اوست بلائی من زنا پروائی اوست

میری آفت و پریشانی صرف اس (محبوب) کی زیبائی (حسن) نہیں ہے بلکہ میری مصیبت اور پریشانی اس (محبوب) کی بے پرواہی (میری طرف عدم توجہ) کی وجہ سے ہے۔

خلیل الرحمٰن علیہ السلام میں صفات فعلی اور اسمائی کی محبوبیت اور محبیت بدرجہ اتم اور اکمل موجود ہیں کہ اس مقام میں دیگر انبیاء علیہم السلام بھی ان مبارک (خلیل الرحمٰن علیہم السلام) کے تابع ہیں، پس ولایت محمدی ﷺ کے حسن کی ملاحت، ولایت ابراہیمی کے صباحت کے جمال کے ساتھ مل جاتا ہے اور ملاحت محمدی ﷺ صباحت ابراہیمی علیہ السلام سے رنگ قبول کرتا ہے تو محبوبیت محمدی ﷺ کا مقام درجہ علیا (بلند درجے) تک پہنچ جاتا ہے اور اسی وجہ سے ملت ابراہیمی علیہ السلام کی اتباع کا فرمادیا جو درود ابراہیمی علیہ السلام سے فہم میں آتا ہے۔

ملاحت اور صباحت دونوں بغیر امتزاج کے ذات کی غمازی کرتے ہیں (خبر دیتے ہیں) لیکن صفات و افعال و آثار کا حسن صباحت کے جمال کے حسن سے مستفاد ہے جو کثیر البرکات ہے۔ اور ملاحت کا حسن و جمال بہت زیادہ مناسبت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کے حضرت (حضوری) کے ساتھ۔

معلوم ہوا کہ ملاحت، حسن کا مرکز ہے اور صباحت اس مرکز کا دائرہ۔

درج ذیل تصویر کی طرح مگر بلا تشبیہ۔
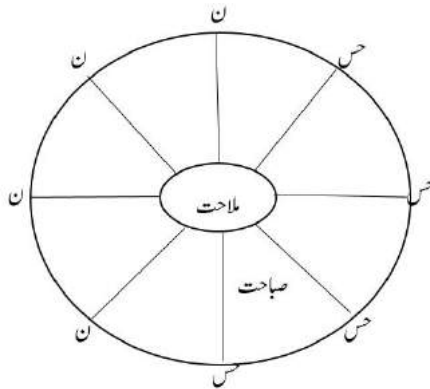
پس جب ملاحت، حسن و جمال کے لئے مرکز اور اصل بنا اور صباحت اس مرکز اور اجمال کی تفصیل اور دائرہ بنا تو یقیناً اصل وضع (حقیقت) میں ملاحت، صباحت سے افضل ہوا۔

ہاں جو شخص ملاحت سے استفادہ کی طاقت اور استعداد نہیں رکھتا تو ان کے حق میں صباحت افضل ہے اگرچہ معاملہ برعکس ہے کیونکہ اصل تو اجمال ہوتا ہے لیکن ہر شخص جامعیت کے اجمال سے استفادی نہیں کر سکتا اس وجہ سے ان کے حق میں تفصیل کی فضیلت

ہوتی ہے جیسے کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دیگر فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ قرآن پاک کی تلاوت کی بجائے فقہ کی کتابوں کا مطالعہ افضل ہے کیونکہ فقہی احکامات، کلام اللہ (قرآن) کے دائرہ (احکامات) کی تفصیل ہے اور قرآن مجید سے استفادے کا راستہ بھی یہی ہے، ورنہ اصل کے لحاظ سے تو یہی مرکز اور اجمال (قرآن مجید) مخلوق کے کلام پر ایسی فضیلت رکھتا ہے جس طرح خالق کی فضیلت مخلوق پر ہے۔

ان تین اعتبارات متقدمہ (یعنی اعتبار محبوبیت، اعتبار محبیت اور اعتبار محبت) میں دوسرا اعتبار جو محبیت ذاتیہ ہے تو اس کا ظہور اکمل و مکمل طریقے سے حضرت کلیم اللہ (موسیٰ) علیہ السلام میں ہے اور یہی حقیقت موسوی علیہ السلام کا منشا ہے۔

اور تیسرا اعتبار محبت ذاتی ہے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور پھر حضرت نوح علیہ السلام میں ظاہر ہوتا ہے اور ان تین مقامات محبت کے اوپر و فوق مقامات بیان ہوئے ہیں ان میں نسبت کا وجود کچھ اجمالی ہے اور کچھ تفصیلی ہے پھر اس کے اوپر رضا کا مقام ہے کہ یہاں پر نسبت خلاف ہو جاتی ہے اور رضا کے مقام سے اوپر صرف ختم الرسل ﷺ کا قدم مبارک ہے اور طفیلیوں سے بعض وہ اخص الخواص بھی اس قدم مبارک سے مشرف ہو چکے ہیں جنہوں نے متابعت کے مراتب سبعہ (سات مراتب) کو مکمل تابعداری سے بالترتیب طے کئے ہیں جس کی کچھ تفصیل یوں ہے۔

پہلا درجہ: عام اہل اسلام (مسلمان) علماء ظاہری (جو طریقت کے رموز سے ناآشنا ہیں) عابد و زاھد حضرات کا ہے، کہ جن کا نفس ابھی تک مطمئن نہیں ہوا، اگرچہ تصدیق قلبی کے بعد اوامر (احکامات) پر عمل کرنا اور نواہی (ناجائز امور) سے اجتناب کرتے ہیں لیکن بوجہ اس کے کہ ان حضرات کا نفس **نفس امارۃ بالسوء** ہے یہ صورت متابعت کی ہے نہ کہ حقیقت اگرچہ ان کا یہ ظاہری عمل ان کے اخروی نجات کے لئے مؤثر ہے بفضل خداوندی واحسان کے۔

دوسرا درجہ: رسول اللہ ﷺ کے اقوال حسنہ اور اعمال حسنہ کی متابعت کا ہے جس کا تعلق باطن کے ساتھ ہے جو سالکین طریقت و سلوک ہوتے ہیں جنہوں نے شیخ کامل و مقتدا سے طریقت اخذ کی ہوتی ہے اور منازل کی سیر کو قطع کر دیا ہوتا ہے۔ یہ دوسرا درجہ نسبت پہلے درجے کے اقویٰ ہے، اگرچہ اطمینان یہاں بھی میسر نہیں ہوتا لیکن عروج کی ابتداء اس درجے سے ہوتی ہے پھر یہ سالک طالبان حق میں شمار کیا جاتا ہے۔

تیسرا درجہ: یہ رسول اللہ مبارک ﷺ کے احوال و اذواق (ذوق) اور مواجد (وجد و کیف) کی متابعت کا درجہ ہے جو ولایت خاصہ کی انتہا تک پہنچنے والے ان حضرات کا حصہ و مقام ہے جو اطمینان نفس سے سرشار ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ اطمینان آنے والے اطمینان کے مقابلے میں کبھی بھی اکمل نہیں ہے کیونکہ یہ کبھی کبھی ظاہری متابعت سے بھی حاصل ہوتا ہے لیکن اکثر اوقات میں متابعت کی حقیقت میسر ہوتی ہے۔

چوتھا درجہ: مخصوص اور خاص متابعت کا درجہ ہے جو ان علماء راسخین کے ساتھ خاص ہے جنہوں نے رموز و اسرار اور دقائق (باریکیوں) سے حصہ لیا ہو (یعنی اس مقام سے مشرف ہو چکے ہوں) اور کمالات نبوت سے مشرف ہوں، اسی درجے میں اطمینان نفس

میسر آتا ہے اور اطمینان کا کمال کمالات نبوت کے ساتھ مربوط ہے اور یہی متابعت اکثر اوقات حقیقی ہوتی ہے اس میں ظاہری وصوری کا کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

پانچواں درجہ: رسول کریم ﷺ کے کمالات کی متابعت کا درجہ ہے اور یہ کمالات اصلاً انبیاء اولوالعزم کے ساتھ مخصوص ہیں اور کامل مکمل اتباع کرنے والوں کو اپنے خصوصی فضل واحسان سے عطا فرماتا ہے، یہاں پر عمل کا کوئی عمل دخل نہیں ہے (محض فیضان الٰہی ہے)۔

(اللہ تعالیٰ ہمیں بھی عطا فرمائے، آمین۔ مترجم)

چھٹا درجہ: یہ نبی اکرم ﷺ کی محبوبیت کے کمالات کی متابعت کا درجہ ہے، اس مقام میں قدم رکھنا محض اور صرف اور صرف محبت کے ساتھ ہوتا ہے جو تفضل اور احسان سے فوق اور بلند وبالا ہے، اور پہلے درجے کے علاوہ باقی درجات اس مقام تک عروج کرتے ہیں۔

ساتواں درجہ: ماسبق (ماقبل) درجات کے تمام کمالات ومتابعات کی متابعت کا جامعہ درجہ ہے جس کا تعلق نزول اور حبوط (یعنی نیچے آنا) کے مقام سے ہے، کہ یہ نزول تصدیق قلب وتمکین قلب کی طرف ہے، اسی طرح اطمینان نفس کی وجہ سے نفس کا اپنے مقام پر آنے کی طرف اور عناصر اربعہ کے اعتدال کی طرف بھی اس کا نزول ہوتا ہے۔ گویا کہ گزشتہ چھ درجات اس ساتویں درجہ کی جزئیات ہیں اور یہ درجہ ماقبل درجات کے لئے محلی ہے۔ کہ یہاں پر نسبت کا اتحاد میسر ہوتا ہے اور مغایرت (غیریت) کی نسبت کی یہاں کوئی گنجائش نہیں ہے اور نہ تبعیت کا مشاہدہ ہوتا ہے اگرچہ طفیلیت کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ گویا تابع اپنے متبوع کے رنگ میں رنگ جاتا ہے کہ وارث وراثت لینے کے بعد مورث ہو جاتا ہے بہر حال امتی امتی ہوتا ہے اور نبی نبی علیہم السلام ہوتے ہیں۔

پس جب مکمل تابعداری کرنے والے مقام رضا سے مشرف ہو جاتے ہیں جس کو مقام عبدیت بھی کہتے ہیں اور یہی مرتبۂ ذات خداوندی کا ہے جو ذات مطلق وبے چون ہے اور تمام تعینات سے منزہ اور پاک ہے اور وجود خارجی میں موجود ہے، پس ان کمالات مذکورہ اور تدقیقات نادرہ کا حصول محبت کی تربیت، رضا، توجہ اور شیخ کامل کے ساتھ رابطہ پر موقوف ہے جو ان سات تلقینات کے بعد ہوتا ہے جو لطیفۂ قلب، روح، سر، خفی، اخفاء، نفسی اور قالبی ہیں۔ موقع مناسبت کے طور پر بالترتیب ان لطائف میں اسم ذات کی تلقین کی جاتی ہے اگرچہ تعبیر اسم سے ہوتی ہے مگر اشتغال ذات کے ساتھ ہوتا ہے تعالیٰ و تقدس۔

بعض منکرینِ تصوف کے ذہن میں یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ یہ مواضع جو صوفیائے عظام کے ہاں لطائف سے معبر ہے اور اذکار و مراقبات کے لئے ان لطائف و مواضع کو متعین کئے ہوئے ہیں، تو کیا ان لطائف و مواضع کا ثبوت قرآن و حدیث میں ہے یا نہیں؟

ان لطائف و مواضع کا ثبوت قرآن مجید میں ہے۔

ثبوت لطیفہ قلب

پہلا لطیفہ، لطیفۂ قلب: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُوْلٰئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی لَھُمْ مَغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ۔(الحجرات:۳،پ۲۶)

"بیشک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس، وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیز گاری کے لئے پرکھ لیا ہے، ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔"

اس آیتِ مبارکہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ کا محل جسمِ انسانی کا دل ہے کیونکہ تمام بدن کی صحت دل کی صحت پر موقوف ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ۔ (الحجرات:۷،پ۲۶)

"لیکن اللہ نے تمہارے لئے ایمان پسند کیا اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا۔"

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ۔

(البقرہ:۲۲۵،پ۲)

"اللہ تمہیں نہیں پکڑتا ان قسموں میں جو بے ارادہ زبان سے نکل جائیں، ہاں اس پر گرفت فرماتا ہے جو کام تمہارے دلوں نے کئے۔"

اس آیتِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سزا و جزا کا تعلق لطیفہ قلب سے ہے اس لئے تو بندہ اس قسم پر عند اللہ ماخوذ ہے جو قصد قلب سے ہو۔

اشاد باری تعالیٰ ہے:

خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ۔(البقرہ:۷،پ۱)

"اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی"۔

ارشادی باری تعالیٰ ہے:

بَلْ رَاْنَ عَلٰی قُلُوْبِھِم۔(المطففین:۱۴،پ۳۰)

"بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے۔"

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِکَ لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ۔

(الشعراء:۱۹۳،۱۹۴،پ۱۹)

"اسے روح الامین لے کر اُترا، تمہارے دل پر کہ تم ڈر سناؤ"۔

فثبت من ھذہ الایات ان موضع الجھل و الغفلۃ و العلم ھو القلب لان القلب فی الحقیقۃ مخاطب لانہ موضع التمییز و الاختیار و اما سائر الاعضاء فمسخرۃ لہ ان فی ذلک لذکریٰ لمن کان لہ قلب او القیٰ السمع و ھو شھید۔

"پس ان آیات سے ثابت ہوا کہ جہل، غفلت اور علم کی جگہ بدن انسانی میں قلب ہے۔ اصل میں مخاطب حقیقی قلب ہے اس لئے کہ یہ تمیز و اختیار کی جگہ ہے اور دیگر اعضاء اس کے قابو میں ہیں۔ اس میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جس کے پاس (فہیم) دل ہو یا وہ (کم از کم دل سے) متوجہ ہو کہ (بات کی طرف) کان ہی لگا دیتا ہو۔"

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ (الرعد: ۲۸، پ ۱۳)

"سن لو، اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا سکون و اطمینان ہے۔"

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ۔ (الشعراء: ۸۹، ۸۸، پ ۱۹)

"جس دن نہ مال کام آئے گا، نہ بیٹے، مگر وہ جو اللہ کے حضور حاضر ہوا سلامت دل لے کر۔"

جس طرح سالم اور بے داغ دل اللہ نے دیا تھا کہ گناہ کرنے اور شغل دنیاوی کی وجہ دل داغ دار ہوتا ہے کما فی الحدیث۔

فائدہ: ان آیات کریمہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امین وحی و نبوت اور خزانہ اسرار الٰہیہ غیبیہ صرف انسان کا دل ہے اور یہ دل تجلیات باری تعالیٰ کا محل ہے جب انسان اپنا دل صاف رکھے تو وہ دل مسکنِ تجلیات بن جاتا ہے اور تمام اخلاق رزیلہ دل سے خارج ہوتے ہیں اور دل اللہ کے انوار سے منور ہو جاتا ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ فی جسد بنی آدم لمضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ و اذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب۔

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یقیناً بنی آدم کے بدن میں ایک لوتھڑا ہے جب وہ صالح (درست) ہوتا ہے تو پورا بدن صالح ہوتا ہے اور جب وہ فاسد ہوتا ہے تو پورا بدن فاسد ہوتا ہے خبر دار وہ دل ہے۔"[1]

قال الامام فخر الدین الرازی رحمہ اللہ: و معلومۃ ان العقل فی القلب و لان التکلیف مشروطۃ بالعقل و الفھم قال اللہ تعالیٰ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا (الاسراء ۳۶) و قرن اللہ تعالیٰ بذکرہ السمع و البصر لانھما آلتان للقلب فی تادیہ صور المحسوسات و المسموعات۔

ترجمہ: "امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ معلوم بات ہے کہ عقل قلب میں ہوتی ہے، اس لئے تکلیف شرعی بھی عقل و فہم کے ساتھ مشروط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "بے شک کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی (قیامت کے دن) پوچھ ہو گی"۔

دل کے ساتھ سماعت اور بصارت اس لئے پیوست کیا کہ یہ دونوں دل کے آلات ہیں جو محسوسات اور مسموعات کی صورتوں کو دل میں لے آتے ہیں۔"[2]

ثبوت لطیفہ روح

---

[1] (رواہ بخاری تفسیر مظہری ص ۳۹۲: ۷)

[2] تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۹۰

قال اللہ تعالیٰ:

وَيَسْأَلُونَکَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي۔ (بنی اسرائیل: ۸۵، پ ۱۵)

"اور لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجئے روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے۔"

قال اللہ تعالیٰ:

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ۔ (الحجر: ۲۸، پ ۱۴)

"تو جب میں اسے ٹھیک کر لوں اور اس میں اپنی طرف کی خاص معزز روح پھونک دوں۔"

تعریف روح

انسان عبارت ہے ایک جسم نورانی علوی سے، جو اس محسوس جسم سے ماہیت میں مخالف ہے، یہ ایک نورانی علوی باریک زندہ متحرک جسم ہے جو انسانی اعضاء میں اس طرح نفوذ کرتی ہے جیسا کہ ورق گلاب میں پانی اور انگاروں میں آگ "کتاب و سنت اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور عقلی دلائل اس پر دلالت کرتے ہیں"۔

وقال قوم هو جسم لطيف يحيى به الانسان وقيل الروح معنى اجتمع فيه النور والطيب والعلم والبقاء الاترى انه اذا كان موجودًا يكون الانسان موصوفا بجميع هذه الصفات واذا خرج منه ذهب الكل۔[3]

ترجمہ: ایک قوم نے کہا ہے کہ یہ روح ایک لطیف جسم ہے جس سے انسان زندہ رہتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ معنوی چیز ہے جس میں نور خوشبو علم برتری اور بقاء جمع کئے گئے ہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جب یہ موجود ہوتی ہے تو انسان مذکورہ صفات سے متصف ہوتا ہے اور جب یہ نکل جاتی ہے تو یہ تمام صفات نکل جاتی ہیں۔

سر، خفی اور اخفیٰ کا ثبوت قرآن سے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰی۔ (طٰہٰ: ۷)

"اور اگر تو بات پکار کر کہے تو وہ تو بھید کو جانتا ہے اور اسے جو اس سے بھی زیادہ چھپا ہے۔"

وقال العلامة العارف باللہ تعالیٰ محمد اسماعیل حقی رحمه اللہ تعالیٰ السر باصطلاح اهل التحقيق لطيفة فوق القلب وهو معدن اسرار الروحانية والخفى لطيفة بين الروح والحضرة الالٰهية وهو مهبط انوار الربوبية وجملتها المشاهدات والمكاشفات وحقائق العلوم الدينية۔

"علامہ عارف باللہ محمد اسماعیل حقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: سِر اہل تحقیق کی اصطلاح میں ایک لطیفہ ہے جو قلب کے اوپر ہے، یہ اسرار روحانی کا خزانہ ہے اور خفی روح اور حضرت الٰہیہ کے درمیان ایک لطیفہ ہے جو انوار ربوبیت کا مہبط (جائے نزول) ہے من جملہ اس میں سے مشاہدات، مکاشفات اور حقائق علوم دینیہ ہیں۔" (روح البیان)

---

[3] تفسیر خازن ج۳، ص ۱۹۰

علماء دیوبند کے "حکیم الامت"، مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے کہ لطائف چھ ہیں مطلب یہ کہ انسان کے جسم میں چھ جگہیں ایسی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے انوار و فیوضات اور برکاتِ کثیرہ کا محل ہیں، پہلا لطیفہ قلب ہے، جو بائیں پستان کے نیچے دو انگشت کے برابر ہے۔ اور عالمِ امر کے پانچ لطائف ہیں: قلب، روح، سِر، خفی، اور اخفٰی۔"[4]

ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری فرماتے ہیں:

وبلسان الاشارة بيوت الله عبارة عما يذكر فيه الحق من النفس والقلب والروح والسر والخفى فذكر بيت النفس الطاعات وذكر بيت القلب التوحيد والمعرفة وذكر بيت الروح الشوق والمحبة وذكر بيت السر المراقبة والشهود وذكر بيت الخفى بذل الوجود وترك الموجود۔[5]

"اور اشارات کی زبان میں بیوت اللہ سے مراد یہ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جاتا ہے یعنی نفس، قلب، روح، سِر، اور خفی۔ بیت نفس کا ذکر طاعات ہیں اور بیت قلب کا ذکر توحید اور معرفت ہے، بیت روح کا ذکر شوق و محبت ہے، اور بیت سِر کا ذکر مراقبہ اور شہود ہے، بیت خفی کا ذکر اپنے وجود کو صرف کرنا (نظروں سے محو کرنا) اور موجود کو ترک کرنا"۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وقد انكشف على ارباب القلوب من المجردات القلب والروح والسر والخفى والاخفى والله تعالىٰ اعلم بخلقه۔[6]

"کہ ارباب قلوب پر مجردات میں سے قلب، روح، سِر، خفی اور اخفی کا انکشاف ہو چکا ہے۔"

امام ربّانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اے جان لو۔ اللہ تعالیٰ تجھے دونوں جہان میں نیک بخت کر دے کہ پانچ اجزاء عالم امر میں سے قلب، روح، سِر، خفی اور اخفی ہیں جو کہ عالم صغیر انسانی کے اجزاء ہیں مگر اس کے اصول عالم کبیر میں ہیں جو کہ عناصر اربعہ کے رنگ میں ہیں۔ یہ انسانی اجزاء ہیں جو کہ عالم کبیر میں اپنے اصول رکھتے ہیں، ان اصول کا ظہور عرش کے اوپر ہے جو کہ لا مکانیت سے موصوف ہیں اسی سے یہ بات نکلی ہے کہ عالم امر کو لا مکانیت کہتے ہیں۔[7]

اعلم ان الله تعالىٰ خلق فى الانسان ستة لطائف بل عشرة الخمسة منها من عالم الأمر۔ وهى القلب والروح والسر والخفى والاخفى والخمسة من عالم الخلق وهى النفس والعناصر الاربعة واختلفوا فى انها اعتبارات وجهات النفس الناطقة او حقائق علٰيحدة بحيالها ذهب قبلتنا الروحانى المجدد للالف الثانى الى ان اللطائف الستة هى حقائق منفردة بحيالها كما هو ظاهر كلامهٖ وكلام اتباعهٖ وذهب الشيخ ابن العربى الاندلسى الى انها اعتبارات وجهات النفس الناطقة وتبعه كثير من العلماء ثم لكل لطيفة من هذه اللطائف ارتباط بعضو من الجسد فالقلب تحت الثدى الايسر باصبعين۔ والروح تحت الثدى الايمن بحذاء القلب والسر فوق الثدى الايسر مائلًا الى وسط الصدر والخفى فوق الثدى الايمن مائلًا الى الوسط والاخفى فوق الخفى والسر فى الوسط والنفس فى البطن الاول من الدماغ وتسمية هذه المواضع باسم اللطائف مجازا من قبيل

---

[4] اشرف السوانح، ج ۲، ص ۲۵۷

[5] المرقات المفاتیح، ج ۱: ص ۲۷۱

[6] تفسیر مظھری، ج ۱، ص ۴۳۷

[7] مکتوباتِ امام ربانی دفتر اول حصہ چھارم، ص ۹۰، ج ۱

تسمیة المحل باسم الحال کما فی قولہ تعالیٰ (وَ اَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ (آل عمران ۱۰۷) الآیة۔ ای فی جنة اللہ التی تحل فیہا الرحمة۔

ترجمہ: جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم میں چھ لطائف پیدا کئے ہیں بلکہ دس ہیں ان میں سے پانچ عالمِ امر سے تعلق رکھتے ہیں جو قلب، روح، سِر، خفی، اور اخفیٰ ہیں اور پانچ کا تعلق عالم خلق میں سے ہے، وہ نفس اور عناصرِ اربعہ (باد، خاک، آب، آگ) ہیں۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ صرف تعبیرات ہیں اور نفس ناطقہ کی مختلف جہتوں کے نام ہیں یا ہر ایک علیحدہ وجود بھی رکھتا ہے۔ تو ہمارے روحانی قبلہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ لطائف ستہ (چھ لطائف) اپنی ذات میں الگ الگ حیثیت کے حامل حقائق ہیں، جیسا کہ یہ بات ان کے کلام سے واضح ہے اور ان کے متبعین کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور شیخ ابن عربی اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ یہ تعبیرات اور نفس ناطقہ کی مختلف جہات ہیں اور ان کی متابعت بہت سے علماء نے کی ہے۔ ان میں سے ہر لطیفہ کا انسانی اعضاء میں سے کسی ایک کے ساتھ ربط و تعلق ہے۔ قلب بائیں پستان سے دو انگل کے برابر نیچے ہے۔ روح دائیں جانب پستان کے نیچے ہے جو کہ قلب کے متوازی ہے اور سِر بائیں پستان کے اوپر وسط صدر کی جانب مائل ہے اور خفی دائیں پستان کے اوپر وسط صدر کی طرف مائل ہے اور اخفیٰ خفی اور سر کے اوپر وسط صدر میں ہے اور نفس دماغ کے بطن اول میں ہے۔ ان مواضع کا نام لطائف کے نام سے مجازی ہے جو حال کے نام سے محل کو موسوم کیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اور جن کے چہرے سفید ہوں گے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے۔" یعنی جنت میں ہوں گے جہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت جاری و ساری ہو گی۔"[8]

لطیفہ نفس کا ثبوت

اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کی حکایت بیان کرتے ہیں:

وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

(یوسف: ۵۳، پ ۱۳)

ترجمہ: اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں بناتا، بے شک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے، مگر جس پر میرا رب رحم کرے میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ۔ (القیامة: ۲، پ ۲۹)

"اور جان کی قسم جو اپنے اوپر بہت ملامت کرے۔"

یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً۔

(الفجر: ۲۷، ۲۸، پ ۳۰)

"اے اطمینان والی جان، اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی ہو وہ تجھ سے راضی۔"

---

[8] قطب الارشاد ج ۱ ص ۴۳۸، بحوالہ التبیان فی دقائق السلوک والاحسان، ص ۱۷

تعریفِ نفس:

النفس ھی الجوھر البخاری اللطیف الحامل لقوۃ الحیاۃ والحس والحرکۃ الارادیۃ وسماھا الحکماء بالروح الحیوانیۃفھو جوھر مشرق للبدن فعند الموت ینقطع ضوءہ عن ظاھر البدن وباطنہ واما فی وقت النوم فینقطع عن ظاھر البدن دون باطنہ فثبت ان النوم والموت من جنس واحد لان الموت ھو الانقطاع الکلی والنوم ھو الانقطاع الناقص فثبت ان القادر الحکیم دبر تعلق جوھر النفس بالبدن علی ثلاثۃ اضربٍ الاول ان بلغ ضوء النفس الی جمیع اجزاء البدن ظاھرہ وباطنہ فھو الیقظۃ وان انقطع ضوءھا عن ظاھرہ دون باطنہ فھو النوم او بالکلیۃ فھو الموت۔

"نفس ایک لطیف بخاری جوہر ہے جو قوت حیات احساس وشعور اور حرکت ارادی کا حامل ہے، اسے حکماء نے روحِ حیوانی کا نام دیا ہے، یہ بدن کو حیات سے منور کرتا ہے، موت کے وقت اس کا یہ نور بدن کے ظاہر و باطن سے منقطع ہو جاتا ہے اور نیند کی حالت میں اس کا یہ نور ظاہر بدن سے منقطع ہوتا ہے نہ کہ باطن سے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نیند اور موت کی جنس ایک ہی ہے اس لئے کہ موت کلی انقطاع بدن کے ساتھ تین طریقوں سے تدبیر دی ہے"۔

(۱) نفس کی روشنی بدن کے تمام ظاہری اور باطنی اجزاء میں پہنچے یہ بیداری کی حالت ہے۔

(۲) ظاہر سے منقطع ہو اور باطن سے منقطع نہ ہو، یہ نیند کی حالت ہے۔

(۳) بالکلیہ تعلق ختم ہو جائے، یہ موت ہے۔"[9]

لطائف کے انوار

لطیفہ قلبی کا نور سرخ اور روحی کا زرد ہوتا ہے۔ اور بعض لوگ اس کے بر عکس، یعنی قلبی کا زرد اور روحی کا سرخ بتاتے ہیں۔ لطیفہ سری کا نور سفید ہوتا ہے، اور لطیفہ خفی کا نور سیاہ، لطیفہ اخفٰی کا نور سبز ہوتا ہے جبکہ لطیفہ نفسی کا خاکی ہوتا ہے۔

قطب الارشاد میں ہے:

"ثم لکل لطیفۃ منھا نور یظھر فی عالم المثال عند صفائھا وظھور ذٰلک النور علامۃ صفائھا فنور القلب احمر ونور الروح اصفر ونور السر ابیض ونور الخفی اسود ونور الاخفی اسود غایۃ السوداء وقیل اخضر ونور النفس علی لون رمادی"۔[10]

"پھر ہر لطیفہ کا اپنا نور ہے جو اس کی صفائی کی وجہ سے عالم مثال میں ظاہر ہوتا ہے اور اس نور کا ظہور اس کی صفائی کی علامت ہے۔ نورِ قلب سرخ ہے، نورِ روح زرد ہے، نورِ سر سفید ہے، نورِ خفی سیاہ ہے اور اخفی کا نور بہت زیادہ سیاہ ہے، کسی نے کہا ہے کہ سبز ہے اور نفس کا نور خاکی رنگ کا ہے۔"

---

[9] التبیان فی دقائق السلوک والاحسان، صفحہ ۱۸۰

[10] قطب الارشاد ج ۱ ص ۴۳۸، بحوالہ التبیان فی دقائق السلوک والاحسان، ص ۱۷۸

اس کے بعد سالک کو نفی اثبات "لا الٰہ الا اللہ" کی تلقین کی جاتی ہے جس کے لئے سانس کو روکنا پڑتا ہے، اس طرح کہ لفظ "لا" کو ناف سے اُٹھا کر لطیفۂ قالبی تک پہنچانا ہے اور کلمہ "الٰہ" کو دائیں کاندھے پر لانا ہے اور پھر کلمہ "الا اللہ" کی ضرب قلب پر لگانی ہے۔ درج ذیل شکل ملاحظہ فرمائیں:
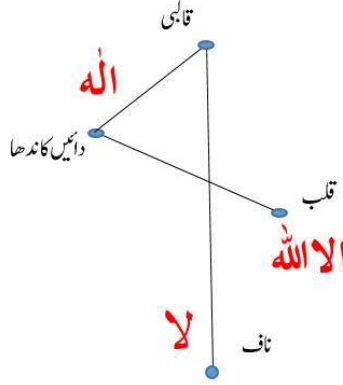
اور ایک معنیٰ موجود، معبود، مطلوب اور مقصود کا کرنا ہے، جب "الٰہ" پڑھنا ہو تو، حضور (دل) میں یہ معنی کرنا ہے (جیسے **لا موجود الا اللہ، لا معبود الا اللہ، لا مطلوب الا اللہ، لا مقصود الا اللہ**) تاکہ غیر اللہ سے موجودیت، معبودیت، مطلوبیت اور مقصودیت کی نفی ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہو جائے، اور اس نفی اثبات میں سانس کو روکنا ہو گا اور جب نفی اثبات کرتے کرتے تھک جائے اور سانس روکنا مشکل ہو جائے تو ناک کے ذریعے سانس لے کر لطیفہ اخفیٰ میں زبان حال سے **"محمد رسول اللہ"** بہ نیت اطاعت پڑھے اور سانس کھولنے کے بعد یہ دعا پڑھے:۔**اِلٰهِي اَنْتَ مَقْصُوْدِيْ وَ رِضَاکَ مَطْلُوْبِيْ اَعْطِنِي مَحَبَّةَ ذَاتِکَ وَ مَعْرِفَةِ صِفَاتِکَ** اور سانس لینے کے لئے طاق عدد کا انتخاب کرے گا، پس جب نفی اثبات کمال تک پہنچ جائے اور اثبات رنگ پیدا کرے تو اس کے بعد یہ مرید و سالک اس قابل ہوتا ہے کہ وہ مراقبات بھی کرے اور مذکورہ مقامات میں سیر بھی کرے، اس کے بعد اپنے مرشد کریم کی اجازت، توجہ اور مکمل رابطہ کے ساتھ مراقبات شروع کرے، جن کے دنوں کی تعداد اپنے مرشد و شیخ کی تعیین کے ساتھ مربوط ہے (یعنی جو مراقبہ جتنے دن تک مرشد کا حکم ہو اتنے دن تک کرے) جن میں شروع کے دس مراقبات وقوف کے ہیں، جن میں پہلا مراقبہ لطیفہ قلب میں، پھر روح میں، پھر سر میں، پھر خفی میں، پھر اخفیٰ میں، پھر نفسی اور پھر قالبی میں۔ انفراداً انفراداً (الگ الگ) ہو گا پھر ان سات مراقبات کے بعد لطائف خمسہ عالم امر میں مراقبہ ہو گا، لطائف خمسہ عالم امر سے مراد قلب، روح، سر، خفی اور اخفیٰ ہیں۔ اس کے بعد عالم خلق کے پانچ لطائف میں مراقبہ ہو گا، عالم خلق سے مراد نفسی اور قالبی کے عناصر اربعہ ہیں اس کے بعد عالم امر و عالم خلق کے مجموعی لطائف میں مراقبہ کرے گا ان دس مراقبات کے بعد احدیت کا مراقبہ کرے گا۔ جو ان تمام مراقبات پر حاوی ہے، یاد رہے کہ اس کا حضور (خیال و تصور) دل میں رکھنا ہو گا اور اس مقام پر ممکنات کا دائرہ تمام (مکمل) ہو جاتا ہے، جس کو دائرہ احدیت کہا جاتا ہے۔

مراقبات سلسلہ نقشبندیہ مجدّدیہ معصومیہ ھاشمیہ سیفیہ

کل چھتّیس مراقبات مروّج ہیں۔ مراقبہ کا معنی انتظارِ فیض کرنا ہے۔ لہٰذا مراقبہ میں فیض الٰہی کے انتظار میں سکون و اطمینان کے ساتھ بیٹھنا ہوتا ہے اور مراقبات کرتے وقت **حضرت مرشدنا و اصلنا الی اللہ اخندزادہ سیف الرّحمٰن صاحب سقی اللہ ثراہ**

و جعل الجنۃ مثواہ کا فرمان ہے کہ فارسی زبان میں ہی نیتِ مراقبہ کر کے بیٹھنا زیادہ فیض کا باعث ہوتا ہے۔ مراقبات شروع کرنے سے پہلے چند شرائط ہیں جن پر عمل کرنے سے مراقبہ میں زیادہ سے زیادہ سرور و تسکین و لذت ملتی ہے جو درجِ ذیل ہے۔

شرائطِ مراقب و مراقبات:

۱) مجملہ اس کے مراقب کو چاہیے کہ وقتِ مراقبہ طہارتِ کامل رکھتے ہوئے بالکل یکسوئی کے ساتھ متوجّہ ہو کر فیضانِ الٰہی کا منتظر رہے اور علاوہ مقصود کے ہر طرف سے اپنی توجّہ ہٹا دے۔

۲) یہ مراقبات ایسے شخص کیلئے سود مند ہیں اولاً جس کا عقیدہ اہل السنت والجماعت کی آراء کے مطابق بالکل صحیح ہو اور شیخِ کامل کے ہاتھ پر بیعت کر کے تابع ہو چکا ہو اور کسی کامل و مکمل مرشد سے مراقبات کا اذن لے چکا ہو۔

۳) یہ مراقبات اس وقت تجویز کئے جائیں گے جب سالک کے لطائف عالمِ امر و عالمِ خلق میں مرشدِ کامل مکمل کی صحبت سے حیات پیدا ہو چکی ہو اور ذکرِ الٰہی اس میں جاری ہو چکا ہو۔ اور نفی اثبات کا جس طور پر کہ لازم ہے عامل ہو چکا ہو۔ اس کے بعد اگر اس میں استعداد ہو تو مراقبات شروع کرائے جائیں۔

۴) تعداد توقفِ ایام ہر مراقبہ میں مرشد و موصوف کے اذن پر موقوف ہے ورنہ

ہر آن کاری کہ بے اُستاد باشد یقین می دان کے بے بنیاد باشد

ہر وہ کام جو بغیر استاذ (مرشد) کے ہوتا ہے یقین رکھیں کہ وہ بے بنیاد ہوتا ہے۔

۵) ہر مراقبہ کے الگ الگ آثار اور کیفیات ہوتے ہیں۔ مراقب کو چاہئے کہ متابعتِ سنن اور آدابِ طریقت کا صحیح پابند رہے۔ آداب اور سنّتِ مصطفوی ﷺ کی کسی وقت مخالفت نہ کرے کیونکہ اس باب میں نہایت کوشش اور احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے۔ اگر کچھ سستی محسوس ہو تو اپنی تقصیرات کی طرف متوجّہ ہو کر معافی مانگ لینا چاہئے کیونکہ

ہر چہ ہست از قامت ناسازِ بی ہموار ماست ورنہ تشریف تو بر بالائی کس کوتاہ نیست

۶) مراقبہ کرتے وقت اس طور پر بیٹھنا چاہئے کہ اگر کسی دوران نیند طاری ہو جائے تو وضو کی تجدید کی ضرورت نہ پڑے۔ اس لئے کہ مراقبہ نیند کی کیفیت رکھتا ہے، جیسا کہ بحر العلوم شرح فقہ اکبر میں کراماتِ اولیاء کی بحث میں صراحتہً فرمایا گیا ہے۔ تفصیل کے لئے وہاں رجوع کریں۔

۷) اگر دورانِ مراقبہ کچھ واقعات دیکھنے میں آجائیں تو اپنے مرشد کے حضور میں ذکر کرنا چاہئے۔ خصوصاً عالم امر کے ظہور میں کہ اس مقام میں بیچونیت کا شائبہ دیکھا جاتا ہے۔ اپنے کو چون دیکھنے پر کہیں فریفتہ نہ ہو جائے۔ بہت سے سادہ لوح افراد اس وادی میں پھنسے ہوئے ہیں۔

۸) مراقب کو چاہئے کہ جس مراقبہ میں جتنے دن کرنے پر معمور کیا گیا ہے، اس میں سستی نہ کرے۔

۹) مراقبات کی نیّت یاد کرنی چاہئے۔ تمام مقامات، منازل اور کیفیاتِ سیر و سلوک سے واقفیت رکھنا ضروری ہے۔

۱۰) سالک کے سلوک کرنے کے لئے کام کسی کامل و مکمل شیخ کی توجہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگر ایسا شخص مراقبہ کرے جو کہ لطائف کی کچھ اطلاع نہ رکھتا ہو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کمثل الحمار یحمل اسفارا۔

ہر جاہل و کاہل و کہن سال　　　　کے بود لائق شیخیت و اقبال

۱۱) طالب کو چاہئے کہ ہر وقت مرشد کے بسط کا منتظر رہے اور ان کی توجہات سے نفع وافر حاصل کرے، یہاں تک کہ ولایتِ صغریٰ جس کی ابتداء مراقبہ معیّت سے ہوتی ہے، کہ اس مقام سے گزار دیا جائے۔ اس لئے کہ یہ گزر گاہ نہایت تنگ ہے۔ بہت سے لوگ اس مقام میں متمرکز ہو چکے ہیں جو اپنی جان اور اپنے عروجات تک کی خبر نہیں رکھتے۔ اور وحدت الوجود کے قائلین بھی اس مقام میں انا الحق پر قرار پکڑے ہوئے ہیں۔ اسی باب میں حضرت مرشد کی توجہ کی تاثیر کبریت احمر ہے کہ ان کی توجہ کی برکت سے لوگ بجلی کی طرح اس مقام سے گزر جاتے ہیں۔ اور دائرہ ولایتِ کبریٰ میں پہنچ جاتے ہیں اور طالب حیران رہ جاتا ہے اور وحدت الوجود کے مقام سے گزرنا نہایت دشوار ہے۔ اور تنگیِ راستہ سے مراد بھی یہی دشواری ہے۔

مراقبہ (یعنی دل سے اللہ تعالیٰ کا دھیان کرنا)

مراقبہ رقابت سے ماخوذ ہے جس کے معنی محافظت اور نگہبانی کے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا (النساء ۱) ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔

اصطلاح تصوف میں مراقبہ اللہ تعالیٰ سے لو لگا کر بیٹھنے کو کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک لمحہ غور و فکر آخرت کے بارے میں ساری رات کی عبادت سے افضل ہے اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک ساعت غور و فکر اسی ۸۰ سال کی عبادت سے افضل ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ایک لمحہ غور و فکر ساٹھ ۶۰ سال کی عبادت سے افضل ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہی غور و فکر ہے کہ جن کو صوفیاء کرام مراقبہ کہتے ہیں۔

فکر:

صفات ذات، نعمہائے الٰہیہ، عینیت اور حق کی نسبت میں فکر کرنا نہ کہ ذات میں جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: لاتتفکروا فی ذات اللہ وفکروا فی صفات اللہ و نعماء اللہ۔ (اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور و فکر نہ کرو بلکہ اس کی صفات اور نعمتوں میں غور کرو)۔ فکر کرنا بھی عبادت ہے۔

تفکر کا لغوی معنیٰ: تفکر فکر سے باب تفعل ہے۔ ألفِكْرُ اور ألفَكْرُ کا معنی ہے: "اعمال الخاطر فی الشیء" یعنی کسی چیز کے اندر کھٹکا یا تردد پیدا ہونا۔"[11]

فکر دراصل "فرک" سے مقلوب ہے جس کا معنی ملنا، رگڑنا اور کھرچنا ہے۔ کیونکہ جس معنی میں یہ مستعمل ہے وہ "فرک الامور والبحث" ہے۔ یعنی طلب حقیقت و تلاشِ معرفت۔

---

[11] (ابن منظور افریقی، لسان العرب، باب الفاء ص ۲۹۳، دار الاخیار، ریاض)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''الفکر ''دراصل ''الفرک '' تھا۔ جو کثرت استعمال سے الفکر بن گیا۔ اور الفرک کے معنی ہیں: دلک الشيء حتى ینقطع قشره عن لبه کالجوز۔ ''کسی شیء کو اتنا رگڑنا کہ اس کا چھلکا اس کے گودے سے الگ ہو جائے جیسے اخروٹ۔''

تفکر کا اصطلاحی مفہوم: شیخ شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: ''تصرف القلب في معاني الأشياء لدرک المطلوب'' یعنی ''مطلوب کو پانے کے لئے دل کو اشیاء کی حقیقت و معنی کی تلاش میں استعمال کرنا۔''

فکر کی تعریف یوں بھی کی گئی ہے: سراج القلب یریٰ به خیره و شره و منافعه و مضاره و کل قلب لاتفکر فیه فهو في ظلمات یتخبط۔ ''فکر دل کا چراغ ہے جس سے اس کے لئے بھلائی و شر اور منافع و نقصان کا اندازہ لگایا جاتا ہے اور ہر وہ دل جس کو فکر کی عادت نہ ہو وہ اندھیروں میں ہے جو اس کو دیوانہ کر دیں گے۔''

اور کہا گیا ہے: الفکر مصباح الاعتبار و مفتاح الاختیار۔ یعنی فکر عقل کا چراغ اور حقائق کی چابی ہے۔''

فکر کو طائر حکمت کا جال بھی قرار دیا گیا ہے چنانچہ شیخ شریف جرجانی لکھتے ہیں: الفکر شبکة طائر الحکمة۔ [12]

تدبر کا لغوی مفہوم: التدبر التفکر فیه۔ یعنی کسی شیء میں کچھ جاننے یا پانے کی کوشش کرنا۔ [13]

جیسا کہ کہا جاتا ہے:

فلان مایدری قبال الامر من دباره۔

یعنی ''وہ شخص اس کام کے آگے اور پیچھے سے واقف نہیں (یعنی آداب و اصول اور نتائج سے آگاہ نہیں)۔''

تدبر کا اصطلاحی مفہوم:

التدبر عبارة عن النظر في عواقب الامور۔

یعنی تدبر دراصل زندگی میں پیش آنے والے معاملات کے اثرات اور نتائج و ثمرات سے آگاہی حاصل کرنے کو کہتے ہیں۔ [14]

تفکر وہ قوت ہے جو کسی کام کو انجام دینے سے پہلے کوئی دلیل تلاش کرنے میں عقل اور دل کی راہنمائی کرے، جبکہ تدبر وہ صلاحیت ہے جو اپنی قوت قاہرہ سے اس کام کی انجام دہی کے بعد پیدا ہونے والے اثرات اور مرتب ہونے والے نتائج سے دل و دماغ کو خبر دے۔ چنانچہ شیخ شریف جرجانی لکھتے ہیں:

أن التفکر تصرف القلب بالنظر في الدلیل و التدبر تعرفه بالنظر في العواقب۔

یعنی تفکر دل کو دلیل کی تلاش میں راہنمائی فراہم کرتا ہے اور تدبر اس کے قائم ہونے سے اس کے نتائج و اثرات کے جاننے میں مدد کرتا ہے۔'' [15]

---

[12] (السيدالشريف ابو الحسن علی بن محمد بن علی، باب التاء، ص ٦٧، دار الکتب العلمیه، الحسنی الجرجانی الحنفی متوفی ٨١٦ھ، بیروت طبع اولیٰ ١٤٢١ھ ٢٠٠٠م)

[13] (لسان العرب باب الدال ص ٢٧٧)

[14] (التعریفات باب التاء۔ ص ٥٨)

[15] (تعریفات باب التاء ص ٥٨)

علامہ اللہ بخش اویسی فرماتے ہیں: تفکر کا لغوی معنی غور کرنا ہے اور اصطلاح منطق میں دو معلوم شدہ تصورات کو ملا کر ایک مجہول شئی کا حاصل کرنا تفکر کہلاتا ہے۔ جیسے حیوان اور ناطق دو معلوم شدہ تصورات کو ملایا تو ہمیں ایک مجہول شئ انسان کا علم ہوا۔ دوسرے لفظوں میں امورِ معلوم کو ترتیب دے کر امورِ مجہولہ کے حاسل کرنے کو تفکر کہتے ہیں۔

جبکہ امورِ مجہولہ کے حصول کے بعد اس پر عمل کرنے سے خطرناک نتائج کا ڈر ہو، دل متردد ہو تو یہ تردد، شک اور شبہہ کی قوت متحرکہ جو علم کی جستجو اور نتائج و عواقب اور اثرات و ثمرات کی طلب و تڑپ میں کود کر معلوم شئ تک آنا چاہتی ہے یہ تدبر ہے جو فکر پہ سوار ہوتا ہے اور فکر کی قوت حسبِ عقل و نظر اسے آگے بڑھاتی ہے تاکہ وہ آئندہ مرتب ہونے والے اثرات سے آگاہ ہوسکے۔ لہٰذا فکر کے لئے مطلوبہ شئ کا تصور و تصویر کا دل میں ہونا ضروری ہے۔ اسی لئے اللہ کی ذات کی بجائے صفات میں تامل و نظر کرو۔ مختصر یہ کہ تفکر سواری ہے اور تدبر سوار ہے۔[16]

تفكر ساعة خير من عبادة الثقلين۔[17]

ایک گھڑی کا تفکر انس و جن کی عبادت سے بہتر ہے۔

فکر کی کئی قسمیں ہیں کہ سالک یہ غور و فکر کرے کہ کس معاملہ میں شریعت کی مخالفت ہے اور کس امر میں نہیں۔ دوسرے یہ غور کرے کہ حق کے حقوق کی ادائیگی سے سالک عاجز ہے اس لئے کہ اس کے احسانات بندوں پر بے شمار ہوں، تیسرے یہ کہ جَفَّ القلمُ بِماهوَ كائنٌ۔[18] (قلم اس چیز کے لکھنے سے خشک ہو گیا جو لکھی جاچکی ہے خواہ وہ سعادت ہو یا شقاوت) پر غور کرے کہ لکھنے والا ان میں ہی جلوہ گر ہوگا۔ چوتھے یہ کہ مَلکی اور مُلکی کاریگریوں وغیرہ پر غور کرے۔ اس تفکر سے عظمت و کبریائی کا غلبہ اس کے دل پر ہوتا ہے۔

حضرت جنید رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے شیطان کو خواب میں ننگا دیکھا تو میں نے کہا کہ تم کو شرم نہیں آتی کہ لوگوں کے سامنے ننگے پھرتے ہو تو اس نے کہا کہ یہ کیسے مرد ہیں؟ مرد تو وہ ہیں جو شونیزیہ مسجد میں بیٹھے ہیں جنہوں نے میرے جگر کو کباب کیا اور میرے بدن کو کمزور کیا تو میں دوڑا اس مسجد کی طرف تو میں نے کچھ لوگوں کو مراقبہ کی حالت میں پایا اور ان لوگوں نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا کہ خبیث کی باتوں سے دھوکہ نہ کھا۔[19]

مراقبہ کی تعریف جو اس کی تمام قسموں پر حاوی ہے یہ ہے کہ "اکثر حالات میں اپنے خیال کو ایک خاص وقت تک پوری پوری توجہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفات کی طرف یا روح کے جسم سے بے تعلق ہونے کی طرف یا اس قسم کے اور خیال کی طرف اس طرح

---

[16] (علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراھیم البغدادی (متوفی ۷۲۵ھ) تفسیر خازن ج ۱ ص ۳۳۲ دار الکتب العلمیہ بیروت طبع اولیٰ ۱۴۲۵ھ)

[17] روح البیان ج ۹ ص ۱۳۷۔

[18] روح البیان ج ۳ ص ۳۰۶۔الهيثمي (ت ٨٠٧)، مجمع الزوائد ١٩٦/٧• البيهقي (ت ٤٥٨)، الاعتقاد للبيهقي ١٤٧• عبد الحق الإشبيلي (ت ٥٨١)، الأحكام الشرعية الكبرى ٣٣٣/٣• القرطبي المفسر (ت ٦٧١)، تفسير القرطبي ٣٣٥/٨• الذهبي (ت ٧٤٨)، ميزان الاعتدال ٦٧٠/٢• ابن رجب (ت ٧٩٥)، نور الاقتباس ٩١/٣• ابن رجب (ت ٧٩٥)، جامع العلوم والحكم ٤٥٩/١• ابن حجر العسقلاني (ت ٨٥٢)، موافقة الخبر الخبر ٣٢٨/١• السخاوي (ت ٩٠٢)، المقاصد الحسنة ١٨٨• محمد بن محمد الغزي (ت ١٠٦١)، إتقان ما يحسن ٢٠٠/١• الزرقاني (ت ١١٢٢)، مختصر المقاصد ٣٤٣• العجلوني (ت ١١٦٢)، كشف الخفاء ٣٦٦/١•

[19] فضائل اعمال، فضائل ذکر ص ۶۴۔

سے لگانا کہ عقل، وہم، خیال اور تمام حواس اس توجہ کے تابع ہو جائیں تا کہ وہ غیر محسوس جس کی طرف تم نے خیال لگایا ہے وہ تمہارے سامنے بمنزلہ محسوس کے ہو جائے اور اس کے غلبہ سے تمہارے منشاء پر عمل ہونے لگے"۔

خلاصہ یہ ہے کہ کسی ایک مفہوم میں اس طرح ڈوب جائے کہ سوائے اس کے کوئی چیز دھیان میں نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَاقَدَّمَتْ لِغَدٍ (الحشر ۱۸) اور ہر جان دیکھے کہ کل کے لئے کیا آگے بھیجا"۔

نیز فرمایا:

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ۔ (الاعراف ۲۰۵)

ترجمہ: اور اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کیا کرو۔

مفسرین نے فِي نَفْسِكَ کا مطلب ای فی قلبک بیان کیا ہے یعنی "اپنے دل میں اپنے رب کا ذکر کر" وَاذْكُرْ امر کا صیغہ ہے حکم دیا جارہا ہے کہ ذکر کر اپنے رب کا۔ اگر اس حکم کی تعمیل میں مشائخ روزانہ ذکر ومراقبہ کریں تو اسے حکم کی تعمیل کہا جائے گا یا بدعت؟ ذاکرین پر اعتراض کرنے والو! ذرا سوچیں کہ آپ دین کی بات کرتے ہیں یا اپنی نفسانی خواہشات کی بناء پر ذکر الٰہی کی مخالفت کرتے ہیں؟ ویسے بھی فِي نَفْسِكَ کا ترجمہ اپنے دل میں، اپنے دھیان میں، اپنی سوچ میں ہی کیا جاسکتا ہے، اپنی زبان سے تو نہیں کیا جاسکتا۔ مراقبہ کیلئے یہ آیت برہان مبین کا درجہ رکھتی ہے اور ذکر قلبی کا ثبوت بھی ہے، ذکر و مراقبہ پر تنقید کرنے والوں کی تابعداری نہ کریں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا (الکھف ۲۸)

اور اس کا کہنا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔

اس آیت میں واضح دلیل ہے کہ ان لوگوں کی اطاعت نہ کریں جن کے دل ہماری یاد سے غافل ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ان کی اطاعت کریں جن کے دل میں ہماری یاد ہے۔ ذکر قلبی کے ثبوت میں بہت بڑی دلیل بھی ہے۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا (المزمل ۸)

اور اپنے رب کا نام یاد کرو اور سب سے ٹوٹ کر (الگ ہو کر) اسی کے ہو رہو۔

اس آیت مبارکہ میں حکم دیا گیا ہے کہ اپنے رب کے نام کا ذکر کر یہاں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ یہ نہیں کہا گیا کہ رب کا ذکر کر۔ ظاہراً یہ بھی کہہ دیا کہ ذاتی نام اللہ کا ذکر کرنے کا حکم ہے۔ چنانچہ لفظ اللہ کا ذکر کرنا رب کے نام کا ذکر کرنا ہوا پس ثابت ہوا کہ قرآن مجید میں لفظ اللہ کا ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس اللہ کی طرف تبتل اختیار کر۔ تبتل کہتے ہیں محبوب کی خاطر ماسوا سے انقطاع اختیار کرنے کو۔ گویا چاہتے ہیں کہ مخلوق سے تعلق توڑو اور رب سے تعلق جوڑو۔ یہ انقطاع عن المخلوق بیٹھے بٹھائے تو نصیب نہیں ہوتا۔

مشائخ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ روزانہ کچھ وقت یک سو ہو کر بیٹھ جائیں۔ آنکھیں بند کر کے یہ سوچیں کہ آج تو میں اپنی مرضی سے آنکھیں بند کر رہا ہوں ایک وقت آئے گا کہ یہ ہمیشہ کیلئے بند ہو جائیں گی۔ اس سے دنیا کی بے ثباتی دل میں بیٹھے گی

اور مخلوق سے کٹ کر خالق حقیقی سے جڑنے کا داعیہ پیدا ہو گا۔اگر طبیعت چاہے تو سر پر کپڑا اڈال لو اور یہ سوچو کہ آج تو اپنی مرضی سے سر پر کپڑا اڈال رہا ہوں ایک وقت آئے گا کہ مجھے کفن پہنا دیا جائے گا۔اس سے تبتل کی کیفیت میں مزید اضافہ ہو گا۔روزانہ دس،پندرہ منٹ یا آدھے گھنٹے تک اسی طرح بیٹھنے سے یہ خیال راسخ ہو تا جائے گا۔پانی کا قطرہ دیکھنے میں کتنا نرم ہو تا ہے لیکن کسی پتھر پر متواتر گر تا رہے تو اس میں سوراخ ہو جاتا ہے۔اس طرح انسان اگر روزانہ اس حالت میں بیٹھ کر اللہ اللہ کا ذکر کرے تو ایک وقت آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں اپنا راستہ بنا لیتی ہے یہ ساری کیفیت مراقبہ کہلاتی ہے اور یہی اس آیت کریمہ کا مقصود ہے۔اس مشق کا نام تبتل رکھیں ،مراقبہ رکھیں ،محاسبہ رکھیں مگر اس حقیقت سے فرار ممکن نہیں کہ اس کا قرآن پاک میں حکم دیا گیا ہے اور مراقبہ قرآن پاک کی تعلیمات پر عمل کرنے کا نام ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ذکر اس ذات اللہ بغیر دوسرے لفظ سے مرکب کئے بدعت ہے اور اللہ تعالیٰ نے کسی کو اسم مفرد کے ذکر کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی مسلمانوں کیلئے کوئی اسم مفرد مجرد مشروع کیا ہے،اسم مفرد مجرد مفید ایمان نہیں ہو سکتا۔کہتے ہیں کہ احادیث نبویہ (علی صاحبہا السلام) سے جملہ مرکبہ کی تعلیم ثابت ہے۔مثلاً سبحان اللہ ، الحمدللہ ۔اللہ اکبر کیا یہ ٹھیک نہیں ہیں؟سبحان اللہ جملہ مرکبہ نہیں بلکہ مضاف،مضاف الیہ ہے چنانچہ تفسیر بیضاوی میں سُبۡحَانَکَ لَا عِلۡمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا (البقرۃ ۳۲) کے تحت لکھا ہے:

وسبحان:مصدر کغفران ولا یکاد یستعمل إلا مضافاً منصوباً بإضمار فعلہ۔[20]

ترجمہ:"سبحان مصدر ہے یہ ہمیشہ مضاف اور منصوب ہو کر مستعمل ہو تا ہے اور اس کا عامل ہمیشہ مقدر ہو تا ہے۔"

لہٰذا سبحان اللہ کے ساتھ بحث یا سبح فعل پوشیدہ سمجھا جائے گا۔اس تمثیل کو سامنے رکھ کر ہم کہتے ہیں کہ اسم ذات منادیٰ ہے اور اس کا حرف ندا محذوف ہے۔قرآن کی پاک میں اس کی دلیل یُوسُفُ أَعۡرِضۡ عَنۡ هَذَا (یوسف ۲۹) ہے کہ یہاں پر یُوسُفُ منادی ہے اور اس سے پہلے حرف ندا "یا" حذف ہے اور اصل میں یایُوسُفُ تھا اسی طرح لفظ اللہ منادی ہے اور اس سے پہلے حرف ندا "یا" محذوف ہے اور اصل میں یااللہ ہے اور "یا" حرف ندا "ادعوا" کا قائم مقام بن کر جملہ تام بن جاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کلام عرب میں جملہ اسمیہ میں کبھی کبھی مبتدا کو ذکر کر دیا جاتا ہے جبکہ خبر محذوف ہوتی ہے۔

یہاں بھی اللہ کا لفظ مبتدا ہے اور خالق،رازق،قادر وغیرہ خبر محذوف ہے۔

مندرجہ بالا دلائل کے بعد کسی اشکال کی گنجائش نہیں رہتی۔تیسری بات یہ ہے کہ کئی قرآنی آیات سے ذکر اسمِ ذات بلا ضمیمہ کا ثبوت ملتا ہے۔مثلاً:

وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّکَ بُكۡرَةً وَأَصِيلًا (الدھر ۲۵)

(اور اپنے رب کا نام صبح وشام یاد کرو۔)

اور

---

[20] تفسیر البیضاوی ج ۱ ص ۷۰ تحت الآیۃ سُبۡحَانَکَ لَا عِلۡمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا (البقرۃ ۳۲)

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا (المزمل ۸)

ان آیات مبارکہ میں رب کے نام کا ذکر "وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ" کے ساتھ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص پوچھے کہ رب کا نام کیا ہے؟ تو کہا جائے گا "اللہ" علم کلام کی تمام کتابوں میں اللہ تعالیٰ کے اسم ذات کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

اللّٰہ ھو علم للذات الواجب الوجود المستجمع لجمیع صفات الکمال المنزہ عن النقص و الزوال۔

یعنی لفظ اللہ نام ہے اس ذات کا جس کا وجود واجب وضروری ہے اور تمام صفات کمالیہ کو جامع ہے اور کمزوریوں اور عیبوں سے پاک ہے۔

تاجدار ختم نبوت ﷺ نے قیامت کے متعلق کے فرمایا ہے: عن أنس بن مالک: رضی اللّٰہ تعالی عنه کنّا نَتَحَدَّثُ أنه لا تقومُ الساعَةُ حتّی لا یُقالَ فی الأرضِ اللّٰہ اللّٰہ وحتی یُمطَرَ الناسُ مطرًا و لا تُنبِتُ الأرضُ وحتی یکونَ للخمسینَ امرأةً القیمُ الواحدُ وحتی تمرَّ المرأةُ بالنعلِ فتقولُ لقدْ کان لها مرَّةً رجلٌ۔[21]

یعنی قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا...الخ۔

اگر مفرد مجرد اسم کا ذکر جائز نہ ہوتا تو نبی علیہ السلام صرف اللہ اللہ کا لفظ نہ فرماتے بلکہ دوسرا لفظ شامل فرماتے دو مرتبہ اللہ اللہ فرماتے ہیں۔

یہ اکیلے بغیر ضم ضمیمہ کے ذکر اسم ذات کے مشروع اور مفید ایمان ہونے کی ٹھوس نبوی (ﷺ) دلیل ہے اور عقل کی بات بھی یہی ہے کہ جب کسی سے محبت ہو تو اس کا نام سنتے ہی محب تڑپ اٹھتا ہے بقول شخصے:

اک دم بھی محبت چھپ نہ سکی — جب تیرا کسی نے نام لیا

جس طرح محبوب کا نام سننے سے کانوں میں رس گھل جاتا ہے اسی طرح محبوب کا نام لینے سے دل کو سکون و آرام ملتا ہے۔

کتنی تسکین ہے وابستہ تیرے نام کے ساتھ — نیند کانٹوں پہ بھی آجاتی ہے آرام کے ساتھ

سالک جب بار بار اسم ذات کا ذکر کرتا ہے تو اس کے انگ انگ میں محبت الٰہی کی مستی چھا جاتی ہے۔

اللہ اللہ! ایں چہ شیریں است نام — شیر و شکر می شود جانم تمام

یعنی اللہ اللہ! کتنا شیریں نام ہے کہ اس کو لینے سے میرا پورا بدن دودھ اور شکر کی مانند ہوگیا۔

رہا یہ اعتراض کہ فقط اللہ، اللہ کے نام کی مالا جپنے میں کیا فائدہ اور سا کہ رٹنے کا کیا مطلب تو عرض یہ ہے کہ

ہم رٹیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو — ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

گویا ان آیات اور احادیث مبارکہ سے لفظ اللہ کا ذکر کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ اسی کو ذکر اسم ذات کہا جاتا ہے، سالکین طریقت لیٹے بیٹھے، چلتے پھرتے، ہر گھڑی ہر آن اسی ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔ اگر محبت بے قرار کر دینے والی اور شدید تر ہو تو محب کو محبوب کا نام لینے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ مزید وضاحت کیلئے محب و محبوب کے تعلق کا قرآن کے حوالے سے جائزہ لیا جاتا ہے۔

---

[21] الهیثمي (ت ۸۰۷)، مجمع الزوائد ۷/۳۳٤• رجاله رجال الصحیح

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (البقرة ۱۶۵) اس کی دلیل یہ ہے کہ "محبوب کے حسن وجمال کی باتیں سن کر محبت میں اضافہ ہو"

وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا (الانفال ۲) اس کی دلیل ہے کہ "محب کو محبوب کے سوا کوئی طلب نہ ہو"

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ (الزمر ۳۶) اس کی دلیل ہے کہ "محبوب کے ذکر سے دل کو طمانیت نصیب ہو۔"

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (الرعد ۲۸) اس کی دلیل ہے کہ "محبوب کا تذکرہ سنتے ہی دل مچل اٹھے۔"

الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ۔ (الانفال ۲) اس کی دلیل ہے کہ "جب محب کو محبوب کے ذکر سے روکا جائے تو وہ ساری دنیا کو لات مار کر پیچھے دھکیل دے"۔

قُلِ اللَّهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ (الانعام ۹۱) اس کی واضح دلیل ہے کہ سالک مراقبے میں بیٹھتے وقت جب یہ سوچتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت آرہی ہے تو حدیث پاک میں ہے:

عن أبي هريرة: رضی اللہ تعالیٰ عنہ إنَّ اللهَ عزَّ وجلَّ، قال: أنا عندَ ظَنِّ عبدي بي،[22]

"یعنی میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے گمان کے موافق ہوں۔"

کے مطابق رحمت دل میں سماجاتی ہے، الغرض پہلے دن ساراوقت دنیاوی خیالات آئے فقط ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کا خیال آیا تو دوسرے دن دنیاوی خیالات کم آئیں گے تیسرے دن اس سے کم حتیٰ کہ وہ وقت آئے گا کہ جب سر جھکائیں گے تو فقط اللہ تعالیٰ کا دھیان رہے گا دنیا کی کمینگی دل سے نکل جائے گی۔

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار　　جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

مراقبہ کے دوران بعض سالکین پر اونگھ سی طاری ہو جاتی ہے یہ إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ (الانفال ۱۱) یعنی جب تمہارے اوپر اونگھ طاری کر دی گئی۔" کے مصداق فیض ہی کی علامت ہوتی ہے گھبرانے کی ضرورت نہیں، ترقی ہوتی رہے گی۔ سالک کو ابتداء میں اپنا دل پتھر کی مانند نظر آتا ہے لیکن مراقبہ میں بیٹھ کر ذکر کی حرارت پہنچانے سے وہ وقت بھی آجاتا ہے جب دل اللہ، اللہ شروع کر دیتا ہے، ظاہر میں یہ عمل جتنا ہلکا پھلکا اور سادہ سا لگتا ہے اس کا اثر اتنا ہی زیادہ ہے چند دن مراقبہ کی پابندی کرنے سے تو یہ حالت ہو جاتی ہے کہ

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن　　بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے

یاد کا یہ طریقہ عاشقوں کا طریقہ نہیں بلکہ محبوبوں کا طریقہ ہے، عاشق تو آہ وزاری اور نالہ و فریاد کرتے ہیں جبکہ محبوب فقط دل میں یاد بساتے ہیں۔ بقول شاعر:

محبت میں جو صادق ہیں وہ کب فریاد کرتے ہیں　　لبوں پہ مہر خاموشی دلوں میں یاد کرتے ہیں

---

[22] شعيب الأرنؤوط (ت ١٤٣٨)، تخريج المسند ٩٠٧٦ • صحيح • أخرجه أحمد (٩٠٧٦) واللفظ له، وابن حبان (٦٣٩). والحديث أخرج أوله البخاري (٧٤٠٥)، ومسلم (٧٥٠٧)

اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کے جھاڑ جھنکار کو صاف کریں تو پھر رحمت الٰہی متوجہ ہوگی، دل کے خالی گھر میں اللہ تعالیٰ کی رحمت تیزی سے اترتی ہے اگر دل میں گناہوں کی خواہشات اور امنگیں بھری ہوئی ہوں اور دل دنیا کی محبت میں ڈوبا ہوا ہو تو رحمت الٰہی اس دل کی طرف متوجہ نہیں ہوا کرتی یہ تو خالی دلوں میں بسیرا کرتی ہے۔ مثال کے طور پر ایگزاسٹ فین کمرے میں اس لئے لگایا جاتا ہے کہ گرم ہوا کو کمرے سے نکال دے۔

اور جب گرم ہوا کمرے سے نکل جائے تو ٹھنڈی ہوا خود بخود اندر آنے لگتی ہے۔

اسی طرح مراقبہ کے ذریعے دنیا کے خیالات (گرم ہوا) نکالے جاتے ہیں اور سکون ورحمت کی ٹھنڈی ہوا خود بخود آنی شروع ہو جاتی ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مراقبہ کرنا مشکل ہے تو یہ ایسا ہے کہ مجنوں کہے کہ مجھے لیلیٰ کی یاد میں مشکل پیش آتی ہے اب مجھ سے لیلیٰ کی یاد نہیں ہوتی، جس طرح مجنوں کیلئے لیلیٰ کا تصور مشکل نہیں اسی طرح اللہ والوں کیلئے اللہ تبارک و تعالیٰ کی یاد بھی مشکل نہیں انہیں اس یاد، خیال اور تصور میں مزہ آتا رہتا ہے مراقبہ ہمارے سلسلہ عالیہ کا خاص معمول ہے اسے تو ہر حال میں کرنا ہی پڑے گا اور حدیث جبرئیل کا عین ہی مصداق ہے: قَالَ: مَا الإِحْسَانُ؟ قَالَ: أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ, فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ۔[23] یعنی احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے، پس اگر ایسا نہ کر سکے کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے تو یوں خیال کر کہ وہ تجھ کو دیکھ ہی رہا ہے۔

یہ مراقبے کی اصل ہے، جو سالک مراقبہ پر دوام رکھے گا یعنی دل کو مشاہدہ ذات حقیقی سے آباد اور غیر اللہ سے محفوظ رکھے گا تو اسی کو مقام احسان حاصل ہو جائے گا اور وہ علم الیقین اور عین الیقین کی منازل طے کرتے ہوئے حق الیقین سے مشرف ہو جائے گا، اسے مقام حضوری اور مقام شہودی حاصل ہو جائے گا۔[24]

حدیث شریف میں آیا ہے:

عن عبداللہ بن عمر: رضی اللہ تعالیٰ عنہما أَخَذَ رسولُ اللهِ ﷺ ببعضِ جسَدي، فقال: يا عبدَ اللهِ، كُنْ في الدُّنيا كأنَّكَ غريبٌ, أو عابرُ سبيلٍ، وعُدَّ نفسَكَ مِن أهلِ القُبورِ[25].

یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے میرا کندھا پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ: دنیا میں اس طرح رہ گویا تو پردیسی ہے یا راہ چلتا مسافر۔ روایت کیا اس کو بخاری و ترمذی نے عابر سبیل کے بعد یہ جملہ زیادہ کیا ہے کہ اپنے آپ کو اہل قبور میں سے شمار کر۔

---

[23] صحیح البخاری کتاب التفسیر ۶۹ باب قولہ ان اللہ عندہ علم الساعۃ ص ۲۴۶ رقم ۴۷۷۷۔

[24] جواھر الغزالی۔

[25] الألباني (ت١٤٢٠)، صحيح ابن ماجه ٣٣٣٨ • صحيح دون قوله: "وعد• "أخرجه البخاري (٦٤١٦) بنحوه, والترمذي (٢٣٣٣), وابن ماجه (٤١١٤) واللفظ له, وأحمد (٤٧٦٤) •

اس حدیث میں اپنے آپ کو اہل قبور میں سے شمار کرنا دل کا عمل ہے اور اس سے دنیا کے تعلقات میں کمی اور مردے کی طرح شہوت، غصہ اور دوسرے برے اخلاق سے دوری پیدا ہوتی ہے اور فرمانبرداری اور رضا کا غلبہ ہوتا ہے اور یہی مقصود مراقبہ ہوتا ہے۔ چنانچہ بزرگوں کا قول ہے: مُوتُوا قبلَ أن تموتُوا۔[26] یعنی "اپنے مرنے سے پہلے مر جاؤ۔"

یہ بھی اسی قول کے مطابق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما: كنتُ خلْفَ النَّبيِّ ﷺ يومًا فقال: "يا غلامُ إني أُعلِّمُك كلماتٍ"احفَظِ اللهَ يَحفظْكَ احفَظِ اللهَ تَجدْهُ تُجاهَك۔[27]

میں آپ ﷺ کے پیچھے سواری پر بیٹھا تھا آپ ﷺ نے فرمایا: اے لڑکے!... اللہ تعالیٰ کا دھیان رکھا کر تو اس کو اپنے سامنے پائے گا۔"

اس حدیث کا مطلب بھی وہی ہے جو مراقبہ کا حاصل ہے، باقی رہی وہ خاص ہیئت جو صوفیاء میں رائج ہے وہ اس کی پختگی کیلئے ہے اس لئے ہیئت کے واسطے نص کی ضرورت نہیں اور بھی بہت سی آیات واحادیث مراقبے کے مفہوم پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً۔

وعن ابن عباس قال: قال أبو بكر: يا رسول الله قد شبت. قال: شيبتني (هود) و (المرسلات) و (عم يتساءلون) و (إذا الشمس كورت)۔[28]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ تو بوڑھے ہو گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"مجھے سورۂ ہود، سورۃ واقعہ، والمرسلٰت، عم یتساءلون اور اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا۔"

سورۂ ہود میں پہلی امتوں کا عذاب الٰہی میں مبتلا ہونے کا ذکر ہے اور سورۂ واقعہ میں دوزخ اور جنت والوں کا تفصیلی ذکر ہے۔ اس حدیث شریف میں ان واقعات میں حضور نبی کریم ﷺ کا پورا پورا غور و فکر کرنے کا ذکر ہے اور یہی مراقبے کا مفہوم ہے۔ اسی طرح اور بھی بہت سے مقامات پر اس مفہوم کا اعادہ ہوا ہے۔ کما لا یخفی علی اربابہ۔

طریقہ: بزرگوں نے مراقبے کے مختلف طریقے لکھے ہیں، لیکن یہاں ایک ایسا طریقہ پیش کیا جاتا ہے جو ہر شخص کیلئے، خواہ وہ کسی سلسلے میں داخل ہو یا نہ ہو، ضروری اور مفید ہے۔ چاہئے کہ ہر وقت کثرت سے یہ سوچا کرے کہ اگر میں نے برا کام کیا یا برا خیال جمایا تو اللہ تعالیٰ دنیا یا آخرت میں سزا دیں گے اور عبادت کے وقت یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ میری عبادت کو دیکھ رہا ہے اس لئے اچھی طرح بجالانی چاہئیے اور دن رات میں ایک خاص وقت مقرر کرکے اپنے اعمال کا جائزہ لیا کرے اور نیک کاموں پر اللہ تعالیٰ کا شکر اور برے کاموں پر استغفار کرے، اس کو محاسبہ کہتے ہیں، چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے:

---

[26] ابن حجر العسقلاني (ت٨٥٢)، أسئلة وأجوبة ٥٩• ملا علي قاري (ت١٠١٤)، الأسرار المرفوعة ٣٤٨• الزرقاني (ت١١٢٢)، مختصر المقاصد ١١١٠•

[27] شعيب الأرنؤوط (ت١٤٣٨)، تخريج رياض الصالحين ٦٢• إسناده صحيح • أخرجه الترمذي (٢٥١٦) بنحوه، وأحمد (٢٨٠٣) الطبراني (ت٣٦٠)، المعجم الأوسط ٥/٣١٦• ابن رجب (ت ٧٩٥)، جامع العلوم والحكم ١/٤٥٩• ابن حجر العسقلاني (ت٨٥٢)، تخريج مشكاة المصابيح ٥/٥٥•

[28] محمد المناوي (ت٨٠٣)، تخريج أحاديث المصابيح ٤/٤٣٠• ابن حجر العسقلاني (ت٨٥٢)، تخريج مشكاة المصابيح ٥/٧٤• الترمذي (ت ٢٧٩)، سنن الترمذي ٣٢٩٧•

الکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ،[29]

"یعنی دانا (عقلمند) وہ شخص ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور موت کے بعد (کی زندگی) کیلئے عمل کرے۔" اور صفات الٰہی کے تدبر میں اپنے خیال کو محو کر دے، ان شاء اللہ العزیز تھوڑے دنوں میں اس دھیان پیدا ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کوئی بات نہ ہو گی۔

سلسلہ نقشبندیہ کے مراقبات

نیت وقوف مراقبات

۱) نیت مراقبہ وقوف قلب:

فیض می آید از ذات بیچون بہ لطیفہ قلبی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

توقف۔۔۔۔روز

۲) نیت مراقبہ وقوف روح:

فیض می آید از ذات بیچون بہ لطیفہ روحی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

توقف۔۔۔۔روز

۳) نیت مراقبہ وقوف سر:

فیض می آید از ذات بیچون بہ لطیفہ سری من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

توقف۔۔۔۔روز

۴) نیت مراقبہ وقوف خفی:

فیض می آید از ذات بیچون بہ لطیفہ خفی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

توقف۔۔۔۔روز

۵) نیت مراقبہ وقوف اخفیٰ:

فیض می آید از ذات بیچون بہ لطیفہ اخفائے من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

توقف۔۔۔۔روز

۶) نیت مراقبہ وقوف نفسی:

فیض می آید از ذات بیچون بہ لطیفہ نفسی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

توقف۔۔۔۔روز

۷) نیت مراقبہ وقوف قالبی:

---

[29] سنن الترمذی، کتاب الزھد ویلیہ کتاب صفۃ القیامۃ، باب ۲۵، حدیث ۲۴۵۹۔

فیض می آید از ذات بیچون بہ لطیفہ قالبی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

توقف۔۔۔۔روز

۸)نیت مراقبہ وقوف خمسۂ عالم امر:

فیض می آید از ذات بیچون بہ لطائف خمسہ عالم امر من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

توقف۔۔۔۔روز

۹)نیت مراقبہ وقوف خمسۂ عالم خلق:

فیض می آید از ذات بیچون بہ لطائف خمسہ عالم خلق من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

توقف۔۔۔۔روز

۱۰)نیت مراقبہ وقوف مجموعہ لطائفِ عالمِ امر وعالم خلق:

فیض می آید از ذات بیچون بہ مجموعہ لطائف عالم امر وعالمِ خلق من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

توقف۔۔۔۔روز

۱۱)نیت مراقبہ احدیت:

فیض می آید از ذات بیچون کہ جامع جمیع صفات وکمالات است ومنزّہ از جمیع عیوب ونقصانات است وبی مثل است بہ لطیفہ قلبی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ تو

قف۔۔۔۔روز

نیت اصول مراقبات

۱۲)نیت مراقبہ اصل قلب:

الٰہی قلب من بمقابل قلب نبی علیہ السّلام، آن فیض تجلّائی صفات فعلیہ خود کہ از قلبِ نبی علیہ السّلام بہ قلبِ آدم علیہ السّلام رسانیدہ بہ قلبِ من نیز برسانی بواسطہ پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ۔

توقف۔۔۔۔روز

ترجمہ: اے اللہ! میرا لطیفۂ قلب رسول اکرم ﷺ کے لطیفۂ قلب کے بالمقابل فیض کا منتظر ہے جو تو نے اپنی صفات فعلیہ سے حضرت آدم علیہ السلام کے لطیفہ تک پہنچایا، وہ فیض میرے لطیفۂ قلب پر بھی القاء فرما بزرگان دین رحمہم اللہ تعالیٰ کے وسیلۂ جمیلہ سے۔ یہ ولایت کا پہلا زینہ ہے، اس زینہ پر چڑھنے والا حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ہر وقت توبہ وانابت میں محو ومشغول رہتا ہے، نیز بری عادات وصفات رذیلہ کو ترک کر کے اخلاق حسنہ کو اپنانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ تاکہ اس حدیث مبارک **تخلقوا بأخلاق اللہ** (اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی صفات پیدا کرنے کی کوشش کرو) کا مصداق بن جائے۔ اسے ہر شے میں اللہ تعالیٰ کے جلوے نظر آتے ہیں اور اور اپنے ودیگر مخلوقات کے افعال کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے لگتا ہے۔

اثرات: اس لطیفہ کے مراقبہ میں اپنے افعال اور تمام افعال اور تمام مخلوق کے افعال سالک کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتے ہیں اور ایک فاعل حقیقی کے فعل کے سوا اس کی نظر میں اور کچھ نہیں آتا۔ جب اس دید کا غلبہ ہو جاتا ہے تو سالک کائنات کی ذات وصفات کو حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات وصفات کا مظہر دیکھتا ہے اور ماسوا کو اس قدر بھول جاتا ہے کہ بتکلف یاد کرنے پر بھی یاد نہیں آتا اور دنیا کے غم و خوشی سے قلب متاثر نہیں ہوتا، اس کو فنائے لطیفۂ قلب کہتے ہیں۔

۱۳)نیت مراقبہ اصل روح:

الٰہی روح من بمقابل روح نبی علیہ السّلام، آن فیض تجلّائی صفات ثمانیہ ثبوتیہ ذاتیہ حقیقیہ خود کہ از روح نبی علیہ السّلام بہ روح ابراھیم ونوح علیہم السّلام رسانیدہ بہ روحِ من نیز برسانی بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

توقف۔۔۔روز

ترجمہ: اے ذات باری تعالیٰ میرا لطیفۂ روح رسول اکرم ﷺ کے لطیفۂ روح کے بالمقابل فیض کا منتظر ہے اپنی آٹھ حقیقی صفات کی تجلیات کا فیض جو کہ رسول اکرم ﷺ کے لطیفۂ روح سے حضرت ابراہیم ونوح علیہما السلام کے لطیفۂ روح پر پہنچا۔ وہ فیض میرے لطیفہ روح پر بھی القاء فرما۔ بزرگان دین علیہم الرضوان کے توسل سے۔

اس لطیفہ کے مراقبہ کرنے والے میں حضرت نوح وابراہیم علیہما السلام کی طرح صفت توکل پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ مصائب و آلام سے نہیں گھبراتا بلکہ خندہ پیشانی سے حوادث زمانہ کا مقابلہ کرتا ہے، نفس و شیطان کی مکاریوں سے بچتے ہوئے ہمہ وقت ذات باری تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے جو چیز بھی یاد خدا میں حائل ہو، اسے ذبح کرتا چلا جاتا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح عالم ملک و ملکوت کا مشاہدہ کرتا ہے، یعنی اسے سیر آفاقی نصیب ہوتی ہے۔

اثرات: لطیفۂ روح کی فنا اس وقت حاصل ہوتی ہے جب سالک کی نظر سے اپنی اور تمام مخلوقات کی صفات غائب ہو جائیں اور تمام صفات کی نسبت حق تعالیٰ ہی کی طرف نظر آئے۔ اس مقام میں جب سالک اپنے آپ سے اور تمام مخلوقات سے وجود کی نفی کرتا ہے جو کہ تمام صفات کی اصل ہے اور حق تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے وجود کا اثبات نہیں کرتا تو ناچار توحید وجودی کا قائل ہو جاتا ہے۔

دراصل اس سبق کے اثرات مختلف ہیں، اس سبق میں سالک کی نظر سے اپنی صفات زائل ہو جاتی ہیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کی صفات کا غلبہ ہو جاتا ہے، اس مقام پر سالک کو وہ نعمت ملتی ہے جس کو کہتے ہیں۔ تخلقوا بأخلاق الله تعالى (اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متصف ہو جاؤ) جب سالک روح کی فنایت حاصل کر لیتا ہے تو پھر اس کے اوپر صفات باری تعالیٰ کا اتنا اثر آجاتا ہے کہ اس کی ذات ان صفات میں گم ہو جاتی ہے، اس کے اندر بھی وہ صفات آجاتی ہیں، اور جب یہ صفات آجائیں تو بندہ قرب کا مقام پالیتا ہے اور ان صفات کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کا پیارا بن جاتا ہے۔ اس مقام پر سالک کو وہ درجہ ملتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ حدیث قدسی میں فرماتا ہے:

ولا يزال عبدي يتقرب إلي بالنوافل حتى أحبه فإذا أحببته كنت سمعه الذي يسمع به وبصره الذي يبصر به ويده التي يبطش بها ورجله التي يمشي بها وإن سألني لأعطينه۔[30]

---

[30] صحيح البخاري، ج۵، ص ۲۳۸۴۔ الناشر: دار ابن كثير، اليمامة - بيروت

یعنی "بندہ نوافل کے ذریعے میرا اقرب حاصل کرلیتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے تو میں اسے عطا کرتا ہوں"۔

اور پھر اس مقام والے بندے کو اللہ تعالیٰ ایک ایسی نعمت عطا فرماتا ہے کہ اس کی دعائیں رد نہیں ہوتیں۔ چنانچہ اسی حدیث مبارکہ میں ہے **وان سألني أعطينه** "اگر وہ بندہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں عطا کرتا ہوں"، یعنی مستجاب الدعوات ہونے کا درجہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ عنایت فرمادیتا ہے۔ سبحان اللہ! شاعر نے شاید اسی متعلق کہا ہے:

گفتہ اُو گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

ان (اللہ والوں) کا کہنا اللہ تعالیٰ کا فرمانا ہے اگرچہ بندہ کے منہ سے وہ الفاظ نکلے ہوں۔

۱۴) نیت مراقبہ اصل سِرّ:

سالک اپنے لطیفۂ سر کو آں تاجدار ختم نبوت ﷺ کے لطیفۂ سر کے مقابل تصور کر کے زبان حال سے بارگاہ الٰہی میں التجا کرے اور یہ نیت کرے:

الٰہی سر من بمقابل سر نبی علیہ السّلام، آن فیض تجلّائی صفات شیوناتِ ذاتیہ خود کہ از سر نبی علیہ السّلام بہ سر موسیٰ علیہ السّلام رسانیدہ بہ سر من نیز برسانی بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

توقف۔۔۔۔روز

شیون جمع ہے شان کی اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ شان ذاتیہ ہے کہ جس سے وہ صفات ثبوتیہ کے ساتھ موصوف ہے:

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (الرحمٰن ۲۹)

ترجمہ: ہر روز وہ (اللہ تعالیٰ) ایک نئی نئی شان میں ہے۔

مکتوب امام ربانی رحمہ اللہ تعالیٰ شیونات کے بارے میں

شیونات

جمع الجمع کا صیغہ ہے اس کا مفرد شان ہے اور شیون اس کی جمع ہے۔ شان کا معنی حال اور امر ہے۔[31] آیتِ مبارکہ **كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (الرحمن ۲۹)** اس مرتبے اور اصطلاح کی اصل ہے۔

اللہ تعالیٰ جب اپنے بندے پر تجلی فرماتا ہے تو اس تجلی کو حق کے اعتبار سے شانِ الٰہی کہا جاتا ہے اور بندے کے اعتبار سے حال کہتے ہیں۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ شیونات کی تعریف میں رقم طراز ہیں۔ اردو ترجمہ حسبِ ذیل ہے:

---

[31] مجمع بحار الانوار ص ۱۷۰۔

اللہ تعالیٰ کی شیونات، اس کی ذات کی فرع ہیں اور اس کی صفات ان شیونات پر ہی متفرع ہیں اور اس کے اسماء جیسے خالق ورازق (وغیر ھا) صفات پر متفرع ہیں اوراس کے افعال ان اسماء پر متفرع ہیں اور تمام موجودات افعال کے نتائج ہیں اوران ہی پر متفرع ہیں۔ (اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے) پس معلوم ہو گیا کہ شیون اور چیز ہیں اور صفات اور چیز اور شیون خارج میں عینِ ذات ہیں اور صفات خارج میں ذات پر زائد ہیں۔[32]

نیز حضرت امام ربانی قدس سرہ مزید فرماتے ہیں کہ وہ فیض جو حق تعالیٰ کی طرف سے سالک کو پہنچتا ہے دو قسم کا ہے ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق ایجاد (موجود کرنا) اِبقاء (باقی رکھنا) تخلیق (پیدا کرنا) ترزیق (رزق دینا) احیاء (زندہ کرنا) اماتت مارنا (مارنا) وغیرہا کے ساتھ ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو ایمان، معرفت اور مراتبِ ولایت و نبوت کے تمام کمالات سے متعلق ہے۔ پہلی قسم کا فیض سب کو صفات کے ذریعے سے آتا ہے اور دوسری قسم کا فیض بعض کو صفات کے ذریعے سے اور بعض کو شیونات کے واسطے سے آتا ہے اور صفات و شیونات کے درمیان بہت باریک فرق ہے جو محمدی المشرب اولیاء کے علاوہ کسی پر ظاہر نہیں ہوا اور نہ ہی کسی اور نے اس کی نسبت کلام کیا...

اس بیان کو ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں مثلاً پانی بالطبع اوپر سے نیچے کو آتا ہے یہ طبعی فعل اس میں حیات، علم، قدرت وارادہ کا اعتبار پیدا کرتا ہے کیونکہ صاحبانِ علم اپنے ثقل کے باعث بتقاضائے علم اوپر سے نیچے کو آتے ہیں اور فوق کی طرف توجہ نہیں کرتے اور علم حیات کے تابع ہے اور ارادہ علم کے تابع ہے۔ اس طرح قدرت بھی ثابت ہوگئی کیونکہ ارادہ میں اَحَدُ المقدورَین (دو مقداروں میں سے ایک کو اختیار کرنا) کی تخصیص ہے پس یہ اعتبارات جو پانی کی ذات میں ثابت کیے جاتے ہیں بمنزلہ شیونات کے ہیں۔ اگر ان اعتبارات کے باوجود پانی کی ذات میں صفاتِ زائدہ ثابت ہو جائیں تو وہ وجودِ زائد کے ساتھ صفاتِ موجودہ کی طرح ہوں گے۔ پانی کو پہلے اعتبارات کے لحاظ سے حیی، عالم، قادر اور مرید نہیں کہہ سکتے۔ ان اسموں کے ثابت کرنے کے لئے صفاتِ زائدہ کا ثابت کرنا ضروری ہے۔

لہٰذا جو کچھ بعض مشائخ کی عبارات میں پانی کے متعلق مندرجہ بالا اسموں کے ثبوت میں واقع ہوا ہے ان کی بنیاد شیون وصفات میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے ہے اور اسی طرح صفات کے وجود کی نفی کا حکم بھی اس فرق کے معلوم نہ ہونے پر محمول ہے اور شیون وصفات کے درمیان دوسرا فرق یہ ہے کہ مقامِ شیون صاحبِ شان کا مواجہ (روبرو) ہے اور مقام صفات ایسا نہیں ہے۔[33]

مقام شیون مواجہۂ ذات ہے

حضرت امام ربانی قدس سرہ کی نظر میں بنیاد یہ ہے کہ جو حضرات صرف شہودِ صفات تک پہنچے ہیں وہ ابھی مرتبۂ ذات تک وصول کی سعادت سے مشرف نہیں ہوئے اور جو شہودِ شیونات کے مرتبے سے شادکام ہیں انہیں وصولِ ذات کا مرتبہ بھی حاصل ہے کیونکہ شیونات، ذاتِ حق تعالیٰ پر زائد نہیں اور نہ ہی ان کا وجودِ خارجی ثابت ہے لیکن صفات، ذات پر زائد ہیں اور وجودِ خارجی بھی

---

[32] معارف لدنیہ معرفت ص ۲۰۔

[33] دفتر اول مکتوب ۲۸۷۔

رکھتی ہیں لہٰذا سیر صفات میں تعلقاتِ صفات پیش نظر ہوتے ہیں اوروہ ممکنات ہیں اس مرتبے میں عارف مرتبۂ ذات سے دور رہتا ہے کیونکہ یہ مقام صفات کا ہے لیکن مقامِ شیون مرتبۂ ذات تک وصول کا نام ہے لہٰذا مقام شیون کو مواجہۂ ذات قرار دیا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اثرات: فنائے سر یہ ہے کہ سالک اس مقام میں اپنی ذات کو حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات میں مٹا ہوا پاتا ہے اور اسے ذات حق اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی ذات نظر نہیں آتی، جب سالک ذات وصفات الٰہی میں فنا ہو جاتا ہے تو طعن و ملامت کی پرواہ نہیں کرتا اور نہ ہی کسی تعریف وتوصیف کا خواہشمند رہتا ہے، صرف ذات حق میں مستغرق رہتا ہے۔

یہاں ایک نقطہ قابل غور ہے کہ تینوں چیزیں ہیں: ایک اللہ تعالیٰ کی ذات، دوسری اس کی صفات تیسری اس کی شیونات۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہم جانتے ہیں، دوسری اس کی صفات ہیں جن کے بارے میں مشائخ نے فرمایا ہے کہ **لا ھو و لا** غیرہ اور تیسری شیونات ہیں، شیونات جمع شان کی ہے۔

یہاں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ جب محبوب کا ہر روز ایک نیا جلوہ ہے تو محب کے دل میں محبت کا ایک نیا ولولہ ہے، اللہ تعالیٰ کے جلووں کی انتہا نہیں اور عاشق کے ولولوں کی انتہا نہیں۔ ایسے عاشق صادق کو ہزار سال کی عمر بھی دی جائے تو بھی بندگی سے نہیں تھکے گا، روز ایک نئی مستی ہوگی، ایک نیا لطف ہوگا، روز اس کے اندر اللہ کی عبادت کا ایک نیا جذبہ ہوگا، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے جلوؤں کو شیونات کہتے ہیں۔ ان کا فیض سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ملا، اب یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ جلوہ کا شکار تھے۔

(سبحان اللہ!) انبیاء علیہم السلام میں سے کس نے کہا کہ مجھے دیدار کرنا ہے، صرف موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے عرض کیا تھا، چونکہ بات کرنے کا موقع ملا تھا اور شیونات ذاتیہ کا فیض سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو لطیفۂ سر کے ذریعے سے ملا تھا اس مقام پر موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا تھا کہ

رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ (الاعراف ۱۴۳) اور یہ مقام مقام مشاہدہ کہلاتا ہے۔

جن مشائخ نے غلبۂ حال میں کچھ الفاظ کہہ دیئے ہیں وہ اس مقام میں ہی کہے ہیں، جیسے بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا تھا: **سبحانی ما أعظم شانی**، انہوں نے اپنے آپ کو دیکھ کر نہیں کہا بلکہ وہ اللہ رب العزت کی طرف متوجہ تھے، اس لئے ایسی بات کہہ دی۔ منصور حلاج (حسین بن منصور) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے **أناالحق** کہنے سے مراد یہ نہیں تھا کہ ''میں خدا ہوں'' بلکہ منصور حلاج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ ''میں نہیں ہوں، صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے''۔ یعنی وہ اپنے آپ کو گم پاتے تھے۔ اس لئے کسی نے پوچھا کہ فرعون نے **انا ربکم الاعلیٰ** کہا تو ہلاک ہوا۔ اور منصور حلاج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے **أنا الحق** کہا تو وہ اہل محبت کے نزدیک کامیاب ہوئے، اس کا کیا مطلب؟ دعویٰ تو ایک جیسا ہی ہے، تو جواب دیا گیا کہ فرعون نے **انا ربکم الاعلیٰ** کہا تھا اپنے آپ کو رکھنے کے لئے اور اللہ کو مٹانے کے لئے جب کہ منصور حلاج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے **أنا الحق** اللہ کو رکھنے کے لئے اور اپنے آپ کو مٹانے کے لئے کہا تھا۔ چونکہ اپنے کو مٹانے کی نیت سے کہا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو عزتوں سے نوازا اور فرعون بدبخت کو اللہ تعالیٰ نے عذاب میں ڈالا۔ فنائے خفی کی علامت ظاہر کا مظاہر سے الگ ہونا ہے، یعنی حق باطل سے ممتاز ہو جاتا ہے اور وحدت کثرت سے ممتاز ہو جاتی ہے۔ فنائے اخفٰی کی علامت اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اختیار کرنا ہے، یعنی تمام رذائل اخلاق حسنہ میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اس مقام پر

انسان وَإِنَّکَ لَعَلَی خُلُقٍ عَظِیمٍ (سورۃ القلم ۴) کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے جو آفاق و انفس میں ظاہر ہوتا ہے وہ ظلیت کے داغ سے داغ دار ہے، جو لطائف عالم امر کے ہیں یا عالم خلق کے، اس کو آفاق اور انفس کہا جاتا ہے۔

مکتوب امام ربانی رحمہ اللہ تعالیٰ دورانِ سلوک مشاہدات کے بارے میں متن

بعد ازان مرتبۂ وجوب کہ جامع صفات کلیہ است ظاہر شد و بصورتِ زن غیر جمیلہ مُسوَدّاللون متمثل گشت و پس ازان مرتبۂ احدیت بصورتِ مرد درازِ بالا کہ بر دیوارِ باریک پہن ایستادہ است متجلی گشت و این ہر دو تجلی بعنوان حقانیہ ظاہر شدند بخلاف تجلیاتِ سابق کہ نہ باین عنوان بودند۔

ترجمہ: اس کے بعد مرتبۂ وجوب جو کہ صفاتِ کلیہ کا جامع ہے ظاہر ہوا اور بد صورت سیاہ رنگ عورت کی صورت میں نظر آیا اور اس کے مرتبۂ احدیت ایک دراز قد آدمی کی صورت میں ظاہر ہوا جو کم عرض والی دیوار پر کھڑا ہوا اور یہ دونوں تجلیات حقانیت کے عنوان (سرنامہ) کی صورت میں ظاہر ہوئیں بخلاف سابقہ تجلیات کے کہ وہ اس عنوان کے ساتھ ظاہر نہیں ہوئی تھیں۔

شرح

اس مکتوبِ قدسی میں آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے دوران سلوک پیش آنے والے مشاہدات اور واقعات کا ذکر فرمایا ہے اور ساتھ ہی بعض طالبان طریقت کے باطنی حالات پر بھی تبصرہ فرمایا ہے چنانچہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ رقم طراز ہیں کہ قبل ازیں جو تجلیات مرتبۂ ممکنات میں ظاہر ہوئی تھیں، بندہ نے ان کا حال سابقہ مکتوبات میں عرض کر دیا ہوا ہے اب مرتبۂ وجوب کی تجلیات اور ان کے مشاہدات کا بیان عرضِ خدمت ہے۔ مناسب ہے کہ پہلے تجلی کے مفہوم و ثبوت اور اس کی اقسام کا ذکر کیا جائے۔

تجلی کا مفہوم

تجلی کا لغوی معنی "ظاہر کرنا و ظاہر ہونا" ہے۔ اصطلاحِ صوفیاء میں اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور اسماء و افعال کا کسی شان یا رنگ، کیفیت یا حالت میں اظہار تجلی کہلاتا ہے۔

تجلی کا ثبوت

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کا رَبِّ أَرِنِي مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے تجلی فرمائی۔

فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسٰی صَعِقًا (الاعراف ۱۴۳)

"پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام گرے بے ہوش۔"

حدیث پاک میں ہے:

أتاني ربي في أحسن صورة۔[34]

ترجمہ: حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرا رب میرے پاس ایک اچھی صورت میں آیا۔

---

[34] ترمذی ص ۱۵۶ ج ۲۔

تجلیات لاتعداد ہیں

چونکہ اللہ تعالیٰ کے ظہور کی شانیں بے انتہاء ہیں لہذا تجلیات بھی لاتعداد ہیں۔ ہر شخص پر اس کی استعداد کے مطابق جداگانہ تجلیات ہوتی ہیں جو تجلی ایک شخص پر ایک مرتبہ ہوتی ہے وہ پھر دوبارہ اس پر یا کسی اور پر کبھی نہیں ہوتی کیونکہ تجلیات میں تکرار نہیں ہر دم، ہر لحظہ اور ہر آن وہ نئی نئی شان میں تجلی فرماتا رہتا ہے۔ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (الرحمن ۲۹) جس طرح اس کی ذات لامتناہی ہے اسی طرح اس کی تجلیات بھی حد و حصر سے باہر ہیں۔

اے ترا بر طورِ دل ہر دم تجلائے دگر　　　طالبِ دیدار تو ہر لحظہ موسائے دگر

اقسامِ تجلیات

ان لامتناہی تجلیات کا احاطہ و حصر قطعاً ناممکن ہے تاہم نمونہ کے طور پر چند تجلیات کا ذکر درج ذیل ہے۔

۱۔ تجلی آثاری

اس کو تجلی صوری بھی کہتے ہیں۔ سالک اس تجلی میں حضرت حق سبحانہ تعالیٰ کو صورت تمثیلی میں دیکھتا ہے اور وہ جان بھی لیتا ہے کہ یہ تجلی اسی ذات وحدہ لاشریک کی ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام پر ابتداء میں تجلی بصورت نار ہوئی پھر بصورتِ شجر، انہوں نے یہ بھی جان لیا کہ اس صورت میں کون متجلی ہے۔ کبھی یہ تجلی خواب میں بھی ہوتی ہے لیکن محتاجِ تعبیر رہتی ہے۔ یہ تجلی کامل طور پر صورت انسان میں ہوتی ہے۔

۲۔ تجلی فعلی

اس تجلی میں سالک حق تعالیٰ کو صفاتِ فعلیہ ربوبیۃ میں سے کسی صفت کے ساتھ متجلی پاتا ہے اس مشاہدے میں سالک سے حول و قوت اور فعل و ارادہ سلب ہو جاتا ہے اور وہ ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو متصرف و جاری دیکھتا ہے۔

۳۔ تجلی صفاتی

اس تجلی میں سالک حق تعالیٰ کو امہاتِ صفات میں متجلی پاتا ہے۔ امہاتِ صفات آٹھ ہیں۔ ان کو صفاتِ ثمانیہ حقیقیہ بھی کہا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں:

۱۔ تکوین　　۲۔ حیات　　۳۔ علم　　۴۔ قدرت

۵۔ ارادہ　　۶۔ سمع　　۷۔ بصر　　۸۔ کلام

تجلی ذاتی

اس تجلی میں سالک فانی مطلق ہو کر اپنے علم، شعور اور ادراک سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ عبد فانی ہو جاتا ہے اور حق باقی رہتا ہے۔ اسی فنائیت کے بعد بقاء باللہ کا مقام آتا ہے اس تجلی میں سالک اپنے آپ کو بلاتعین جسمانی و روحانی اطلاق کے رنگ میں پاتا ہے اور کمال توحید عیانی کا مشاہدہ کرتا ہے۔

مزید اقسام

ان کے علاوہ بھی تجلیاتِ غیر متناہیہ ہیں، حق سبحانہ وتعالیٰ جس صورت میں جس چیز کے ساتھ جس طرح اور جب جس پر چاہتا ہے ہر معقول، مفہوم، موہوم، مسموع ومشہود میں تجلی فرماتا ہے اور سالک انہیں تجلیات پر قانع نہیں رہتا بلکہ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ (ق ۳۰) کی صدائیں بلند کرتا رہتا ہے۔

بعض صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے حسبِ ذیل تجلیات کی بھی نشاندہی فرمائی ہے۔

تجلی ظہوری، تجلی رحمانی، تجلی رحیمی، تجلی شہودی، تجلی جمادی، تجلی نباتی، اور تجلی حیوانی وغیرہا۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ مرتبۂ وجوب میں سیر کے دوران پیش آنے والے واقعات وواردات کا بیان فرما رہے ہیں۔

مرتبۂ وجوب

یہ مرتبہ صفاتِ کلیہ کا جامع مرتبہ ہے اور دائرہ اصل سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ عارف کے لئے مشاہدے کا مقام ہے اور وہ اس رتبے میں صفاتِ حقیقیہ ثمانیہ کی سیر کرتا ہے۔

مشاہدہ

کسی امر کے استحضار اور یقینی تصور کا قلبِ سالک پر اس طرح غالب اور قوی ہو جانا کہ گویا وہ دل کی آنکھ سے اسے دیکھ رہا ہے مشاہدہ کہلاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

نکون عند رسول الله صلى الله عليه وسلم يذكرنا بالنار والجنة حتى كأنا رأى عين۔[35]

''ہم لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں جب دوزخ وجنت کا ذکر سنتے تو یوں معلوم ہوتا جیسے ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔''

وجوب کے مرتبے میں سالک کو دو قسم کا مشاہدہ ہوتا ہے کبھی صفات بدون تعلقات اس کی نظر میں بعنوانِ کلیت مشہود ہوتی ہیں اور کبھی صفات متعلق بہ معلومات ومقدورات بعنوانِ جزئیت نظر آتی ہیں۔

قسم اول

پہلی قسم کے مشاہدے کو شہودِ صفاتِ کلیہ کا نام دیتے ہیں۔ اس مرتبے میں صفاتِ مجردہ مشہود ہوتی ہیں ان کا ممکنات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

قسم دوم

دوسری قسم کو شہود صفاتِ جزئیہ کہا جاتا ہے اس مرتبے میں صفات کا ممکنات کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اور سالک مشاہدہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت علم فلاں معلوم کے ساتھ اور صفتِ قدرت فلاں مقدور کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ علی ہذا القیاس تمام صفات، ممکنات سے متعلق نظر آتی ہیں۔ سالکین کے نزدیک مشاہدے کی پہلی قسم (شہود صفات کلیہ) زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

---

[35] مسلم ص ۳۵۵ ج ۲۔ رقم ۲۷۵۰۔

تجلیاتِ عالمِ وجوب

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو مرتبہ وجوب میں سیر باطنی کے دوران عالم وجوب کی تجلیات مختلف صورتوں میں نظر آئیں۔ مثلاً مرتبہٗ وجوب بدصورت سیاہ رنگ کی عورت کی شکل میں نظر آیا اور مرتبہٗ احدیت ایک دراز قد آدمی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس کی معنویت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سالکین پر تجلیات کا نزول کبھی صورت میں ہوتا ہے اور کبھی بے صورتی میں، کبھی کسی خاص کیفیت میں اور کبھی بے کیفی میں لیکن اس مرتبے میں کامل تجلی انسان کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے کیونکہ تنزیہہ اور تشبیہہ دونوں مرتبے توحید کے ہیں اوران دونوں مرتبوں میں سالکین کو مشاہدہ نصیب ہوتا رہتا ہے۔ جیسا کہ بعض مفسرین نے صراحت فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن قرآن کے ہر حرف کی صورت میں تجلی فرمائے گا۔

حضرت مولانا عبد الرحمان جامی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

اگر خواہد در ہر صورت از صور عالم ظاہر گردد اگر خواہد از ہمہ منزہ باشد۔[36]

اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کائنات کی ہر صورت میں ظہور فرمائے اگر چاہے تو ہر صورت سے منزہ رہے۔

عنوان حقانیت

حضرت امام ربانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ دونوں تجلیاں بعنوان حقانیت ظاہر ہوئیں جبکہ سابقہ تجلیات اس عنوان کے ساتھ ظاہر نہ ہوئی تھیں، عنوان حقانیت کا مطلب یہ ہے کہ یہ تجلیاں اپنی حقیقت کے ساتھ مشہود ہوئیں اور انہیں اچھی طرح پہچان لیا گیا کہ ان کی اصل حقیقت کیا ہے یہ شناخت کامل استعداد والے اہل حال کے شہود سے مربوط ہے (عام درجے کے سالک اس استعداد کے مالک نہیں ہوتے۔) (واللہ تعالیٰ اعلم)

متن

ودرہمین اثناء آرزوئے موت پیدا شد وچنان در نظر آمد کہ من گویا شخصے ام بر کنار دریائے محیط ایستادہ ام بارادۂ آنکہ خود را در دریا اندازد امّا از عقب او را بریسمانے مضبوط کردہ اند کہ نمی تواند بدریا درون رفت وآن ریسمان عبارت از تعلقات بدن عنصری خود میدانستم وآرزو می کردم کہ این ریسمان گستہ شود وایضاً کیفیتے خاص روداد کہ درآن وقت بطریق ذوق دریافت کہ دل را ہیچ پایستے غیر از حق سبحانہ نماندہ است۔

ترجمہ: اسی اثناء میں موت کی خواہش پیدا ہوئی اور ایسا نظر آیا گویا کہ میں ایک شخص ہوں جو دریائے محیط (بہت بڑے سمندر) کے کنارے اس ارادہ کے ساتھ کھڑا ہے کہ اپنے آپ کو دریا میں ڈال دے لیکن پیچھے سے اس کو ایک رسی سے ایسا مضبوط

---

[36] شرح مکتوبات قدسی آیات مکتوب ۱۴۔

باندھ دیا گیا ہے کہ دریا میں گر ہی نہیں سکتا میں اس رسی سے مرادا پنے بدن عنصری کے تعلقات کو سمجھتا تھا اور خواہش کرتا تھا کہ وہ رسی ٹوٹ جائے اور نیز ایک کیفیت یہ ظاہر ہوئی کہ اس وقت ذوق کے انداز پر مجھے معلوم ہوا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے سوا دل میں کوئی خواہش نہیں رہی۔

شرح

خواہش وصل

سطور بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ عالمِ وجوب کے مشاہدہ کے دوران مجھ پر موت کی آرزو غالب ہونے لگی اس آرزو کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ عارف جب عالمِ وجوب کی نورانیت، قدسیت اور لطافت کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس پر وصل کی خواہش غالب آجاتی ہے لیکن جب حیات دنیاوی میں یہ وصل ممکن نظر نہیں آتا تو عارف لا محالہ موت کی آرزو کرتا ہے کیونکہ الموت جسر یو صل الحبیب الی الحبیب یعنی موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔

آرزوئے موت

محبوبانِ خدا وصل کے شوق میں موت کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خود سرورِ کائنات ﷺ نے شوق شہادت میں فرمایا:

والذي نفسي بيده لو ددت أني أقتل في سبيل الله، ثم أحيا، ثم أقتل، ثم أحيا، ثم أقتل، ثم أحيا، ثم أقتل[37]

یعنی مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میری یہ تمنا ہے کہ میں خدا کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔

دراصل عاشقوں کے لئے موت ذریعۂ وصل ہے اور عید نظارہ ہے۔ انہیں قاتل کی شمشیر میں ہلال عید کی تابانیاں نظر آتی ہیں وہ وصالِ دوست کے لئے زہر کو تریاق اور موت کو حیات سمجھتے ہیں۔ سلطان العشاق حضرت سیدنا بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جب نزع کا عالم طاری ہوا آثارِ وفات نمودار ہوئے تو احباب واہل خانہ غمگین ہو گئے ان کی بیوی جب شدتِ اضطراب سے بے قرار ہوئیں تو بے ساختہ ان کے منہ سے یہ لفظ نکلے "وَاحَرَبَاہ" یعنی ہائے مصیبت، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ لفظ سن کر تڑپ اٹھے اور جلال میں آکر بولے "وَاطَرَبَاہُ غَداً اَلقٰی الاَحِبَّۃَ مُحَمَّداً وَصَحبَہٗ"[38] فرمایا تم یہ ہر گز نہ کہو "وَاحَرَبَاہ" یعنی ہائے مصیبت، بلکہ یہ کہو "وَاطَرَبَاہُ" (واہ خوشی) کیونکہ میں اپنے محبوب آقا ﷺ کے دیدار اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ملاقات کے لئے جا رہا ہوں یہ مصیبت اور غم کا موقع نہیں بلکہ مسرت و شادمانی کا مقام ہے۔

آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی ‌ ‌ ‌ قبر کی رات ہے اس گُل سے ملاقات کی رات

اسی لئے عارفانِ ذات موت سے ڈرتے ہیں نہ گھبراتے ہیں بلکہ والہانہ شوق کے ساتھ مسکراتے ہوئے موت کا استقبال کرتے ہیں۔

---

[37] البخاری رقم ۷۲۷۹ ج ۴ ص ۱۷۔

[38] زرقانی ص ۳۱۸ ج ۲۔

نشانِ مردِ مومن باتو گویم   چو مرگ آید تبسم برلب

جب کسی صاحبِ حال بزرگ پر شوقِ وصال اور لذتِ جمال کی اضطرابی کیفیت طاری ہوتی ہے تو کبھی نیم جان ہو کر یوں فریاد کرتے ہیں

-

امروز دیگرم درانتظار تو شام شد   درانتظارِ وصلِ تو عمرم تمام شد

آمد نمازِ شام ونہ آمد نگارِ من   اے دیدہ پاسدار کہ خوابم حرام شد

(سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ)

اور کبھی بادیدۂ پرنم اور بادلِ پُر غم اپنے جذبات قلبی کا یوں اظہار کرتے ہیں۔

خودکشی ہے معصیت ہستی حجابِ روئے دوست   تو گرفتارِ محبت ہائے کس مشکل میں ہے

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ شوقِ وصل اور سوزِ فصل کی انہی ملی جُلی کیفیات سے سرشار ہو کر اپنے مرشدِ برحق کی بارگاہ میں عرض گزار ہیں کہ "آرزوئے موت پیدا شد" یعنی وصالِ الٰہی کی حقیقی لذتوں سے شادکام ہونے کا شوق اس قدر بڑھ چکا ہے کہ اب اس دنیا میں رہنے کی بجائے آخرت کی آرزو غالب آگئی ہے۔

بینات

- دریائے محیط (بڑے سمندر) سے مراد عالمِ وجوب کی وسعت کا مشاہدہ ہے۔
- رسی کے ساتھ مضبوط باندھے ہونے کا مطلب روح کے ساتھ بدنِ عنصری کے تعلقات ہیں۔
- دریا میں نہ گرنے اور رسی نہ ٹوٹنے سے مراد یہ ہے کہ روح ابھی جسمانی تعلقات سے کلیۃً آزاد نہیں ہوئی یعنی روح اگرچہ عالمِ وجوب کے مشاہدے میں مصروف ہے لیکن حیاتِ ظاہری ابھی اتصالِ روح کی راہ میں حجاب ہے۔
- آپ قدس سرہ کا یہ ارشاد کہ "کہ ذوق کے انداز پر مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دل میں کوئی خواہش نہیں رہی" اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مشاہدہ مذکورہ کے بعد آخر میں آپ قدس سرہ کو فنائے حقیقی حاصل ہو گئی اور آپ قدس سرہ نے وصلِ حقیقی کا مرتبہ پالیا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم۔)

۱۵) نیت مراقبہ اصل خفی:

سالک اپنے لطیفۂ خفی کو آں سرورِ عالم ﷺ کے لطیفۂ خفی کے مقابل تصور کر کے زبانِ حال سے بارگاہِ الٰہی میں التجاء کرے اور یہ نیت کرے الٰہی خفی من بمقابل خفی نبی علیہ السّلام، آن فیض تجلّائی صفات سلبیہ خود کہ از خفی نبی علیہ السّلام بہ خفی عیسیٰ علیہ السّلام رسانیدہ بہ خفی من نیز برسانی بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔   توقف۔۔۔۔روز

صفات سلبیہ کا مطلب یہ ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے وہ جسم و جسمانی، عرض و جوہر، مکان و زمان، حال و محل، محدود و متناہی ہونے سے بھی پاک ہے، وہ بے جہت، بے کیف، بے نسبت و بے مثل ہے۔ اس طرح ضد و ند، ہمسر و مثل ہونا اس کی پاک بارگاہ سے مسلوب و مفقود ہے۔ وہ ماں باپ، زن و اولاد سے پاک ہے، کیونکہ یہ سب حدوث کے نشانات ہیں اور ان

سے نقص لازم آتا ہے، تمام قسم کی صفات کمال حق تعالیٰ کی جناب کے لئے ثابت ہیں اس لئے امکان و حدوث کی صفات سراسر نقص و شرارت ہیں یہ سب جناب پاک سے مسلوب سمجھنے چاہیئیں۔

صفات سلبیہ کا فیض حاصل ہونے کی علامات یہ ہیں کہ بندے کے اندر سے بشری صفات سلب ہو جاتی ہیں اور اس میں ملکوتی صفات سرایت کر جاتی ہیں، اس مقام پر ہمارے بعض بزرگوں سے یہ سنا گیا ہے کہ **یطعمنی ربی و یسقینی** میرا رب ہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، اس لئے کہ ان کی بھوک ہی ختم ہو جاتی ہے۔ احادیث مبارکہ میں وارد ہے کہ قرب قیامت میں ایک وقت آئے گا کہ ایمان والے **سبحان اللہ، سبحان اللہ** پڑھیں گے اور ان کی بھوک جاتی رہے گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ان کو یہ نعمت عطا فرمائیں گے، ان کے اندر سے بشریت کے تقاضے نکال لئے جائیں گے، چنانچہ ہمارے اکثر مشائخ کا کھانا پینا بالکل کم ہوتا ہے، ساری ساری رات عبادت کرتے ہیں مگر تھکنے کا نام نہیں لیتے، اس لئے کہ اُن میں روحانی قوت آجاتی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حج پر تشریف لے گئے، تیرہ دن مکہ مکرمہ میں مقیم رہے، نہ کھایا، نہ پیا، نہ ہی قضائے حاجت۔ پوچھنے پر فرمایا کہ "میں کالا کتا اس پاک دیس کو کیسے ناپاک کروں؟" تیرہ دن کے بعد حج کر کے واپس آ گئے۔ اس لطیفۂ خفی کے سبق پر انسان میں یہ صفات آجاتی ہیں، پھر کھانے پینے کی بھی اس کو محتاجی نہیں رہتی۔ چنانچہ ہمارے بزرگوں کے حالات زندگی میں ہے کہ وہ فرماتے تھے، "میں تو سنت سمجھ کے کھاتا ہوں، ورنہ مجھے کھانے کی کوئی ضرورت نہیں رہی"۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہمت دے دیتے ہیں، ایک محدث نے اپنے شیخ کے متعلق لکھا ہے کہ رمضان میں سحری میں دو فنجان چائے پینے کا معمول تھا، اس کے باوجود مستقل ساری ساری رات عبادت فرماتے تھے، اصل میں ان میں یہ ملکوتی صفات آجاتی تھیں۔ ایسے موقع پر سالک کو سلبی توجہات ملتی ہیں۔ لہٰذا وہ کسی کمال کا انتساب اپنی ذات کی طرف نہیں کرتا۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ سالک اپنے آپ کو فاسق، فاجر اور کافر فرنگ سے بھی بدتر سمجھے، وہ بات اس سبق پر آکر سمجھ میں آتی ہے کہ جب سالک کوئی کمال اپنی طرف منسوب ہی نہیں کرتا، سب لوگ اسے اپنے آپ سے اچھے نظر آتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہاں تک فرمایا کہ سالک اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بھی کمتر سمجھے، پڑھنے والے کو یہ بات عجیب لگتی ہوگی لیکن اس سبق کو کرنے کے بعد اس میں کوئی عجیب چیز نظر نہیں آتی، اس لئے کہ کمال سب کمال والے کا ہے۔

اثرات: اس لطیفے کی فنا یہ ہے کہ سالک اس مقام میں حق سبحانہ و تعالیٰ کو تمام عالم سے ممتاز و منفرد پاتا ہے اور جمیع مظاہر سے مجرد و یگانہ دیکھتا ہے۔

ہر سالک کے لئے یہ لازم ہے کہ یہ یاد کرے

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی تین اقسام ہیں:

(۱) **صفات ذاتی حقیقی:** جو کہ آٹھ ہیں: حیات، علم، کلام، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، تکوین۔

(۲) صفات سلبیہ: جیسا کہ **لیس کمثلہ شئی لم یلد و لم یولد و لم یکن لہ کفواً احد لا یا کل و لا یشرب و لا یموت و لا ینام۔**

(۳) صفات فعلیہ: جنہیں صفات اضافی بھی کہا جاتا ہے: خالق، رازق، محی، ممیت، رؤف، رحمٰن، رحیم، کریم، منان۔[39]

امام اہل سنت علامہ ابو شکور محمد بن عبد السعید سالمی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب تمہید میں صفاتِ الٰہیہ کا تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں

مہتدی ابو شکور سالمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے، قدیم ہے، اپنی صفات کے ساتھ موصوف ہے۔

اور یہ کہنا جائز نہیں کہ قدیم مع صفاتہ، اس لئے کہ **"مع"** کا لفظ دو چیزوں کے درمیان مقارنت کے لئے آتا ہے اور صفت موصوف کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں کہ یوں کہا جائے صفت و موصوف علیحدہ علیحدہ دو چیزیں ہیں۔

سوال: اگر کوئی کہے کہ صفت شئے ہے؟ یا غیر شئے؟ پس اگر ہم کہیں کہ صفت شئے نہیں تو موصوف "لا شئے" کے ساتھ کیسے موصوف ہو گا؟ اور اگر کہیں کہ صفت بھی شئے ہے اور یہ شئے غیر موصوف ہے تو پھر یہ جائز نہیں کہ یہ بھی قدیم ہے۔

جواب: یہ ہے کہ صفت شئے ہے ہم یہ نہیں کہتے کہ شئے ہے یا غیر شئے ہے۔

سوال: یہ ہے کہ صفت قدیم ہے یا غیر قدیم؟

جواب: یہ ہے کہ صفتِ قدیم ہے، اس لئے کہ ذات موصوف ہے وہ قدیم ہے، اپنی صفات کے ساتھ اور یہ کہنا جائز نہیں کہ صفات قائم بذاتہ ہیں لیکن ہم یہ کہیں گے کہ اس کی ذات موصوف بصفاتہ ہے اور یہ کہنا جائز نہیں کہ اس کی صفات قائم بذاتہ ہیں موصوف بالوصف ہے، بلکہ ہم کہیں گے کہ وہ موصوف بالصفت ہے اس لئے کہ وصف واصف کی صفت ہے اور وہ موصوف ہے، قبل اس کے کہ اس کی صفت بیان کرے اور یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ وہ قدیم بجمیع صفاتہ ہے اس لئے کہ جمع اور افتراق اس کی صفات میں جائز نہیں، تو ہم یوں کہیں گے کہ قدیم بصفاتہ ہے اور بعض لوگوں نے صفات و نعوت کا بالکل انکار کر دیا، انہوں نے کہا کہ صفت و نعت وہ ذات باری تعالیٰ تو ہیں نہیں ضروری ہوا کہ ذات کا غیر ہوں اور جب غیر ہوں گی تو یا قدیم ہوں گی یا حادث و محدث اور یہ نہیں ہو سکتا کہ حادث و محدث ہوں اس لئے کہ پھر یہ کہنا پڑے گا کہ حادث و محدث قدیم میں حلول کیے ہوئے ہیں اور یہ کفر ہے۔

اور معتزلہ نے کہا کہ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ صفت و نعت قدیم ہیں اس لئے کہ اگر صفات قدیم ہیں تو پھر یہ کہنا واجب ہو گا دو یا تین یا اس سے بھی زیادہ قدیم ہیں اور یہ "**تعدد قدماء**" محال ہے انہوں نے پھر کہا کہ اللہ تعالیٰ حیی، قادر، علیم، سمیع، بصیر، مرید بذاتہ ہے۔

---

[39] تسکین السالکین، ص ۱۹۳، ۱۹۴

معتزلہ نے مزید کہا کہ یہ جائز نہیں کہ اس لئے کہ وہ اِلٰہ ہے، رب ہے، صانع ہے، اور جب صانع کا عالم ہونا ثابت ہو گیا تو یہ مقتضی ہے کہ تمام اشیاء کو جانے اور تمام احوال کو تمام او قات اور تمام اماکن (جگہوں) کو جانے اور جب وہ تمام اشیاء کو جانتا ہے تو تمام اشیاء اس کی معلوم ہوئیں اور بغیر علم کے ناممکن ہے کہ شئے عالم کی معلوم بنے، اس لئے کہ معلوم مقتضی علم ہے، لا محالہ تو ثابت ہوا کہ علم سے اس کا معلوم ہے۔ پس واضح ہو گیا کہ نفیٔ علم مستلزم ہے نفی عالم کو اور اثبات علم اثباتِ عالم کو مستلزم ہے، اللہ تعالیٰ پر تو ہم نے کہا کہ صحیح ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے عالم و قوف علم جب معلوم پر ہوتا ہے تو معلوم اس کا معلوم بنتا ہے اور جب علم ہی نہ ہو گا تو معلوم بغیر وقوف کیسے معلوم بن جائے گا؟ اور جب معلوم پر وقوف علم نہ ہوا تو وہ کسی شئے کو نہ جانے گا تو ثابت ہوا کہ عالم کا علم جب معلوم پر واقفیت پاتا ہے تو وہ معلوم بنتا ہے اور جب وقوفِ علم علی المعلوم نہ ہوا، عالم نہ ہوا اور جب عالم نہ ہوا تو صانع نہ ہوا اور یہ محال ہے۔[40]

اعتراض: اگر کہا جائے باری تعالیٰ جل شانہ تمام اشیاء کو بالذات جانتا ہے اور تمام معلومات اس کے معلوم بذاتہ ہیں تو کہنا یہ ہے کہ ذات عالم ہے تو نفی صفات موجب نفی ذات نہ ہوئی۔

جواب: ہم جواب میں کہیں گے کہ عالم اگر تمام اشیاء کو بالذات جانتا ہے تو معلومات اس کے بالذات ہوئے تو ذات علم ہو گی اور علم ہی ذات ہو گی، اس لئے کہ معلوم معلوم نہیں ہو تا بغیر اس پر وقوف کے اور بغیر علم کے تو ہر وہ شئے کہ جس کے ساتھ معلوم کا وقوف ہو وہ عالم ہے۔ پھر اگر کہا جائے کہ صانع صفت سے موصوف ہے تو یہ کہنا پڑے گا کہ دو، تین یا اس سے بھی زیادہ قدیم ہیں، اس لئے کہ صفت حادث و محدث تو ہو نہیں سکتی اور اگر ہم کہیں کہ قدیم ہے تو اس صورت میں دو، تین اور اس سے بھی زیادہ قدیم ثابت ہو جائیں گے۔

ہم نے کہا کہ یہ لازم نہیں آتا، اس لئے کہ ہم نے تو یہ کہا ہے کہ صفت موصوف کا غیر نہیں ہے کیونکہ صفت عرض نہیں اور جب عرض نہیں تو موصوف کا غیر کہنا صحیح نہیں اور موصوف کا غیر نہیں تو اس کے ثابت کرنے میں دو تین قدیموں کا ثابت کرنا لازم نہیں آتا کبھی ہو تا ہے کہ صفت صفت ہو اور عرض نہ ہو جیسے کہ یہ جائز ہے کہ ذات موجود ہے اور جوہر نہیں تو جب ذات جوہر نہیں ہو سکتی تو صفت عرض نہیں ہو سکتی تو صفت کے قدیم ماننے سے متعدد قدیموں کا ماننا لازم نہیں آیا۔ حیات یا قدرت یا علم یا سمع یا بصر ہو کیونکہ یہ اشیاء اس کے لئے ان صفات سے موصوف ہونے کی علت ہو جائیں گی اور یہ جائز نہیں کہ اس کے لئے علت ہو یا اس کی صفت علت پھر دو حال سے خالی نہیں یا موصوف ہو گا یا غیر ہو گا اور یہ دونوں حال محال ہیں۔

اہل سنت و جماعت کا مسلک

اور اہل سنت و جماعت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ موصوف و منعوت ہے ازل سے ابد تک یعنی ہمیشہ سے موصوف و منعوت ہے اور ہمیشہ موصوف و منعوت رہے گا پھر ہم (اہل سنت و جماعت) کہتے ہیں کہ صفات باری میں ذات ہیں اور نہ غیر ذات بلکہ اس کی یہ صفات ہیں اس کا بیان یہ ہے کہ صفت اگر غیر موصوف ہے تو بذاتہ قائم ہو گی، اس لئے کہ شئے جب کسی شئے کے ساتھ قائم ہو گی تو اس

---

[40] توثابت ھوا کہ جب عالم کا علم معلوم پر واقفیت پالیتا تو وہ معلوم بن جاتا ھے اور جب وقوف العلم علی المعلوم نہ ھو گا تو وہ عالم نہ ھو گا اور جب عالم نہ ھو گا تو صانع نہ ھو گا اور یہ باطل ھے۔ (ابو البرکات)

کے ساتھ تمکن (جگہ اور گنجائش نکال کر)اور حلول کے ساتھ قائم ہو گی جیسے عرض جوہر میں ہوتی ہے اور جس کے لئے حلول و تمکن جائز ہو گا تو انتقال اور نزول بھی جائز ہو گا اور یہ حادث کی صفت ہوتی ہے تو ثابت ہوا کہ صفت موصوف کا غیر نہیں اور لیکن ہم نے جو کہا کہ صفت موصوف نہیں اس لئے کہ اگر صفت وہی موصوف ہے تو یہاں تک پہنچادے گا کہ دو خداہوں یا تین یا زیادہ اس لئے کہ موصوف صانع ہے اور وہ علم قدرت حیات وغیرہا صفات کے ساتھ موصوف ہے تو جب صفت موصوف ایک ہوئے تو صفت صانع ہو جائے گی تو پھر علم بھی صانع حیات بھی صانع، قدرت بھی صانع اور ہر صفت علیحدہ علیحدہ صانع ہو گی اور یہ محال ہے تو پھر صحیح ہوا کہ صفات عین موصوف نہیں ہے اور نہ وہ غیر موصوف ہیں اس معنی کے اعتبار سے ہم نے کہا کہ صفت ذات نہیں اور نہ صفت غیر موصوف ہے۔

معتزلہ اور مسئلہ صفات باری تعالیٰ

معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی صفت نہیں تو ہم کہیں گے کہ صفت کی نفی کرنا موصوف کی نفی کرنا ہے، اس لئے کہ صانع اگر عالم نہیں تو وہ اشیاء اور احوال کو بھی نہیں جانتا اور جو کسی شئے کو پیدا کرے اور وہ نہیں جانتا کہ کس کو پیدا کیا؟ اور وہ موصوف بالجہل ہو گا اور موصوف بالجہل صانع نہیں ہو سکتا تو یہ محال ہے۔ پس ضروری ہوا کہ صانع، عالم ہو تا کہ جائز و صحیح ہو۔ میں نے کہا: جب وہ ایسا فعل کرے جو سقوط عدالت کا موجب ہے تو وہ فاسق ہو گیا۔ پھر اللہ عزوجل اس پر وحی نازل فرمائے، اسی فسق کی حالت میں تو وہ ایک فاسق آدمی پر نازل ہو گی تو معاذاللہ رسول فاسق ہوا، میں نے یہ بھی کہا کہ جو شخص "لا الہ الا اللہ" پڑھتا ہے اور اعتقاد اس کے خلاف ہے، اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا: وہ مؤمن ہے۔

میں نے کہا: تمہارا دین نہیں ہے مگر یہ کہ تمہارا رب ناقص اور رسول فاسق اور مؤمن منافق اور سنو! اللہ تعالیٰ و رسول (ﷺ) ان خرافات سے پاک و منزہ ہیں تو وہ متحیر ہو گیا اور چپ رہا، کلام نہ کر سکا اس لئے کہ باطل حق کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ "الحق یعلو و لا یعلی" حق غالب ہوتا ہے، مغلوب نہیں ہوتا۔

تو ان دلائل سے ثابت ہوا کہ صفت نہ عین ذات ہے اور نہ غیر ذات اور جب یہ بات "علم" (صفت علم) میں ثابت ہو گئی تو جمیع صفات میں بھی ثابت ہو گئی جیسے قدرت، حیات، سمع، بصر وغیرہ میں کہ نہ یہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات۔ واللہ اعلم۔

دوسرا قول

صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ کا بیان

ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صفات ذاتیہ قدیم ہیں اور وہ درج ذیل آٹھ صفات ہیں: حیات، قدرت، علم، کلام، سمع، بصر، ارادہ، قدم اور ان کے سوا تمام صفات مقتضیات قدرت و علم ہیں اور جو تحت قدرت ہیں وہ سب صفات فعلیہ ہیں، حادث ہیں۔

متقشفہ کا مسلک

متقشفہ جو کرامیہ کا ایک گروہ ہے، کہتاہے کہ صفات ذاتیہ قدیم ہیں اور وہ پانچ ہیں: حیات، قدرت، علم، سمع، بصر اور ان کے سوانعوت ہیں، صفات نہیں اور یہ محدث ہیں اور بعض نے کہا کہ حادثہ ہیں اور یہ عقیدہ کفر ہے، محال ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے زعم کے مطابق ان صفات کے حدوث سے پہلے ناقص ہوگا اور ان صفات کے حدوث کے بعد کامل ہوگا اور صفت زائد ہوگی اور جس کا یہ عقیدہ ہو کافر ہے۔ اس لئے کہ حدوث واحداث موجب تغیر ہے کہ ایک صفت دوسری صفت کی طرف متغیر ہو جائے اور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھر جائے اور اللہ تعالیٰ جل مجدہ پر تغییر جائز نہیں۔

مصنف کا حشویہ سے مناظرہ

امام مہتدی ابو شکور سالمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حشویہ فرقہ (جو کرامیہ میں سے ہے) کے ساتھ مناظرہ کیا، میں نے ان سے کہا: صانع اور اس کی صفات فعلیہ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا: وہ حادثہ محدثہ ہیں۔ میں نے کہا کہ صانع اس صفت کے حدوث سے پہلے ناقص ہوگا اور یہ محال ہے۔

دوسرا سوال میں نے انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں کیا۔ میں نے پوچھا: بتاؤ! انبیاء کرام علیہم السلام وحی سے قبل معصوم تھے یا نہیں؟ اس نے کہا: قبل وحی نبی ہی نہ تھے اور نہ ہی ان چیزوں سے معصوم تھے جن سے عدالت ساقط ہو جاتی ہے۔

تحقیق مسئلہ

مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تخلیق کائنات سے پہلے بھی تھا اور اب بھی ویسا ہی ہے جیسا تھا، نہ گھٹا، نہ بڑھا تو بے شک ابتدائے آفرینش میں بھی وہ اس صفت کا مستحق ہے، پیدا کرنے سے پہلے بھی مستحق تھا اور وہ یہ کہ اگر ہم یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کے وجود سے خالق نہ تھا تو یہ مقتضی ہوگی اور چاہے گی کہ بندوں کے معرض وجود میں آنے سے پہلے وہ معبود بھی نہ ہو اور بندوں کے موجود ہونے سے پہلے "الہ" بھی نہ ہو اور مرئیات (دکھائی دینے والی اشیاء) کے وجود سے پہلے وہ بصیر بھی نہ ہو اور معلومات کے پائے جانے سے پہلے وہ عالم بھی نہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی نفی واجب ہوگی اور یہ صریح کفر ہے۔

اعتراض: اگر کہا جائے کہ جب تک فعل کا ثبوت نہ ہو، اس صفت کے ساتھ کسی کو موصوف نہیں کیا جاسکتا جیسے جولاہا (بافندہ) یا درزی اور اسی کی مانند جب تک سینا نہیں سیکھتا اور یہ عمل نہیں کرتا، اس کو اس صفت (سینے یا بننے) سے موصوف نہیں کریں گے۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ جب اس نے درزی کا کام سیکھا اور یہ کام جانتا ہے مگر کام ترک کر دیا تو اس کو درزی کہا جائے گا، اسی صفت اور نام سے اس کو یاد کیا جائے گا، اس لئے کہ وہ اس کام کی قدرت اور علم رکھتا ہے، اسی طرح صانع عالم جل شانہ (جہاں کا پیدا کرنے والا) عالم قادر تھا جب کہ مخلوق ابھی پیدا نہ ہوئی تھی۔

ایسی ایک مثال دیکھیں کہ اگر کوئی مارنے کے لئے تلوار بنائے تو قطع وضرب (کاٹنے اور مارنے) سے پہلے اس کو ضارب و قاطع کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں ضرب و قطع (مارنے اور کاٹنے) کی صلاحیت ہے تو ایسے یہاں سمجھ لیجئے کہ کسی چیز کو پیدا کیا یا نہ کیا، وہ ہمیشہ سے خالق ہے۔

اعتراض: اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے خالق ہے تو یہ مقتضی ہے کہ مخلوق بھی ہمیشہ سے ہو؟ اس لئے کہ صفت خالقیت تخلیق سے ہے تو لا محالہ تخلیق کا تقاضا ہے کہ مخلوق پائی جائے تو عالم و دہر کا قدیم ہونا لازم آئے گا اور یہ محال ہے کہ عالم و دہر قدیم ہو۔

جواب: یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے جو تم نے ذکر کیا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ صفت خالقیت کے ساتھ موصوف ہے۔

تیسرا قول

اس کا بیان کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے خالق ہے

اہل سنت وجماعت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے خالق ہے، وہ صفت خالقیت اور دیگر صفاتِ ذاتیہ اور صفات فعلیہ سے موصوف ہے۔

اشعریہ اور کرامیہ کا مسلک

اشعریوں اور کرامیوں نے کہا کہ جب تک مخلوق کو پیدا نہ کرے وہ خالق نہ ہوگا اور یہ کفر ہے۔

اور ہم (اہل سنت وجماعت) کہتے ہیں باری عزّ اسمہ، خالق ہے اور ہمیشہ سے صفت خالقیت سے موصوف ہے، اس طرح تمام صفات مثلاً صفت خالقیت، رزاقیت وغیرہ سے موصوف ہے، مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے بھی خالق اور اب بھی خالق ہے، اس لئے خالق فاعل وصانع کا موصوف ہونا

قادر وعالم ہونا اور مرید ہونا ضروری ہے کہ وہ عاجز نہ ہو اور جو صفت کو جانتا ہے اور بنانے پر قادر ہے

اگر چہ اس نے اپنی صفت کا اظہار نہ کیا ہو اس کو اس صفت سے موصوف ماننا ضروری ہے، خصوصاً

جب کہ وہ صیغہ مخصوص ہو اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں تکرار نہیں ہوتی کہ ہم یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک یہ کام کیا اور اس سے فارغ ہو کر دوسرا کام شروع کیا اور جب وہ کسی صفت کا اظہار کرے تو اس کو موصوف مانا جائے اور جب صفت کا ظہور نہ ہو تو اس کو موصوف نہ کیا جائے، اللہ تعالیٰ اس سے منزہ وپاک ہے، اس کو شغل وفراغت کے ساتھ موصوف کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی اس کو تکرار واعادہ ایسی صفات سے موصوف کیا جا سکتا ہے۔

ہم یوں کہیں گے: اللہ تعالیٰ فاعل ہے، ایک ہی فعل سے اور جمیع مفعولات ایک ہی فعل کے مفعول ہیں اور یہ فعل اس سے زائل نہیں ہوا کہ دوسرا فعل پیدا ہوا اور تمام صفات اسی طرح ہیں۔ "اللہ لا یشغلہ شان عن شان" یہاں تک کہ اگر اس نے ایک ساعت یا ایک لمحہ میں کسی کو پیدا کیا، کسی کو بخش دیا، یا کسی کو زندہ کیا، کسی کو مارا، کسی کو رزق دیا تو اس کی تمام صفات اثر کرتی ہیں بغیر شغل وفراغ کے، یہ صفات اس کی مراد ہوتی ہیں، اس لئے کہ وہ اسی ساعت میں موصوف بجمیع صفات ہے اور جب اس کو اس صفت سے فراغ نہیں تو پھر زوال صفت واجب نہیں ہوتا، اس لئے کہ وہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف متغیر نہیں ہوتا، لیکن تاثیر صفت اس وقت ظاہر ہوگی جب وہ پیدا کرلے گا اور تخلیق سے قبل خالقیت ہے، تاثیر کا ظہور نہیں ہے۔ اسی طرح صفت صانع

کو سمجھنا چاہیئے اور دلیل یہ ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ (البقرۃ ۲۰۲) اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت سرعت حساب بیان فرمائی ہے اور حساب قیامت میں ہوگا تو حساب سے قبل اسم صفت کا اثبات صحیح ہوا تو ایسے صفت خالقیت خلق (پیدا کرنے) سے قبل ثابت کرنا جائز ہے۔

مناظرہ

ابو شکور سالمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک اشعری سے مناظرہ کی روئیداد

حضرت ابو شکور سالمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں : ایک اشعری سے میرا مناظرہ ہوا،اس نے کہا: تمہارا وضو اور نماز کیا ہے؟ سنو! تمہارے ہاں وضو اور نماز یہ ہے کہ ایک شخص پرنالہ کے نیچے بیٹھ جائے اور چہرہ، دونوں ہاتھ، سر اور دونوں پاؤں تر ہو جائیں تو پھر اٹھ کر کبوتر کی بھیٹ بچھائے اور اس پر کھڑا ہو جائے اور فارسی زبان میں کہے: اے خدائے بزرگ یعنی "اللہ اکبر" اور فارسی میں ایک آیت پڑھے اور کہے "دوبرگ سبز" یعنی " مدھامتان" پھر رکوع وسجود خاموشی سے کرے اور مقدار تشہد بیٹھ جائے اور بیٹھے بیٹھے گوز مارے (ہوا خارج کر دے)، یہ تمہاری نماز ہے۔

ابو شکور سالمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ بات دراصل اس (شعری) نے سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے اصحاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) پر طعن کے طور پر کہی۔ میں نے اس کو جواب دیا کہ تم عقیدہ رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے پیدا کرنے سے قبل خالق نہ تھا، نہ رازق تھا، نہ معبود تھا اور اسی طرح مخلوق سے پہلے نہ گناہ بخشنے والا تھا اور نہ ثواب عقاب دینے والا اور رسول معاذاللہ نہ اب رسول ہے، نہ قبل وحی رسول تھا اور مؤمنین کا گناہ ایمان سے کم ہو جاتا ہے اور معبود تم جس کو معبود کہتے ہو تو معبود رب نہ تھا، اب مخلوق پیدا ہونے کے بعد وہ معبود ہے اور رسول رسول نہ تھا، پھر رسول ہوا ازاں بعد معزول ہو گیا اور مؤمن کے ہنسنے سے اس کا ایمان کم ہو گیا، اسی قدر کافی ہے عبادت سے۔

چوتھا قول

اللہ تعالیٰ کے علم کا بیان

جہمیہ جو معتزلہ ہی کی ایک شاخ ہے، کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ پیدا کرنے سے پہلے کسی شیئ کو نہیں جانتا اور وہ معدوم بھی نہیں جانتا اور وہ معدوم کو بھی نہیں جانتا، یہ کفر ہے اس لئے کہ اگر وہ پیدا کرنے سے پہلے اشیاء کو جانتا نہیں تو جب وہ کسی شیئ کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو کس طرح پیدا کرے گا اور کیسے جانے گا کہ اس کو پیدا کروں اور کتنی پیدا کروں اور کب پیدا کروں اور کیسے پیدا کروں؟ تو اس عقیدہ میں خدا کا الوہیت سے معطل ہونا لازم آتا ہے اور یہ کفر ہے اور صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کامل طریقے سے ہر چیز کو جانتا ہے، پیدا کرنے سے پہلے ہو خواہ بعد اور تمام معدومات وموجودات کو جانتا ہے۔

ہمارا یہ کہنا کہ موجودات کو پورے اکمال واتمام کے ساتھ جانتا ہے، اس میں تو کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

اور ہمارا یہ کہنا کہ وہ معدوم کو بھی جانتا ہے یعنی من حیث المعدوم جانتا ہے کہ یہ معدوم ہے اور وہ جانتا ہے کہ معدومات میں سے کون عدم سے وجود میں آئے گی اور وہ کیسی ہو گی؟

اللہ تعالیٰ معدوم کو بھی جانتا ہے

دلیل: یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ معدوم کی خبر نہ دیتا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے معدوم کی خبر دی ہے اور یہ بھی خبر دی ہے کہ وہ معدوم جب موجود ہو گا تو اس کی کیفیت کیا ہو گی چنانچہ فرمایا۔

إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ (الحج ۱)

بیشک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے۔

وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَى وَمَا هُمْ بِسُكَارَى وَلَكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ (الحج ۲)

اور تو لوگوں کو دیکھے گا جیسے نشہ میں ہیں اور نشہ میں نہ ہوں گے مگر ہے یہ کہ اللہ کی مار کڑی ہے۔

اور اپنے رسول مکرم ﷺ کو خبر دی تو فرمایا:

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ (الفتح ۲۷)

بیشک تم ضرور مسجدِ حرام میں داخل ہو گے اگر اللہ چاہے امن و امان سے۔

تو جیسے خبر دی ویسے ہی ہوا اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اشیاء کو وجود میں لانے سے پہلے جانتا ہے اور یہ بات مخلوق میں بھی پائی جاتی ہے مثلاً انسان ذکر کرتا ہے ایک محل کا کہ اس کا طول و عرض اتنا ہو گا، اس کا صحن، اس کی دیواریں، اس کی چھت، اس کے دروازے ایسے ہوں گے، حالانکہ اس محل کا ابھی وجود نہیں، پھر جب محل تیار ہو جاتا ہے تو اس معدوم کے مطابق محل موجود ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق میں بطریقِ اولیٰ ہو گا یعنی اشیاء کے وجود سے پہلے اس کو علم ہوتا ہے۔

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ۔ (النمل ۶۵)

تم فرماؤ خود غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ۔

سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد مبارک

امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا: اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے عالم تھا اور ہمیشہ عالم رہے گا اور وہ عالم الغیب ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ (الانعام ۲۸) ''اور اگر واپس بھیجے جائیں تو پھر وہی کریں جس سے منع کیے گئے تھے۔'' اور حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے فرمایا: وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (نوح ۲۷) ''اور ان کے اولاد ہو گی تو وہ بھی نہ ہو گی مگر بدکار بڑی ناشکر۔'' اور اس کے بکثرت نظائر ہیں۔

پھر اللہ تعالی کے علم میں سہو، غلطی اور نسیان ناجائز ہے، اس لیے کہ اگر اس کے علم میں سہو و غلط اور نسیان کا امکان ہو تو آیات واحکام و اعمال واخبار سب معطل ہو جائیں، اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ رسالت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دینی تھی غلطی سے حضور اقدس ﷺ کو دے دی معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ نیز گناہ تو کیا کسی نے اور غلطی سے سزا دے دی دوسرے کو اور یہ بھی امر محال ہے جو سہو و نسیان خطا و غلطی کا قائل ہو وہ قطعاً کافر ہے۔

ابو شکور سالمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ایک مجوسی نے مقام ''مرو'' میں مجھ سے سوال کیا کہ کافر جب کافر مرا تو کیا اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ یہ کفر کی حالت میں مرے گا؟ میں نے کہا: ہاں یقیناً جانتا تھا، اس نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کافر مرے گا تو یہ

کافر مرنے سے قبل ایمان لانے پر قادر ہے یا نہیں؟ اگر تم کہو کہ وہ قادر ہے تو علم الہٰی میں خطا واقع ہو جائے گی اور اگر کہو کہ وہ قادر نہیں ایمان نہیں لا سکتا تو یہ جبر ہوا۔

میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ کفر کی حالت میں مرے گا اور اللہ تعالیٰ کے علم سے وہ مسلوب القدرت نہیں ہوا بلکہ وہ قادر ہے، ایمان لانے پر جس طرح وہ قادر ہے کفر پر قدرت موجود ہے، صلاحیت رکھتا ہے کہ ایمان لائے جیسے قدرت اور صلاحیت رکھتا ہے کفر پر قائم رہنے کی ، لیکن باوجود قدرت کے ایمان نہیں لایا اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ایمان نہیں لائے گا اور اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو جانتا ہے جیسی اور جس حالت میں وہ ہیں اور اس کے مثل کو بھی وہ جانتا ہے۔

سوال: اگر سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مثل کو جانتا ہے یا نہیں؟ اگر کہو کہ وہ اپنی مثل نہیں جانتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف جہل کی نسبت ہوئی اور اگر کہو کہ اللہ تعالیٰ اپنی مثل کو جانتا ہے تو تم نے اللہ تعالیٰ کے لئے مثل مان لیا۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ اس کی مثل نہیں اور اللہ تعالیٰ کی نہ شکل وصورت ہے، نہ ضد، نہ ند ہے۔

جہم ابن صفوان سے اسی طرح کا سوال ہوا کہ اللہ تعالیٰ دوزخیوں اور جنتیوں کے انفاس (سانسوں) کی انتہاء وغایت کو جانتا ہے یا نہیں ؟ اگر کہو کہ نہیں جانتا تو تم نے اللہ تعالیٰ کی طرف جہل کی نسبت کر دی اور اگر کہو کہ جانتا ہے تو جنت ودوزخ کا فنا کرنا ثابت ہو گیا، تو اس نے اختیار کیا کہ ہاں نہایتِ عدد انفاس اہل جنت واہل نار کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اسی بناء پر اس نے کہا کہ جنت ونار فنا ہو جائیں گے۔

اور صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اہل جنت واہل نار کے سانسوں کی تعداد کو اور اس کے انتہاء نہ ہونے کو کہ ان سانسوں کی نہایت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پانچواں قول

سمع وبصر کا بیان

معتزلہ اور جہمیہ تمام صفات کا انکار کرتے ہیں جیسے سمع، بصر، معتزلہ وجہمیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سمیع وبصیر ہے مگر اس کے لئے سمع وبصر نہیں ہے۔

بعض معتزلہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نہ سمیع ہے، نہ بصیر، نہ رائی، نہ مرئی بلکہ وہ ان تمام صفات کو جانتا ہے۔ ان کا یہ عقیدہ کفر ہے اس لئے کہ انہوں نے نص قطعی کا انکار کیا۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک قوم کے پاس سے گزرے، وہ اللہ تعالیٰ کو بلند آواز سے پکار رہے تھے، حضور ﷺ نے فرمایا: اتنی آواز بلند نہ کرو جس کو تم پکارتے ہو وہ نہ غائب ہے نہ بہرا ہے۔ پھر علاوہ ازیں سمع وبصر کی نہ نفی موجبِ ذم ہے۔ اس پر دلیل حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا قصہ ہے۔ انہوں نے اپنے والد (چچا آزر) سے فرمایا تھا: لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا (مریم ۴۲) اے میرے باپ کیوں ایسے کو پوجتا ہے جو نہ سنے نہ دیکھے اور نہ کچھ تیرے کام آئے۔

اوراللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَدْ سَمِعَ اللہُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ فِیْ زَوْجِھَا وَ تَشْتَکِیْ اِلَی اللہِ۔ (المجادلة ١) ”بے شک اللہ نے سنی اس کی بات جو تم سے اپنے شوہر کے معاملہ میں بحث کرتی ہے اور اللہ سے شکایت کرتی ہے۔“ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس نے زمانۂ ماضی میں سنا اور وہ مستقبل میں سنتا ہے اور وہ اب سنتا ہے اور جو اس کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

چھٹا قول

ارادہ ومشیت کا بیان

لوگوں نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔ قدریہ، معتزلہ، جہمیہ فرقوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ شر وقبائح کا نہ ارادہ فرماتا ہے اور نہ حکم دیتا ہے۔

اور بعض کہتے ہیں: سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے، حسن وقبح، خیر وشر، کفر وایمان، طاعت ومعصیت، پھر خیر وحسن اس کی مشیت وارادہ سے ہوتا ہے اور قبائح اللہ تعالیٰ کی مشیۃ سے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے نہیں ہوتے کیونکہ ارادہ میں محبت ورضا (یعنی پسندیدگی اور خوشنودگی) کا دخل ہوتا ہے (اور اللہ تعالیٰ قبائح سے راضی نہیں)۔

اور بعض کہتے ہیں کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت اور قضاء سے ہوتا ہے، لیکن قبائح اس کے حکم سے نہیں ہوتے، اس لئے کہ حکم جبر وتسلط کو واجب کرتا ہے اور بعض کہتے ہیں: سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ارادہ ومشیت سے ہوتا ہے لیکن اس کی مشیت وارادہ قرآن کی مانند مخلوق ہیں۔ یعنی بندے کا مشیت وارادہ خدا کی طرف مضاف ہوتا ہے یعنی تملیک کے طور پر اس کی نسبت خدا کی طرف ہوتی ہے۔

اہل وسنت وجماعت کا مسلک

اہل سنت وجماعت کہتے ہیں: خیر وشر اللہ تعالیٰ کی قضاء، اس کی قدر ومشیت، ارادہ وعلم اور حکم سے ہوتا ہے، پھر خیر وطاعت اس کے امر اور مرضی سے ہوتے ہیں اور شر ومعصیت نہ اس کے امر سے ہوتا ہے اور نہ اس کی مرضی سے۔

دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم حضور اقدس ﷺ کے دربار میں بیٹھے ہوئے تھے، ہم نے ایک آواز سنی کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی آوازیں بلند ہورہی تھیں، حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، بہت سے آدمی بھی ان کے ساتھ ہوتے ہیں، حضور ﷺ دریافت فرماتے ہیں کہ تم دونوں اونچی اونچی کیوں بول رہے تھے؟ تمہاری آوازیں کیوں بلند ہورہی تھیں؟

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتے ہیں: حضور (ﷺ) ایک مسئلہ میں گفتگو کرتے ہوئے ہمارا اختلاف ہوگیا، میں یہ کہتا ہوں کہ خیر وشر سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتے ہیں: حضور (ﷺ)! میرا موٴقف ہے کہ خیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور شر بندوں کی طرف سے ہوتا ہے، اب حضور (ﷺ)! آپ فیصلہ فرمائیں، ہم میں سے کس کا قول صحیح ہے؟

حضور (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: میں وہ فیصلہ کروں گا جو حضرت اسرافیل علیہ السلام نے، جبرائیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام کے درمیان کیا تھا۔

اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! جبرائیل علیہ السلام تو تمہاری طرح کہتے تھے اور اے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! میکائیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمہاری طرح کہتے تھے۔

جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: ہم نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا تو زمین والے اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں، یہاں تک کہ جبرائیل علیہ السلام و میکائیل علیہ السلام نے حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حَکَم بنایا، حضرت اسرافیل علیہ السلام نے لوحِ محفوظ میں اللہ تعالیٰ کی قضاء کے مطابق فیصلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: اے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تمہارے قول کے مطابق اور اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تمہارے قول کے موافق حکم نہیں فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: حضور ﷺ! میں اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہوں اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور سرورِ کائنات ﷺ سے سوال کیا کہ حضور ﷺ! اللہ تعالیٰ شر کی قضاء فرماتا ہے، پھر بندوں کو عذاب دیتا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ (الانبیاء ۲۳)" "اُس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے اور اُن سب سے سوال ہو گا۔"

روایت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

روایت ہے کہ ایک شخص حضرت مولیٰ مشکل کشا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ مجھ کو قدر کی خبر دیجئے؟ فرمایا: اندھیرا راستہ ہے، اس کے بارے میں نہ پوچھ۔ پھر اس نے ایک ساعت چپ رہنے کے بعد یہی سوال کیا کہ مجھ کو قدر کے متعلق خبر دیں، فرمایا: بحر عمیق ہے، بڑا گہرا سمندر ہے، اس میں داخل نہ ہوا۔ ایک ساعت کے لئے چپ رہا، پھر عرض کی: "اخبرنی عن القدر" مجھے بتائیے کہ قدر کیا ہے؟ فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا راز ہے۔ زمین میں اس کو افشانہ کر۔ پھر ایک ساعت خاموش رہا، پھر یہی سوال دہراتا ہے مجھ کو قدر کی خبر دیجئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے سوال کیا کیا یہ تیری مشیت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے یا تیری مشیت اللہ تعالیٰ کے مشیت کے خلاف جدا ہے تو وہ شخص حیران و ششدر ہو کر عرض کرنے لگا کہ آپ ہی فرمائیں، مولا علی مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر تو یہ کہے کہ میری مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ ہے تو تو نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشارکت کی اور اگر تو کہے کہ میری مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت سے برتر اور اوپر ہے تو تو نے الوہیت کا دعویٰ کیا۔ اب اس سے تجھ کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ تیری مشیت اللہ تعالیٰ کے مشیت کے تحت ہے، یہ سن کر اس شخص نے توبہ کی اور جب جانے کے ارادہ سے اٹھا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اصحابِ مجلس سے فرمایا کہ اٹھو اس سے مصافحہ کرو کہ یہ اب مسلمان ہوا ہے۔

تو اس سے ثابت ہوا کہ جو قدر کا منکر ہے کافر ہے اور حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: قدریہ میری امت کے مجوسی ہیں، اگر بیمار ہو جائیں تو عیادت و بیمار پرسی نہ کرو اور اگر مر جائیں تو جنازہ کے ساتھ نہ جاؤ اور یہ دجال کا گروہ ہے اور حق ہے اللہ پر کہ ان کو دجال کے ساتھ ملا دے اس لئے کہ انہوں نے نص کا انکار کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (التکویر ۲۹) "اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ چاہے اللہ جو سارے جہان کا رب۔"

سوال: یہ ہے کہ اگر ایسا ہی ہے تو پھر یہ ہونا چاہیئے کہ اگر بندہ چاہے کہ یہ گھاس سونا بن جائے تو اسے سونا ہو جانا چاہیئے اس لئے کہ تم کہتے ہو: بندہ وہی چاہتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ بندہ اس طرح چاہے تو بندہ نے ایسا چاہا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے کہ گھاس سونا ہو جائے تو یقیناً سونا ہو جائے گا۔

غیلان قدری کا واقعہ

روایت ہے کہ غیلان قدری بصرہ سے کوفہ آیا اور وہاں کے فقہاء سے مناظرہ کیا، غیلان فقہاء پر غالب آ گیا۔ حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جوان تھے، حضرت حماد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں آیا جایا کرتے تھے۔ حضرت حماد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اے جوان! تم اس شخص کے پاس جاؤ اور اس سے مناظرہ کرو۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بادشاہ کے دروازے پر پہنچے اور اندر داخل ہوئے اور بعد ازاں مناظرہ کیا جس میں امام صاحب غالب آئے اور غیلان مغلوب ہو گیا۔ غیلان نے امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درج ذیل سوال کیے۔

غیلان: اے ابو حنیفہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! یہ بتائیے کہ ابلیس نے فرعون سے کیا چاہا؟

امام اعظم: اس نے فرعون سے کفر چاہا۔

غیلان: موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کیا چاہا۔

امام اعظم: موسیٰ علیہ السلام نے ایمان چاہا۔

غیلان: اللہ تعالیٰ نے فرعون سے کیا چاہا؟

امام اعظم: اللہ تعالیٰ نے فرعون سے کفر چاہا۔

غیلان: آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اللہ تعالیٰ کی مشیت ابلیس کی مشیت کے موافق کر دی اور موسیٰ علیہ السلام کی مشیت کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے موافق نہیں کیا اور چاہیئے یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت موسیٰ علیہ السلام کی مشیت کے موافق ہوتی۔

امام اعظم: اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ابلیس فرعون سے کفر چاہے اور اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ موسیٰ علیہ السلام فرعون سے ایمان چاہیں اور اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ فرعون اپنے نفس کے لئے کفر چاہے تو یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوا اور یہ مسئلہ ایک نقطہ کی طرف لوٹتا ہے، وہ یہ ہے کہ کفر و شر دونوں مخلوق اللہ ہیں یا غیر کی مخلوق ہیں؟ تو اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں غیر کی ہیں تو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرا خالق و صانع ثابت کیا، تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرکے کافر ہوا اور اگر کہے کہ کفر و شر اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے بغیر اس کے ارادہ و مشیت کے تو پھر یہ اعتقاد کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے پیدا کرنے میں مجبور و مُکرَہ ہے اور یہ کفر ہے تو ثابت ہوا کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیت، قدرت اور قضاء سے ہے اور جو قدر کا انکار کرے کافر ہے۔

ساتواں قول

فضل وعدل کا بیان

معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ صفت فضل وعدل کے ساتھ موصوف ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں اور نہ ہی اس میں کسی کو شبہ ہے کہ اس کا فضل بغیر میل (جانب داری وجھکاؤ) کے عدل بغیر جور وستم کے ہوتا ہے، ہاں! البتہ اس میں اختلاف ہے کہ عدل وفضل کی تاثیر کیا ہے؟

اہل سنت وجماعت نے فرمایا کہ فضل کی صفت اور اس کی تاثیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے زیادتی لطف ہے جو کہ فقط مؤمنین کے لئے ہے، غیر مؤمنین کے لئے نہیں ہے اور وہ (زیادتی لطف) ایمان کے لئے انشراحِ صدر اور ہدایت ور ہنمائی ہے اور درست باتوں کو مؤمنین کے دلوں میں ڈال دینا، اس کو قبول کرنے کی صلاحیت دینا اور طاعت وعبادت پر توفیق اور احسان واختصاص کرامت وولایت کے ساتھ یہ سب چیزیں مؤمنین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے محض فضل اور زیادتی لطف وکرم سے حاصل ہیں، جو غیر کے لئے نہیں ہیں۔

معتزلہ کا مسلک

معتزلہ کہتے ہیں کہ یہ فضل نہیں بلکہ مَیل ہے، اس لیے کہ تمام انسان اللہ تعالیٰ کے غلام اور لونڈی ہیں ، بس اگر کسی کو بغیر سبب کچھ عطا فرمائے اور دوسرے کو بلاوجہ محروم رکھے تو یہ اس کے حق میں بخس (نقص) ہو گا اور پہلے کے حق میں میل (جانب داری) ہو گا اور پھر یہ حکمت کے خلاف ہے۔

معتزلہ کے نزدیک صفت فضل کیا ہے؟

ان کے نزدیک صفت فضل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو عاقل، مرید، مختار اور فاعل کی صفات کے ساتھ پیدا فرمایا، پھر ان کے لئے دلائل واحکام سے راستہ بیان کر دیا اور یہی ہدایت کے معنی ہیں۔

فضل کسے کہتے ہیں؟

معتزلہ کے نزدیک فضل یہ ہے کہ جو ایمان لایا اور اطاعت کی تو اجر وثواب پائے گا اور جس نے انکار کیا اور نافرمانی کی تو وہ سزا پائے گا اور اس کے سوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے کچھ نہیں اور صحیح وہی بات ہے جو ہم نے ذکر کر دی ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو تمام مخلوق میں مختص کیا اور چار چیزوں سے ان کو خاص کیا۔

چار خصوصیاتِ انبیاء کرام علیہم السلام

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو چار چیزوں سے خالص کیا:

(۱) ایک تو یہ کہ ان کے اجساد پاک وطیب مٹی سے گوندھے گئے۔

(۲) اور ان کی روحیں روح القدس سے پیدا کی گئیں۔

(۳) اور تائید وعصمت سے ان کا اکرام کیا۔

(۴) اوران کو حلال غیر مشتبہ روزی دی، اس سے بڑھ کر ان کو وحی ورسالت سے فضیلت دی توجب انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین کو بغیر علت وسبب کے زیادہ لطف وتائید اور عصمت ونبوت سے نوازنا جائز ہے توان کے غیر کو بھی ان کی قدر سے زیادہ دینا محض فضل اور لطف وکرم سے جائز ہوگا۔

اوران کا یہ کہنا کہ اگر دوسرے کو منع کرے گا تو بخس (یعنی نقص) ہوگا توہم کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ پربندوں کے لئے کوئی شئے واجب نہیں، اگر وہ کسی کو مال ودولت عطافرمائے تو یہ اس کا فضل ہوگا بغیر وجوب کے اور جائز ہے کہ کسی کو اپنے ارادہ سے زیادہ بھی عطافرمادے اور پھر کسی کو کچھ نہ دے اور جو دوسرے کو دیاہے اس سے منع کرے تو یہ منع واجب کا منع کرنا ہے، یہاں تک کہ اس کو بخس (یعنی نقص) کہا جائے، بلکہ اس سے عدل ہوگا، اس لئے کہ اس پر کچھ واجب نہیں اوراس پر ہمارا اجماع ہے کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے جائز ہے، لیکن عنایت تو بعض کہتے ہیں کہ جائز ہے اور بعض کہتے ہیں: جائز نہیں، اس لئے کہ عنایت بہرحال میل (جانب داری) سے خالی نہیں ہے اور صحیح وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے معونت ہے اور ہم نہیں کہتے کہ عنایت ہے، اس لئے کہ یہ لفظ سماعاً وارد نہیں اور نہ ہی اہل علم اس پر متفق ہیں اور نہ یہ موجباتِ ضرورت سے ہے تو ہم بھی اس کے قائل نہیں۔

عدل اوراہل سنت وجماعت

اہل سنت وجماعت کے نزدیک صفت عدل کا بیان چھ چیزوں میں ہے:

(۱) ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ بندے کی نیکیوں میں ذرہ برابر بخس (کمی) نہیں کرتا۔

(۳) تیسرے یہ کہ بغیر گناہ کیے کسی کو عذاب نہیں دیتا۔

(۴) چوتھے یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دکھ نہیں دیتا بغیر غرض صحیح کے اور بہت بڑے عوض کے بھی۔

(۵) پانچویں یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو معصیت پر مجبور نہیں کرتا۔

(۶) چھٹی یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

سوال: اگر کہا جائے کہ کیا یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ جہنم میں ایک مخلوق پیدا کرے اوراس کو بغیر معصیت کے عذاب دے؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے بلندوبرتر اورارفع واعلیٰ ہے کہ کسی شخص کو بغیر جرم وخطاء اور بغیر گناہ کے عذاب دے اوراگر کوئی مخلوق جہنم میں پیدا کرے تو جہنم اس کے لئے عذاب نہ ہوگا اوراگر بغیر جرم وگناہ اس کو عذاب دے تو عدل نہ ہوگا اوراللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے فضل وعدل سے کرتا ہے، دلیل اس کی یہ ہے کہ **كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ (۳۸)** ہر جان اپنی کرنی میں گروی ہے۔ "**جَزَآءًبِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الاحقاف ۱۴)**" ان کے اعمال کا انعام۔"

معتزلہ عدل کسے کہتے ہیں؟

معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عدل یہ ہے کہ وہ کفر و شرک کو پیدا نہ کرے اور ضرر کو بھی پیدا نہ کرے اور نہ ان چیزوں کی قضاء (فیصلہ) کرے اور وہ مصالح (بھلائی اور بہتری) جن کے بندے محتاج ہیں اللہ تعالیٰ پر واجب ہے اور اگر مصالح عباد کو منع کرے تو عدل نہ ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ صفت عدل یہی ہے، یہاں تک کہ اگر اللہ تعالیٰ کفر و شرک کو پیدا کرے اور پھر بندوں کو عذاب دے تو یہ ظلم و جور ہو گا۔ سنو! یہ اعتقاد کفر ہے، اس لئے کہ بندہ جب اپنے لئے کفر کا ارادہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بندے سے توحید کا ارادہ کرتا ہے تو جس چیز کا بندہ نے ارادہ کیا ہو گا اور خدا نے جس چیز کا ارادہ کیا وہ نہ ہوا تو بندہ کا ارادہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ پر غالب ہو گیا اور یہ محال ہے اور ہمارا اس پر اجماع ہے کہ کفر اللہ تعالیٰ کے علم سے ہے، وہ جانتا ہے اور قادر ہے کہ اس کو منع کر دے جبراً اور اگر منع نہ کرے تو یہ معتزلہ کے نزدیک عدل نہ ہو گا اس لئے کہ جو چیز بندوں کے حق میں اصلح اور اصوب ہو، اللہ تعالیٰ پر اس کا پیدا کرنا واجب ہے اور کفر میں نہ فلاح ہے نہ صواب ہے اور اور ایسے ہی ان کے زعم میں اصلح و اصوب اللہ تعالیٰ کے حق میں اولیٰ ہے کہ اس پر واجب ہو اور بندہ جب ترک کر دے اس چیز کو جو بندوں کے حق میں برائی ہے اور عدل نہ ہو گا، اس بندہ کی طرف سے اور عیب لوٹے اس کی طرف اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے حق کہ جب جانتا ہے کہ بندہ کفر و شرک کرے گا اور اس نے اصلح و اصوب کو ترک کیا اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور جبراً منع کرنے پر قادر ہے اور منع نہ کرے تو عیب اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عدل نہیں ہو گا اور یہ جائز نہیں۔ پھر ہمارا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو بغیر نہی کے کفر اور قبائح سے جبراً منع نہیں کرتا باوجودیکہ اس کو علم و قدرت ہے اور صفت قبح بندے کی طرف لوٹے گی اور ایسے ہی اگر اللہ تعالیٰ کفر و شرک اور قبح کے پیدا کرنے کا ارادہ کرے تو عیب بندے کی طرف لوٹے گا جیسے علم میں۔[41]

سوال: اگر کہا جائے کہ ازروئے حکمت یہ کیسے جائز ہے کہ کفر و شرک کا ارادہ اپنے حق کرلے اور شر و قبح اپنے نفس کے لئے ارادہ کرے؟

جواب: ہم کہتے ہیں: جیسے جائز ہے ازروئے حکمت کہ کسی نفس کو پیدا کرے اور جانتا ہے کہ یہ کفر و شرک کرے گا اور برا کام کرے گا باوجود اس کے کہ اسے علم ہو، اس کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو ایسے ہی یہ مسئلہ ہے، اس لئے کہ جائز ہے کہ شرک اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہو عیب بندے کی طرف لوٹے جیسے علم میں۔

آٹھواں قول

تکوین و مکون کا بیان

امام ابو الحسن اشعری اور کرامیہ کہتے ہیں کہ تکوین و مکوّن ایک ہی چیز ہے اور اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ تکوین مُکوّن کا فعل ہوتا ہے اور مُکوّن (واؤ کی زبر کے ساتھ) تکوین کی صورت مسئلہ یہ ہی ہے کہ ان کے نزدیک مُکوّن (پیدا کرنے والا) جب کسی شئے کو پیدا

---

[41] اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ فلاں بندہ کفر کرے گا تو یہ عیب صرف بندے کی طرف راجع ہو گا۔

کرتا ہے تو فعل اس سے زائل (جدا) ہو کر مُکوّن (مفعول) میں حلول کرتا ہے اور اس میں سماجاتا ہے اور اہل سنت وجماعت کے نزدیک فعل فاعل سے جدا ہو کر مفعول میں حلول وسرایت نہیں کرتا اور تکوین (تخلیق) مُکوّن (خالق) سے جدا نہیں ہوتی اور یہ مسئلہ دراصل ایک دوسرے مسئلہ کی فرع ہے، وہ (اصل) مسئلہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی صفات حادث ومحدث ہیں اور اہل سنت کے نزدیک صفاتِ باری ہونا جائز نہیں ہے، جیسا کہ پہلے ہم ذکر کرچکے ہیں، تو جب ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی صفات وافعال حادث ہیں تو انہوں نے کہا: فعل، صنع اور تخلیق وتکوین اس سے شروع ہوتے ہیں، پھر اس سے زائل (جدا) ہو جاتی ہیں یعنی تفعیل وتکوین اور تخلیق کے وقت اس سے جدا ہو کر مُکوّن ومفعول میں حلول کرجاتی ہیں اور یہ کفر ہے۔

اس لئے کہ یہ دو حال سے خالی نہیں یا یہ فعل وصنع حادث ہوں گے یا غیر حادث؟ اگر کہیں کہ حادث ہیں تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے محل حوادث ہونے کا اعتقاد کیا اور اس پر تغییر وتکوین اور تحویل جائز ہوگا اور یہ کفر ہے۔

اور اگر کہیں: فعل غیر محدث ہے بلکہ صفت قدیم ہے تو محدث میں صفت قدیم کے حلول کا اعتقاد کیا، اب قدم اور بقائے دہر ان کا عقیدہ ٹھہرا، اس لئے کہ ان کے نزدیک دہر، قدیم کا محل ہوگا اور قدیم کا محل قدیم ہونا ضروری ہے اور یہ کفر ہے۔

متصوفین کا مسلک

بعض متصوفین کہتے ہیں کہ ہر شئے علت اس کی صنعت ہے اور یہ بھی صحیح نہیں، اس لئے کہ صنع علت ہے تو وہ معلول میں حلول کرے گی تو یہ اور پہلا مسئلہ برابر نہیں۔

سوال: پھر اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ آیا اپنی صفت کو بدلنے پر قادر ہے؟

جواب: تو ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کمال پر، لیکن تغیر جائز نہیں اللہ تعالیٰ کی صفات میں اس کا وجود محال ہے اور اللہ تعالیٰ محال سے منزہ ہے۔

صفت الٰہی کا بدلنا محال ہے اور محال تحت قدرت نہیں کہ یہ مقدور بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا (تو قابل کا نقص ہے فاعل کا نہیں) اور اس کا سوال کرنا کفر ہے، اس لئے کہ اس نے صفاتِ باری میں تغییر کو جائز مانا اور یہ کفر ہے۔

نواں قول

باری تعالیٰ کے کتنے صفات ہیں؟

اہل سنت وجماعت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات نہ مکرّر ہیں اور نہ وہ متعدد ہیں، بیان اس کا یہ ہے کہ اللہ عزوجل فعل واحد کا فاعل ہے اور جمیع مفعولات کو ایک فعل سے کرتا ہے۔

اور وہ "حی" ہے حیاتِ واحد سے، سمیع ہے سمع واحد ہے، جمیع مسموعات کو سنتا ہے اور وہ ایک کلام سے متکلم ہے، تمام صفات کو اسی طرح سمجھ لو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات قدیمہ ہیں اور عدد وتکرار محدثات کی صفت ہے اور اگر ہم کہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت حد تکرار میں داخل ہیں تو پہلی صفت زائل ہوگی اور دوسری صفت پیدا ہوگی، یہاں تک کہ مکرر ہو جائیں گی اور یہ کفر ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور یہ معنی تمام صفات میں مؤثر ہوں گے۔

اعتراض: اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات سب کی سب صفت واحدہ ہیں یا ہر صفت علیحدہ علیحدہ پہلی صفت کے علاوہ ہے؟

جواب: تو ہم کہیں گے کہ ہمارے بعض اصحاب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صفت حیات، صفت قدرت اور علم سے موصوف ہے اور اسی طرح باقی تمام سے ہر صفت سے موصوف ہے۔

اور ہمارے اصحاب میں سے بعض کہتے ہیں کہ سب کی سب صفات صفت واجب ہیں اور اصل یہ ہے کہ جو ہم کہتے ہیں کہ صفات الٰہی حقیقت میں ایک ہیں وہ ادب کے تحت داخل نہیں ہیں لیکن اس کی تاثیر اور اسماء محدودہ ہیں اس لئے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کا انکار کیا تو وہ کافر ہو جائے گا اور کسی صفت کو زیادہ کیا تو کافر ہو جائے گا تو صفات باری تعالیٰ جل مجدہ تاثیر اور اسم کے اعتبار سے محدودہ ہیں اور ایمان کل پر واجب ہے اور صفات در حقیقت ایک ہیں اگر کہا جائے کہ قدرت اور حیات دو شیئے ہیں یا دو عدد ہیں یا اثنان ہیں تو کافر ہو جائے گا تو ہم کہتے ہیں کہ حیات اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور قدرت بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور قدرت حیات نہیں اور نہ وہ غیر حیات تو یوں کہیں گے۔"لاھی ولاھی غیرھا" اور ایسے ہی علم مع الارادہ اور سمع مع البصر ہر صفت کے ساتھ ہم کہیں گے "لاھی ھی ولاھی غیرھا" جیسے صفات ذات میں اس لئے کہ صفات معدودات سے نہیں ہم کہیں گے کہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد بصفاتہ ہے جب ہم نے ثابت کر دیا کہ صفات باری مکرر اور معدودہ نہیں تو ایسے ہی واجب ہے کہ متضاد اور متناقض بھی نہ ہوں۔

جیسے ہم سخط (ناراضی) اور رضا (خوشنودی) کے بارے میں کہتے ہیں ، اللہ تعالیٰ کی رضا اس کی سخط (ناراضی) نہیں اور نہ ضد سخط ہے اور اس کا سخط اس کی رضا نہیں اور نہ ضد رضا تو ہم کہیں گے کہ "لاھی ھی ولاھی غیرھا" اور وہ رضا و سخط کے ساتھ موصوف ہے اور یہ جو کہا کہ رضا ضد سخت نہیں اس لئے کہ رضا سخط سے زائل نہیں ہوتی اور نہ مشغول کرکے سخط سے اور اس کا سخط اس کی رضا کو زائل نہیں کرتا اور نہ اس کو مشغول کرتا ہے اور اس کی صفت کسی حال میں اس سے زائل نہیں ہوتی اور تضاد و تناقض اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب ایک صفت دوسری سے مشغول کرے یا اس کی ضد اس سے زائل ہو اور اثباتِ شغل بھی صفات باری میں جائز نہیں اور کوئی صفت اس سے زائل نہیں ہوتی اور اس کی صفت میں نفی کی اضافت نہیں ہو سکتی اور اثبات کی اضافت بھی نہیں ہو سکتی تو ثابت ہوا کہ اس کی صفات میں تناقض و تضاد نہیں۔

سوال: یہ ہے کہ آیا اللہ تعالیٰ کی صفات میں مکر اور مخادعہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ہم کہیں گے کہ یہ معانی ردیہ ہیں اور صفاتِ قبیحہ تو قبیحہ اور ردیہ صفات نہیں سکتیں، لیکن بہ طریقِ مکافات (بدلے) و مجازات (جزاء) جائز ہے، اپنے دشمنوں کو ان کے مکر و مخادعت اور استہزاء بمثل افعالھم یعنی جیسا ان کا فعل ویسا اس کو بدلہ دینا اور یہی معنی ہیں۔ اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ۔(البقرۃ۱۵) اللہ ان سے استہزاء فرماتا ہے (جیسا اس کی شان کے لائق ہے)۔" وَ مَکَرُوْا مَکْرًا وَّ مَکَرْنَا مَکْرًا۔(النمل ۵۰) اور اُنہوں نے اپنا سا مکر کیا اور ہم نے اپنی خفیہ تدبیر فرمائی۔" اور یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ (البقرۃ ۹) فریب دیا چاہتے ہیں اللہ کو۔" وَھُوَ خَادِعُھُمْ۔(النساء ۱۴۲) اور وہی انہیں غافل کرکے مارے گا۔" تو ان آیتوں میں ان کے افعال کی جزاء مراد ہے۔

دسواں قول

آیاتِ متشابہات پر ایمان لانے کا بیان

اہل سنت وجماعت فرماتے ہیں: متشابہات پر ایمان لاناواجب ہے اوراس کی تفسیر جائز نہیں اوراس کی تاویل واجب نہیں اور یہ کہنا جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس صفت سے موصوف ہے بلکہ یہ کہیں گے کہ یہ کلام اللہ ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا، اس سے جو ارادہ فرمایا اس پر ہمارا ایمان ہے۔

جیساکہ حضوراقدس ﷺ سے مروی ہے کہ فرمایا: ”ان للہ یدین کلتاھمایمینان“[42] اوراللہ تعالیٰ نے فرمایا: بَلْ یَدٰہُ مَبْسُوْطَتٰنِ۔(المائدۃ ۶۴) ”بلکہ اس کے ہاتھ کشادہ ہیں۔“ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی (طٰہٰ ۵) وہ بڑی مہر (رحمت) والا اس نے عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔“ اوراس قسم کی جو آیات واحادیث ہیں ان پر اس طرح ایمان لاناواجب ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اوراس کے رسول کا کلام ہے اوراس میں تاویل واجب نہیں ہے۔

معتزلہ اور جہمیہ کا مذہب

معتزلہ اور جہمیہ کہتے ہیں کہ ان آیات واحادیث کی تاویل واجب ہے، انہوں نے کہا کہ ”ید“ کے معنی قوت ونعمت ہے اور یہ درست نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بَلْ یَدٰہُ مَبْسُوْطَتٰنِ۔(المائدۃ ۶۴) ”بلکہ اس کے ہاتھ کشادہ ہیں۔“ اور جائز نہیں کہ ہم کہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے دو قوتیں ہیں اوراللہ تعالیٰ نے فرمایا: لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ اَسْتَکْبَرْتَ۔(ص ۷۵) جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ کیا تجھے غرور آ گیا۔“ اوراگر ”ید“ سے مراد قوت ہوگی تو ابلیس یہ کہے گا کہ میں تیری قوت ونعمت سے مخلوق وپیداشدہ ہوں تو ثابت ہوا کہ ”ید“ سے مراد قوت نہیں اوراس لئے بھی کہ اگر تاویل واجب ہوتی تو اوّل حضوراقدس ﷺ پر تاویل واجب ہوتی، اس لئے کہ حضور ﷺ مُبیّن بناکر مبعوث ہوئے ہیں اور جب حضور ﷺ نے اس کے معنی بیان نہیں کیے اور تاویل نہیں کی تو معلوم ہوا کہ تاویل واجب نہیں، اس لئے کہ تاویل تفسیر سے اقویٰ وواضح ہے، اس لئے کہ تاویل وہ ہے جو مراد کی طرف لوٹتی ہے اوراگر تاویل واجب ومشروع ہوتی تو وہ تاویل ہم تک منقول ہوتی، جیسے قرآن اور تفسیر وقرأتیں منقول ہوئی ہیں اور جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تاویل منقول نہیں تو ثابت ہوا کہ تاویل واجب نہیں۔

اورابوالحسن اشعری اور متقدمین مشائخ بخارا نے کہا: متشابہات اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں بغیر تفصیل وتشریح وکیفیت کے اورانہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ صفتِ ید، صفتِ وجہ، صفتِ نزول وقدم سے موصوف ہے، آیات واحادیث میں جو جو صفات ذکر ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب صفات سے بلاکیف موصوف ہے۔ یہ بھی درست نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ۔ ”اور دوسری وہ ہیں جن کے معنی میں اشتباہ ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ لوگوں پر اس کے معانی مشتبہ ہوگئے ہیں۔

اگر ہم کہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں تو حد اشتباہ سے نکل کر مفسر ہوجائے گی۔

---

[42] عن عبداللہ بن عمرو: إنَّ المُقْسِطِينَ عِنْدَ اللهِ على مَنابِرَ مِن نُورٍ، عن يَمِينِ الرَّحْمَنِ عزَّ وجلَّ، وكِلْتا يَدَيْهِ يَمِينٌ، الَّذِينَ يَعْدِلُونَ في حُكْمِهِمْ وأَهْلِيهِمْ وما ولوا.(مسلم (ت ٢٦١)، صحيح مسلم ١٨٢٧] • صحيح • [شعيب الأرنؤوط (ت ١٤٣٨)، تخريج العواصم والقواصم ٢١٣/٧ • حديث صحيح •)

امام محمد ابن حسن سے مروی ہے کہ ان سے اسی قسم کی آیات واحادیث کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ جس طرح نازل ہوئی ہیں اور جو ان سے اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے اس پر ایمان لاؤ اور حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالی، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ علم قرآن چار قسم کا ہے:

(۱) ایک قسم وہ ہے جس سے جاہل رہنا جائز ہے اور وہ حلال و حرام کا علم ہے۔

(۲) اور ایک قسم علم کی وہ ہے جس کو عرب جانتے ہیں، وہ علم اسماء ہے اور علم تفسیر وہ علم قصص اور شانِ نزول۔

(۳) اور ایک علم وہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے جیسا کہ فرمایا: وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ۔(ال عمران ۷) اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے۔"

اور مشائخ سمر قندر حمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ متشابہ وہ ہیں جن کے معنی ہم پر مشتبہ ہیں تو ہم ان پر ایمان لائے اور اقرار کرتے ہیں یہ کلام اللہ تعالیٰ ہے اور خبر رسول اللہ ﷺ کا کلام ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے کلام پر اور اس کے رسول ﷺ کے کلام پر ایمان لائے اور جو انہوں نے ارادہ فرمایا اس پر ہمارا ایمان ہے۔

سوال: اگر کہا جائے کہ آیا ازروئے حکمت یہ جائز ہوگا کہ مثلاً اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو بھیجے اور اس پر کتاب نازل کرے اور احکام اتارے، پھر بعض چیزیں اپنے رسول ﷺ پر مخفی و پوشیدہ رکھے جس کے معنی وہ نہ جانتا ہو؟

جواب: ہم کہتے ہیں: بمقتضائے حکمت جائز ہے کہ علم الٰہی پر کوئی علیٰ وجہ الاتم مطلع نہ ہو، دلیل اس پر یہ ہے کہ احادیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قلم کو حکم دیا کہ لکھے لوح محفوظ میں کہ فلاں سعید ہے۔ " ان شئت "یعنی اگر میں چاہوں تو فلاں سعید ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ لوح و قلم اور فرشتے جو لوح میں دیکھ رہے ہیں وہ بھی جمیع علوم الٰہی کو نہیں جانتے تو یہ راز ہے تو جب یہ لوحِ محفوظ میں ہے تو دیگر کتب میں بھی جائز ہے، جو احکام اور جن چیزوں کی مخلوق جو حاجت ہے وہ واضح کر دیئے جائیں اور جس چیز کی مخلوق محتاج نہیں ہے تو جائز ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا راز ہو۔

معتزلہ کا مسلک

پھر معتزلہ کے نزدیک متشابہات کی تاویل واجب ہے اور اہل سنت کے نزدیک غیر واجب ہے، لیکن جائز ہے کہ متشابہ میں تاویل کریں اس لئے کہ مشبہہ نے ظاہر آیتوں کو لے کر کہا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ید (ہاتھ) اور انگلی دیگر مخلوقات کی طرح ہیں اور اس کا انہوں نے اعتقاد کیا اور یہ کفر ہے تو تاویل جائز ہے، تشبہ کے وقت نفی خطاء اور زوالِ شبہ کے لئے، لیکن ساتھ ہی ہم یہ نہیں کہتے کہ جو تاویل کی ہے یہی مراد متکلم ہے بلکہ یوں کہیں گے، ممکن ہے اس سے مراد یہ ہو لیکن حقیقی مراد اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

صفات باری تعالیٰ میں مفصل و مدلل بیان تفصیل کیا حضرت مولانا عزیز الرحمٰن حقانی صاحب نے:

صفات باری تعالیٰ

باری تعالیٰ کے لئے خاص صفات ہیں۔

سوال: اگر باری تعالیٰ کے لئے صفات ثابت ہیں تو ہمارے لئے بھی ثابت ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کے لئے صفت علم ہے اس طرح ہمارے لئے بھی ہے وغیرہ؟

جواب: یہ ہے کہ باری تعالیٰ کے لئے خاص صفات ہیں جو مخلوق میں نہیں پائی جاتیں، یعنی مخلوق تو صرف نام ہی میں مشترک ہے، صفات الٰہی کی شان ہی کچھ اور ہے۔

ثبوت صفات کے دلائل

پہلی دلیل:

عقل و شرع دونوں کے اعتبار سے یہ بات ثابت ہے کہ باری تعالیٰ عالم، قادر، حی وغیرہ ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے لئے صفات ثابت ہوئیں۔

دوسری دلیل:

عرف اور لغت سے یہ بات معلوم ہے کہ ان اسماء مشتقہ میں سے ہر ایک ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو واجب کے مفہوم سے زائد خارج ہے اور وہ معنی جو واجب کے مفہوم سے زائد ہو باری تعالیٰ کی صفات ہیں۔

سوال:

یہ ہے کہ دعویٰ ثبوت صفات ہے باری تعالیٰ کے لئے اور دلیل اس پر پیش کی جاتی ہے کہ یہ واجب کے مفہوم سے زائد ہے لہٰذا آپ کی دلیل دعوے کے مطابق نہیں؟

جواب:

یہ ہے کہ یہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں جو لوگ صفات کو مفہوم واجب سے زائد ہونے سے انکار کرتے ہیں اور اس کو عین مانتے ہیں تو گویا وہ صفات کے ثبوت سے انکار کرتے ہیں۔

تیسری دلیل:

یہ کہ وہ صفات آپس میں مترادف نہیں اس لئے کہ اگر وہ آپس میں مترادف ہو جائیں تو پھر وہ ایک ہی صفت بن کر صفات کیسے بن جائیں گی۔

چوتھی دلیل:

یہ ہے کہ جس چیز پر اسم مشتق صادق ہو جائے وہ اس کے لئے ماخذ اشتقاق کے ثبوت کا تقاضا کرتا ہے "عالم کا ماخذ""علم" ہے تو عالم اس کو کہا جاتا ہے جس کے لئے علم ثابت ہو، اسی وجہ سے تو اس کو عالم کہا جاتا ہے ایسا نہیں ہے کہ عالم ہے اور اس کے لئے علم

ثابت نہ ہو جس طرح معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عالم ہے لیکن اس کے لئے علم ثابت نہیں، قادر ہے لیکن قدرت ثابت نہیں یہ تو ظاہراً باطل ہے یہ ہمارے اس قول کی طرح ہے کہ "فلاں چیز سیاہ ہے لیکن اس میں سیاہی نہیں یا سفید ہے لیکن اس میں سفیدی نہیں"۔

پانچویں دلیل:

نصوص باری تعالیٰ کے لئے علم قدرت وغیرہ کے ثبوت پر ناطق ہیں۔ مثلاً:

اَللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى (طٰهٰ ۸)

ترجمہ: اللہ کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں اسی کے ہیں سب اچھے نام۔

علیم، قدیر، یاالعلیم القدیر یاالعزیز العلیم یاالخلاق العلیم یاعلیم حلیم یاعلیما حلیما یاشاکرا علیما یالطیف خبیر وغیرہ۔

اسی طرح محکم افعال اور مشتمل بر عجائب ایجادات باری تعالیٰ کے لئے علم، قدرت وغیرہ صفات کے ثبوت پر دلالت کرتے ہیں۔

چھٹی دلیل:

ذات خداوندی باوجود ایک ہونے کے پھر سب کمالات کے ساتھ موصوف ہے۔ ایک شخص ملکڑی او مجسٹریٹ دونوں کے کام کرتا ہے اس لئے دو نام ہو گئے ورنہ حقیقت میں وہ ایک ہی ذات ہے۔ ایسے ہی ذات خداوندی بھی بسبب جدا جدا کاموں کے خالق، رازق، سمیع و بصیر کہلاتی ہے۔ غرض یہ کہ صفات کا متعدد ہونا اس کی وحدانیت کے کسی طرح منافی نہیں۔

اور جس طرح ذات خداوندی تمام موجودات کے لئے اصل ہے اسی طرح کمالات خداوندی کمالات مخلوق کے لئے اصل ہیں۔ اور مخلوق میں جو کمال ہے وہ اسی کے کمال کا پرتو اور عکس ہے جیسا کہ مخلوقات کا وجود اسی کے وجود کا پرتو اور عکس ہے۔ آفتاب میں اگر نور نہ ہوتا تو زمین کیسے منور ہوتی۔ آتش میں اگر حرارت نہ ہوتی تو پانی کیسے گرم ہوتا علی ھذا اگر خالق میں کمال نہ ہوتا تو مخلوق میں کہاں سے کمال آجاتا۔

بندوں میں حیات بھی ہے۔ علم و قدرت بھی ہے ارادہ و اختیار بھی ہے۔ سمع و بصر اور کمال بھی ہے اور یہ ساری باتیں باتفاق خوبی و کمال کی سمجھی جاتی ہیں۔ یہ کمالات اگر خالق میں نہ تھے تو مخلوق میں کہاں سے آئے۔ نیز اگر خداوند کریم ان صفات کمالات کے ساتھ موصوف نہ ہو تو مخلوق کا خالق سے اور ممکن کا واجب سے افضل ہونا لازم آتا ہے اس لئے کہ مخلوق میں حیات، علم، قدرت، سمع، بصر سب موجود ہے۔ اب اگر خدا ان صفات سے عاری ہو تو یقیناً مخلوق کو خالق سے افضل کہنا پڑے گا۔ کیونکہ زندہ کو مردہ سے اور عالم کا غیر عالم سے اور قادر کا غیر قادر سے افضل ہونا بالکل ظاہر ہے۔

خشک ابرے کہ بود از آب تہی   نایداز وے صفت آبدہی

(اشرف الفوئد شرح شرح العقائد، ص ۲۴۶، ۲۴۷، علم الکلام مولانا محمد ادریس کاندھلوی علیہ الرحمۃ)

بندوں کے کمالات اور اللہ تعالیٰ کے کمالات میں فرق

لیکن بندوں کے کمالات اور اللہ تعالیٰ کے کمالات میں دو طرح کا فرق ہے۔

پہلا فرق:

پہلا فرق یہ ہے کہ بندوں کی جتنی بھی کمال والی صفات ہیں اور جتنے بھی کمالات ہیں وہ ان کے اپنے نہیں ہیں بلکہ کسی دیئے ہوئے ہیں، خوبصورت ہونا، مالدار ہونا، سائنسدان ہونا، حیرت انگیز ایجادات کا موجود ہونا، انجینئر ہونا، عجیب وغریب چیزیں بنانا، یہ تمام کمالات کسی بھی انسان میں ہوں گے وہ اس کے اپنے نہیں ہوں گے بلکہ اللہ کے دیئے ہوئے ہیں۔

مال اللہ تعالیٰ نے دیا، حسن وجمال اللہ تعالیٰ نے دیا اقتدار اللہ تعالیٰ نے دیا، سائنس دانوں کو عقل و دماغ اللہ تعالیٰ نے دیا، پھر اس کو استعمال کر کے اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے مادے اور میٹیریل کو استعمال کر کے ایک چیز بنا دیتے ہیں تو واہ واہ ہو جاتی ہے، یہ کمال ان کو کس نے دیا؟ اللہ تعالیٰ نے دیا، اس لئے قرآن نے کہا "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینَ (الفاتحۃ ۱)" دنیا میں جتنی تعریفیں ہوتی ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں، خداوند کے سوا کسی کی تعریف نہیں ہو سکتی، آپ جس کی بھی تعریف کریں گے، کسی کمال کی بنیاد پر کریں گے اور وہ کمال اس کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، تو کمال دینے والے کی تعریف ضرور ہو گی۔

تو بندوں کے سارے کمالات اپنے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے ہیں، مگر خدا تعالیٰ کی ساری صفات کمالیہ اپنی ذاتی ہیں کسی کی دی ہوئی نہیں، وہ اپنی کمال والی صفت میں مخلوق کا محتاج نہیں بلکہ وہ اپنے کمال میں مخلوق کے ماننے کا بھی محتاج نہیں کوئی مانے تب بھی وہ خالق ہے نہ مانے تب بھی وہ خالق ہے، کوئی مانے تب بھی وہ رازق ہے اور کوئی نہ مانے تب بھی وہ رازق ہے۔ تو بندوں کے سارے کمالات اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سارے کمالات ذاتی ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔

دوسرا فرق:

بندوں کے کمالات اور اللہ تعالیٰ کے کمالات میں دوسرا فرق یہ ہے کہ بندوں کے پاس جتنی خوبیاں ہیں وہ ساری عارضی ہیں، جتنے کمالات ہیں وہ سارے عارضی ہیں، چند دنوں کے لئے ہیں یا تو وہ خوبی دنیا ہی میں چھن جائے گی ورنہ موت آکر چھین لے گی، مال ہے، اقتدار ہے، حسن وجمال ہے، عزت ہے وہ چند دن کے لئے۔

(صدائے منبر، مولانا مفتی محمد امین صاحب)

لہٰذا عقلی اور نقلی دلائل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے صفات ثابت ہو گئیں پھر ان صفات میں بعض ذاتی صفات ہیں اور بعض صفات افعال ہیں، صفات ذاتی اشاعرہ کے نزدیک سات اور ماتریدیہ کے نزدیک آٹھ ہیں، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

اقسام صفات

صفات باری تعالیٰ کی دو اقسام ہیں:

(۱) صفات سلبیہ (۲) صفات وجودیہ ثبوتیہ

صفات سلبیہ:

وہ صفات ہیں جن کی باری تعالیٰ سے سلب اور نفی کی جائے جیسے کہا جاتا ہے "اللہ لیس بجوھر و لا بعرض و الا بممکن" یہ صفات سلبیہ ہیں۔

صفات وجودیہ:

وہ صفات ہیں جن کا ذات باری تعالیٰ کے لئے اثبات کیا جائے۔

صفات وجودیہ کی اقسام:

پھر صفات وجودیہ کی دو اقسام ہیں:

(۱) صفات حقیقیہ (۲) صفات غیر حقیقیہ

صفات حقیقیہ کا دوسرا نام صفات ذاتیہ، جمالیہ اور صفات جلالیہ ہے۔ صفات غیر حقیقیہ کو صفات اضافیہ افعالیہ بھی کہا جاتا ہے۔
امام ابو الحسن اشعری اللہ تعالیٰ کی دو قسمیں ذکر کرتے ہیں۔ ایک صفات ذاتیہ اور دوسری صفات فعلیہ۔

صفات ذاتیہ:

ان صفات کو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ان کی ضد کے ساتھ موصوف نہ ہو سکے۔ اور اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ تو متصف ہے ان کی ضد یعنی موت، جھل، عجز وغیرہ کے ساتھ متصف نہیں ہو سکتا۔ یہ امھات الصفات یعنی بنیادی صفات بھی کہلاتی ہیں کیونکہ یہ صفات فعلیہ اور دیگر صفات کے لئے بمنزلہ بنیادی صفات بھی کہلاتی ہیں اس لئے کہ اگر حیات ہی نہ ہو تو خدا ہی نہ رہے اور علم و ارادہ نہ ہو تو کوئی فعل وجود میں نہ آئے۔

(اسلامی عقائد، ص ۲۰)

امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک صفات ذاتیہ کی اقسام

امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک صفات ذاتیہ سات ہیں:

۱۔ حیات ۲۔ علم ۳۔ قدرت ۴۔ سمع

۵۔ بصر ۶۔ ارادہ ۷۔ مشیت

یہ صفات نہ اللہ کی ذات میں داخل ہیں اور نہ ہی خارج ہیں، مفہوم ایک بھی نہیں، غیر بھی نہیں۔ اسی کو اہل علم لا عین ولا غیر سے تعبیر کرتے ہیں۔

(عقائد اہل سنت والجماعۃ، ص ۷۱)

صفات فعلیہ:

ان صفات کو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ان کی ضد کے ساتھ موصوف ہو سکے اور اللہ تعالیٰ کے لئے کمال ہو اور ان کا تعلق غیر کے ساتھ ہو۔ جیسے مارنا اور جلانا، عزت دینا، ذلت دینا، رزق دینا اور نہ دینا وغیرہ۔ امام اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سب صفات فعلیہ کو بنیادی صفت قدرت کے ماتحت اور اس سے متعلق مانتے ہیں۔

امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک صفات ذاتیہ کی اقسام

امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آٹھ صفات کو بنیادی قرار دیتے ہیں، جن میں سے سات تو وہ ہیں جو اوپر صفات ذاتیہ میں مذکور ہوئیں اور آٹھویں تکوین ہے۔

(اسلامی عقائد، ص ۲۰،۲۱)

متکلمین اور فلاسفہ کے درمیان صفات میں اختلاف کی نوعیت

سوال: یہ ہے کہ آپ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے صفات ثابت ہیں اور صفات تو مستحیل البقاء(یعنی زائل ہوتی ہیں) ہونے کی وجہ سے حادث ہیں جس طرح انسان کے ساتھ پہلے علم نہیں تھا اب ہے اور کچھ عرصہ بعد یہ ختم ہو جائے گا لہٰذا صفات حادث ہیں؟

جواب:

ہمارا انزاع اس میں نہیں ہے کہ وہ صفات باری تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں جو کیفیات اور عوارض ہیں کیونکہ صفات باری تعالیٰ تو ازلی ہیں ہم ان کیفیات اور عوارض پر بحث نہیں کرتے کیونکہ جو علم کیفیات اور عوارض کی جنس سے ہے باری تعالیٰ سے اس کی نفی پر ہمارا اور معتزلہ کا اتفاق ہے۔

سوال: پھر آپ کس چیز سے بحث کرتے ہیں جس میں آپ کا اور معتزلہ کا اختلاف ہے؟

جواب:

یہ ہے کہ ہماری نزاع اس بات میں ہے کہ جیسے ہم میں سے کسی کے عالم ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے لئے علم نام کی صفت ثابت ہے جو کہ اس کی ذات سے زائد ہے اور عرض ہے اور حادث ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لئے علم نام کی ایک صفت ثابت ہے جو اس سے زائد اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور قدیم ہے تو اس میں ایک رائے فلاسفہ کی ہے اور ایک متکلمین کی۔

فلاسفہ کے نزدیک صفات عین ذات واجب ہے

فلاسفہ اس سے منکر ہیں، ان کے نزدیک صفات عین ذات واجب ہیں ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی ایسی صفت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے زائد اور اس کے ساتھ قائم ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کا عالم ہونا اور قادر وغیرہ ہونا ایک اضافی چیز ہے معلومات کے ساتھ

تعلق ہونے کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ عالم اور مقدورات کے ساتھ تعلق ہونے کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ قادر ہیں، لہٰذا ذات باری تعالیٰ من کل الوجوہ واحد ہے۔

فلاسفہ کی یہ رائے اس لئے ہے کہ تعدد قدماء اور تعدد وجباء لازم نہ آئے۔ فلاسفہ کا کہنا ہے کہ اگر صفات ذات باری تعالیٰ سے زائد لئے جائیں چونکہ صفات قدیم ہیں تو تعدد قدماء لازم آتا ہے، اور یہ تعدد وجباء کو مستلزم ہے۔

متکلمین

متکلمین کے نزدیک صفات باری تعالیٰ ذات باری تعالیٰ سے زائد اور اس کے ساتھ قائم ہیں اور قدیم ہیں، اس سے تعدد قدماء لازم آتا ہے اور یہ تعدد وجباء کو مستلزم نہیں، کیونکہ یہاں دو چیزیں ہیں:

(۱) ذوات قدیم کا تعدد (۲) صفات قدیم کا تعدد

ذوات قدیم کا تعدد محال ہے نہ کہ صفات قدیم کا تعدد اور صفات کو زائد علی الذات لینے میں ذوات قدیم کا تعدد لازم نہیں آتا جو کہ محال ہے بلکہ صفات قدیمہ کا تعدد لازم آتا ہے اور یہ جائز ہے۔

متکلمین کی طرف سے فلاسفہ اور معتزلہ پر چند اعتراضات

اعتراض یہ ہے کہ فلاسفہ کی رائے سے بہت سارے محالات لازم آئیں گے، مثلاً صفات عین ذات باری تعالیٰ ہوں گی تو ذات باری تعالیٰ بھی ہر صفت کی عین ہو گی مثلاً علم عین ذات باری تعالیٰ ہے اور ذات باری تعالیٰ عین حیات ہے لہٰذا علم عین حیات ہے۔ اسی طرح علم عین ذات باری تعالیٰ ہے اور ذات باری تعالیٰ قادر ہے لہٰذا علم قادر ہو گا۔ اسی طرح ذات باری تعالیٰ عین علم ہے اور علم غیر قائم بالذات ہے لہٰذا ذات باری تعالیٰ بھی غیر قائم بالذات ہو گی۔ لہٰذا صفات کو عین ماننے سے یہ تمام نقصانات لازم آئیں گے تو صفات کا عین ذات ہونا محال ہے۔

(اشرف الفوائد شرح شرح العقائد، ص ۲۴۸، ۲۵۰)

اسماء الٰہیہ کی حیثیت

اسماء الٰہی (یعنی اللہ تعالیٰ کے ناموں) میں سے صرف لفظ اللہ ذات نام ہے بقیہ تمام نام صفتوں کی وجہ سے ہیں اور یہ صفاتی نام بھی توفیقی ہیں یعنی حضور اکرم ﷺ سے سنے جانے اور بتائے جانے پر موقوف ہیں عربی میں انہی ناموں سے اللہ تعالیٰ کو پکارنا جائز ہے کہ جو شریعت نے بتا دیئے ہیں اپنی طرف سے کسی عربی لفظ سے اللہ کو پکارنا جائز نہیں چاہیئے خواہ اس عربی لفظ کا معنیٰ کتنا ہی عمدہ و اعلیٰ کیوں نہ ہو مثلاً طبیب عاقل وغیرہ۔

لیکن عربی کے علاوہ ہر زبان میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کے ساتھ جن ناموں سے بھی پکارا جائے وہ جائز ہے ان کو رد نہ کیا جائے ہو سکتا ہے کہ بے تعظیمی ہو جائے۔

اور حدیث میں جن ننانوے ناموں کے یاد کرنے اور محفوظ کرنے پر جنت ملنے کا وعدہ ہے وہ ننانوے اصلیں اور بنیادیں ہیں بقیہ تمام صفاتی نام انہی کی جزئیات ہیں جن کی مجموعی تعداد جو انسانی علم میں آسکی ہے، اس میں کئی اقوال ملتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ پانچ ہزار کا قول ملتا ہے۔

(عقائد اهل السنة والجماعة، مفتی زین العابدین، ص ۷۳)

معنی اور مفہوم کے اعتبار سے صفات کی اقسام

پھر معنی اور مفہوم کے اعتبار سے صفات کی دو قسمیں ہیں: (۱) محکمات (۲) مشابہات

(۱) صفات محکمات:

صفات محکمات وہ ہیں کہ جن کا معنی ظاہر اور واضح ہے اور سمجھ میں آنے والا ہے ان کو واضحات بھی کہتے ہیں، مثلاً سمع، بصر، علم قدرت اور ارادہ وغیرہ۔

حکم:

ان کا حکم یہ ہے کہ ان کے ظاہر پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے اور اس کی تاویل نہ کی جائے گی۔

(۲) صفات متشابهات:

وہ صفات ہیں کہ جن کے معنی غیر واضح اور مبہم ہیں سمجھ کی وہاں تک رسائی نہیں یہ اللہ تعالیٰ کی وہ صفات ہیں جو قرآن و حدیث میں مذکور ہیں جیسے: وجہ (چہرہ)، ید (ہاتھ)، عین (آنکھ)، ساق (پنڈلی) اور عرش پر مستوی ہونا ان صفات کو متشابهات کہتے ہیں کیونکہ اگر ان کے ظاہری معنی مراد لیں تو اللہ تعالیٰ کا عاجز اور محتاج ہونا لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے کام میں ان اعضاء کے محتاج ہیں۔ کیونکہ انسان دیکھنے کے لئے آنکھ کا، کام کے لئے ہاتھ کا، چلنے کے لئے پنڈلی کا محتاج ہے، اگر انہی چیزوں کو ان کے ظاہری معنی پر ہی مان لیں تو معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ بھی بندوں کی طرح ان اعضاء کے محتاج ہیں۔ کیونکہ انسان دیکھنے کے لئے آنکھ کا، کام کے لئے ہاتھ کا، چلنے کے لئے پنڈلی کا محتاج ہوتا ہے اگر انہی چیزوں کو ان کے ظاہری معنی پر ہی مان لیں تو معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ بھی بندوں کی طرح ان اعضاء کے محتاج ہیں جو بالکل ہی غلط ہے لہٰذا یہ صفات متشابهات میں سے ہے۔

حکم:

اہل سنت والجماعت کے ہاں صفات متشابہات کو جوں کا توں سچ تسلیم کر لیں گے اور اس کے صحیح حقیقی معانی کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دیں گے۔

فضول تاویلات سے احتراز کریں گے اور ان کو ناقص بتانے کی بجائے اپنی عقل کے ناقص ہونے کا اقرار کریں گے اور یہ ذہن میں رکھیں گے کہ جو اعضاء اللہ نے قرآن کریم میں ذکر فرمائے ہیں وہ اسی کی شان کے لائق ہیں نہ وہ اعضاء مخلوق ہیں نہ مخلوق کی طرح کے ہیں۔

(عقائد اہل السنۃ والجماعۃ، مفتی زین العابدین صاحب، ص ۷۲)

اللہ تعالیٰ کی تمام صفات قدیم ہیں

اللہ تعالیٰ کی تمام صفات قدیمی یعنی ازلی اور ہمیشہ ہمیشہ سے ہیں۔ جب مخلوق ابھی پیدا بھی نہیں کی گئی تھی اللہ تعالیٰ اس وقت بھی خالق تھے کیونکہ تخلیق کی بنیاد جو کہ امام اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک صفت قدرت ہے اور امام ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک صفت تکوین ہے ازل سے موجود ہے۔ اس وجہ سے خالق اس کی صفت قدیم ہے۔ اس کا خالق ہونا مخلوق کے پیدا ہونے پر موقوف نہیں بلکہ مخلوق کا پیدا ہونا اس کے خالق ہونے پر موقوف ہے۔ اگر اس میں پیدا کرنے کی صفت نہ ہوتی تو یہ مخلوق کیسے پیدا ہوتی۔

(اسلامی عقائد، ص ۲۱)

کرامیۃ

کرامیۃ:

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے صفات ہیں لیکن یہ صفات حادث ہیں۔

کرامیہ کی دلیل:

یہ ہے کہ صفات میں تغیر و تبدل آتا ہے مثلاً زید کی پیدائش سے پہلے اس پر علم الٰہی ایک اعتبار سے تھا پھر پیدائش کے بعد دوسرے اعتبار سے پھر مرنے کے بعد تیسرے اعتبار سے اس کے ساتھ علم الٰہی متعلق ہوگیا تو یہاں پر علم کے بارے میں تغیر و تبدل آیا ہے اور جس چیز میں تغیر آتی ہے وہ حادث ہے لہٰذا صفات باری تعالیٰ بھی حادث ہیں۔

جواب:

اور ہم کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے لئے صفات ثابت کی جائیں اور وہ صفات حادث ہوں تو نعوذ باللہ ذات باری تعالیٰ کا محل حوادث ہونا لازم آجائے گا، اور آپ جو صفات ثابت کرتے ہیں اس کے متعلقات حادث ہیں اور صفت وہی ایک ہے لہٰذا متعلقات کے حادث ہونے سے متعلقہ صفات کا حادث ہونا لازم نہیں آتا۔

صفات باری تعالیٰ کی چار قسمیں اور ان کی مثالیں

صفات باری تعالیٰ کی چار قسمیں ہیں:

(۱) صفات حقیقیہ محضہ — جس طرح حیوۃ۔

(۲) صفات حقیقیہ ذات الاضافۃ — جیسے سمع، بصر، قدرت، ارادہ، علم اور تکوین۔ ماتریدیہ کے نزدیک۔

(۳) اضافیہ محضہ — جیسے معیت، قبلیت اور بعدیت۔

(۴) صفات سلبیہ — جس طرح **لیس بعرض و الجوھر**۔

صفات حقیقیہ محضہ اور سلبیہ میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں آتا اور صفات حقیقیہ ذات الاضافۃ میں باعتبار متعلق کے فرق آتا ہے اور اضافیہ محضہ میں تغیر آتا رہتا ہے کبھی قبلیت ثابت ہو گی تو کبھی بعدیت۔

خلاصہ کلام:

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں کیونکہ یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ جب کسی شئ کی کوئی صفت ہو گی تو وہ اس کے علاوہ کسی اور کے ساتھ قائم نہیں ہو سکتی۔

معلوم ہوا کہ صفات باری تعالیٰ لازمی اور قطعی طور پر باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں جبکہ معتزلہ کہتے ہیں کہ صفت تو ہے مگر اس صفت کا قیام ذات باری تعالیٰ کے ساتھ نہیں بلکہ غیر کے ساتھ ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہیں مگر یہ صفت کلام باری تعالیٰ کی جگہ غیر کے ساتھ قائم ہے گو کہ لوح محفوظ یا جبرئیل علیہ السلام ہے یا حضرت محمد ﷺ ہے۔

سوال:

یہ ہے کہ معتزلہ تو صفات باری تعالیٰ کو عین ذات مانتے ہیں علیحدہ نہیں مانتے ہیں مگر آپ کی بات سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ معتزلہ کے نزدیک ذات اور صفات غیر ہیں اور یہ صفت ذات کے علاوہ کسی غیر کے ساتھ قائم ہے ؟۔

جواب:

یہ ہے کہ ان کا مقصد صفت کلام کے اللہ تعالیٰ کی صفت ہونے کا انکار کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیئے یہ صفت ثابت نہیں بلکہ وہ موجد کلام ہے جو کسی غیر کے اندر موجود کر کے اس کے ساتھ قائم کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے صفت کلام ثابت نہیں کیونکہ وہ اس کو حادث مانتے ہیں اور وہ کلام کی تقسیم لفظی اور نفسی کی طرف نہیں کرتے بلکہ صرف لفظی مانتے ہیں اور وہ حادث ہے البتہ ہمارے نزدیک کلام لفظی حادث اور نفسی قدیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ متکلم بمعنی موجد کلام لینے سے ہمارا جواب یہ ہے کہ مشتق کا اطلاق مأخذ اشتقاق کے موصوف پر ہو گا نہ کہ اس کے موجد پر۔ مثلاً: اسود کا اطلاق مأخذ اشتقاق یعنی سواد کے ساتھ موصوف چیز پر ہو گا نہ کہ اس چیز کے ایجاد کرنے والے پر۔

(اشرف الفوائد شرح شرح العقائد، ص ۲۴۵، ۲۵۳)

اللہ تعالیٰ کی صفات نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات بلکہ لازم ذات ہیں

اس بات پر تمام اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ واجب تعالیٰ کے لئے ایسی صفات ثابت ہیں جو واجب الوجود کے مفہوم سے زائد ہیں عین ذات واجب نہیں ہیں اس کے بر خلاف معتزلہ صفات کی نفی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ صفات عین واجب ہیں اور صفات کے عین واجب ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جن افعال کے لئے صفات ثابت کی جاتی ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات کافی ہے اس کی ذات سے زائد کوئی چیز اس کے لئے ثابت نہیں ہے۔

صفات کی نفی پر معتزلہ کی دلیل:

صفات کی نفی پر معتزلہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اگر باری تعالیٰ کے لئے ایسی صفات ہوں جو اس کی ذات کا عین نہ ہوں بلکہ اس کی ذات سے زائد چیز ہوں تو وہ اس کا غیر ہوں گی، اب وہ حادث تو ہو نہیں سکتیں، ورنہ ان کے موصوف یعنی واجب تعالیٰ کا حادث ہونالازم آجائے گا۔ لامحالہ وہ قدیم ہوں گی لہٰذا غیر اللہ کا قدیم ہونالازم آجائے گا۔

نیز یہ صفات بہت سی ہیں تو تعدد قدماء بھی لازم آجائے گا نیز قدیم اور واجب مترادف ہیں تو تعدد واجب لذاتہ بھی لازم آئے گا۔ اور غیر اللہ کا قدیم ہونا اور تعدد قدماء و تعدد وجباء یہ سب توحید کے منافی ہیں۔

پھر یہ کہ قائلین بالصفات میں بعض سات صفات بعض آٹھ اور بعض اس سے زائد مانتے ہیں، حالانکہ نصاریٰ صرف تین قدماء یعنی اب، ابن اور روح القدس کے قائل ہونے سے کافر قرار دیئے گئے تو پھر ساتھ یا آٹھ یا اس سے زائد قدماء ثابت کرنے والوں کے کفر کا کیا ٹھکانا ہو گا۔

جواب (صفات کی نفی پر معتزلہ کے دلائل کا جواب)

صفات باری تعالیٰ "لا ھو و لا غیرہ" ہیں یعنی صفات باری تعالیٰ نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات بلکہ لازم ذات ہیں۔ یہاں صفت عینیت اور غیریت کی نفی ہے کیونکہ جب صفات باری تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کا غیر نہیں ہیں تو ان کے قدیم ہونے سے غیر اللہ کا قدیم ہونالازم نہیں آئے گا۔

نیز تعدد اور تکثر اشیاء متعددہ اور متکثرہ کے درمیان تغائر بمعنی ایک کا دوسرے سے انفکاک اور انتقال ممکن ہونے پر موقوف ہے اور جب صفات باری تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کا اسی طرح آپس میں بھی ایک دوسرے کا غیر بایں معنی نہیں ہیں کہ ایک کا دوسرے سے انفکاک اور انتقال ہو سکے تو تعدد اور تکثر متحقق نہیں ہو گا لہٰذا ان کے قدیم ہونے سے تعدد قدماء یا تکثر قدماء لازم نہیں آئے گا۔

حاصل یہ کہ مطلق تعدد قدماء محال نہیں ہے بلکہ قدماء متغائرہ کا تعدد محال ہے اور ہم جن صفات کو قدیم کہتے ہیں وہ متغائر نہیں ہیں نہ ذات واجب کا غیر ہیں اور نہ آپس میں ایک دوسرے کا غیر ہیں۔

"لا ھم" میں معتزلہ اور فلاسفہ کی تردید ہے اور "لا غیرہ" میں کرامیہ کی تردید ہے۔ فریق اول عینیت اور فریق ثانی غیریت کا قائل ہے اور ہم دونوں کا انکار کرتے ہیں۔

سوال:

یہ ہے کہ نصاریٰ جن تین قدماء کے قائل ہیں انہیں باہم متغایر نہیں کہتے ہیں، اس کے باوجود وہ کافر قرار دیئے گئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً تعدد قدماء توحید کے منافی ہے خواہ ان میں باہم تغائر ہو یا نہ ہو لہٰذا تمہارا یہ کہنا کہ مطلق تعدد قدماء محال نہیں بلکہ قدماء متغائرہ کا تعدد محال ہے یہ درست نہیں۔

جواب:

جواب کا حاصل یہ کہ نصاریٰ جن تین قدماء کے قائل ہیں ان کے درمیان تغایر کی اگرچہ انہوں نے صراحت نہیں کی ہے مگر ایسی بات کہی ہے جس سے ان تینوں قدماء کے درمیان متغائرات لازم آتی ہیں، اور وہ بات یہ ہے کہ انہوں نے تین اقانیم ثابت کئے

ایک وجود جس کو لفظ "اب" سے تعبیر کرتے ہیں دوسرے علم جس کو لفظ "ابن" سے تعبیر کرتے ہیں اور تیسرے حیات جس کو "روح القدس" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اقنوم علم اللہ تعالی کی ذات سے عیسیٰ علیہ السلام کے بدن کی طرف منتقل ہو گیا اس طرح انہوں نے انفکاک اور انتقال کو جائز قرار دیا اور انفکاک اور انتقال جس کا نام غیریت اور تغائر ہے ذوات میں ہوتا ہے لہٰذا یہ اقانیم ثلاثہ متغائر ذوات ہوئے تو جواب کہ خلاصہ یہ نکلا کہ تکثر قدماء کے قول کا الزام عائد ہو گا کیونکہ وہ جن تین قدماء کے قائل ہیں ان میں انفکاک اور انتقال جائز قرار دیتے ہیں اور اشاعرہ چونکہ صفات کو ذات واجب کا اسی طرح ایک صفت کو دوسرے کا غیر نہیں مانتے یعنی صفات کا ذات واجب سے اسی طرح ایک صفت کا دوسری صفت سے انفکاک اور انتقال جائز نہیں قرار دیتے لہٰذا صفات کو قدیم کہنے سے ان پر تعدد قدماء کے قول کا الزام عائد نہیں ہو گا۔

اقنوم اقانیم کی جمع ہے یہ سیریانی زبان کا کلمہ ہے بعض علماء کے نزدیک اس کے معنی صفت کے اور بعض کے نزدیک بمعنی اصل ہے۔

صفات کی نفی پر معتزلہ کے استدلال کا مذکورہ جواب "ولا غیرہ" کو محمول کیا تھا تعدد اور تکثر کے تغائر بمعنی امکان انفکاک پر مبنی تھا کہ صفات قدیمہ ذات واجب کا اسی طرح باہم ایک دوسرے کا غیر نہیں کہ ان کا دوسرے سے انفکاک ممکن ہو لہٰذا تعدد اور تکثر متحقق نہیں ہو گا اور صفات کے قدیم ہونے سے تعدد قدماء لازم نہیں آئے گا۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ فریق مخالف کو تعدد اور تکثر کے تغائر بمعنی امکان انفکاک پر موقوف ہونے کا انکار کرنے کی گنجائش ہے کیونکہ مراتب اعداد میں سے بعض دوسرے بعض کے لئے جزہیں، اور جزء کل کے درمیان مغائرت نہیں ہے مثلاً: آٹھ اور دس کہ ان میں سے اول ثانی کے لئے جزء اور ثانی اول کے لئے کل ہے مگر ان دونوں میں مغائرت بمعنی انفکاک نہیں ہے کیونکہ آٹھ کا جو کہ جزء ہے اپنے کل یعنی دس سے انفکاک ممکن نہیں ہے ورنہ دس نہیں رہے گا بلکہ دو ہی رہ جائے گا اس کے باوجود آٹھ اور دس دونوں متعدد اور متکثر ہے تو معلوم ہوا کہ تعدد اور تکثر بمعنی امکان انفکاک پر موقوف نہیں ہے۔

جو لوگ عدد کم منفصل قرار دیتے ہیں وہ واحد کو عدد ہی نہیں مانتے کیونکہ کم وہ عرض ہے جو بالذات قابل تقسیم ہو یعنی جس کے لئے اجزاء ہوں اور واحد بسیط ہے اس کے لئے اجزاء نہیں جن کی طرف اس کی تقسیم ہو سکے لہٰذا وہ عدد بھی نہیں ہو گا، مگر جو لوگ عدد کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ جو شمار کیا جائے ان کے نزدیک واحد بھی عدد ہے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کلام اسی مذہب پر مبنی ہے۔

اور اہل سنت میں سے بعض صفات حقیقیہ کی تعداد سات بتاتے ہیں یا آٹھ قرار دیتے ہیں اور بعض اس سے بھی زائد مانتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ صفات کے متعدد اور کثیر ہونے میں اہل سنت والجماعت کے درمیان کوئی نزاع نہیں ہے خواہ ان میں تغائر مانا جائے یا نہ لہٰذا صفات کو قدیم ماننے سے تعدد قدماء بہر حال لازم آئے گا۔

فالاولی فی الجواب:

جب اہل سنت والجماعت کا صفات کے متعدد اور کثیر ہونے میں کوئی نزاع نہیں تو پھر معتزلہ کے استدلال کا وہ جواب نہ دیا جائے جو تعدد صفات کے انکار پر مبنی ہے بلکہ صفات قدیمہ کا تعدد اور تکثر تسلیم کیا جائے اور کہا جائے کہ صفات کو قدیم ماننے سے ایک

ذات مع اس کی صفات کا تعدد لازم آتا ہے اور یہ محال نہیں ہے بلکہ محال تو ذوات قدیمہ کا تعدد ہے جو ہم پر لازم نہیں آرہا ہے کیونکہ ہم صفات کو معتزلہ کی طرح عین ذات نہیں کہتے کہ صفات قدیمہ کے متعدد اور کثیر ہونے سے ذوات قدیمہ کا تعدد اور تکثر لازم آئے "وھی لا ھو" سے عینیت کی نفی کر کے اسی جواب کی طرف اشارہ ہے۔

معتزلہ نے اپنے استدلال میں کہا تھا کہ صفات کو قدیم ماننے کی صورت میں تعدد قدماء لازم آئے گا اور قدیم اور واجب کے درمیان ترادف کے قول کی بنیاد پر صفات واجب لذاتہ بھی ہوں گی تو تعدد واجب لذاتہ بھی لازم آئے گا جو توحید کے منافی ہے۔

بعض لوگوں نے معتزلہ کے اس استدلال کا جواب صفات کا واجب لذاتہ ہونا تسلیم کر کے دیا ہے کہ صفات واجبہ کا تعدد محال نہیں، بلکہ ذوات واجبہ کا تعدد محال ہے۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ توحید کے دلائل ذات اور صفات کی تفریق کے بغیر مطلقاً واجب الوجود کی وحدانیت پر دلالت کر رہے ہیں اس لئے صفات کو واجب الوجود لذاتہ کہنے کی جرأت نہیں کرنی چاہیئے اور یہ کہنا چاہیئے کہ صفات واجب بمعنی ثابت ہیں اس ذات کے لئے جو عین صفات ہے اور نہ غیر صفات ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے اور جن لوگوں نے صفات کو واجب الوجود لذاتہ کہا ان کی بھی یہی مراد ہے یعنی واجب بمعنی ثابت ہے اور لذاتہ کا مطلب لذات اللہ تعالیٰ ہے۔

رہی یہ بات کہ صفات نفس الامر کے اعتبار سے کیا ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ممکن ہیں باوجود یہ کہ قدیم ہیں کیونکہ وہ باری تعالیٰ کی قدیم ذات کے ساتھ قائم ہیں اور جب ممکن کسی قدیم ذات کے ساتھ قائم ہو تو اس کے قدیم ہونے میں کوئی استحالہ نہیں اس تقریر کی رو سے مشہور کلیہ "کل ممکن حادث" میں ممکن سے وہ ممکن مراد ہوگا جو قدیم ذات کے ساتھ قائم نہ ہو۔

جب صفات قدیم ہونے کے باوجود ممکن ہیں تو ہر قدیم الٰہ نہیں ہو سکتا کہ متعدد صفات قدیمہ کے وجود سے متعدد الٰہ کا وجود لازم آئے کیونکہ الٰہ کا واجب الوجود ہونا ضروری ہے۔

احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ کہا جائے کہ باری تعالیٰ اپنی صفات کے ساتھ قدیم ہیں یہ نہ کہا جائے کہ اس کی صفات قدیم ہیں تاکہ عامۃ الناس جو ہر قدیم الٰہ سمجھتے ہیں ان کو یہ وہم نہ ہو کہ ان صفات میں سے ہر صفت قائم بالذات اور صفات الوہیت کے ساتھ متصف ہے۔

عینیت اور غیریت دونوں کی نفی ارتفاع نقیضین اور اجتماع نقیضین کو مستلزم ہے؟

سوال:

یہ اعتراض "لا ھو و لا غیرہ" قول پر ہے اور اعتراض کی بنیاد عینیت اور غیریت کے درمیان تناقض ہونے اور دونوں کے درمیان واسطہ نہ ہونے پر ہے۔

حاصل اعتراض یہ ہے کہ عینیت اور غیریت ایک دوسرے کی تنقیص ہیں کیونکہ دونوں چیزوں کے مفہوم کا ایک ہونا عینیت ہے اور دونوں کے مفہوم کا ایک نہ ہونا غیریت ہے ان دونوں کے درمیان کوئی واسطہ نہیں لہٰذا عینیت اور غیریت نقیضین ہوئے سو اس قول "لا ھو و لا غیرہ" ظاہر سے عینیت اور غیریت دونوں کی نفی ہوتی ہے یہ ارتفاع نقیضین ہے اور چونکہ نقیضین میں سے ایک کی نفی

دوسرے کے ثبوت کو مستلزم ہوتی ہے اس بناء پر جب کہا کہ صفات عین ذات نہیں اس سے معلوم ہوا کہ غیر ذات ہے پھر جب کہا کہ غیر ذات نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ عین ذات ہیں، لہٰذا عینیت اور غیریت دونوں کا ثبوت ہوا یہ اجتماع نقیضین ہے۔

مشائخ اشاعرہ کے نزدیک غیریت کا معنی اور عینیت اور غیریت کے درمیان تناقض نہیں

جواب:

یہ ہے کہ عینیت اور غیریت ایک دوسرے کی نقیض نہیں ہیں، لہٰذا دونوں کی نفی ارتفاع نقیضین نہیں کہلائے گی اور نہ ہر ایک کی نفی دوسرے کے ثبوت کو مستلزم ہو گی کہ اجتماع نقیضین لازم آئے اور دونوں کے درمیان تناقض نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ نقیضین کے درمیان واسطہ نہیں ہوتا اور عینیت اور غیریت کے درمیان واسطہ ہے کیونکہ مشائخ اشاعرہ نے عینیت کا تو وہی معنی ذکر کیا ہے جو معترض نے بیان کیا ہے یعنی دو چیزوں کے مفہوم کا ایک ہونا۔ مگر غیریت کا دوسرا معنی ذکر کیا ہے، وہ یہ کہ دو چیزوں کے درمیان غیریت کا مطلب یہ ہے کہ ایک کے وجود کا دوسرے کے عدم کے ساتھ تصور ممکن ہو یعنی دونوں میں سے ایک کا دوسرے سے انفکاک اور زوال ممکن ہو سکتا ہے۔ مثلاً: دو چیزیں اس طرح کی ہوں کہ ان کا مفہوم ایک نہ ہو اور ان دونوں میں سے ایک کا دوسرے کے بغیر وجود نہ ہو۔ تو اتحاد فی المفہوم نہ ہونے کے سبب ان دونوں کے درمیان عینیت نہ ہو گی، اور ایک دوسرے سے زوال و انفکاک نہ ہونے کے سبب غیریت بھی نہ ہو گی۔ مثلاً: باری تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات ہیں کہ دونوں کا مفہوم ایک نہ ہونے کی وجہ سے عینیت نہیں اور چونکہ دونوں ازلی ہیں عدم اور زوال دونوں کا محال ہے۔ لہٰذا ایک کا دوسرے سے زوال ممکن نہ ہونے کے سبب غیریت بھی نہیں لہٰذا صفات نہ عین ذات ہے نہ غیر ذات ہیں۔

اسی طرح صفات باری تعالیٰ میں سے ایک صفت کا دوسری صفت کے ساتھ معاملہ ہے کہ دونوں کا مفہوم ایک نہیں اور ازلی ہونے کے سبب ایک کا دوسرے سے زوال ممکن نہیں، لہٰذا کوئی صفت دوسری صفت کی عین ہو گی نہ غیر ہو گی۔

اسی طرح جزء اور کل کا معاملہ ہے کہ دونوں کا مفہوم ایک نہیں لہٰذا دونوں کے درمیان عینیت نہ ہو گی اور ایک دوسرے کے بغیر موجود نہیں ہو سکتا لہٰذا غیریت بھی نہیں ہو گی اور دونوں کا مفہوم ایک نہ ہونا تو ظاہر ہے کہ کیونکہ جزء کا مفہوم یہ ہے کہ جس سے کوئی چیز مرکب ہو اور کل کا مفہوم یہ ہے کہ جو دوسری چیزوں سے مرکب ہو، اور ایک کا دوسرے سے زوال و انفکاک ممکن نہ ہونے کی مثال واحد کا جو عشرہ کا جزء ہے کہ واحد جزء ہے عشرہ کا اور عشرہ اس کے لئے کل ہے اور واحد من العشرۃ یعنی واحد کا جو عشرہ کا جزء ہے عشرہ کے بغیر وجود محال ہے کیونکہ اگر عشرہ نہ رہے بلکہ اس میں سے مثلاً تین کم ہو جانے کی وجہ سے سبعہ رہ جائے، اگرچہ اس میں بھی واحد موجود ہے مگر یہ "واحد من العشرۃ" یعنی وہ واحد نہیں ہے جو عشرہ کا جزء تھا بلکہ یہ "واحد من السبعۃ" کہلائے گا اسی طرح عشرہ جو کل ہے اس کا وجود "واحد من العشرۃ" کے بغیر نہیں ہو سکتا کیونکہ واحد کے زوال و انفکاک سے عشرہ نہیں رہے گا بلکہ تسعہ رہ جائے گا۔ اسی طرح ہر جزء اور کل کا یہی حال ہے کہ ایک دوسرے سے زوال و انفکاک ممکن نہ ہونے کی وجہ سے ان کے درمیان غیریت نہیں۔ جس طرح دونوں کا مفہوم ایک نہ ہونے کی وجہ سے عینیت نہیں ہے۔

اوپر جس ذات اور اس کی صفات کے درمیان غیریت بمعنی امکان انفکاک کی نفی کی گئی تھی اس ذات سے ذات واجب اور ان کی صفات سے صفات واجب مراد تھیں، برخلاف ہماری ذات اور ہماری صفات کے کہ یہ چونکہ حادث ہیں ان پر زوال اور عدم طاری ہوتا

ہے۔ مثلاً آج ہم صحت کے ساتھ متصف ہیں کل کو یہ صفت باقی نہیں رہتی ہم سے اس کا زوال اور انفکاک ہو جاتا ہے ہم بیمار ہو جاتے ہیں اس کے باوجود ہماری ذات موجود رہتی ہے، جب صفات مبینہ حادثہ کا اپنے موصوف ذات سے زوال اور انفکاک ممکن ہے تو پھر صفات حادثہ اپنے موصوف کا غیر ہوں گی۔

مشائخ اشاعرہ کی ذکر کردہ غیریت کی تفسیر پر اعتراض

سوال:

اشاعرہ نے غیریت کی جو تفسیر کی ہے وہ معتزلہ کے نزدیک محل نظر ہے۔ معتزلہ کی طرف سے اس پر اعتراض وارد ہے کہ آپ نے غیریت کی تفسیر جو انفکاک سے کی ہے تو آپ کی مراد:

(۱) انفکاک من الجانبین ہے۔

(۲) یا جانب واحد سے انفکاک کافی ہے؟

اگر آپ کہیں کہ ہماری مراد انفکاک سے انفکاک من الجانبین ہے تو پھر جہاں جانبین سے انفکاک نہ ہو وہاں غیریت نہیں ہونی چاہیئے جیسے عالم اور صانع علم کہ صانع کا عالم سے انفکاک درست ہے اور عالم کا صانع علم سے انفکاک محال ہے۔ اسی طرح محل کا عرض سے انفکاک درست ہے مگر عرض کا محل سے انفکاک درست نہیں جب آپ جانبین مراد لیتے ہو تو پھر مذکورہ دونوں مثالوں میں غیریت نہیں ہونی چاہیئے۔

اور اگر مراد غیریت سے یہ ہے کہ انفکاک من جانب واحد ہو تو پھر آپ کو کل اور جز اور اسی طرح ذات اور صفات کے درمیان مغایرت ثابت کرنا پڑے گی حالانکہ آپ یہاں مغایرت ثابت نہیں کرتے کیونکہ کل بغیر جز کے نہیں پایا جاتا مگر جز تو بغیر کل کے پایا جاتا ہے تو انفکاک من جانب واحد آیا اور اس کو آپ مغایرت کے لئے کافی سمجھتے ہیں لہٰذا ان کے درمیان مغایرت ثابت کرلو۔ ایسے ہی ذات اور صفات کے درمیان کہ ذات بغیر صفات کے پائی جا سکتی ہے مگر صفات بغیر ذات کے نہیں پائی جا سکتی تو انفکاک من جانب واحد آیا لہٰذا ان دونوں کے درمیان مغایرت کو ثابت کرلو۔

(اور ماسبق میں جزء اور کل کے درمیان غیریت بمعنی امکان انفکاک نہ ہونے کی مثال میں کہا تھا کہ جس طرح عشرہ کا بقاء بغیر واحد کے محال ہے اسی طرح **واحد من العشرہ** کا بقاء بغیر عشرہ کے محال ہے)۔

اور معتزلہ اس کو دفع کررہے ہیں کہ **واحد من العشرۃ** کا بقاء بغیر عشرہ کے محال ہونا فاسد ہے کیونکہ اگر عشرہ نہ رہے مثلاً تسعہ ہی رہ جائے تو تسعہ میں بھی واحد موجود ہے۔

اشاعرہ کی طرف سے معتزلہ کا جواب

جواب:

یہ ہے کہ ہمارا مقصد ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں بلکہ ہم تو یوں کہتے ہیں کہ غیریت کا مفہوم یہ ہے کہ دو چیزیں ایسی ہوں کہ ان میں سے ایک کا تصور دوسرے کے بغیر ممکن ہو خواہ نفس الامر میں ان کا انفکاک نہ ہو لیکن تصور ایک کا دوسرے کے بغیر ہو جائے تو پھر اعتراض وارد نہ ہوگا۔ کیونکہ عالم اگرچہ نفس الامر میں صانع عالم سے منفک نہیں ہے لیکن بغیر صانع کے عالم کا تصور ہو سکتا ہے اور بارہا ایسا ہوتا ہے کہ عالم کا تصور ہمارے ذہن میں ہوتا ہے اور صانع کا نہیں ہوتا اور اگر عالم کے تصور سے صانع کا تصور بھی لازم آتا ہو تو پھر صانع عالم کے وجود پر دلائل پیش کرنا لغو فعل ہوتا حالانکہ اس کے اثبات پر دلائل پیش کئے جاتے ہیں لہٰذا عالم اور صانع کے درمیان ثابت ہو گئی۔

سوال:

اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر یہی بات ہے تو دس میں سے ایک کا تصور بھی بغیر دس کے ہو سکتا ہے اور واحد کے تصور کے بعد دس کو دلیل سے ثابت کیا جا سکتا ہے تو پھر واحد اور دس کو بھی غیر کہو حالانکہ آپ ان میں مغایرت کے قائل نہیں؟

جواب:

یہ ہے کہ دس میں ایک کا تصور بھی بغیر دس کے نہیں ہو سکتا اور دس کا تصور بھی ایک کے بغیر نہیں ہو سکتا کیونکہ یہاں پر وصف اضافت معتبر ہے یعنی وہ ایک جو دس میں ہے اور وہ دس جو کہ ایک بھی اس کا جز ہے لہٰذا اس تقریر سے معلوم ہوا کہ جز اور کل کے درمیان اور عالم اور صانع کے درمیان مغایرت ہے۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف سے اس جواب پر تین اعتراضات

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جواب غلط ہے اس پر تین اعتراضات وارد ہیں:

(۱) اس جواب کی صورت میں مشائخ کے قول کی غلط ترجمانی ہوگی کیونکہ مشائخ اشاعرہ اس بات پر متفق ہیں کہ صفات باری تعالیٰ آپس میں مغایر نہیں اس لئے کہ سب ازلی ہیں اور غیریت کی اس تفسیر سے مغایرت لازم آتی ہے۔

(۲) اور اگر غیریت کی یہی تفسیر لی جائے تو عرض جزئی اور محل جزئی میں مغایرت نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ کسی عرض جزئی کا تصور بغیر محل جزئی کے نہیں ہو سکتا تو غیریت نہ ہوئی حالانکہ عرض اور محل بالاتفاق مغایر ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ تفسیر غلط ہے۔

(۳) اگر اضافت کا اعتبار کیا جائے جیسے واحد من العشرۃ تو اس میں دو خرابیاں لازم آتی ہیں پہلی خرابی یہ ہے کہ ہر دو متضائفین کے درمیان مغایرت نہ ہو کیونکہ ایک کا تصور دوسرے کے بغیر ممکن نہیں جیسے اب اور ابن یا جیسے علت اور معلول کہ ان سب کے درمیان علاقہ تضائف ہے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں بہر حال اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ان سب کے درمیان علاقہ تضائف ہے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں بہر حال اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اگر غیریت کی مذکورہ تعریف کی جائے تو اس سے یہ تمام خرابیاں لازم آتی ہیں لہٰذا یہ باطل ہے۔

صاحب مواقف کی طرف سے اشاعرہ کے قول ”لاھو و لاغیرہ“ کی ایک عمدہ توجیہہ

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اشاعرہ کی طرف سے غیریت کی ایک عمدہ توجیہ پیش کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ اجزاء محمولہ اور غیر محمولہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

صاحب مواقف نے اشاعرہ کے قول "لاھو ولا غیرہ" کی ایک ایسی توجیہ ذکر کی ہے جس سے ارتفاع نقیضین اور اجتماع نقیضین کے لزوم کا اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ انہوں نے مواقف میں جو کچھ کہاہے اس کا حاصل یہ ہے کہ صفات ذات پر محمول ہوتی ہیں اور ذات ان کے لئے موضوع ہوتی ہے اور موضوع اور محمول کے درمیان وجود خارجی کے اعتبار سے اتحاد یعنی خارج میں دونوں کا ایک ہی مصداق ہونا ضروری ہے تاکہ حمل درست ہو اور مفہوم کے اعتبار سے دونوں کا متغایر ہونا ضروری ہے تاکہ حمل مفید ہو۔ جیسے "الانسان کاتب" کہ موضوع اور محمول وجود خارجی میں متحد ہیں خارج میں جو ذات انسان کا مصداق ہے وہی کاتب کا مصداق ہے مگر مفہوم لغوی کے اعتبار سے اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے یہ حمل درست ہے اور برخلاف "الانسان انسان" کے کہ موضوع اور محمول کے درمیان مفہوم کے اعتبار سے مغایرت نہ ہونے کی وجہ سے یہ حمل مفید نہیں کیونکہ حمل کے مفید ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لفظ موضوع سے جو معنی سمجھ میں آتا ہے لفظ محمول سے اس سے زائد کوئی بات معلوم ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے تو صاحب مواقف کا یہ کہنا ہے کہ جب صفات اپنے موصوف ذات پر محمول ہوتی ہیں اور محمول اپنے موضوع کا وجود خارجی میں عین اور مفہوم میں اس کا غیر ہوتا ہے تو ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کہ اشاعرہ کی مراد "لاھو ولا غیرہ" سے یہ ہو کہ صفات مفہوم کے اعتبار سے عین ذات نہیں بلکہ غیر ہیں اور وجود خارجی کے اعتبار سے غیر ذات نہیں بلکہ عین ہیں جس طرح ہر محمول اپنے موضوع کے مقابلہ میں اسی طرح ہوتا ہے۔ اس صورت میں عینیت اور غیریت کی جہتیں بدل جانے کی وجہ سے نہ ارتفاع نقیضین لازم آئے گا اور نہ اجتماع نقیضین۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توجیہ مذکورہ کی تردید

تردید کا حاصل یہ ہے کہ علم، قدرت، سمع، بصر وغیرہ صفات ہیں جو ذات پر محمول نہیں ہوتیں، چنانچہ "اللہ علم" یا "اللہ قدرت" نہیں کہا جاتا بلکہ ذات واجب پر محمول اسماء صفات عالم، قادر، سمیع و بصیر وغیرہ ہوتے ہیں، جو صفات سے مشتق ہیں، لہٰذا مذکورہ توجیہ اسماء صفات عالم، قادر وغیرہ کے بارے میں تو درست ہوگی صفات مثلاً علم، قدرت وغیرہ کے بارے میں یہ توجیہ درست نہیں ہوگی حالانکہ اشاعرہ کا قول "ھی لاھو ولا غیرہ" صفات کے بارے میں ہے نہ کہ اسماء صفات کے بارے میں۔

اور نہ اجزاء غیر محمولہ مثلاً واحد من العشرہ اپنے کل یعنی عشرہ پر اور یدزید اپنے کل یعنی زید پر محمول نہیں ہوتا، پس واحد من العشرہ اور اس کے کل عشرہ کے درمیان اسی طرح یدزید اور اس کے کل زید کے درمیان نہ عینیت ہے اور نہ غیریت ہے اس کے باوجود ان دونوں پر "لاھو بحسب المفھوم ولا غیرہ بحسب الوجود" صادق نہیں ہے۔

واضح رہے کہ مرکبات کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ذہنیہ (۲) خارجیہ

مرکبات ذہنیہ کے اجزاء کا کل پر بھی حمل جائز ہے اور آپس میں اجزاء کے اندر بھی حمل جائز ہے جیسے "الانسان ناطق یا الانسان حیوان" ان کو اجزاء محمولہ کہتے ہیں مرکبات خارجیہ میں نہ تو کل کا جز پر حمل جائز ہے اور نہ اجزاء میں سے بعض کا بعض پر حمل جائز ہے لہٰذا نہیں کہہ سکتے کہ سیمنٹ مکان ہے یا لوہا کمرہ ہے۔ان کو اجزاء غیر محلولہ کہتے ہیں۔

اب سمجھیئے کہ ایک کا دس پر اور دس کا ایک پر حمل درست نہیں لہٰذا نہیں کہہ سکتے کہ ایک دس ہے یا دس ایک ہے کیونکہ یہ موجودات ذہنیہ میں سے نہیں ہے۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اپنے قول پر سند پیش کرنا:

یہاں علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مقصود اپنی بات پر شیخ ابو المعین کے قول سے سند پیش کرنا ہے۔

ابھی ماسبق میں کہا تھا کہ اجزاء غیر محلولہ نہ اپنے کل کا عین ہیں اور نہ ان کا غیر ہیں اس کے باوجود صاحب مواقف کی توجیہ "لا هو بحسب المفهوم ولا غيره بحسب الوجود" صادق نہیں ہے اور اب اجزاء غیر محلولہ کا اپنے کل کا غیر نہ ہونے پر شیخ ابو المعین کے قول سے سند پیش کر رہے ہیں شیخ ابو المعین نے اپنی کتاب تبصرہ میں ذکر کیا ہے کہ واحد من العشرہ کا عشرہ کے غیر ہونے کا اور ید زید کے زید کے غیر ہونے کا متکلمین میں سے کوئی بھی قائل نہیں ہے حتیٰ کہ معتزلہ بھی اس کے قائل نہیں، صرف جعفر بن حارث معتزلی اس کا قائل ہے جس پر تمام معتزلہ نے اس کی مذمت کی ہے اور اس کی اس بات کو اس کی جہالت پر محمول کیا ہے اس لئے کہ عشرہ ان تمام افراد اور کارروائیوں پر صادق آئے گا کہ وہ باقی نو اکائیوں کے ساتھ مل کر عشرہ ہے پس اگر واحد من العشرہ عشرہ کا غیر ہو گا تو چونکہ اس عشرہ میں خود بھی داخل ہے اس لئے اپنا بھی غیر ہو گا، نیز جب واحد اور عشرہ میں مغایرت ہو گی در آں حالیکہ شی اپنی مغایر کے بغیر پائی جاتی ہے تو عشرہ کا بدوں واحد کے پایا جانا لازم آئے گا۔اسی طرح اگر ید زید غیر زید ہو گا تو اپنا بھی غیر ہونا لازم آجائے گا کیونکہ زید میں وہ بھی داخل ہے اور "مغايرة الشي لنفسه" باطل ہے۔کیونکہ شی کا کسی چیز میں داخل ہونا عدم مغایرت پر دلالت نہیں کرتا نیز عشرہ تمام آحاد کے مجموعہ کا نام ہے ہر واحد کو عشرہ نہیں کہیں گے۔

(اشرف الفوائد شرح شرح العقائد، نسفی، ص ۲۵۳، ۲۹۲)

خلاصہ:

یہ ہے کہ ایک کے دوسرے کے عین ہونے کا مطلب ہے کہ دونوں مفہوموں کا مصداق ہر اعتبار سے ایک ہی ہو اور ہر ایک کے دوسرے کے غیر ہونے کا مطلب ہے ان میں سے ایک دوسرے کے بغیر موجود ہو سکتا ہے۔

اس تفسیر کے مطابق ذات حق اور صفات میں نہ عینیت ہوئی نہ غیریت ہوئی۔عینیت تو اس لئے نہ ہوئی کہ اس کے معنی ہیں دو چیزوں کا بالکل ایک ہونا اور چونکہ صفات، ذات پر زائد ہوتی ہیں تو دونوں کا مصداق تمام اعتبارات سے ایک نہ ہو لہٰذا صفات الٰہی ذات الٰہی کا عین نہ ہوئیں۔

اور غیریت اس لئے نہ ہوئی کہ یہاں ذات اور صفات دونوں میں سے ایک چیز بھی ایسی نہیں کہ دوسرے کے بغیر اس کا پایا جانا ممکن ہو۔صفات تو ذات کے بغیر اس لئے موجود نہیں ہو سکتیں کہ صفات تابع ہوتی ہیں اور ذات متبوع ہوتی ہے اور تابع کا وجود متبوع

کے بغیر محال ہے۔ اور ذات صفات کے بغیر اس لئے نہیں پائی جاسکتی کہ ذات الٰہی کا صفات کمال سے خالی ہونا لازم آتا ہے اور وہ محال ہے لہٰذا ایک دوسرے کے لئے لازم ہوا۔ اس لئے غیریت بھی نہ ہوئی۔

(اسلامی عقائد، مفتی عبد الواحد صاحب، ص ۲۲)

الصِّفَةُ لَا عَيْنُ الْمَوْصُوفِ وَلَا غَيْرُهُ. وَهَذَا لَهُ مَعْنًى صَحِيحٌ، وَهُوَ: أَنَّ الصِّفَةَ لَيْسَتْ عَيْنَ ذَاتِ الْمَوْصُوفِ الَّتِي يَفْرِضُهَا الذِّهْنُ مُجَرَّدَةً بَلْ هِيَ غَيْرُهَا، وَلَيْسَتْ غَيْرَ الْمَوْصُوفِ، بَلِ الْمَوْصُوفُ بِصِفَاتِهِ وَاحِدٌ غَيْرُ مُتَعَدِّدٍ۔

(شرح الطحاوية في العقيدة السلفية، ج ۱، ص ۴۹)

"وهي لا هو ولا غيره يعني ان صفات الله تعالىٰ ليست عين الذات ولا غير الذات فلا يلزم قدم الغير ولا تكثر القدماء تفريع على عدم المغايرة"۔

(نبراس، ص ۱۲۸)

صفات خداوندی ذات باری تعالیٰ کے ساتھ ایسی نسبت رکھتی ہیں کہ ان کو نہ عین ذات کہہ سکتے ہیں اور نہ غیر ذات جیسا کہ نور کو نہ آفتاب کا عین کہہ سکتے ہیں نہ غیر بلکہ یہ کہیں گے کہ آفتاب تو معدن نور اور منبع ضیاء کا نام ہے اور نور اس کے لئے لازم ہے جیسا کہ چار کے لئے زوجیت اور پانچ کے لئے فردیت اسی طرح صفات خداوندی ذات باری تعالیٰ کے لئے لازم ذات ہیں کہ ان صفات اور کمالات کا ذات خداوندی سے جدا ہونا ناممکن اور محال ہے۔

یہی تمام اہل سنت والجماعت، اشاعرہ اور ماتریدیہ کا مسلک ہے کہ صفات خداوندی لازم ہیں اور اسی کو امام ربانی شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مکتوبات میں اختیار فرمایا ہے اور حکماء اور صوفیہ جو عینیت کے قائل ہوئے ان کا شد و مد کے ساتھ رد کیا ہے۔

(علم الکلام، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ص ۱۷۲، ۱۷۳)

تنبیہ:

یہ بات بھی ذہن نشین ہونی چاہیئے کہ اگر صفات میں عینیت کا لفظ آجائے تو اس سے عینیت حکمی مراد ہوتا ہے اور اگر غیریت کا لفظ آجائے تو مراد غیریت منطقی ہوتا ہے۔ **فافهم**۔

(حضرت مولانا سجاد الحجابی دامت برکاتہم العالیہ)

اللہ تعالیٰ کی صفات میں ترتیب نہیں ہے

یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں ترتیب زمانی نہیں ہے (البتہ سمجھنے کے طور پر ترتیب عقلی ہو سکتی ہے) یعنی یہ کہنا درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی فلاں صفت (زمانہ کے اعتبار سے) پہلے ہے اور فلاں صفت بعد میں۔ اس کی تمام صفات ازلی اور قدیم ہیں۔ یہ کہنا درست نہیں کہ اس کا علم اس کی قدرت سے پہلے ہے اس کی قدرت اس کے علم کے بعد ہے یا اس کی حیات اس کے علم سے پہلے ہے۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ سے حی اور علیم اور قدیر ہے۔

(اسلامی عقائد، ص ۲۱)

اب تک صرف اتنی بات معلوم ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کی بہت ساری صفات ہیں اب ان کی تفصیل بیان کی جارہی ہے۔ اشاعرہ کے نزدیک باری تعالیٰ کی صفات سات ہیں:

(۱) حیات (۲) علم (۳) قدرت (۴) سمع

(۵) بصر (۶) ارادہ (۷) کلام

اور ماتریدیہ کے نزدیک صفات حقیقیہ کی تعداد آٹھ ہے، جن میں سات تو وہی مذکورہ صفات ہیں اور آٹھویں صفت (۸) ''تکوین'' ہے۔ان سات یا آٹھ کا نام صفات ذاتیہ ہے،ان کے علاوہ کو صفات افعال کہا جاتا ہے۔ اشاعرہ کہتے ہیں کہ تکوین مستقل صفت نہیں جبکہ ماتریدیہ صفت تکوین کو مستقل صفت مانتے ہیں۔

۱۔صفت حیات

پس ضروری ہے کہ باری تعالیٰ میں صفت حیات اس درجہ کامل اور اکمل ہو کہ واہمہ موت سے بھی پاک ہو اور تمام عالم کی حیات اسی کی حیات کا پرتو اور فیض ہو حیات اس کے لئے ذاتی اور اصلی اور خانہ زاد ہو اور کیوں نہ ہو اس لئے کہ ایسے بدیع عالم کا ایک میت اور جماد سے صادر ہونا عقل محال سمجھتی ہے اور باقی عالم کی حیات اسی کی بخشش اور عطا کر ثمرہ ہے۔

کما قال اللہ تعالیٰ: اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ (البقرۃ ۲۵۵)

ترجمہ: اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ آپ زندہ اور اوروں کا قائم رکھنے والا۔

وقال اللہ تعالیٰ: الَّذِي أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ (الحج ۶۶)

ترجمہ: جس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں جِلائے گا۔

(علم الکلام مولانا محمد ادریس کاندہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

وقال اللہ تعالیٰ: الم (۱) اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ (آل عمران ۲)

ترجمہ: الم اللہ ہے جس کے سوا کسی کی پوجا نہیں (ف ۲) آپ زندہ اوروں کا قائم رکھنے والا۔

وقال اللہ تعالیٰ: هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ (الغافر ۶۵)

ترجمہ: وہی زندہ ہے اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔

وقال اللہ تعالیٰ: وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ (الفرقان ۵۸)

ترجمہ: اور بھروسہ کرو اس زندہ پر جو کبھی نہ مرے گا۔

وقال اللہ تعالیٰ: وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ (طٰہ ۱۱۱)

ترجمہ: اور سب منہ جھک جائیں گے اس زندہ قائم رکھنے والے کے حضور۔

عن ابن عباس أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کان یقول: اللھم لک أسلمت و بک آمنت و علیک توکلت و إلیک أنبت و بک خاصمت أعوذ بک لا إلہ إلا أنت أن تضلني أنت الحي الذي لا یموت و الجن و الإنس یموتون۔

(صحیح ابن حبان، ج۳، ص ۱۸۰)

۲۔صفت علم

اللہ تعالیٰ علم والا ہے جس سے آسمانوں اور زمین میں کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں ہے۔

بر و علم یک ذرہ پوشیدہ نیست　　　　　کہ پیدا او پنہان بہ نزدش یکے ست

(اس سے ایک ذرہ کا علم بھی پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ کھلی اور چھپی چیزیں اس کے لئے یکساں ہیں)۔

لہٰذا جو کچھ ہو رہا ہے اور ہوا ہے اور ہو گا ان سب باتوں کو پوری تفصیلات کے ساتھ ازل ہی میں جان لیا تھا کہ فلاں وقت فلاں شخص یہ کام کرے گا اور فلاں وقت میں یہ کچھ ہو گا یہاں تک کہ اگر ساتویں آسمان پر یا تحت الثریٰ میں مچھر اپنے پر کو ہلائے یا کوئی شخص اپنے دل میں کسی طرح کا وسوسہ لائے وہ بھی اس کو معلوم ہے۔

(اسلامی عقائد، ص ۲۲)

اور وہ کیوں عالم نہ ہو جب اسی نے تمام عالم کو پیدا کیا اور وہی اس کو باقی رکھتا ہے اور وہی اس کی تربیت کرتا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ان چیزوں کا جاننے والا نہ ہو کسی شئ کو وجود دینا یا اس کو باقی رکھنا یا اس کی تربیت کرتے رہنا بغیر علم کے محال ہے۔

(علم الکلام مولانا محمد ادریس کاندہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

(۱) اللہ تعالیٰ علیم کل ہے

کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللّٰہَ لَا یَخفَی عَلَیهِ شَيءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ (آل عمران ۵)

ترجمہ: اللہ پر کچھ چھپا نہیں زمین میں نہ آسمان میں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:　　　وَهُوَ اللّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ (الانعام ۳)

ترجمہ: اور وہی اللہ ہے آسمانوں کا اور زمین کا اسے تمہارا چھپا اور ظاہر سب معلوم ہے اور تمہارے کام جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:　　　عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ (الانعام ۷۳)

ترجمہ: ہر چھپے اور ظاہر کا جاننے والا اور وہی ہے حکمت والا خبر دار۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:　　　وَرَبُّکَ یَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ (۶۹) وَهُوَ اللّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَى وَالْآخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (القصص ۷۰)

ترجمہ: اور تمہارا رب جانتا ہے جو اُن کے سینوں میں چھپا ہے اور جو ظاہر کرتے ہیں۔ اور وہی ہے اللہ کہ کوئی خدا نہیں اُس کے سوا اسی کی تعریف ہے دنیا اور آخرت میں اور اسی کا حکم ہے اور اُسی کی طرف پھر جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:　　　وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّکَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ (یونس ۶۱)

ترجمہ: کوئی کام کرو ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب تم اس کو شروع کرتے ہو اور تمہارے رب سے ذرّہ بھر کوئی چیز غائب نہیں زمین میں نہ آسمان میں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:　　　وَإِذَا سَأَلَکَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ (البقرۃ ۱۸۶)

ترجمہ: اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (ق ۱٦)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے (ف ۲۸) اور ہم دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (مجادلة۷)

ترجمہ: جہاں کہیں تین شخصوں کی سرگوشی ہو تو چوتھا وہ موجود ہے اور پانچ کی تو چھٹا وہ اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ کی مگر یہ کہ وہ ان کے ساتھ ہے جہاں کہیں ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ (النساء۱۰۸)

ترجمہ: آدمیوں سے چھپتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپتے اور اللہ ان کے پاس ہے۔

خلاصہ

(۲) اللہ ظاہر و باطن، خفی و جلی اور عیاں و نہاں سب جانتا ہے

(۱) أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ (البقرة۷۷)
(۲) وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّونَ وَمَا تُعْلِنُونَ (النحل ۱۹)
(۳) إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَىٰ (الاعلیٰ۷)
(۴) وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ (المائدة۹۹)
(۵) إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ (الانبیاء۱۱۰)
(٦) يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ (الانعام۳)

(۳) تمہارا پروردگار تم سب کا حال خوب جانتا ہے

(۱) رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ (بنی اسرائیل ۵۴)
(۲) قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ (النور ٦۴)
(۳) وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُمْ (النساء۲۵)
(۴) إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ (یوسف ۵۰)
(۵) وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوَاكُمْ (محمد۱۹)
(٦) وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا (النساء۳۹)

(۴) اللہ تعالیٰ اگلے پچھلے سب حساب جانتا ہے

(۱) يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (البقرة۲۵۵)

(۲) قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی (۵۱) قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ کِتٰبٍ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَ لَا یَنْسَی (طٰہٰ ۵۲)
(۳) وَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ (البقرۃ ۲۳۴)
(۴) وَ اللّٰہُ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (آل عمران ۱۵۳)
(۵) اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا یَصْنَعُوْنَ (۳۰)
(۶) اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا (النساء ۹۴)

(۵) اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں اور ان کے گناہوں کی خبر ہے

(۱) اِنَّہٗ کَانَ بِعِبَادِہٖ خَبِیْرًا بَصِیْرًا (بنی اسرائیل ۳۰)
(۲) وَ کَفٰی بِرَبِّکَ بِذُنُوْبِ عِبَادِہٖ خَبِیْرًا بَصِیْرًا (بنی اسرائیل ۱۷)
(۳) وَ کَفٰی بِہٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِہٖ خَبِیْرًا (الفرقان ۵۸)

(۶) اللہ تعالیٰ کسی کے اعمال سے بے خبر نہیں

(۱) وَ مَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (البقرۃ ۷۴)
(۲) وَ مَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ (البقرۃ ۱۴۴)
(۳) وَ مَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (ھود ۱۲۳)
(۴) وَ لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ (ابراھیم ۴۲)
(۵) وَ اللّٰہُ عَلِیْمٌ بِالْمُتَّقِیْنَ (آل عمران ۱۱۵)
(۶) ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی (النجم ۳۲)
(۷) وَ اللّٰہُ عَلِیْمٌ بِالظّٰلِمِیْنَ (البقرۃ ۹۵)
(۸) فَاِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ بِالْمُفْسِدِیْنَ (آل عمران ۶۳)
(۹) اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ مَنْ یَّضِلُّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَ ھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ (الانعام ۱۱۷)
(۱۰) اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِیْنَ (الانعام ۱۱۹)

(۷) اللہ تعالیٰ سب اعمال خیر کو جانتا ہے

(۱) وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ (البقرۃ ۲۱۵)
(۲) وَ مَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَۃٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُہٗ (البقرۃ ۲۷۰)

(۸) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے

(۱) یَعْلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ (الحج ۷۰)
(۲) وَ رَبُّکَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (بنی اسرائل ۵۵)
(۳) قٰلَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ (الانبیاء ۴)
(۴) وَ مَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ (ابراھیم ۳۸)
(۵) یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (الفرقان ۶)
(۶) یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَ مَا یَخْرُجُ مِنْھَا وَ مَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعْرُجُ فِیْھَا (سبا ۲)

ترجمہ: جانتا ہے جو کچھ زمین میں جاتا ہے اور جو زمین سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اُترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے۔

مختصر انداز محض دو الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت علم کو جو بیان فرمایا ہے، اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

(۱) وَاسِعٌ عَلِيْمٌ کا ارشاد کریم قرآن کریم میں تقریباً ۷ مقامات پر ہے۔

(۲) علیم حکیم یا علیماً حکیماً یا العلیم الحکیم یا حکیم علیم یا علیم خبیر یا الحکیم العلیم یا الحکیم الخبیر یا حکیم خبیر کم و بیش ۴۰ مقامات پر ہے۔

(۳) علیم قدیر یا العلیم القدیر یا العزیز العلیم یا الاخلاق العلیم یا علیم حلیم یا علیما حلیما یا شاکرا علیما یا لطیف خبیر۔ وغیرہ ۹ مقامات پر ہے۔

(۴) سمیع علیم یا السمیع العلیم کم و بیش ۲۸ مقامات پر ہے۔

(میزان ۹۴ بار)

(توحید اور شرک کی حقیقت، ص ۱۷۵، ۱۷۹)

(۹) اللہ تعالیٰ کو ذرے ذرے کا علم ہے

بہر حال اللہ تعالیٰ کے علیم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کائنات کے ذرے ذرے کا علم ہے اس کائنات میں جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ قیامت تک ہو گا اور جو کچھ قیامت کے بعد ابد الابد تک ہو گا اللہ تعالیٰ کو ان سارے حالات کا تفصیلی علم پہلے سے حاصل ہے ابھی تک یہ حالات و واقعات دنیا میں پیش بھی نہیں آئے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کو رونما ہونے سے پہلے بھی اسی طرح تفصیلاً جانتے تھے جس طرح رونما ہونے کے بعد جانتے ہیں۔

پہلی مثال

ایک درخت کے پتے انسان شمار نہیں کر سکتا پھر ایک باغ میں جتنے درخت ہوتے ہیں ان تمام درختوں کے پتوں کو کمپیوٹر کے ذریعے شمار نہیں کیا جا سکتا پھر پوری دنیا میں جتنے باغ ہیں مختلف قسم کے پھلوں کے الگ الگ باغ ہیں ان کے درختوں کی تعداد کتنی ہو گی اور ان درختوں کے پتوں کی تعداد کتنی ہو گی اسی طرح پوری دنیا میں کتنے جنگل ہیں ہر ہر جنگل میں کتنے کتنے درخت ہیں ان درختوں کی تعداد کتنی ہو گی اور پھر ان درختوں کے پتوں کی تعداد سوچیں، میرے دوستو! دماغ انسانی فیل ہو جائے گا، انسانی دماغ کا بنایا ہوا کمپیوٹر فیل ہو جائے گا سوچیں ان تمام درختوں کی شاخوں پر لگنے والا کوئی بھی پتہ جب حرکت کر رہا ہوتا ہے تو اس کی حرکت کو اللہ تعالیٰ جان رہے ہوتے ہیں، ان تمام درختوں کے پتوں میں سے جب کوئی پتہ زمین پر گرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اور اس کے گرنے کو جانتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا (الانعام ۵۹) اور جو پتا گرتا ہے وہ اسے جانتا ہے۔ میرے دوستو! پتے کا گرنا یہ اس کی آخری اور انتہائی حالت کو بیان کیا اور اشارہ کر دیا کہ پیدا ہونے سے لے کر خشک ہو کر گرنے تک اس پتے پر جتنے دور اور حالات گزرتے ہیں وہ سارے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتے ہیں۔ اندازہ کریں اللہ تعالیٰ کے علم کی کتنی وسعت ہو گی۔

دوسری مثال

پوری دنیا میں گندم اور جوار اور چاولوں کے کتنے کھیت ہوں گے اور ان کھیتوں میں کتنے پودے ہوں گے اندازہ کریں کہ انسان صرف ایک کھیت کے پودے نہیں گن سکتا پوری دنیا کے کھیتوں کی تعداد کتنی ہو گی ان کھیتوں کے درمیان میں اگنے والے پودوں کی تعداد کتنی ہو گی اور ان پودوں کے زمین میں چھپے ہوئے بیجوں کی تعداد کتنی ہو گی اندازہ کریں ان دانوں میں سے کوئی بھی دانہ زمین کی تاریکی میں چھپا ہوا ایسا نہیں ہوتا جس کو اللہ تعالیٰ نہ جانتے ہوں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ لَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (الانعام ۵۹) اور کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیریوں میں اور نہ کوئی تر اور نہ خشک جو ایک روشن کتاب میں لکھا نہ ہو۔

سبحان اللہ! اندازہ کریں اللہ تعالیٰ کیسے وسیع علم والے ہیں۔

تیسری مثال

ایک بالشت زمین میں ریت کے کتنے ذرات ہوں گے۔ صرف ایک بالشت زمین کے دوران کو سارے انسان مل کر شمار کرنا شروع کر دیں تو انسانی دماغ فیل ہو جائیں گے اور انسانی دماغ کے بنائے ہوئے کمپیوٹر فیل ہو جائیں گے مگر ایک بالشت زمین کے ریت کے ذرات شمار کرنے میں نہیں آئیں گے، پھر پوری دنیا میں کتنی زمین ہو گی اور اس پوری زمین کے ریت کے ذرات اور دانے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتے ہیں۔ ان دانوں میں سے کوئی دانہ اور ریت کے ان ذرات میں سے کوئی ذرہ جب بھی حرکت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو جان رہے ہوتے ہیں۔

چوتھی مثال

ایک جانور کے بدن اور جسم پر کتنے بال ہوتے ہیں ان کو شمار کرنا مخلوق کے بس سے باہر ہے پھر پوری دنیا میں کتنے جانور ہیں شہروں میں رہنے والے پالتو جانور اور جنگلوں میں رہنے والے شکاری جانوروں کے بدن پر کتنے بال ہوں گے سارے انسان اور جنات اور انسانوں کے بنائے ہوئے کمپیوٹر مل کر بھی ان بالوں کی تعداد کا اندازہ نہیں کر سکتے پھر ان میں بعض جانور اون والے ہوتے ہیں جن کے بدن پر بال زیادہ ہوتے ہیں۔

پوری دنیا میں جتنے جانور ہیں ان تمام جانوروں کے بدن پر جتنے بال ہوتے ہیں ان تمام بالوں میں سے ہر ہر بال کو پیدا ہونے سے لے کر اس کے گرنے تک کے سارے حالات سمیت اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، اندازہ کریں کہ اللہ تعالیٰ کی وسعت علم کا اور یہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے۔

مشہور حدیث آپ نے یقیناً سنی ہو گی کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انسان جو قربانی کا جانور ذبح کرتا ہے اس جانور کے بدن پر جتنے بال ہوتے ہیں ان میں سے ہر ہر بال کے بدلے میں انسان کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کیا اون والے جانوروں کے بالوں کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کے ہر ہر بال کے بدلے میں قربانی کرنے والے کو ایک ایک نیکی ملے گی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہاں اون والے جانوروں کا بھی یہی حکم ہے۔ یعنی ان کے ہر ہر بال کے بدلے میں بھی قربانی کرنے والے کو ایک ایک نیکی ملے گی اب میرے دوستو! اندازہ کریں ہر سال پورے عالم اسلام میں کتنے جانور ذبح ہوتے ہوں گے صرف حرم میں ہی حاجی صاحبان لاکھوں جانور ذبح کرتے ہیں اور ہر ہر بال کے بدلے میں ان تمام قربانی کرنے

والوں کو اللہ تعالیٰ ایک ایک نیکی عطا فرماتے ہیں اور ان کے نامۂ اعمال میں فرشتے لکھ بھی دیتے ہیں۔ تو کیا جانے بغیر ہی ان بالوں کے بدلے میں قربانی کرنے والوں کو نیکیاں عطاء فرمارہے ہیں ؟۔

درختوں کے پتے، غلے اور اناج کے دانے، ریت کے ذرات اور جانوروں کے بال یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے تو کیا وہ اپنی پیدا کی ہوئی چیز کو بھی نہ جانے گا؟۔ سورۃ الملک میں یہی بات ارشاد فرمائی: اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَ هُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ (الملک ۱۴) کیا وہ نہ جانے جس نے پیدا کیا اور وہی ہے ہر باریکی جانتا خبر دار۔

پانچویں مثال

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بڑے علم عطاء فرمائے ہیں ایک نبی کو اللہ تعالیٰ نے اتنا زیادہ علم عطاء فرمایا ہوا ہے کہ ساری کائنات کے انسانوں کے علم کو نبی کے علم کے مقابلے میں اتنی نسبت بھی حاصل نہیں ہوئی جتنی ایک قطرے کو سمندر کے مقابلے میں حاصل ہوتی ہے پھر انبیاء علیہم السلام میں سے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ علم عطاء فرمایا ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اؤتیست علم الاولین والآخرین۔ مجھے پہلوں کے بھی علم عطاء ہوئے اور پچھلوں کے بھی علم عطاء ہوئے آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کے انسانوں کا علم، انبیاء علیہم السلام کا بھی علم جمع کیا جائے تو سرکار دو عالم ﷺ کے علم کے مقابلے میں اتنی حیثیت بھی حاصل نہ ہو گی جتنی قطرے کو سمندر کے مقابلے میں حاصل ہو۔ اور یہ بالکل حقیقت ہے کوئی مبالغہ نہیں میرے دوستو! تیئس سال کے قلیل عرصے میں آپ ﷺ نے ارشادات کی شکل میں اپنے علوم کا جو تھوڑا سا ذرہ ظاہر فرمایا تھا وہ ایسا سمندر ہے جس کی تہ میں علم کے موتیوں اور مسائل کا اتنا وسیع خزانہ ہے کہ چودہ سو سال کا زمانہ گزر چکا علماء فقہاء اسی خزانے میں سے موتی نکال دیتے ہیں مسائل کا استنباط کرتے ہیں اور محدثین ان ارشادات کی شرح فرمارہے ہیں۔ بیان بھی کر رہے ہیں اور لکھ بھی رہے ہیں کتب خانوں کے کتب خانے تیار ہو چکے مگر وہ خزانہ اب تک ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا ہے۔ اور ان شاء اللہ قیامت تک ختم نہیں ہو گا۔

اس سے اندازہ کریں کہ جس دریا کے ایک قطرے کا یہ حال ہے اس دریا کی اپنی موجوں کی کیا کیفیت ہو گی؟ سرکار دو عالم ﷺ کے سینے میں آپ کے قلب اطہر میں جو علوم کا دریا موجزن ہے اس کی وسعت کا کچھ اندازہ لگ سکتا ہے مگر اتنی وسعت علمی کے باوجود ساری کائنات کے تمام انسانوں کا علم بھی، تمام فرشتوں کا علم بھی، جنات کا علم بھی اور تمام انبیاء علیہم السلام کا علم بھی اور سرکار دو عالم ﷺ کا علم بھی جمع کیا جائے تو ان سارے علوم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں اتنی نسبت بھی حاصل نہ ہو گی جتنی قطرے کو سمندر کے مقابلے میں حاصل ہے۔

اس لئے کہ قطرہ بھی محدود ہے اور سمندر بھی اپنی وسعت کے باوجود محدود ہے لیکن ساری کائنات کا علم محدود ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم غیر محدود ہے۔ کہ اس کی معلومات غیر محدود ہیں تو محدود کو غیر محدود سے کیا نسبت ہو سکتی ہے اور یہ مضمون خود حدیث سے ثابت ہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ بنی اسرائیل کے مجمع میں وعظ فرمایا، تقریر فرمائی اور تقریر ایسی عجیب و غریب تھی کہ موسیٰ علیہ السلام نے علوم کے دریا بہادیئے۔ پیغمبر کا علم اور پیغمبر کا انداز بیان تھا لوگ بڑے متاثر ہوئے۔ ایک

آدمی نے کھڑے ہو کر موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا: اے موسیٰ علیہ السلام اس وقت دنیا میں آپ سے بھی بڑا کوئی عالم موجود ہے؟ تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: نہیں۔ یعنی اس وقت پوری دنیا میں شریعت کا علم سب سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا، لیکن جواب کا انداز اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا۔ پیغمبر علیہم السلام چونکہ بارگاہ الٰہی میں مقرب ہوتے ہیں، ان کی معمولی بات پر بھی پکڑ آجاتی ہے، تو موسیٰ علیہ السلام کے جواب کا انداز اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس کا جواب بجائے اللہ تعالیٰ کے علم کے سپرد کرنے کے اور بجائے اللہ اعلم کہنے کے یوں ارشاد فرمایا۔ اور وحی آئی کہ مجمع البحرین کے مقام پر ہمارا ایک بندہ رہتا ہے وہ آپ سے زیادہ علم والا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے پتہ پوچھا، پتہ بتا دیا گیا، موسیٰ علیہ السلام سفر کر کے وہاں تک پہنچے تو حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ان کے پاس علم حاصل کرنے کے لئے ٹھہر گئے۔

ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام دونوں کشتی پر سوار ہو کر جا رہے تھے کہ ایک چڑیا آئی اور کشتی کے تختے پر آکر بیٹھ گئی اور اپنی چونچ میں پانی کا ایک قطرہ لیا اور اُڑ گئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام یہ منظر دیکھ رہے تھے، حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو متوجہ کر کے ارشاد فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام تیرا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں اتنی حیثیت بھی نہیں رکھتا جتنی حیثیت اس چڑیا کی چونچ والے قطرے کو باقی سمندر کے مقابلے میں حاصل ہے۔ یہ اس لئے کہ قطرہ بھی محدود ہے اور سمندر بھی اپنی وسعت کے باوجود محدود ہے۔ لیکن ساری کائنات کے انسانوں کا علم، فرشتوں کا علم اور جنات کا علم محدود ہے مگر اللہ تعالیٰ کا علم غیر محدود ہے تو محدود کو غیر محدود سے کیا نسبت ہو سکتی ہے، بڑے سے بڑے علم والے کو کہیں نہ کہیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ بات مجھے نہیں معلوم باقی کو چھوڑیں۔

خود سرور دوعالم ﷺ کے پاس جبرائیل علیہ السلام انسانی شکل میں آئے اور آکر سوالات کیئے ایمان کے بارے میں، اسلام کے بارے میں اور احسان کے بارے میں آپ ﷺ نے سب کے جوابات دے دیئے آخر میں جبرائیل علیہ السلام نے پوچھا "ومتی الساعة یارسول اللہ ﷺ" اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ بتائیں قیامت کب آئے گی تو سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا "ما المسول عنها بأعلم من السائل" پوچھا ہوا قیامت کے بارے میں پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا یعنی جس طرح تجھے قیامت کے آنے کا وقت معلوم نہیں اسی طرح مجھے بھی معلوم نہیں، دیکھا آپ سرکار دوعالم ﷺ کا علم کتنا وسیع تھا مگر وہ بھی ایک حد پر جا کر ٹھہر گیا آپ کو یہ فرمانا پڑا کہ یہ بات مجھے معلوم نہیں۔

اسی طرح ایک آدمی سرکار دوعالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ بتائیں کہ دنیا میں سب سے بہترین جگہ کون سی ہے اور سب سے بدترین جگہ کون سی ہے؟ تو فرمایا مجھے معلوم نہیں، جبرئیل امین علیہ السلام آئیں گے تو پوچھ کر بتاؤں گا، چنانچہ جبرئیل امین علیہ السلام آئے آپ ﷺ نے ان سے یہی سوال فرمایا، جبرئیل امین علیہ السلام نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ یہ بات تو مجھے بھی معلوم نہیں ہے اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر آؤں گا تو آپ ﷺ کو آکر بتاؤں گا، تمام فرشتوں کا سردار فرشتہ اور تمام انبیاء علیہم السلام پر وحی لانے والا معزز فرشتہ بھی کہہ رہا ہے کہ یہ بات مجھے معلوم نہیں اس کو علم کی حد کہتے ہیں، چنانچہ جبرئیل امین علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے جا کر یہ بات پوچھی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا سب سے بہترین جگہ مساجد ہیں اور سب سے بدترین جگہ بازار ہیں۔

جبرئیل امین علیہ السلام نے یہی جواب آکر آپ ﷺ کو بتا دیا اور عرض کیا کہ آج چونکہ میں آپ کا قاصد بن کر گیا آپ کے قاصد ہونے کی برکت سے اللہ تعالیٰ سے مجھے اتنا زیادہ قرب نصیب ہوا کہ اس سے پہلے کبھی بھی اس سے زیادہ قرب نصیب نہیں ہوا تھا۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جبرئیل علیہ السلام کتنا قرب نصیب ہوا؟ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں آج اللہ تعالیٰ کے اتنا قریب ہوا کہ میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان صرف ستر ہزار نورانی حجاب حائل تھے۔

بہر حال میرے دوستو! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ تمام انسانوں اور فرشتوں اور جنات کے علوم محدود ہیں کسی نہ کسی حد پر جا کر ان کی انتہاء ہو جاتی ہے اور یہ کہنا پڑتا ہے یہ بات مجھے معلوم نہیں، لیکن میرے دوستو! اللہ تعالیٰ کے علوم غیر محدود ہیں ان کی انتہاء کی حد نہیں۔

(صدائے منبر، حضرت مولانا مفتی محمد ادریس صاحب، ص ۱۹۵،۲۰۷)

(۳) صفت قدرت

اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے قدرت والا ہے کوئی شے اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔ جیسا کہ قرآن عزیز میں ہے:

(۱) اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ (البقرۃ ۲۰)

بے شک اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

وہ موجود کو معدوم (ختم) اور معدوم کو موجود کر سکتا ہے۔

(اسلامی عقائد از مفتی عبد الواحد، ص ۲۹)

(۲) أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ (۱۹) وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ (ابراھیم ۲۰)

کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے آسمان وزمین حق کے ساتھ بنائے اگر چاہے تو تمہیں لے جائے اور ایک نئی مخلوق لے آئے اور یہ اللہ پر کچھ دشوار نہیں۔

(۳) وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا (۱۳۲) إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ وَيَأْتِ بِآخَرِينَ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى ذَٰلِكَ قَدِيرًا (النساء۱۳۳)

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور اللہ کافی ہے کارساز (کام بنانے والا)۔ اے لوگو وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور اَوروں کو لے آئے اور اللہ کو اس کی قدرت ہے۔

(۴) قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلَى قُلُوبِكُمْ مَنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِهِ (الانعام ۴۶)

تم فرماؤ بھلا بتاؤ تم اگر اللہ تمہارے کان آنکھ لے لے اور تمہارے دلوں پر مُہر کر دے تو اللہ کے سوا کون خدا ہے کہ تمہیں یہ چیزیں لا دے۔

(۵) إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (۸۲) فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (یٰسٓ ۸۳)

اس کا کام تو یہی ہے کہ جب کسی چیز کو چاہے تو اس سے فرمائے ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے تو پاکی ہے اسے جس کے ہاتھ ہر چیز کا قبضہ ہے اور اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے۔

(۲) وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا (فاطر ۴۴)

اور اللہ وہ نہیں جس کے قابو سے نکل سکے کوئی شے آسمانوں اور زمین میں بے شک وہ علم و قدرت والا ہے۔

مخلوقات میں جو کچھ بھی قدرت اور اختیار ہے وہ سب اسی کا فیض اور عطیہ ہے پس یہ کس طرح ممکن ہے کہ مخلوقات تو اپنے افعال میں قادر اور مختار ہوں اور اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں مجبور اور مضطر ہو ہر سلیم الفطرت جانتا ہے کہ قدرت اور اختیار صفت کمال ہے اور ایجاب اور اضطرار کھلا ہوا عیب ہے۔

قال النبی ﷺ فی دعاء الاستخارہ: اللهم إني أستخيرك بعلمك وأستقدرك بقدرتك۔

(صحيح البخاري، ج ۱، ص ۳۹۱_الناشر: دار ابن كثير، اليمامة-بيروت)

و قادر بقدرته التی ہی صفته الازلية السرمدية و المعنى انه اذا قدر على شئى فانما يقدر عليه بقدرته القديمة لا بالقدرة الحادثة كما توجد للاشياء الممكنة فهو الحي القيوم۔

(فقه اكبر، ص ۱۶)

الكلام فى القدرة هى الاختيار فى الفعل و الترك و اجمع اهل السنة على ان الحق سبحانه فاعل بالقدرة فان شاء لم يفعل۔

(مرام الكلام، ص ۳۳)

وہ قادر مختار ہے جس طرح چاہے تصرف کرے

قال اللہ تعالیٰ: لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ (الانبیاء ۲۳)

اُس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے اور اُن سب سے سوال ہو گا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ فلاسفہ نے اپنے سفاہت سے ایجاب اور اضطرار ہی کو کمال سمجھا اور حق تعالیٰ شانہ کو ایسا معطل اور بے کار خیال کیا کہ اس سے سوائے ایک مصنوع کے صدور جائز نہ رکھا اور وہ بھی بالا یجاب و الاضطرار اور تمام حوادث کو عقل فعال کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ جس کا وجود سوائے ان کے تخیل اور توہم کے کہیں ثابت نہیں۔ فلاسفہ کو مناسب تھا کہ حوادث اور اضطرار کے وقت عقل فعل سے التجاء کرتے اور خدائے ذوالجلال کی طرف رجوع نہ کرتے اس لئے کہ ان کے زعم میں حوادث کا تعلق خدائے ذوالجلال سے نہیں بلکہ عقل فعل سے ہے خدا تعالیٰ تو ان کے نزدیک فاعل بالا یجاب ہے مصائب اور آلام کے رفع کرنے کی اس کو قدرت اور اختیار نہیں۔

دو چیزیں اس فرقہ کی خصوصیات سے ہیں:

اول: احکام منزلہ اور اخبار مرسلہ کی تکذیب اور انکار اس فرقہ کا خاص شعار ہے۔

دوم: یہ کہ اس فرقہ نے اپنے مطالب واہیہ کے ثابت کرنے میں جس قدر تلبیس اور تلمیع سے کام لیا ہے اس کی نظیر نہیں اور جس درجہ ان کو اپنے مظنون اور موہوم اور خیالی مقاصد کے ثابت کرنے میں خبط لاحق ہوا ہے وہ کسی سفیہ اور نادان کو بھی نہیں ہوا اور علیٰ ہذا اس فرقہ کے تمام متسق اور منتظم حلائل محض لایعنی اور لاطائل ہیں۔

پہلا جواب: پہلا جواب یہ ہے کہ قادر کی تاثیر اور قدرت کو اس وقت ناقص کہہ سکتے ہیں کہ جب مقدور میں اثر قبول کرنے کی صلاحیت ہو مگر فاعل کسی وجہ سے اثر نہ کر سکتا ہو، شجر اور حجر اور دیگر جمادات اگر نور آفتاب سے منور نہ ہوں تو آفتاب کا کیا قصور ہے؟ آفتاب کی تنویر تو شیشہ اور توے سب ہی پر واقع ہوتی ہے مگر جب آئینہ پر اس کی تنویر واقع ہوتی ہے تو جگمگانے لگتا ہے توے میں یہ بات نہیں اس لئے کہ اس میں روشن ہونے کی صلاحیت نہیں۔ ٹھیک اسی طرح جب اس کی قدرت کاملہ ممکنات سے متعلق ہوتی ہے تو ممکنات اپنی ذاتی استعداد اور صلاحیت کی وجہ سے اس کا اثر قبول کرتی ہیں، اور محالات اور ممتنعات اس وجہ سے کہ ان میں اثر قبول کرنے کی صلاحیت اور استعداد نہیں اگر وہ تحت القدرۃ نہ داخل ہوں تو قدرت خداوندی کا کیا قصور ہوا اور باری تعالیٰ پر چونکہ موت اور فنا کا طاری ہونا اس کے حی و قیوم ہونے کی وجہ سے محال ہے۔ اس لئے اگر اس کی موت ظہور میں نہ آسکے تو اس کی قدرت کاملہ کا کوئی قصور نہیں۔

دوسرا جواب: نیز محل تاثیر کا مؤثر سے منفصل اور جدا ہونا ضروری ہے۔ ایک شئ خود اپنے اندر کوئی تاثیر نہیں رکھتی کیونکہ ایک ہی شئ کا قابل اور فاعل ہونا عقلاً محال ہے۔ آفتاب دوسروں کو منور کرتا ہے اس کی شعاعیں زمین کے ہر ہر گوشہ کو روشن کر دیتی ہیں۔ مگر وہ شعاعیں آفتاب کو روشن نہیں کرتیں۔

تیسرا جواب: علاوہ ازیں اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آفتاب کی شعاعیں اور اس کے انوار خود آفتاب میں مؤثر ہو سکتے ہیں۔ تو کیا یہ انوار آفتاب کے تاریک اور مظلم بنانے کے لئے مؤثر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح خدا کی قدرت کاملہ خدا کو مردہ اور معیوب بتانے کے لئے کار آمد نہیں ہو سکتی۔

چوتھا جواب: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود واجب اور ضروری ہے اور عدم اس کا محال اور ممتنع ہے اور قدرت کا تعلق محالات کے ساتھ ایجاداً (یعنی قدر اس محال کو موجود کر دے) ہو سکتا ہے اور نہ اعداماً (یعنی قدرت اس محال کو معدوم کر دے) اس لئے کہ محال اس کو کہتے ہیں کہ جس کا عدم حتمی اور لازم ہو اور اس کا وجود میں آنا ناممکن ہو۔ پس اگر قدرت کا محال ساتھ اعداماً ہو تو معدوم کا معدوم کرنا لازم آتا ہے، جس سے فائدہ نہیں اور اگر ایجاد اس کے متعلق ہو تو محال کا موجود ہونا لازم آتا ہے اور کوئی شئ وجود میں داخل ہونے کے بعد محال نہیں رہ سکتی اور علی ہذا قدرت کا تعلق واجبات کے ساتھ ایجاداً ہو سکتا ہے نہ اعداماً ایجاداً تو اس وجہ سے نہیں ہو سکتا کہ موجود کرنا سراسر تحصیل حاصل ہے اور اعداماً اس وجہ سے نہیں ہو سکتا کہ واجب یعنی جس کا وجود ضروری اور حتمی تھا اس کا ہونا لازم آتا ہے اور معدوم ہونے کے بعد وہ شئ واجب نہیں رہ سکتی الحاصل اس کے قدیر اور مقتدر ہونے میں کوئی شک نہیں اور اگر شک ہو تو کیونکر ہوں ایسے حکیمانہ افعال اور مناظر قدرت کو دیکھ کر بھی اگر کوئی بدبخت اس کی قدرت کو نہ مانے تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہو گی کہ جو مخمل اور کم خواب کو کہ جو قسم قسم کے نقش و نگار سے مزین ہو دیکھ کر یہ کہے کہ کیڑا کسی مردہ شخص یا اپاہج اور بے دست و پا انسان کا بنایا ہوا ہے۔

پانچواں جواب: نیز یہ سوال کرنا کہ کیا خدا تعالیٰ اپنا مثل بنا سکتا ہے۔ اس سوال کے معنی یہ ہیں کہ کیا خدا تعالیٰ اپنی الوہیت اور وحدانیت کو باطل کر سکتا ہے ظاہر ہے کہ تمام عقلاء کے نزدیک یہ سوال مہمل ہے۔ نیز یہ سوال اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں جو لوگ بھی خدائے علیم و قدیر کو مانتے ہیں ان سب پر یہ وارد ہوتا ہے۔

بہر حال قدرت کا تعلق ممکنات کے ساتھ ہوتا ہے یعنی ان چیزوں کے ساتھ ہوتا ہے جن میں وجود اور عدم دونوں کی صلاحیت ہو وہ چیزیں جن کا وجود عقلاً لازم اور ضروری ہو اور ان کا عدم محال ہو جیسے واجب الوجود یعنی خود ذات الٰہی اور صفات الٰہیہ تو ایسی چیزوں کے ساتھ قدرت کا تعلق نہیں ہوتا اس کی یہ وجہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں کچھ کمی ہے بلکہ یہ وجہ ہے کہ ان چیزوں میں اثر قبول کرنے کی صلاحیت اور قابلیت ہی نہیں ہے کیونکہ وہ واجب الوجود ہی کیا ہوا جس پر کسی کی تاثیر اثر کر سکے۔ اسی لئے اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کیا خدا اپنی ذات کو یا اپنی خدائی کو یا اپنی کسی صفت کو ختم کر سکتا ہے تو جواب دیا جائے گا کہ یہ چیزیں چونکہ واجب ہیں اس لئے ان میں خدائی قدرت کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں اس لئے یہ چیزیں کبھی ختم نہیں ہو سکتیں۔ اسی طرح وہ چیزیں جو عقلاً محال ہیں، یعنی جن چیزوں کا عدم عقلاً ضروری اور لازم ہے اور ان کا وجود عقلاً ناممکن اور محال ہے جیسے اجتماع نقیضین (مثلاً زید کے وجود اور عدم کا ایک ہی وقت اور ایک ہی حالت میں جمع ہونا) تو ایسے حالات سے بھی قدرت متعلق نہیں ہوتی اس لئے کہ محالات میں بھی اثر قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔

اس کی ایک حسی مثال یہ ہے کہ سورج میں اشیاء کو گرم کرنے کی قدرت ہے لیکن بعض سنگ مرمر جو ٹھنڈے ہوتے ہیں ان میں سورج کی تپش کا اثر قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔

خلاصہ کلام:

یہ کہ قدرت کا تعلق ممکنات کے ساتھ ہوتا ہے واجبات اور محالات کے ساتھ نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر کوئی یہ سوال کرے کہ خدا تعالیٰ کسی واجب الوجود کو معدوم اور کسی محال کو موجود کر سکتا ہے تو جواب میں یہ کہا جائے گا کہ قدرت اور ارادہ کو واجبات اور محالات سے کوئی سروکار نہیں۔ مگر یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت نہیں یہ بے ادبی ہے اللہ تعالیٰ عجز سے پاک اور منزہ ہے۔

قبائح مثلاً وعدہ وعید کے خلاف کرنا اور خلاف واقعہ بیان کرنا بھی ممکنات میں سے ہیں محالات میں سے نہیں ہیں۔

لہٰذا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت شامل ہیں البتہ اللہ تعالیٰ نہ ان کو کبھی کرتا ہے اور نہ کبھی کرے گا اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرعون وہامان اور ابولہب کے متعلق جو یہ فرمایا ہے کہ وہ دوزخی ہیں تو یہ حکم قطعی ہے۔ اس کے خلاف کبھی نہ کرے گا لیکن اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل کرنے پر قادر ضرور ہے عاجز نہیں ہے۔ ہاں البتہ اپنے اختیار سے ایسا نہیں کرے گا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلَٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (السجدة ١٣)

اور اگر ہم چاہتے ہر جان کو اُس کی ہدایت عطا فرماتے مگر میری بات قرار پا چکی کہ ضرور جہنم کو بھر دوں گا ان جنوں اور آدمیوں سب سے۔

جو بات پکی ہو چکی تھی وہ یہ تھی جو اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے دعوے: قَالَ فَبِعِزَّتِکَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ (٨٢) إِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ (ص ٨٣) بولا تو تیری عزت کی قسم ضرور میں ان سب کو گمراہ کردوں گا مگر جو ان میں تیرے چنے ہوئے بندے ہیں۔کے جواب میں فرمایا: قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ (٨٤) لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنکَ وَمِمَّن تَبِعَکَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ (ص ٨٥) فرمایا تو سچ یہ ہے اور میں سچ ہی فرماتا ہوں بے شک میں ضرور جہنم بھر دوں گا تجھ سے اور ان میں سے جتنے تیری پیروی کریں گے سب سے۔

جہنم کو انسانوں اور جنوں سے بھرنے کے قول کے باوجود یہ فرمانا: وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا (السجدة ١٣) اور اگر ہم چاہتے ہر جان کو اُس کی ہدایت عطا فرماتے۔پس اس آیت سے ظاہر ہو گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو مؤمن بنا دیتا لیکن وہ اپنے قول کے خلاف نہیں کرتا۔معلوم ہوا کہ اپنے قول کے خلاف کرنے کی اسے قدرت ہے لیکن وہ قدرت کے باوجود خلاف کرتا نہیں ہے۔

مذکورہ قبائح کے محال اور ممتنع نہ ہونے کی مندرجہ ذیل تصریحات ہیں:

(١) ارشاد الٰہی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام روز محشر عرض کریں گے:

إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّکَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (المائدة ١١٨)

اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔

مطلب یہ ہے کہ اگر آپ ان کی بدعقیدگی یعنی شرک پر سزا دیں تو جب بھی آپ مختار ہیں کیونکہ یہ آپ کے بندے ہیں اور آپ ان کے مالک ہیں اور مالک کو حق ہے کہ بندوں کو ان کے جرائم پر سزا دے۔اور آپ ان کو معاف فرمادیں تو جب بھی آپ مختار ہیں۔کیونکہ آپ زبردست قدرت والے ہیں معافی پر بھی قادر اور حکمت والے بھی ہیں اور آپ کی معافی بھی حکمت کے موافق ہوگی اس لئے اس میں کوئی نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنا ضابطہ ذکر فرمایا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَکَ بِهِ (النساء ٤٨)

بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے۔

تو شرک پر عدم مغفرت کی وعید ذکر کی۔لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام عرض کر رہے ہیں کہ اگر آپ اپنے ضابطہ اور وعید کے مطابق ان کو سزا دیں تو جب بھی آپ مختار ہیں۔کیونکہ آپ زبردست قدرت والے ہیں جس میں معافی بھی شامل ہے۔علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں:

وعدم غفران الشرک بمقتضی الوعيد فلا امتناع فيه لذاته۔

یعنی مشرک کی عدم مغفرت وعید کا تقاضا ہے اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ (مشرک کی مغفرت) اپنی ذات کے اعتبار سے محال اور ممتنع ہے۔

(٢) شرح مواقف میں ہے:

لا يقال إنه يستلزم جوازهما وهو أيضا محال لأنا نقول استحالته ممنوعة كيف وهما من الممكنات التي تشملها قدرته تعالى۔

(کتاب المواقف، ج۳، ص ۴۹۳)

کوئی اگر یہ کہے کہ وعید (دھمکی) کے خلاف کرنا تو عفو و رحمت کی بات ہے جو نقص و قبیح نہیں جب کہ وعدہ خلافی، ظلم و کذب بیانی تو قبیح چیزیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کبھی متصف نہیں ہوئے۔ اور جن باتوں سے اللہ تعالیٰ متصف نہیں ہوئے ان پر اللہ تعالیٰ کو قدرت نہیں ہوتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک حدیث قدسی میں نبی کریم صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں:

یاعبادي إني قد حَرَّمتُ الظلم علی نفسي۔

اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ظلم نہ کرنے کو اپنی تعریف بتا رہا ہے جب کہ تعریف ہمیشہ اس کام پر کی جاتی ہے جو اپنے اختیار اور قدرت سے ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ کو ظلم پر قدرت ہی نہیں تو تعریف کس بات کی ہوئی، لہٰذا اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ظلم اور دیگر مذکورہ باتوں پر قدرت تو ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے ان کو کرتے نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ان قبائح کو بھی عام ہونا اور شامل ہونا اہلسنت کا مذہب ہے۔

مسامرہ شرح مسایرہ میں ہے:

اما ثبوتها ای القدرة علی ماذکرتم الامتناع عن متعلقها اختیارا فهو بمذهب الاشاعرة الیق۔

افعال مذکورہ (یعنی ظلم و کذب وغیرہ) پر قدرت تو ہو مگر با اختیار خود ان کا ارتکاب نہ کیا جائے یہ قول مذہب (اہلسنت) اشاعرہ کے زیادہ مناسب ہے۔

(اسلامی عقائد از مفتی عبد الواحد، ص ۳۰، ۳۲)

قدرت کاملہ اور کل اختیارات کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے

(۱) قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۲۶) تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (آل عمران ۲۷)

یوں عرض کر اے اللہ ملک کے مالک تو جسے چاہے سلطنت دے اور جسے چاہے سلطنت چھین لے اور جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے ساری بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے بے شک تو سب کچھ کر سکتا ہے۔ تو رات کا حصہ دن میں ڈالے اور دن کا حصہ رات میں ڈالے اور مُردہ سے زندہ نکالے اور زندہ سے مردہ نکالے اور جسے چاہے بے گنتی دے۔

(۲) وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (الانعام ۱۷)

اور اگر تجھے اللہ کوئی بُرائی پہنچائے تو اس کے سوا اس کا کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر تجھے بھلائی پہنچائے تو وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

(۳) وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (یونس ۱۰۷)

اور اگر تجھے اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کا کوئی ٹالنے والا نہیں اس کے سوا اور اگر تیرا بھلا چاہے تو اس کے فضل کے رد کرنے والا کوئی نہیں اسے پہنچاتا ہے اپنے بندوں میں جسے چاہے اور وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

تو تکلیف و راحت، بھلائی، برائی، نفع و ضرر پر کامل اختیار اور قبضہ تامہ اللہ رب العزت کا ہے اس ذات پاک کے سوا کسی کو بھی سود و زیان اور دکھ، سکھ پر کوئی اختیار نہیں۔ اس کی بھیجی ہوئی تکلیف اور دکھ درد کو کوئی نہیں ہٹا سکتا، اور جس پر وہ فضل و کرم فرمائیں کسی کو طاقت نہیں کہ روک دے۔ مالک علی الاطلاق اور قادر مطلق فقط ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

(۴) لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ (۴۹) أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيمًا إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ (الشوریٰ ۵۰)

اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت پیدا کرتا ہے جو چاہے جسے چاہے بیٹیاں عطا فرمائے اور جسے چاہے بیٹے دے۔ یا دونوں ملا دے بیٹے اور بیٹیاں اور جسے چاہے بانجھ کر دے بے شک وہ علم و قدرت والا ہے۔

زمین و آسمانوں کی قدرت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ علیم بھی ہے اور قدیر بھی، علم کل اور قدرت کاملہ خاص اس کی صفات ہیں۔ وہ اپنے علم کی بناء پر اپنی قدرت سے جس کو چاہے اولاد دے یا مطلق نہ دے۔

اجمالاً اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان

جہاں پورے قرآن میں اللہ رب العزت کی قدرت کاملہ و اختیار عامہ کی تفصیلات موجود ہیں جب کہ احاطہ ممکن نہیں، وہاں قرآن کریم میں ۲۴ مقامات پر بطور اجمال ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان ملاحظہ ہو:

(۱) إِنَّ اللهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (البقرة ۲۰)

قدیر اسے کہتے ہیں جو اقتضاء حکمت کے مطابق جو چاہے کرے۔ (مفردات القرآن)

پورے قرآن میں ۳۵ مقامات پر ہے، دو مقامات پر قدیر ہے باقی ۳۳ مقامات پر علی کل شئی قدیر ہے۔ (شروع میں کہیں ان اللہ ہے کہیں أن اللہ ہے، کہیں و اللہ، کہیں ھو ہے)۔ (لغات القرآن، ج ۵، ص ۴۲۷)

(۲) وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُقْتَدِرًا (الکھف ۴۵)

(مقتدر باقتدار ہر طرح کی قدرت والا) اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنٰی میں سے ہے۔

(۳) عَلِيمٌ قَدِيرٌ، وَاللهُ قَدِيرٌ، و قديرا۔ (۱۱ بار آیا ہے)

(۴) بِقَادِرٍ، الْقَادِرُ اور قَادِرٌ۔ (۷ بار آیا ہے)

(۵) وھو علی کل شئی وکیل الوکیل اور وکیلا۔ (۱۱ بار آیا ہے)

(۶) و کان اللہ بکل شئی مقیتا۔ (ایک بار آیا ہے)

(۷) وكان الله بكل شئى محيطا۔ (ایک بار آیا ہے)

(۸) على كل شئى حفيظ۔ (۲بار آیا ہے)

(۹) وهو القاهر فوق عباده۔ (۲بار آیا ہے)

(۱۰) لله الواحد القهار, هو الواحد القهار وغیرہ۔ (٦بار آیا ہے)

(۱۱) والله ولى المؤمنين ولى المتقين۔ (۱۰بار آیا ہے)

(۱۲) ان الله لقوى عزيز, ان الله قوى عزيز وغیرہ (۸مقامات پر ہے)

(۱۳) انک انت الوهاب۔ (وغیرہ ۳مقامات پر ہے)

(۱۴) ان ذلک لمحى الموتى۔ (۲مرتبہ آیا ہے)

(۱۵) قل اللهم مالک الملک, مالک الملک وغیرہ۔ (۵مقامات پر ہے)

(۱۶) الملک القدوس وغیرہ۔ (۵مرتبہ آیا ہے)

(۱۷) والمؤمن, المهيمن, الجبار (پورے قرآن میں ۳بار آیا ہے)

(۱۸) المتين۔ (۱بار آیا ہے)

(۱۹) والله عزيز ذو نتقام انا منتقمون وغیرہ۔ (٦بار آیا ہے)

(۲۰) ان الله واسع عليم, والله واسع عليم۔ (۸مرتبہ آیا ہے)

(۲۱) الله لا اله الا هو الحى القيوم۔ (۳بار آیا ہے)

(۲۲) وهو خير الحاكمين وانت احكم الحاكمين۔ (۵بار آیا ہے)

(۲۳) خير القاصلين اور خير الفاتحين۔ (۲مرتبہ آیا ہے)

(۲۴) العزيز (پورے قرآن میں ۸٦بار آیا ہے)

(۲۵) على هذا ایک ایک مقام پر حکم، والٍ (والی) اور الفتاح۔ (۳مرتبہ آیا ہے۔ میزان ۲۲۳مقامات)

خلاصہ: اللہ تعالیٰ رب العزت نے اپنی کتاب میں تقریباً سوا دو سو مقامات پر اپنی قدرت عامہ اپنے غلبہ و اقتدار تامہ اور اپنی قوت و حاکمیت مطلقہ کا بیان و اثبات تو فرمایا ہے۔ مگر ایک جگہ پر بھی غیر اللہ، کسی بت، کسی فرشتہ یا ولی حتیٰ کہ نبی کے لئے قدرت اور اختیار کا ذکر نہیں فرمایا۔

نیز قرآن کریم میں مذکورہ بالا صفات و اسماء الٰہی کے علاوہ قابض، باسط، خافض، رافع، معز، مذل، واجد، مميت، مغنى، نافع، جبار، مانع وغیرہ اسماء الحسنیٰ اس حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں کہ نفع، نقصان، عزت و ذلت، موت و حیات سب اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے۔

یہ صرف اجمالی طور پر صفات واسماءالٰہی سے سوا دو سو مقامات پر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اختیار عامہ کا ذکر ہے، ورنہ یوں تو سارے قرآن کا موضوع ہی یہی ہے اور پورے قرآن کریم میں جگہ جگہ بڑی تفصیل کے ساتھ رب العزت نے اپنی قدرت کاملہ، الوہیت عامہ اور رحمت واسعہ کو بیان فرمایا ہے۔

(توحید کی حقیقت، ص۲۱۹،۲۲۸)

(۴)صفت ارادہ

ارادہ کے معنی کسی شے کے وجود اور عدم کو جو کہ قدرت کے اعتبار سے برابر تھے ان میں سے کسی ایک جانب کو اپنے اختیار سے ترجیح دینے کے ہیں۔ پس جو کچھ ہوتا ہے وہ اسی کے ارادہ سے ہوتا ہے۔

ازل میں جو کچھ اب اسی کے مطابق ہو رہا ہے۔

دلیل نمبر۱: قال اللہ تعالیٰ: فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ (البروج ۱٦)

ہمیشہ جو چاہے کر لینے والا۔

دلیل نمبر۲: قال اللہ تعالیٰ: إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (یٰسٓ ۸۲)

اس کا کام تو یہی ہے کہ جب کسی چیز کو چاہے تو اس سے فرمائے ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

دلیل نمبر۳: قال اللہ تعالیٰ: يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرة ۱۸۵)

دلیل نمبر۴: قال اللہ تعالیٰ: وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا (یونس ۹۹)

دلیل نمبر۵: قال اللہ تعالیٰ: وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ (البقرة ۲۵۳)

دلیل نمبر۶: قال اللہ تعالیٰ: إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ (ھود ۱۰۷)

دلیل نمبر۷: قال اللہ تعالیٰ: إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ (المائدة ۱)

یہ آیات کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ارادہ اور مشیئت اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں تو جب ارادہ کا اللہ تعالیٰ کی صفت ہونا ثابت ہوا تو قاعدہ ہے کہ شی کی صفت اس شی کے ساتھ قائم ہوگی، تو لازماً ارادہ بھی ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو گا اور چونکہ حوادث ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم نہیں ہو سکتے، اس لئے ارادہ قدیم ہو گا۔

دلیل نمبر۸: عالم میں اس قسم کا انضباط اور استحکام بدون ارادہ اور اختیار کے پیدا ہونا یقیناً محال ہے خدا کے افعال بدون ارادہ اور اختیار خود بخود مثل حرکت مرتعش کے صادر ہوتے ہیں تو عالم میں یہ انضباط اور استحکام اور حسن انتظام ہر گز نہ ہوتا۔

دلیل نمبر۹: اس دلیل سے پہلے بطور تمہید یہ جان لینا ضروری ہے کہ جب کسی فاعل سے کوئی شی ارادہ اور اختیار سے صادر ہو جائے تو اس فاعل کو فاعل بالاختیار کہتے ہیں اور اس سے صادر ہونے والا مصنوع حادث ہوتا ہے اور جس فاعل سے بلا اختیار و بلا ارادہ کوئی

شی صادر ہو جائے تو اس کو فاعل موجب اور علت موجبہ کہتے ہیں اور علت موجبہ اور معلول کے درمیان تخلف ناجائز ہے۔ جیسے آگ سے حرارت کا صدور اس کے ارادہ کے بغیر ہوتا ہے، اب ایسا نہیں ہو سکتا کہ آگ ہو اور حرارت نہ ہو۔

اس تمہید کے بعد دلیل کا حاصل یہ ہے کہ عالم کا حدوث صانع کے فاعل بالاختیار ہونے پر دلالت کرتا ہے، وہ اس طرح کہ اگر صانع بالاختیار نہ ہو بلکہ فاعل موجب ہو تو عالم کا قدیم ہونا لازم آئے گا، کیونکہ "تخلف المعلول عن العلت الموجبة" ناجائز ہے، لہٰذا جب سے اللہ تعالیٰ ہوں گے اس وقت سے عالم ہونا ضروری ہوگا اور اللہ تعالیٰ ازل سے ہیں، لہٰذا عالم بھی ازل سے ہو کر قدیم ہوگا اور عالم کا قدیم ہونا باطل ہے تو اللہ تعالیٰ کا موجب بالذات ہونا بھی باطل ہے، تو جب موجب بالذات ہونا باطل ہے تو لامحالہ باری تعالیٰ فاعل مختار ہوں گے۔

(شرح العقائد مع الشرح)

بندہ جس کام کا ارادہ کرتا ہے اسی کے مطابق اعضاء حرکت کرنے لگتے ہیں لیکن یہ کوئی نہیں بتلا سکتا کہ اعضاء کو اس کا ارادہ کا علم کیسے ہو جاتا ہے پس جب کہ بندہ ہی کے ارادہ کے تعلق کی کیفیت نہیں بتلائی جا سکتی تو خداوند ذوالجلال کے ارادہ کے تعلق کی حقیقت کون بتلا سکتا ہے۔ بلکہ جو شخص ارادہ کرتا ہے وہ خود اپنے ارادے کے تعلق کی کیفیت سمجھانے سے قاصر اور عاجز ہے۔

(علم الکلام، محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ص ۸۲)

مذهب اهل الحق ان كل ما اراد الله تعالىٰ فهو كائن، و ان كائن فهو مراد له، و ان لم يكن مرضيا، و لا مامور ابه، بل منهيا عنه، و هذا ما اشتهر من السلف ان ماشاء الله كان و ما لم يشاء لم يكن۔

نجاریہ کا مذہب:

نجاریہ حضرات کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرید بذاتہ ہیں، ارادہ اللہ تعالیٰ کی مستقل صفت نہیں ہے، بلکہ عین ذات باری تعالیٰ ہے۔ ہم نے جب کہا کہ ارادہ باری تعالیٰ کی صفت ہے اور یہ بات بھی واضح ہے کہ صفت اور موصوف کے درمیان عینیت نہیں ہوتی تو اس سے نجاریہ کی تردید ہو گئی۔

بعض معتزلہ کا مذہب:

بعض معتزلہ حضرات کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ مرید ہیں ارادہ کے ساتھ جو حادث ہے اور محل سے مستغنی ہے کسی کے ساتھ قائم نہیں ہے بذات خود قائم ہے، دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر یہ ارادہ ذات باری تعالیٰ میں حادث ہو تو ذات باری تعالیٰ کا محل حوادث ہونا لازم آتا ہے اور اگر ذات باری تعالیٰ کے علاوہ غیر کے ساتھ قائم ہو تو اس صورت میں "اتصاف الغیر بصفت اللہ تعالیٰ" لازم آتا ہے جو کہ ناجائز ہے، پس معلوم ہوا کہ ارادہ بذات خود قائم ہے۔

جواب:

معتزلہ کی اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ آپ نے لوگوں سے کہا کہ ارادہ حادث ہے ہم یہ تسلیم نہیں کرتے، بلکہ ارادہ قدیم ہے اور ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے۔

کرامیہ کا مذہب:

کرامیہ کہتے ہیں کہ ارادہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور حادث ہے اور یہ حضرات حوادث کا ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہونے کو جائز کہتے ہیں، یہ حضرات دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ ارادہ کو اگر قدیم مانا جائے تو تعدد قدماء لازم آئے گا۔

جواب:

جواب یہ ہے کہ محال تعدد ذوات قدیمہ ہیں نہ کہ تعدد صفات قدیمہ۔

(شرح العقائد النسفی مع الشرح)

(۵)صفت سمع

صفت سمع یعنی اس کو شنوائی اور سننے کا وصف حاصل ہے وہ تمام مخلوق کی ایک وقت دعا اور آواز کو سنتا ہے اور ایک بات کا سننا اس کو دوسری بات کے سننے سے مانع نہیں ہوتا اور عالم کی مختلف زبانیں اس کو اشتباہ میں نہیں ڈالتیں وہ بیک لحظ پرندوں کے چہچہانے اور پہاڑوں کے اندر کیڑوں کے بھنبھنانا اور صاف چکنے پتھر پر چیونٹی کے چلنے کی آواز اور دریا میں مچھلیوں کی آواز سنتا ہے حتیٰ کہ مچھر اور چیونٹی کی باریک نسوں میں جب خون دوران کرتا ہوا ایک بند اور جوڑ سے منتقل ہو کر دوسرے جوڑ کی طرف جاتا ہے تو وہ اس خون کے چلنے کی آواز کو صاف سنتا ہے، قرآن پاک میں بھی آیا ہے:

قال اللہ تعالیٰ: إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (البقرة ۱۸۱)

بے شک اللہ سنتا جانتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (غافر ۵٦)

تو تم اللہ کی پناہ مانگو بے شک وہی سنتا دیکھتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (الشوریٰ ۱۱)

اس جیسا کوئی نہیں۔

عن أبي موسى الأشعري رضي الله عنه قال: كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم فكنا إذا أشرفنا على واد هللنا وكبرنا ارتفعت أصواتنا فقال النبي صلى الله عليه وسلم (يا أيها الناس اربعوا على أنفسكم فإنكم لا تدعون أصم ولا غائبا إنه معكم إنه سميع قريب۔

(صحيح البخاري، ج۳، ص ۱۹۱)

فانہ تعالیٰ سمیع بالاصوات والحروف والکلمات بسمعہ القدیم الذی ہو نعت لہ فی الازال۔

(شرح فقہ اکبر، ص ۱۸)

قال فی انہ حی سمیع بصیر شہدت بہ الکتب الالہیۃ واجمع علیہ الانبیاء، بل جمہور العقلاء۔

(شرح المقاصد، ج۳، ص ۱۰۰)

(٦)صفت بصر

یعنی اس کو وصف بصارت حاصل ہے کہ جس کے سبب ہر چیز کو دیکھتا ہے خواہ کوئی چیز اندھیرے میں ہو خواہ نزدیک ہو خواہ دور ہو خواہ دن میں خواہ رات میں ہو خواہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو خواہ بڑی ہو مخلوق کو نظر آئے یا نہ آئے اللہ تعالیٰ سب کو ہر وقت بلا

تفاوت یکساں طور پر دیکھتا ہے کسی وقت میں کوئی شے اس سے چھپی نہیں ہے۔ بایں ہمہ وہ مخلوق جیسی آنکھوں اور آنکھوں جیسی ہر قسم کی شکل وصورت سے پاک ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (الشوریٰ ۱۱)

قرآن مجید میں اس صفت کا ذکر کئی آیات میں آیا ہے۔

مثلاً قال اللہ تعالیٰ: إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ (الملک ۱۹)

بیشک وہ سب کچھ دیکھتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: إِنَّ اللهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (غافر ۲۰)

الحاصل وہ سمیع بھی ہے اور بصیر بھی اور کیوں نہ ہو اس لئے کہ جب مخلوق اس صفت کمال سے موصوف ہے سو اگر خالق اس صفت کمال سے عاری ہے تو مخلوق کا خالق سے اکمل اور بہتر ہونا لازم آتا ہے نیز سمع اور بصر سے خالی ہونا ایک عیب ہے کہ جس کا بارگاہ خداوندی میں گزر ہی محال اور ناممکن ہے اور اسی وجہ سے کہ سمع اور بصر نہ ہونا عیب ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی عبادت کرنے والوں سے فرمایا کہ:

قال اللہ تعالیٰ: لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا (مریم ۴۲)

اے میرے باپ کیوں ایسے کو پوجتا ہے جو نہ سنے نہ دیکھے اور نہ کچھ تیرے کام آئے۔

نیز اگر خالق ان صفات کمال سے عاری ہے تو مخلوق میں سمع بصر کا کمال کہاں سے آگیا۔

قال اللہ تعالیٰ: وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ (المؤمنون ۷۸)

اور وہی ہے جس نے بنائے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل تم بہت ہی کم حق مانتے ہو۔

قال اللہ تعالیٰ: إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (غافر ۵۶)

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حدیث الایمان قال: یا محمد ما لاحسان؟ قال: ان تعبد اللہ کانک تراہ فانک ان لم تکن تراہ فانہ یراک۔

(صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۲)

و بصير بالاشكال والالوان بابصاره القديم الذى هو له صفة فى الازل فلا يحدث له سموع و لا بصر بحدوث مبصر، فهو السميع البصير يسمع و يرى، لا يعذب على سمعه سموع و ان خفى غاية السر، و لا يغيب عن رؤيته مرئى و ان دق فى النظر، بل يرى دبيب النملة السوداء فى الليلة الظلماء على الصخرة الصماء"۔

(شرح فقہ اکبر، ص ۱۸)

(۷) صفت کلام

یعنی اس کی ایک صفت کلام بھی ہے جس سے چاہتا ہے کلام کرتا ہے کیونکہ گونگا ہونا عیب اور نقص ہے اور ذات خداوندی ہر عیب سے پاک ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَى مِن بَعْدِهِ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا اتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظَالِمِينَ (الاعراف ۱۴۸)

اور موسیٰ کے بعد اس کی قوم اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنا بیٹھی بے جان کا دھڑ گائے کی طرح آواز کرتا کیا نہ دیکھا کہ وہ ان سے نہ بات کرتا ہے اور نہ انہیں کچھ راہ بتائے اسے لیا اور وہ ظالم تھے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو ذات صفت کلام سے عاری ہو اس کو خدا بنانا انتہا درجہ کا ظلم ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے کلام ہونے کے دلائل یہ ہیں:

کما قال اللہ تعالی: وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوسَى تَكْلِيمًا (النساء ۱۶۴)

اور اللہ نے موسیٰ سے حقیقتاً کلام فرمایا۔

اور جس طرح اس کا وجود دوسروں کے وجود کے مشابہ نہیں اسی طرح اس کا کلام دوسروں کے کلام کے مشابہ نہیں اور جس طرح خداوند ذوالجلال کی صفت علم، صفت قدرت وغیرہ بے چون و چگون قدیم اور غیر مخلوق ہیں اسی طرح اس کی صفت کلام بھی قدیم اور غیر مخلوق اور بے چون و چگون ہے۔

(علم الکلام، محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ص ۱۳۶، ۱۳۷)

قال اللہ تعالی: قَالَ يَامُوسَى إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِي وَ بِكَلَامِي (الاعراف ۱۴۴)

فرمایا اے موسیٰ میں نے تجھے لوگوں سے چن لیا اپنی رسالتوں اور اپنے کلام سے۔

قال اللہ تعالی: مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ (البقرۃ ۲۵۳)

ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا۔

قال اللہ تعالی: وَ قُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ (البقرۃ ۳۵)

اور ہم نے فرمایا اے آدم تو اور تیری بی بی اس جنت میں رہو۔

اہل حق کے نزدیک جو کلام خدا کی صفت ہے وہ حروف و آواز سے مرکب نہیں بلکہ وہ ایک صفت ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور اس کو کلام نفسی کہتے ہیں کیونکہ کلام اصل میں دل میں موجود مضمون اور معانی کو کہتے ہیں چنانچہ شاعر کہتا ہے:

ان الکلام لفی الفؤاد وانما جعل اللسان علی الفؤاد دلیلا

کلام دل میں ہوتا ہے اور زبان تو محض اسی دل کے مضمون پر دلالت کرتی ہے۔

ہم لوگ دل کے اس مضمون کو کبھی زبان سے ادا کرتے ہیں اور کبھی لکھ کر بتا دیتے ہیں اور کبھی اشاروں سے ظاہر کرتے ہیں۔ ہم کلام کی ادائیگی یعنی تکلم میں مخارج، حروف اور صوت (یعنی آواز) کے محتاج ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اسی سے منزہ ہیں وہ ہماری طرح حروف و آواز سے تکلم نہیں فرماتے۔

اللہ تعالیٰ نے جب کسی سے کلام فرمایا مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا کہ:

قال اللہ تعالی: فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ (طٰہٰ ۱۲)

تو تو اپنے جوتے اتار ڈال۔

قال اللہ تعالی: وَ مَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَامُوسَى (طٰہٰ ۱۷)

اور یہ تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ۔

تو یہاں چند باتیں قابل لحاظ ہیں:

امام اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا کلام نفسی ہی قابل سماع ہے اگرچہ یہ عام عادت کے خلاف ہے جبکہ امام ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی کلام نفسی کے سننے کو ممکن مانتے ہیں۔

کسی خاص شخص کے ساتھ کلام میں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گفتگو میں ہوا امام اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تو یہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام نفسی کو ہی سنا البتہ امام ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسی آواز سنی جو کلام الٰہی پر دلالت کر رہی تھی اور امام ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اللہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کتاب یا فرشتے کے واسطے کے بغیر کلام کیا۔

اللہ تعالیٰ کا کلام دو طرح کا ہے۔ ایک تو وہ ہے جو احکام و نواہی پر مشتمل ہے۔ یہ تو قدیم ہے اور اس کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے متکلم ہیں دوسرا وہ ہے جو کسی مخلوق سے کسی خاص موقع پر کیا۔

مثلاً: وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوسَى تَكْلِيمًا (النساء ۱۶۴)

اور اللہ نے موسیٰ سے حقیقتاً کلام فرمایا۔

امام اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ کلام کرنا بھی قدیم ہے، اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے متکلم ہیں، البتہ اس شرط کے ساتھ کہ جب وہ مخاطب پایا جائے گا تو اس خاص کلام کا تعلق اس مخاطب کے ساتھ ہو گا۔ مثلاً وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوسَى تَكْلِيمًا (النساء ۱۶۴) ترجمہ: اور اللہ نے موسیٰ سے حقیقتاً کلام فرمایا۔ کلام نفسی میں اس قید کے ساتھ ہمیشہ سے موجود ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وجود حاصل ہو گا اور وہ ایک خاص موقع پر پہنچیں گے تو اس وقت اس کلام کا ربط و تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہو گا۔ اکثر ماتریدیہ کہتے ہیں کہ تکلیم اس وقت کہتے ہیں جب دوسرے کو سنائے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ سے متکلم نہیں کہا جائے گا بلکہ صرف اسی وقت کہا جائے گا جب مخاطب کو وہ کلام سنایا جائے گا۔

قرآن پاک

قرآن پاک بھی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور صفت قدیم ہے اس لئے اصل کے اعتبار سے تو یہ کلام نفسی پر مشتمل ہے البتہ بندے چونکہ اپنی قرأت اور تلاوت میں اور اپنی سماعت میں حروف اور صوت کے محتاج ہوتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو (جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے) حروف اور کلمات کے لباس میں نازل کیا تا کہ بندے اس کو پڑھ سکیں اور سن سکیں۔

الکلام هو صفة ازلية عبر عنها بالنظم المسمى بالقرآن المركب من الحروف يريد ان الكلام المعدود من الصفات الهية هو المعنى القديم القائم بذاته تعالىٰ و اما هذا القرآن المركب من الحروف الهجاء فحادث و ليس صفة قديمة قائمة بذاته تعالىٰ بل هو دال عليها و يسمى الاول بالكلام اللفظي۔

(نبراس، ۱۳۹)

حضرت امام مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ”قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرف اور آواز کا لباس دے کر ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمایا ہے اور بندوں کو اسی کے ساتھ امر و نہی کا مخاطب بنایا ہے۔ جس طرح ہم اپنے نفسی کلام کو زبان کے ذریعہ حرف اور آواز کے لباس میں لا کر ظاہر کرتے ہیں۔

اور اس طرح اپنے پوشیدہ مطالب و مقاصد کو عرصہ ظہور میں لاتے ہیں اسی طرح حق تعالیٰ شانہ نے اپنے کلام نفسی کو بغیر زبان کے وسیلہ کے محض اپنی قدرت کاملہ سے حروف اور آواز کا لباس عطا فرما کر اپنے بندوں پر بھیجا ہے اور اپنے پوشیدہ اوامر و نواہی کو حروف اور آواز کے ضمن میں لا کر ظہور کے میدان میں جلوہ گر کیا ہے۔ پس کلام کی دونوں قسموں پر کلام کا اطلاق حقیقت کے طور پر ہے اور دونوں قسمیں یعنی کلام نفسی اور کلام لفظی حقیقتاً اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں پس جس طرح کہ ہمارے کلام کی دونوں قسمیں نفسی اور لفظی حقیقت کے طور پر ہمارا کلام ہیں نہ یہ کہ قسم اول (کلام نفسی) تو حقیقت ہے اور دوسری قسم (کلام لفظی) مجاز ہے غرض کلام الٰہی کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے۔

اول یہ کہ کلام اللہ تعالیٰ کی ایک صفت بسیط ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور اس کے قدیم ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ کلام سے وہ کلمات مراد لئے جاتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام نفسی کے لئے بطور لباس مقرر فرمایا ہے۔

قرآن حکیم کو اللہ تعالیٰ کا کلام اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ کلمات پر مشتمل ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے کلام نفسی کے لئے بطور لباس ہیں۔ بالفاظ دیگر ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن الفاظ اور معانی کے مجموعہ کا نام ہے، البتہ قرآن کی قرأت اور سماعت اور کتابت یہ حادث اور مخلوق ہے اس لئے کہ قرأت اور سماعت اور کتابت یہ بندے کے افعال ہیں اور بندے کے افعال حادث اور مخلوق ہوتے ہیں۔

(اسلامی عقائد، مفتی عبد الواحد، ص ۲۹،۲۶)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: جاننا چاہیئے کہ کلام الٰہی کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے: اول یہ کہ کلام اللہ تعالیٰ کی ایک صفت قدیمہ ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور بسیط ہے۔ دوم وہ کلمات جس کا حق سبحانہ و تعالیٰ نے تکلم فرمایا، قرآن کو اسی معنی میں کلام الٰہی کہا جاتا ہے۔ یہ کلمات بھی قدیم اور مجرو عن المادۃ ہیں اس لئے کہ پروردگار عالم سے ان کا ظہور اور صدور ہوا ہے اور جو شے قدیم سے ظاہر اور صادر ہو گی وہ بھی قدیم ہو گی۔

ہمارے الفاظ اور حروف اور ہماری آواز ان کلمات الٰہیہ کے لئے بمنزلہ آئینہ کے ایک مظہر اور تجلی گاہ ہیں۔ اگر کسی شے کا عکس آئینہ میں پڑے تو اصل شے کو عکس کے عوارض سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، اسی طرح ہماری قرأت اور کتابت میں جو حدوث کے لوازم پائے جاتے ہیں کلمات الٰہیہ کو ان سے کوئی تعلق نہ ہو گا۔ قدیم اپنے قدم پر رہے گا حادث اپنے حدوث پر رہے گا۔ حدوث اور امکان کے تمام عوارض بندہ کی طرف متوجہ ہوں گے اور خدا اور اس کا کلام ان سب سے منزہ اور مقدس ہو گا۔ ادھر تنزیہ ہو گی، ادھر تشبیہ و تمثیل ہو گی۔ ادھر وجوب اور قدم ہو گا، ادھر حدوث اور امکان ہو گا۔

دوسرے عنوان سے اس کو یوں سمجھو کہ الفاظ اور عبارات معانی کے لئے بمنزلہ آئینہ کے ہیں، معانی الفاظ میں حلول کئے نہیں ہوتے، اور نہ الفاظ اور عبارات معانی کے لئے محل اور ظرف ہیں بلکہ الفاظ معانی کے لئے مظہر اور تجلی گاہ اور ایک آئینہ ہیں، لفظ اور معنی میں ظاہر اور مظہر ہونے کا علاقہ ہے حال اور محل، ظرف اور مظروف جیسا علاقہ نہیں۔ کوئی شخص یہ نہیں سمجھا سکتا کہ معانی،

الفاظ کے آئینہ میں کس طرح عکس افگن اور جلوہ گر ہیں۔ فقط اجمالاً اتنا جانتا ہے کہ الفاظ کے آئینہ میں معنی کے ظاہر کرنے کا ایک آئینہ ہے، اور الفاظ وعبارات کی صفات اور کیفیات سے معنی کو کوئی تعلق نہیں۔

اسی طرح ہماری زبانیں، ہمارے کتابی نقوش کلمات قدسیہ کے لئے ایک آئینہ ہیں حدوث اور امکان کے تمام عوارض ہماری زبان اور کتاب کی طرف متوجہ ہوں گے اور اس کا کلام پاک، ان تمام عوارض سے پاک اور منزہ ہوگا۔

(علم الکلام از مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ص ۱۳۷، ۱۳۸)

کلام اللہ کی تفصیل

کلام کی اقسام:

بطور تمہید یہ جان لینا ضروری ہے کہ کلام کی دو قسمیں ہیں:

(۱) کلام نفسی (۲) کلام لفظی

(۱) کلام نفسی: وہ کلام جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے وہ کلام نفسی ہے۔

(۲) کلام لفظی: اور جس پر تلفظ کیا جاتا ہے اور حروف اور اصوات کے قبیل سے ہے اس کو کلام لفظی کہا جاتا ہے جس کو قرآن کریم کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت کلام نفسی ہے نہ کہ کلام لفظی، کیونکہ کلام لفظی حروف اور اصوات سے مرکب ہونے کی بناء پر حادث ہے اور حادث اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں ہو سکتی۔

کلام نفسی کے ثبوت پر دلیل:

حاصل یہ ہے کہ جو آدمی کسی چیز کا امر کرتا ہے یا کسی چیز سے نہی کرتا ہے یا کسی چیز کی خبر دے رہا ہے تو اس سے پہلے ان کی دل میں ایک معنی اور کیفیت پائی جاتی ہے اس مضمر اور دل میں پوشیدہ کیفیت اور معنی کو کلام نفسی کہا جاتا ہے پھر اس کلام نفسی کا اظہار کبھی الفاظ وعبادات کے ذریعے اور کبھی کتابت اور کتابت اشارہ کے ذریعہ کیا جاتا ہے جس کو کلام لفظی کہا جاتا ہے۔

صفت کلام غیر صفت ارادہ ہے:

کلام غیر ارادہ ہے کیونکہ کبھی انسان کسی چیز کا امر کرتا ہے حالانکہ وہ اس کا ارادہ نہیں رکھتا، جیسے کسی آدمی کو نافرمان غلام کی مار پیٹ پر لوگ اس کو ملامت کرتے ہیں تو یہ آدمی غلام کو کسی کام کرنے کا حکم دیتا ہے، حالانکہ یہ آدمی ارادہ نہیں رکھتا کہ غلام وہ کام کرے بلکہ وہ غلام کی نافرمانی کو لوگوں پر ظاہر کرنا چاہتے ہیں، تو یہاں امر اور کلام ہے لیکن ارادہ نہیں ہے، پس معلوم ہوا کہ کلام عین ارادہ نہیں ہے۔

اخطل شاعر فرماتے ہیں:

ان الکلام نفی الفؤاد وانما جعل اللسان علی الفؤاد دلیلا

کلام تو دل میں ہوتا ہے زبان تو دل کی ترجمانی کرتی ہے۔

حضور ﷺ کے وصال کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کے مسئلہ میں اختلاف ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ:

اجتمعت الانصار علی ان یائمروا سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فمشیت الیھم مع ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و زورت فی نفسی مقالۃ فتکلم ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و لم یترک مما زورت شیئا۔

تو یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلام کا محل نفس قرار دیا اور یہی کلام نفسی ہے۔

بسا اوقات ایک آدمی دوسرے آدمی سے کہتا ہے کہ میرے دل میں ایک بات ہے جو میں تمہیں کہنا چاہتا ہوں۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ کلام نفسی یا تو عین علم ہے یا ارادہ ہے۔ کلام نفسی کوئی الگ چیز نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ کلام یا تو خبر کی صورت میں ہوگا یا انشاء کی صورت میں ہوگا، اگر خبر کی صورت میں ہے تو عین عل ہے، کیونکہ خبر میں عبارت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ متکلم کو اس کا علم ہے اور اگر انشاء کی صورت میں ہے تو عین ارادہ ہے، کیونکہ انشاء یا تو امر کی صورت میں ہوگا یا نہی وغیرہ کی صورت میں، اگر امر کی صورت میں ہے تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ متکلم نے مخاطب سے فعل منہی عنہ کے نہ کرنے کا ارادہ کیا ہے اور استفہام کی صورت میں سوال کرنے کا ارادہ کیا ہے اور تمنی، ترجی اور قسم میں تمنی، امید اور قسم کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ تو اس تقریر سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ کلام عین علم یا عین ارادہ ہے۔

جواب یہ ہے کہ صفت کلام صفت ارادہ کا غیر ہے، اس لئے کہ کبھی کبھار انسان کسی ایسی چیز کے بارے میں خبر دیتا ہے، جس کا علم اس کو نہیں ہوتا بلکہ اس کے خلاف کا علم ان کو ہوتا ہے جیسے اخبار کاذبہ۔

صفت کلام اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے:

کلام نامی صفت اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے۔

پہلی دلیل:

وہ آیات مبارکہ جو گذر چکے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

دوسری دلیل:

اس بات پر کہ کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اجماع امت ہے۔

تیسری دلیل:

یہ کہ تواتر کے ساتھ انبیاء علیہم السلام سے یہ بات نقل ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہیں اور ظاہر ہے کہ جو متکلم ہوگا کلام ان کے ساتھ قائم ہوگا، کیونکہ کلام کے ثبوت کے بغیر تکلم محال ہے۔

چوتھی دلیل:

کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہے دلیل کا حاصل یہ ہے کہ قاعدہ ہے کہ مشتق کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جس کے ساتھ مأخذ اشتقاق قائم ہو، اگر مأخذ اشتقاق اس کے ساتھ قائم نہ ہو، تو مشتق کا اطلاق اسی پر ناجائز ہے، تو جب اللہ تعالیٰ متکلم ہیں تو لا محالہ کلام اس کی صفت ہو گی۔

معتزلہ کی حماقت:

معتزلہ حضرات کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہیں اور کلام اللہ تعالیٰ کے ماسوالوح محفوظ، جبرائیل علیہ السلام یا محمد ﷺ کے ساتھ قائم ہے، معتزلہ کی یہ بات انتہائی حماقت پر مبنی ہے، کیونکہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ صفت کسی اور کی ہو اور قائم کسی دوسرے کے ساتھ ہو، نیز معتزلہ کی یہ بات مذکورہ قاعدہ کی وجہ سے مردود ہے۔

صفت کلام ازلی:

جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کلام ازلی نہ ہو، تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا محل حوادث ہونا لازم آئے گا اور یہ ناجائز ہے۔

مزید وضاحت:

مزید وضاحت یہ ہے کہ کلام حروف اور اصوات کے قبیل سے نہیں ہے، اس لئے کہ اصوات اور حروف اعراض اور حوادث ہیں، کیونکہ ان میں بعض کا حدوث دوسرے بعض کے ختم ہونے کے ساتھ مشروط ہے یعنی دوسرے حرف پر تلفظ کرنا اس وقت ممکن نہیں جب تک پہلے حرف کا تلفظ ختم اور معدوم نہیں ہو جاتا، مثلاً زید پر جب تلفظ کریں تو باء پر تلفظ زاء سے قبل ناممکن ہے اور معدوم ہونا حادث کی علامت ہے اس لئے کلام حروف اور اصوات کے قبیل سے نہیں ہے۔

اس سے حنابلہ اور کرامیہ کی تردید ہو گئی، یہ دونوں حضرات کہتے ہیں کہ کلام حروف اور اصوات کے قبیل سے ہے، البتہ کرامیہ کلام کے حادث ہونے کے قائل ہیں جبکہ حنابلہ کلام کو حروف اور اصوات کی جنس سے ہونے کے باوجود قدیم کہتے ہیں۔

کلام سکوت و آفت کے منافی ہے:

کلام اللہ تعالیٰ کی ازلی صفت ہے اور سکوت اور آفت کے منافی ہے، یعنی ایسی بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کلام پر قدرت ہو اور کلام نہ کریں اور نہ ایسی بات ہے کہ آلات کی عدم موافقت کی وجہ سے کلام پر قادر نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ بغیر آلات کے جب چاہیں کلام کرنے پر قادر ہیں۔

سکوت و آفت کی اقسام:

جس طرح کلام کی دو قسمیں ہیں کلام لفظی اور کلام نفسی، اسی طرح سکوت اور آفت کی بھی دو قسمیں ہیں، سکوت و آفت ظاہری، سکوت و آفت باطنی، سکوت ظاہری یہ ہے کہ قدرت کے ہوتے ہوئے کلام نہ کرنا، سکوت باطنی یہ ہے کہ قدرت کے ہوتے ہوئے دل میں کسی چیز کے بارے میں سوچ نہ سکے، یعنی تدبر کی تمام صلاحیت کا ختم ہو جانا۔

کلام صفت واحدہ ہے:

کلام صفت واحدہ ہے، کلام کی ذات میں تکثر اور تعدد نہیں ہے۔ کلام میں تکثر متعلقات امر، نہی، خبر وغیرہ کے اعتبار سے ہے، جیسا کہ علم، قدرت اور تمام صفات کا یہی حال ہے کہ وہ واحد ہیں اور تکثر متعلقات کے اعتبار سے ہے، اس طرح کلام بھی صفت واحد ہے تعلقات کے اعتبار سے اس میں تکثر اور تعدد ہے، تو کلام کا تکثر اعتباری ہے نہ کہ ذاتی، کلام کا تعلق جب طلب فعل ہو جائے تو امر کہلاتا ہے اور جب کلام کا تعلق ترک فعل کے ساتھ ہو جائے تو نہی کہلاتا ہے اور جب طلب حکایات کے ساتھ ہو جائے تو خبر اور جب طلب اعلام کے ساتھ ہو جائے تو استفہام اور جب طلب توجہ کے ساتھ ہو جائے تو ندا کہلاتا ہے۔

جیسے زید جزئی حقیقی ہے، زید کی ذات میں تکثر نہیں ہے، البتہ تعلقات کے اعتبار سے زید میں تکثر ہے، مثلاً زید کا تعلق اگر فقہ کے ساتھ ہے تو فقیہ کہلاتا ہے اور اگر صرف کے ساتھ تعلق ہے تو صرفی کہا جاتا ہے اور اگر نحو کے ساتھ ہے تو نحوی کہا جاتا ہے۔ یہی حال کلام کا بھی ہے کہ اس کی ذات میں تکثر نہیں ہے، تعلقات کے اعتبار سے کلام میں تکثر اور تعدد ہے۔

قرآن پاک کا اطلاق کلام نفسی و لفظی دونوں پر ہوتا ہے:

جس طرح کلام کا اطلاق کلام لفظی اور کلام نفسی دونوں پر ہوتا ہے اسی طرح قرآن کا اطلاق کلام نفسی پر بھی ہوتا ہے اور نظم متلو حادث یعنی کلام لفظی پر بھی ہوتا ہے، لہٰذا قرآن کریم بمعنی کلام نفسی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، قدیم ہے اور غیر مخلوق ہے۔

فائدہ: جب ہم کہیں گے کہ قرآن مخلوق ہے تو قرآن بمعنی کلام لفظی ہوگا اور جب ہم کہیں گے کہ قرآن غیر مخلوق ہے تو قرآن بمعنی کلام نفسی ہوگا، وہ قدیم ہے اور ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے۔

فائدہ: حضور ﷺ نے اس آدمی کو جو کہ قرآن کو مخلوق کہتا ہے تغلیظاً کافر کہا ہے۔

منشاء اختلاف:

ہمارے اور معتزلہ کے اصل اور حقیقت میں اختلاف کلام نفسی کی اثبات اور نفی میں ہے، ہم کلام نفسی کے ثبات کے قائل ہیں اور وہ حضرات کلام نفسی کی نفی کے قائل ہیں باقی قرآن کریم کا مخلوق ہونا اختلاف کی فرع ہے ہم کلام نفسی کا اثبات کرتے ہیں اس وجہ سے ہم قرآن بمعنی کلام نفسی کو قدیم کہتے ہیں اور معتزلہ کلام نفسی کی نفی کے قائل ہیں اس لئے وہ قرآن کریم یعنی کلام لفظی کو مخلوق کہتے ہیں۔ اگر ہم معتزلہ کی طرح کلام کو صرف کلام لفظی میں منحصر کریں اور کلام نفسی کی نفی کے قائل ہو جائیں تو ہم کلام لفظی کو جو کہ حروف اور اصوات سے مرکب ہے قدیم نہیں کہتے، ہم معتزلہ کی طرح اس کو حادث اور غیر مخلوق مانتے ہیں یا اگر معتزلہ ہماری طرح کلام نفسی کے اثبات کے قائل ہو جائیں تو وہ کلام نفسی کو حادث نہیں کہیں گے پھر اختلاف نہ ہوگا۔

بہر حال حقیقت میں اختلاف کلام نفسی کے اثبات اور نفی میں ہے اور کلام کا مخلوق اور غیر مخلوق ہونا اسی اختلاف کی فرع ہے۔

معتزلہ کی دلیل:

جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن مخلوق کی صفات کے ساتھ متصف ہیں اور حادث کی علامات کے ساتھ متصف ہیں اور جو چیز مخلوق اور حادث کی صفات کے ساتھ متصف ہوتی ہے وہ حادث ہوتی ہے، لہٰذا قرآن کریم مخلوق اور حادث ہیں۔ رہی یہ بات کہ مخلوق اور حادث کے وہ کون سے اوصاف ہیں جن کے ساتھ قرآن کریم متصف ہے وہ چند اوصاف یہ ہیں:

قرآن پاک کے اوصاف:

(۱) تالیف:

یعنی قرآن کریم حروف اور آیات سے مرکب ہے۔ تالیف چونکہ اجزاء پر موقوف ہوتی ہے، اس لئے تالیف حادث ہے، پس جو قرآن موصوف بالتالیف ہے وہ بھی حادث ہو گا۔

(۲) تنظیم:

قرآن کریم کی دوسری صفت تنظیم ہے قرآن کریم کا طبعی طور پر مرتب ہونا تنظیم کہلاتا ہے، جیسا کہ موتیوں کی لڑی، تو تنظیم میں ترتیب ہوتی ہے اور ترتیب حادث ہے اس لئے تنظیم بھی حادث ہے۔ پس جو قرآن کریم موصوف با تنظیم ہے۔

(۳) انزال و تنزیل:

قرآن کریم کی تیسری صفت انزال اور تنزیل ہے، انزال اور تنزیل میں فرق یہ ہے کہ انزال یک بارگی نازل ہونے کو کہتے ہیں۔ اور تنزیل تدریجاً نازل ہونے کو کہتے ہیں اور قرآن دونوں کے حق میں یہ دونوں معنی درست ہیں، اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ قرآن دفعۃً لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف یک بارگی نازل ہوا ہے، پھر آسمان دنیا سے تیئیس سال میں رفتہ رفتہ نازل ہوا ہے جیسے قرآن میں ہے: إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (القدر ۱) دوسری جگہ ہے: وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا (الاسراء ۱۰٦)۔

تنزیل اور انزال مکان اعلیٰ سے مکان اسفل کی طرف منتقل ہونے کو کہتے ہیں۔

(۴) عربی ہونا:

قرآن کریم کی چوتھی صفت قرآن کریم کا عربی زبان میں ہونا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا (یوسف ۲) اور عربی زبان میں ہونا عرب کی وضع پر موقوف ہے اور وضع حادث ہے تو عربی زبان میں ہونا بھی حادث ہو گا، لہٰذا قرآن جو کہ موصوف بالعربیت ہے وہ بھی حادث ہو گا۔

(۵) مسموع ہونا:

پانچویں صفت قرآن کریم کا مسموع ہونا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ (الاعراف ۲۰۴)** اور مسموع صوت ہو سکتی ہے اور آواز عرض ہونے کی بناء پر حادث ہو گی، پس قرآن جو کہ موصوف بالمسموع ہے وہ بھی حادث ہو گا۔

(۶) فصیح ہونا:

چھٹی صفت قرآن کا فصیح ہونا ہے اور فصیح ہونا کثرۃ الاستعمال پر موقوف ہے اور استعمال حادث ہے پس فصیح ہونا حادث ہو گا، تو قرآن جو کہ موصوف بالفصاحت ہے وہ بھی حادث ہو گا۔

(۷) معجز ہونا:

ساتویں صفت قرآن کا معجز ہونا ہے اور اعجاز الفاظ پر موقوف ہوتا ہے کیونکہ مخالف کو الفاظ کے ذریعے چیلنج دیا جاتا ہے اور الفاظ حادث ہیں، لہٰذا اعجاز حادث ہو گا تو مسموع بھی حادث ہو گا، پس قرآن جو کہ موصوف بالاعجاز ہے وہ بھی حادث ہو گا بہر حال قرآن مخلوق کی صفات کے ساتھ متصف ہے اور جو چیز مخلوق کی صفات کے ساتھ متصف ہوتی ہے وہ حادث ہوتی ہے پس قرآن کریم مخلوق اور حادث ہے۔

جواب:

جواب کا حاصل یہ ہے کہ معتزلہ کا یہ استدلال ہمارے خلاف حجت نہیں بن سکتی، کیونکہ انہوں نے کلام کی جو اوصاف ذکر کئے ہیں اور ان کا حدوث ثابت کیا ہے یہ کلام لفظی کی اوصاف ہیں اور کلام لفظی کے حدوث کے ہم بھی قائل ہیں، ہماری گفتگو تو کلام نفسی میں ہیں، لہٰذا معتزلہ کی یہ استدلال ہمارے خلاف حجت نہیں بن سکتی، البتہ حنابلہ کے خلاف حجت بن سکتی ہے، کیونکہ وہ کلام کو حروف اور اصوات میں سے ماننے کے باوجود قدیم کہتے ہیں۔

معتزلہ کی ایک باطل تاویل:

معتزلہ حضرات اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے کا انکار تو کر نہیں سکتے، اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام سے تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہیں، نیز قرآن میں امر اور نہی کے صیغے بکثرت موجود ہیں، جو کہ کلام کی اقسام میں سے ہیں تو معتزلہ نے اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے میں تاویل کیا اور اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے کا مطلب یہ بیان کیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے حروف اور اصوات کو اپنے محل میں پیدا کیا ہے شجرۂ موسیٰ علیہ السلام یا لسان جبرائیل علیہ السلام یا لسان نبی علیہ السلام یا لوح محفوظ میں حروف اور اصوات کو پیدا کیا ہے یا متکلم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کتاب کے اشکال کو لوح محفوظ میں پیدا کرنے والے ہیں اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تلفظ نہیں کیا، جیسا

کہ مصنفین حضرات کتابیں لکھتے ہیں اور ان کے نقوش پر تلفظ نہیں کرتے، لیکن اس کے باوجود یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں کی کتاب اور تصنیف ہے۔

پھر معتزلہ نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ جبرئیل نے کس کیفیت سے قرآن کو لیا، بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آواز کو پیدا کرتے، جبرئیل علیہ السلام اس کو سن لیتے اور اس کے ساتھ نازل ہوتے اور بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ لوح محفوظ میں کتابت کے نقوش کو پیدا فرماتے جبرئیل ان نقوش کو دیکھ کر لے آتے، بہر حال معتزلہ متکلم کو بمعنی موجد لیتے ہیں۔

جواب:

جس کا حاصل یہ ہے کہ معتزلہ کی یہ تاویل لغت کے قاعدہ کے خلاف ہے، کیونکہ قاعدہ ہے کہ مشتق کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جس کے ساتھ ماخز اشتقاق قائم ہو، مأخذ اشتقاق کے موجد پر مشتق کا اطلاق نہیں ہوتا، جیسے متحرک اس کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ حرکت قائم ہو حرکت کے موجد کو متحرک نہیں کہا جاتا۔ ورنہ اگر موجد پر مشتق کا اطلاق کیا جائے تو جن جن اعراض کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا اتصاف صحیح ہونا چاہیئے مثلاً: اللہ تعالیٰ نے سواد اور بیاض کو پیدا کیا ہے تو پھر تو اللہ تعالیٰ کو اسود اور ابیض کہنا چاہیئے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو اسود اور ابیض نہیں کہا جاسکتا، تو معلوم ہوا کہ متکلم موجد کو نہیں کہا جاتا، بلکہ متکلم اس کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ کلام قائم ہے۔

معتزلہ کا اعتراض:

اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ اے اشاعرہ! تم نے قرآن کی تعریف یہ کی ہے کہ: "ھو اسم لما نقل الینا بین دفتی المصاحف تواترا" اور یہ تعریف قرآن کے لکھے جانے، پڑھے جانے، سنے جانے کو مستلزم ہے اور مکتوب، مقروء، مسموع حادث کی علامات ہیں اس لئے کہ ان کی محلات مصاحف، زبان، کان وغیرہ حادث ہیں، لہٰذا قرآن کریم مخلوق ہو نہ کہ غیر مخلوق۔

جواب:

جواب کا حاصل یہ ہے کہ قرآن بمعنی کلام نفسی کا ان صفات کے ساتھ متصف ہونا براہ راست نہیں ہے، بلکہ دال کے واسطہ سے ہے اور حادث ہونا تب لازم آتا جبکہ یہ مدلول یعنی کلام نفسی کی صفات ہوتے، رہی یہ بات کہ قرآن کریم بمعنی کلام نفسی دال کے واسطہ سے ان صفات کے ساتھ کیسے متصف ہے وہ اس طرح کہ مکتوب فی المصاحف کا مطلب یہ ہے کہ کتابت کی اشکال اور حروف کی وہ صور جو کہ کلام نفسی پر دال ہیں وہ مصحف میں مکتوب ہیں یہ مطلب نہیں ہے کہ کلام نفسی نے مصحف میں حلول کیا ہے، یہاں تک کہ محل (مصحف) کے حادث ہونے سے کلام نفسی کا حادث ہونا لازم آئے، اسی طرح محفوظ فی القلوب کا مطلب یہ ہے کہ وہ الفاظ جو کہ خزانہ خیال میں جمع ہیں اور کلام نفسی پر دال ہیں اور ہمارے دلوں میں حلول کیا ہے نہ یہ کہ خود کلام نفسی خزانہ خیال میں جمع ہے اور محفوظ فی القلوب ہے حتیٰ کہ محل یعنی دل کے حادث ہونے سے کلام نفسی کا حادث ہونا لازم آئے۔

اسی طرح مقروء اور مسموع کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کلام نفسی نے ہماری زبانوں اور کانوں میں حلول کیا ہے، یہاں تک کہ یہ کہا جائے کہ محل یعنی زبان اور کان کے حادث ہونے سے کلام نفسی کا حادث ہونا لازم آجائے، بلکہ کلام نفسی ایک ایسی صفت ہے جو کہ

ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے، اس پر دلالت کرنے والے حروف و الفاظ مکتوب، مقروٴ، مسموع ہیں، خود کلام نفسی مکتوب، مقروٴ، مسموع، محفوظ وغیرہ نہیں ہیں اور دال یعنی کلام لفظی کے مکتوب، مسموع، مقروٴ ہونے سے مدلول یعنی کلام نفسی کا حدوث لازم نہیں آتا۔ لہٰذا قرآن بمعنی کلام نفسی غیر مخلوق اور غیر حادث ہیں۔

مثال:

اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ: "النار جوهر مضيئ محرق" آگ ایسا جوہر ہے جو کہ روشن اور جلانے والا ہے، یہ ایک جملہ ہے جو کہ بولا، لکھا اور سنا جاتا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آگ کی حقیقت اصوات کے قبیل سے ہے بولا، لکھا اور سنا جاتا ہے، ورنہ زبان، کان اور اوراق جل جائیں گے اسی طرح کلام نفسی پر دلالت کرنے والے الفاظ اور حروف سنے، بولے اور لکھے جاتے ہیں، خود کلام نفسی مکتوب، مقروٴ اور مسموع وغیرہ نہیں۔

وضاحت:

جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شیٴ کے مختلف وجود ہو سکتے ہیں، جس کی وجہ سے اس شیٴ پر مختلف احکام لگائے جاتے ہیں اور شیٴ کے چار وجود ہیں:

(۱)	وجود خارجی	(۲)	وجود ذہنی
(۳)	وجود کتابی	(۴)	وجود لفظی

(۱) وجود خارجی:

وجود خارجی وہ ہے جس میں شیٴ خارج اور نفس الامر میں موجود ہوتی ہے، چاہے کوئی مانے یا نہ مانے، کوئی اس کا تصور کرے یا نہ کرے۔

(۲) وجود ذہنی:

وجود ذہنی وہ ہے جس میں شیٴ ذہن میں موجود ہوتی ہے۔

(۳) وجود کتابی:

وجود کتابی وہ ہے کہ جس میں شیٴ کتابت میں موجود ہوتی ہے، اس کو وجود تعبیری بھی کہتے ہیں۔

(۴) وجود لفظی:

وجود لفظی وہ ہے کہ شیٴ کے لئے جو لفظ وضع ہو اس کا تلفظ کیا جائے، یہ تلفظ کا تابع ہوتا ہے۔

وجود کتابی وجود لفظی پر دلالت کرتا ہے اور وجود لفظی وجود ذہنی پر دلالت کرتا ہے اور وجود ذہنی وجود خارجی پر دلالت کرتا ہے، وجود خارجی کے اعتبار سے قرآن سے مراد کلام نفسی ہے اور باقی تین وجود کے اعتبار سے قرآن سے مراد کلام لفظی ہے اور ان کے وجود کی وجہ سے کسی شئی پر مختلف احکام لاگو ہو سکتے ہیں۔

اس تمہید کے بعد جواب کا حاصل یہ ہے کہ جہاں کہیں قرآن کے لئے ایسی صفات ثابت کی جائیں جو کہ قدیم کے لوازمات میں سے ہیں، جیسا کہ "القرآن غیر مخلوق" اس وقت قرآن کا وجود خارجی مراد ہوگا اور قرآن کا وجود خارجی کلام نفسی ہے اور جس وقت قرآن کو ایسی صفات کے ساتھ متصف کیا جائے جو کہ مخلوق اور حادث کے لوازمات میں سے ہیں، تو اس وقت قرآن سے کلام لفظی مراد ہوگا، اور قرآن کے وجود سے یا وجود لفظی مراد ہوگا جیسے قرأت نصف قرآن اب یہاں وہ الفاظ مراد ہیں جن کو ہم بولتے اور سنتے ہیں۔ یا وجود ذہنی مراد ہوگا، جیسے "حفظت القرآن" یہاں قرآن سے مراد وہ الفاظ ہیں جو کہ خزانۂ خیال میں جمع ہیں یا وجود کتابی مراد ہوگا جیسے کہا جائے کہ بے وضو آدمی کے لئے قرآن کا چھونا حرام ہے، قرآن سے مراد اس کے نقوش ہیں۔ لہٰذا مکتوب، مقروء، مسموع، محفوظ یہ اوصاف کلام لفظی کے ہیں، جس کو ہم حادث مانتے ہیں، مکتوب ہونا وجود کتابی کے اعتبار سے ہے، مقروء اور مسموع ہونا وجود لفظی کے اعتبار سے اور محفوظ ہونا وجود ذہنی کے اعتبار سے ہے اور یہ اوصاف کلام نفسی کے نہیں ہیں، جس کو ہم قدیم مانتے ہیں۔

اعتراض:

اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ جب قرآن کا اطلاق کلام لفظی اور کلام نفسی دونوں پر ہوتا ہے تو اصولیین نے قرآن مجید کی ایسی تعریف کیوں کی جو کہ صرف کلام لفظی پر صادق آتی ہے، علماء اصول نے قرآن کی یہ تعریف کی ہے، "المنزل علی الرسول المکتوب فی المصاحف المنقول عنہ نقلا متواترا" یہ تعریف صرف کلام لفظی پر صادق آتی ہے کلام نفسی پر صادق نہیں آتی، ان کو چاہیئے تھا کہ ایسی تعریف کرتے جو کہ دونوں کو شامل ہوتی۔

جواب:

جواب کا حاصل یہ ہے کہ علماء علم اصول کے نزدیک قرآن الفاظ اور معانی دونوں سے عبارت ہے لیکن چونکہ علم اصول فقہ میں احکام شرعیہ پر دلیل قائم کرنا مقصود ہوتا ہے اور دلیل بننے کی صلاحیت الفاظ میں ہوتی ہے نہ کہ معنی میں، کیونکہ معنی ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم اور قدیم ہے، اس وجہ سے اصولیین نے ایسی تعریف کی جو کہ صرف کلام لفظی کو شامل ہے۔

کلام نفسی کا سننا ممکن ہے یا نہیں؟

شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک کلام نفسی کا سننا ممکن ہے:

پہلی دلیل: ان کی پہلی دلیل یہ آیت ہے: وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ (توبۃ ٦)

دوسری دلیل: دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تھا۔

اور ابو اسحٰق اسفرائینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور شیخ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک کلام اللہ کا سننا نا ممکن ہے۔

پہلی دلیل کا جواب:

ان دونوں حضرات نے پہلی دلیل کا یہ جواب دیا ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ الفاظ سنے جو کہ کلام نفسی پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے: "سمعت علم فان" اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ میں نے وہ الفاظ سنے جو کہ فلاں کے علم پر دلالت کرتے ہیں۔

دوسری دلیل کا جواب:

دوسری دلیل کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ الفاظ سنے تھے جو کہ کلام نفسی پر دلالت کرتے ہیں۔

اعتراض:

پھر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ کلام لفظی کو تو ہم سنتے ہیں، پھر کلیم کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخصوص کرنے کی کیا وجہ؟

جواب: جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرشتہ اور کتاب کے واسطہ کے بغیر کلام اللہ سنا تھا، اور ہم نے کتاب کے واسطہ سے سنا ہے اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام نے فرشتہ کے ذریعے سنا ہے، اس وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ کے ساتھ خاص کیئے گئے۔

(شرح العقائد مع الشرح)

(۸) صفت تکوین

تکوین ایک صفت ہے اور اس کے مختلف نام اور تعبیرات ہیں، اس کو فعل، تخلیق، ایجاد، اختراع وغیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

تکوین کا معنی:

جس کا حاصل یہ ہے کہ شئ معدوم کو عدم سے وجود کی طرف لانے کا نام تکوین ہے۔

تکوین صفت باری تعالیٰ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عقل اور نقل کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم کا خالق اور مکون ہے اور قاعدہ ہے کہ مشتق کا اطلاق اس پر کیا جاتا ہے جس کے ساتھ ماخذ اشتقاق قائم ہو، تو جب اللہ تعالیٰ مکون اور خالق ہیں تو لا محالہ تکوین مذکورہ بالا قاعدہ کی وجہ سے اس کے ساتھ قائم ہو گی۔

تخلیق یعنی کسی شئ کو پیدا کرنا، ترزیق یعنی جانداروں کو رزق دینا، تصویر یعنی جاندار وغیرہ کو صورت دینا، سبزہ اگانا، زندہ کرنا اور موت دینا یہ سب صفت تکوین ہی کے تحت داخل ہیں۔

(اسلامی عقائد، ص ۳۳)

قال اللہ تعالیٰ: إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (یٰس ۸۲)

اس کا کام تو یہی ہے کہ جب کسی چیز کو چاہے تو اس سے فرمائے ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ (فاطر ۳)

کیا اللہ کے سوا اور بھی کوئی خالق کہ آسمان اور زمین سے تمہیں روزی دے۔

قال اللہ تعالیٰ: هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ (الحشر ۲۴)

وہی ہے اللہ بنانے والا پیدا کرنے والا ہر ایک کو صورت دینے والا۔

و التکوین و الخلق و التخلیق و الایجاد و الاحداث و الاختراع و نحو ذلک صفة اللہ تعالیٰ لاطباق العقل و النقل علی انه خالق للعالم مکون له۔

(شرح العقائد، ص ۶۴)

صفت تکوین ازلی ہے:

امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک یہ صفت بھی قدیم اور ازلی ہے یعنی ہمیشہ ہمیشہ سے ہے اور سا کا فائدہ یہ ہے کہ جب کسی بھی شئ کے وجود کا وقت (جو کہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں ہے) آجاتا ہے تو اس صفت کے تحت اللہ تعالیٰ اس شئ کو عدم سے وجود میں لے آتے ہیں۔

امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صفت تکوین کو علیحدہ سے مستقل صفت نہیں مانتے بلکہ تکوین کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت ہی کے ساتھ متعلق مانتے ہیں۔

دلیل نمبر ۱:

دلیل کا حاصل یہ ہے کہ اگر تکوین ازلی نہ ہو بلکہ حادث ہو تو باری تعالیٰ کا محل حوادث ہونا لازم آئے گا اور باری تعالیٰ کا محل حوادث ہونا باطل ہے، لہٰذا تکوین کا حادث ہونا باطل ہے۔

دلیل نمبر ۲:

دلیل کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلام ازلی میں اپنے آپ کو خالق کہا ہے، اب اگر اللہ تعالیٰ کو ازل میں خالق نہ کہا جائے تو یا تو ذات باری تعالیٰ کا کاذب ہونا لازم آئے گا یا مجاز کی طرف عدول لازم آئے گا اور خالق بمعنی "خالق فی المستقبل یا قادر علی الخلق" ہو گا اور ذات باری تعالیٰ کا کاذب ہونا بھی باطل ہے اور عدول الی المجاز بھی باطل ہے، لہٰذا ازل میں باری تعالیٰ خالق اور مکون ہو گا۔

عدول الی المجاز کے بطلان کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہاں حقیقی معنی متعذر نہیں ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر خالق کا معنی مجازاً "قادر علی الخلق" لیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ جتنی اعراض اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں، ان سب کا اطلاق بھی اللہ تعالیٰ پر صحیح ہونا چاہیئے مثلاً: قادر علی السواد کی وجہ سے اسود قادر علی البیاض کی وجہ سے ابیض کا اطلاق بھی اللہ تعالیٰ پر درست ہونا چاہیئے، حالانکہ اعراض کا تعلق ذات باری تعالیٰ پر ناجائز ہے، تو معلوم ہوا کہ خالق بمعنی "قادر علی الخلق" نہیں ہے۔

دلیل نمبر ۳:

دلیل کا حاصل یہ ہے کہ تکوین اگر ازلی نہ ہو بلکہ حادث ہو تو اس کا حدوث دوسری تکوین کی وجہ سے ہو گا یا بغیر تکوین کے ہو گا، دونوں صورتیں باطل ہیں۔ لہٰذا تکوین کا حادث ہونا بھی باطل ہے۔

پہلی صورت میں تو اس لئے باطل ہے کہ اس صورت میں تسلسل لازم آئے گا وہ اس طرح کہ پہلی تکوین کا حدوث دوسری تکوین کی وجہ سے ہو تو دوسری تکوین بوجہ حادث ہونے کے تیسری تکوین کی محتاج ہو گی اور یہی سلسلہ لا الی نہایہ چلتا رہے گا اور یہی تسلسل ہے جو کہ باطل ہے۔

دوسری وجہ پہلی صورت کے بطلان کی یہ ہے کہ اس صورت میں عالم کے وجود کا محال ہونا لازم آئے کیونکہ عالم کا وجود موقوف ہو گا تکوینات غیر متناہی پر اور تکوینات غیر متناہی محال ہیں اور موقوف ہیں اور موقوف علی المحال محال ہوتا ہے، لہٰذا عالم کا وجود محال ہو جائے گا حالانکہ ہم مشاہدہ سے عالم کے وجود کو دیکھتے ہیں۔

دوسری صورت اس لئے باطل ہے کہ اس صورت میں تعطیل صانع لازم آئے گا، کیونکہ جب ایک حادث کا بغیر صانع کے موجود ہونا ممکن ہوا تو تمام کائنات کا بغیر صانع کے موجود ہونا ممکن ہو گا اور تعطیل صانع محال ہے لہٰذا تکوین کا بغیر صانع کے موجود ہونا محال ہے، تو جب دونوں صورتیں باطل ہوئیں تو تکوین کا حادث ہونا بھی باطل ہو گا پس جب تکوین کا حادث ہونا باطل ہے تو لا محالہ تکوین ازلی اور قدیم ہو گا۔

دلیل نمبر ۴:

دلیل کا حاصل یہ ہے کہ اگر تکوین حادث ہے تو یا ذات باری تعالیٰ میں حادث ہو گی یا ذات باری تعالیٰ کے علاوہ میں حادث ہو گی جیسا کہ ابو ھزیل کا مذہب ہے کہ ہر جسم کی تکوین اس جسم کے ساتھ قائم ہوتی ہے اور یہ دونوں شقیں باطل ہیں۔

پہلی صورت اس لئے باطل ہے کہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا محل حوادث ہونا لازم آئے گا اور دوسری صورت اس لئے باطل ہے کہ اس صورت میں شئی کا اپنے نفس کے لئے مکون ہونا لازم آئے گا، تو جب دونوں صورتیں باطل ہوئیں تو تکوین کا حادث ہونا بھی باطل ہو گا، پس جب تکوین کا حادث ہونا بھی باطل ہے تو تکوین لا محالہ ازلی ہو گا۔

فائدہ نمبر ۱:

ہم نے جو چار دلائل ذکر کیئے ہیں ان کا دارومدار اس بات پر ہے کہ تکوین کو مستقل صفت قرار دیا جائے اور ہم ماتریدیہ تکوین کو مستقل صفت مانتے ہیں۔

فائدہ نمبر ۲:

ہمارے مذہب کی تائید اس آیت سے بھی ہو سکتی ہے إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (یٰس ۸۲) طریقہ استدلال یہ ہے کہ اگر تکوین مستقل صفت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتے "اذا اراد شیئا فیکن" حالانکہ اللہ تعالیٰ نے "کُن" کا لفظ ذکر کیا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تکوین مستقل صفت ہے۔

اشاعرہ کا مذہب:

اشاعرہ کہتے ہیں کہ تکوین حادث ہے، دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ تکوین کا تصور بغیر مکون کے نہیں ہو سکتا جس طرح ضرب بغیر مضروب کے موجود نہیں ہو سکتا، تو اگر تکوین قدیم ہو جائے تو اس سے مکونات کا قدیم ہونا لازم آئے گا، حالانکہ مکونات حادث ہیں تو معلوم ہوا کہ تکوین حادث ہیں۔

جواب:

ماتریدیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ تکوین کا تعلق عالم کے ساتھ ہے لیکن تعلق ازل سے نہیں، بلکہ عالم کے موجود ہونے کے وقت ہے پس تکوین ازلی ہے اور مکونات کا تعلق حادث ہے کیونکہ صفت کا قدیم ہونا متعلقات کے قدم کو مستلزم نہیں ہوتا جس طرح علم اور قدرت قدیم ہیں اور اس کے تعلقات یعنی معلومات اور مقدورات حادث ہیں، اسی طرح تکوین قدیم ہے اور مکونات حادث ہیں کیونکہ تعلقات حادث ہوتے ہیں اور صفات قدیم ہوتی ہیں۔

علامہ صابونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ عالم کے وجود میں تین احتمالات ہیں

پہلا احتمال:

یہ ہے کہ وجود عالم کا تعلق ذات باری تعالیٰ اور ان کی صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ نہ ہو۔ یہ صورت باطل کیونکہ اس صورت میں دو قسم کی خرابی لازم آئے گی:

(۱) تعطیل صانع (۲) حوادث کا محدث سے مستغنی ہونا۔

دوسرا احتمال:

یہ ہے کہ عالم کے وجود کا تعلق اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ ہو اور صفت کے قدم کی وجہ سے عالم بھی قدیم ہو، یہ صورت اس لئے باطل ہے کہ عالم تمام اجزاء سمیت حادث ہے۔

تیسرا احتمال:

یہ ہے کہ عالم کے وجود کا تعلق کسی صفت سے ہو اور عالم حادث ہو اور یہی صورت درست ہے، اسی طرح صفت تکوین کے ساتھ مکونات کا تعلق ہے۔ اور تکوین کا قدیم ہونا مکونات کے قدیم ہونے کو مستلزم نہیں ہے لہٰذا صفت قدیم ہوئی اور تکوین کا قدیم ہونا مکونات کے قدم کو مستلزم نہ ہوا۔

تکوین عین مکون نہیں ہے:

اشاعرہ حضرات نے جب دیکھا کہ مخلوق پر خلق کا اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ (لقمان ۱۱) یا جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ: "اجتمع خلق عظیم" یہاں خلق بمعنی مخلوق ہے، تو انہوں نے کہا کہ تکوین عین مکون ہے اور امر اضافی ہے۔

ماتریدیہ فرماتے ہیں کہ تکوین عین مکون نہیں ہے۔

دلیل نمبر ۱:

دلیل کا حاصل یہ ہے کہ تکوین عین مکون نہیں ہے کیونکہ تکوین فعل ہے اور مکون مفعول ہے اور فعل اور مفعول کے درمیان مغایرت ہوتی ہے جیسا کہ ضرب اور مضروب اکل اور ماکول کے درمیان مغایرت ہے اسی طرح تکوین اور مکون کے درمیان مغایرت ہے۔

دلیل نمبر ۲:

اگر تکوین عین مکون ہو جائے تو مکون کا بذات خود موجود ہونا بلا صنع صانع لازم آئے گا، اسی طرح مکون کا قدیم ہونا اور مستغنی عن الصانع ہونا لازم آئے گا اور مکون کا بذات خود پیدا ہونا، قدیم ہونا، مستغنی عن الصانع ہونا باطل ہے۔ لہٰذا تکوین کا عین مکون ہونا باطل ہے، حالانکہ مکون یعنی عالم حادث ہے اور صانع کا محتاج ہے۔ رہی یہ بات کہ مکون کا بذات خود پیدا ہونا، قدیم ہونا، مستغنی عن الصانع ہونا کیسے لازم آئے گا؟ وہ اسی طرح کہ جب تکوین عین مکون ہے تو مکون اس تکوین سے پیدا ہو گا جو اس کا عین ہے اور جب مکون عین اس تکوین سے پیدا ہو جو اس کا عین ہے تو ظاہر ہے کہ مکون کا وجود لذاتہ ہو گا اور جا کا وجود لذاتہ ہوتا ہے وہ قدیم اور مستغنی عن الصانع ہوتا ہے اور مکون کا بذات خود پیدا ہونا، قدیم ہونا، مستغنی عن الصانع ہونا باطل ہے لہٰذا تکوین کا عین مکون ہونا بھی باطل ہے۔

دلیل نمبر ۳:

دلیل کا حاصل یہ ہے کہ اگر تکوین عین مکون ہو جائے تو ذات باری تعالیٰ کا خالق للعالم اور صانع ہونا جائز نہ ہو گا اور خالق کا عالم کے ساتھ صرف یہ تعلق ہو کہ خالق عالم سے مقدم اور عالم پر اس کی قدرت ہے، لیکن اس میں مؤثر نہیں ہے، کیونکہ تکوین جب عین مکون ہوا تو ہر مکون اس تکوین سے پیدا ہو گا جو کہ اس کے ساتھ قائم ہے، تو لا محالہ ہر مکون بذات خود موجود ہو گا صانع مؤثر نہ ہو گا اور ذات باری تعالیٰ کا خالق اور صانع نہ ہونا باطل ہے لہٰذا تکوین کا عین مکون ہونا بھی باطل ہے۔

دلیل نمبر ۴:

دلیل کا حاصل یہ ہے کہ اگر تکوین عین مکون ہو جائے تو باری تعالیٰ کو مکون الاشیاء ہونا درست نہ ہو گا، کیونکہ مکون اس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ تکوین قائم ہو، تو جب تکوین عین مکون ہوا تو تکوین ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم نہ ہو گا، لہٰذا اللہ تعالیٰ کا مکون ہونا درست نہ ہو گا، حالانکہ باری تعالیٰ مکون الاشیاء ہیں تو جب باری تعالیٰ مکون الاشیاء تو تکوین کا عین مکون ہونا باطل ہو گا۔

دلیل نمبر ۵:

دلیل کا حاصل یہ ہے کہ اگر تکوین کو عین مکون مان لیا جائے تو یہ کہنا صحیح ہو گا: "خالق سواس ھذا الجسم اسود" یعنی اس جسم کے سواد کا خالق اسود ہے۔ اور یہ کہنا اس لئے صحیح ہو گا کہ خلق تکوین ہے اور سواد مکون ہے تو جب تکوین اور مکون ایک ہے تو خلق اور سواد بھی ایک ہوں گے اور ان دونوں کا محل بھی ایک ہو گا، لہٰذا جس کے ساتھ سواد قائم ہو گا اس کے ساتھ تکوین اور خلق قائم ہو گا، کیونکہ دونوں کا محل ایک ہے اور سواد اسود کے ساتھ قائم ہے تو خلق بھی اسود کے ساتھ قائم ہو گا، تو جب خلق اسود کے ساتھ قائم ہو گا تو اسود

کو خالق کہنا صحیح ہو گا، کیونکہ جس کے ساتھ خلق اور تکوین قائم ہو تا ہے اسے خالق اور مکون کہا جاتا ہے، حالانکہ اسود کو خالق کہنا درست نہیں ہے، پس معلوم ہوا کہ تکوین عین مکون نہیں ہے۔

اسی طرح اگر تکوین عین مکون ہو جائے تو یہ کہنا صحیح ہو گا کہ اس پتھر کے سواد کا خالق پتھر ہے، کیونکہ خلق تکوین ہے اور سواد مکون ہے تو جب تکوین اور مکون ایک ہے تو خلق اور سواد بھی ایک ہونگے اور دونوں کا محل بھی ایک ہو گا تو جس کے ساتھ سواد قائم ہو گا اس کے ساتھ خلق قائم ہو گا کیونکہ دونوں کا محل ایک ہے اور سواد حجر کے ساتھ قائم ہے تو خلق بھی حجر کے ساتھ قائم ہو گا تو جب خلق اور تکوین حجر کے ساتھ قائم ہو گا تو حجر کو خالق کہہ کر یوں کہنا درست ہونا چاہیئے: "**خالق سواد هذا الحجر حجر**" حالانکہ یہ کہنا درست نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ تکوین عین مکون نہیں ہے۔

اعتراض:

اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ تکوین اور مکون کے درمیان مغایرت ایک بدیہی امر ہے اور بدیہی چیز پر استدلال قائم نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا مذکورہ دلائل کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی؟

جواب:

یہ دلائل نہیں ہیں بلکہ یہ فعل اور مفعول کے درمیان مغایرت پر تنبیہات ہیں، کیونکہ مغایرت کا ہونا بدیہی امر ہے اور بدیہی چیز پر تنبیہات کو پیش کیا جاتا ہے۔

اشاعرہ کے قول کی توجیہ:

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اشاعرہ کے قول کی توجیہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ: اشاعرہ حضرات جو کہتے ہیں کہ تکوین عین مکون ہے اس سے اشاعرہ کی مراد یہ نہیں کہ تکوین اور مکون کا مفہوم ایک ہے، بلکہ اشاعرہ کی مراد یہ ہے کہ جب فاعل کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو خارج میں فاعل اور مفعول کے علاوہ کوئی اور شئ نہیں ہوتی ہے۔ رہا فعل اس کا حقیقتاً خارج میں وجود نہیں ہوتا، وہ ایک امر اضافی اور نسبت ہے جو کہ فاعل اور مفعول دونوں کے تعلق سے پیدا ہوتا ہے مثلاً ضرب کو لیجیئے کہ خارج میں ضارب اور مضروب کا تحقق ہوتا ہے اور ضرب ایک امر اضافی ہے، جو کہ ضارب اور مضروب کے تعلق سے پیدا ہوتا ہے، حقیقتاً اس وجود نہیں ہوتا ہے، اسی طرح تکوین بھی ایک امر اضافی ہے جس کا خارج میں حقیقتاً کوئی تحقق نہیں ہوتا بلکہ مکوِن اور مکوَن دونوں کے تعلق سے پیدا ہوتا ہے۔ تو اشاعرہ نے جو کہا ہے کہ "تکوین عین مکون ہے" اس سے اشاعرہ کی مراد یہ نہیں ہے کہ دونوں کا مفہوم ایک ہے یعنی عینیت سے اتحاد فی المفہوم مراد نہیں لیا ہے ورنہ وہ محالات لازم آئیں گے جو کہ ماتریدیہ نے ذکر کئے ہیں بلکہ اشاعرہ کی مراد یہ ہے کہ ایسی بات نہیں ہے کہ خارج میں تکوین کا الگ تحقق ہے اور مکون کا الگ تحقق ہے بلکہ خارج میں جو تحقق تکوین کا ہے ان دونوں کے درمیان وجود خارجی کے اعتبار سے اتحاد ہے مفہوم کے اعتبار سے اتحاد نہیں ہے۔

اس توجیہ کی توضیح بالنظیر والمثال:

جس کا حاصل یہ ہے کہ مناطقہ حضرات کہتے ہیں کہ ماہیت اور وجود ماہیت کے درمیان خارج میں عینیت ہے تو اس سے مناطقہ کی مراد یہ نہیں کہ ماہیت اور وجود کا مفہوم ایک ہے، کیونکہ مفہوم دونوں کا الگ الگ ہے، ماہیت "مابه الشئی هو هو" کو کہتے ہیں جبکہ شیٔ کا خارج میں موجود ہونا وجود کہلاتا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ خارج میں ماہیت کا الگ تحقق ہوتا ہے اور وجود جو کہ ماہیت کو عارض ہوتا ہے اس کا الگ تحقق ہوتا ہے، جیسا کہ قابل "جسم" اور مقبول "سواد" کا الگ الگ تحقق ہوتا ہے، پھر یہ دونوں ایک ساتھ جمع ہو جاتے ہیں۔ وجود اور ماہیت اس طرح نہیں کہ ماہیت کا الگ تحقق ہو اور وجود کا الگ تحقق ہو، پھر ان دونوں کا اجتماع ہو گیا ہو، بلکہ مناطقہ کی مراد یہ ہے کہ خارج میں جب ماہیت موجود ہوتی ہے تو اس کا موجود ہونا ہی وجود اور حصول ہو گا، وجود کا الگ تحقق نہیں ہوتا، خارج میں ماہیت اور وجود کے درمیان مغایرت نہیں ہے، البتہ ذہن میں ماہیت اور وجود کے درمیان مغایرت ہو سکتی ہے، یعنی یہ ہو سکتا ہے کہ ذہن ایک کا تصور دوسرے کے بغیر کرے، اس طرح تکوین اور مکون میں وجود ذہنی کے اعتبار سے مغایرت ہو سکتی ہے، کہ ذہن ایک کا تصور دوسرے کے بغیر کرے، لیکن وجود خارجی کے اعتبار اور عینیت ہے۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اشاعرہ کی تائید میں فرماتے ہیں کہ:

جب اشاعرہ کی مراد اس قول سے کہ "تکوین عین مکون ہے" یہ ہے کہ خارج میں تکوین اور مکون ایک ہی چیز ہیں، اور تکوین امر اضافی ہے خارج میں مکون کے علاوہ تکوین کا الگ وجود نہیں ہے، تو مذکورہ دلائل سے اس مذہب اور رائے کا ابطال اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک یہ بات ثابت نہ کی جائے کہ اللہ تعالیٰ سے اشیاء کا صدور ایسی صفت پر موقوف ہے جو کہ ارادہ اور قدرت کے علاوہ ہے، حالانکہ یہ ناممکن ہے، کیونکہ اشیاء کا صدور ارادہ اور قدرت کی وجہ سے ہے تکوین کی وجہ سے نہیں، رہی یہ بات کہ اس صورت میں اس رائے کا ابطال کیوں نہ ہو گا۔

جواب:

تو اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ دلائل مکون اور تکوین کے درمیان مفہوم کے اعتبار سے مغایرت ثابت ہونے پر دلالت کرتی ہیں، حالانکہ اشاعرہ بھی مفہوم کے اعتبار سے مغایرت کے قائل ہیں، اشاعرہ حضرات جو مغایرت ثابت کرتے ہیں وہ وجود خارجی کے اعتبار سے ہے، البتہ اگر تکوین کا صفت حقیقی ہونا ثابت ہو جائے تو تکوین اور مکون کے درمیان خارج میں مغایرت ثابت ہو گی اور تکوین ازلی ہو گی۔

علامہ تفتازنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی توجیہ کا جواب:

علامہ تفتازنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مذکورہ توجیہ کا جواب ماتریدیہ نے یہ دیا ہے کہ جب تکوین کو امر اضافی قرار دیا ہے اور مکِون اور مکون کے درمیان جو نسبت ہے اس کو تکوین کہا جاتا ہے تو اس طرح دیگر صفات مثلاً علم وغیرہ کو امر اضافی کہا جائے، کیونکہ خارج میں عالم اور معلوم کے علاوہ کوئی چیز موجود نہیں تو علم بھی عالم اور معلوم کے درمیان ایک نسبت ہے لہٰذا علم اور دیگر صفات کو بھی امر اضافی کہا جائے، حالانکہ آپ حضرات علم وغیرہ کو صفات حقیقیہ مانتے ہیں تو جب ان صفات کو صفات حقیقیہ مانتے ہیں تو لا محالہ تکوین کو حقیقی صفت ماننا پڑے گا اگر نہیں مانیں گے تو تحکم ہو گا۔

(شرح العقائد الشرح)

اشیاء کے وجود کا تعلق کیا کلمہ کُن کے ساتھ ہے

قرآن پاک میں ہے:

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (یسٓ ۸۲)

اس کا کام تو یہی ہے کہ جب کسی چیز کو چاہے تو اس سے فرمائے ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

(۱) امام اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اشیاء کے وجود کا تعلق اللہ تعالیٰ کے کلام ازلی کے ساتھ ہوتا ہے اور کلمہ کُن اس کلام ازلی پر دلالت کرتا ہے۔

(۲) امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اس کلمہ سے مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت سے وہ شئ بلا کسی تاخیر کے وجود میں آجاتی ہے۔ غرض محض اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت کا اظہار ہے خاص یہ کلمہ کہنا مراد نہیں ہے۔

(۳) امام فخر الاسلام بزدوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اشیاء کا وجود تکوین و ایجاد اور کلمہ کن کے ساتھ خطاب دونوں سے ہی ہوتا ہے۔

(اسلامی عقائد از مفتی عبد الواحد، ص ۳۳)

(مفصل و مدلل عقائد اہلسنت والجماعت)

و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب و الحق۔

۱۶)نیت مراقبہ اصل اخفیٰ:

سالک اپنے لطیفہ ء اخفیٰ کو آں سرور عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے لطیفہ ء اخفیٰ کے مقابل تصور کر کے زبان حال سے بارگاہ الٰہی میں التجاء کرے اور نیت کرے کہ الٰہی اخفائے من بمقابل اخفائے نبی علیہ السّلام ، آں فیض تجلّائی شان جامع خود کہ بہ اخفائے نبی علیہ السّلام رسانیدہ بہ اخفائے من نیز برسانی بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ توقف۔۔۔۔روز

اس لطیفہ کی فناء یہ ہے کہ سالک کو اخلاق حق سبحانہ و تعالیٰ اور اخلاق نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تخلق و اتصاف اور آراستگی حاصل ہو جاتی ہے، اور یہی اثرات آئندہ مقامات میں پختہ ہوتے رہتے ہیں۔ اس مقام میں حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پوری طرح اتباع کرنا مفید ہوتا ہے۔

صفات، شیونات اور ذات سب کے مجموعہ کو شان جامع کہتے ہیں اور یہ تجلی نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اللہ رب العزت نے عطا فرمائی۔ چنانچہ اس سبق کے ملنے پر جن کا یہ لطیفہ زیادہ نمایاں ہوتا ہے پھر اس سے فیض ان کو آتا ہے، جن کے اندر محبوبیت آجاتی ہے۔ لطیفہ ٔسر غالب تھا تو وہ مرید تھے اور لطیفہ ٔاخفیٰ غالب آگیا تو مراد بن گئے، ان کے اندر محبوبیت آگئی، ایسے اخلاق عظیم آجاتے ہیں کہ انسان وَإِنَّکَ لَعَلَی خُلُقٍ عَظِیمٍ (القلم ۴) "بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں" کا نمونہ بن جاتا ہے، تصوف کا جو مقصود ہے کہ اخلاق ذمیمہ ختم ہوں اور حمیدہ آجائیں، اس سبق پہ آکر اخلاق حمیدہ کامل طور پر حاصل ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ حضرت مجددالف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایاہے کہ اس سبق پر پہنچنے تک بندے کے مقامات عشرۂ سلوک طے ہو جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جو لطیفۂ اخفیٰ تک پہنچ جاتا ہے تو توبہ، انابت، زہد، ریاضت وغیرہ سارے مقامات عشرہ طے ہو جاتے ہیں اور اس بندے کے اندر محبوبیت آ جاتی ہے، اس بندے کے اندر حمیت کی صفت غالب آ جاتی ہے، رحیم و کریم طبیعت ہو جاتی ہے، عفوو در گزر والی طبیعت نصیب ہو جاتی ہے۔ سبحان اللہ!

چنانچہ حدیث پاک میں ہے:

الراحمون یرحمهم الرحمن ارحموا من في الارض یرحمکم من في السماء[43]

تو رحمۃ اللعالمین ﷺ کے صدقے ان کی اتباع کے کمال کی وجہ سے پھر بندے کو اس میں سے حصہ نصیب ہو جاتا ہے، پھر دل میں امت کا غم پیدا ہو جاتا ہے، مخلوق کا غم آ جاتا ہے۔ تو یہ پانچ سبق مراقبات مشاربات کہلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ یہ صفات ہمیں بھی عطا فرمائیں، آمین

لطائف کی اپنے اصل کی طرف سیر

تصوف کے اسباق کو کچھ دائروں میں تقسیم کیا گیا ہے، پہلے دائرے کو "دائرہ امکان" کہتے ہیں، دائرہ امکان کے درمیان میں عرش آتا ہے۔ آدھا دائرہ عرش سے نیچے ہے اور آدھا عرش کے اوپر ہے، عرش کے نیچے عالم امر کے لطائف ہیں یعنی قلب، روح، سر خفی، اخفیٰ اصل نہیں ہیں بلکہ سایہ ہے، ان کی اصل عرش سے اوپر ہے۔ جب لطیفہ کی سیر ہوتی ہے تو روح لطیفہ اندر سے نکل کر اپنے اصل کی طرف جاتی ہے۔ کل شئی یرجع الیٰ أصله، تو اس کو "سیر الی اللہ" کہتے ہیں۔

مکتوبات معصومیہ دفتر دوم مکتوب ۸۵ میں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ہر لطیفہ کی فنا اس لطیفہ کے اپنے اصل تک پہنچنے سے وابستہ ہے اور چونکہ روح کی اصل صفات بلکہ ظلال صفات کے مقام سے ہے کیونکہ عالم امر کے پانچوں لطائف کے اصول، اسماء و صفات کے ظلال کے دائرہ میں داخل ہیں کہ ان میں سیر واقع ہونا ولایت صغریٰ ہے جو کہ اولیاء اللہ کی ولایت ہے، میں فنائے روح صفات کے ظلال تک وصول سے عبارت ہے، جیسا کہ قلب کی اصل افعال واجب تعالیٰ کے مقام سے ہے اور اس کی فنا اس کے اس مقام تک وصول سے وابستہ ہے۔ سالک کو جب مشارب میں فنا حاصل ہو جاتی ہے (لطیفۂ قلب کو تجلیات افعال، لطیفۂ روح کو صفات ثبوتیہ، لطیفۂ سر کو شیونات ذاتیہ، لطیفۂ خفی کو صفات سلبیہ اور لطیفۂ اخفیٰ کو شان جامع میں فنا) گویا اس کو دائرۂ ولایت صغریٰ میں فنا حاصل ہو جاتی ہے۔

تنبیہ: ان پانچوں مراقبات مشارب میں ہر مراقبہ کی نیت کر کے جب اس لطیفے کے فیض کے انتظار میں بیٹھے تو ہر اس لطیفے کو جس میں مراقبہ کر رہا ہے آنحضرت ﷺ تک اپنے سلسلے کے تمام بزرگوں کے اس لطیفے کے سامنے اس شیشہ کی مانند، جو آپس میں ایک دوسرے کے سامنے ہوں فرض کر کے خیال کرے کہ اس لطیفے کا خیالی فیض جناب باری تعالیٰ سے آں سرور عالم ﷺ کے اس لطیفے میں آ رہا ہے، پھر سلسلہ کے تمام بزرگوں کے اس لطیفہ کے آئینوں سے منعکس ہو کر میرے اس لطیفہ میں آ رہا ہے۔

---

[43] سنن الترمذي، ج ۳، ص ۲۱۷

حدیث قدسی: أنا عند ظن عبدی بی۔

ترجمہ: میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے گمان کے موافق ہوں۔

کے بموجب اپنے مقصد میں کامیاب ہو گا۔

وَمَا ذَٰلِکَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ (ابراهيم ۲۰)

نیز جاننا چاہیئے کہ عالم امر کے ان پانچوں لطائف کی فنا حاصل ہونے کے بعد دائرہ امکان کی سیر ختم ہو جاتی ہے، اس سیر میں جمعیت، حضور، جذب لطائف بسوئے اصول خود اور حالات و واردات (جو فوق سے سالک پر وارد ہوتے ہیں اور سالک ان کو برداشت کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے) کا حاصل ہونا ضروری ہے۔

لطائف کی فنا کی مختلف علامات

حضرت شاہ احمد سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مکتوب ۵ میں لکھا ہے کہ فنائے قلب کی علامت دل سے ماسویٰ کا بھول جانا ہے حتیٰ کہ اگر تکلیف سے بھی یاد کرے تو یاد نہ آئے۔ یعنی لطیفۂ قلب کو جب تجلیات افعالیہ میں فنا حاصل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی یاد میں اتنا مستغرق ہو جاتا ہے کہ گناہوں کی طرف دھیان بھی کرنا چاہے تو طبیعت ادھر متوجہ ہی نہیں ہوتی، اس طرف سوچ ہی نہیں جاتی۔ سالک کے ذہن سے ماسویٰ اللہ تعالیٰ کے نقش ایسے مٹ جاتے ہیں جیسے کہ بعض گناہ آپ چھوڑ چکے ہوں، اب آپ یاد بھی کرنا چاہیں تو آپ کو وہ بچپن، لڑکپن اور جوانی کے گناہ یاد نہیں آئیں گے، اسی طرح ماسویٰ کی یاد دل سے مٹ جاتی ہے، طبیعت اس طرف متوجہ ہی نہیں ہوتی، اتنا اللہ، اللہ، اللہ کا غلبہ ہو جاتا ہے، فرماتے ہیں کہ اس حالت میں نہ ہی دنیا کی خوشی سے خوش ہو اور نہ ہی کسی غم سے غمگین ہو۔ فنائے روح کی علامت یہ ہے کہ تجلّیٔ صفاتی کا ظہور ہو یعنی سالک کی صفات معدوم ہو جائیں اور اس کی جگہ صفات حق ظاہر ہو جائیں۔ یعنی سالک کو اس سبق میں تخلقوا بأخلاق اللہ تعالیٰ والا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ حدیث قدسی میں ہے:

وما يزال عبدي يتقرب إلي بالنوافل حتى أحبه فإذا أحببته كنت سمعه الذي يسمع به وبصره الذي يبصر به ويده التي يبطش بها ورجله التي يمشي بها وإن سألني لأعطينه۔[44]

یعنی "بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کر لیتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، پس جب میں اس کو محبوب بنالوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے تو میں اسے عطا کرتا ہوں"۔

فنائے سر کی علامت یہ ہے کہ سالک کی ذات، حق جل جلالہ کی ذات میں مستہلک یعنی فنا ہو جاتی ہے۔ اپنے آپ سے الگ ہو کر، من و تو سے گزر کر خدا رہ جاتا ہے یعنی سالک فنا تک پہنچ جاتا ہے اور اپنے آپ کو گم پاتا ہے پس اللہ ہی اللہ رہ جاتا ہے، چنانچہ اس کیفیت کے متعلق کسی نے

یوں فرمایا ہے:

---

[44] صحيح البخاري، ج۵، ص ۲۳۸۴۔ الناشر: دار ابن كثير، اليمامة - بيروت

جو "لا" کہا، وہ "لا" ہوا، وہ "لا" بھی اس میں "لا" ہوا

جزء "لا" ہوا، کل "لا" ہوا، پھر کیا ہوا، اللہ ہوا!

مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دفتر دوم مکتوب ۳ میں فرماتے ہیں کہ جو کچھ آفاق و انفس کے آئینوں میں ظاہر ہوتا ہے وہ ظلیت کے داغ سے داغ دار رہے، یہ اللہ کی تجلی نہیں ہے، یہ تجلی سے بھی نیچے کی چیز ہے، تجلی تو بہت اونچی چیز ہوتی ہے چنانچہ مراقبۂ احدیت سے پہلے جو سیر ہوتی ہے وہ اعتبارات میں ہوتی ہے۔ مشارب میں جو سیر ہوتی ہے وہ ظل میں سیر ہوتی ہے، یہ سیر سب ظلال میں ہے پھر جب مراقبۂ معیت کر کے اوپر جاتے ہیں تو پھر اسماء وصفات میں سیر ہوتی ہے۔ ابھی تو منزل بہت دور ہے جو لطائف کے اسباق والے ہیں، ابھی تو وہ اعتبارات میں ہیں جو ظلال سے بھی نیچے کا درجہ ہے جس میں وہ پھر رہے ہیں۔ اللہ اکبر کبیراً!
کہاں سب سے اوپر تجلیٔ ذات، پھر شیونات، پھر صفات پھر ان کے اسماء، پھر ان کے افعال، پھر ان کے نیچے یہ اعتبارات، ابھی تو ہم اعتبارات میں سیر کر رہے ہیں، اسماء وصفات تو بہت اونچا مقام ہے، اسماء وصفات کی سیر تو انبیاء کو حاصل ہوئی اور اس کا نام ولایت کبریٰ رکھا گیا۔

مکتوبات معصومیہ دفتر دوم مکتوب ۸۵ میں تحریر ہے کہ اس دائرۂ ظلال سے گزر جانے کے بعد (یعنی سولہویں سبق کو مکمل کرنے کے بعد) اسماء وصفات اور شیون و تنزیہات کا دائرہ ہے کہ اس میں سیر (واقع ہونا) ولایت کبریٰ ہے جو کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ولایت ہے۔ اولیاء اللہ کو جو ولایت ملتی ہے وہ اسماء وصفات کے ظلال میں ملتی ہے۔ ابھی تک ہم ولایت صغریٰ کی باتیں کر رہے ہیں، ہر کسی کی پہنچ ولایت کبریٰ تک نہیں ہوتی۔

کبوتر کتنا اونچا اُڑتا ہے، چند سو میٹر، اس سے اوپر نہیں جا سکتا، مگر شاہین تیس ہزار میٹر یعنی زمین سے تیس کلومیٹر اوپر اڑ سکتا ہے۔ تو کہاں کبوتر کی پرواز اور کہاں شاہین کی۔ چنانچہ اولیاء اللہ کی پرواز کبوتر کی پرواز کی طرح ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی پرواز شاہین کی پرواز کی طرح ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو تو اپنے اسماء وصفات کی سیر کروادی، مگر اپنے محبوب کو جیتے جاگتے عرش پر بلا کر ذات کی سیر کروادی۔

ولایت صغریٰ کا دائرہ ظلال کا دائرہ ہے، ہمارے مشائخ نے جس کو ولایت کبریٰ کہا وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ولایت ہے اور وہ اسماء وصفات میں ہوتی ہے۔ جبکہ اولیاء کرام ظلال کے اندر ہی سیر کرنے والے ہوتے ہیں۔

چنانچہ دفتر دو مکتوب ۳ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: جو کچھ آفاق و انفس کے آئینوں میں ظاہر ہوتا ہے وہ ظلیت کے داغ سے داغ دار ہے، اس لئے وہ نفی کے لائق ہے، تا کہ اصل ثابت ہو جائے اور جب معاملہ آفاق النفس سے گزر جائے، تو ظلیت کی قید سے رہائی ہو جاتی ہے اور فعل وصفت کی تجلی میں آغاز میسر ہو جاتا ہے۔ تو معلوم ہو گیا کہ اس سے قبل جو بھی تجلی ظاہر ہوتی تھی وہ سیر آفاقی و انفسی میں تھی، اگرچہ اس کو تجلی ذات ہی خیال کریں۔ لیکن اس کا تعلق صفت ظلال سے تھا۔ نہ کہ نفس فعل وصفت سے تو پھر ذات تعالیٰ و تقدس تک کس طرح رسائی ممکن ہو، کیونکہ ظلیت کا دائرہ انفس کی نہایت تک منتہی ہو جاتا ہے، لہٰذا جو کچھ آفاق و انفس میں ظاہر ہوتا ہے وہ اس دائرے میں داخل ہے۔ فعل وصفت بھی اگرچہ حقیقت میں حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے ظلال ہیں لیکن اصل کے دائرے میں داخل ہیں اور اس مرتبہ کی ولایت اصلی ولایت ہے بخلاف پہلے مرتبہ کی ولایت کے کہ جس کا

تعلق آفاق وانفس سے ہے کہ وہ ولایت ظلی ہے۔ تو ولایت صغریٰ، ظلی ولایت ہے، اصل ولایت تو وہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عطا فرمائی۔

یہ بات مسلم ہے کہ نبوت نبی قبل از بعثت عطا فرمائی جاتی ہے جیسے کہ حضور اکرم ﷺ کا فرمانا: كنتُ نبيًّا و آدمُ بينِ الروحِ والجسدِ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبوت ہر نبی کو وقت ولادت سے عطا کی جاتی ہے اور حال یہ ہے کہ نبوت بغیر ولایت کے نہیں عطا کی جاسکتی، اس لئے کہ ولایت سے قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے تو ولی کی ولایت کسبی نہیں ہوتی۔

فرماتے ہیں کہ دائرہ ظل کے منتہی حضرت کو تجلیٔ برقی، جو مرتبہ اصل ہے، پیدا ہوتی ہے، حاصل ہے جو ایک ساعت کے لئے آفاق وانفس کی قید سے آزاد کر دیتی ہے۔

مزید فرماتے ہیں کہ جن اولیاء کرام پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہو جائے اور ان کی فنا کامل ہو جائے، ان کو تھوڑی دیر کے لئے تجلیٔ ذات ملتی ہے، مگر وہ تجلیٔ ذاتی برقی ہوتی ہے، برقی کہتے ہیں کہ جیسے بادل گرجتا ہے تو بجلی میں تھوڑی دیر کے لئے ذات کا دیدار ہوتا ہے پھر اس کے بعد پردے حائل ہو جاتے ہیں۔ تو یہ تجلیٔ ذاتی برقی ہوتی ہے۔ لیکن جو انبیاء علیہم السلام کی ولایت ہے وہ چونکہ اسماء وصفات کے اندر سیر ہوتی ہے ظل میں نہیں ہوتی لہٰذا ان کو تجلیٔ ذاتی دائمی نصیب ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ وہ جماعت، جو آفاق وانفس کے دائرے سے گزر چکی اور ظل کے اصل کے ساتھ پیوست ہوگئی ہے، ان کے حق میں یہ تجلی برقی دائمی ہے کیونکہ ان بزرگوں کا مسکن وماویٰ دائرۂ اصل ہے۔

۱۷)نیت مراقبہ معیت

فیض می آید از ذات بیچون کہ ہمراہ است ہمراہ من وبہمراہ جمیع ممکنات بلکہ ہمراہ ہر ذرّہ از ذرّاتِ ممکنات بہمراہی بیچون بمفہوم ایں آیہ کریمہ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ۔ (الحدید ۴) بہ لطائف خمسہ عالم امر من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

توقف۔۔۔۔روز

ترجمہ: فیض ذات بیچون سے پیران کبار رحمۃ اللہ تعالیٰ اجمعین کے ذریعے جو میرے ساتھ اور تمام ممکنات بلکہ ممکنات کے ہر ذرے کے ساتھ ہے۔ آیت کریمہ کے اس مفہوم کے ساتھ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ۔ (الحدید ۴) میرے لطائف خمسہ عالم امر پر آتا ہے۔

مراقبہ معیت کے سبق میں کیفیت یہ ہوتی ہے کہ سالک کو اپنی ذات اور کائنات کے ہر ذرے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت سمجھ میں آجاتی ہے، اللہ تعالیٰ کی معیت ہر ذرے کے ساتھ کیسے؟ اس کو علماء کرام علمی طور پر جانتے ہیں اور مشائخ اس کو ذوقی انداز سے سمجھتے ہیں، دیکھیں کہ مٹی میں تو اس کی استعداد بھی نہیں کہ وہ ہل سکے، وہ تو بے جان چیز ہے، زمین پر پڑی رہتی ہے لیکن جب ہوا آتی ہے تو اس مٹی کو اڑا دیتی ہے، آندھی بنتی ہے اور وہ آندھی اس کو کتنا اونچا لے جاتی ہے، جب ہوا ذرات کو آندھی کی شکل میں لے کر اڑتی ہے تو ہر ذرے کو ہوا کی معیت حاصل ہوتی ہے، اسی طرح اس کائنات کی ہر چیز کو واجب الوجود کی معیت حاصل ہے۔ چنانچہ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تفسیر میں وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ (الحدید ۴) کی تفسیر میں حدیث پاک نقل کی ہے کہ ایک صاحب نے نبی ﷺ سے سوال کیا:

وقال رجل یارسول اللہ ﷺ ماتذکیۃ المرء نفسہ؟

یعنی ایک بندہ جب اپنے نفس کا تزکیہ کرتا ہے تو کب تزکیہ ہو جاتا ہے؟

فقال ﷺ یعلم أن اللہ معہ حیث کان۔[45]

فرمایا: جب بندہ جان لیتا ہے کہ اللہ ہر وقت اس کے ساتھ ہے تب اس کو تزکیہ نصیب ہو جاتا ہے۔

اب جو لوگ کہتے ہیں کہ تصوف عجمی چیز ہے، تو ان کے پاس کیا دلیل ہے؟ یعنی مراقبۂ معیت تک کی کیفیات کا ثبوت تو حدیث پاک میں موجود ہے، سالک کا یہ مرتبہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ ہر وقت یہ محسوس کرے کہ اللہ میرے ساتھ ہے۔ ہمارے مشائخ نے یہ کیفیت اس سبق پر پہنچ کر پائی کہ حدیث مبارکہ کے مطابق اس کیفیت کو پانا کمال ایمان سے ہوا جس کو یہ حاصل نہیں تو وہ بیچارہ اس کے انتظار کا انکار ہی کرے گا۔

اسی آیت کی تفسیر میں ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ:

عن عبادۃ بن الصامت قال قال رسول اللہ ﷺ ان افضل الایمان أن تعلم أن اللہ معک حیث ما کنت۔

"عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ افضل ایمان کی حالت یہ ہے کہ تم جان لو کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے، تم جہاں کہیں بھی ہو"۔

ایک حدیث میں فرمایا کہ یہ تزکیہ نفس کی نشانی ہے، دوسری میں فرمایا کہ افضل ایمان ہے۔

تفسیر ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں اس آیت کی تفسیر میں ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ:

ان الفقیہ العلامۃ سیدی احمد بن مبارک لقی الرجل الصالح السید احمد العقلی، فقال لہ: کیف تعتقد وھو معکم این ما کنتم فقال بالذات۔

"علامہ احمد بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک صالح سید شخص احمد عقلی سے ملے تو ان سے پوچھا کہ **وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ (الحدید ۴)** کے بارے میں آپ کا کیا عقیدہ ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ رب العزت کے ساتھ یہ معیت مجھے بالذات حاصل ہے"۔

فقال لہ اشھد انک من العارفین "تو انہوں نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم عارفین میں سے ہو"۔ تو علماء کو تو علمی طور پر معیت معلوم ہوتی ہے لیکن مشائخ اس معیت کو ذوقی طور پر محسوس کرتے ہیں، ہر وقت جیسے کوئی ساتھ ہوتا ہے۔

تم میرے ساتھ ہوتے ہو گویا　　　　جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا!

"**اربع انہار**" میں شاہ احمد سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مقام **لا الہ الا اللہ** کا زبانی ذکر اس طرح ہو کہ سالک کی توجہ قلب کی طرف اور قلب کی توجہ معنیٰ کی رعایت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو، یہ نہایت مفید بات ہے، اس مراقبہ میں فیض کا منشاء ولایت صغریٰ کا دائرہ ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ دائرہ ولایت صغریٰ دوسرا دائرہ ہے اور اس کو دائرہ ظل اسماء وصفات بھی کہتے ہیں

[45] مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۲۳

اس میں تجلیات افعالیہ الٰہیہ میں سیر حاصل ہوتی ہے، نیز اس مراقبہ میں توحید وجودی، ذوق و شوق، گریہ زاری، ہر وقت ذات حق میں استغراق و محویت، اللہ تعالیٰ کی طرف کامل اور توجہ ماسوا کے خیال کا مٹ جانا حاصل ہوتا ہے اور اسی کو فنائے قلبی کہا جاتا ہے۔

حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "ھدایۃ الطالبین" میں فرماتے ہیں کہ ولایت صغریٰ میں مراقبہ معیت، جو آیت کریمہ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ (الحدید ۴) کا مفہوم کرتے ہیں اور دائرۂ امکان کے سیر کی انتہایوں معلوم ہو سکتی ہے کہ سالک اگر صاحب کشف ہے تو خود اپنے آپ کی، اپنے کشف کے ذریعے شناخت کر لے گا یا اس کا شیخ صاحب کشف کو متنبہ کر دے گا۔

مزید فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معیت کو اپنے آپ اور اپنے تمام لطائف و عناصر بلکہ ممکنات کے ذرات میں سے ہر ذرہ کے ساتھ ملحوظ رکھنا چاہیئے تاکہ اللہ تعالیٰ کا، بے چوں ادراک کے ساتھ ادراک کیا جائے اور جملہ جہات ستہ کا احاطہ کر لے اور جو توجہ و حضور پیدا ہوا تھا اور اپنا منہ نیستی کی جانب پھیر لے۔

پھر اس معیت کے بھی مراتب ہیں جب حضور ﷺ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرما رہے تھے تو غار ثور میں تشریف فرما ہوئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ تھے اور کفار مکہ با ارادۂ قتل دونوں کے تعاقب میں غار میں پہنچے اور غار کے دھانے سے جھانکنے لگے اس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت خاصہ باوجود مرتبۂ صدیقیت ہونے کے اس صورت حال کی تاب نہ لا سکے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہو گا؟ سید المرسلین ﷺ نے فرمایا:

لا تحزن ان اللہ معنا (التوبۃ ۴۰)

ترجمہ: اندیشہ نہ کر، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

تو حضور ﷺ کو جو معیت حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ تھی وہ ایک امتی کو کہاں میسر ہو سکتی ہے۔ اگرچہ صدیقیت، ولایت کا سب سے اعلیٰ مقام ہے۔ مگر رسول اللہ ﷺ کی معیت اور ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ صدیقین کی معیت کا جو انتہائی مقام ہے وہ رسالت کی معیت کا ابتدائی مقام ہے تو معلوم ہوا کہ بحسب مراتب، معیت میں بھی فرق و امتیاز ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ مقام صدیقیت ایک ایسا مقام ہے جس میں شریعت مطہرہ اور علوم و معارف باطنیہ میں ذرہ بھر بھی تضاد یا مخالفت کی مجال نہیں ہوتی اور یہ مقام ولایت کے تمام مقامات سے اونچا ہے چنانچہ آپ رقمطراز ہیں:

"جاننا چاہیئے کہ ولایت، شہادت اور صدیقیت کے مقامات میں سے ہر مقام کے علوم و معارف جُدا جُدا ہیں جو اسی مقام سے مناسبت رکھتے ہیں۔ مرتبۂ ولایت میں علوم زیادہ تر سُکر آمیز ہوتے ہیں کیونکہ اس مرتبے میں سُکر غالب ہے اور صحو (ہوش) مغلوب اور مرتبۂ شہادت میں جو درجات ولایت میں سے دوسرا درجہ ہے سُکر مغلوب ہو جاتا ہے اور صحو غالب آجاتا ہے۔ لیکن سُکر کلیتاً زائل نہیں ہوتا اور درجۂ صدیقیت جو مراتب ولایت میں سے تیسرا مرتبہ ہے اور درجات ولایت کی آخری حد ہے کہ اس کے اوپر ولایت کا کوئی درجہ نہیں ہے بلکہ اس کے اوپر نبوت کا مرتبہ ہے۔ اس درجہ کے علوم سُکر سے بالکل آزاد ہوتے ہیں اور علوم شریعت کے مطابق ہو جاتے ہیں۔ صدیقیت انہی علوم شریعہ کو الہام کے ذریعے سے حاصل کرتا ہے جنہیں کہ نبی کریم ﷺ وحی کے ذریعے سے حاصل فرماتے ہیں۔

- صدیق، صدوق سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا لفظی معنی ہے بہت بڑا سچا۔ عارف باللہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں:

الصدیقون و ھم المبالغون فی الصدق یعنی سچائی میں مبالغے کی حد تک پہنچے ہوئے صدیق کہلاتے ہیں۔

تفسیر مدارک میں ہے: الصادق المستقيم في الأفعال و الصديق المستقيم في الأحوال[46] یعنی صادق وہ ہے جو اعمال میں راست کردار ہو اور صدیق وہ ہے جو اعمال کے ساتھ ساتھ احوال میں بھی راست اور مستقیم ہو۔

صوفیائے کرام کے نزدیک صدیقیت ولایت کبریٰ کا ایک اعلیٰ مرتبہ ہے، جس میں ولایت انبیاء عظام علیہم السلام کا فیض آتا ہے۔ اس مرتبے کے معارف انبیاء کرام علیہم السلام کے معارف کے مشابہ ہوتے ہیں اور اس مقام میں کوئی کشف خلاف شریعت رونما نہیں ہوتا۔ آیت کریمہ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَ الصِّدِّيقِينَ (النساء ٦٩) میں مفسرین کرام نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب سے اعلیٰ ترین مرتبۂ صدیقیت کا وارث قرار دیا ہے۔ اسی طرح آیت مقدسہ وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ (الزمر ٣٣) میں صَدَّقَ بِهِ کا اولین مصداق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی قرار دیا ہے۔ آیت کریمہ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ (الحدید ١٩) کی تفسیر میں الصدیقون کے متعلق یوں تصریح فرمائی گئی ہے۔

قال الضحاک ھم ثمانیۃ نفر من ھذہ الامۃ سبقوا أھل الأرض فی زمانھم إلی الإسلام أبو بکر و علی و زید و عثمان و طلحۃ و الزبیر و سعد و حمزۃ (رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین)[47]

ترجمہ: حضرت ضحاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ وہ اس اُمت کے آٹھ افراد ہیں جو اپنے زمانہ میں تمام اہل زمین سے پہلے اسلام لائے اور یہ ابو بکر صدیق، علی، زید، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد اور حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں۔

و تاسعھم عمر بن الخطاب الحقہ اللہ بھم لما عرف من صدق نیۃ۔[48]

اور ان کے نویں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے صدق نیت کی وجہ سے ان کے ساتھ لاحق فرمادیا۔

اس امت کے تمام صدیقین کے سردار حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور اس پر اجماع امت ہو چکا ہے جس کا منکر ضال و مضل اور بے دین ہے۔

تفسیر کبیر میں ہے:

وَلَا شَکَّ أَنَّ رَأْسَ الصِّدِّيقِينَ وَرَئِيسَهُمْ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ۔[49]

یعنی اس امر میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدیقوں کے سردار اور رئیس ہیں۔

---

[46] مدارک التنزیل وحقائق التأویل، ج ۲، ص ۲۷۱

[47] تفسیر مظھری، ج ۱، ص ۳۸۰۲، ناشر: مکتبۃ رشدیہ

[48] تفسیر مظھری، ج ۱، ص ۳۸۰۲، ناشر: مکتبۃ رشدیہ

[49] مفاتیح الغیب=التفسیر الکبیر، ج ۱، ص ۲۲۱

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صدیق ہونے پر متعدد احادیث شاہد ہیں، مثلاً ایک مرتبہ رسول خدا ﷺ ابو بکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اُحد پہاڑ پر تشریف فرما ہوئے تو پہاڑ ہلنے لگا۔ آپ نے فرمایا **اثبت أحد فإنما عليک نبي و صديق و شهيدان**[50] یعنی اے احد ٹھہر جا، تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہیدوں کے سوا کوئی نہیں۔

مزید برآں یہ حدیث تین طریقوں سے مروی ہے۔ ویلمی نے حضرت ام ہانی سے روایت نقل کی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: **يا أبا بکر إن الله سماک الصديق**[51] یعنی اے ابو بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اللہ تعالیٰ نے تیرا نام صدیق رکھا ہے۔[52]

اثرات: اس مرتبے میں فنائے قلبی حاصل ہوتی ہے اور دائرہ امکان کے باقی اثرات کی تکمیل ہوا کرتی ہے، اس مقام میں تجلیٔ افعال الٰہیہ میں سیر واقع ہوتی ہے، توحید وجودی، ذوق و شوق، آہ و نالہ و استغراق و بے خودی و دوام حضور و نسیان ماسواء جس کو فنائے قلب بھی کہتے ہیں حاصل ہو جاتا ہے۔ اس مقام میں ذکر تہلیل لسانی توجہ قلبی کے ساتھ کرنا بہت فائدہ بخشتا ہے اور توجہ فوق سے ہٹ کر شش جہات کا احاطہ کر لیتی ہے۔ پس جب لوح دل سے ماسویٰ کا خیال مٹ جائے اور توجہ الی اللہ میں اس قدر محویت و استغراق ہو جائے کہ تکلف سے بھی غیر کا خیال پیدا کرنا دشوار ہو جائے اور تمام دنیوی تعلقات کا رشتہ دل سے ٹوٹ جائے تو فنائے قلبی حاصل ہو جاتی ہے جو کہ ولایت کا پہلا قدم ہے اور باقی کمالات کا حاصل ہونا اس پر موقوف ہے۔

فائدہ: حضرات نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا سلوک یہیں تک ہے اس سے آگے کے اسباق بالتفصیل حضرت حق جل مجدہ کی جانب سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو مرحمت ہوئے ہیں جن کی تفصیل آگے درج ہے۔ اس مقام کی تکمیل پر اکثر مشائخ کرام سالک کو طریقہ سکھانے کی اجازت مرحمت فرما دیتے ہیں اور وہ اسی تبلیغ کی ضمن میں باقی سلوک کی تکمیل بھی کرتا رہتا ہے لہٰذا پیر طریقت کو چاہیئے کہ جب تک خود یا وجدان سالک سے اس کے حالات میں تغیر و تبدل، جذب تام اور کمال جمعیت و حضور کو ملاحظہ نہ کرے، ان مقامات کے حاصل ہونے کی نسبت بشارت نہ دے کہ اس سے طریق عالیہ کی بدنامی ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ خدا کی یاد کے سوا سب چیزوں کو بھولنا لطیفۂ قلبی کی فنا ہے اور دوام حضور یعنی اس یاد میں دائمی طور پر ثابت قدم رہنا، کہ کسی وقت بھی غافل نہ ہو، لطیفۂ قلبی کی بقا کہلاتی ہے، اس کو دائرہ ولایت صغریٰ کہتے ہیں اور حصول بقا کے بعد سالک حقیقت میں داخل ہوتا ہے۔

دائرہ امکان میں

دائرہ امکان کے حالات سالک پر ذکر قلبی اور ذکر کثیر میں گزر جاتے ہیں لیکن مجھے اس بات کو بیان کرنا ہے کہ دائرہ امکان اصطلاح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ میں کیا چیز ہے؟ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک مقام کا دائرہ قرار دیا ہے اور یہ دائرہ امکان سب سے پہلا دائرہ ہے اور یہ طرز اور اصطلاح دائرہ خاص آپ کی ہی قرارداد ہے، دائرہ ہر مقام کے واسطے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جیسے دائرہ کا کوئی پہلو کوئی سمت کوئی انتہاء نہیں ہے، اسی طرح قرب حق میں ہر مقام میں کوئی سمت اور کوئی حد

---

[50] صحیح بخاری، ج۳، ص ۱۳۴۴۔ الناشر: دار ابن كثير، اليمامة-بيروت
[51] مسند الفردوس، ج ۲، ص ۴۵
[52] البینات شرح مکتوبات، ص ۱۸۰

نہیں ہے۔ لہٰذا دائرہ کو مقامات سے نہایت مناسبت ہے۔ علاوہ اس کے مسئلہ ہمہ اوست ہمہ از وست کا فیصلہ بھی اسی دائرہ سے ہوتا ہے کیونکہ دائرہ نقطہ سے بنتا ہے، اور خود بخود وجود دائرہ نہیں ہے، لیکن وجود نقطہ اور وجود دائرہ دونوں الگ الگ ہیں نہ دائرہ کو مرکز سے وصل و حلول واتحاد ہے اور نہ مرکز کو دائرہ سے۔ جب باوجود پیدائش دائرہ کو مرکز سے تعلق اور وصل نہیں ہے تو پھر خدا کا تعلق عین یا اتحاد اور وصل کیسے ہو سکتا ہے۔ میں ان شاء اللہ مختصر حالات دوائر کے لکھوں گا اور تقریر علمی اور وجوہات مفصل سے اوراق نہ بھروں گا کیونکہ عام لوگ نہ پڑھنے والے ایسے ہیں نہ سمجھنے والے، میرا مقصد صرف عام لوگوں کو سمجھانے کا ہے اور جو صاحب ذی علم ہیں ان کے واسطے مکتوبات حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سی کتابیں موجود ہیں کہ جن میں ہر اجمال کی تفصیل موجود ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق میں تعلق دائرہ امکان کا دس لطائف سے ہے، پانچ عالم امر کے اور پانچ عالم خلق کے۔ عالم امر کے لطائف قلب روح سر خفی اخفی ہیں اور عالم خلق کے لطائف خاک، آب، ہوا، آتش اور نفس ہیں، عرش سے اوپر اصل ہر لطیفہ عالم امر کی ہے اور عرش سے نیچے ہر لطیفہ عالم خلق کی اصل ہے، جس کا دائرہ اس جگہ لکھا جاتا ہے۔

دائرہ امکان

آگاھی: عالم خلق اس کو کہتے ہیں جو بتدریج وقتاً فوقتاً پیدا ہوئے ہیں، عالم امر لفظ کن کے ساتھ ہی پیدا ہوئے ہیں اگر سالک صاحب کشف ہوتا ہے تو تحت الثریٰ سے لے کر بالائے عرش تک اس کو حالات جنت و دوزخ وغیرہ وغیرہ نظر آتے ہیں لیکن فی زمانہ طلبا اہل کشف بہت کم ہوتے ہیں کیونکہ کشف اکل حلال، صدق مقال، کثرت عبادت، قلبِ طعام اور کمی آرام سے حاصل ہوتا ہے۔
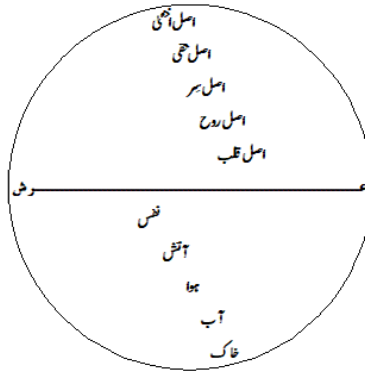
یہ سب باتیں تو کجا، ان میں سے دو ایک پر بھی پوری طور پر عامل نہیں ہوتے، زمانہ ایسے طلباء سے خالی تو نہیں ہے لیکن ہزاروں میں سے پانچ یا دس طالب ایسے نکلتے ہیں کہ جن کو کشف صحیح دیا جاتا ہے۔ کشف بہت سے قسم کا ہے، کشف عیانی، کشف حسی، کشف وجدانی، کشف ادراکی، بعض کو کشف قبور بعض کو کشف قلوب بعض کو صرف خواب اور بعض کو یہ سب عنایت کیا جاتا ہے، کشف عیانی، کشف حسی باقی مکشوفات کے مقابلہ میں قوی ہیں اور یہ دونوں کشف صحیح طور پر امام وقت یا قطب مدار یا قطب الا قطاب کو کامل طور پر عنایت کیا جاتا ہے کیونکہ انتظام عالم دنیا اور فیض رسانی عالم کے لئے یہ ذات مبارک مرکز ہوتے ہیں اور ان کی اتباع میں اولیائے خدمت مردان غیب، قطب ابدال، او تاد نقیب، نجیب وغیر ھم کو بھی کشف دیا جاتا ہے جس کے ذریعے سے یہ صاحب تعمیل احکام الٰہی مثل خضر علیہ السلام کے کرتے ہیں اور یہ اولیائے خدمت پوشیدہ رہتے ہیں، ان سے کوئی واقف نہیں ہوتا، وائے اولیائے

خدمت کے لیکن بعض اولیائے عشرت زبردست بھی اولیائے خدمت سے واقف ہوتے ہیں لیکن اس کا اظہار نہیں کر سکتے اور اولیائے عشرت جو قطب ارشاد کے تحت میں ہوتے ہیں ان سے خلق واقف ہو کر فائدہ اٹھاتی ہے۔

فائدہ: قطب مدار ہر زمانہ میں ہر وقت رہتا ہے، گویا عالم کا دارومدار اللہ نے اس پر رکھا ہے اور قطب ارشاد کسی زمانہ میں ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔ اور قطب مدار قطب ارشاد کے ماتحت رہتا ہے۔

آگاھی: یہ مقامات قطب، ابدال اور اوتاد وغیر ہم کے بلا مقام فنا و بقا کے حاصل نہیں ہوتے اور نہ بلا فنا و بقا کے جماعت اولیاء میں داخل ہوتا ہے، اور شاذ و نادر اس کے خلاف بھی فضل خدا سے کسی کو نصیب ہوتا ہے اور بعض علماء اور اولیاء ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو ان حالات مذکورہ بالا میں سے کچھ نہیں دیا جاتا، ان کو صرف بر و یقین عنایات کیا جاتا ہے یہاں تک کہ بعض کو اپنے ولی ہونے کا بھی علم نہیں ہوتا، قبر میں جا کر معلوم ہو گا۔

آگاھی: کشف کا ہونا ولایت کے لئے ضروری بات یا شرط نہیں ہے۔ کیونکہ کشف دنیا علاوہ مسلمانوں کے غیر مذاہب جو گیہ برہمنان ہند فلاسفر یونان کو بھی ہوتا ہے لیکن جو کشف غیر مذاہب کے لوگوں کو ہوتا ہے وہ صرف کشف اشیاء دنیا کا ہوتا ہے ذات وصفات الٰہی یا عالم ملکوت کا نہیں ہوتا، ذات وصفات الٰہی و عالم ملکوت کا کشف تب تک ہرگز نہیں ہوتا جب تک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہ لائے، کمال یقین کا نام ولایت ہے۔ چنانچہ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو کشف بالکل نہیں ہوتا لیکن اہل کشف اولیاء سے بدرجہا قرب حق میں ان کا قدم غالب ہوتا ہے، اسی واسطے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دریافت پر شناختِ کمال کی بابت فرمایا: "یقین تر، کامل تر" چنانچہ اکثر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کشف اور کرامات کا اظہار ثابت نہیں ہے، بعض بعض سے خال خال مکشوف و کرامات کا ظاہر ہونا ثابت ہوا ہے، لیکن ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی جن سے کبھی ادنیٰ سی کرامت کا یا کشف کا اظہار نہیں ہوا ہے وہ اعلیٰ سے اعلیٰ، اکمل سے اکمل ولی سے مرتبہ ولایت قرب حق میں اعلیٰ، افضل و برتر ہیں، بلکہ وہ کیا ان کے دیکھنے والے تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ہر اعلیٰ ولی سے اعلیٰ ہیں، یہ بزرگی ان کی یقین کامل کا سبب ہے جو صحبت اور برکت رسالت مآب ﷺ سے حاصل ہوا ہے، بعض اولیاء نہ اہل خدمت ہوتے ہیں، نہ اہل ارشاد، صرف امت کی دعا کے واسطے مختص ہوتے ہیں، اگر کسی کو کشف نہ ہو تو شناخت دائرہ امکان کے طے کر جانے کی یہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ وہ طالب چار گھڑی تک ذکر و فکر خدا میں ایسا مشغول رہتا ہو کہ دنیا کا خیال اس کے دل و دماغ میں بالکل نہ آتا ہو، اور بعضوں نے انوارِ لطائف دیکھنے سے دائرہ امکان کے طے کر جانے کی علامت بیان فرمائی ہے۔

دائرہ ولایت صغریٰ میں

اصطلاح صوفیہ میں اس مقام کو چند ناموں کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں، وحدۃ الوجود ہمہ اوست، مقام جمع، کفر طریقت، فنا و بقا، ولایت صغریٰ، اور نسیانِ ماسویٰ اللہ، یہ نام حضرات نقشبندیہ مجددیہ کے قرار دیئے ہوئے ہیں، ان حضرات کی تحقیقات سلوک میں مقام ہمہ اوست سے آگے بہت زیادہ مقامات ترقی کے ہیں اسی واسطے اس ولایت کو ولایت صغریٰ فرماتے ہیں، یعنی چھوٹی ولایت اور دیگر طرق کے کبرائے دین اکثر و بیشتر اس مقام ہمہ اوست کو انتہائی ترقی اور قرب حق فرماتے ہیں اور نسیان ماسوی اللہ شریعت سے بہت ہی

مناسبت رکھتا ہے بموجب ارشاد نبوی ﷺ **اکثروا ذکر اللہ حتی یقولوا مجنون** (اتنی کثرت سے یاد خدا کرو کہ لوگ تم کو دیوانہ کہنے لگیں)۔

دوسری جگہ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: **لن یؤمن احدکم حتی یقال انہ لمجنون** (تم میں سے کوئی ایمان والا نہ ہو گا جب تک کہ اس کو یہ نہ کہا جائے کہ وہ دیوانہ ہے) جب کوئی خلق کو محبت و ذکر خدا میں بھول جائے تو دنیادار لوگ اس کو دیوانہ کہیں گے۔ اسی لئے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اس خاص مقام میں بہت بڑا اختلاف اور رد و کد صوفیوں میں صوفیوں سے اور علماء اور صوفیہ میں واقع ہے اور بیسیوں رسالے کتابیں مکتوبات اس کی تائید اور تردید میں بھرے ہیں۔ بہت سے اہل قال نے بلا حال اہل حال اولیاء اللہ کی نقل کر کے اپنے کو جہنمی بنالیا ور بہت سے اہل قال نے اہل حال اولیاء اللہ پر طعن وطنز کر کے اپنے آپ کو خسر الدنیاوالاخرۃ کر لیا۔

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد	کم کسے باشد زاو آگاہ شد
تمام دنیا اس وجہ سے گمراہ ہو گئی	اس مسئلہ سے بہت کم لوگ واقف ہیں

اس واسطے میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو راہ راست پر چلائے اور اس خاص مسئلہ میں ہم کو حق بیان کرنے اور سمجھنے کی توفیق عنایت فرمائے اور ایسا علم ہمارے سینہ میں ڈالے کہ جس کے بیان اور ادراک میں لغزش نہ ہو اور **عند اللہ و عند الرسول** ﷺ مقبول ہو (آمین)۔ یہ مقام ہمہ اوست سلطان الاذکار کے انتہا ہونے پر شروع ہوتا ہے۔ بعض مرشد جب اس مقام کا نور سالک میں پاتے ہیں تو کلمہ **لاحول ولا قوۃ الا باللہ** اس کو تلقین فرماتے ہیں۔ بعض شیخ جب سالک میں اس مقام کا نور دیکھتے ہیں تو اس کو مراقبہ تعلیم کرتے ہیں کہ تمام عالم میں سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں، بعض رہنما کچھ تعلیم نہیں کرتے بلکہ اس کو اپنی ہمت باطنی سے اس مقام میں کھینچ لے جاتے ہیں اور خود بخود اس طالب پر یہ حال طاری ہو جاتا ہے لیکن ایسے شیخ بہت کم ہیں، ایسے پیر فی زمانہ زیادہ ہیں کہ طالب کو نہ ذکر قلبی اور نہ سلطان الاذکار حاصل ہوا ہے نہ ہمہ اوست کا نور اس پر وارد ہوا ہے، بلکہ وہ شیخ خود ہی ان باتوں سے ناآشنا ہیں، لیکن طالب کو باوجود ہوش کے اور بلا حال کے ہمہ اوست کا مسئلہ زبانی تلقین کر دیا کرتے ہیں اور ایسا مسئلہ بلا حاصل کے تلقین کرنا شریعت پاک میں "کفر" ہے۔ مسلمان اپنے ایمان کو قوی کرنے کے لئے شیخ کی خدمت میں جاتے ہیں لیکن جاہل شیخ اپنا اور اپنے مرید کا ایمان کھو دیتے ہیں، ایسے شیخ جاہل و نااہل اس مصرعہ کے مصداق ہیں:

"او خویشتن گم است کرا رہبری کند"

وہ خود گم ہیں تو کس کی رہبری کریں گے؟

بعض لوگ تو مرید سے یہ بھی کہہ دیا کرتے ہیں کہ میں اور تو اور جو کچھ تو دیکھ رہا ہے یہ سب عین خدا ہے **نعوذ باللہ منھا** اللہ تعالیٰ ہمیں اور ایسے لوگوں کو صراط مستقیم عنایت فرمائے۔

طالب حق جب خدا کی یاد کثرت سے کرتا ہے تو اس کے لطائف اور جسم پاک صاف ہوتے ہیں اور وہ حسب حیثیت عروج کرتا ہے یہاں تک کہ اپنی اصل سے اس کو وصل ہو جاتا ہے۔ اصل اس کی کیا ہے؟ حقیقت ممکنہ ہے۔

سوال: حقیقت ممکنہ کیا ہے؟

جواب: جس جگہ انوارِ اسماء وصفات الٰہی نے جمع ہو کر عدم محض کی طرف عکس ڈال کر وجودِ مستعار بخشا ہے، مثلاً آئینہ کو بالکل اس میں کوئی چیز نہیں ہوتی، اس کو عدم خیال کیا جائے اور جو وجود اس آئینہ کے سامنے آئے اس کو انوار اسماء وصفات خیال کیا جائے اور جو عکس آئینہ میں قائم ہو اس کو حقیقت ممکنہ خیال کیا جائے لیکن وہ معاملہ حقیقت ممکنہ کا کہیں بالاتر اور عقل معاش کی فہمید سے دور ہے کیونکہ اس کا خالق قادرِ کل بیچون وبیچگون ہے، جب رب العالمین نے چاہا کہ اپنی ذات کی معرفت عطا کروں اور عالم کو پیدا کروں تو پرکارِ قدرت اسماء وصفات سے نقطہ حقیقت محمدی ﷺ قائم فرما کے اس سے تمام اشیاء کا دائرہ وجود کھینچ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ تمام مخلوق کے باعث تخلیق ہیں اور جس طرح دائرہ مرکز سے الحاق نہیں کر سکتا، اسی طرح کوئی مخلوق میں سے نبی کریم ﷺ کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا، اسی مطلب میں حدیث شریف میں وارد ہوا ہے لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب و لا نبی مرسل (مجھ اللہ پاک عزوجل کے ساتھ وہ وقت حاصل ہے کہ جس میں نہ کوئی مقرب فرشتہ میری برابری کر سکتا ہے اور نہ کوئی پیغمبر برگزیدہ) چونکہ طالب خدا عدم کی طرف پشت اور اسماء وصفات الٰہی کی طرف منہ کر کے تقرب الی اللہ چاہتا ہے اس کو اصطلاح صوفیہ میں سیر الی اللہ کہتے ہیں، بموجب حدیث شریف کل شیئٍ یرجع الی اصلہ (ہر چیز اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے) اور اسی حدیث کا ترجمہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش　　　باز جوید روزگار وصل خویش

جو کوئی اپنی اصل و حقیقت سے دور رہا

ایک عرصہ تک وہ اس سے طالبِ وصل رہا اور ڈھونڈھتا رہا

اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے، حب الوطن شعبۃ من الایمان (وطن کی محبت شعبہ ایمان سے ہے) وطن حقیقتاً ہر مومن کا حقیقت ممکنہ ہے، جہاں روحوں کا قیام اور اسماء وصفات الٰہی کے انوار کا ظہور ہے۔ لہٰذا ہر ایمان دار اپنی حقیقت کی طرف رجوع کرتا ہے اور چونکہ حقیقت ممکنہ میں تمام مخلوق کی حقیقت اور نقشہ اجمالاً ہوتا ہے، کفر اور اسلام، مسجد اور مندر خوب وزشت سب ایک جگہ نظر آتے ہیں، جیسے کہ تخم درخت میں سب درخت کی حقیقت جڑ شاخیں پتے پھول اور پھل اجمالاً اس میں ہوتی ہے اور تفصیل اس کی بعد درخت کامل ہو جانے کی معلوم ہوتی ہے اسی طرح حقیقت ممکنہ میں اسماء وصفات کا انوار ہادی و مضل، رحمن، قہار، جبار، شافی وغیرہم اور عدم محض سب یکجا ہوتے ہیں تو سالک اپنے علم کے مطابق ہمہ اوست انا الحق سبحانی و ما اعظم شانی وغیرہ الفاظ بحالت بے خودی کہہ اٹھتا ہے، چونکہ عدم کی طرف اس کی پشت ہوتی ہے اور انوارِ اسماء وصفات الٰہی کی طرف منہ ہوتا ہے پس سامنے جو دیکھتا ہے کہتا ہے:

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید　　　قلندر جو کچھ کہتا ہے دیکھا ہوا کہتا ہے

وہ اس وقت مرفوع القلم ہوتا ہے لیکن یہ حال ہمیشہ نہیں رہتا ہے۔ دریا کی سی موجیں آیا کرتی ہیں جب اور جس وقت اصل سے وصل ہوتا ہے اپنے کو اور تمام جہان کو نیست ونابود پا کر وجود حقیقی کو اپنے علم میں جان کر ہمہ اوست وغیرہ کہہ بیٹھتا ہے۔ حضرت

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کے حال کی توضیح حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت میں خوب فرمائی ہے جس سے ہر ذی علم خوب سمجھ جائے گا۔

با مریدان آن فقیر محتشم ۔۔۔ بایزید آمد کہ یزدان نک منم

مریدوں کے پاس اس بزرگ درویش

بایزید نے آکر کہا کہ میں خدا ہوں

گفت مستانہ عیان آن ذوفنون ۔۔۔ لا الہ الا انا فاعبدون

اس مست نے یہ صاف کہا کہ

میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے، پس میری پرستش کرو

چوں گذشت آں حال گفتندش صباح ۔۔۔ تو چنیں گفتی و ایں نبود صلاح

جب یہ حال گزر گیا تو ان سے صبح کہا گیا ۔۔۔ کہ آپ نے ایسا کہا اور یہ صحیح نہیں ہے

تو حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

حق منزہ از تن و من باتنم ۔۔۔ چوں چنیں گویم بباید کشتنم

اللہ تعالیٰ جسم وغیرہ سے پاک ہے اور میں جسم رکھتا ہوں

جس وقت میں ایسا کہوں تو مجھے مار ڈالنا چاہئے

چوں ہمائے بے خودی پرواز کرد ۔۔۔ آں سخن را بایزید آغاز کرد

جب بے خودی کا ہما اڑنے لگا ۔۔۔ تو پھر بایزیدؒ نے وہی کہنا شروع کیا

عقل را سیل تحیر در ربود ۔۔۔ زاں قوی تر گفت کاول گفتہ بود

تحیر کا دریا عقل کو بہا کر لے گیا

اور پہلے سے بھی زیادہ زور دے کر وہی الفاظ ادا کئے

نیست اندر جبہ ام الا خدا ۔۔۔ چند جوئی در زمین و در سماء

کہ میرے لباس میں خدا ہے

تم زمین و آسمان میں کب تک جستجو کرو گے

حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے خود یہ فیصلہ فرمادیا ہے، جیسا کہ حالت ہوش میں حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا:

اے بروں از وہم و قال و قیل من ۔۔۔ خاک بر فرق من و تمثیل من

اے خدا تیری ذات میرے قیاس و گفتگو سے باہر ہے

میرے اور میری تمثیلات پر خاک پڑے

پس اس حکایت سے صاف معلوم ہو گیا کہ وقت غلبہ محبت کہ جس کو حالت عشق کہتے ہیں عقل بجا نہیں رہتی اور دریا تحیر کے تمیز و عقل کو بہالے جاتا ہے اور اس وقت یہ کہہ دینا کچھ بعید از عقل نہیں کیونکہ جب مجنوں سے کوئی پوچھتا کہ تو کون ہے تو مجنوں جواب میں کہتا انا لیلیٰ (میں لیلیٰ ہوں) تو جب بندہ کی محبت میں بندہ اپنے آپ کو بھول گیا تو کوئی خدا کی محبت میں اپنے کو بھول جائے اور خدا کہنے لگے تو یہ کیا تعجب کی بات ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

از محبت خشتہا زریں شود　　　از محبت تلخ ہا شیریں شود

محبت سے مٹی کی اینٹ سونا بن جاتی ہے　　　محبت میں کڑوی چیز میٹھی ہو جاتی ہے

از محبت سرکہ ہامے می شود　　　از محبت خارہا گل می شود

محبت سے سرکہ شراب بن جاتا ہے

محبت سے کانٹا پھول بن جاتا ہے

از محبت نار نورے می شود　　　از محبت دیو حورے می شود

محبت سے آگ نور بن جاتی ہے

محبت سے بدشکل خوبصورت بن جاتا ہے

اور جب ہوش آتا ہے تو سالک اپنے کو اور تمام خلق کو موجود پاتا ہے اور خالق و مخلوق میں تمیز کرتا ہے، یہ حالات کسی کو لحظہ، کسی کو گھنٹہ، کسی کو دنوں، کسی کو برسوں رہتے ہیں اور اکثر حضرات متقدمین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اس حال میں برسوں اور بعض عمر بھر رہے ہیں اور اس مقامِ خاص کے وہ ذات مبارک مرکز ہوئے ہیں اور ان کی نگاہ علم میں گویا غیریت اٹھ گئی تھی اور اسی مقام میں خرق عادات، کشف، کرامات کثرت سے ظاہر ہوتی ہیں، اسی مقام میں صاحب کشف کو اپنے سینہ میں تمام جہاں کی حقیقت نظر آتی ہے اسی واسطے خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اولیاء بعد فنا وبقا ہر چہ می بینند در خود می بینند، وہر چہ می شناسند در خود می شناسند و حیرت ایشاں در وجود ایشاں، وفی انفسکم افلا تبصرون (اور تمہارے نفس میں ہے پس کیا تم نہیں دیکھتے) اور حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

انچہ حق است اقرب از حبل الورید　　　تو فگندی تیر فکرت را بعید

جو حق ہے وہ شاہ رگ سے بھی قریب ہے

اور تو اپنی فکر کے تیر کو دور گراتا ہے

یہ کلام حضرت خواجہ بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کا اس حدیث قدسی سے تعلق رکھتا ہے جس کا ترجمہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

گفت پیغمبر کہ حق فرمود است　　　من نگنجم در سر بالا و پست

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے

میں نشیب و فراز میں نہیں سما سکتا

من نہ گنجم در زمین و آسماں　　　　من بگنجم در قلوب مومناں

اور نہ میں زمین و آسمان میں سما سکتا ہوں

بلکہ میں سچے مومن کے دل میں سماجاتا ہوں

جب خدا کی سمائی قلب مومن میں ہو جائے تو تمام مخلوق کا قلب مومن میں نظر آنا کیا بعید ہے لیکن یہ تقرب بیچونیت کے ساتھ ہے، نہ کسی احاطہ ظرف کے ساتھ۔ جیسے سمائی آسمان کی آنکھ کی پتلی میں، نہ آسمان آنکھ میں گھس گیا نہ آنکھ آسمان میں، بلکہ یہی سمائی محبت ہے، جیسے کہ دوسری حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے بی یسمع و بی یبصر الی اخرہ اگر حقیقتاً سماعت و بصارت وغیرہ بشر کی عین خدا کی سماعت و بصارت ہو جاتی تو پھر اس کو فنا نہیں ہونا چاہئے تھا، حالانکہ خود ذات ہی ولی کی فانی ہے تو پھر بقا و صفات کہاں؟ یہ آیت قرآنی اور آحادیث قدسی اسی طرح پر ہیں کہ جس طرح حدیث شریف میں ارشاد ہے یا علی لحمک لحمی و دمک دمی (اے علی تمہارا گوشت میرا گوشت ہے اور تمہارا خون میرا خون ہے)۔ اگر حدیث شریف کے معنی حقیقتاً مان لئے جائیں تو پھر بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہما سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح نہیں ہو سکتا تھا، ان آیات بینات اذ رمیت الخ و فی انفسکم افلا تبصرون, و احادیث بی یسمع الخ لا یسعنی ارضی و لا سمائی و لکن یسعنی قلب عبدی المومن اور یا علی لحمک لحمی و دمک دمی سے مراد اظہار عنایت و کرم ہے بمقابلہ اور مخلوق کے اور ساتھ ہی اس کے ظلی اور صفاتی طور پر تقرب بھی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ اپنے کو ہر الفاظ تعریفیہ سے بلند تر فرماتا ہے سبحانہ و تعالیٰ عما یصفون اور یہ بھی ارشاد فرماتا ہے لا تدرکہ الابصار (کسی کی نگاہ اس کا ادراک نہیں کر سکتیں) تو پھر جسم خاکی اور فانی اس سے کیسے تقرب حقہ جسمانی کے ساتھ کر سکتا ہے، بموجب ارشاد و نحن اقرب الیہ من حبل الورید (ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) کی طرح ہر تقرب حق قابل ایمان و حالت علم منقول سے تعلق رکھتی ہے اور اسی طرح قلب حق اور نزول تجلی ذات خانہ کعبہ سے بیچون و بیچگونیت کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور نہ کوئی خلق ذات حق کو تو کجا اس کی ایک رسم و صفت کا احاطہ اور وصل نہیں کر سکتی، کیونکہ حق جل و علا اور اس کی جملہ صفات قدیم ہیں اور جمیع حوادث سے منزہ اور مبرا ہیں۔ اور جمیع مخلوقات حادث، پس حادث اور قدیم ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے، لیکن نزول تجلی خانہ کعبہ میں اور نزول قلب انسان میں فرق ہے، خانہ کعبہ پر تجلی کا نزول ہر وقت رہتا ہے اور اولیاء پر بوجہ غفلت یا معصیت کبھی تجلی کا ظہور بند ہو جاتا ہے اور کبھی زیادہ کم ہوتا رہتا ہے اور اس حالت کو اصطلاح صوفیہ میں قبض و بسط کہتے ہیں، ان حالات کا تعلق علم معقول اور علم معاش میں سے نہیں ہے بلکہ علم منقول اور عقل معاد سے ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

علم معقولات علم اشقیاء　　　　علم منقولات علم انبیاء

علم معقول اشقیا کا علم ہے　　　　اور علم منقول انبیا علیہم السلام کا ہے

پائے استدلالیاں چوبیں بود　　　　پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

کم عقلوں سے دلیل لانے والوں کی مثال لکڑی کی ہے

اور لکڑی کے پاؤں ناپائیدار ہوتے ہیں

گر بہ استدلال کار دیں بدے　　　فخر رازی رازدار دیں بدے

اگر استدلال پر ہی مذہب اسلام کا دارومدار ہوتا تو

امام فخر الدین رازیؒ جو علم معقول کے امام ہیں، مذہب کے بھی امام ہوتے

سالک کثرت محبت الٰہی میں اپنے کو اور تمام خلق کو بھول جاتا ہے اور غیریت اس کی نگاہ علم میں اٹھ کر صرف ایک ذات واجب الوجود کی طرف باقی رہتی ہے اور وہ اپنے کو اور تمام مخلوق کو عین خدا سمجھتا ہے اور بیساختہ اس کی زبان سے لفظ انانیت کے نکلتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ بھی بموجب حدیث قدسی انا عندظن عبدی بی، ایسے لوگوں سے ان کے خیال کے مطابق ویسا ہی پیش آتا ہے، اور جو کچھ وہ زبان سے کہہ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ویسا ہی کر دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرات متقدمین میں سے خرق عادات کثرت سے ظہور میں آئی ہیں، اسی واسطے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آں دعا شیخ نے چوں ہر دعاست　　　فانی است گفتہ گفت خداست

بندہ خاص کی دعا اوروں کی طرح نہیں ہوتی

جو محبت خدا میں فنا ہے، تو اس کا قول خدا کا قول ہے

اولیاء راہست قدرت ازالہ　　　تیر جستہ باز گرداند زراہ

اولیاء کو خدا نے ایسی قدرت عطا فرمائی ہے

کہ کمان سے نکلا ہوا تیر واپس لوٹا لیتے ہیں

اکمہ وابرص چہ باشد مردہ نیز　　　زندہ گردد از فسون آں عزیز

مادرزاد اندھا اور کوڑھی تو کیا مردہ بھی

ان کے دم کرنے سے زندہ ہو جاتا ہے

اسی مقام کو اصطلاح صوفیہ میں مقام فنا وبقا کہتے ہیں، فنا اس حالت کو کہتے ہیں کہ جب سالک کی نگاہ سے غیریت اٹھ کر سوائے ذات باری تعالیٰ کے کچھ باقی نہ رہے، اور بقا اس حال کو کہتے ہیں کہ اس حال فنا سے اس کو افاقہ ہو اور خالق و مخلوق، حادث و قدیم میں تمیز کرے، سالک کو پہلے فنائے فعلی پھر فنائے صفاتی، پھر فنائے ذاتی ہوتی ہے، یعنی اپنے افعال کو فعل خدا میں، اور پھر اپنی صفات کو صفات خدا میں اور پھر اپنی ذات کو ذات خدا میں فنا پاتا ہے اور یہ بات کثرت ذکر اور خاصان خدا کی صحبت سے نصیب ہوتی ہے اور بموجب حدیث شریف اللہ تعالیٰ ایسے بندۂ خاص کے افعال کو اپنی طرف منسوب فرماتا ہے:

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ وما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتیٰ احببتہ فاذا احببتہ فکنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ و یدہ التی یبطش بہا و رجلہ التی یمشی بہا و ان سالنی لاعطینہ و لان استعاذنی لاعیذنہ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے ہمیشہ مجھ سے قرب ڈھونڈھتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کی وہ سماعت بن جاتا ہوں جس سے کہ وہ سنتا ہے اور وہ بینائی بن جاتا ہوں جس سے کہ وہ دیکھتا ہے اور وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے

کہ وہ پکڑ تا ہے اور وہ پاؤں بن جاتا ہوں جس سے کہ وہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اس کو دیتا ہوں، اگر وہ مجھ سے پناہ مانگتا ہے تو میں اس کو پناہ دیتا ہوں۔

اور اس حدیث شریف کی تصدیق اور تائید میں آیت شریف وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال ۱۷) ارشاد رب العباد ہے، اور دوسری جگہ ہے إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (الفتح ۱۰) (بے شک اے نبی جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، یقیناً اس کے سوا نہیں ہے کہ وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے) اسی مطلب میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اللہ اللہ کن کہ اللہ می شود　　　　این سخن حق ست باللہ می شود

اللہ اللہ کر کہ تو "اللہ" ہو جائے

یہ بات بالکل سچ ہے قسم خدا کی تو ضرور ہو جائیگا

یہ حالت فنا و بقا دریا کی موجوں کی طرح سالک پر وارد ہوتی رہتی ہیں۔ چنانچہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ام　　　　ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام

میں نے سات سو ستر قالب دیکھے ہیں

اور سبزہ کی طرح کئی بار اگا ہوں

حضرت ابو مدین مغربی رحمۃ اللہ علیہ اس معنی میں فرماتے ہیں:

کشتگان خنجر تسلیم را　　　　ہر زمان از غیب جان دیگر است

خنجر تسلیم سے مرے ہوئے لوگوں کیلئے

ہر زماں میں غیب سے دوسری جان ودیعت ہوتی ہے

اسی مفہوم میں مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہر کس بمیرد ایک بار　　　　بیچارہ جامی بارہا

ہر شخص ایک مرتبہ مرتا ہے　　　　(لیکن) بیچارہ جامی بار بار

اور اسی مقصد میں حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بعضے از دولتمندان از ہر بار گفتن آن فنائے خاص　　　　در خودی فہمند و در ہر نفس چندیں بار می میرند

بعض بزرگ عرفان ذکر اللہ سے اپنے میں ایک فنائے خاص سمجھتے ہیں

اور ہر سانس میں کئی بار مرتے ہیں

دمے صد بار در یاد تو میرم　　　　باایں بے طاقتی نام تو گیرم

ایک دم میں تیری یاد میں سو مرتبہ مرتا ہوں

اور باوجود بے طاقتی کے تیرا ذکر کرتا ہوں

یہ فنا بحکم موتوا قبل ان تموتوا (اپنے مرنے سے پہلے مر جاؤ) سالک پر گزرتی ہے اور یہ حالت طاری ہوتی ہے بموجب جملہ اولیٰ اس حدیث شریف کے ان تعبداللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک (یہ کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے اور اگر تو اس کو نہیں دیکھ رہا ہے تو تحقیق وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ پس جس وقت آئینہ دل پر شعاعیں انوار اسماء وصفات الٰہی کی پڑتی ہیں جیسے کہ آئینہ میں شعاعیں آفتاب کی پڑتی ہیں تو جس طرح شعاع نور آفتاب میں آدمی کو اپنا وجود اور وجود آئینہ دونوں نظر نہیں آتے، اسی طرح شعشان انوار اسماء وصفات میں اپنا وجود اور وجود خلق سالک کو نظر نہیں آتا، یا جیسے چراغ کی روشنی دھوپ میں نظر نہیں آتی حالانکہ روشنی موجود ہوتی ہے یا جیسے صفراوی بخار والے کو میٹھا بھی کڑوا معلوم ہوتا ہے حالانکہ مٹھائی میں کڑواہٹ نہیں ہے یا جیسے دریا کی ریت میں ذرات چمکتے ہیں، ذرات موجود ہوتے ہیں مگر چمک میں وجود ذرہ نہیں دکھتا یا جیسے کسی کو مرض پیلیا ہو جاتا ہے تو اس مریض کو تمام جہاں پیلا ہی پیلا نظر آتا ہے حالانکہ جہان پیلا نہیں ہے یا جیسے کہ ضعف زیادہ ہو جاتا ہے تو وقت کھڑے ہونے کے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے، حالانکہ جہاں روشن ہے، یہ اس کی ضعف اور علم کا قصور ہے، اسی طرح بیماری محبت الٰہی میں سالک مجبور و معذور ہے کہ اس کی نگاہ علم و محبت میں تمام جہاں میں سوائے خدا کے کچھ نظر نہیں آتا اور اسی مقام میں سالک پر ذوق و شوق گریہ وزاری، آہ و نعرہ، بے ہوشی و مدہوشی، اور اسی مقام میں درد محبت ہوتا ہے کہ جس درد کی آرزو حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کرتے ہیں:

کفر کافر راودیں دیندار را ذرہ درد دل عطار را

کفر کافر کیلئے اور دین دیندار کے لئے عطار کیلئے دردِ دل کا ایک ذرہ کافی ہے

یہ فنا و بقا جسمانی فنا و بقا نہیں ہے بلکہ سالک کے لطائف اور علم کی فنا و بقا ہے اور تمثیل اس فنا و بقا کی اچھی طرح یو سمجھ میں آجائے گی کہ کسی مقام پر دس دس پانچ پانچ گز کے فاصلہ سے یکے بعد دیگرے شب کو چراغ رکھ دیئے جائیں اور چراغ اول کو پس پشت کر کے آدمی کھڑا ہو جائے تو اس کا سایہ اس کے سامنے دکھائی دے گا اور جب اس چراغ اول کے پاس سے دوسرے چراغ کی طرف جوں جوں بڑھے گا اسی قدر سایہ اس کا سامنے والا کم ہوتا جائے گا، حتیٰ کہ چراغ دوم کے قریب پہنچنے پر سامنے کا سایہ بالکل کالعدم ہو جائے گا اور دوسرے سامنے کے چراغ کی روشنی کے سبب سے اس کا سایہ پس پشت آجائے گا اسی طرح جب چراغ دویم سے آگے بڑھ کر چراغ سویم کی طرف چلے گا تو پھر اس کا سایہ فوراً اس کے سامنے آجائے گا۔ علی ھذالقیاس ہر چراغ کے قرب اور بعد میں اس کے سایہ کو فنا اور بقا ہوتی رہے گی، حالانکہ اس کے سایہ کو حقیقتاً فنا نہیں ہے بلکہ نور چراغ کی قوت نے اس کے علم میں اس کے سایہ کو ایسا معدوم کر دیا کہ اس کو نظر ہی نہیں آتا، اگر سامنے کا قریب چراغ گل کر دیا جائے جس کی روشنی نے اس کے سایہ کو پیچھے کر دیا ہے تو پچھلے چراغ کی روشنی اس کے سایہ کو فورا! اس کے سامنے قائم کر دے گی، اسی طرح ہر مقام انوار صفات الٰہی میں جب سالک ترقی کرتا ہے تو اس کو اسی طرح تمام جہان کی فنا و بقا دکھتی ہے حقیقتاً اس کی اور تمام جہان کی فنا و بقا نہیں ہوتی، سالک کا ہر مقام میں وجود موجود رہتا ہے لیکن اس کے علم میں نظر نہیں آتا۔

چنانچہ حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

چوں زبانہ شمع پیش آفتاب نیست باشد ہست باشد در حساب

اگر چہ چراغ کی لو آفتاب کے سامنے　　معدوم ہو جاتی ہے، حالانکہ وہ حقیقتاً موجود ہوتی ہے

ہست باشد ذات او تا تو اگر　　بر نہی پنبہ بسوزد آں شرر

وہ تو موجود ہوتی ہے، چنانچہ اگر تم　　اس کی لو پر روئی رکھو، تو وہ جل جائے گی

نیست باشت روشنی ندہد ترا　　کردہ باشد آفتاب اورا فنا

وہ چراغ معدوم معلوم ہوتا ہے اور روشنی بھی نہیں دے رہا ہے

لیکن یہ سب کچھ آفتاب کی وجہ سے ہے کہ اس نے چراغ کو ماند کر دیا

اور اسی واسطے حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سیہ روئی ز ممکن در دو عالم　　جدا ہرگز نہ شد واللہ اعلم

بشریت کی سیاہی دونوں جہاں میں

ہرگز جدا نہیں ہو سکتی آگے خدا جانے

نمی بینی کہ شاھے چوں پیمبر　　نیافت او فقر کل تو رنج کم بر

تو نہیں دیکھتا کہ خاتم النبیین ﷺ جیسے پیغمبر

بشر سے خدا نہ بن سکے تو اے طالب تو کیسے خدا بن سکتا ہے

غیر مذاہب کا ان بزرگوں کے الفاظ سے استنباط مسئلہ نتائج و آواگون کرنا بالکل غلط اور سراسر کج فہمی ہے، یہ مقام نہایت عشق کا شدید ہوتا ہے اور بلا عشق شدید کے نفس ملعون کی سرکوبی اور خباثت نفس اور کبر و عجب و ریاو حقد و حسد سے دل پاک نہیں ہوتا، اور اتباع سنت نبوی ﷺ اور تعمیل ارشاد الٰہی الا للہ الدّین الخالص (آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے لئے خالص دین ہے) نہیں ہوتی۔

ہر کرا جامہ از عشقش چاک شد　　اوز حرص و بغض کلی پاک شد

جس کسی کا خدا کے عشق سے کپڑا چاک ہوا　　وہ حرص اور بغض وغیرہ سے حقیقتاً پاک ہوا

اور بلا عبور کئے ہوئے اس مقام فنا و بقا کے جناب باری کی درگاہ میں گزر نہیں ہوتا، چنانچہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہیچ کس را تا نہ گردد ایں فنا　　نیست رہ در بارگاہ کبریا

جب تک کسی کو یہ فنا حاصل نہ ہو　　اس کو درگاہ الٰہی کا راستہ نہیں مل سکتا

اور حسین منصور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کفرت بدین اللہ و الکفر واجب　　لدی و عند المسلمین قبیح

میں نے اللہ کے دین میں کفر کیا ہے اور یہ کفر واجب ہے

اور عام مسلمانوں کے نزدیک یہ ناپسندیدہ ہے

اس حال "ہمہ اوست" کو اصطلاح صوفیہ میں "کفر طریقت" بھی کہتے ہیں اور کفر طریقت یہ ہے کہ امتیاز اٹھ جائے اور بجز ذاتِ حق کوئی نظر میں نہ رہے، اور جب تک یہ حال طالب پر طاری نہ ہوگا فیضانِ الٰہی اخذ کرنے کے لائق بھی نہیں ہو سکتا اور نہ

دوسروں کو اپنی ہمت باطن سے فیض پہنچا سکتا ہے۔ لہٰذا یہی عشق شدید عالم غیب سے فیض لینے اور خلق میں فیض پہنچانے کا ذریعہ ہے، اور اسی حال کے گزر جانے کے بعد تمام سلاسل صوفیہ میں وہ شخص اولیاء میں شمار کیا جاتا ہے اور اسی حال کے گزر جانے کے بعد قطب ابدال، اوتاد، نقیب، نجیب، قطب مدار، قطب ارشاد اور اجازت سلسلہ بیعت کے لائق ہو جاتا ہے، اور اسی فنا کے بعد قبور اولیاء سے فیض اخذ کرنے کے لائق ہوتا ہے، اور اسی فنا کے بعد الحب للہ و البغض للہ پر عمل کرنے کے لائق ہوتا ہے، اور اسی مقام میں کشف اور خرق عادات کثرت سے ظاہر ہوتی ہیں، اسی مقام میں مقام جہان کا نقشی سینہ میں نظر آتا ہے، اسی مقام میں بوقت غلبہ حال اگر مردہ سے وہ کہے کہ زندہ شو تو وہ زندہ ہو جائے، اگر زندہ سے کہے کہ مردہ شو، تو وہ فوراً مر جائے، اسی مقام میں فی انفسکم افلا تبصرون معلوم ہوتی ہے۔ اسی مقام میں تمام زمین و آسمان کی حقیقت وسعت قلب کے مقابلہ میں نقطہ کے مانند معلوم ہوتی ہے۔ کثرت حال میں یہ بندہ خاص اپنے کو بندہ جانتا، بلکہ اپنے علم میں دوئی اٹھ کر ایک ہی جانتا ہے تو خداوند تعالیٰ بھی اس کے گمان کے موافق اس سے پیش آتا ہے اورعر اس بندۂ خاص کی دعا کو رد نہیں کرتا، جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے کہ بعض میرے امتی پریشان حال اور غریب ہوں گے اور لوگوں میں ان کی وقعت نہ ہوگی مگر خدا کے نزدیک وہ مرتبہ والے ہوں گے اور وہ جو قسم کھا بیٹھیں گے خدا ویسا ہی کرے گا اور دوسری حدیث شریف انا عند ظن عبدی بی یعنی جو بندہ مجھ سے جیسا گمان رکھے گا میں اس کے گمان کے موافق اس سے پیش آؤں گا اور پیش آتا ہے۔

اطلاع: بعض اولیاء اللہ اکمل اپنے بعض طلبہ کو بطور طفرہ کے مقام ہمہ اوست کو درمیان میں چھوڑ کر ولایت کبریٰ میں لے جاتے ہیں، (طفرہ کے معنی لغت میں یہ ہیں کہ درمیانی مقام کو چھوڑ کر اوپر کود کر چلے جانا) جیسے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نان بائی کو مقام ہمہ اوست کو چھوڑ کر ایک توجہ میں مقامات عالیہ میں کھینچ کر لے گئے، حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے بعض طلبہ کو اسی طرح لے گئے ہیں اور اولیاء اکمل بھی۔

اطلاع: بعض اولیاء اس راہ سلسلہ طریقت سے علاوہ صرف اتباع سنت اور کثرت عبادت اور خلوص اور مجاہدہ سے بھی خدا تک پہنچتے ہیں اور بعض پیدائیشی ولی ہوتے ہیں ان کو اجتبائے صرف میں حصہ دیا جاتا ہے، بلا تعلیم، بلا عمل، بلا صحبت خود بخود ان کی روح میں کشش ربانی ہوتی ہے اور وہ خدا تک پہنچتے ہیں اور اکثر وہ مجذوب ہوتے ہیں لیکن دونوں قسم کے اولیاء شاذ و نادر ہوتے ہیں، ولایت کا راستہ شاہراہ عام میں سلسلہ طریقتِ صوفیہ ہے۔

۱۸) نیت مراقبہ اقربیت:

فیض می آید از ذات بیچون کہ اصل اسماء و صفات است کہ نزدیک تراست از من بہ من و از رگِ گردن من بمن بہ نزدیکی بلا کیف بمفہوم ایں آیہ کریمہ وَنَحنُ أَقرَبُ إِلَيهِ مِن حَبلِ الوَرِيدِ (ق ۱۶) بہ لطیفہ نفسی من باشرکت لطائف خمسہ عالم امر من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ توقف۔۔۔۔روز

ترجمہ: ذات حق تعالیٰ جو کہ اصل اسماء و صفات ہے، بموجب آیۃ کریمہ وَنَحنُ أَقرَبُ إِلَيهِ مِن حَبلِ الوَرِيدِ (ق ۱۶) (ہم اس کی شہ رگ سے بھی قریب ترین ہیں) مجھ سے میرے زیادہ نزدیک ہے اور میری شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ اور یہ نزدیکی بلا کیف ہے، اس ذات سے پیران اکابر کے توسل سے میرے لطائف خمسہ عالم امر اور لطیفۂ نفسی میں فیض آرہا ہے۔ (توقف)

تشریح: دوسرا دائرہ جو کہ ولایت صغریٰ کا ہے، کے قطع کرنے کے بعد تیسرا دائرہ رونما ہوتا ہے اور اس کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ یہ تیسرا دائرہ ولایت کبریٰ کا ہے جو حقیقت میں انبیاء علیہم السلام کی ولایت ہے اور ان کی تبعیت میں اور وراثت کے طور پر بعض اولیاء کرام کو بھی نصیب ہوتی ہے۔

یہ تیسرا دائرہ دراصل تین دائروں اور قوس پر مشتمل ہے۔ ان میں سے پہلے دائرے کا نچلا نصف اسماء وصفات زائدہ پر مشتمل ہے اور اوپر والا نصف شیونات ذاتیہ کو متضمن ہے۔ لطائف عالم امر کے عروج کی انتہا اس دائرہ اسماء و شیونات کی نہایت تک ہے۔

اس دائرے میں مراقبۂ اقربیت کیا جاتا ہے اور اس مراقبہ میں یہ تصور کیا جاتا ہے کہ اقربیت کا فیض میرے لطیفۂ نفسی اور خمسہ لطائف عالم امر میں آرہا ہے۔ اس ذات اقدس کی طرف سے جو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور ولایت کبریٰ کے دائرہ اولیٰ کا منشاء ہے اور یہاں ہی توحید شہودی منکشف ہوتی ہے۔ اس میں نفی و اثبات کے ورد کی کثرت بہت مفید اور ترقی کا باعث ہے۔

۱۹) نیت مراقبہ محبت اول:

فیض می آید از ذات بیچون کہ اصل اصل اسماء وصفات است کہ دوست میدارد مرا و من دوست میدارم او را بمفہوم ایں آیہ کریمہ یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ (المائدۃ ۵۴) خاص بہ لطیفہ نفسی من بواسطہ پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ۔

توقف۔۔۔۔روز

ترجمہ: ذات حق تعالیٰ جو کہ اصل اصل اسماء وصفات ہے جو کہ بمطابق اس آیت کریمہ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ (المائدۃ ۵۴) (مجھے دوست رکھتی ہے اور میں اسے دوست رکھتا ہوں) سے بالخصوص میرے لطیفۂ نفسی میں فیض آرہا ہے۔ بواسطۂ پیران کبار کے (توقف)

تشریح: تیسرے دائرے ولایت کبریٰ کا دوسرا دائرہ ہے جو کہ پہلے دائرہ اسماء وصفات و شیونات کے دائرے سے فوق ہے اور شیونات کے اصول پر مشتمل ہے۔ اس دائرے میں مراقبۂ محبت کیا جاتا ہے اور اس میں تصور کیا جاتا ہے کہ مقام فیض لطیفۂ نفسی ہے۔

۲۰) نیت مراقبہ محبت دوم:

فیض می آید از ذات بیچون کہ اصل اصل اصل اسماء وصفات است کہ دوست میدارد مرا و من دوست میدارم او را بمفہوم ایں آیہ کریمہ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ (المائدۃ ۵۴) خاص بہ لطیفہ نفسی من بواسطہ پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ۔

توقف۔۔۔۔روز

ترجمہ: اس ذات بیچوں سے فیض آرہا ہے کہ اسماء وصفات کی اصل اصل اصل ہے جو کہ اس آیت کریمہ کے مطابق يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ (المائدۃ ۵۴) (مجھے دوست رکھتی ہے اور میں اسے دوست رکھتا ہوں) اور جو کہ ولایت کبریٰ کے تیسرے دائرے کا منشاء ہے، بواسطۂ مشائخ عظام کے۔ (توقف)

تشریح: یہ دائرہ ولایت کبریٰ کا تیسرا دائرہ ہے جو کہ اصل اصل اصل اسماء وصفات کے اصول پر مشتمل ہے۔ اس دائرے میں بھی مراقبۂ محبت کیا جاتا ہے اور اس میں تصور کیا جاتا ہے کہ بالخصوص میرے لطیفۂ نفسی میں فیض آرہا ہے۔

۲۱) نیت مراقبہ دائرہ قوسی:

فیض می آید از ذات بیچون کہ اصل اصل اصل اصل اسماء وصفات است و دائرہ قوسیست کہ دوست میدارد مرا و من دوست میدارم اورا بمفہوم ایں آیہ کریمہ یُحِبُّھُمۡ وَیُحِبُّونَهُٓ (المائدة ۵۴) خاص بہ لطیفہ نفسی من بواسطہ پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ۔

توقف۔۔۔۔روز

ترجمہ: اس ذات حق تعالیٰ بیچوں سے فیض آرہاہے جو کہ دائرہ نمبر تین کی اصل ہے جو مجھے دوست رکھتی ہے اور میں اسے دوست رکھتاہوں اور ولایت کبریٰ کے فیض کے منشاء کی قوس ہے اور خاص میرے لطیفۂ نفسی میں بواسطہ مشائخ عظام فیض آرہاہے آیت مذکورہ بالا کے بموجب۔(توقف)

تشریح: ولایت کبریٰ کے تین دائروں کے اوپر قوس کا سالک مشاہدہ کرتا ہے جو کہ اسماء وصفات کے دائرہ کی نمبر ۴ یعنی چوتھے درجے پر اصل ہے۔
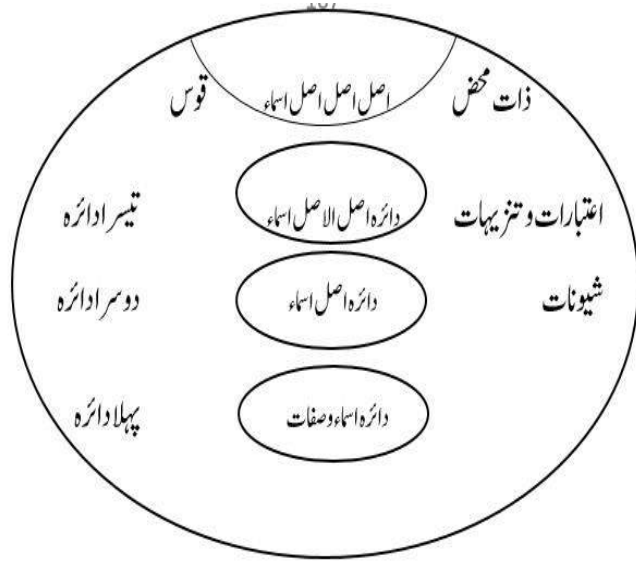
عالم صغیر کی اصل عالم کبیر، اس دائرہ اصل الاصل اسماء کی اصل ظلال اور ظلال کی اصل اسماء وصفات واجبہ اوران کی اصل شیونات اور شیونات کی اصل اعتبارات اور ان کی اصل ذات شکل و دوائرہ ولایت کبریٰ۔

پہلے دائرے میں ذات بمع صفات ثمانیہ ثبوتیہ کا مشاہدہ ہوتا ہے اور وہ صفات بھی آپس میں ایک دوسرے سے ممتاز نظر آتی ہیں۔ دوسرے میں ذات میں شیونات کا ملاحظہ ہوتا ہے اور شیونات بھی ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں۔

تیسرے دائرے میں اعتبارات و تنزیہات کے ساتھ ذات ہوتی ہے جو کہ ایک دوسرے سے ممتاز نہیں ہوتے اور قوس میں صفات، شیونات، اعتبارات میں سے کسی کا ملاحظہ نہیں ہوتا بلکہ محض ذات بحث ہوتی ہے۔

نیز دائرہ میں دو قوس ہوتے ہیں، قوس ذات محض، قوس محض، قوس صفات یا شیونات یا اعتبارات چونکہ اعتبارات سے فوق کوئی اضافت یا اعتبار نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ ضعف دائرے کی شکل میں ظاہر ہرتی ہے اور اسے صرف قوس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

دائرہ محبت اول و دوم اور قوس میں تہلیل (نفی و اثبات) اور قرآن مجید کی تلاوت زیادہ مفید اور باعث ترقی ہوتی ہے۔ ان میں سالک کو کمال فنا حاصل ہوتا ہے۔ حقیقی اسلام، شرح صدر، عالم کے وجود کا ظل ہونا اور ذات باری تعالیٰ کے وجود کے تابع ہونا (توحید

شہودی) پایا جاتا ہے۔ نیز اخلاق رذیلہ کا فنا ہونا اور اخلاق حسنہ سے مستخلق ہونا میسر آتا ہے۔ ان تجلیات کے حاصل ہونے سے اسماء و صفات کا ظلال، اسمائی و صفاتی تجلیات اور اسم ظاہر کی سیر مکمل ہوتی ہے۔

۲۲) نیت مراقبہ اسم ظاہر:

فیض می آید از ذات بیچون کہ مسمیٰ باسمِ ظاہر است بمفہوم ایں آیہ کریمہ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (الحدید ۳) خاص بہ لطیفہ نفسی من بواسطہ پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ۔ توقف

۔۔۔۔روز

ترجمہ: ذات حق تعالیٰ بے چوں جو کہ اسم ظاہر کے ساتھ موسوم ہے۔ اس آیت کریمہ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (الحدید ۳) (وہی اول و آخر، ظاہر و باطن ہے اور وہی ہر شے کو جاننے والا ہے) سے مشائخ عظام کے وسیلہ سے میرے لطیفہ نفسی پر خصوصی طور پر فیض آرہا ہے۔ (توقف)

تشریح: اگرچہ ولایت کبریٰ کے تین دائروں اور قوس سے تزکیۂ نفس حاصل ہو جاتا ہے اور بری عادات، اچھے خصائل میں تبدیل ہو جاتی ہیں لیکن فخر و غرور اور رعونت ابھی باقی ہے۔ ان کو دور کرنے کے لئے سالک کو اسم ظاہر کا مراقبہ ضروری ہے تاکہ سیر آفاقی پایۂ تکمیل تک پہنچ سکے۔

تشریح: ولایت کبریٰ کا تعلق اسم "الظاھر" سے ہے، اسم "الظاھر" اللہ تعالیٰ کا ایک مبارک اسم ہے اور کائنات میں چیزوں کا ظہور اسی اسم "الظاھر" کی برکت سے ہے، اس مبارک نام کی وجہ سے ہر چیز ظاہر ہے، چنانچہ ولایت صغریٰ اور ولایت کبریٰ اسم "الظاھر" کے دائرے ہیں، اس لئے اس کے بعد اسم "الظاھر" مراقبہ کیا جاتا ہے۔

مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۴۷ میں حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ جاننا چاہیئے کہ اسم "الظاھر" کے ظلال میں وصول اور اس کے مراتب میں سیر کو ولایت صغریٰ سے تعبیر کرتے ہیں، جو کہ اولیاء اللہ کی ولایت ہے اور اسماء و صفات کے اصول میں سیر ولایت کبریٰ کے ساتھ وابستہ ہے جو کہ انبیاء علیہم السلام کی ولایت ہے اور یہ دونوں ولایتیں اسم "الظاھر" سے تعلق رکھتی ہیں، اس اسم "الظاھر" میں مراقبہ کرنے کے بعد اس کے نیچے ولایت صغریٰ اور کبریٰ کی ساری کیفیتیں، جیسے شرح صدر، قضا و قدر پہ یقین وغیرہ سب تام اور کامل ہو جاتے ہیں اور "اَنا" ختم ہو جاتی ہے، اس کے بعد اسم "الباطن" کا مراقبہ کیا جاتا ہے۔

اسم "الظاھر" جلال و جمال کا مظہر

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ کائنات اللہ رب العزت کے اسم "الظاھر" کا مظہر ہے، جتنی چیزوں کا ظہور ہے یہ اس اسم کی جلوہ گریاں ہیں۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے اپنے جمال کو دکھانے کے لئے ایسی چیزوں کو پیدا کیا جو بندے کو بہت اچھی لگتی ہیں، کھانے پینے کی چیزیں، پھل اور میوے ہیں، پھول ہیں، انسان کی رغبت ہوتی ہے کہ ان چیزوں سے لطف اندوز ہو، تو فرماتے ہیں کہ جس طرح باقی چیزوں میں اللہ رب العزت نے رغبت رکھی ہے، سب سے کامل رغبت

اللہ تعالیٰ نے مرد کے لئے عورت میں رکھی ہے، چنانچہ عورت کے اوپر اسم "الظاھر" کی تجلی پڑتی ہے اور مرد بے اختیار ہو کر اس سے محبت کرتا ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکتوبات، دفتر اول میں لکھتے ہیں کہ راہ سلوک طے کرنے کے دوران حق سبحانہ و تعالیٰ اس خادم پر اسم "الظاھر" کی تجلی کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ظاہر ہوا، خاص طور پر عورتوں کے لباس میں، بلکہ اس کے اعضاء میں جدا جدا ظاہر ہوا، اور اس میں میں گروہ عورتوں کا اس قدر مطیع و فرمانبردار ہوا کہ کیا عرض کروں، اور میں اس اطاعت اور فرمانبرداری میں بے اختیار تھا۔ اسم "الظاھر" کی تجلی کا جو ظہور کہ اس لباس یعنی مستورات میں ہو، ایسا اور کسی جگہ میں نہیں ہوا، جس قدر عمدہ و پاکیزہ خصوصیات اور عجیب و غریب خوبیاں اس لباس میں ظاہر ہوئیں، اتنی کسی اور مظہر میں ظاہر نہیں ہوئیں، میں ان کے سامنے پگھل کر پانی پانی ہو جاتا تھا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معاشرہ قائم کرنے کے لئے مردوں کے دل میں عورتوں کی فطری محبت پیدا کر دی ہے، مگر یہ بھی کہہ دیا کہ دیکھو اگر تم پر سکون زندگی گزارنا چاہتے ہو تو نکاح کے ذریعے ایک دوسرے کی محبتوں پر زندگی گزارو، دنیا میں بھی اجر پاؤ گے اور آخرت میں بھی جنتیں پاؤ گے۔

پھر آگے فرماتے ہیں: اور اسی طرح اسم "الظاھر" کی تجلی کا ظہور پھر کھانے پینے میں اور پہننے کی چیزوں میں الگ الگ ہوا جو عمدگی اور خوبی لذیذ اور پر تکلف کھانے پینے میں تھی وہ کسی کھانے میں نہ تھی اور میٹھے پانی میں بھی دوسرے (کھارے) پانی کے مقابلہ میں یہی فرق تھا بلکہ ہر لذیذ و شیریں چیز میں خصوصیات کمال میں سے اپنے اپنے درجے کے مطابق الگ الگ ایک خصوصیت تھی، یہ خادم اس تجلی کی خصوصیت کو بذریعۂ تحریر عرض نہیں کر سکتا۔ اگر آنجناب کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوتا تو شاید عرض کر سکتا لیکن ان تجلیات کی جلوہ گری کے زمانے میں یہ خادم رفیق اعلیٰ یعنی محبوب حقیقی حق تعالیٰ جل شانہ کی آرزو رکھتا تھا اور حتیٰ الامکان ان ظہورات کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا لیکن چونکہ مغلوب الحال تھا اس لئے اس تجلی کے اثرات سے متاثر ہوئے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔

حضرت سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکتوبات مجددیہ کے ترجمہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

یہ جو بعض عارفوں نے کہا ہے **من عرف اللہ طال لسانہ، ترجمہ:** "جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اس کی زبان دراز ہو گئی"۔ یہ معرفت اسم "الظاھر" کے معارف سے وابستہ ہے۔

اثرات: اس مراقبہ میں زیادہ فیض لطیفۂ نفس پر وارد ہوتا ہے، اس میں انوار سفید مائل بہ سبزی معلوم ہوتے ہیں، ایک قسم کی خنکی و آرام اور استغراق کامل کے ساتھ اسرار و مظاہر وارد ہوتے ہیں۔ ولایت کبریٰ کی نسبت باطن میں فراخی و قوت پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح اوپر کے دائرے میں نیچے والی نسبت کی تقویت اور تکمیل ہوتی رہتی ہے۔ ولایت کبری محاذات و مقابل میں دائرۂ سیف قاطع ہے، جب سالک اس دائرہ میں قدم رکھتا ہے تو وہ اپنی ہستی کو کاٹنے والی تلوار کی مانند کاٹ ڈالتا ہے اور اس کا نام و نشان نہیں چھوڑتا۔ یہ دائرہ داخل سلوک نہیں بعض کو پیش آتا ہے اور بعض کو نہیں۔ ولایت کبریٰ کے دائروں اور مراقبہ اسم "الظاھر" میں تہلیل لسانی معنی کا خیال رکھتے ہوئے بطریق مذکور کرنا بہت فائدہ دیتا ہے۔ ولایت کبریٰ کی تکمیل یعنی مراقبہ اسم "الظاھر" کے بعد ملائکہ عظام کے

مبادی تعینات میں سیر واقع ہوتی ہے جو ولیات عُلیا کہلاتی ہے اور اس سیر کو اسم "الباطن" کی سیر کہتے ہیں، اس کے مراقبہ کا طریقہ یہ ہے:

۲۳)نیت مراقبہ اسم باطن:

فیض می آید از ذات بیچون کہ مسمی باسمِ باطن است کہ منشاء ولایت علیا است کہ ولایت ملاء الاعلیٰ است بمفہوم ایں آیہ کریمہ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (الحدید ۳) بعناصر ثلٰثہ من کہ آب و باد و نار است بواسطہ پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ۔ (توقف۔۔۔روز)

ترجمہ: ذات حق تعالیٰ بے چوں جو کہ اسم باطن سے موسوم ہے کہ ولایت علیا کی منشا ہے۔ اس آیت کریمہ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (الحدید ۳) سے بزرگان دین کے توسل سے میرے تین عناصر (پانی، آگ اور ہوا) میں فیض آ رہا ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مکتوبات کے دفتر اول مکتوب ۲۶۰ میں تحریر فرماتے ہیں: جب اس فقیر کی سیر یہاں تک ہو چکی تو وہم و خیال میں آیا کہ سب کام مکمل ہو چکا ہے، اتنے میں عالم غیب سے ندا آئی کہ یہ سب کچھ اسم "الظاهر" کی تفصیل تھی جو کہ پرواز کے لئے ایک بازو ہے اور اسم "الباطن" کی سیر ابھی باقی ہے جو کہ عالم قدس کی طرف پرواز کرنے کے لئے دوسرا بازو ہے اور جب تو اس کو بھی مکمل طور پر انجام دے دے گا تو اس وقت تجھے پرواز کے لئے دو بازو عطا ہوں گے اور جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اسم "الباطن" کی سیر بھی انجام پا چکی تو دو بازو عطا ہوں گے۔

مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۷۴ میں تحریر فرماتے ہیں: اور اس اسم یعنی اسم "الظاهر" سے گزرنے کے بعد اسم "الباطن" سے، جو کہ ملاء اعلیٰ فرشتوں کی ولایت ہے اور اسم "الظاهر" اور اسم "الباطن" کا فرق حضرت قطب المحققین قدس اللہ سبحانہ سرہ العزیز کے مکتوب قدسی آیات میں مذکور ہے، وہ یہ ہے کہ اسم "الظاهر" ایک اسم ہے کہ جس میں ذات بالکل ملحوظ نہیں ہے اور اسم "الباطن" میں اسم کے پردہ میں ذات ملحوظ ہے۔ اسم "الظاهر" اور اسم "الباطن" میں نہایت باریک فرق ہے جس کا سمجھانا بھی ایک مشکل کام ہے، بلکہ حضرت امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکتوبات مجددیہ دفتر اول مکتوب ۲۶۰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اسم "الباطن" کی سیر کی نسبت کیا لکھا جائے، اس سیر کا حال استتار اور یقین در پردہ رہنے ہی کے مناسب ہے، البتہ اس مقام کے متعلق صرف اس قدر بیان کیا جاتا ہے کہ اسم "الظاهر" کی سیر صفات میں ہے بغیر اس بات کہ اس کے ضمن میں ذات تعالیٰ و تقدس ملحوظ ہو اور اسم "الباطن" کی سیر بھی اگرچہ اسماء میں ہے لیکن اس کے ضمن میں ذات باری تعالیٰ ملحوظ ہے، اور یہ اسماء پرندوں کی مانند ہیں جو حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے حجابات ہیں۔ اسم "الظاهر" میں ذات بالکل ملحوظ نہیں ہوتی اور اسم "الباطن" میں اسم کے پردے میں ذات ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کو آسان لفظوں میں یوں سمجھ لو کہ اسم "الظاهر" میں سیر "علم" میں سیر ہوتی ہے، اور اسم "الباطن" میں سیر اسم "علیم" میں ہوتی ہے۔

اس بات کو سمجھانے کے بعد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ باقی تمام اسماء و صفات کا حال بھی اس قیاس پر کریں، یہ اسماء جو اسم "الباطن" سے تعلق رکھتے ہیں، ملائکہ ملاء اعلیٰ کے کے تعینات کے مبادی ہیں اور ان اسماء میں سیر

کا آغاز کرنا ولایت علیا میں قدم رکھنا ہے جو کہ ملاء اعلیٰ کی ولایت ہے اگرچہ اسم "الظاھر" اور اسم "الباطن" کے درمیان فرق بہت باریک ہے اسم "الظاھر" واسم "الباطن" کے بیان میں جو علم و علیم کے درمیان فرق ظاہر کیا گیا ہے، اس فرق کو چھوٹا نہیں سمجھنا چاہیئے، اور یہ نہ کہو کہ علم سے علیم تک بہت کم راستہ ہے بلکہ یہ فرق ایسا ہے جیسا کہ مرکز زمین سے عرش کے درمیان تک۔ نیز اس فرق کی نسبت ایسی ہے جیسے قطرے کا دریائے محیط سے نسبت کا فرق ہے۔ کہنے کو تو یہ نزدیک ہے لیکن حاصل ہونے میں بہت دور ہے اور ان مقامات کا ذکر جو اجمالی طور پر بیان کیا گیا ہے وہ بھی اسی کی قسم ہے۔

مکتوبات دفتر اول مکتوب ۷۴ میں بھی خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اسم "الباطن" سے گزرنے کے بعد عروج کی جانب میں انبیاء و مرسلین علیٰ نبیناو علیہم الصلوات والتسلیمات کے فرق مراتب کے مطابق کمالات نبوت پیش آتے ہیں اور ان کمالات کا حاصل ہونا اصالۃً تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے ہے اور تبعیت و وراثت کے طور پر جسے چاہے نوازے۔

سبحان اللہ! فرماتے ہیں کہ عام بندے کی پرواز بس اسم "الظاھر" اور اسم "الباطن" تک ہوتی ہے، اس سے اوپر انبیاء علیہم السلام کے کمالات ہیں لیکن نبی علیہ السلام نے امت کے لئے دعائیں کی ہیں لہٰذا جو نبی علیہ السلام کی کامل اتباع کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران ۳۱)

ترجمہ: "آپ فرما دیجئے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا"۔

پھر محبوبوں کو بہت ساری باتوں میں رعایت دے دیتے ہیں، جب محبت ہوتی ہے تو سارے قانون ایک طرف رہ جاتے ہیں اس اتباع کی کمال کی وجہ سے، پھر اس سالک کو بسا اوقات اس لئے اوپر کے مقامات کی بھی سیر کروا دیتا ہے، تو فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے مقامات کی سیر کرنے کے بعد کوئی یہ نہیں سمجھ سکتا کہ میں اس درجہ میں پہنچ گیا، اس کی مثال یوں ہے کہ ایک غلام کو بادشاہ نے اپنا تخت صاف کرنے کے لئے دربار میں بلایا، اب تھوڑی دیر میں تو اس کو سارے دربار کی سیر نصیب ہوئی حتیٰ کہ تخت بھی اس نے صاف کیا۔ لیکن جب واپس ہوا تو اس کا درجہ وہاں کا تھا جہاں سے چلا تھا اس لئے اولیاء کو انبیاء کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان مدارج و مقامات کی سیر تو کرائی جاتی ہے مگر ہوتے تو وہ غلام ہی ہیں، اس لئے انہیں اپنے مقام میں واپس آنا ہی ہے۔ پس اپنی اوقات کو ہرگز نہیں بھولنا چاہیئے۔

اسم "الظاھر" اور اسم "الباطن" دو پر ہیں، جو پرواز میں مدد دیتے ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مکتوبات مجددیہ دفتر اول مکتوب ۲۶۰ میں فرمایا ہے کہ: جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عنایت سے اسم "الباطن" کی سیر بھی انجام کو پہنچ چکی تو دو پر میسر ہو گئے۔

ذرا غور کیجئے! کہ اسم "الظاھر" سلوک ولایت صغریٰ اور ولایت کبریٰ تھا، ایک پر ہے اور اسم "الباطن" جو فرشتوں کا سلوک ہے دوسرا پر ہے، جب یہ دونوں پر مل جاتے ہیں تو پرندہ پرواز کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور یہ پرواز اس کی کمالات نبوت و کمالات رسالت میں ہوتی ہے۔

فرشتوں کے سلام

"هداية الطالبين" میں حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ولایت علیا مغز اور ولایت کبریٰ چھلکے کی مانند ہے بلکہ ہر دائرہ تحتانی بھی دائرہ فوقانی کی نسبت یہی مناسبت رکھتا ہے۔ولایت کبریٰ چھلکا اور ولایت علیا(یعنی فرشتوں کی ولایت)مغز کی مانند ہے۔

مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۱۸۳ میں فرماتے ہیں کہ ملاء اعلیٰ (فرشتوں) کی ولایت جو کہ اسم "الباطن" کی سیر پر نصیب ہوتی ہے، خواص بشر کی ولایت کے اوپر ہے اور (حالانکہ) ملائکہ کے حقائق سے عروج کے اعتبارات سے خواص بشر کو فضیلت ہے اور ملائکہ کو اپنے حقائق سے عروج نہیں ہے اور نیز عالم امر عالم خلق سے اوپر ہے اور فضیلت عام خلق ہی کو ہے، کیونکہ عالم خلق کا قرب اصلی ہے اور عالم امر کا ظلی ہے۔ عنصر خاک عالم خلق و عالم امر کے لطائف میں سب سے پست ہے اور اس کی پستی اس کی بلندی کی وجہ بنائی گئی ہے اور جو قرب کہ خاکیوں کو حاصل ہے وہ مقدسیوں (ملائکہ) کو نہیں ہے۔

عام دستور کے مطابق ولایت ملاء اعلیٰ جس کو ولایت علیا بھی کہتے ہیں، ولایت انبیاء سے اوپر ہے۔ اس کو ایسے بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ اسے ولایت انبیاء علیہم السلام پر فوقیت حاصل ہے لیکن افضل نہیں۔ بلاشبہ بعض امور میں فروتے فوقیت رکھتے ہیں لیکن کثرت ثواب کے لحاظ سے بشر کو فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو ولایت علیا سے بھی ترقی عطاء فرماتا ہے، لہٰذا بشر کو ان مقامات سے اوپر بھی ترقی مل سکتی ہے، دلیل یہ ہے کہ فرشتوں کی ولایت کا مقام متعین ہے۔ وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُومٌ (الصٰفٰت ۱۶۴) "اور ہم میں ہر ایک کا ایک متعین درجہ ہے"۔

تو ان کی ولایت ایک درجہ کی ولایت ہے، اس سے اوپر ان کی ترقی نہیں ہے، ارتقاء کا مادہ اللہ تعالیٰ نے خاک میں رکھا ہے۔ جس بشر کو اللہ تعالیٰ نفس مطمئنہ دے دیتا ہے اور شریعت کی غلامی عطا کر دیتا ہے، شرح صدر نصیب فرما دیتا ہے تو نبی ﷺ کی اتباع کی برکت سے وہ فرشتوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کو دکھانا ہے کہ بشر ایسے بھی ہوتے ہیں۔

قربان جائیں ہم اپنے آقا اور سردار ﷺ کے، کہ وہ امت کے لئے اللہ پاک سے کیا کیا نعمتیں لے کر آئے، یہ پرواز ان کی غلامی کے صدقہ میں ملتی ہے۔ سبحان اللہ! شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

مقام شوق تیرے قدسیوں کے بس میں نہیں انہیں کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں بلند

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

زمین زادہ بر آسمان تاختہ زمین و زماں را پس انداختہ

ترجمہ: "زمین زادہ یعنی انسان (جس سے مراد سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں) آسمان پر تشریف لے گیا اور زمین و زمان کو پیچھے چھوڑ گیا"۔

مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۱۳۷ میں حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

العمدة فی حصول الولایتین الأخریین الذکر اللسانی بالنفی و الاثبات۔

یعنی "آخری دونوں ولایتوں (ولایت کبریٰ و علیا) کے حاصل کرنے میں نفی اثبات کا زبان کے ساتھ ذکر کرنا (تہلیل لسانی) فائدہ مند ہے"۔

پہلی ولایت ولایت صغریٰ تھی، ولایت علیا اور ولایت کبریٰ آخری دو ولایتیں ہیں، ان دونوں ولایتوں کے حصول کے لئے بہترین معاون چیز تہلیل لسانی ہے۔

فرشتوں کی ولایت

"ھدایۃ الطالبین" میں حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس دائرے میں مورد فیض ان تین عناصر (آب، آتش، باد) کی ولایت ہے، اس میں تہلیل لسانی (کلمہ توحید کا زبان سے ذکر کرنا) اور طویل قیام و قراءت والے نفلوں سے ترقی ہوتی ہے۔ چنانچہ فیض تعین عناصر پر آتا ہے یعنی آگ، پانی اور ہوا۔ اسم "الباطن" میں فیض عنصر خاک پہ نہیں آتا۔ عنصر خاک کو اس میں سے نکال دیتے ہیں۔ چونکہ فرشتوں کی ولایت ہے اور جب اسم "الباطن" کی سیر مکمل ہو جاتی ہے اور کمالات نبوت کا مقام آجاتا ہے تو پھر عنصر خاک کا کام شروع ہوتا ہے۔

حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس مقام میں بھی شریعت کی رخصت پر عمل کرنا ٹھیک نہیں ہے بلکہ عزیمت پر عمل کرنے سے ترقی نصیب ہوتی ہے، چنانچہ ولایت کبریٰ سے اوپر کے اسباق میں شرعی رخصت بھی اختیار نہ کرو، عزیمت پر ہی عمل کرنا ان میں ترقی کا باعث بنتا ہے۔ اللہ اکبر کبیراً! اس کا راز یہ ہے کہ رخصت پر عمل کرنے سے آدمی بشریت کی طرف کھینچ دیا جاتا ہے اور عزیمت پر عمل کرنے سے ملکیت سے مناسبت پیدا ہو جاتی ہے تو اس ولایت میں جس قدر عزیمت پر عمل ہو گا اس قدر اس ولایت میں جلد ترقی نصیب ہو گی۔

حضرت شاہ غلام مجدد دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "مقامات مظہری" میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس ولایت سے اوپر ملائکہ کی ولایت ہے جسے "ولایت علیا" کہتے ہیں، یہاں کمالات ھو الباطن کی سیر ہوتی ہے۔ اس ولایت کو حاصل کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ تجلیٔ ذات کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے، اس سے بلند تر نبوت اور رسالت کے کمالات ہیں۔ سبحان اللہ!

اس کا فائدہ یہ ہے کہ ولایت علیا حاصل ہونے کے بعد اب سالک کے اندر تجلیات ذات کو برداشت کرنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے، اس لئے اس کا حاصل کرنا ضروری ہے۔

اسم "الباطن" کے اسرار اظہار قابل نہیں

حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس ولایت میں جو اسرار معلوم ہوتے ہیں وہ توحید وجودی اور توحید شہودی کی طرح نہیں ہیں کہ بیان میں آسکیں، بلکہ یہ اسرار پوشیدہ رکھنے کے ہی زیادہ لائق ہیں اور کسی طرح بھی اظہار کے قابل نہیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ بالفرض کسی راز کے اظہار کا قصد کیا بھی جائے تو وہ الفاظ کہاں سے لائے جائیں جن میں یہ اسرار بیان کئے جاسکیں۔ اور ان اسرار کا معلوم کرنا، بغیر اس شیخ کی توجہ کے ناممکن ہے البتہ جس نے اس ولایت میں کمال انصاف پیدا کیا ہو اور ان اسرار کے فیض یاب ہو چکا ہو تو میں صرف اس قدر ظاہر کر دیتا ہوں کہ اس منزل میں سالک کا باطن اسم "الباطن" کا مصداق و مظہر بن جاتا ہے (سمجھنے والے سمجھ گئے) اور اس ولایت کے سالک کے تمام بدن میں وسعت و فراخی پیدا ہو جاتی ہے اور لطیفے کی کیفیت تمام جسم میں ہوتی ہے۔

حضرت سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکتوبات مجددیہ کے ترجمہ کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ جو بعض عارفوں نے فرمایا ہے: من عرف کل لسانہ۔ "جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اس کی زبان گونگی ہو گئی" یہ معرفت اسم "الباطن" کی معرفت سے وابستہ ہے۔

ولایت صغریٰ و کبریٰ و علیا کے اسباق کے بعد کمالات نبوت کا سبق آتا ہے، کمالات نبوت کے اس سبق کے بارے میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۶۰ میں تحریر فرماتے ہیں: "اور اس سیر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام ولایتوں کے کمالات، خواہ وہ ولایت صغریٰ ہو یا ولایت کبریٰ یا ولایت علیا، سب کے سب مقام نبوت کے کمالات کے ظلال ہیں اور وہ تمام خاص ان کمالات کی حقیقت کے لئے مثال کی طرح ہیں اور یہ روشن ہو جاتا ہے کہ اس سیر کے ضمن میں ایک نقطے کا قطع کرنا مقام ولایت کے تمام کمالات کو طے کرنے سے زیادہ (یعنی افضل ہے) یعنی پچھلے سارے کمالات ایک طرف اور اس سے آگے ایک نقطہ کو طے کر لیا تو اس کی فضیلت اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اللہ رب العزت خیر کا معاملہ فرمائے، ہم عاجز مسکینوں کو اللہ تعالیٰ نفس مطمئنہ عطا فرمائے، ہمیں معصیت کی ذلت سے نکال کر اپنی عبدیت کا مقام عطا فرمائے اور اپنے فرمانبردار بندوں میں شامل فرمائے، آمین۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ بندہ کو جس قسم کی حاجت ہو اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام منتخب کرے اور اس نام کا کثرت سے ورد رکھے تو اس سے بہت جلد کامیابی ہو گی (ان شاء اللہ) مثلاً تنگدستی میں "یا مغنی" کا ورد رکھے (یعنی اے غنی کرنے والی ذات) یا کوئی شخص ضعیف و کمزور ہے تو وہ "یاقوی" کا ورد رکھے (یعنی اے طاقتور ذات) ہر حاجت میں اسی سے مدد مانگے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو ایک مشہور تابعی اور ولی اللہ ہیں، جب حجاج بن یوسف نے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا تو جلاد تلوار کھینچ کر سامنے آیا، آپ نے "یاباطن" کہا اور غائب ہو گئے، جب جلاد نے تلوار واپس کھینچی تو آپ "یاظاھر" کہہ کر پھر سامنے آ گئے۔ اسی طرح متعدد بار ہوا تو جلاد عاجز آ گیا تو جب یہ شکایت حجاج کو پہنچی تو اس نے درخواست کی کہ میں شرمندہ ہوں میرے لئے بددعا نہ کریں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں کچھ نہ کہوں گا اللہ تعالیٰ خود انتقام لینے والی ذات ہے۔ پس معلوم ہوا کہ سارے عالم کا نظام اللہ تعالیٰ کے اسماء سے قائم ہے، ہر زندہ کو حیات اسم "الحی" سے ہی عطا ہوتی ہے اور ہر موجود کو بقا اسم "القیوم" کی وجہ سے عطا ہوتی ہے۔ کائنات کی ہر چیز بلکہ ہر ذرہ کی حیات و بقا حق تعالیٰ کی قیومیت اور صفت احیاء کے فیض سے قائم ہے، ہر ذرہ کائنات کو حیات ہر لمحے عطا ہوتی رہتی ہے اور ہر آن حیات جدید عطا ہوتی رہتی ہے لیکن عوام ہر آن کی عطا سے بے خبر ہیں۔ جس طرح بارش میں ایک ایک قطرہ آسمان سے ٹپکتا ہے لیکن دیکھنے والے کو ایک ہی دھار نظر آتی ہے اور الگ الگ قطرہ گرتا ہوا محسوس نہیں ہوتا، تو یہی حال حیات جدید کے عطاء کی ہے لیکن عارفین ہر آن تجلیات صفات الٰہیہ کے پرتو عالم کے ہر ہر ذرے کو اپنی بصیرت سے دیکھتے ہیں۔

مفہوم سیر فی الصفات: عارفین پر ایک خاص وقت اور زمانہ ایسا بھی گزرتا ہے جس میں وہ تفصیلات صفات الٰہیہ یعنی اسماء حسنیٰ کے تمام فیوض کو ملاحظہ کرتے ہیں، صوفیاء اس کو "سیر فی الصفات" کہتے ہیں۔

اثرات: اس مراقبہ میں عناصر ثلاثہ کی توجہ، حضور، عروج ونزول حاصل ہوتا ہے، باطن کے اندر عجیب وسعت اور ملأ اعلیٰ (فرشتوں کی دنیا) کے ساتھ مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور ہو سکتا ہے فرشتے بھی ظاہر ہونے لگیں۔ اس مقام میں ذکر تہلیل لسانی اور نفل طول قرأت کے ساتھ بکثرت پڑھنا ترقی بخشتا ہے اور رخصت پر عمل کرنا بہتر نہیں بلکہ عزیمت پر عمل کرنے سے ترقی ہوتی ہے کیونکہ رخصت پر عمل کرنے سے سالک بشریت کی طرف کھنچ جاتا ہے اور عزیمت پر عمل کرنے سے فرشتوں کی صفت کے ساتھ مناسبت پیدا ہو جاتی ہے، جس قدر فرشتوں کی صفت کے ساتھ مناسبت بڑھے گی، اسی قدر اس ولایت میں ترقی ہو گی، کبھی یہ دائرہ اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ اسماء وصفات حق سبحانہ وتعالیٰ اس دائرہ کو سورج کی شعاعوں کی مانند احاطہ کر لیتی ہیں اور کبھی شعاعوں کے خطوط کے بغیر بھی یہ دائرہ ظاہر ہوتا ہے اور کمال بے رنگی ظاہر ہوتی ہے اور اس میں اسماء وصفات الٰہی اپنے مسمّیٰ کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔ اسم ''الظاھر'' واسم ''الباطن'' کی سیر میں فرق یہ ہے کہ اسم ''الظاھر'' کی سیر میں ذات کے ملاحظہ کے بغیر محض تجلیات صفاتی ظاہر ہوتی ہیں اور اسم ''باطن'' کی سیر میں اگرچہ اسماء وصفات کی تجلیاں بھی وارد ہوتی ہیں، لیکن کبھی کبھی ذات تعالیٰ وتقدس بھی مشہود ہو جاتی ہے، اس کے اسرار بہت ہی پوشیدہ رکھنے کے لائق ہیں۔

جب اسم ظاہر وباطن کے دو پر سالک کو حاصل ہو گئے تو اب یہ بات آسان ہو گئی۔ اس مقام تک سالک کی سیر ظلال یا صفات میں تھی، اس کے بعد سالک کا معاملہ حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کے ساتھ شروع ہو گا اور اس کی سیر تجلیٔ ذاتی دائمی میں واقع ہو گی۔ تجلی ذاتی دائمی کے تین درجے ثابت کئے گئے ہیں۔ مرتبۂ اول کو کمالات نبوت، مرتبۂ دوم کو کمالات رسالت اور مرتبۂ سوم کو کمالات اولوالعزم کہتے ہیں، تفصیل آگے درج ہے۔

۲۴) نیت مراقبہ کمالات نبوّت:

فیض می آید از ذات بیچون کہ منشاء کمالات نبوت است بہ عنصر خاک من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ (توقف۔۔۔روز)

ترجمہ: بے چوں ذات حق تعالیٰ جو کہ کمالات نبوت کی منشاء ہے سے میرے عنصر خاک میں فیض آرہا ہے۔ بواسطۂ مشائخ عظام علیہم الرضوان (توقف)

تشریح: اسم باطن کی سیر کے بعد اگر فضل الٰہی شامل ہو تو کمالات نبوت یعنی تجلی ذاتی دائمی بے پردہ اسماء وصفات میں سیر شروع ہو جاتی ہے اور مقامات کا یہ پانچواں دائرہ ہے۔ اس کے آگے تین درجات ہیں، پہلا درجہ کمالات نبوت کا ہے اس مقام میں ذات باری تعالیٰ کا مشاہدہ بغیر صفات کے ہوتا ہے کیونکہ صفات کا زائد وجود ہے ذات سے لہٰذا صفات سے ذات کا الگ ہونا ممکن ہے اگرچہ حقیقت میں الگ نہیں ہوتی، عارف بمطابق المرء مع من احب (آدمی اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے اسے محبت ہے) کی محبت ذات باری تعالیٰ سے ہے۔ لہٰذا وہ اسی ذات حق کے ساتھ رہنا پسند کرتا ہے۔ گزشتہ ولایت ثلثہ اور تجلیات صفات وشیونات واعتبارات اس مقام میں ظل کی مانند ہیں اور ذات حق تعالیٰ ان سے وراء الوراء ہے۔ نیز اس دائرہ میں عارف پر حروف مقطعات اور متشبہات کے اسرار ورموز منکشف ہوتے ہیں اور اب عروج کے بعد نزول شروع ہو جاتا ہے اگر نزول تام نہ ہو تو کمالات نبوت سے متصف نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ ابھی وہ

اہل تمکین میں شامل نہیں ہوا اور ابھی تک مشاہدہ ظلال سے آگے تجاوز نہیں کر سکا اور اس کا مشہودی ایمان، ایمان بالغیب میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ نیز اس مقام پر تلاوت قرآنی ترقی کا باعث ہوتی ہے، خصوصاً نماز میں۔

صاحب شفاء القلوب فرماتے ہیں کہ اس مقام پر پہلے والے معارف سب مفقود ہو جاتے ہیں اور تمام سابقہ باطنی حالات بیکار اور برے معلوم ہونے لگتے ہیں، نسبت باطن میں کمال وسعت، بے رنگی و بے کیفی اور یاس و حرمان حاصل ہوتی ہیں اور ایمانیات وعقائد حقہ میں یقین قوی ہو جاتا ہے اور استدلالی علم بدیہی ہو جاتا ہے، لا تدرکه الابصار کے مصداق یافتہ ہو جاتا ہے اور ادراک یہاں پر نارسائی کی علامت ہے، اس مقام کے معارف و حقائق انبیائے کرام علیہم السلام کی شریعتیں ہیں اور اگر خدا تعالیٰ چاہے تو اسرار مقطعات قرآنی حاصل ہوتے ہیں اور باطن میں اس قدر وسعت ہو جاتی ہے کہ ولایت صغریٰ، کبریٰ وعُلیا اس کے سامنے بالکل لاشئ اور محض تنگ معلوم ہوتی ہیں۔

ان مذکورہ تینوں ولایتوں میں البتہ ایک دوسرے کے ساتھ مناسبت پائی جاتی ہے، اگرچہ وہ صورت و حقیقت کی مناسبت ہوتی ہے لیکن اس مقام میں یہ نسبت بھی مفقود ہے۔ سابقہ حالات باطن کے مفقود ہو جانے، یا ناامیدی پیدا ہو جانے اور اپنے آپ کو قصوروار دیکھنے، حتیٰ کہ اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بھی بدتر جاننے کے باوجود اس کو وصل حقیقی حاسل ہو جاتی ہے، اس سے پہلے جو وصل حاصل تھا وہ دائرۂ وہم و خیال میں داخل تھا، اس جگہ وصول ہے حصول نہیں اور اس مقام میں رؤیت کی تشبیہ حاصل ہوتی ہے۔ اگرچہ رؤیت کا وعدہ آخرت میں ہے اور ہمارا اس پر ایمان ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حکایت سے بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو سکتا ہے کیونکہ قرآن شریف میں فلما تجلی ربه صاف موجود ہے جس کے معنی یہ ہیں جس وقت اللہ تعالیٰ نے تجلی فرمائی بس یہی دیدار و رؤیت ہے۔ حالانکہ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے کیونکہ دیدار و رؤیت کے معنی ہیں اور دیکھنا اور یہ فعل موسیٰ علیہ السلام کا ہے جس کا انکار قرآن شریف میں صاف موجود ہے یعنی قال لن ترانی تو مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکے گا (مراد ہے اس دنیاوی زندگی میں) اور تجلی کے معنی ہیں کھل جانا اور ظاہر ہونا۔ یہ فعل حق سبحانہ و تعالیٰ کا ہے۔۔ قرآن شریف کی آیت فلما تجلی ربه میں اسی کو ثابت کیا گیا ہے ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے یعنی ایک کے ثابت ہونے سے دوسرے کا ثبوت لازم نہیں آتا۔ پس اس آیت کا حاصل یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تو ظاہر ہوا اور حجابات اٹھا دیئے گئے مگر موسیٰ علیہ السلام نہ دیکھ سکے اور بے ہوش ہو گئے (خوب سمجھ لیجئے) اور بعض بزرگ مثلاً امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ و امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہم کے متعلق لکھا گیا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو خواب یا حال و مکاشفہ میں دیکھا ہے یہ البتہ ممکن و واقع ہے، کیونکہ یہ دیکھنا عالم مثال میں ہے نہ کہ عالم اجساد میں ظاہر کی (حسی) آنکھوں سے۔ بعض عارفوں کے کلام میں حق سبحانہ و تعالیٰ کو مختلف چیزوں جیسے سورج، دریا، ہوا وغیرہ سے مثال دی جاتی ہے حالانکہ مقصود ان مثالوں سے تشبیہ نہیں ہوتی جیسا کہ بعض خشک مزاج لوگ یہی سمجھ کر بزرگوں و برا کہتے ہیں اور ناواقف صوفی بھی یہی سمجھ کر اپنے عقیدوں کو شریعت مطہرہ کے خلاف کر لیتے ہیں بلکہ یہ امثال کسی خاص چیز میں ہوا کرتی ہے مثلاً ذات حق کو دریا سے صرف اس بات میں مثال دی جاتی ہے کہ دریا میں خشکی کی نسبت بسط اور واحد ہونے کی صفت ہوتی ہے اور مچھلی کی طبیعت اس سے نہیں بھرتی اسی طرح ذات حق کی وحدت ہے کہ طالب حق کو اس سے سیری نہیں ہوتی۔ اگرچہ خود ان دونوں وحدتوں میں فرق ہے کہ دریا کی وحدت عارضی اور دوسرے تعلق سے ہے اور ذات

حق کی وحدت حقیقی ہے۔ بات یہ ہے کہ عالم مثال میں واجب سے لے کر ممکن تک ہر چیز مثال ہے اگرچہ اس چیز کی کوئی مثل (''م'' کے زیر اور ''ث'' کے جزم کے ساتھ) کے معنی ہیں کسی چیز کا دوسری چیز کی صفتوں میں شریک ہونا اور اس جیسا ہونا۔ پس ذات وصفات الٰہی میں اس مثل کی مجال نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَيۡسَ كَمِثۡلِهِۦ شَيۡءٞ (شوریٰ ۱۱)۔

ترجمہ: اس جیسا کوئی نہیں۔

اور مثل (''م'' اور ''ث'' کے زبر کے ساتھ) اور مثال کی حقیقت یہ ہے کہ دو چیزوں کی صفت میں کسی بھی لحاظ سے شرکت ہو۔ اگرچہ ان دونوں میں ہزاروں درجہ فرق ہو، جیسا کہ اکثر دفعہ بادشاہ کی مثال سورج کے ساتھ دیتے ہیں جس سے مراد بادشاہ کی عظمت وجلال بیان کرنا ہوتا ہے کہ سورج کی طرح روشن وعیاں ہے۔ اس کی مثال یوں بھی دی جاسکتی ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں بادشاہ مصر نے خواب میں قحط کے سالوں کو دبلی اور لاغر گایوں اور گیہوں کے خشک خوشوں کی صورت میں دیکھا تھا اور ارزانی اور فصل کے سالوں کو موٹی تازی گایوں اور گیہوں کے تروتازہ خوشوں کی صورت میں دیکھا تھا۔ اور صحیح بخاری شریف میں حضرت ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بينا أنا نائم رأيت الناس يعرضون علي وعليهم قمص منها ما يبلغ الثدي ومنها ما دون ذلك وعرض علي عمر بن الخطاب وعليه قميص يجره). قالوا فما أولت ذلك يا رسول الله؟ قال الدين۔[53]

ترجمہ: ''ایک دفعہ جبکہ میں سورہا تھا میں دیکھتا ہوں کہ لوگ میرے روبرو پیش کئے جاتے ہیں اور ان کے جسموں پر کرتے ہیں بعض کے کرتے سینے تک پہنچے ہیں اور بعض کے اس سے کم وبیش ہیں اور (حضرت) عمر بن الخطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس حال میں پیش کئے گئے کہ ان کے جسم پر جو کرتہ تھا وہ اتنا بڑا تھا کہ وہ اس کو لمبا ہونے کی وجہ سے زمین پر کھینچتے تھے بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس کرتہ کھینچنے کی کیا تعبیر فرمائی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا دین''۔

پس اسی طرح اس ذات حق کی تمثیل بیان کرنا بھی صحیح ہے اور اس کو کشف کی نظر سے مشاہدہ کرنا بھی صحیح ہے۔ اگرچہ رویت حق تعالیٰ دنیا میں ممکن نہیں (اس کا ذکر آئے گا) ذات حق کے لئے اس تمثیل کا جواز قرآن شریف سے بھی ثابت ہے:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ (٨) فَكَانَ قَابَ قَوۡسَيۡنِ أَوۡ أَدۡنَىٰ (النجم ۹)

کا بھید اس مقام میں ظاہر ہوتا ہے اور اس معاملے کی ایسی حقیقت سالک پر ظاہر ہوتی ہے کہ تحریر اور تقریر میں نہیں آسکتی، یہ انبیاء کرام علیہم السلام کا مقام ہے اور متبعین کو انبیاء علیہم السلام کی متابعت اور وراثت سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے اس مقام میں آداب وترتیل کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت، آداب کی رعایت کے ساتھ نماز نوافل کی کثرت، حدیث شریف کے پڑھنے پڑھانے کا شغل، اتباع سنت رسول مقبول ﷺ اور وہ اذکار جو احادیث سے ثابت ہیں، بہت فائدہ اور ترقی بخشتی ہیں بلکہ یہ چیزیں حقائق سبعہ میں بھی جو آگے آئیں گے مفید اور موجب ترقی ہیں۔

۲۵) نیت مراقبہ کمالات رسالت:

[53] صحيح البخاري، ج ۱، ص ۱۷۔ الناشر: دار ابن كثير، اليمامة- بيروت

فیض می آید از ذات بیچون کہ منشاء کمالات رسالت است بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ۔
(توقف۔۔۔روز)

ترجمہ: ذات بیچوں حق تعالیٰ کہ کمالات رسالت کی منشاء ہے سے میری ہیئت وحدانی میں فیض مشائخ عظام کے توسل سے آ رہا ہے۔ (توقف)

اثرات: صاحب شفاء القلوب فرماتے ہیں کہ اس مراقبہ میں بھی کیفیات مراقبۂ نبوت یعنی بے رنگی و بے کیفی اور لطافت وغیرہ مزید ترقی کے ساتھ حاصل ہوتی ہیں۔ سالک کو حصول فنا و تصفیہ اور تزکیۂ لطائف عشرہ کے بعد عالم امر و خلق کے دس لطیفوں میں جو اعتدال پیدا ہوتا ہے، اس ہیئت کو ہیئت وحدانی کہتے ہیں، اس مقام میں اور بعد کے تمام مراقبات میں عروج و نزول اور انجذاب تمام بدن کا حصہ ہے یعنی یہاں سے آخری سبق تک مورد فیض سالک کی ہیئت وحدانی ہے، ان سب مقامات میں تلاوت قرآن مجید اور نماز بطول قرأت ترقی بخشتی ہے۔

۲۶)نیت مراقبہ کمالات انبیاء اولوالعزم (علیہم السلام):

فیض می آید از ذات بیچون کہ منشاء کمالات انبیاء اولوالعزم (علیہم السلام) است بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ۔ (توقف۔۔۔روز)

ترجمہ: بے چوں حق تعالیٰ کی ذات جو کہ اولوالعزم انبیاء کے کمالات کی منشاء ہے، سے مشائخ عظام کے توسل سے میری ہیئت وحدانی میں فیض آ رہا ہے۔

یہ مقام اولوالعزم انبیاء سے مخصوص ہے۔ تجلی ذاتی دائمی کا تیسرا درجہ ہے اور اولوالعزم انبیاء علیہم السلام صرف چھ ہیں۔ سیدنا و سندنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، سیدنا ابراہیم خلیل اللہ، سیدنا نوح، سیدنا موسیٰ اور سیدنا عیسیٰ اور ابوالبشر آدم علیٰ نبینا و علیہم السلام یہ بھی درجات میں مختلف ہے۔ سب سے بلند درجہ ہمارے رسول ﷺ کا ہے۔ آپ کے بعد جس کا زمانہ جتنا نبی کریم ﷺ کے قریب ہو گا وہ اتنا ہی بلند درجہ ہو گا لہٰذا آپ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلند درجہ پر فائز ہیں ان کے بعد حضرت موسیٰ پھر حضرت ابراہیم پھر نوح علیہ السلام انبیاء میں سے بلند مقام پر فائز ہیں اور یہی حکمت ہے لطیفہ خفی زیر عیسیٰ علیہ السلام سری کے زیر قدم موسیٰ علیہ السلام روحی کے زیر قدم ابراہیم و نوح علیہ السلام کے اور قلبی کا زیر قدم حضرت آدم علیہ السلام کے ہے اور سب سے ارفع لطیفہ ہے اخفیٰ وہ سب سے فائق نبی خاتم الانبیاء علیہم السلام کے زیر قدم ہے۔ ان کا عزم خواہ اللہ سے ماموریانہ ہو مطلقاً اللہ تعالیٰ کی رضا سے واقع ہوتا ہے۔ یہ کمالات رسالت کا نقطہ اخیرہ ہے جو صرف اولوالعزم رسل علیہم السلام کو حقیقت میں حاصل ہے اور ان کے توسل و تبعیت و وراثت سے کاملین اولیاء کو بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

یہ کمالات بھی دائرہ کی شکل میں رونما ہوتے ہیں۔ دائرہ کمالات نبوت کے اندر کمالات رسالت کا دائرہ اور اس کے مرکز میں کمالات اولوالعزم کا دائرہ اور اس دائرے کے مرکز میں ختم الرسالت کا دائرہ۔ صاحب کمالات خاتم الرسالت ولایت و کمالات و حقائق و اسرار و معارف کا ختم کرنے والا یعنی خاتم ہے۔

صاحب شفاء القلوب فرماتے ہیں کہ ولایت صغریٰ و کبریٰ کے مراقبات اور مراقبات نبوت و رسالت اولوالعزم کے ذکر کرنے کے بعد اب اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ولایت اور اس کے ملحقات یعنی کرامات و مکاشفات کی حقیقت کیا ہے؟ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (یونس ٦٢)

سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم۔

اور اس کے بعد ارشاد پاک ہے: الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ (یونس ٦٣)

وہ جو ایمان لائے اور پرہیز گاری کرتے ہیں۔
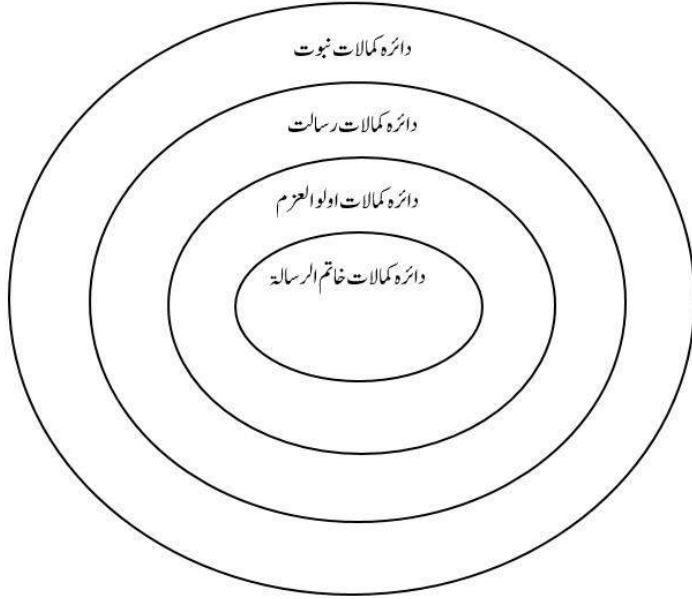
تو اس آیت میں ولایت کا دار و مدار دو چیزوں پر رکھا گیا ہے ایک ایمان دوسرا تقویٰ، تو جس مرتبہ کا ایمان و تقویٰ حاصل ہو گا اسی درجہ کی ولایت نصیب ہو گی۔ اگر ادنیٰ درجہ کا ایمان و تقویٰ ہو گا یعنی صحیح عقائد اور اعمال صالحہ ہوں تو ادنیٰ درجہ کی ولایت ہو گی جیسے کہ ہر مومن کو حاصل ہے اور اگر ایمان و تقویٰ اعلیٰ درجہ کا ہو گا تو ولایت بھی اعلیٰ درجہ کی ہو گی۔ جس کو "ولایت خاصہ" بھی کہتے ہیں اور اصطلاحاً ولی اس شخص کو کہتے ہیں جو ولایت خاصہ کے ساتھ موصوف ہو اور ہمارا مقصود بھی اس ولایت کے احکام بیان کرنے ہیں۔ تو اب ولایت خاصہ کے لئے دو چیزیں اہم اور ضروری ٹھہریں ایک ایمان کامل دوسرا تقویٰ کامل۔ ان دونوں چیزوں میں کمال بغیر اصلاح باطن کے نہیں آسکتا۔ کیوں کہ ایمان کامل تو ظاہر ہے قلب ہے، رہا تقویٰ تو اس کا محور بظاہر ظاہری اعمال ہیں پھر بھی اصل تقویٰ دل ہی کا ہوتا ہے یعنی حقیقی تقویٰ کا تعلق دل ہی سے ہوتا ہے۔

ایک حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

التقویٰ ھھنا و أشار الی الصدر۔[54]

ترجمہ: "تقویٰ یہاں ہے اور اشارہ فرمایا سینے کی طرف"۔

---

[54] سنن ترمذی، کتاب بر و الصلۃ عن رسول اللہ ﷺ ۲۸، باب ما جآء فی شفقۃ المسلم علی المسلم ۱۸، حدیث ۱۹۲۷

اور فرمایا:

ان اولی الناس بی المتقون من کانوا حیث کانوا۔[55]

ترجمہ: "مجھ سے قریب تر متقی لوگ ہوں گے جو بھی ہوں جہاں کہیں ہوں" تو معلوم ہوا کہ دو چیزیں طالب ولایت کے لئے لازم ٹھہریں۔ ایک ایمان دوسرا تقویٰ اور تقویٰ اصلاح باطن سے آتا ہے اور اصلاح باطن کا مطلب یہ ہے کہ اوصاف حمیدہ پیدا ہوں اور صفات رذیلہ ختم ہوں کیونکہ یہ امراض معنوی ہیں، ان امراض سے شفایاب ہونا ہی اصلاح باطن ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تصوف کی حقیقت اللہ تعالیٰ سے تعلق بڑھانا ہے، اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔

اثرات: اس مراقبہ میں ہر دو کمالات سابقہ کی مثل فیض کے اثرات مرتب ہوتے ہیں، پس ہر سہ کمالات میں تجلی ذاتی دائمی کا فیض بے پردہ اسماء وصفات حاصل ہوتا ہے، نفس کے اندر کامل اضمحلال، وسعت باطن، وصل حقیقی، حضور بے جہت، اتباع شریعت وار معارف و حقائق کا فیضان ہوتا ہے۔ ہر مقام میں پہلے سے زیادہ وسعت و بے رنگی پیدا ہو جاتی ہے، اسرار مقطعات قرآنی اور تشابہات فرقانی کا انکشاف ہوتا ہے جو کسی طرح بیان و تحریر میں نہیں آسکتا اور عاشق (محب) و معشوق (محبوب) کے رموز، کہ جن کے کہنے اور سننے کی مجال نہیں ہے، اس جگہ موصول ہوتے ہیں، اس جگہ تلاوت قرآن مجید، خاص کر نفل نمازیں ترقی بخشتی ہیں۔

دائرہ قیومیت:

ان کمالات کے حصول کے بعد قیومیت کا دائرہ مشہود ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ دائرہ اولوالعزم سے مترشح ہے۔

لیکن اس کے ارفع و اعلیٰ بالشان ہونے کی وجہ سے علیحدہ بیان کی جاتی ہے۔ کمالات اولوالعزم دائرہ کے بعد قیومیت و خلافت کا دائرہ مشہود ہوتا ہے۔

[55] مسند احمد بن حنطل باب حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ، حدیث: ۲۲۱۰۵

چونکہ اس مقام میں کمال درجہ نزول تام ہوتا ہے اور رسول اکرم ﷺ کا مکمل ترین نائب ہوتا ہے۔ عام انسان میں اس طرح نظر آتا ہے کہ جیسا کہ وہ عام انسان ہو۔ لہٰذا اس مقام کے عارف کی پہچان دوسروں سے زیادہ مشکل ہوتی ہے۔ اسی لئے مخالفت بھی سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ البتہ اس کی توجہ نہایت قوی التاثیر ہوتی ہے۔

اور عصر حاضر کے قیوم میرے مرشد کامل واکمل شیخ المشائخ حضرت سیدی سیف الرحمٰن اخوندزادہ پیر ارچی خراسانی آف فقیر آباد (لاہور، پنجاب، پاکستان) ہیں۔

مذکورہ بالا تمام کمالات وفیوضات جو اب تک عارف حاصل کر چکا ہے، کمالات قیومیت کے سامنے مانند ظل و شبح ومثال کے ہیں اور یہ منصب تمام مقامات مذکورہ سے ارفع و عالیٰ ہے۔

کمالات ثلاثہ کے بعد سلوک کے دو راستے ہیں۔ ایک بجانب حقائق الٰہیہ اور دوسرا بجانب حقائق انبیاء علیہم السلام مرشد جس طرف چاہے کہ طالب کو چلائے چونکہ سب سے قبل ان حقائق کو بیان فرمانے والے امام ربانی عارف حقانی سیدنا مجدد الف ثانی قدس اسرارہ ہیں اور آپ نے حقائق الٰہیہ کا پہلے ذکر فرمایا ہے، اسی لئے میرے مرشد گرامی مجدد عصر ھذا قیوم زماں حضرت مبارک صاحب قدس اسرارہ بھی حقائق الٰہیہ کے مراقبات پہلے ہی کراتے ہیں۔

۲۷)نیت مراقبہ حقیقت کعبہ ربّانی:

فیض می آید از ذات بیچون کہ مسجود جمیع ممکنات است و منشاء حقیقتِ کعبہِ ربّانی است بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ (توقف۔۔۔روز)

ترجمہ: بے چوں و بے مثل ذات تعالیٰ جو کہ تمام ممکنات کی مسجود اور حقیقت کعبہ ربانی کی منشاء ہے سے بوسیلہ مشائخ عظام علیہم الرضوان میری ہیئت وحدانی میں فیض آرہا ہے۔ (توقف روز)

تشریح: حقیقت کعبہ سے مراد سراوقات عظمت کبریایا نور صرف ہے جو تمام کا مسجود اور تمام تعینات کا اصل ہے۔ سراوقات عظمت و کبریا میں اضافت بیانیہ یعنی عظمت و کبریا جو ذات پاک کے سراوقات ہے (سر، پردے) حدیث قدسی میں ہے:

لکبریاءُ ردائي و العظمةُ إزاري فمَن نازَعني واحدًا منهما ألقيتُه في النّارِ۔[56]

کبریائی میری ردا (چادر) اور عظمت میری ازار (تہ بند) ہے۔ پس جو شخص ان دونوں میں میرے ساتھ منازعت کرے، میں اسے آگ میں پھینک دوں گا۔

جس طرح چادر اور تہ بند انسان کے بدن کو چھپاتے ہیں اسی طرح صفت عظمت و کبریاء اللہ تعالیٰ کی حقیقت وادراک بصر سے مانع ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ لا تدرکه الابصار آنکھ اس کا ادراک نہیں کر سکتی۔ نور صرف کا حال نور آفتاب کے انتشار کا سا ہے جو اس کے قرب کا حجب ہے، نور عین قرص سے منتشر ہو کر اس کا حجاب بن جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔ حجابہ النور بلکہ حقیقت کعبہ ذات الٰہی ہے۔ بحیثیت مسجودیت و معبودیت اور مرتبۂ احدیت ہے اور صور علمیہ جو کہ ذات باری کا مرتبۂ واحدیت ہے،

[56] مختصر المقاصد، ص ۷۳۶، ابوداؤد، ۴۰۹۰، ابن ماجہ ۴۱۷۴

اس سے بھی فوق ہے۔ حضرت وجود سے بھی فوق ہے، کیونکہ حضرت امام ربانی قدس اسرارہ کے قدیم قول کے مطابق وجود تعین جبی سے بھی فوق ہے۔ اسی بناء پر حضرت امام ربانی مذکور ارشاد فرماتے ہیں کہ صورت کعبہ صورت محمدیہ اور حقیقت کعبہ حقیقت محمدیہ کی مسجود ہے اور چونکہ حقیقت محمدیہ مراتب تعینات سے مترشح ہوتی ہے۔ یہ حقیقت کعبہ مراتب تعینات سے فوق ہے۔

اس مقام پر سالک کو ذات پاک کی عظمت و کبریائی نظر آتی ہے اور دریائے ہیبت و جلال میں مستغرق ہو جاتا ہے جب لاکھوں میں سے ایک عارف کو اس مرتبہ میں فناوبقاء حاصل ہوتی ہے تو وہ ممکنات کی توجہ اپنی طرف پاتا ہے۔

صاحب شفاء القلوب فرماتے ہیں کہ مراقبۂ حقیقت کعبۂ ربانی کی نیت کر کے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور تمام ممکنات کا مسجود لہ ہونے کا مراقبہ کرے، اس مقام میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی مشہود ہوتی ہے، سالک کے باطن پر ایک قسم کی ہیبت طاری ہو جاتی ہے اور وہ اپنے آپ کو اس شان سے متصف پاتا ہے اور ممکنات کی توجہ اپنی جانب جانتا ہے، جب اس مرتبۂ پاک کی فناوبقا حاصل ہو جائے تو مراقبہ حقیقت قرآن مجید تلقین کرے۔

۲۸)نیت مراقبہ حقیقت قرآن مجید:

فیض می آید از وسعتِ بیچون حضرت ذات کہ منشاء حقیقت قرآن مجید است بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ۔ (توقف۔۔۔روز)

ترجمہ: ذات بے چوں حق تعالیٰ جو کہ حقیقت قرآن مجید ہے کی وسعت سے بواسطہ مشائخ عظام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم میری ہیئت وحدانی میں فیض آرہا ہے۔

تشریح: حقائق الٰہیہ میں سے دوسرا دائرہ حقیقت قرآن ہے۔ حقیقت قرآن سے مبدء وسعت بے چوں ذات باری تعالیٰ مراد ہے اور یہ حقیقت کعبہ ربانی سے فوق ہے۔ حقیقت کعبہ کو تو نور محض سے تعبیر کیا جا سکتا تھا مگر حقیقت قرآن پر نور کے اطلاق کی بھی گنجائش نہیں۔ اسی طرح سہ گانہ ولایت اور کمالات نبوت سے بھی برتر ہے۔ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ حضرت حق تعالیٰ ازل ابد واحد بسیط کلام کے ساتھ متکلم ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ کلام الٰہی کے واحد بسیط ہونے کے باوجود تفصیل موجود ہے۔ انشاء (اوامر ونواہی) اور اخبار کا نور جدا جدا ہے کیونکہ عین اجمال میں وسعت و تفصیل کا پایا جانا صفات و وسعت کمال سے ہے۔ اس مرتبہ کی اجمال و تفصیل فہم و عقل انسان سے بالاتر ہے۔ اس مقام پر عارف کامل پر قرآن مجید کے مقطعات اور متشابہات منکشف ہو جاتے ہیں۔ قرآنی مقطعات جو کہ محبوب و محب کے درمیان بلا واسطہ اسرار ہیں۔ اوپر والا نصف دائرہ ہیں اور متشابہات جو کہ محبوب و محب کے درمیان بالواسطہ رموز ہیں وہ نچلا نصف دائرہ ہیں۔

نیز قرآن مجید کا ایک ایک حرف ایک دریا نظر آتا ہے۔ جو کعبہ مقصود تک پہنچانے والا ہے۔ تلاوت قرآن مجید میں نہایت درجہ کی حلاوت محسوس ہوتی ہے اور احکم الحاکمین سے راز و نیاز کی باتیں کرتا ہے، بسا اوقات تمام بدن ہی زبان بن جاتا ہے۔
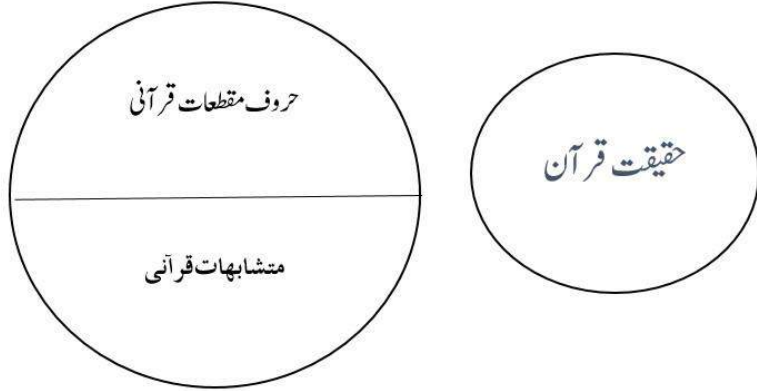
صاحب **شفاء القلوب** فرماتے ہیں کہ ایمان ویقین کا نور جب قلب کے شیشے میں پہنچتا ہے تو اُس نور سے قلب نرم ہو جاتا ہے اور اس کی نرمی جسم میں سرایت کر جاتی ہے اور وہ بھی دل کی نرمی کے اثر سے نرم ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللهِ۔ (الزمر ۲۳)

ترجمہ: ”ان کی جلدیں اور ان کے قلوب خدا کے ذکر سے نرم ہو جاتے ہیں“۔

جب قلب نور سے معمور ہو جائے اور سرور ومحبت کی وجہ سے جسم بھی نرم پڑ جائے تو زمان ومکان قلب کے نور میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ان کے ساتھ کلمات، آیات اور سورتیں بھی شامل ہوتی ہیں بلکہ قالب خاکی کی سرزمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اُٹھتی ہے، ایسی صورت میں قلب آسمان کی طرح اور جسم زمین کی مانند ہوتا ہے۔ کلام اللہ کی تلاوت کی لذت دنیا ومافیہا کو اس سے چھپا دیتی ہے اور قرآن مجید صاف شہود کی مزاحمت کرنے میں تمام کائنات کا قائم مقام بن جاتا ہے۔ اس وقت نہ تو نفسانی کلام کا وجود رہتا ہے اور نہ کسی وسوسہ کی آہٹ سنائی دیتی ہے بلکہ ابتداء سے انتہاء تک تلاوت قرآن کریم کا کسی وسوسہ اور نفسانی کلام کے بغیر تصور کیا جاسکتا ہے جو خدا کا بہت بڑا فضل وکرم ہے۔

جب قرآن مجید پڑھنے کا ارادہ کرے تو تھوڑی دیر کے لئے یہ اچھی طرح سوچ لے کہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے روبرو بیٹھا ہوں جس طرح شاگرد اُستاد کے روبرو بیٹھا ہو اور اپنا سبق اللہ تبارک وتعالیٰ کو سنا رہا ہوں تو اس مراقبہ سے جو کیفیت حاصل ہو گی وہ خود بخود معلوم ہو گی۔

بعض اکابر نے اس مقام میں اسے طرح دیکھا ہے کہ میں خانہ کعبہ کے اوپر آ گیا ہوں اور وہاں ایک زینہ رکھا ہوا ہے جس کے ذریعے سے اوپر چڑھ کر حقیقت قرآن مجید میں داخل ہوا ہوں۔ اس مقام میں شرح صدر ہو جاتا ہے، وسعت وبے چونی میں احوال ظاہر ہونے لگتے ہیں، کلام الٰہی کے بطون واسرار اس مقام میں ظاہر ہوتے ہیں اور کلام اللہ کے ہر حرف میں معانی کا ایک بے پایاں دریا نظر آتا ہے، پند ونصائح، قصص وحکایات کو اور اوامر ونواہی وغیرہ کی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔

قرآن مجید پڑھنے کے وقت قاری کی زبان شجرۂ موسوی کا حکم حاصل کر لیتی ہے اور قاری کا تمام قالب (جسم) زبان بن جاتا ہے۔ قرآن مجید کے انوار کے ظاہر ہونے کی علامت غالباً عارف کے باطن کے اوپر ایک ثقل (بوجھ) کا وارد ہونا ہے بموجب آیت کریمہ:

إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا (المزمل ۵)

ترجمہ: بے شک عنقریب ہم تم پر ایک بھاری بات ڈالیں گے۔

نسبت حقیقت کعبہ معظمہ باوجود اس سب عظمت و کبریائی کے حقیقت قرآن مجید سے نیچے دکھائی دیتی ہے۔

تنبیہ: اس کے محاذات میں دائرۂ حقیقت صوم واقع ہے، اس کے انوار و اسرار بھی اسی کے متعلق ہیں اور یہ دائرہ بھی سلوک میں داخل نہیں ہے۔

۲۹)نیت مراقبہ حقیقت صلوٰۃ:

فیض می آید از کمال وسعت بیچون حضرت ذات کہ منشاء حقیقت صلوٰۃ است بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ۔ (توقف۔۔۔روز)

ترجمہ: ذات حق تعالیٰ کے وسعت کمال سے جو کہ منشاء حقیقت صلوٰۃ ہے بوسیلہ مشائخ عظام میرے ہیئت وحدانی میں فیض آ رہا ہے۔ (توقف روز)

تشریح: حقیقت صلوٰۃ سے مراد کمال وسعت بیچوں ذات پاک حق تعالیٰ ہے۔ حقیقت کعبہ اور حقیقت قرآن اس کے جزء نظر آتے ہیں اور حقیقت صلوٰۃ سب کمالات کی جامع ہے۔ شب معراج میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قف یا محمد فان ربک یصلی تو ممکن ہے کہ اسی حقیقت صلوٰۃ کی طرف اشارہ ہو۔ مضمون حدیث ان تعبد اللہ کانک تراہ اس جگہ پر بوجہ کمال ظاہر ہوتا ہے۔ سرور عالم ﷺ نے اسی حالت کرتے ہوئے فرمایا۔ الصلوٰۃ معراج المومن نیز فرمایا اقرب مایکون العبد من الرب فی الصلوٰۃ نیز قرۃ عینی فی الصلوٰۃ اور ارحنی یا بلال اور جو کمالات و مشاہدات نماز کے باہر مشہور ہوتے ہیں، وہ نماز کے دوران ظاہر سے مطلقاً تعلق ختم کر کے عالم غیب سے ملحق ہو جاتا ہے جس کی کیفیت معلوم نہیں ہو سکتی۔ یہ تمام کمالات اور حقائق اس وقت منکشف ہوتے ہیں کہ جبکہ کتب فقہ کے مطابق نماز کے فرائض، شرائط، واجبات، سنن و مستحبات کا لحاظ رکھا جائے۔ اسی لیے فرمایا: إِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ (البقرۃ ۴۵)

صاحب شفاء القلوب فرماتے ہیں کہ مراقبۂ صلوٰۃ یعنی نماز میں حضوری حاصل کرنے کے کئی طریقے ہیں:

۱۔ یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں۔

۲۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔

۳۔ یہ کہ معنی کا خیال رکھے۔

۴۔ یہ کہ ہر لفظ بالقصد منہ سے نکالے کہ کوئی لفظ محض یاد سے ادا نہ ہو بلکہ یہ قصد کرے کہ اب یہ لفظ نکالنا ہے۔

۵۔ یہ سمجھنا کہ یہ میری عمر کی آخری نماز ہے شاید اس کے بعد دوسری نماز پڑھنے کی مہلت نہ ملے تو ان طریقوں میں سے جو طریقہ چاہے، اختیار کریں۔

اثرات: وہ پاکیزہ قلوب، جن کی اصلاح جسم کی اصلاح کی بدولت ہو چکی ہے، آسمانی ہیں، چنانچہ جب وہ تکبیر کہہ کر نماز شروع کرتے ہیں تو اس وقت وہ آسمان میں داخل ہو جاتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے آسمان کو شیاطین کے تصرفات سے محفوظ کر رکھا ہے اسی طرح آسمانی قلب بھی شیطان کی دسترس سے محفوظ رہتا ہے۔ البتہ نفسانی وسوسے باقی رہتے ہیں جو آسمان کی قلع بندی کے باوجود منقطع نہیں

ہوتے، اس وقت شیطانی تصرف منقطع ہو جاتا ہے مگر مقربین بار گاہ کے قلوب بتدریج مقامات قرب کی طرف بڑھتے رہتے ہیں جب وہ آسمانوں کے مختلف طبقات پر چڑھتے رہتے ہیں تو ہر آسمانی طبقہ میں نفس کی کچھ نہ کچھ تاریکی پیچھے چھوڑ جاتے ہیں، اور اس کے مطابق نفسانی وسوسے بھی کم ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ تمام آسمانوں سے گزر کر عرش کے سامنے پہنچتے ہیں تو عرش کی تیز روشنی کے سامنے تمام نفسانی وساوس بالکل فنا ہو جاتے ہیں یعنی نفس کی تاریکیاں نور میں قلب میں اسی طرح غائب ہو جاتی ہیں جس طرح رات دن میں غائب ہو جاتی ہے، اس مقام پر پہنچنے کے بعد آداب نماز کے تمام حقوق مکمل ادا ہوتے ہیں۔

اس مقام میں حضرت ذات بے چوں کی کمال درجہ کی وسعت ظاہر ہوتی ہے اور نماز کی حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے۔ یہ مقام نہایت اعلیٰ و ارفع ہے اور الصلوٰۃ معراج المؤمنین ترجمہ: "نماز مومنین کے لئے معراج ہے"۔

عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال أقرب ما يكون العبد من ربه وهو ساجد فأكثروا الدعاء۔[57]

ترجمہ: بندہ نماز میں رب کے سب سے زیادہ نزدیک ہے۔

کا راز ظاہر ہوتا ہے، اس کی کیفیت بیان سے باہر ہے۔ حقیقت قرآن مجید اس کا ایک جز اور حقیقت کعبہ اس کا دوسرا جز ہے۔ سالک جب اس حقیقت مقدسہ سے بہرہ ور ہوتا ہے تو نماز ادا کرتے وقت اس دار فانی سے باہر ہو کر دار آخرت میں داخل ہو جاتا ہے،

اور حدیث: ان تعبد الله کانک تراہ۔ بطریق کمال جلوہ گر ہو جاتی ہے۔

سالک کو چاہیئے کہ نماز کی ادائیگی میں تمام سنن و آداب کی کما ینبغی رعایت کرے تا کہ حقیقت صلوٰۃ جلوہ گر ہو جائے، لوگ نماز کی حقیقت سے ناواقف ہیں، یہی وجہ ہے کہ صوفیوں کا ایک جم غفیر اپنے اضطراب اور قبض کی تسکین و علاج، راگ و نغموں کے پردوں میں دیکھتے ہیں اور اپنے مطلوب کو سماع اور وجد و تواجد میں تلاش کرتے ہیں، اسی لئے وہ رقص ور قاصی کو اپنی عادت بنا لیتے ہیں۔ اگر نماز کے کمالات کا تھوڑا کرشمہ بھی ان پر ظاہر ہوتا تو کبھی سماع و نغمہ کا دم نہ بھرتے اور وجد و تواجد کو یاد نہ کرتے۔ ان ہر سہ حقائق الٰہیہ میں سالک کے تمام وجود میں اضمحلال سرایت کر جاتا ہے اور وسعت باطن بتدریج اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ ہم نے نماز کے بارے میں جو ذکر کئے وہ بہت کم ہیں نماز کی شان ہمارے بیان سے کہیں زیادہ اونچی ہے۔

حقائق کے اسباب: کمالات کے ان تین اسباق کے بعد دو راستے ہیں، جیسے آپ ایک سڑک پر چلتے جائیں اور سامنے ایک دوراہا آجائے، تو آپ دائیں بھی جا سکتے ہیں اور بائیں بھی یعنی ان دونوں میں سے آپ جو بھی راستہ چاہیں اپنا سکتے ہیں۔ پہلے یہ ایک راستہ تھا جس کو حقائق کا راستہ کہتے تھے۔ چنانچہ اس میں حقیقت کعبۂ ربانی، پھر حقیقت قرآن مجید اور اس کے بعد حقیقت نماز کے اسباق تھے اور اس میں حقیقت کعبۂ ربانی، پھر حقیقت قرآن مجید اور اس کے بعد حقیقت نماز کے اسباق تھے اور اس کے بعد پھر معبودیت صرفہ کا سبق آجاتا۔ سب مشائخ اسی کے ذریعے سالک کو لے کر چلتے لیکن آخری عمر میں مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ پر منکشف ہوا کہ اس کا ایک متبادل راستہ بھی ہے اور وہ حقائق انبیاء کا راستہ ہے۔ پہلے حقائق اعمال کے تھے جن کو "حقائق الٰہیہ" بھی کہا گیا ہے۔ اب حقائق انبیاء کا راستہ ہے دونوں راستے ایک ہی منزل تک پہنچتے ہیں۔

---

[57] سنن أبي داود، ج ۱، ص ۳۲۶۔ الناشر: دار الكتاب العربي-بيروت

کتب معتبرہ میں تو شیخ کی مرضی پر موقوف رکھا گیا ہے کہ وہ سالک کو جس راستے پر چاہے چلائے مگر ہمارے مشائخ سلکین کو دونوں راستوں کی سیر کراتے ہیں۔ اس طرح سالک کو حقائق الٰہیہ کے کمالات بھی مل جاتے ہیں اور حقائق انبیاء کے کمالات سے بھی مستفید ہو جاتا ہے۔ اب آگے جو اسباق ہیں وہ حقیقت کعبہ ٔربانی، حقیقت قرآن مجید اور حقیقت نماز کے ہیں۔ یہ ترتیب اس لئے ہے کہ حقیقت کعبہ ٔربانی بنیاد ہے اور حقیقت قرآن اس کے اوپر ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی مثال امام کی سی ہے اور کعبہ کی مثال مقتدی کی سی حقیقت کعبہ ٔربانی میں انسان اپنے آپ کو ایسا محسوس کرتا ہے جیسے میں کعبہ کی چھت پر ہوں اور جو انوارات وہاں برس رہے ہیں وہ میرے اوپر بھی آرہے ہیں لیکن حقیقت قرآن میں اس سے اوپر ترقی ہو جاتی ہے حقیقت قرآن سے اوپر مرتبہ حقیقت نماز ہے۔ در حقیقت قرآن سے اوپر مرتبہ حقیقت نماز ہے۔ در حقیقت اصل تو حقیقت نماز ہے اور اس کے دو جز وایک کو حقیقت کعبہ ٔربانی اور دوسرے کو حقیقت قرآن مجید کہتے ہیں۔ جب یہ دونوں اجزاء ملتے ہیں تو نماز کی حقیقت نصیب ہو جاتی ہے۔ جس کی وضاحت آئندہ ملاحظہ فرمائیں۔

کمالات اور حقائق الٰہیہ کا تعلق

"ھدایت الطالبین" میں حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ تحقیق مرتبہ ٔکمالات اور حقائق الٰہیہ ثلاثہ کے درمیان ایک نوع کی نسبت ہے بلکہ محققین نے تو یہ بھی فرمایا ہے کہ حقائق الٰہیہ کمالات کی یہ نسبت ایسی ہیں جیسے دریا کی موجیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ چونکہ کمالات میں تجلیات ذاتی دائمی کا ظہور ہوتا ہے اس لئے ضرور ہر وہ نسبت، جو فرق سے تعلق رکھتی ہے، مرتبہ ٔ ذات سے خالی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا لفظ امواج کا اطلاق یہاں پر بالکل صحیح ہے اور جو کچھ مجھ ناچیز کے فہم وادراک میں آیا ہے وہ یہ ہے کہ حقائق کے مقام پر جو منکشفات ہوتی ہیں وہ کمالات کی نسبت کے مقام پر ظاہر نہیں ہوتی مثلاً کعبہ ٔمعظمہ کی حقیقت میں عظمت و کبریائی کا ظہور ہوتا ہے اور تمام ممکنات کی مسجودیت اس طرح ظہور کرتی ہے کہ اس کے ادراک سے عقل عاجز اور زبان گنگ رہ جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ کے گھر کی حقیقت، اللہ کے کلام کی حقیقت اور پھر نماز کی حقیقت، ان سب کا اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق ہے۔ کیا کعبہ ٔمعظمہ کی صرف ظاہری صورت ہے؟۔

مکتوبات دفتر سوم مکتوب ۱۲۴ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں: جاننا چاہیے کہ صورت کعبہ سے مراد (موجودہ) اینٹ، پتھر نہیں ہے کیونکہ اگر بالفرض یہ اینٹ پتھر درمیان میں نہ ہوں تو بھی کعبہ، کعبہ اور مسجود خلائق ہے بلکہ صورت کعبہ، باوجود اس کے کہ عالم خلق سے ہے دوسری موجودات کی مانند نہیں ہے، بلکہ ایک مبطن (پوشیدہ) امر ہے جو حس و خیال کے احاطہ سے باہر ہے، اگرچہ بظاہر اس کا تعلق عالم محسوسات سے ہے۔ لیکن پھر بھی محسوسات سے ماوراء ہے اور (اگرچہ) وہ تمام اشیاء کا متوجہ (جس کی طرف توجہ کی جائے) ہے لیکن بظاہر وہ چیز نہیں ہے جو حقیقت ہے، وہ ایک ایسی ہستی ہے جو نیستی کا لباس پہنے ہوئے ہے اور ایک ایسی نیستی ہے جس نے اپنے آپ کو ہستی کے لباس میں ظاہر کیا ہے اور جہت میں ہو کر بے جہت اور سمت میں ہو کر بے سمت ہے۔

بفرض تقدیر اگر یہ ظاہری عمارت نہ بھی ہو تو بھی حقیقی کعبہ موجود ہو گا، ہم اینٹ پتھر کو سجدہ نہیں کرتے بلکہ اس کے اندر جو تجلیات ذاتیہ اتر رہی ہیں، وہ ہماری مسجود ہیں چنانچہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں واضح فرق بھی یہی ہے کہ ہندو پتھر کی بنی ہوئی مورتیوں کو سجدہ کرتے ہیں جبکہ ہم پتھر سے بنے ہوئے کعبہ پر جو تجلیات اُتر رہی ہیں، ان کو سجدہ کرتے ہیں۔

فرض کریں کہ ایک شخص خلا میں چلا گیا تو وہ بیت اللہ کی عمارت کی طرف تو رُخ کر ہی نہیں سکتا لیکن چونکہ عرش کے اوپر سے تجلیات ذاتیہ آ رہی ہیں اور آسمانوں پر بیت المعمور بھی ہے، فرشتے جس کا طواف کر رہے ہیں اسی کے بالکل نیچے زمین پر مسلمان بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں، اور درمیان میں سب ستارے وغیرہ ان تجلیات کا طواف کرتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی عجیب شان ہے۔ اسی طرح کوئی شخص سمندر کی تہہ میں چلا جائے تو عمارت تو وہاں بھی سامنے نہیں آ سکتی مگر تجلیات تو تحت الثریٰ تک موجود ہیں وہاں بھی اس کی نماز ہو جائے گی۔

تو مقصود یہ بتانا تھا کہ ہم متوجھا الیٰ جھة الکعبة الشریفة "بیت اللہ کی طرف رخ کرتے ہیں" اس کو سجدہ نہیں کرتے، جو مسجود الیہ ہے وہ تجلیات ذاتیہ ہیں جو کعبہ پر اتر رہی ہیں، کعبہ ایک جگہ ہے جس نے ہمارے لئے جہت کو متعین کر دیا ہے، اگر جہت نہ ہوتی تو لوگوں کو یہ سمجھ نہ آتی کہ ہم کس طرف رخ کریں، کوئی دائیں رخ کرتا تو کوئی بائیں، کوئی آگے رخ کرتا تو کوئی پیچھے۔ اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا اور ہمیں اس پریشانی سے بچا لیا، ایک جگہ کو متعین کر دیا ہے کہ دیکھو یہ میرا گھر ہے، اب چاروں طرف سے سب بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھو۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ اینٹ پتھر درمیان میں نہ بھی ہوں تو بھی کعبہ مسجود خلائق رہے گا۔

کعبہ کی حقیقت تمام مخلوقات کی مسجود الیہ ہے:

مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۲۶۳ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں: فقیر کے نزدیک، جس طرح کعبۂ ربانی کی ظاہری صورت مخلوق کی صورت کے لئے، خواہ وہ بشر ہوں یا ملک (یعنی فرشتہ) مسجود الیہ ہے اسی طرح اس کی حقیقت بھی تمام مخلوقات کے لئے مسجود الیہ ہے، پس لازمی طور پر وہ حقیقت (کعبۂ ربانی) تمام حقائق پر فوقیت رکھتی ہے اور اس کے متعلقہ کمالات تمام حقائق کے متعلقہ کمالات سے فائق تر ہیں۔ گویا حقیقت کعبہ "حقائق کونی" ہیں (یعنی کائنات کے جو حقائق ہیں) اور "حقائق الٰہی" سے مراد عظمت و کبریائی کا پردہ ہے کیونکہ کوئی رنگ و کیف اس (تعالیٰ شانہ) کے دامان قدس تک نہیں پہنچتا اور کوئی ظلیت اس تک راہ نہیں پاتی۔

آگے فرماتے ہیں: جہت کعبہ حقائق الٰہی تعالیٰ و تقدس کے ظہورات کا مقام ہے لہٰذا کعبہ دنیا میں عجوبۂ روزگار ہے جو بظاہر دنیا سے ہے لیکن حقیقت میں آخرت سے متعلق ہے۔

مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۲۴ میں حقیقت کعبۂ ربانی کے برزخ ہونے کو اس طرح بھی سمجھایا گیا ہے کہ حقیقت کعبہ، حقائق مخلوقات اور حقیقت واجب جل سلطانہ کے درمیان، جو کہ مرتبۂ احدیت ذات تعالیٰ و تقدس ہے، برزخ ہے کیونکہ کعبہ مخلوق کا مسجود الیہ ہے (اسی لئے) اس کی حقیقت تمام مخلوق کے حقائق سے ضرور ممتاز ہونی چاہیئے۔ چونکہ مسجود، ذات حق سبحانہ و تعالیٰ ہے (اس لئے) کعبہ کی حقیقت تمام مخلوق کے حقائق سے ضرور ممتاز ہونی چاہیئے۔ چونکہ مسجود، ذات حق سبحانہ و تعالیٰ ہے (اس لئے) کعبہ کی حقیقت بھی اس مقدس بارگاہ سے ہونی چاہیئے۔ ہمارے حضرت مجدد الف ثانی قدسنا اللہ تعالیٰ بسرہ الاقدس نے ایک

مکتوب گرامی میں،(جو کہ مکتوبات کی کسی شامل نہیں ہے) لکھا ہے کہ حقیقت کعبہ ذات واجب تعالیٰ ہے اس لئے کہ مسجود، حقیقت میں وہی مقدس مرتبہ ہے۔ لہٰذا جاننا چاہیئے کہ مسجود اگرچہ ذات بیچون ہے لیکن اعتبار مسجودیت کو اس کے ساتھ ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اس لئے مرتبۂ احدیت، ذات سے جو کہ نسبتوں اور اعتبارات سے پاک ہے، نیچے کے درجے میں ہو گا، وہی دید و دانش و گرفتاری سے متمیز ہو جائے گا۔

حقیقت کعبہ سے مراد ذات بے چون واجب الوجود ہے:

مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۱۲۴ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اے بھائی! جب تم نے صورت کعبہ کا تھوڑا بیان سن لیا تو اب حقیقت کعبہ کے بارے میں بھی تھوڑا سا سن لو: حقیقت کعبہ سے مراد ذات بے چون واجب الوجود (یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات) ہے کہ ظہور اور ظلیت کی گرد بھی وہاں تک نہیں پہنچتی اور جو مسجودیت و معبودیت کی شان کے لائق ہے۔ پھر آگے فرماتے ہیں کہ اس حقیقت جل سلطانہ کو اگر حقیقت محمدی ﷺ کا مسجود کہیں تو اس میں کیا خطرہ لازم آتا ہے اور آپ ﷺ کی افضلیت میں اس سے کس طرح قصور واقع ہوتا ہے؟ وہاں حقیقت محمدی ﷺ باقی تمام افراد عالم کے حقائق سے افضل ہے لیکن حقیقت کعبہ معظمہ عالم کی جنس سے نہیں ہے تا کہ اس کی طرف یہ نسبت ظاہر کی جائے اور اس کی فضیلت میں توقف کیا جائے۔ سجدے کی شان تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، اسی کو سجتا ہے کہ لوگ اسے سجدہ کریں۔ اسی لئے اگر یہ سوال کیا جائے کہ حقیقت محمدی ﷺ اور حقیقت کعبۂ ربانی میں کون افضل ہے؟ تو فرماتے ہیں کہ بیت اللہ شریف کی حقیقت افضل ہے اس لئے کہ حقیقت کعبۂ ربانی، اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، یہ اسی کی تجلیات ہیں اور حقیقت محمدی ﷺ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات ہے۔ بحر حال اگر حقیقت کو دیکھیں تو بیت اللہ کی تجلیات کو فوقیت ہو گی۔ اسی بات کو حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکتوبات معصومیہ کے دفتر دوم میں فرماتے ہیں، کسی نے ان سے پوچھا کہ ہمارے حضرت عالی یعنی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قدس سرہ نے تحریر فرمایا ہے کہ حقیقت کعبۂ ربانی، حقیقت محمدی ﷺ کے اوپر ہے۔ اس سے حقیقت کعبہ کا حقیقت محمدی ﷺ سے افضل ہونا لازم آتا ہے حالانکہ آں سرور عالم علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔ **لولاہ لما خلق الأفلاک ولما أظهر الربوبیة۔ (کشف الاخفاء)** یعنی "اگر وہ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ آسمانوں کو پیدا نہ کرتا اور اپنے رب ہونے کو ظاہر نہ فرماتا" جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے۔ جواب میں حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اول یہ کہ حقیقت کعبۂ ربانی معبودیت و مسجودیت کے مقام سے پیدا ہوتی ہے اور آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کامل عبدیت و عابدیت (بندہ اور بندگی کرنے والا ہونے) کے مقام میں ہیں، اس بنا پر ہو سکتا ہے کہ حقیقت کعبہ ذات الٰہی جل سلطانہ ہو کیونکہ حقیقت میں معبود یعنی وہ حقیقت، اس صورت کی مسجودیت کا منشاء ہے ور اس میں شک نہیں ہے کہ وہ حقیقت ذات حق عز برھانہ ہے۔ پس اگر اس حقیقت کو حقیقت محمدی ﷺ پر فوقیت و فضیلت ہو تو کیا خطرے کی بات ہے۔

یہاں کوئی یہ سوال کر سکتا ہے کہ چونکہ کعبۂ معظمہ کی ظاہری صورت ممکنات میں سے ہے تو کیا اس کی حقیقت ممکنات میں سے نہیں ہو گی؟ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکتوبات معصومیہ کے دفتر دوم

میں فرماتے ہیں "اور یہ جو بعض حضرات کہتے ہیں کہ ممکن، جو کہ صورت کعبہ ہے اس کی حقیقت بھی ممکن ہی ہونی چاہیئے وہ ذات کس طرح ہو گی؟

جواب: صاحب شفاء القلوب فرماتے ہیں کہ اس بزرگ گروہ کے طریقے پر کسی چیز کی حقیقت اس چیز کی ذات اور ما بہ الشئ ھو ھو ماہیت سے عبارت نہیں ہے بلکہ اس کے وجودی و توابع وجودی، فیوض کے مبداء سے عبارت ہے اور وہ چیز اس کے لئے علت کی مانند ہے۔ ایک کعبہ ٔمعظمہ کی ظاہری صورت ہے جو کہ ہمیں نظر آتی ہے، یہ ممکنات میں سے ہے اور عالم خلق سے اس کا تعلق ہے اگر کعبہ ٔمعظمہ کے ظاہر کی ذات اور ماہیت کو دیکھا جائے تو پتھر اور اینٹ نظر آئیں گے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ممکن کی حقیقت سے مراد یہ ظاہری ماہیت ہو جو ہمیں ظاہر کی آنکھوں سے نظر آتی ہے بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ اس فیوضی برکات کی مبدا یعنی اصل کیا ہے اور وہ اللہ رب العزت کی ذات کی تجلیات ہیں۔ اللہ کی ذات ہی کعبہ ٔمعظمہ کی حقیقت ہے جیسے کہ ہم نے اوپر پڑھا، اس لئے امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حقیقت کعبہ سے مراد وہ ذات ہے جو بے چون واجب الوجود یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ حقیقت کعبہ ٔربانی کا تعلق ہیئت وحدانی کے ساتھ مخصوص ہے۔

حقیقت کعبہ ٔربانی اور ہیئت وحدانی:

مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۲۶۰ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ہ بعض کامل مرادمند ایسے ہیں جن کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طفیل عظمت و کبریائی کے ان پردوں میں جگہ دی جاتی ہے اور ان کو محرم بارگاہ بنایا جاتا ہے۔ فعومل ماعومل معھم "ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جاتا ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کیا گیا"۔

اے فرزند! یہ معاملہ انسان کی اس ہیئت وحدانی کے ساتھ مخصوص ہے جو عالم خلق اور عالم امر کے مجموعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ باوجود اس کے ان سب کا سردار اس مقام میں عنصر خاک ہے۔

ہیئت وحدانی:

صاحب شفاء القلوب فرماتے ہیں: ہمارے مشائخ نے اس کو ایسے سمجھایا ہے کہ سالک کو جب فنا حاصل ہو جاتی ہے ور اس کے دس لطائف کا تصفیہ اور تزکیہ ہو جاتا ہے تو لطائف میں جو اعتدال پیدا ہوتا ہے ان لطائف کے مجموعہ کو "ہیئت وحدانی" کہتے ہیں۔ ہم نے پڑھا تھا کہ جس طرح سارے لطائف ایک بن جاتے ہیں یعنی سب کو اکٹھا کر دیا جائے تو اس طرح سارے لطائف ایک بن جاتے ہیں اور ایک دوسری شکل پیدا کر کے اگلے مقامات پر عروج کرتے ہیں۔

حقائق ثلاثہ کے وصول کا تعلق:

حقیقت کعبہ ٔربانی، حقیقت قرآن مجید اور حقیقت صلوٰۃ کو "حقائق ثلاثہ" کہتے ہیں اور جو دوسرا راستہ ہے اس میں چار حقائق آتے ہیں جو کہ حقیقت ابراہیمی علیہ السلام، حقیقت موسوی علیہ السلام، حقیقت محمدی ﷺ اور حقیقت احمدی ﷺ ہیں۔

جب بھی حقائق ثلاثہ کہیں گے تو فوراً سمجھ لیں کہ ان سے حقیقت کعبۂ ربانی، قرآن مجید اور نماز مراد ہیں۔ مکتوبات معصومیہ دفتر سوم مکتوب ۱۴۰ میں تحریر فرماتے ہیں: آپ نے لکھا تھا کہ حقائق ثلاثہ (کعبہ، قرآن اور نماز) تک وصول تفضل (فضل و کرم) میں داخل ہے یا نہیں؟

جواب: ان حقائق کا معاملہ کمالات نبوت سے اوپر ہے اس لئے داخل تفضل ہونا چاہیئے۔

ہر مسجد میں ظہور حقیقت کعبۂ ربانی:

مصنف "کنز الهدایات" حضرت مفتی محمد باقی لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے شیخ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کرتے ہیں، لکھتے ہیں کہ عبد ضعیف نے حضرت پیر دستگیر اپنے امام یعنی حضرت خواجہ محمد معصوم قدسنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بسرہ السامی کی موتی بکھیرنے والی زبان مبارک سے سنا ہے کہ ہر مسجد میں کعبۂ معظمہ کی حقیقت کا ظہور ہوتا ہے یعنی رب العزت کی جو تجلیات ذاتیہ وہاں وارد ہوتی ہیں ان ہی کی شعاعیں ہر مسجد کے اندر نازل ہوتی ہیں اور نماز پڑھنے والوں کے دلوں کو منور کرتی ہیں بلکہ نماز پڑھنے والا بندہ جب تک نماز پڑھتا رہتا ہے اس کے سامنے ذات منکشف رہتی ہے، چونکہ مسجد کے اوپر تجلیات وارد ہو رہی ہوتی ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنا گھر کہا ہے، اس لئے جب قیامت قائم ہو گی تو زمین کے وہ ٹکڑے جو مسجدیں ہیں ان سب کو بیت اللہ کا حصہ بنا کر جنت میں شامل کر دیا جائے گا۔ یہ کوئی معلومی بات نہیں ہے کہ فلاں جگہ پر اللہ تعالیٰ کا گھر بن گیا، بلکہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تو فرماتے ہیں کہ نماز اتنی اہم عبادت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تجلی اس کے سامنے جلوہ گر رہتی ہے، جب بندہ اپنی جگہ سے اُٹھتا ہے تب تجلی گھٹتی ہے۔ جتنی دیر بیٹھ کے نماز کے بعد تلاوت کرتا ہے، تسبیحات پڑھتا ہے اور مراقبہ کرتا ہے ذات کی تجلی رہتی ہے۔

حقیقت کعبۂ ربانی سے حقیقت قرآن مجید تک:

"هداية الطالبين" میں حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مقام یعنی حقیقت کعبہ پر حضرت حق سبحانہ کی عظمت اور کبریائی مشہود ہوئی اور میرے باطن پر ایک عظیم ہیئت طاری ہوئی۔ فرماتے ہیں کہ جب حضرت پیر دستگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس عاجز پر قرآن مجید کی حقیقت میں توجہ فرمائی تو میں نے اس مقام پر عظمت و کبریائی کے شاہی پردوں کے اندر اپنے آپ کو پایا اور عالم مثال میں ایسا دیکھا کہ گویا میں خانۂ کعبہ کی چھت پر چڑھ گیا ہوں اور وہاں ایک زینہ رکھا ہوا ہے، میں اس زینے سے عروج کر کے حقیقت قرآن مجید میں داخل ہو گیا۔

حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "هداية الطالبين" میں تحریر فرماتے ہیں: "حقیقت قرآنی سے مراد حضرت ذات کی بے چونی و بے کیفی کی وسعت و فراخی ہے، حضرت ذات سبحانہ کی وسعت اسی مقام سے شروع ہوتی ہے اور ایسے حالات و کیفیات ظاہر ہوتے ہیں جو وسعت کے مشابہ ہیں، ورنہ اس مقام پر لفظ وسعت کا اطلاق میدان کی تنگی ہے پس خوب سمجھ لو اور کسی قسم کی کوتاہی نہ کرو۔

اس مقام پر کلام اللہ تعالیٰ کے مخفی راز ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ **لکل أية من القرأن ظهر و بطن**: "قرآن کی ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے"۔ پھر اس کے ہر باطن کے آگے سات باطن ہیں تو مشائخ صوفیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ ظاہر کے معنی ہیں، یہ تو ہم سمجھتے ہیں، اس کے آگے اور بھی معارف ہیں، ان معارف کے سمجھنے کا تعلق دل کی نورانیت کے ساتھ ہے، جتنی نورانیت ہوگی، اس کے باطن کے معارف بھی اتنے زیادہ ہوں گے۔ آگے فرماتے ہیں: میں نے قرآن مجید کے حروف میں سے ہر حرف کو ایک بے پایاں سمدر پایا، جو کعبہ تک پہنچانے والا ہے مگر ایک عجیب تر نکتہ سنو! باوجود ان تمام مختلف قصص و حکایات اور اوامر و نواہی، قرآت کے وقت بہت سی چیزیں ظاہر ہوتی ہیں، بہت سے اسرار کھلتے ہیں اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی قدرت، حکمت اور اس کے اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔ غور کرو تمام عوام کی نصیحت و تعلیم کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کے قصص و حکایات کا کیوں ذکر کیا گیا ہے؟ بنی آدم کی ہدایت کے لئے احکام شریعت کیوں بیان فرمائے گئے ہیں؟ اور قرآن مجید کے حروف کے اندر کیا کیا کیفیات اور معاملات ہیں؟ کہ حیرت پر حیرت ہوتی ہے، وہ ہر حرف میں ایک خاص شان کے ساتھ ظہور فرماتا ہے اور طالبین حق کے دلوں کو معارف سے لبریز کر دیتا ہے۔ بقول شاعر!

نہ حسنش غایتے دارد، نہ سعدی را سخن پایاں　　　بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

نہ اُس کے حُسن کی حد ہے نہ سعدی کی زباں گونگی

نہ خالی ہوگا دریا خواہ، کہ مر ہی جائے مستسقی

اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ ایک ایک حرف کے اندر ہمارے مشائخ پر کیا کیا راز کھلے ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "**هداية الطالبين**" میں فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی قراءت کے وقت پڑھنے والے کی زبان شجرۂ موسوی کا حکم رکھتی ہے یعنی جس کو حقیقت قرآن مجید کا مراقبہ کرنے کی سعادت ملے اور اس کو پورا فیض ملے تو وہ کئی مرتبہ قاری کے منہ سے نور کا اخراج ہوتا ہوا آنکھوں سے دیکھتا ہے جیسے شجرۂ موسوی سے آگ نکلتی نظر آرہی تھی۔ ایسے ہی قاری کی زبان سے قرآن کا نور نکل رہا ہو تو اہل کشف کو محسوس ہوتا ہے کہ شاید ایک روشنی ہے جو وہاں سے نکل رہی ہے۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا ہے کہ شاید یہی وجہ ہے کہ قاری قرآن پڑھتا ہے تو حدیث پاک کے مطابق فرشتے اس کے قریب آتے ہیں، حتیٰ کہ قریب آکے اس قاری کے منہ پر اپنا منہ رکھ دیتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے منہ کو بوسہ دیتے ہیں، یہ انسان کتنا خوش نصیب ہے جس کے منہ سے ایسا نور نکلتا ہے، ہم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ قرآن مجید کی تلاوت کے وقت کیا کیفیات ہوتی ہیں، اسی لیئے فرمایا:

تبرک بالقرآن فانه كلام الله خرج منه۔ (كنز العمال: ٢٣٤٦)

"قرآن سے تم تبرک پاؤ کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس کی طرف سے صادر ہوا ہے" آگے فرماتے ہیں کہ: اس مقام پر حضرت ذات کی بے چونی، جو مبدأ وسعت ہے اس کا مراقبہ کیا جاتا ہے اور ان مقامات کا مورد فیض سالک کی ہیئت وحدانی ہے۔

حقیقت کعبۂ ربانی حقیقت قرآن سے بلند ہے:

مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۵۵ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک رسالہ میں یہ تحریر دیکھی ہے کہ حضرت خواجہ احرار قدس سرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ قرآن، بحقیقت از مرتبۂ عین جمع است (یعنی قرآن مجید، حقیقت میں مرتبۂ عین سے جمع ہے) یعنی ذات تعالیٰ و تقدس کی احدیت سے ہے، لہٰذا جو کچھ رسالہ "مبدأ و معاد" میں تحریر کیا گیا کہ حقیقت کعبہ ربانی حقیقت قرآنی سے بلند و بالا ہے، اس کے معنی کیا ہوں گے؟

اس کے جواب میں فرماتے ہیں: میرے مخدوم! احدیت ذات سے مراد احدیت مجردہ نہیں ہے کہ جس میں کوئی صفت و شان ملحوظ نہ ہو کیونکہ حقیقت قرآن کا منشاء صفت کلام سے ہے جو صفات ثمانیہ (آٹھ صفات) میں سے ایک صفت ہے اور حقیقت کعبہ کا مبدأ و منشاء وہ مرتبہ ہے جو شیونات و صفات کی تلوینات سے برتر ہے، اس لئے اس کی فوقیت کی گنجائش ہو گی۔

چنانچہ مکتوبات مجددیہ دفتر سوم مکتوب ۷۷ میں فرماتے ہیں کہ نور صرف (خالص نور) کے بعد جس کو اس فقیر نے حقیقت کعبۂ ربانی پایا ہے کہ یہ ایک نہایت ہی عالی مرتبہ ہے جو کہ حق تعالیٰ سلطانہ کے مطابق کعبۂ معظمہ آفاق کا قبلہ بنا اور تمام مخلوق کے مسجود ہونے کی دولت سے مشرف ہوا۔

لہٰذا امام قرآن مجید ہے، ماموم یعنی مقتدی، پیش معظمہ ہے اور یہ مرتبۂ مقدسہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کی بے چون وسعت کا مبدا ہے۔ اور اس بارگاہ کی بے چونی و بے چگونی کے امتیاز کا مبدا اً بھی یہی درجۂ عالیہ ہے۔ اس درجۂ مقدسہ کی وسعت و عظمت اس کے طول و عرض کی درازی کی وجہ سے نہیں ہے کیونکہ وہ نقص و امکان کی علامت ہے بلکہ یہ ایک ایسا امر ہے کہ جب تک اس کے ساتھ متحقق نہ ہو (یعنی جب تک اس مقام تک نہ پہنچے) معلوم نہیں ہو سکتا۔

"ھدایۃ الطالبین" میں حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

نسبت کی بلندی اس مقام (یعنی حقیقت قرآن مجید پر) پر تو اس درجہ کی ہے کہ گویا نہ صرف کمالات کی نسبت اپنی بلندی اور وسعت کے باوجود بلکہ حقیقت کعبۂ معظمہ بھی (عظمت و کبریائی کے باوجود) حقیقت قرآن مجید کے تحت میں نظر آتی ہے اس مقام پر حضرت ذات کی بے چونی، جو مبدا وسعت ہے، اس کا مراقبہ کیا جاتا ہے۔

حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دفتر سوم مکتوب ۱۲۸ میں بھی فرماتے ہیں: حقیقت قرآنی کا اس مقام میں ظاہر ہونا، جو کہ معبودیت صرفہ ہے، محل تامل ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے اور نیز حقیقت قرآنی ہمارے حضرت عالی (مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قدس سرہ) کے مطابق حضرت ذات تعالیٰ کی وسعت بیچون کا مبداء ہے اور یہ حقیقت ذات مجردہ پر زائد ہے، پس معبودیت صرفہ کے لائق نہیں ہو گی اور اس بارگاہ عالی سے نیچے ہو گی۔ اس بیان سے وہ شبہ ساقط ہو گیا جو کہ وارد کیا گیا تھا کہ حقیقت قرآن حقیقت کلام یا شایان کلام سے پیدا ہوتی ہے، اس لئے ولایت کبریٰ میں داخل ہو گی کیونکہ یہ معنی کہ وسعت بے چون کا مبدا حضرت ذات تعالیٰ ہے، ولایت سہ گانہ و کمالات نبوت و حقیقت کعبہ سے بالاتر ہے۔

قرآن مجید کے انوارات کے انکشاف کی علامت دل پر ثقل:

حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "ھدایۃ الطالبین" میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس طرح قرآن کریم کی سماعت ہے کہ اگر خوش الحان شخص سے سنا جائے تو نسبت ولایت کا ظہور ہوتا ہے اور اگر درست پڑھنے والے سے سنا جائے تو فوق کی نسبت حقائق ظہور

کریں گے کیونکہ خوش آوازی کو قلب سے پوری پوری مناسبت ہے جو ضرور ظاہر ہو گی اور اگر الفاظ کی فصاحت، صحیح مخارج کی ادائیگی اور ترتیل کے ساتھ پڑھا جائے خواہ خوش آواز نہ بھی ہو تب بھی وہ حقائق فوقانی جلوہ گر ہوں گے"۔ چنانچہ اس سبق پر اگر ترتیل، الفاظ کی صحت اور مخارج سے قرآن مجید کی تلاوت کی جائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حقائق نصیب ہوتے ہیں۔

مصنف **"کنز الهدایات"** حضرت مفتی محمد باقی لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ "حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بن حضرت خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی موتی بکھیرنے والی زبان (مبارک) سے میں نے سنا ہے کہ قرآن مجید کے انوار کے انکشاف کی علامت غالباً عارف کے دل پر ایک ثقل (بوجھ) کا وارد ہونا ہے، گویا آیت کریمہ **إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا (المزمل ۵)** میں اس معرفت کی طرف اشارہ ہے، یعنی جو شخص حقیقت قرآن مجید کا مراقبہ کرتا ہے، مراقبہ کے دوران اس کو ایک ثقل محسوس ہوتا ہے، یہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ قرآن مجید کا فیض مل رہا ہے۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کو بھی بوجھ محسوس ہوتا تھا حتیٰ کہ اگر اونٹنی پر سوار ہوتے تھے تو وہ بیٹھ جاتی تھی اور جو بندہ قریب ہوتا تھا اگر اس کی ران پر ٹیک لگائے ہوتے تو وہ ٹوٹنے کو آتی تھی تو یہ بوجھ سالک بھی محسوس کرتا ہے۔

سالک حقیقت کی طرف متوجہ رہے یا صورت کی طرف:

کسی نے حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا کہ، "اگر کعبہ یا قرآن مجید کی طرف متوجہ ہو تو ان کی حقیقت کی طرف متوجہ ہو یا ان کی صورت کی طرف، اگر ان کی حقیقت کی طرف متوجہ ہو تو وہ شخص جو ان کی حقیقت تک نہیں پہنچا ہے وہ کس طرح ان کی حقیقت کی طرف متوجہ ہو گا اور اگر ان کی صورت کی طرف متوجہ ہو تو یہ بات قرآن مجید کے بارے میں تو درست ہو سکتی ہے کیونکہ وہاں الفاظ و معانی اور قصص ہیں لیکن کعبہ کے بارے میں ذرا بھی درست نہیں آتی کیونکہ محض سنگ و کلوخ کو قبلہ نہیں بنا سکتے، خاص کر اس کے سامنے نہ ہونے (کے وقت) میں"۔

مکتوبات معصومیہ کے دفتر دوم مکتوب ۱۱۹ میں حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جواب دیتے ہیں: "اے سعادت آثار! نمازی کو چاہیئے کہ اس کی صورت کی طرف متوجہ ہو، اگر وہ اہل حقیقت میں سے ہے تو وہ صورت سے حقیقت کی طرف چلا جاتا ہے اور حقیقت کو صورت میں دیکھتا ہے اور اگر وہ اہل حقیقت میں سے نہیں ہے تو صورت کی طرف متوجہ ہونا بھی اس کے لئے غنیمت ہے۔ اور یہ جو لوگوں نے پتھروں اور ڈھیلوں کو کعبہ کی صورت قرار دیا ہے ایسا نہیں ہے کیونکہ اگر پتھر اور ڈھیلے درمیان میں نہ ہوں اور چھت اور دیواریں بھی نہ ہوں، کعبہ تب بھی کعبہ ہی ہے اور مخلوقات کا مسجود الیہا ہے بلکہ صورت کعبہ ایک ایسا معنی ہے کہ عقلیں اس کو سمجھنے سے عاجز ہیں۔ یہ صورت، حقیقت کی صفت رکھتی ہے اور حقیقت کعبہ اس سے ماوراء ہے جبکہ عقلیں اُس صورت کو سمجھنے سے عاجز ہیں، تو وہ حقیقت تک کیا پہنچیں گی، اس کی جہت کی طرف توجہ کرنے سے ہی کعبہ کی برکات سے فیض یاب اور اس کی حقیقت سے بہرمند ہونا ہے۔

حقیقت کعبہ اور حقیقت قرآن، حقیقت نماز کا جزء:

مکتوبات مجددیہ دفتر سوم مکتوب ۷۷ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس مرتبۂ مقدسہ (یعنی حقیقت قرآن مجید) کے اوپر ایک بہت بلند مرتبہ ہے جس کو حقیقت صلوٰۃ کہتے ہیں اور عالم شہادت میں اس کی صورت مصلیان ارباب نہایت (منتہی نمازیوں) کے

ساتھ قائم ہے۔ آگے فرماتے ہیں: اس مرتبۂ مقدسہ میں کمال درجہ وسعت اور امتیاز بے چون ہے کیونکہ اگر "حقیقت کعبہ" ہے تو وہ بھی اسی (یعنی حقیقت نماز) کا جزو ہے اور اگر "حقیقت قرآن" ہے تو وہ بھی اسی کا حصہ ہے کیونکہ نماز، مراتب عبادات کے ان تمام کمالات کی جامع ہے جو اصل الاصل کی نسبت سے ثابت ہے کیونکہ معبودیت صرفہ اسی کے لئے ثابت ہے۔

حقیقت قرآن اور حقیقت نماز:

حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے صاحبزادے حضرت شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مکتوبات معصومیہ میں دفتر سوم مکتوب ۱۴۰ میں تحریر فرماتے ہیں: فرزند ارجمند شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پوچھا ہے کہ حقیقت قرآنی مبداء وسعت بے چونی ذات تعالیٰ سے عبارت ہے، آپ بیان کریں کہ حقیقت صلوٰۃ کس اعتبار و شان سے عبارت ہے، آپ جان لیں کہ حضرت عالی (مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قدس سرہ) نے حقیقت صلوٰۃ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس مقام میں کمال وسعت بے چونی ہے، پس حقیقت قرآنی مبداء وسعت ہے اور اس جگہ (حقیقت صلوٰۃ میں) کمال وسعت ہے، لیکن اس کو ماننے کی صورت میں شبہ وارد ہوتا ہے کہ مبداء شیئ کو شیئ پر سبقت و فوقیت حاصل ہے، پس حقیقت قرآنی، حقیقت قرآن پر مقدم ہونا چاہیئے، حالانکہ انہوں نے (مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے) حقیقت صلوٰۃ کو حقیقت قرآنی سے اوپر لکھا ہے۔ جواب میں خواجہ معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ہو سکتا ہے کہ یہ مبداء ہونا سالک کے عروج کی جانب میں ہو یعنی عروج کے مدارج میں وسعت کا شروع حقیقت قرآنی سے ہو اور اس کا کمال اوپر کی حقیقت میں ہو اور اس اعتبار سے مبداء ہونے کی تاخر ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ تفوق دونوں جانب سے ہے (اور) دو اعتبار سے ہے، حقیقت قرآنی چونکہ حقیقت صلوٰۃ کا جزو ہے جیسا کہ حضرت عالی (مجدد قدس سرہ) نے لکھا ہے کہ اگر حقیقت کعبہ ہے تو اس کا جزو ہے اور اگر حقیقت قرآنی ہے تو وہ بھی اس کا جزو ہے، کیونکہ نماز عبادات کے تمام کمالات و مراتب کی جامع ہے کہ اصل الاصل کی نسبت کے ساتھ ثابت ہے اور (اس میں) شک نہیں ہے کہ جز کو کل پر تقدم حاصل ہے اور کل کو فضیلت حاصل ہے کیونکہ کل اس جزو پر بھی مشتمل ہے اور دوسرے اجزاء پر بھی۔ پس ظاہر کے اعتبار سے جزو کو اور باطن اور مرتبے کے اعتبار سے کل کو فوقیت حاصل ہے۔

نماز کی لذت میں نفس کا دخل نہیں:

مکتوبات دفتر اول مکتوب ۱۳۷ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک اور خاص بات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ "وہ لذت جو عین نماز کی حالت میں حاصل ہوتی ہے اس میں نفس کا بھی کچھ فائدہ نہیں ہے بلکہ وہ عین اس لذت کے وقت نالہ وفغاں میں ہوتا ہے"۔

وہ فرماتے ہیں کہ نماز ایسی عبادت ہے کہ نفس کو اس میں لذت مل ہی نہیں سکتی، اگر ملتی ہے تو دل کی لذت ہوتی ہے۔ اس مکتوب میں عجیب عبارت لکھی ہے کہ پہلے ذوق و شوق ہوتا ہے جو ولایت کے درجات ہیں اور جو ولایت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے اس میں بے حلاوتی ہو جاتی ہے، حیرت ہو جاتی ہے اور قرب بڑھ جاتا ہے۔

حقیقت صلوٰۃ کے متعلق اشارات:

مکتوبات مجددیہ دفتر دوم مکتوب ۸۷ میں فرماتے ہیں کان رسول اللہ ﷺ دائم الحزن متواصل الفکر۔ ”رسول اللہ ﷺ متواتر مغموم فکر مند رہتے تھے“۔ ان بزرگوں کی لذت، محبوب کی اطاعت میں ہے اور بس! اور ان کا اُنس اس کی بندگی پر موقوف ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پاک ہے: أرحني یا بلال ”اے بلال (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! مجھے راحت پہنچاؤ“ میں اسی طرف اشارہ ہے اور قرۃ عینی فی الصلوٰۃ ”میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے“ اسی کی ایک رمز ہے، دوسرے حضرات شہود کی لذت کے ساتھ لطف اندوز ہوتے ہیں اور وصال کے خیال پر فریفتہ ہوتے ہیں۔ ان حضرات نے اس شہود سے آنکھ بند کی ہوئی ہے اور اس وصال کو خیال تصور کر کے غیب کے ساتھ، جو کہ شہود پر ہزاروں درجہ فضیلت رکھتا ہے مطمئن ہیں اور کمر ہمت کو اس کی بندگی پر چست باندھے ہوئے ہیں تحریمہ اولیٰ (تکبیر اولیٰ) کو جسے وہ امام کے ساتھ پاتے ہیں، تجلیات و ظہورات سے بہتر جانتے ہیں اور خشوع (عاجزی) اور سجدہ کی جگہ پر نگاہ جمانے کو، کہ حدیث شریف متع بصرک بموضع سجودک ”تو اپنی نگاہ کو اپنے سجدہ کی جگہ پر رکھ“ جس پر دال ہے، اور آیت کریمہ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (۱) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المومنون ۲) وہ مومنین کامیاب ہوئے جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں“۔ جس کی مخبر ہے، شہود و مشاہدہ سے زیادہ تصور فرماتے ہیں۔ نماز اسی (ظاہری) صورت پر موقوف نہیں ہے (بلکہ) عالم غیب الغیب میں ایک حقیقت رکھتی ہے جو کہ تمام حقیقتوں سے بلند اور مشاہدات و تجلیات سے بالاتر ہے۔ مشاہدہ کی حدیث (قدسی) شریف قف یا محمد فان اللہ یصلی ”اے محمد ﷺ! ٹھہر جایئے پس بے شک اللہ تعالیٰ نزول رحمت میں ہے“ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے جس قدر اس (نماز) کی (ظاہری) صورت کی تکمیل میں کوشش کی جائے اور خشوع و آداب کو کامل طور پر ادا کرنے میں کوشش کی جائے، اس حقیقت کے ساتھ (اسی قدر) مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اسی برکات سے بہت زیادہ بہرہ ور ہو جاتا ہے اور جو شخص کہ شہود کی بندش اور ظہورات کی قید میں ہے اس حقیقت سے محروم و مستور ہے، اسی بناء پر اس کی صورت کی تکمیل کو، جو کہ حقیقت کی طرف ایک راستہ رکھتی ہے، مشاہدات و تجلیات سے بہتر سمجھتا ہے اور بلند ہمتی کے باعث ان پر قناعت نہیں کرتا۔

حقیقت نماز میں مختلف کیفیات:

”ھدایۃ الطالبین“ میں حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ جو سالک اس حقیقت مقدسہ سے بہرہ ور ہوا، وہ اقامت صلوٰۃ کے وقت گویا اس دنیا سے باہر آ جاتا ہے اور دوسری دنیا (یعنی عالم غیب) میں چلا جاتا ہے اور رؤیت اخروی کے مشابہ حالت حاصل کر لیتا ہے، تکبیر تحریمہ کے دوران دونوں جہان سے ہاتھ اُٹھا کر اور ان کے کو پس پشت ڈال کر اللہ اکبر کہتا ہوا حضرت سلطان ذیشان جل جلالہ کے حضور حاضر ہوتا ہے اور حضرت حق جل جلالہ کی عظمت و کبریائی کی ہیئت سے خود کو محض ذلیل اور ناچیز سمجھ کر محبوب حقیقی پر قربان ہو جاتا ہے اور قراءت کے وقت وجود مرہوب ہو، جو اس مقام کو سزاوار ہے، موجود ہو کر حضرت حق سبحانہ کے ساتھ متکلم اور اس جناب مقدس سے مخاطب ہوتا ہے یعنی جب قراءت کر رہا ہوتا ہے تو حدیث پاک میں بھی ہے کہ بندہ اپنے رب سے ہم کلام ہوتا ہے، جب بندہ کہتا ہے: الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الفاتحہ ۱) تو اللہ تعالیٰ ہی فرماتا ہے: حمدنی عبدی (صحیح مسلم ۳۹۵) ”میرے بندے نے میری حمد بیان کی“ پھر فرماتے ہیں: گویا اس کی زبان شجرۂ موسوی بن جاتی ہے جیسا کہ حقیقت قرآن مجید کے سلسلے میں ذکر ہوا اور جب وہ رکوع میں جاتا ہے اور حد درجہ خشوع ظاہر کرتا ہے تو مزید قرب سے ممتاز ہو جاتا

ہے اور تسبیح پڑھتے وقت ایک خاص کیفیت سے مشرف ہوتا ہے، پھر نعمت پر شکر کرتا ہوا قومہ کرتا ہے اور حضرت حق سبحانہ کے حضور میں سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے، قومہ کا راز جیسا کہ میری فہم ناقص میں آیا ہے، یہ کہ چونکہ اب ادائے سجود کا قصد رکھتا ہے سالئے قیام کے بعد سجدے میں جانا مزید عاجزی کا موجب ہے، جب وہ رکوع سے سجدے میں جاتا ہے تو سجہ ادا کرتے وقت جو قرب اسے حاصل ہوتا ہے وہ نا قابل بیان ہے، عقل اس کے ادراک سے عاجز اور قاصر ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساری نماز کا خلاصہ سجود ہی سجود ہے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ سجدہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے دو قدموں پر سجدہ کرتا ہے اور یہ آیت کریمہ:

وَاسْجُدْوَاقْتَرِبْ (العلق ١٩)

ترجمہ: اور سجدہ کرو اور ہم سے قریب ہو جاؤ۔

اسی قرب کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ:

سر در قدمش بردہر بار چہ خوش باشد — راز دل خود گفتن بایار چہ خوش باشد

سر کو ہر بار اس کے قدموں پر جھکانا خوب ہے — اس کے آگے دل کی باتیں لب پہ لانا خوب ہے

نماز کے سنن و آداب بجالانے کے حقائق کا حصول:

صاحب شفاء القلوب فرماتے ہیں کہ جب نماز ادا کرتے وقت سنن اور آداب کو، جیسا کہ چاہیئے بجالایا جاتا ہے مثلاً نماز کے آداب میں سے ہے کہ نماز میں قیام کے وقت سجدے کی جگہ پر نظر رکھے اور رکوع میں دونوں قدموں پر، سجدے میں ناک کی نرمی پر، قعود (بیٹھنے) میں دونوں گھٹنوں پر، اور اسی طرح دوسرے تمام آداب کی بھی رعایت کرے تو ضرور حقیقت نماز جلوہ فرماتی ہے اور یہ کہ بعض لوگ حضور اور جمعیت کے لئے قیام میں آنکھیں بند کرکے متوجہ ہوتے ہیں، ان چیزوں سے لطائف کا حضور تو البتہ پیدا ہو جاتا ہے لیکن فوق کی نسبتوں کے ظہور کے لئے آنکھیں بند کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ یہاں ہر قسم کا حضور قالب ہی کے لئے ہوتا ہے اور قالب کا حضور سنت کے مطابق آداب کی رعایت سے ہوتا ہے اور نماز کے قیام میں آنکھوں کو بند کرنا خلاف اولیٰ ہے اگرچہ حضوری توجہ کے لئے جائز کیا گیا ہے"۔ مکتوبات معصومیہ دفتر دوم مکتوب ۷۸ میں حضرت مجدد الف ثانی اسی بات کو سمجھاتے ہیں کہ "نماز اسی ظاہری صورت پر موقوف نہیں ہے بلکہ عالم غیب میں ایک حقیقت رکھتی ہے جو کہ تمام حقیقتوں سے اوپر اور مشاہدات و تجلیات سے بالاتر ہے"۔

پھر آگے فرماتے ہیں: "جس قدر اس (نماز) کی (ظاہری) صورت کی تکمیل میں کوشش کی جائے اور خشوع اور آداب کو کامل طور پر ادا کرنے میں جدوجہد کی جائے اس حقیقت کے ساتھ (اس قدر) مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اس کی برکات سے بہت مستفید ہو جاتا ہے"۔

۳۰) نیت مراقبہ معبودیت صرفہ:

فیض می آید از حضرت ذات بیچون کہ منشاء معبودیت صرفہ است بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(توقف۔۔۔روز)

ترجمہ: حضرت ذات حق تعالیٰ بے چوں کہ جو منشاء معبودیت صرف ہے سے مشائخ عظام کے وسیلہ جلیلہ سے میری ہیئت وحدانی میں فیض آرہا ہے۔(توقف روز)

تشریح: یہ مقام مرتبہ صلوٰۃ سے فوق ہے کیونکہ اس کے اوپر محض مرتبہ وجوب ہے۔ حضرت تقدس و تعالیٰ کے مرتبہ تجرد و تنزیہہ کے واسطے سے صادر ہے۔ عارفین کاملین کی سیر قدمی کی نہایت حقیقت صلوٰۃ کی نہایت تک ہے اس کے اوپر معبودیت صرف ہے۔ اس دولت میں کسی کو کسی طرح بھی شرکت کی اجازت نہیں تاکہ اوپر کوئی قدم رکھے یہاں تک تو عبادت و عابدیت کی آمیزش تھی، نظر کی طرح قدم کی بھی گنجائش ہے اور جب معاملہ معبودیت محضہ تک پہنچتا ہے تو قدم کو تاہی کرتا ہے اور اس کی سیر ختم ہو جاتی ہے لیکن بحمدہ تعالیٰ وہاں سیر نظری کی ممانعت نہیں اور عارف کی استعداد کے مطابق نظر کی اجازت ہے اور یہاں کلمہ طیبہ کی حقیقت بالکل عیاں ہو جاتی ہے۔ غیر مستحقہ آلہہ کی عبادت کی اس جگہ نفی متصور ہوتی ہے اور معبود حقیقی کا اثبات کہ جس کے سوا کوئی عبادت کے مستحق نہیں، اس مقام میں حاصل ہوتا ہے۔ عابدیت و معبودیت میں فرق بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ مبتدی و متوسط کے حال کے مناسب لاموجود اور لا مطلوب الا اللہ ہے۔ اس سے فوق لا مقصود الا اللہ ہے، سب سے فوق لا معبود الا اللہ ہے۔ اس مقام کے مناسب ہے۔ یہ بھی یاد رکھیئے کہ اس مقام میں ترقی اور نظر میں تیزی عبادت کے واسطہ سے وابستہ ہے۔ دوسری عبادتیں شاید اس کی تکمیل میں مدد کریں (خلاصہ مکتوب نمبر ۷۷ دفتر سوم) تفصیل شرح مراقبات میں آئے گی۔ انشاءاللہ العزیز۔

صاحب شفاء القلوب فرماتے ہیں کہ صرفہ کہتے ہیں خالص کو یعنی یہ خالص معبودیت ہے جو کہ حقیقت نماز سے بھی اونچا مقام ہے۔ حقائق الٰہیہ کی سیر یہاں ختم ہو جاتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ مکتوبات ۷۷ میں فرماتے ہیں؛ "اور "حقیقت صلوٰۃ" جو کہ تمام عبادات کی جامع ہے، اس مرتبہ میں وہ (یعنی نماز) اس مرتبۂ مقدسہ کی بھی عبادت ہے جو اس سے اوپر ہے کیونکہ معبودیت صرفہ کا استحقاق بھی اسی مرتبۂ فوق کے لئے ثابت ہے جو کہ "اصل کُل" ہے اور سب کی جائے پناہ ہے، اس مقام میں سعت بھی کوتاہی کرتی ہے اور امتیاز بھی راستہ میں رہ جاتا ہے اگرچہ وہ بے چون و بے چگون ہو"۔

جس طرح حقیقت صلوٰۃ کے مرتبہ کی عبادت نماز ہے اسی طرح معبودیت صرفہ کے مقام کی عبادت بھی نماز ہے۔ معبودیت صرفہ کا تعلق قدم سے نہیں، نظر سے ہے، اگرچہ معبودیت صرفہ کے مقام کی عبادت بھی نماز ہے، لیکن حقیقت صلوٰۃ میں اور معبودیت صرفہ کے مقامات میں ایک بنیادی فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام انبیاء و اولیاء کے قدم صرف حقیقت صلوٰۃ تک ہی پہنچ سکتے ہیں، حقیقت صلوٰۃ کے بعد معبودیت صرفہ کا مقام ہے وہاں سیر نظری تو ہو سکتی ہے لیکن اس مقام پر سیر قدمی کسی کو بھی نصیب نہیں ہو سکتی، قدمی سیر ختم ہو گئی۔ کیونکہ سیر قدمی عابدیت کے مقام تک تھی جو کہ حقیقت صلوٰۃ کا مقام تھا۔ "اربع انہار" میں حضرت شاہ احمد سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ "نظر یعنی فکر سے فیض لے سکتا ہے کیونکہ نظر ہر جگہ پہنچ سکتی ہے"۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مکتوبات کے دفتر سوم مکتوب ۷۷ میں فرماتے ہیں: "کامل انبیاء و اکابر اولیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اولاً و آخراً کے اقدام کا منتہا "حقیقت صلوٰۃ" کے مقام کی انتہا ہے اور اس مقام سے اوپر معبودیت صرفہ کا مقام ہے، جہاں کسی کو کسی طرح اس دولت میں جرأت نہیں ہے کہ اس سے اوپر قدم رکھ سکے کیونکہ ہر وہ مقام جہاں عبادت اور عبادیت کی آمیزش ہے وہاں تک تو نظر کی طرح قدم کے لئے

بھی گنجائش ہے لیکن جب معاملہ ”معبودیت صرفہ“ تک پہنچ جاتا ہے تو قدم بھی کوتاہی کرتا ہے اور سیر بھی انجام کو پہنچ جاتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ نظر کو اس جگہ سے منع نہیں، فرمایا اور اس کی استعداد کے مطابق گنجائش بخشی ہے۔

بلا بودے اگر ایں ہم نہ بودے　　　　یعنی ”مصیبت تھی اگر یہ بھی نہ ہوتا“

روایات میں منقول ہے کہ معراج کے واقعہ میں ایک ایسا موقع آیا تھا کہ محبوب ﷺ سے فرمایا گیا تھا ”قف یا محمد“ ”اے محمد ﷺ ٹھہر جائیں“ فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ اس امر میں اسی قدم کی طرف اشارہ ہو یعنی آپ ﷺ ٹھہر جائیں اور قدم آگے نہ رکھیں کیونکہ یہاں مرتبۂ صلوٰۃ سے بلند مرتبہ، جو کہ مرتبۂ وجوب سے صادر ہے وہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کا مرتبہ تجرد و تنزہ ہے، جہاں نہ قدم کی جولاں گاہ ہے اور نہ گنجائش ہے“۔

چنانچہ حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شیخ حضرت مرزا جان جاناں نے مرتبۂ معبودیت صرفہ میں توجہ فرمائی تو حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس بارے میں ”هداية الطالبين“ میں فرماتے ہیں کہ ”پھر حضرت پیر صاحب نے اس عاجز پر اس عالی مقام میں توجہ فرمائی تو عاجز نے دیکھا کہ میں ایک مقام پر ہوں جس کے اوپر ایک بہت بڑا بلند اور بے رنگ مقام ہے میں نے ہر چند چاہا کہ وہاں تک پہنچ جاؤں لیکن نہ پہنچ سکا، اس وقت معلوم ہوا کہ یہ مقام ”معبودیت صرفہ“ کا ہے کہ وہاں قدم رکھنے کی گنجائش نہیں، مگر جہاں تک نظر پہنچے اس کی گنجائش ہے کہ دیکھ لے“۔

پھر ایک شعر نقل فرماتے ہیں:

تماشا کنان کوتاہ دست　　　　تو درخت بلند و بالائی

ترجمہ: ”تو وہ سرو بلند و بالا ہے دیکھنے والے کیا بڑھائیں ہاتھ“۔

معبودیت صرفہ میں کلمہ طیبہ کی حقیقت متحقق ہو جاتی ہے۔ دفتر سوم کے مکتوب ۷۷ میں ہی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں: کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کی حقیقت اس مقام (یعنی معبودیت صرفہ) میں متحقق ہو جاتی ہے اور غیر متحقق کی عبادت کی نفی میں صورت اختیار کرتی ہے اور معبود حقیقی کا اثبات، یعنی اس (حق تعالیٰ) کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں، اس مقام میں حاصل ہو جاتا ہے اور عابدیت اور معبودیت کے درمیان کمال درجہ کا اختیار اس جگہ ظاہر ہوتا ہے اور عابد معبود سے کماحقہ جدا ہو جاتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ لا الہ الا اللہ کے معنی بعض منتہیوں کے حال کی نسبت سے لا معبود الا اللہ (نہیں معبود مگر اللہ) ہیں، جیسا کہ شرع شریف میں اس کلمہ کے معنی مقرر ہو چکے ہیں اور لا موجود، و لا وجود اور لا مقصود کہنا ابتدائی اور درمیانی نسبت سے ہے اور لا مقصود کا مرتبہ لا موجود اور لا وجود کے مرتبے سے بلند ہے کیونکہ وہ لا معبود الا اللہ کا دریچہ ہے۔

حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی ”هدايت الطالبين“ میں تحریر فرماتے ہیں: ”اسی مقام پر کلمہ طیبہ ”لا معبود الا اللہ“ کے معنی کا راز جلوہ گر ہوا اور صاف طور پر ظاہر ہو گیا کہ فی الحقیقت ہر طرح کی عبادت کا حق سوائے اللہ تعالیٰ کی احدیت کے کسی کو نہیں پہنچتا، اگرچہ اسماء و صفات کیوں نہ ہوں اور تمام ممکنات کے لئے اس امر کی لیاقت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جو بھی ہو شرک کی یہاں کوئی حقیقت نہیں رہتی بلکہ وہ بیخ و بن سے اکھڑ جاتا ہے۔ اس مقام میں نظر کی ترقی عبادت نماز سے وابستہ ہے۔

اسی مکتوب کے آخر میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جاننا چاہیئے اس مقام میں نظر کی ترقی اور نگاہ میں تیزی صلوٰۃ (نماز) کی عبادت سے وابستہ ہے جو منتہیوں کا کام ہے، دوسری عبادات بھی شاید مدد فرمائیں اور اس کے نقصان کی تلافی کریں، اس لئے نماز کو بھی ایمان کی طرح **حسن لذاتہ** (یعنی اصل اور ذات میں خوب اور بہتر) کہتے ہیں اور دوسری عبادتیں **حسن لذاتھا** (اپنی ذات میں حسن) نہیں ہیں۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ وصول نظری سے کیا مراد ہے؟ مکتوبات معصومیہ کے دفتر دوم مکتوب ۱۱۹ میں حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اگر کہیں کہ رؤیت بصری ومشاہدہ قلبی دنیا میں واقع نہیں ہوتا تو اس بارگاہ میں وصول نظری کس معنی میں ہوگا؟ ہم کہتے ہیں کہ یہ نظر رؤیت ومشاہدہ سے ماوراء ایک بے کیف امر ہے، جب تک تو اس کو نہ پہنچے اس کے معنی کو نہیں سمجھ سکے گا۔ گویا کہ متشابہات کی قسم سے ہے۔

ہمارے عالی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ "وصول نظری اور وصول قدی اس معنی میں نہیں ہیں، کہ وہاں شہود ومشاہدہ ہے یا قدم کی گنجائش ہے۔ اس جگہ تو بال برابر بھی گنجائش نہیں کجا کہ قدم کی، بلکہ یہ ایک مجہول کیفیت والا وصول ہے۔ اگر صورت مثالیہ میں نظر کے ذریعے سے منقش ہوا تو (اس کو) وصول نظری کہتے ہیں اور اگر قدم کے ذریعے سے ہوا تو وصول قدمی ہے، ورنہ نظر وقدم دونوں اس بارگاہ میں بے خود وحیران ہیں"۔

نماز تمام عبادتوں کی جامع ہے:

مکتوبات مجددیہ دفتر اول مکتوب ۲۶۱ میں ہے: معلوم ہوا کہ اسلام کے پنجگانہ ارکان میں سے "نماز" رکن دوم ہے جو تمام عبادتوں کی جامع ہے اور ایک ایسا جزو ہے کہ جس نے اپنی جامعیت کی وجہ سے کل کا حکم پالیا ہے اور تمام مقرب اعمال پر سبقت لے گئی ہے، اور وہ دولت رؤیت (باری تعالیٰ) جو سرور عالمین علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کو شب معراج، بہشت میں میسر ہوئی تھی دنیا میں نزول فرمانے کے بعد اس جہان کے مناسب آپ ﷺ کو وہ دولت نماز میں میسر ہوتی تھی"۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ:

أقرب مایکون العبد الی الرب فی الصلوٰۃ۔ (کنز العمال: ۳۳۴۸)

یعنی "سب سے زیادہ اعلیٰ قرب، جو بندے کو رب سے حاصل ہوتا ہے، وہ نماز میں ہے"۔

اب آگے نماز کی عظمت کے بارے میں چند الفاظ تحریر فرماتے ہیں: آپ کے کامل فرماں برداروں کو بھی اس جہاں میں اس دولت کا بہت بڑا حصہ نماز میں حاصل ہے اگرچہ حقیقی رؤیت میسر نہیں ہے کیونکہ یہ جہاں اس کی تاب وطاقت نہیں رکھتا، اگر (حق تعالیٰ) نماز کا حکم نہ فرماتا تو مقصود کے چہرے سے نقاب کون اُٹھاتا اور طالب کو مطلوب کی طرف رہنمائی کون کرتا۔ نماز ہی ہے جو غمگساروں کے لئے لذت بخش ہے اور نماز ہی ہے جو بیماروں کے لئے راحت جاں ہے۔

چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

أرحني یا بلال

"اے بلال (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! مجھے (نماز کے ذریعہ) راحت پہنچاؤ"۔

اس حقیقت کا رمز ہے اور

قرۃ عینی فی الصلوٰۃ

"میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے"۔

میں اسی آرزو کی طرف اشارہ ہے وہ ذوق و مواجید، معالم و معارف، احوال و مقامات، انوارات الوان، تلونیات و تمکینات، (بے قراری و اطمینان)، تجلیات متکیفہ و غیر متکیفہ (کیفیت والی اور بے کیفیت والی) اور ظہورات متلونہ و غیر متلونہ (رنگا رنگ اور بے رنگ)، ان میں سے جو کچھ نماز کے علاوہ (اوقات میں) میسر ہوں اور نماز کی حقیقت سے آگاہی بغیر ظاہر ہوں، ان سب کا منشاء ظلال و امثال ہیں بلکہ وہم اور خیال سے پیدا ہوئے ہیں۔ (بس نماز میں ذات کی طرف دھیان ہونا چاہیئے، اس کے علاوہ جو کیفیات اور واردات ہیں ان کی طرف سالک کو توجہ نہیں کرنی چاہیئے۔ سبحان اللہ! عجیب بات لکھی ہے)، وہ نمازی جو نماز کی حقیقت سے آگاہ ہے، نماز کی کی ادائیگی کے وقت گویا عالم دنیا سے باہر نکل جاتا ہے اور عالم آخرت میں پہنچ جاتا ہے لہٰذا وہ اس وقت اس دولت سے، جو آخرت کے ساتھ مخصوص ہے حاصل کر لیتا ہے اور اصل سے ظلیت کی آمیزش کے بغیر فائدہ اُٹھاتا ہے۔

بعض لوگوں نے سماع و نغمہ وغیرہ سے لذت پانے کی طرف اشارہ کیا ہے تو ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ایسی باتیں "حقیقت نماز" سے عدم آگاہی (بے خبری) کی وجہ سے ہیں۔ بلکہ اس طائفہ (صوفیہ) کی ایک کثیر جماعت نے اپنے اضطراب و بے قراری کی تسکین کو سماع و نغمہ اور وجد و تواجد میں تلاش کیا اور اپنے مطلوب کو نغمہ کے پردوں میں مطالعہ کیا اور رقص اور رقاصی کو اپنا مسلک بنالیا، حالانکہ انہوں سے سنا ہو گا۔ ما جعل اللہ فی الحرام شفاء۔ ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے حرام چیز میں شفاء نہیں رکھی ہے" ہاں! الغریق یتعلق بکل حشیش و حب الشئیء یعمی و یصم۔ ترجمہ: "ڈوبنے والا شخص ہر ایک تنکے کا سہارا لیتا ہے اور کسی چیز کی محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے" اگر نماز کے کمالات کی کچھ بھی حقیقت ان پر منکشف ہو جاتی تو وہ ہر گز سماع و نغمہ کا دم نہ بھرتے اور وجد و تواجد کو یاد نہ کرتے۔

نیز ایک بہت ہی عجیب بات فرماتے ہیں کہ "اس مکتوب کے مطالعہ کے بعد اگر آپ کو نماز سیکھنے اور اس کے بعض مخصوص کمالات حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا اور وہ (شوق) آپ کو بے آرام کر دے تو استخارہ کے بعد اس طرف متوجہ ہو جائیں اور عمر کا ایک حصہ نماز سیکھنے میں گزاریں"۔ اور فرماتے ہیں کہ اگر نماز کے کمالات کی اہمیت سمجھ میں آگئی ہے تو پھر آپ اس طرف متوجہ ہوں اور میرے پاس آئیں اور عمر کا ایک حصہ نماز کے سیکھنے میں صرف کر دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نماز کی حقیقت نصیب فرمادیں، آمین!

اثرات: اس دائرے میں سیر قدمی کی گنجائش نہیں یعنی پرواز سے اس میں نہیں پہنچ سکتا، بلکہ سیر نظری ہے، نظر یعنی فکر سے فیض لے سکتا ہے کیونکہ نظر ہر جگہ پہنچ سکتی ہے، قدم صرف مقامات عابدیت میں پہنچتا ہے اور یہ مقام معبودیت صرفہ ہے، اس جگہ عابدیت اور معبودیت میں فرق ظاہر ہوتا ہے اور اس بات کا تعین کامل بھی اسی مقام میں حاصل ہو جاتا ہے کہ معبود حقیقی یعنی احدیت مجردہ کے سوا کوئی اور کسی قسم کی عبادت کا مستحق نہیں اگرچہ اسماء و صفات ہی کیوں نہ ہوں، گویا کلمۂ طیبہ "لا الٰہ الا اللہ" کی اصل حقیقت اس جگہ

منکشف ہوتی ہے کہ منتہیوں کے لئے اس کلمہ کے معنی "لا معبود الا اللہ" اور عابد معبود سے کما ینبغی جدا ہو جاتا ہے اور شرک کی جڑ یہاں بنیاد سے اکھڑ جاتی ہے۔ اس مقام مقدسہ میں نماز کی عبادت پر ترقی منحصر ہے۔

فائدہ: حقائق الٰہیہ کی سیر یہاں تک تھی، اب حقائق انبیاء علیہم السلام کا بیان ہوتا ہے اور یہ حقائق انبیاء جو کہ تعین حبی میں واقع ہیں اصل میں ولایت کبریٰ میں داخل ہیں، چونکہ آخر میں منکشف ہوئے ہیں اس لئے سیر و سلوک میں بھی آخر میں واقع ہوئے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ جس طرح حقائق الٰہیہ میں ترقی اللہ تبارک و تعالیٰ کے محض فضل پر موقوف ہے اسی طرح حقائق انبیاء میں ترقی سید الابرار ﷺ کی محبت پر موقوف جانیں۔ جیسا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ اپنی ذات کو دوست رکھتا اسی طرح اپنی صفات و افعال کو بھی دوست رکھتا ہے، پس محبت کی دو قسمیں ہوئیں:

۱۔ محبیت ۲۔ محبوبیت

محبیت ذاتیہ کے کمالات کا ظہور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ہوا اور محبوبیت کی بھی دو قسمیں ہیں: محبوبیت ذاتی اور محبوبیت صفاتی و اسمائی۔

محبوبیت صفاتی و اسمائی کا ظہور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام و دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں متحقق ہوا اور محبوبیت ذاتی کا ظہور حقیقت محمدی و احمدی ﷺ میں متحقق ہوا۔ پس اول کمالات صفاتی و حقیقت ابراہیمی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں سیر شروع ہوتی ہے پھر حقیقت موسوی میں، پھر حقیقت محمدی و احمدی ﷺ میں سیر واقع ہوگی۔

حقیقت انبیاء علیہ السلام میں مراقبات کی تفصیل یہ ہے:

۳۱) نیت مراقبہ حقیقت ابراہیمی علیہ السلام:

فیض می آید از حضرت ذات بیچون کہ محبِ صفات خود است و منشاء حقیقتِ ابراہیمی علیہ السلام است بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ (توقف۔۔۔روز)

ترجمہ: حضرت بے چوں ذات حق تعالیٰ جو کہ اپنی صفات کی محب اور منشاء حقیقت ابراہیمی علیہ السلام ہے سے مشائخ عظام علیہم السلام کے توسل سے میری ہیئت وحدانی میں فیض آرہا ہے۔ (توقف)

تشریح: اس مقام پر سالک کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے ایک خاص قسم کا انس پیدا ہو جاتا ہے اور تمام مخلوق سے اس قدر بے توجہی و بے التفاتی ہو جاتی ہے کہ کسی توسط و توسل پر راضی نہیں ہوتا گویا حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ السلام نے آتش نمرود میں جو جواب حضرت جبریل علیہ السلام کو دیا تھا (اما الیک فلا) یعنی مجھے تیری کوئی حاجت نہیں، اس کا مصداق بن جاتا ہے اور یہاں درود ابراہیم علیہ السلام کا پڑھنا زیادہ مفید اور باعث ترقی ہے۔

اثرات: اس بلند مقام میں سالک کو حضرت حق سبحانہ کے ساتھ خاص اُنسیت اور محبوبیت ظاہر ہو کر کمالات صفاتی و محبوبیت اسماء کا ظہور ہوتا ہے، مقام خلت اسی سے کنایہ ہے اور اس کا دائرہ کو "دائرہ خلت" بھی کہتے ہیں اور یہ نہایت عجیب و کثیر البرکات مقام ہے، انبیاء علیہم السلام اس مقام میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے تابع ہیں اور سید الابرار حبیب خدا ﷺ کو بھی حکم اتباع ملت ابراہیم حنیف علیہ السلام سے مامور فرمایا، اسی لئے حضور ﷺ نے اپنے درود کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درود سے تشبیہ فرمائی

جیسا کہ نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ پس اس مقام میں درود ابراہیمی (نماز والا درود) پڑھنا بہت خیر و برکت کا باعث ہے اور سالک کو ذات حق سبحانہ کے ساتھ خاص انس و خلت و بے خودی پیدا ہو جاتی ہے اور محبوبیت صفاتی جو کہ عالم مجاز میں خط و خال اور قد و عارض وغیرہ سے تعبیر کی جاتی ہے بطور عکس جلوہ گر ہوتی ہے، ساری لئے سالک ماسوائے ذات کے کسی طرف متوجہ نہیں ہوتا اگرچہ وہ اسماء وصفات ہوں یا ظلال اور مزارات مشائخ کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہوں یا ارواح طیبہ و ملائکہ کرام علیہ السلام ربی اعلم بحالی یو غنینی عن سؤالی۔ ترجمہ: "میرا رب میرے حال کو میرے سوال سے زیادہ جانتا ہے" اس پر وارد رہتا ہے لیکن اس مقام میں اس قدر بے رنگی نہیں ہے جتنی کہ محبوبیت ذاتی میں ہے جیسا کہ آگے آتا ہے۔

اس مقام میں سالک کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خصوصیت معلوم ہوتی ہے لیکن چاہیئے کہ سوائے حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسی خصوصیت کے ساتھ کسی کی طرف متوجہ نہ ہو بلکہ سب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کا طفیل سمجھے۔

۳۲) نیت مراقبہ حقیقت موسوی علیہ السلام:

فیض می آید از حضرت ذات بیچون کہ محب ذات خود است و منشاء حقیقت موسوی علیہ السلام است بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ۔ (توقف۔۔۔روز)

ترجمہ: اس ذات بے چوں حق تعالیٰ سے جو کہ اپنی ذات کی محب اور حقیقت موسوی کی منشاء ہے سے میری ہیئت وحدانی میں بوسیلۂ مشائخ عظام فیض پہنچ رہا ہے۔ (توقف)

تشریح: اس مقام میں محبت ذاتیہ ہے۔ اس کے باوجود شان استغنائی اور بے نیازی بھی ظاہر ہوتی ہے۔ یہی راز ہے کہ بعض مواقع پر حضرت کلیم اللہ علیٰ نبینا و علیہ السلام سے بظاہر خلاف ادب کلمات سرزد ہوئے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

أَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ (الاعراف ۱۵۵)

کیا تو ہمیں اس کام پر ہلاک فرمائے گا جو ہمارے بے عقلوں نے کیا وہ نہیں مگر تیرا آزمانا۔

اور نیز یہ مقام، مقام شوق بھی ہے جیسا کہ فرمایا۔

رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ (الاعراف ۱۴۳)

اے رب میرے مجھے اپنا دیدار دکھا۔

اس مقام کے عارف کو یہ درود شریف تقریباً تین ہزار کے قریب روزانہ پڑھنا مستحسن اور بہتر ہے لازم نہیں۔

اللھم صل علیٰ سیدنا محمد و علیٰ اخوانہ من الانبیاء و المرسلین خصوصاً علیٰ کلیمک سیدنا موسیٰ۔

اثرات: صاحب شفاء القلوب فرماتے ہیں کہ اس مقام کو "دائرۂ محبت ذاتیہ صرفہ" بھی کہتے ہیں۔ اس مقام میں سالک کو کمالات محبیت یعنی محبت ذاتی کے ظہور کے باوجود استغناء اور بے نیازی کا بھی ظہور ہوتا ہے حالانکہ یہ اجتماع ضدین ہے اور بعض طبیعتوں سے بعض وقت بے ساختہ:

رب ارنی انظر الیک

ترجمہ: "اے میرے رب! تو مجھے اپنی ذات کا جلوہ دکھا تاکہ میں تیری طرف دیکھوں" نکلنے لگتا ہے۔ بعض متحمل ہوتے ہیں اور برداشت کر لیتے ہیں اور اس عالی مقام میں ایسے کمالات کا ظہور کم ہی ہوتا ہے اور کم ہونا ہی مناسب ہے۔

شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مقام میں درود شریف:

اللھم صل علی سیدنا محمد و الہ و أصحابہ و علی جمیع الانبیاء و المرسلین خصوصاً علیٰ کلیمک موسیٰ علیہ السلام بکثرت پڑھنا ترقی بخشتا ہے۔

۳۳)نیت مراقبہ حقیقت محمدی ﷺ:

فیض می آید از حضرت ذات بیچون کہ محب ذات خود است و محبوب ذات خود است و منشاء حقیقتِ محمدی (ﷺ) است بہ ہیئت وحدانی من بہ واسطہ پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ۔

(توقف۔۔۔روز)

ترجمہ: بے چوں ذات حق تعالیٰ جو کہ اپنی ذات کی محب اور محبوب بھی ہے اور منشاء حقیقت محمدیہ ہے سے بوسیلہ مشائخ عظام میری ہیئت وحدانی پر فیض آرہا ہے۔

تشریح: یہ حقائق کی اصل اور حقیقت الحقائق ہے اور دیگر حقائق خواہ انبیاء علیہم السلام کی ہوں یا ملائکہ کی اس حقیقت الحقائق کے سامنے ظلال کی مانند ہے۔اسی لیے آپ کی شان میں فرمایا:

لولاک لما خلقت الافلاک و لما اظھرت الربوبیۃ۔

اسی بناء پہ خود حضور سرور عالم ﷺ فرماتے ہیں:

اول ما خلق اللہ نوری اور اس کے اوپر کوئی حقیقت نہیں کیونکہ تعین اول کے دائرہ کا یہ مرکز ہے۔سب سے افضل اولیاء محمدی المشرب کے سلوک کی یہ انتہا ہے اور اس سے ترقی جائز نہیں کیونکہ اس سے اوپر قدم رکھنا دائرہ امکان سے نکل کر وجوب میں قدم رکھنے کے مترادف ہے جو کہ شرعاً اور عقلاً محال ہے۔

میاں فقیر اللہ جلال آبادی فرماتے ہیں کہ قطب الاقطاب مجدد الف ثانی قدس اسرارہ کو تعین اول تعین جبی سے فوق جو عروجات نصیب ہوئے وہ مرض موت میں اس رات حاصل ہوئے جس شب کو آپ نے رحلت فرمائی، اس کی پوری تفصیل انشاء اللہ شرح مراقبات میں بیان کروں گا۔

اور اس مقام پر سالک کو نبی کریم ﷺ سے خاص محبت پیدا ہو جاتی ہے اور ہر امر میں حضور انور ﷺ کا ہی اتباع اچھا معلوم ہوتا ہے۔امام الطریقہ امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے قول مبارک (خدا را ازاں مے پرستم کہ او رب محمد است) کے معنی اس جگہ ظاہر ہوتے ہیں یہاں یہ درود پڑھنا نہایت مفید ہے:

اللھم صل علیٰ سیدنا محمد و علیٰ آل سیدنا محمد افضل صلواتک بعدد معلوماتک و بارک و سلم۔

اثرات: صاحب شفاء القلوب فرماتے ہیں کہ اس مقام میں محبوبیت ذاتیہ کا محبیت ذاتیہ کے ساتھ مل کر ظہور ہوتا ہے اس لئے اس کو ”دائرہ محبوبیت ذاتیہ ممتزجہ“ کہتے ہیں اور اس کو ”حقیقت الحقائق“ اور ”تعین اول“ بھی کہتے ہیں، کیونکہ یہ دوسرے انبیاء و ملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حقائق کی اصل ہے اور دوسروں کے حقائق اس کے لئے ظل کی مانند ہیں، اس مقدس مقام میں خاص طرز پر فنا و بقا حاصل ہوتی ہے اور سرور دین و دنیا ﷺ کے ساتھ ایک خاص قسم کا اتحاد میسر ہو جاتا ہے اور رفع توسط (جس کے اکابر اولیاء قائل

ہوئے ہیں) کے معنی اس مقام میں ظاہر ہوتے ہیں اور تابع (سالک) متبوع (آنحضرت ﷺ) کے رنگ میں ایسی مشابہت پیدا کر لیتا ہے گویا کہ ہر دو ایک ہی چشمے سے پانی پیتے ہیں اور دونوں شیر و شکر کی مانند ہیں اور ان سب امور کے باوجود اس کو آں سرور عالم ﷺ سے اس درجہ محبت پیدا ہو جاتی ہے کہ امام الطریقت حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے اس قول کے معنی ظاہر ہوتے ہیں کہ "میں خدائے عزوجل کو اس لئے دوست رکھتا ہوں کہ وہ محمد ﷺ کا رب ہے"۔

یہ مقام حقائق انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابوں کے اسرار کا جامع ہے، سالک اس مقام میں تمام جزوی و کلی، دینی و دنیوی امور میں حبیب خدا ﷺ کے ساتھ مناسبت و مشابہت ہونے کو بہت ہی دوست رکھتا ہے۔ اس مقام کے اسرار بے حد ہیں جو نہ زبان پر لائے جاسکتے ہیں اور نہ ظاہری علم والوں کے لئے ان میں سے کوئی حصہ ہے اس مقام میں علم حدیث کی تعلیم کا شوق اور رغبت کلی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس مقام میں درود شریف:

اللھم صل علیٰ سیدنا محمد و علیٰ اٰل سیدنا محمد و اصحاب سیدنا محمد افضل صلواتک عدد معلوماتک و بارک و سلم بکثرت پڑھنا ترقی بخشتا ہے۔

۳۴)نیت مراقبہ حقیقت احمدی ﷺ:

فیض می آید از حضرت ذات بیچون کہ محبوب ذات خود است و منشاء حقیقت احمدی (ﷺ) است بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (توقف۔۔۔روز)

ترجمہ: فیض آرہا ہے میری ہیئت وحدانی پر اس ذات پاک سے جو اپنی محبوب آپ ہے اور جو منشاء حقیقت احمدی ﷺ ہے۔

تشریح: یہ مقام محبوبیت محضہ ہے لیکن اس کا تعلق روحی ہے اور اس کو دائرہ محبوبیت صرفہ بھی کہا جاتا ہے یہاں بھی درود مفید ہے یعنی اس مقام میں درود شریف موجب ترقیات ہوتا ہے اسم احمد ﷺ میں جو میم ہے وہ مقام محبوبیت کا اشارہ کرتا ہے اور میم الگ کرنے کے بعد (احد) باقی رہتا ہے، جس کے معنیٰ فرد یا یکتا کے ہیں، **ای المحبوب ﷺ فرد فی العبودیۃ و المحبوبیۃ۔** محبوب رب العالمین یکتا و فرد ہے اور عبدت اور محبوبیت میں حضرت فرید الدین عطار قدس سرہ نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیسے عمدہ اشعار کہے ہیں، جن کا مفہوم اس طرح ہے۔

محمد (ﷺ) ہیں اول خدا کے بنائے ہوئے — اگرچہ ہیں آخر میں تشریف لائے ہوئے
بظاہر ہیں وہ گو کہ اولاد آدم — ہیں تخلیق میں خلق سے وہ مقدم
قبول عمل کا ذریعہ وہی ہیں — حصول جزا کا وسیلہ وہی ہیں
محمد شریعت میں ہے نام نامی — حقیقت میں احمد ہے اسم گرامی
اگر میم احمد کا پردہ اُٹھے گا — تو راز احد چشم دل پر کھلے گا
خدا ہے احد اپنی معبودیت میں — جناب محمد ہیں فرد عبدیت میں
خدا جیسے ساری خدائی میں یکتا — نبی بندگی میں ہیں بے مثل و ہمتا
خدا ہی کو جب تک نہ پہچان لوگے — تو کیا قدر شان نبی کی کروگے

تمہیں جب دونوں کا عرفان ہو گا　　　دو عالم کا ہر کام آسان ہو گا

حضرت شاہ ابو سعید فاروقی قدس سرہ نے لکھا ہے:

حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تحریرات میں کسی مقام پر یہ تحقیق فرمائی ہے کہ حقیقت کعبۂ معظمہ بعینہ حقیقت احمدی ﷺ ہے، اس بات کا مطلب اپنی فہم ناقص میں نہیں آیا۔ کیونکہ حقیقت کعبہ حقائق الہیہ میں ہے اور حقیقت احمدی ﷺ حقائق انبیاء علیہم السلام میں۔ پس یہ دونوں ایک ہی حقیقت کیسے ہوں گی۔ ایک روز میں حقیقت احمدی ﷺ میں متوجہ تھا کہ اچانک دیکھا کہ حقیقت کعبۂ معظمہ کا ظہور واقع ہوا، اور ندا دی کہ عظمت و کبریائی بھی محبوب کا خاصہ ہے اور محبوبیت و مسجودیت دونوں آنحضرت ﷺ کے شیونات سے ہیں تو پھر صاحب الطریقہ حضرت مجدد قدس سرہ کی بات میں شک و تردد نہیں (الخ) صاحب مدارج الخیر و مناھج السیر فرماتے ہیں کہ دونوں حضرات قدس اللہ اسرار ہمانے جو کچھ فرمایا قطعاً درست اور صحیح ہے۔ جیسا کہ اگلے بیان میں آرہا ہے۔

اثرات: صاحب شفاء القلوب فرماتے ہیں کہ یہ مقام محبوبیت ذاتی سے پیدا ہوا ہے، اس لئے اس کو "دائرہ محبوبیت ذاتیہ صرفہ" بھی کہتے ہیں، اس لئے اس مقام میں استغناء اور بے نیازی کی شان زیادہ کامل ہوتی ہے اور اس مراقبے میں نسبت سابقہ غلبۂ انوار کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے اور عجیب و غریب کیفیت حاصل ہوتی ہے کہ بیان و تحریر میں نہیں آسکتی۔

بعض سالک اس جگہ اپنے آپ کو بین یدی الرحمٰن (اللہ تعالیٰ کے سامنے) دیکھتے ہیں اور اسی خاصۂ محبوبیت کی وجہ سے حقیقت کعبہ بعینہ حقیقت احمدی ہے، کیونکہ محبوبیت و مسجودیت دونوں حق تعالیٰ کے شیونات میں سے ہیں اور اس مقام میں محبوبیت ذاتی منکشف ہوتی ہے یعنی سالک ذات حق سبحانہ کو بلالحاظ صفات دوست رکھتا ہے، کیونکہ اس کی ذات ہی ایک ایسی ہے جو اس کے تمام نقش و نگار کی موجب ہے۔ احمد عجب اسم سامی ہے جو کلمۂ مقدسہ احد سے حلقہ میم کے ساتھ مرکب ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے پوشیدہ بھیدوں میں سے ہے پس احد **لا شریک لہ** ہے۔ حلقہ میم عبودیت کا طوق ہے جو کہ بندہ کو مولیٰ سے متمیز کرتا ہے، پس بندہ وہی حلقہ میم ہے اور احد اس کی تعظیم کے لئے آیا ہے جس نے آنحضرت ﷺ کی خصوصیت کو ظاہر کیا ہے۔

چو نام ایں ایست نام آور چہ باشد　　　مکرم تر بود از ہر چہا آباشد

ترجمہ: "جب ایسا نام ہے تو صاحب نام، مکرم اور معزز سب سے ہو گا"

اس جگہ بھی درود شریف مذکورہ حقیقت محمدی ﷺ کا ورد مفید ہے۔ غرض حقائق انبیاء کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام میں الف و انسیت انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اور خصوصاً سردار دوجہاں فخر انس و جاں ﷺ کے ساتھ کامل طور پر ہو جاتی ہے۔

صاحب شفاء القلوب مزید فرماتے ہیں کہ جاننا چاہیئے کہ وہ فنا و بقا جس پر ولایت موقوف ہے شہودی فنا و بقا ہے جو کہ نظر کے اعتبار سے ہے، صفات بشری اس فنا و بقا میں صرف پوشیدہ ہو جاتی ہیں، زائل اور فانی نہیں ہوتیں، لیکن فنائے تعین محمدی ﷺ میں صفات بشری کے لئے زوال وجودی متحقق ہے اور جسد سے نکل کر روح کی طرف منتقل ہونا ثابت ہے اور بقا کی جانب میں بھی اگرچہ بندہ حق نہیں ہو جاتا اور بندگی سے نہیں نکلتا لیکن حق سبحانہ و تعالیٰ کے بہت نزدیک ہو جاتا ہے اور معیت زیادہ تر پیدا کر لیتا ہے اور اپنے آپ سے دور تر ہو کر احکام بشری اس سے مسلوب ہو جاتے ہیں۔

۳۵)نیت مراقبہ حبّ صرفہ:

فیض می آید از ذات بیچون کہ منشاء حبّ صرف است بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمہم اللہ تعالیٰ۔
(توقف۔۔۔روز)

ترجمہ: فیض آرہاہے میری ہیئت وحدانی پر اس ذات پاک بیچوں سے جو منشاء حب صرفہ ہے، بواسطہ مشائخ عظام علیہم السلام۔

تشریح: اس مقام پر نسبت کا کمال علو اور باطن کی بے رنگی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ یہ مرتبہ اطلاق ولاتعین کے بہت قریب ہے۔ یہ مقام ہمارے پیارے نبی محمد ﷺ کے خاص مقامات سے ہے۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے حقائق کا یہاں نشان تک نہیں ملتا کیونکہ یہی تعین حبی اور حقیقت محمدی ﷺ ہے جس کا اوپر بیان ہوا۔

اس مقام کے بارے میں **"هداية الطالبين"** میں حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر نسبت باطن میں کمال بلندی وبے رنگی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ یہ مقام بھی حضرت اطلاق ولاتعین سے بہت ہی قریب ہے قریب اس لئے ہے کہ جو چیز سب سے پہلے ظہور میں آئی وہ حب ہے، اس مقام سے متعلق شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ **كنت كنزاً مخفيا فأحببت أن أعرف۔**[58] ترجمہ: "میں (اللہ تعالیٰ) پوشیدہ خزانہ تھا، پس میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے خلق کو پیدا کیا تاکہ پہچانا جاؤں۔" والی روایت نقل کر کے فرماتے ہیں کہ یہ حدیث شریف ہمارے اس مدعا پر قطعی دلیل ہے اور وہی تعین اول حقیقت ہے جناب محبوب کبریاء ﷺ کی۔ علامہ قسطلانی وملا علی قاری اور دوسرے اکابر نے کہاہے کہ احادیث صحیحہ سے یہ مضمون ثابت ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے خطاب فرماتے ہوئے کہا کہ:

"اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا اور اپنی خدائی کو ظہور میں نہ لاتا"۔

پس معلوم ہوا کہ مبداء خلقت آں سرور عالمیان کا وجود ہے جس کے فیض سے سب کا وجود ہوا۔ اول آپ ﷺ کا نور پاک ظہور میں آیا اور اسی نور پر ظہور سے عرش وکرسی ولوح وقلم اور آسمان وزمین اور ملائکہ وجن وانس اور تمام کائنات سب وجود میں آئے، چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

كنت نبيا وآدم بين الروح والجسد.[59]

ترجمہ: میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

ابھی ان کا وجود مکمل نہیں ہوا تھا آں جناب بدرجۂ اتم مظہر صفات حضرت احدیت ہوئے اور مخلوق میں جو بھی ظہور کمال ہے حقیقت میں وہ کمال محبوب کبریا ﷺ کے کمالات میں سے ہے اسی نور کے ظہور سے آدم علیہ السلام مسجود ملائکہ ہوگئے اور اسی نور کی تجلیات سے کعبۂ معظمہ مسجود خلائق ہوا ہے۔

اللهم صل على سيدنا محمد وعلى آله واصحابه واهل بيته افضل صلوتك عدد معلوماتك وبارك وسلم۔

---

[58] کشف الخفاء ومزیل الالباس رقم الحدیث ۲۹۸، ۲۰۱۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۱۷۹

[59] کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، ج ۱۱، ص ۴۰۹۔ الناشر: مؤسسۃ الرسالۃ

حقائق انبیاء ﷺ میں اس مقام کے آخر تک سالک کے لئے سیر قدمی تجویز فرمائی ہے اور اس کے بعد کہیں اور کوئی مقام قدم رکھنے کا نہیں ہے۔

ھدایۃ الطالبین میں حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اور یہ بھی ہمارے آقا حضور انور ﷺ کے مخصوص مقامات میں سے ہے، دوسرے انبیاء علیہم السلام کے حقائق میرے نزدیک اس مقام پر ثابت نہیں ہوتے کیونکہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک حضرت لاتعین کے ساتھ جو پہلا تعین لاحق ہوا ہے وہ تعین حب ہی ہے اور اسی پہلے تعین کو حقیقت محمدی ﷺ قرار دیا گیا ہے اسی لئے ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ اصل میں حقیقت محمدی ﷺ یہی ہے اور جو پہلے بیان ہوا، وہ اس کا ظل ہے۔

اثرات: صاحب **شفاء القلوب** فرماتے ہیں کہ اس مقام میں نسبت باطن میں کمال بلندی و بے رنگی ظاہر ہوتی ہے اور یہ مرتبہ حضرت ذات مطلق ولاتعین کے بہت قریب ہے اس لئے کہ جو چیز سب سے پہلے ظہور میں آئی وہ حب ہے جو منشاء ظہور و مبدأ خلق ہے۔ اصل میں حقیقت محمدی ﷺ یہی ہے اور جو پہلے بیان ہوئی وہ اس کا ظل ہے۔ یہ مقام حضرت سید المرسلین ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے حقائق اس مقام میں ثابت نہیں ہوتے اور اس میں سیر قدمی نہیں ہے بلکہ سیر نظری ہے اور نظر بھی عاجز و درماندہ اور سرگرداں ہے۔

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار　　　گل چین بہار تو ز دامن گلہ دارد

ترجمہ: "ہماری نگاہ کا دامن تنگ ہے اور آپ کے حسن کے پھول بے شمار ہیں، آپ کے حسن کی بہار کے پھول چننے والے کے دامن کی تنگی کی شکایت ہے"۔

درود شریف کا ورد حقیقت محمدی ﷺ میں ترقی بخشتا ہے۔

۳۶) نیت مراقبہ لاتعیّن:

فیض می آید از ذات مطلق بیچون کہ موجود است بوجود خارجی و منزّہ است از جمیع تعینات بہ ہیئت وحدانی من بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔　　　(توقف۔۔۔روز)

ترجمہ: فیض آرہا ہے میری ہیئت وحدانی پر اس ذات پاک سے جو تعینات سے مبرا ہے، بواسطۂ مشائخ عظام علیہم السلام کے۔

تشریح: یہاں سیر قدمی کی گنجائش نہیں اگر کسی پر فضل الٰہی ہو جائے تو صرف سیر نظری ہوگی۔ یہ مقام بھی حضور سرور انبیاء علیہم السلام کے خصائص سے ہے۔ **لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل** اسی مقام کی طرف اشارہ ہے۔ حضور علیہ السلام کے طفیل سے آپ کے بعض امتیوں کے بھی اس خوان نعمت سے اُلش عطا ہوا ہے۔

اگر بادشاہ بر در پیر زن　　　بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

اس سے حضور نبی اکرم کی عظمت نمایاں ہو جاتی ہے کہ آپ کے نمک خوار اور اُلش خوار بھی اس دولت سے مشرف ہوتے ہیں۔

هداية الطالبين میں حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ان تمام مراتب کے بعد مراقبۂ لاتعین و حضرت اطلاق کا مراقبہ ہے۔ اس مقام کو لاتعین اس لئے کہتے ہیں کہ یہ تعین اول یعنی حبی سے پہلے ہے اور اس ذات سے فیض حاصل کرنے کا مراقبہ کیا جاتا ہے جو تعینات سے پاک و مبرا ہے۔

حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ مقام بھی حضرت رسالت پناہ ﷺ کے مقامات مخصوصہ میں سے ہے، یہاں پر سیر قدمی نہیں ہوتی لیکن سیر نظری ضرور ہوتی ہے، مگر نظر کہاں تک کام کرے گی۔ اسی لئے "شرح رباعيات خواجه باقی بالله رحمة الله تعالىٰ عليه" میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ اولیاء کرام نے مراقبۂ شہود کی انتہاء تعین اول تک بیان فرمائی ہے اور اس سے اوپر لاتعین کا مرتبہ ہے اور ان بزرگوں نے شہود کے لئے وہاں کوئی گنجائش نہیں سمجھی ہے۔

صاحب شفاء القلوب فرماتے ہیں کہ جاننا چاہیئے کہ اگرچہ یہ بزرگ مرتبۂ لاتعین میں شہود کو جائز نہیں سمجھتے لیکن شہود سے بالاتر بہت سے مراتب ہیں جو سب کے سب اس مرتبۂ لاتعین میں جائز قرار دیئے گئے ہیں۔ پھر آگے فرماتے ہیں کہ شہود وصول کی دہلیز ہے اور وصول کے مراتب اس کے اوپر ہیں، لیکن ہر شخص کے فہم کی رسائی وہاں تک نہیں بلکہ قریب ہے کہ وہ انکار کر گزرے۔ ہمارے حضرت (خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کے مخلصوں میں سے ایک درویش (غالباً حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا اپنی ذات گرامی کی طرف اشارہ ہے) پر یہ حالت طاری ہوئی اور اس کی سیر مرتبۂ لاتعین سے بھی اوپر تک واقع ہو گئی اور اس کو اس مقام میں ایک استہلاک (فنائیت) پیدا ہوا جس کے بارے میں اس نے ان (حضرت خواجہ قدس سرہ) کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ آپ نے اس کو جائز قرار دیا اور قبول فرمایا تھا۔

آیت کریمہ: وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (البقرة ١٠٥)

ترجمہ: "اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے"۔

اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک سوال پیش کرتے ہیں کہ جب تعین اول سے اوپر مرتبۂ لاتعین محض ہے تو پھر لازماً اس مقام پر امتیاز اور فرق معدوم ہو جائے گا، لہٰذا اس مرتبہ میں سیر کے معنی کیا ہوں گے، جواب میں فرماتے ہیں:

واضح رہے کہ اس سوال کا حل نہایت گہرے اسرار میں سے ہے، اس مقام کے متعلق بات کرنا خلاف مصلحت ہے۔ پھر ایک عجیب بات فرماتے ہیں: جاننا چاہیئے کہ آخر تمہیں جب دیدار ہو گا اس کا تعلق مرتبۂ لاتعین سے ہو گا اور تعینات کے تمام پردے اُٹھ جائیں گے کیونکہ اس جگہ (یعنی اس دنیا میں) تمام تعینات علمی ہیں نہ کہ خارجی اور علمی تعین ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کے لئے پردے بن جاتے ہیں شہود دنیوی کے خلاف، کہ وہ بھی تعین کی ایک قسم ہے اور اس کا تعلق ذہن سے ہے، ہو سکتا ہے کہ علمی تعین اس کا حجاب بن جائے۔

آخر میں فرماتے ہیں:

نؤمن بالرؤية الأخروية ولا نشتغل بكيفيتها لقصور فهم العوام لا لجهل عن كيفيتها فان أخص الخواص من الأولياء نصيبا فى هذه النشأة من هذا المقام وان لم نسمه رؤية فافهم۔

ترجمہ: "ہم دیدار آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور اس کی کیفیت کے درپے نہیں ہوتے اس لئے کہ عوام کی فہم اس سے قاصر ہے، اس وجہ سے نہیں کہ اس کی کیا کیفیت معلوم نہیں کیونکہ اولیاء میں نہایت خاص خاص لوگ اس دنیا میں اس مقام سے بہرہ یاب ہوئے ہیں اگرچہ ہم اس کو رویت کا نام نہیں دے سکتے"۔

حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ محب کی بات محبوب کے لب پر کہاں پہنچتی ہے جیسا کہ (خود) اس کی بات کو اس کے ساتھ قرب و منزلت ہے، اس کی بات سے اس تک پہنچا جا سکتا ہے، نہ کہ اپنی بات سے، کیونکہ اس (محب) کی بات کوتاہ اور راستہ ہی میں (رہ جانے والی) ہے۔ یہ حقیر کہتا ہے کہ من عرف اللہ کل لسانہ۔ ترجمہ: "جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اس کی زبان گونگی ہو گئی" اس کے لئے گواہ ہے۔

دفتر ۳ مکتوب ۱۲۲ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک بہت پیاری بات فرماتے ہیں کہ جب کمال عنایت سے ظلال کی منازل تک طے کرتے کرتے اصل تک پہنچتا ہے تو محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسا پاتا ہے کہ اصل بھی ظل کا حکم رکھتا ہے اور مطلوبیت کے لائق نہیں ہے کیونکہ وہ امکان کے داغ سے داغدار ہے اور مطلوب کا احاطۂ ادراک اور وصل و اتصال سے ماوراء ہے۔ اسی لئے ہمارے بزرگوں نے اس مقام کے بارے میں فرمایا:

العجز عن درک الذات ادراک — والقول بدرک الذات اشراک

ترجمہ: "ذات حق کے ادراک سے عاجز ہونا ہی ادراک ہے، اور ادراک ذات حق کا دعویٰ شرک ہے"۔

اسی مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"کوئی یہ نہ کہے کہ معرفت سے عاجز ہونا، جو کہ معرفت کی نقیض ہے، معرفت کیونکر ہوا کیونکہ معرفت سے عاجز ہونا ہی معرفت ہے"۔

پھر فرماتے ہیں:

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

العجز عن درک الذات ادراک

(معرفت ذات کے) ادراک سے عاجز ہونا ہی (اس کی معرفت کا) ادراک ہے۔

فسبحان من لم یجعل للخلق الیہ سبیلا الا بالعجز عن معرفتہ۔

ترجمہ: "پس پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی معرفت سے عاجزی کے سوا اپنی مخلوق کے لئے کوئی راستہ نہیں بنایا"۔

اس بحث کے آخر میں فرماتے ہیں "اور یہ معرفت سے عاجز ہونا مراتب عروج کی نہایت کی انتہاء ہے اور قرب کے مدارج کی غایت درجے منتہا ہے۔ اور جب تک سالک نقطۂ آخر تک نہ پہنچے اور تجلیات و ظہورات کے مراتب کو طے نہ کر لے اور وصل و اتصال کو، جس پہ مدتوں خوش رہا تھا، اس کو عین فصل و انفصال نہ پائے، اس وقت تک اس عجز کی دولت سے مشرف نہیں ہو سکتا اور خدا ناشناسی سے خلاصی نہیں پاتا اور غیر حق کو حق نہیں جانتا۔

مدارج الخیر میں لکھتے ہیں دائرۂ لا تعین حقائق انبیاء علیہم السلام کا آخری دائرہ ہے۔ اس میں ورد فیض ذات بحت سے جو کہ مبری و منزہ ہے تعینات سے سالک کی ہیئت وحدانی پر ہوتا ہے، اس مقام میں قدم بے چارہ عاجز و لنگ اور نظر حیران و سرگرداں رہ گئی ہے۔

اے وہ کہ تیرے در سے ہے زخمی دلوں کو آس
عاشق کی جاں کو یاد سے تیری قرار آئے

موسیٰ کی طرح لاکھوں ہی دنیا میں بہر دید — رب ارنی کہتے ہوئے خواستگار آئے
سینے دہک رہے ہیں جدائی کی آگ سے — سب تیرے درد عشق ہی میں اشکبار آئے

اس مقام پر اکابر طریقہ نے سیر نظری تجویز فرمائی ہے لیکن بارگاہ عظمت و کبریا میں نظر بے چاری حیران ہے۔

یہ کہتی ہے صدائے لن ترانی — مکانی اور تاب لامکانی

ان مواطن مقدسہ میں سیر قدمی یا سیر نظری کی تجویز اس معنی میں نہیں ہے کہ وہاں نفوذ اور شہود ہے بلکہ اس کا مطلب ہے کہ اگر ان مراتب لامکانی کو مقامات مکانی میں صورت مثالی میں نقش کریں تو اس سیر کو سیر قدمی یا نظری سے تعبیر کریں گے جیسا کہ بیان کیا جا چکا۔

معلوم ہوا کہ ہر دائرہ میں کیفیات خاصہ ہوتی ہیں اور وہ کیفیات خاصہ قرب بے نہایت سے عبارت ہے جس کی کوئی صورت نہایت نہیں ہو سکتی اور جس کو انتہائے دائرہ سے تعبیر کرتے ہیں وہ باعتبار سالک کہتے ہیں یعنی اس موطن میں سالک کو جو حظ تھا وہ پورا ہو گیا۔ سالکین کے لئے ان مواطن میں سوائے وجدان کے اور کچھ نصیب نہیں، کم ہیں وہ لوگ جو کشف و عیاں سے ممتاز ہوں۔ یہ ہے مختصر بیان حضرات نقشبندیہ مجددیہ قدس اللہ اسرارہم کے سلوک کا۔

تم سے کہتا ہوں میں حد پرواز کا راز — بات سمجھو گے مری گر ہوئے اہل پرواز

خلاصہ: مراقبات کے ضمن میں تین ولایتیں، تین کمالات اور سات حقائق مذکور ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ مقامات کا ذکر ہوا ہے۔ یہ تمام گویا دریا میں سے قطرے کا ذکر ان اوراق میں کیا گیا ہے۔ اس معزز خاندان کے تمام متوسلین کو حاصل نہیں ہوتے بعض ولایت قلبی بلکہ دائرہ امکان تک رہ جاتے ہیں۔ بعض کو ولایت کبریٰ اور بعض کو ولایت علیا حاصل ہوتی ہے اور بہت کم کو کمالات ثلثہ حاصل ہوتے ہیں اور خال خال حقائق سبعہ وغیرہ سے فائز ہوتے ہیں۔

فصل

عرض امانت

جاننا چاہیئے کہ جب پروردگار جلت عظمتہ کی مشیت نے چاہا کہ اپنے اسماء و صفات کے کمالات پردۂ غیب سے عالم ظہور میں لا کر اپنی ربوبیت کا اظہار فرمائے تو تمام کائنات عالم جسے عالم کبیر کہتے ہیں عرش سے آخر فرش تک اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرمائی۔

پھر ارادہ کیا کہ کسی مخلوق کو اپنی خلافت بخشے لیکن اس عنایت اور کرامت کے لائق مخلوقات میں کوئی نہ نکلا آسمان نے باوجود اس بلندی و مرتبے کے اور زمین نے باوجود اس وسعت و عظمت کے اس خدمت کو بجالانے سے اپنے کو عاجز پا کر معذرت ظاہر کر دی۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ (الاحزاب ۷۲)

"بے شک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو اُنہوں نے اس کے اُٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اُٹھالی۔"

دستک فرشتوں نے درمیخانہ پر سنی　　　آدم کی مٹی گوندھی گئی جام کے لئے
پیر فلک نہ بارِ امانت اٹھا سکا　　　مجھ باولے کا نام تھا اس کام کے لئے

چونکہ کوئی مخلوق تن تنہا اس بھاری بوجھ کو اٹھانے کی سکت نہ رکھتی تھی حکیم و دانا پروردگار نے ایک عجیب و غریب نسخہ یعنی انسان کو تمام عالم کے اجزاء سے خواہ عالم علوی ہو اور خواہ عالم سفلی سب سے اس طرح ترتیب دیا کہ وہ بطور خود جام جہاں نما اور عالم صغیر ہو گیا۔

عالم کو چھان مارا اپنا پتہ نہ پایا　　　یعنی بغل میں لڑکا اور شہر میں ڈھنڈورا
تعریف جام جم کی میں نے سنی تو سمجھا　　　جام جہاں نما ہے خود ہی وجود اپنا

اسی انسان کو خلاصۂ ممکنات اور عالم صغیر کہتے ہیں۔ آیت کریمہ میں:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ (فصلت ۵۳)

"ابھی ہم اُنہیں دکھائیں گے اپنی آیتیں دنیا بھر میں اور خود اُن کے آپے میں۔"

اسی معنی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے بڑے بڑے عالموں نے پوری وضاحت کے ساتھ اپنے موضوع کو اپنی کتابوں میں بیان کر دیا ہے صاحب مدارج الخیر و شیخ اسماعیل حقی مؤلف روح البیان کے کچھ اقوال اصل اور ترجمہ کی صورت میں مختصراً پیش کر رہا ہے:

دلائل قدرت سے جو کچھ بھی عالم کبیر میں ہے اس کا نمونہ عالم صغیر ہے جو کہ انسان کا جسم ہے:

ایھا الانسان ھل تزعم انک جرم صغیر و فیک انطوی العالم الأکبر۔[60]

اے انسان تو سمجھتا ہے کہ تو ایک جسم صغیر ہے؟ درآں حال یہ کہ (حالانکہ) تجھ میں عالم کبیر سمایا ہوا ہے۔

سمجھتا ہے تو خود کو جسم صغیر　　　سمایا ہے تجھ میں جہان کبیر
مجازی ہے تاروں کی ساری نمود　　　حقیقت ہے عالم میں تیرا وجود

وہ سب کچھ جو مفصل طریقے سے سارے عالم میں ہے بطور مجمل انسان کی سرشت میں موجود ہے از روئے صورت انسان عالم صغیر ہے مگر از روئے صنعت و قدرت انسان کا مرتبہ بالاتر ہے اور وہی عالم کبیر ہے۔

---

[60] روح البیان ج۸ ص ۲۸۱ تحت الآیۃ فصلت ۵۳۔

کیوں ہے ناداں طالب دنیا　　　غور کر خود ہے قالب دنیا

انسان کا جسم مثل عرش کے ہے اور نفس مثل کرسی کے اور قلب مثل بیت المعمور کے اور لطائف قلبیہ مثل جنتوں کے اور قوائے روحانیہ مثل فرشتوں کے اور دو آنکھیں اور دو کان اور ناک کے دونوں نتھنے اور دونوں چھاتیاں اور دونوں مخرج (پاخانہ اور پیشاب کے) اور منہ اور ناف مثل ستاروں کے ہیں۔ ستاروں کا حاکم آفتاب ہے اور چاند کا معاون ہے سورج سے، اسی طرح قوتوں کی حاکم عقل ہے اور قوت گویائی مدد خواہ ہے عقل سے۔

اگر ایک سال میں تین سو ساٹھ دن ہیں تو جسم انسان میں اتنے ہی جوڑ بند ہیں اگر مہینے میں تیس دن ہوتے ہیں تو منہ میں اس قدر دانت ہیں اگر چاند کی اٹھائیس منزلیں ہوتی ہیں تو منہ میں اٹھائیس مخارج ادائے حروف کے ہیں۔ گوشت مثل زمین کے ہڈیاں مثل پہاڑوں کے مغز مثل معدنوں کے، پیٹ مثل سمندر کے، آنتیں مثل دریا کے، نسیں مثل نہروں کے، چربی مثل گیلی مٹی یا گارے کے، بدن کے رونگٹے مثل سبزے کے، سانس مثل ہوا کے، کلام مثل گرج کے، آواز مثل کڑک کے، رونا مثل بارش کے، ہنسی مثل روز روشن کے، غم مثل رات کی اندھیری کے، نیند مثل مرنے کے، جاگنا مثل زندگی کے اور پیدائش مثل ابتدائے سفر کے اور بچپن مثل بہار کے اور جوانی مثل موسم گرما کے اور ادھیڑ عمر مثل فصل خزاں کے اور بڑھاپا مثل جاڑوں کے اور موت مثل اتمام سفر کے، عمر کے سال مثل شہروں کے اور مہینے مثل منزلوں کے اور دن مثل میلوں کے اور سانسیں مثل قدموں کے، ہر سانس جو نکلتی ہے ایک قدم موت کی طرف لے جاتی ہے۔

عمر سچ مچ دم بدم گھٹتی رہی　　　سمجھے ناداں زندگی بڑھتی رہی

لعاب دہن شیریں ہے، آنسو نمکین ہیں، کان کا میل بدبودار ہے، سارے جانوروں کی خصلتیں اس انسان میں موجود ہیں، فرشتوں کی معرفت وصفات شیطان کا مکرو فریب، شیر کی بہادری، بھیڑیے کی بد نفسی، گدھے کا صبر، لومڑی کی حیلہ بازی، بلی کی چاپلوسی، اونٹ کا بیر، چوہے کی لالچ، چیونٹی کی ذخیرہ اندوزی اور کتے کی وفاداری وغیرہ اس انسان میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ نظر واستدلال اور تمیز اور انواع حروف اور صنعت کاری میں ممتاز ہے۔ بقول

کلها آیات الله تعالیٰ فی انفسنا فتبارک الله احسن الخالقین۔

ترجمہ: یہ سب نشانیاں خود ہماری ذات میں پس کیا ہی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو بہترین خالق ہے۔

اے خوشا آدمی کہ مشت خاک　　　ہے عیاں تجھ پہ راز ہفت افلاک

سر بسجدہ ہوئے تیرے آگے　　　یہ فرشتے بعلم و بادراک

سب ہیں تیرے غلام حلقہ بگوش　　　آتش و آگ و باد و خاک

جب یہ عجیب و غریب شان کی تخلیق یعنی انسان اس کمال وخوبی اور اس تمام آراستگی و جمال اور حسن تقویم کے ساتھ کارخانۂ اتقان حضرت مبدع سبحان یعنی اللہ تعالیٰ سے بازار امکان میں ظہور پذیر ہوا یعنی پیدا ہوا تو پروردگار جلت قدرتہ نے اس کے سر کو تاج علم سے زینت بخشی اور حکمت کے خزانوں کی کنجیاں اس کے ہاتھوں میں دے کر دنیا اور اس کی ہر شے کے لئے باعث فخر بنا دیا، فرشتوں کو بجز اپنے اظہار تقصیر کے کوئی چارہ نہ رہا تو عرض کیا

سُبۡحَانَکَ لَا عِلۡمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا (البقرۃ ۳۲)

پاکی ہے تجھے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا۔

کیا عبادت سے ملک کو فائدہ فیض عشق، آدم پہ جب نازل ہوا

حضرات عالی قدر (مجددیہ) کا کلام جمیل

ہمارے حضرات قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم (خدا کرے دنیا والے ان کے فیوض و برکات اور معارف و انوار سے مستفیض ہوں) کہ ان کی آنکھیں معرفت کے قیمتی سرمہ سے سرمگیں اور ان کی بینائی حضرت واجب الوجود کے انوار سے روشن تھیں۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت واجب الوجود کی ذات پاک (جس کا مثل کوئی نہیں) عالم اور اہل عالم سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی، کہاں واجب الوجود یعنی خالق مطلق اور کہاں حادث یعنی مخلوق محض؟

واللہ تیری ذات تو ہے سب سے ماورا جو کچھ کہا گیا، جو سنا، ہم نے جو پڑھا
ساری کتاب بھر گئی، گزری تمام عمر اک وصف کا بیان بھی بندہ نہ کر سکا

وہ ذات سبحانہ و تعالیٰ کمال استغناء سے موصوف ہے، جیسا کہ خود فرمایا ہے:

إِنَّ اللهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (العنکبوت ٦)

بے شک اللہ بے پرواہ ہے سارے جہان سے۔

اور بندۂ عاجز کمال فقر سے معروف ہے، چنانچہ فرمایا ہے:

أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ (فاطر ۱۵)

تم سب (اللہ کے) محتاج۔

عالم میں جو کچھ بھی ظاہر ہوا اسی کے اسماء و صفات کی تجلیات کا کرشمہ ہے اگر اسماء صفات کی تجلیات نہ ہوتیں تو عالم کا وجود ہی نہ ہوتا۔ تعین اول جو کہ ذات احدیت جلت عظمتہ میں ہوا ہے وہ تعین حبی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ

ان اللہ یقول کنت کنزاً مخفیاً فأحببت أن أعرف فخلقت الخلق لأعرف۔[61]

"بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں گنج پنہاں تھا پس میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں لہٰذا میں نے خلق کو بنایا کہ میری معرفت حاصل کی جائے"۔

اور اس تعلق حبی کا مرکز حقیقت جناب حبیب رب العالمین سید الانبیاء و المرسلین سیدنا و شفیعنا محمد ﷺ ہیں اور کیوں نہ ہوں جبکہ روایت کی ابن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بطور ارسال کے:

ان النبی ﷺ قال کنتُ أوَّلَ النَّبِيِّينَ في الخلقِ و آخرَهم في البعثِ[62]

[61] روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، ج ۱۰، ص ۲۷۸
[62] مختصر المقاصد ۷۷٤۔ الزرقاني (ت ۱۱۲۲)

"بے شک نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں سب نبیوں علیہم الصلوۃ والتسلیمات میں اول ہوں تخلیق میں اور آخر میں ہوں ان سے بعثت میں"۔

اور ابو نعیم نے روایت کی اپنی کتاب الحلیہ میں کہ

كنتُ نبيًّا و آدمُ بينِ الروحِ والجسدِ۔[63]

"فرمایا کہ میں نبی تھا جس وقت آدم علیہ السلام ابھی روح و جسم کے درمیان تھے"۔

اور علامہ قسطلانی اور ملا علی قاری وغیر ہم بڑے بڑے علماء نے کہا ہے کہ صحیح حدیثوں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے محبوب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

"اے میرے حبیب ﷺ اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا اور اپنی خدائی کو ظہور میں نہ لاتا"۔

اس مفہوم میں خواجہ فرید الدین عطار صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صاحب پند نامہ کے اشعار کا خلاصہ اور ترجمہ یہ ہے:

سرور دارین اور گنج وفا — ماہ کامل صدر محفل مصطفیٰ ﷺ
آفتاب شرع دریائے یقین — نور عالم رحمۃ اللعالمین ﷺ
نور یہ مقصود مخلوقات ہے — اصل معلومات و موجودات ہے
آپ کو پیدا کیا اپنے لئے — اور سب تخلیق کی ان کے لئے

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ نَبِيِّكَ وَ رَسُوْلِكَ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَ سَلِّمْ۔

دائرۂ امکان

ساری کائنات کو عالم کبیر یا دائرۂ امکان کہتے ہیں اور دائرہ اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ ہر طرف سے برابر ہے کیونکہ دائرہ ایسے ہی ہوتا ہے جس میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا ایک سرا کہاں ہے؟

اس دائرے کے دو حصے ہیں اور ہر حصہ بجائے خود ایک مستقل عالم ہے، اوپر آدھا حصہ جو ہے اس کو عالم امر کہتے ہیں، اور نچلا آدھا عالم خلق کہلاتا ہے۔ پہلے کو عالم امر اس لئے کہتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے محض ایک امر یعنی حکم سے ظہور میں آیا اس کے وجود میں آنے کی کوئی دقت اور دیری کی حاجت نہ تھی۔ بقولہ تعالیٰ: إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (یٰسٓ ۸۲)

ترجمہ: اس کا کام تو یہی ہے کہ جب کسی چیز کو چاہے تو اس سے فرمائے ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے۔ اصول و حقائق تمام ممکنات اور سارے جانداروں کی روحیں اسی عالم میں رہتی ہیں۔ اور عالم مثال اور عالم ارواح کا تعلق اسی عالم سے ہے اور یہ عالم نور ہے جو عرش مجید کے اوپر واقع ہے، لطیفۂ قلب کے اصل مقام سے شروع ہو کر اور لطیفۂ اخفیٰ کے اصل مقام تک پہنچ کر لامکانیت تک تحقیق کیا گیا ہے۔

---

[63] الجامع الصغير ٦٤٠٦۔السيوطي (ت٩١١)
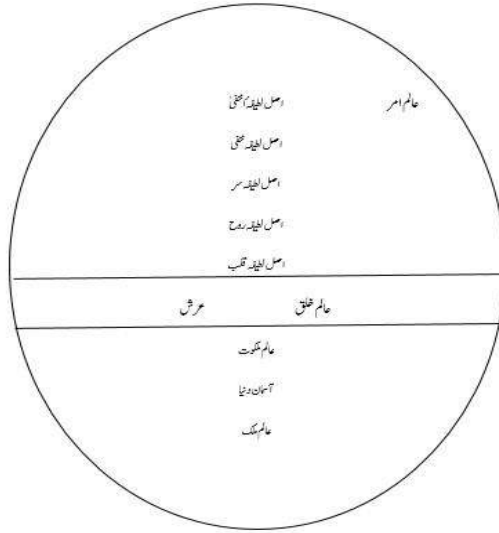
دوسرے عالم یا عالم خلق کے نام کی وجہ یہ ہے کہ اس کی تخلیق چند اسباب اور علتوں سے وابستہ ہے اور اس کا تعلق مدت اور زمانے سے ہے اور نشوو ارتقاء کے قانون کے مطابق ظہور پذیر ہوتا ہے۔

بقولہ تعالیٰ:

خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ (السجدہ ۴)

"آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے چھ دن میں بنائے"۔

یہ ارشاد ربانی اسی کی طرف اشارہ ہے، اب رہا یہ کہ جن چھ دنوں کا ذکر آیت کریمہ میں ہے ان سے کیا مراد ہے؟ آیا اس دنیائے آباد کی قسم سے یا از قسم:

وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ (الحج ۴۷)

بے شک تمہارے رب کے یہاں ایک دن ایسا ہے جیسے تم لوگوں کی گنتی میں ہزار برس۔

تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (المعارج ۴)

"ملائکہ اور جبریل اس کی بارگاہ کی طرف عروج کرتے ہیں وہ عذاب اس دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے"۔

اشخاص اور اجسام تمام ممکنات کے اس عالم میں قرار پاتے ہیں، چنانچہ عرش، کرسی، لوح و قلم، جنت دوزخ، ستارے، آسمان، زمین، فرشتے، جنات، انسان سارے جاندار پیڑ، پودے جمادات ہوا، پانی، مٹی، آگ، گرمی، سردی وغیرہ سب اسی عالم سے تعلق رکھتے ہیں اور اس عالم کو عالم اجسام بھی کہتے ہیں، یہ عرش سے شروع ہو کر فرش کے آخر تک انتہاء کو پہنچتا ہے اور اس عالم کے پھر دو حصے ہیں، ایک انتہائے نیچے سے لے کر آسمان دنیا تک ہے جو عالم مُلک (پیش سے) ہے اور دوسرا اسماء دنیا سے انتہائے عرش مجید تک یہ عالم ملکوت ہے۔

معلوم رہے کہ عرش مجید عالم خلق میں ہے اور اسی پر عالم خلق کی انتہاء ہوتی ہے، اور یہ کہ اصل لطیفۂ قلب کا مقام عالم امر سے ہے اور اسی سے عالم امر شروع ہوتا ہے اور وہ خالی جگہ جو اصل لطیفۂ قلب کے مقام اور عرش مجید کے درمیان میں ہے وہ برزخ ہے کیونکہ ہر وہ آڑ جو دو چیزوں کے درمیان ہو اسے برزخ کہتے ہیں، چنانچہ وہ زمانہ جو موت سے کر نشر (قیامت) تک ہے اس کو بھی برزخ اسی لئے کہتے ہیں، کیونکہ وہ دنیاوی زندگی اور اخروی زندگی کے درمیان آڑ ہے۔ اس خلا کے برزخ ہونے میں کلام نہیں، اگرچہ بعض

وجوہ سے عرش مجید یا اصل لطیفۂ قلب کا مقام بھی معنوی برزخ ہو سکتا ہے جیسا کہ بعض بزرگوں کے کلام میں برزخ کا اطلاق مذکورہ ہر دو پر کیا گیا ہے (یعنی عرش اور اصل لطیفۂ قلب) حضرت شیخ عبد الاحد قدس سرہ لکھتے ہیں کہ

"عرش مجید کے اوپر اور دیگر اصول کے نیچے قلب کی اصل ہے اس لئے قلب کو عالم خلق وعالم امر کے درمیان برزخ کہا ہے کیونکہ خلق کا آخری مقام عرش مجید ہے اور اس وجہ سے کہ عرش عالم خلق کا آخری مقام ہے اس کا رُخ امر کی طرف ہے اسے برزخ کہتے ہیں"۔

فقیر مؤلف کہتا ہے کہ ممکن ہے عرش مجید یا اصل قلب کے مقام کو برزخ کا نام دینا اس طرح ہو جیسے:

تسمیۃ الشیء بالمتصل او المجار۔

"کسی چیز کا نام اس کے قریب کی مناسبت پر رکھ دیا جائے"

اس لئے:

لانہما علیٰ طرفی البرزخ۔

"وہ دونوں برزخ اِدھر اُدھر واقع ہوئے ہیں"۔

بعض لوگ جو کہ ان حضرات کی تحقیقات سے ناواقف ہیں اور ان بزرگوں کے کلام کی حقیقت کو نہیں پا سکے ہیں عالم خلق سے عرش مجید کو خارج کر کے عالم امر میں قرار دیتے ہیں اور اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ بعض بے خبر لوگوں نے عالم خلق کو پورا دائرۂ امکان کہہ دیا ہے اور عالم امر کو دائرۂ ظلال (عکس) قرار دیا ہے اور دائرۂ تجلیات اسماء وصفات کو دائرۂ ظلال کے مقام میں تصور کیا ہے حالانکہ عالم امر دائرۂ امکان میں شامل ہے اور دائرۂ ظلال اس سے مختلف اور ہی شے ہے، جس کی سیر کا تعلق ولایت صغریٰ سے ہے اور دائرۂ تجلیات اسماء وصفات تیسری قسم کا دائرہ ہے جس کی سیر کا تعلق ولایت کبریٰ سے ہے جیسا کہ ان دائروں کے بیان میں آگے آئے گا۔

واضح رہے کہ ہر وہ چیز جو فرش کے نیچے سے لے کر عرش کے اوپر تک عالم خلق میں موجود ہے اس کی ایک حقیقت یا اصل عالم امر میں لازمی طور سے ہوتی ہے۔ چونکہ عالم سارے کا سارا اسماء وصفات اور صفات واجبی کی تجلیات کا مظہر ہے لہٰذا ہر وہ چیز جو عالم میں ظاہر ہوئی ہے یا ہونے والی ہے حضرت واجب الوجود کی بے انتہا صفات میں سے کسی ایک صفت کی تجلی سے وابستہ ہے خواہ یہ وابستگی تجلیٔ صفات کے ساتھ اصالتاً ہو یا بالواسطہ ہو، اس لئے کہ عامہ خلائق کے اصول بوجہ فتور و کم ظرفی اور قصور ہمت کے اسماء وصفات کی تجلیات کی تاب نہیں رکھتے بلکہ پہلے تو تجلیات صفاتیہ کے ظلال سے تعلق پیدا کرتے ہیں اور اس ظلال کے انوار سے فائدہ اُٹھاتے ہیں اور قوت پرواز پیدا کر کے خود کو تجلیات کے پردہ سرا تک پہنچاتے ہیں اور جو کچھ کہ اصول نفوس ذکیہ وقدسیہ حضرات انبیاء وملائکہ علیہم السلام کے پاک وصاف نفوس کے اصول ہیں، ان کو بہ وجہ اپنی صفائی طبع اور قوت جلاء اور استعداد کی بلندی کے۔ ظلال کے واسطے اور مساعدت کی حاجت نہیں ہوتی بلکہ اصالتاً تجلیات سے وابستہ ہوتے ہیں۔

"خواہ تجلی ذاتی کے امتزاج کے بغیر جیسے انبیاء علیہم السلام کے لئے ہے یا امتزاج کے ساتھ جیسے ملائکہ علیہم السلام کے لئے ہے"۔

لطائف عشرہ

ہمارے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ انسان کا خمیر دونوں عالم کے اجزاء سے ترکیب پایا ہے اور وہ دس اجزاء سے مرکب ہے جن کو لطائف کا نام دیتے ہیں۔

پانچ عالم امر کے ہیں جو کہ قلب وروح، سر وخفی اور اخفیٰ ہیں۔ یہی انسان کا باطن ہے۔[64]

اور پانچ عالم خلق کے ہیں جو کہ نفس وہوا وپانی و آگ اور مٹی ہیں۔ یہی انسان کا ظاہر ہے جب حق تعالیٰ جل شانہ نے ارادہ فرمایا کہ بار امانت وحلہ خلافت انسان ضعیف البنیان کے سپرد کرے تو عالم خلق کے عناصر خمسہ کو ان کے اصول کے ساتھ جو کہ عالم امر کے لطائف خمسہ ہیں۔ ان سے معزز و قوی فرمایا۔ ہر اصل کو اپنی فرع کے ساتھ ایک تعلق اور عشق یعنی گہرا لگاؤ بخشا اور بالائے عرش سے اتار کر سینے کے مقام میں جو کہ محل علم وعرفان اور جائے شرح ونور ایمان ہے خاص مقام کے ساتھ کہ اس میں سے ہر ایک کو اس مقام سے نسبت ہوتی ہے متمکن کیا۔

چنانچہ لطیفۂ قلب کو جو کہ لطیفۂ نفس کی اصل ہے بائیں چھاتی کے نیچے دو انگل کے فاصلہ پر مائل بہ پہلو اس گوشت کے لوتھڑے میں جسے قلب صنوبری کہتے ہیں جگہ دی ہے اس کا لقب صنوبری اس لئے دیا گیا ہے کہ صنوبر کے پھل کی طرح دل کی شکل اوندھی ہوتی ہے یعنی چوڑا پیندا اوپر اور پتلا سرا یا نوک نیچے کو ہوتی ہے، اور قلب کے معنی بھی اُلٹے کے ہیں۔ اور لطیفہ روح جو لطیفۂ باد کی اصل ہے اور اس کا مقام عالم امر میں مقام قلب سے بلند تر ہے اسے اصحاب یمین بنا کر داہنی چھاتی کے نیچے دو انگل کے فاصلے پر قدرے بہ پہلو جگہ مقرر فرمائی اور لطیفہ سر جس کی اصل لطیفۂ آب ہے اور اس کا مقام عالم امر میں روح سے بلند تر ہے۔ بائیں چھاتی کے برابر میں قلب اور وسط سینہ کے درمیان جگہ دی ہے اور لطیفۂ اخفیٰ کو جس کی اصل لطیفۂ خاک ہے اور اس کا مقام عالم امر میں مقام خفی سے بلند تر ہے اور جو لطائف امر میں حسین وجمیل تر ہے اور حضرت اطلاق یعنی اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب ہے وسط سینہ جو کہ مرکز ہے اور حضرت اجمال سے پوری مناسبت رکھتا ہے جگہ دی ہے۔ یہ پانچوں لطیفے چونکہ اپنی فروع کے معین اور مددگار ہوئے اور سینہ یعنی مقام صدر میں جگہ پائی لہٰذا انسان کا مرتبہ جمیع مخلوقات سے بلند ہوا اور عالم کبیر میں عالم اکبر ظہور پزیر ہوا۔

دونوں عالم ہیں تری قیمت کہا — پھر بھی ارزاں ہے ابھی دام اور بڑھا

حضرات کرام فرماتے ہیں کہ عالم امر کے لطائف خاص انوار ہیں ہر ایک کا نور علیحدہ ہے۔[65]

---

[64] القول الجمیل فصل ٦ ؍میں شاہ صاحب نے حضرت مجدد سے منسوب کر کے لکھا ھے کہ محل لطائف میں ہر عضو میں نبض کے مانند حرکت ھے جس کو حضرت ممدوح اس حرکت کی محافظت اور اس حرکت کو اسم ذات خیال کرنے کا امر کرتے ھیں (القول الجمیل ترجمہ شفاء العلیل چھٹی فصل اشغال طریقۂ مجددیہ، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی۔ ص ١٠١)۔ اور شفاع العلیل اردو ترجمہ کتاب مذکور کے فائدے میں اس موقع پر وضاحت میں شاہ عبدالعزیز صاحب کا قول نقل کیا ھے کہ مشائخ مجددیہ جب القائے توجہ کرتے ھیں تو توجہ لینے والا اس حرکت کو محسوس کرتا ھے (القول الجمیل ترجمہ شفاء العلیل چھٹی فصل اشغال طریقۂ مجددیہ، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی۔ ص ١٠١، ١٠٢)۔ نیز دیکھئے مکتوب دوم شاہ غلام علی قدس سرہ۔

نوٹ: شفاء العلیل شاہ ولی اللہ محدث دھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب ھے۔

[65] ان لطائف کے رنگ کلی طور پر متحقق نہیں ھیں جیسا کہ مکتوبات شریف میں اشارہ ملتا ھے۔

قلب کا نور زرد ہے، روح کا سرخ، سر کا نور سفید ہے، خفی کا سیاہ اور اخفی کا نور سبز ہے جبکہ انسان مورد انوار و موضع اسرار ہو گیا تو حلہ خلافت اس کے جسم پر آراستہ فرمایا اور علم و دانش کے تاج سے اس کے سر کو زینت بخشی اور وہ اوصاف خداوندی سے متصف ہو گیا اور بار امانت اٹھانے کے لائق ہو کر۔ "زمین پر اللہ تعالیٰ کا ظل اور عالموں میں اس کا خلیفہ یعنی نائب قرار پایا"۔

جب لطائف عشرہ کی ہیئت وحدانی کا مرتبہ علم و فضل اور قوت و کمال میں تمام مخلوقات عالم سے بلند ہوا تو وہ فرشتے اپنی بات پر کہ

أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ (البقرہ ۳۰)

کیا ایسے کو نائب کرے گا جو اس میں فساد پھیلائے اور خونریزیاں کرے۔

سے شرمندہ ہو کر:

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (البقرہ ۳۲)

پاکی ہے تجھے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا۔

کہتے ہوئے اس (آدم) کے آگے سر بہ سجدہ ہو کر اس کے فضل و شرف کا اعتراف کرنے لگے، یہ ہے انسان کی اصل اور یہ ہے حقیقت۔

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔[66]

"جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا"۔

اور یہ ہے بیان:

ان اللہ خلق آدم علی صورتہ۔[67]

بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر بنایا ہے۔

پیر ہرات حضرت عبد اللہ انصاری قدس سرہ فرماتے ہیں کہ

"وحدت وصف ہے اس ذات باکمال کی اور قدرت اس کی عظمت و جلال کی دلیل ہے جب اس نے چاہا کہ اپنی قدرت کو دیکھے تو عالم کو کیا اور جب چاہا کہ خود کو یعنی اپنی صفت کو دیکھے تو آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا"۔

چاہا جب اس نے اپنے تماشے کو بر ملا　　آدم کی مشت خاک میں جلوہ نما ہوا

اور یہ مقام تذکیر و عبرت ہے آیت کریمہ میں کہ

وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (الذاریات ۲۱)

"اور خود تم میں تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں۔"

[66] کشف الخفاء ومزیل الالباس عما اشتهر من الاحادیث علی ألسنة الناس، ج ۲، ص ۲۶۲

[67] صحیح مسلم، ج ۸، ص ۳۲۔ الناشر: دار الفکر بیروت لبنان

یعنی کیا تم نہیں دیکھتے اپنی آنکھوں سے آیاتِ عظیمہ واسرار لطیفہ اورانوار عجیبہ اورر لطائف شریفہ کو جن کی جائے قیام خود تمہارے سینے ہیں جو تمہیں ودیعت فرمائے گئے پس ہے کوئی کان دھرنے والا اور ہے کوئی قلبِ ذاکر اورروح شائق اور سر تقویٰ والا اور خفی خضوع والا اور اخفیٰ خشوع والا۔

جبکہ عالم امر کے لطائف خمسہ اپنے مقام کی اصل سے دور جاپڑے اور انسان کے اندھیرے ڈھانچے میں اپنی فروغ کے ساتھ مل جل گئے اور عشق و محبت کے سلسلہ سے انسانی پیکر میں قید ہوگئے تو اپنی نورانیت اور چمک دمک کھو بیٹھے اور لطائف خلق کی طرح بے نور ہوگئے۔

آخری تخلیق آدم کی ہوئی — پھر بھلا بیٹھا مقام بندگی

مرتے دم تک ہو نہ جس کو آگہی — ہوگا کیا محروم تر اس سے کوئی

یہ پانچوں نورانی لطیفے حقیقت میں ولایت کے پانچ درجات ہیں اور ہر درجہ اللہ تعالیٰ کی بے عیب ذات تک پہنچانے کا راستہ ہے چونکہ بندوں کا رشد و ہدایت منحصر ہے حضرات انبیاء و رسل علیہم السلام کی ذات پر لہٰذا وہی راستہ راہ ہدایت ہے جو کہ ان مقدس حضرات کا اختیار کردہ ہے اور طے کردہ ہے۔ اور یہ لطائف خمسہ وہ پانچ مسلک یا طریقے ہیں جن پر چل کر انبیائے اولوالعزم مقام ولایت اور مقصود کو پہنچے ہیں۔

(ان مسلکوں کی تفصیلی درج ذیل ہے)۔

پہلا مسلک

لطیفۂ قلب ہے اور وہ عالم امر کا پہلا مقام ہے اور عالم خلق سے قریب ترین ہے، اس لطیفہ کا تعلق وربط صفت تکوین کی تجلی سے ہے جو حق تعالیٰ کی صفت اضافیہ ہے اور وہ صفت ہے فعل و خلق و تخلیق و ایجاد و احداث و اختراع کی۔ تمام ممکنات کا وجود میں آنا اسی صفت سے متعلق ہے یہی وجہ ہے کہ لطیفۂ قلب کی اصل کے مقام کو قلب کبیر اور حقیقت جامعۂ انسانی کہتے ہیں۔ اس لطیفۂ شریفہ کو عالم امر کے دوسرے لطیفوں کے لئے بطور بنیاد اور اصل یعنی جڑ کے قرار دیا ہے اور لطائف امر کے کاموں کا دارومدار اسی لطیفۂ جامعہ کی صفائی اور جلا پر ہے اور اس لطیفۂ شریفہ کا مقام انسان کے جسم میں قلب صنوبری میں واقع ہوا ہے اور جسم کی اصلاح وفساد اسی کی صلاح و فساد سے وابستہ ہے جیسا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے م حسب روایت ابن ماجہ:

وإن في الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد كله. وإذا فسدت فسد الجسد كله ألا وهي القلب۔[68]

"جان رکھو کہ بے شک جسم کے اندر گوشت کا ایک لو تھڑا ہے اگر وہ ٹھیک ہے تو سارا جسم صالح ہے اور اگر وہ خراب ہوا تو سارا جسم فاسد ہو گیا، خبر دار رہو وہ قلب ہے"۔

عالم خلق کے لطائف میں لطیفۂ نفس کا تعلق وربط لطیفۂ قلب کی اصل کے ساتھ ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا، لہٰذا لطیفۂ نفس عالم خلق کے دوسرے لطائف کے لئے بمنزلہ خلاصہ و نچوڑ کے ہے اسی وجہ سے مجدد صاحب قدس سرہ کے صاحبزادگان تصفیۂ قلب کے بعد تزکیۂ نفس کی کوشش کرتے تھے اور کہتے تھے کہ دوسرے لطائف کا تصفیہ ان ہی دونوں لطائف رئیسہ کے ضمن میں حاصل ہوتا

---

[68] سنن ابن ماجه، ج ۲، ص ۱۳۱۸۔الناشر: دار الفكر - بيروت

ہے، مگر حضرت مجدد صاحب قدس سرہ کا طریقہ تفصیلی ہوا کرتا تھا وہ یہ کہ سارے لطیفوں کے تصفیہ کی فرداً فرداً کوشش کرتے تھے۔ اس لطیفۂ قلب کو حضرت آدم علیہ السلام کے زیر قدم کہتے ہیں کیونکہ اس راہ کے سب سے پہلے سالک وہی ہوئے ہیں لہٰذا وہ شخص جس کا وصول جناب قدس میں اس راہ سے ہوتا ہے وہ اٰدمی المشرب کہلاتا ہے اسے ولایت کے درجات پنجگانہ میں سے ایک درجہ کی سیر کی لیاقت ہو جاتی ہے۔

مسلک دوم

یہ لطیفۂ روح ہے جس کا تعلق وربط صفات ثبوتیۂ الٰہیہ کی تجلی سے ہوتا ہے اور صفت تکوین جو کہ صفت اضافیہ ہوتی ہے اس کی بہ نسبت یہ درجہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس سے بقدر ایک قدم تر قریب ہوتا ہے حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کا وصول الی اللہ اسی لطیفۂ شریفہ کی راہ سے ہوا ہے۔اس لئے اس لطیفہ کو ان ہی کے زیر قدم کہتے ہیں اور جس کا وصول اس راہ سے ہوتا ہے اسے ابراھیمی المشرب کہتے ہیں۔اس کو درجات پنجگانۂ ولایت میں سے بقدس دو درجہ استعداد حصول ہو جاتی ہے۔

مسلک سوم

یہ لطیفۂ سر ہے جس کا تعلق وارتباط شیونات ذاتیۂ الٰہی کی تجلیات سے ہوتا ہے اور جو صفات ثبوتیہ کی بہ نسبت ایک قدم حضرت ذات سے قریب تر ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وصول اسی لطیفۂ شریفہ کی راہ سے ہوا ہے اس لئے اس لطیفہ کو ان ہی کے زیر قدم کہتے ہیں اور جس کا وصول اس راہ سے ہوتا ہے اسے موسوی المشرب کہتے ہیں اس کی استعداد حصول درجات پنجگانہ میں سے تین درجے کی ہوتی ہے۔

مسلک چہارم

لطیفۂ خفی ہے جس کا تعلق وربط صفات سلبیہ تنزیہیہ کی تجلی سے ہوتا ہے اور شیوناتِ ذاتیہ کی بہ نسبت حضرتِ ذات سے بقدر ایک قدم قریب تر ہو جاتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وصول اسی لطیفہ کی راہ سے ہوا تھا اس لئے اس لطیفہ کو ان ہی کے زیر قدم کہتے ہیں اور جس کا وصول اسی لطیفہ کی راہ سے ہوتا ہے اسے عیسوی المشرب کہتے ہیں اور اس کی استعداد حصول درجات پنجگانہ میں سے چار درجے پر ہوتی ہے۔

مسلک پنجم

یہ لطیفۂ اخفیٰ ہے جس کا تعلق وارتباط شانِ جامع کی تجلی سے ہوتا ہے جو مثل برزخ کے ہے۔مرتبہ تنزیہیہ اوراحدیت مجردہ کے درمیان، یہ لطیفۂ شریفہ جو سارے لطیفوں میں حسین و جمیل ترین ہے، حضرت اطلاق سے قریب ترین ہے سینہ کے وسط میں جسے حضرتِ اجمال کے ساتھ پوری مناسبت قائم ہے حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین محبوب رب العالمین سیدنا و شفیعنا محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا وصول اسی لطیفۂ شریفہ کی راہ سے ہوا تھا۔ اسی لئے جس شخص کا وصول اسی راہ سے ہوتا ہے اسے محمدی المشرب کہتے ہیں اس کو تمام مراتب پنجگانۂ ولایت کی استعداد حاصل ہو جاتی ہے۔

ذَٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیہِ مَنْ یَشَاءُ (المائدة ۵۴)

یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے۔

مشربوں کا مختلف ہونا اور مسلکوں کا متعدد ہونا بندوں کی آسانی کے لئے ہے اس وجہ سے کہ بندوں میں قوتیں اور ہمتیں مختلف ہوتی ہیں اور یہ پروردگار کی بے انتہا مہربانی ہے بقولہ تعالیٰ:

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ۔(المائدة۴۸)

"ہم نے تم سب کے لیے ایک ایک شریعت اور راستہ رکھا اور اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی اُمت کر دیتا مگر منظور یہ ہے کہ جو کچھ تمہیں دیا اس میں تمہیں آزمائے تو بھلائیوں کی طرف سبقت چاہو۔"

معلوم ہوا کہ مقصود تک وصول کے لئے ان پانچوں طریقوں میں سے ہر ایک کافی وافی ہے اگرچہ یہ سب فضل و شرف اور درجات کے فرق میں مختلف ہیں بقولہ تعالیٰ:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ
(البقرة۲۵۳)

"یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا۔"

اگرچہ لامکانیت سے قریب تر شرف میں بالاتر ہیں دو مرتبہ پانے والے اور وہ ممتاز ہیں ایک مرتبہ پانے والوں سے اسی طرح تین والے دو والوں سے اور چار والے تین والوں سے اور پانچ والے چار والوں سے اور مراتب کا تعین اور مراتب کی تخصیص وہی یعنی خدا کی دَین ہے۔ کسب و کوشش کو اس میں اختیار نہیں ہے۔(اللھم) مگر یہ کہ سخت ریاضت اور پیر کامل کی کشش زائد ہو۔ یہ دولت کا معاملہ ہے اب جسے پہنچ جائے۔

یہ پانچوں طریقے اور مراتب مثل بہشت بریں کے آٹھ دروازوں کے ہیں کہ ہر دروازہ مجلس رضا و اوج قبول میں داخلے کے لئے کافی وافی ہے۔ ہر دروازہ ایک خاص گروہ کے لئے مقرر ہے بعض ایسے لوگ ہیں جو دو دروازوں کے حق دار ہیں، کچھ تین اور کچھ اس سے بھی زیادہ کا استحقاق رکھتے ہیں یہاں تک کہ بعض ایسے بھی ہیں کہ ان کے لئے آٹھوں دروازوں پر خوش آمدید کہا جائے گا سردار دو جہاں سید انس و جان ﷺ فرماتے ہیں:

من كان من أهل الصلاة دعي من باب الصلاة و من كان من أهل الجهاد دعي من باب الجهاد و من كان من أهل الصدقة دعي من باب الصدقة و من كان من أهل الصيام دعي من باب الريان قال أبو بكر الصديق يا رسول الله ما على احد يدعى من تلك الابواب من ضرورة فهل يدعى احد من تلك الابواب كلها قال رسول الله صلى الله عليه وسلم نعم و ارجو ان تكون منهم يا ابابكر و الله يختص برحمته من يشاء۔[69]

"جو نمازی ہوں گے وہ باب صلوٰۃ سے بلائے جائیں گے، جو مجاہد ہوں گے وہ باب جہاد سے، جو اہل زکوٰۃ ہوں گے وہ باب صدقہ سے جو روزہ دار ہوں گے وہ باب الریان (بمعنی سیر ابی) سے مدعو ہوں گے، پس پوچھا حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ یا رسول

---

[69] صحیح مسلم، ج۳، ص ۹۲۔ دار الفکر بیروت لبنان

اللہ ﷺ کسی کے لئے ضروری تو نہیں ہے کہ وہ سب دروازوں سے بلایا جائے لیکن کیا کوئی ایسا بھی ہو گا جو کہ ان سارے دروازوں سے مدعو کیا جائے۔ پس اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ہاں! مجھے امید ہے کہ تو ان ہی میں سے ہو گا اے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ"۔

اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت اس کے لئے مخصوص کر دے۔

معلوم ہو کہ ہمارے حضرات قدس اللہ اسرارہم و افاض علینا من برکاتہم نے جو لطائف خمسہ کی ولایت کو حضرات انبیائے اولوالعزم سے منسوب کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو قربت سالک کو ان لطائف خمسہ میں حاصل ہوتی ہے وہ تابع ہے اور ظل ہے اس قرب کا جو انبیاء علیہم السلام کو مقام ولایت میں حاصل ہوا ہے۔ ان حضرات انبیاء علیہم السلام کے مقام نبوت کی شان ہی اور ہے کہ اس کے مقابلے میں ولایت کے علوم و معارف کو کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔ حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ نے ایک خط میں لکھا ہے کہ کسی لطیفے کا کسی نبی علیہ السلام کے زیر قدم ہونا اس معنی میں ہے کہ بہتیری صفتوں میں سے کوئی ایک صفت حقیقتاً تربیت یافتہ ہے اس نبی علیہ السلام کی اور اس حقیقت کی جزئیات بہت ہوتی ہیں کہ ان میں سے ایک جزئیہ سالک کا مربی ہے۔ الخ۔ اس کلام کی تشریح اس طرح پر ہے کہ حق تعالیٰ مجدہ کا غنائے ذاتی مسلم ہے۔ اللہ تعالیٰ و تقدس عالم و اہل علم کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتا اور جو کچھ بھی ظہور پزیر ہوتا ہے سب اس کے اسماء و صفات کی تجلیات کا کرشمہ ہے کہ جس کے توسط سے ہر وقت اور جگہ نئی فتوحات اور فیوضات تمام کائنات کو پہنچتے ہیں چونکہ عالم پورے کا پورا شروع سے آخر تک اسماء و صفات واجبی کا مظہر ہے لہٰذا افراد انسان میں سے ہر فرد لا محالہ حق تعالیٰ و تقدس کی غیر متناہیہ صفات میں سے کسی نہ کسی صفات کا مظہر ہے اور ہر صفت بطور ایک کُلی کے ہے جس کی بہت سی غیر متناہیہ جزئیات ہوتی ہیں کیونکہ ہر صفت کی بے شمار تجلیاں ہیں اور ہر تجلی کے بے حد ظلال ہوتے ہیں اور ہر ظل کے بے حد و پایاں نقاط ہوتے ہیں۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کا تعلق و ارتباط کلیات سے ہے اور ان کی تربیت ان ہی کلیات سے ہوتی ہے، مگر سارے انسانوں کا ربط و تعلق ظلال اور نقاط ظلال سے ہوتا ہے جو کہ بمنزلہ جزئیات ہوتے ہیں، اور ان کی تربیت ان جزئیات سے ہوتی ہے چنانچہ باری تعالیٰ کی صفت تکوین جو کہ منشاء و مصدر افعال ہے وہی صفت رب یعنی مربی ہے حضرت آدم علیہ السلام کی اور ان کی تربیت اس ہی صفت تکوین سے ہوئی اور جس شخص کی تربیت اس صفت کی جزئیات سے ہوتی ہے وہ جزئی اس شخص کے تعین کا مبداء ہوتا ہے، اور اسے آدمی المشرب کہتے ہیں۔ اس کی ولایت حضرت آدم علیہ السلام کے زیر قدم ہوتی ہے اور اس کا وصول الی اللہ لطیفۂ قلب کی راہ سے ہوتا ہے اور حضرت نوح و حضرت ابراہیم علیہم السلام کی تربیت صفات ثبوتیہ سے ہے خاص کر صفت علم جو کہ اجمع صفات ذاتیہ ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تربیت شیون ذاتیہ سے ہوئی اور شان کلام ان کی رب ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تربیت صفات سلوبیہ سے ہوئی جو موطن تقدیس و تنزیہہ ہے اور حضرت خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کی تربیت جامع صفات و شیونات و تقدیسات و تنزیہات سے ہوئی ہے جو کہ ان کمالات کے دائرے کا مرکز ہے اور مرتبۂ صفات و شیونات کی تعبیر شان علم سے یوں مناسب ہے کہ یہ شان عظیم الشان جامع جمیع کمالات ہے جن لوگوں کی تربیت ان مقامات کی جزئیات سے ہوتی ہے وہ جزئیات ان لوگوں کے تعینات کی مبدأ ہوتی ہیں۔ اور ان لوگوں کے مشارب ابراہیمی یا موسوی یا محمدی علیہم السلام ہوتے ہیں۔ محمدی المشرب کی سیر کی تربیت قلب سے روح اور روح سے سر اور سر سے خفی اور خفی سے اخفیٰ اور اخفیٰ سے حضرت احدیت تک شاہراہ مستقیم پر واقع ہوتی ہے کہ عالم امر کے

پانچوں مراتب کو ترتیب وار طے کیا ہے ان ہی کے اصول اور پھر اصولِ اصول میں اسی ترتیب کی رعایت رکھتے ہوئے کام سرانجام ہوتا ہے بخلاف دوسری ولایات والوں کے جو گویا کہ ہر درجے میں نقب کر کے خود کو مطلوب تک پہنچاتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ افعال و صفات و شیونات و تنزیہات اس ذات تعالیٰ و تقدست سے جدا نہیں ہیں اگر جدائی ہے تو ظلال میں ہے پس اس موطن میں واصلان افعال و صفات و شیونات و تنزیہات کو بھی ایک حصہ تجلیات ذات بے چون تعالیٰ و تقدس سے حاصل ہو جائے گا۔ اگرچہ صاحب اخفیٰ بلندی و پستی میں ممتاز ہے۔ واضح ہو کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا تعلق عالم خلق سے ہے اور ان کی دعوت عالم خلق تک محدود ہے لہٰذا مکلف اجزائے خلق ہیں جو کہ قالب ہے۔ بہشت کی نعمتیں اور دوزخ کی تکالیف اور دولت دیدار اور حرمان کی بے دولتی سب کی سب خلق سے وابستہ ہے عالم امر کو اس سے کوئی تعلق نہیں فرائض اور واجبات اور سنتوں کا تعلق قالب اور اجزائے خلق سے ہے اور اعمال نافلہ اجزائے عالم امر کا حصہ ہے۔ واضح ہو کہ دائرۂ امکان اور دائرۂ ظلال کو ولایت صغریٰ کہتے ہیں اور اس کی سیر کو سیر الی اللہ کہتے ہیں اور اصل مبداء تعین یعنی دائرۂ ولایت کبریٰ تجلیات اسماء صفات سے لے کر تجلیات ذات و حضرت احدیت مجردہ تک سالک کی سیر کو ''سیر فی اللہ'' کہتے ہیں اور اس مقام سے رجوع کو سیر عن اللہ کہتے ہیں۔

اور واضح ہو کہ لطائف خمسہ میں سے کسی ایک کی راہ سے وصول کے معنی یہ ہیں کہ درود و فیض اس خالص لطیفے پر زیادہ ہوتا ہے اور جیسی لذت و حلاوت اور طمانیت اس لطیفۂ شریفہ میں محسوس ہوتی ہے اس طرح کے احوال خصوصی دوسرے لطیفوں میں دستیاب نہیں ہوتے۔ لطائف شریفہ کی تہذیب کے معنی یہ ہیں کہ لطائف اپنے سابقہ کیفیات و احوال کو پہنچ جائیں اور اپنی نورانیت حاصل کر لیں اور کارخانۂ باطن نئے سرے سے تازہ و روشن ہو جائے۔ ابتداء لطیفۂ قلب سے ہوتی ہے جب لطیفہ اپنی اصل سے آگاہ ہو جاتا ہے تو اس میں آتش شوق بھڑک اٹھتی ہے اور وہ اپنے اصل مقام کی طرف پرواز کرتا ہے تاکہ اپنی اصل سے جا ملے انتہائے شوق سے ایک شعلہ سا نکلتا محسوس ہوتا ہے جس کو ہمارے حضرات فتح باب کہتے ہیں، رفتہ رفتہ یہ شعلہ قوی تر اور بلند تر ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ قفس عنصری سے نکل آتا ہے اور یہی معنی مراد ہیں اس سے جو کہتے ہیں کہ لطیفۂ قالب سے باہر نکل آیا۔ اس وقت لطیفے سے لے کر اس کے اصل مقام تک جو عرش بریں کے اوپر ہے نور سے کشادہ راہ دکھائی دیتی ہے اور بعض کو نور کا ایک منارہ سا معلوم ہوتا ہے تاکہ اپنی اصل سے جا ملے۔ نیز یہ معلوم ہو کہ لطائف کے قالب سے نکل آنے کے وقت سے اور اس کے اصول تک واصل ہو جانے تک اور ان کے ان مواطن میں قیام کرنے کے زمانے میں سالک اپنے لطائف کے انوار اپنے سینہ کے باہر مشاہدہ کرتا ہے اس کو ہمارے حضرات سیر آفاقی کہتے ہیں۔ اور جب لطائف اپنے اصول تک پہنچ جاتے ہیں اور وہاں قیام کر لیتے ہیں سیر انفسی شروع ہوتی ہے۔ اس وقت سالک جو کچھ بھی انوار و اسرار دیکھتا ہے اپنے سینہ کے اندر دیکھتا ہے اور آیت کریمہ:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ (حٰمٓ سجدہ ۵۳)

ابھی ہم اُنہیں دکھائیں گے اپنی آیتیں دنیا بھر میں اور خود اُن کے آپے میں۔

کے راز تک پہنچ جاتا ہے۔

حضرت مجدد صاحب قدس سرہ لکھتے ہیں کہ قلب عالم امر سے ہے اس کو عالم خلق کے ساتھ تعلق و عشق عطا کر کے عالم خلق میں اتارا ہے اور اس گوشت کے لوتھڑے یعنی دل کے ساتھ جو بائیں جانب سینے میں ہے خاص لگاؤ بخشا ہے اس طرح پر جیسے کسی بادشاہ

کو مہتر سے عشق پیدا ہو جائے اور وہ اس کی وجہ سے مہتر کے گھر میں نزول کرے اور روح جو کہ قلب سے لطیف تر ہے وہ اصحاب یمین سے ہے اور بقیہ تینوں لطائف جو لطیفۂ روح سے اوپر ہیں اور خیر الامور اوسطھا کے شرف سے مشرف ہیں جو چیز جس قدر زیادہ لطیف ہے وہ مقام وسط کے زیادہ مناسب ہے:

الا ان السر والخفی علی طرفی الاخفیٰ احدھما علی الیمین والأخر علی الشمال۔

"یہ کہ سر اور خفی دو طرف ہیں اخفیٰ کے، ان میں سے ایک دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب ہے"۔

اور نفس حواس کا مجاور ہے اس کا تعلق دماغ سے ہے اور قلب کی ترقی وابستہ ہے مقام روح میں اس کے وصول سے نیز روح سے بھی اوپر کے مقام سے۔ اسی طرح روح کی ترقی اور اس کے مافوق کی ترق وابستہ ہے ان لطائف کے وصول سے مقامات فوقانی سے لیکن یہ وصول ابتداء میں بطریق احوال ہوتا ہے اور انتہا میں بہ طریق مقام، اور نفس کی ترقی یہ ہے کہ مقام قلب میں بہ طریق احوال ابتداء میں اور بہ طریق مقام انتہا میں پہنچ جائے اور آخر کو یہ لطائف ستہ یعنی چھ لطیفے مقام اخفیٰ میں پہنچتے ہیں اور سب ایک ساتھ عالم قدس میں پرواز کا قصد کرتے ہیں اور لطیفۂ قالب کو خالی چھوڑ دیتے ہیں لیکن پرواز بھی شروع میں بہ طریق احوال اور انتہا میں بہ طریق مقام ہوتی ہے۔

وحینئذ یحصل الفنآء۔

"اس وقت فنا حاصل ہو جاتی ہے"۔

اور وہ موت جس کو موت سے پہلے یعنی موتوا قبل ان تموتوا کہتے ہیں وہ لطائف ستہ کی یہی جدائی ہے لطیفۂ قالب سے"۔

اور لکھتے ہیں (حضرت مجدد صاحب قدس سرہ) ضروری نہیں کہ سارے لطیفے ایک مقام میں جمع ہو جائیں اور وہاں سے پرواز کریں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قلب وروح ایک ساتھ ہی یہ کام کرتے ہیں کبھی تینوں اور کبھی چاروں مگر جو پہلے مذکور ہوا، وہ اتم واکمل ہے اور لکھا ہے کہ لطائف ستہ کی جدائی عالم امر میں ان کے عروج کے بعد بہر حال ان کا خلیفہ اس عالم خلق میں یہی بدن یعنی قالب ہی رہ جائے گا اور ان سب کا کام کرے گا۔ اس کے بعد اگر الہام ہے تو اسی گوشت کے لوتھڑے یعنی قلب صنوبری پر جو کہ حقیقت جامعۂ قلبیہ کا خلیفہ ہے اور وہ بات جو کہ حدیث نبوی ﷺ میں آئی ہے کہ

من أخلص للہ أربعین صباحا یوماظھرت ینابیع الحکمۃ من قلبہ علی لسانہ۔[70]

"جس نے خالص کر دیں اللہ تعالیٰ کے لئے چالیس صبحیں پھوٹتے ہیں حکمت کے چشمے اس کے قلب سے اس کی زبان پر۔"

مراد اس قلب سے قلب صنوبری ہے واللہ اعلم۔ اور دوسری احادیث میں یہ مراد متعین ہے جیسا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

إنہ لیغان علی قلبي وإني۔[71]

"بے شک چھا جاتا ہے کبھی کبھی دھندلا بدلی کا سا (جیسے ماند پڑ جانا ہوتا ہے) میرے قلب پر"۔

---

[70] کشف الخفاء ومزیل الالباس عما اشتھر من الاحادیث علی ألسنۃ الناس، ج ۲، ص ۲۲۴۔ دار الکتب العلمیۃ بیروت-لبنان

[71] مشکاۃ المصابیح، ج ۲، ص ۲۴

اس میں قلب سے مراد یہی گوشت کا لوتھڑا ہے نہ کہ حقیقت جامعہ کیونکہ وہ تو قطعاً غین یعنی دھند لکے سے نکل چکا ہے اور دوسری احادیث تقلب یعنی الٹ پلٹ یا قلب کے تغیرات کی بات آتی ہے کہ فرمایا ﷺ نے:

قلب المومن بین اصبعین من اصابع الرحمٰن۔[72]

"مومن کا قلب رحمان (اللہ تعالیٰ) کی دونوں انگلیوں کے بیچ (چٹکی) میں رہتا ہے"۔

قلب المومن کریشة فی ارض فلاة۔[73]

"مومن کا قلب صحرا کی زمین میں پر کی طرح سے ہے"۔

یامُصرِّفَ القلوبِ ثبِّتْ قلْبِي علی طاعتِک۔[74]

"یامصرف القلوب قائم رکھ میرے دل کو اپنی اطاعت میں"۔

اب یہاں سے پھر حضرت مجدد صاحب علیہ الرحمۃ سے نقل ہے:

و التقلب و عدم الثبات ثابته لهذه المُضغة لان الحقیقة الجامعة لا تقلب لها اصلاً بل هی مطمئنة راسخة علی الاطمینان و الخلیل علیٰ نبینا و علیه الصلاة و السلام اینما طلب اطمینان القلب اراد به المضغة لا غیر لان قلبه الحقیقی قد کان مطمئناً بلا ریب بل نفسه ایضاً کانت مطمئنةً بسیاسة قلبه الحقیقی قال صاحب العوارف قدس سره ان الالهام صفة النفس المطمئنة التی عرجت فی مقام القلب و ان التلوینات و التقلیبات حینئذ تکون صفات النفس المطمئنة و هو کما تریٰ مخالف للاحادیث المذکورة و لو تیسر العروج من هذا المقام الذی اخبر الشیخ عنه تعلم الامر کما هو علیه و لا ح صدق ما اخبرت به و طابق الکشف و الالهام بالاخبارات النبویة علیٰ صاحبها الصلوٰة و السلام و التحیة و لقد تعلم ان ما اخبرت به من خلافة المضغة و ورود الالهام علیها و صیرورتها صاحب احوال و تلوینات مما کبر علی المتعصبین الجاهلین القاصرین عن حقیقة الامر و ثقل علیهم فما ذا یقولون فی اخبار النبویة علیه و علیٰ أله الصلاة و السلام حیث قال ان فی جسد بنی أدم لمضغة اذا صلحت صلح الجسد کله و اذا فسدت فسد الجسد کله الا و هی القلب (الحدیث) قال صلی اللہ علیه و سلم المضغة، هی القلب علی سبیل المبالغة و ناط صلاح الجسد و فساده بصلاحها و فسادُها فیجوز لهذه المضغة مایجوز للقلب الحقیقی و ان کان علیٰ سبیل النیابة و الخلافة۔

"تغیر اور بے ثباتی ثابت ہے اس قلب صنوبری کے لئے کیونکہ حقیقت جامعہ کے لئے تغیر از روئے اصل نہیں ہوتا بلکہ وہ مطمئن اور راسخ ہے طمانینت پر، اور حضرت خلیل اللہ علیٰ نبیناو علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جبکہ انہوں نے اطمینان قلب کی خواہش کی تھی اللہ سے تو ان کی مراد اسی گوشت کے لوتھڑے سے تھی نہ کہ اس کے ماسوا سے کیونکہ ان کا قلب حقیقی مطمئن تھا بلا شبہ بلکہ ان کا نفس بھی مطمئن تھا قلب حقیقی کی تربیت کی وجہ سے (اور یہ جو) کہا صاحب العوارف[75] قدس سرہ نے کہ الہام صفت ہے نفس مطمئنہ کی جو عروج پاتا ہے مقام قلب میں اور بے شک تلوینات و تقلیبات ہوتی ہیں صفات نفس مطمئنہ کی۔ اور وہ بات جیسا کہ تم نے دیکھا خلاف ہے

---

[72] مسند احمد بن عن عبداللہ بن عمرو المکتب الاسلامیة بیروت، ج ۲، ۱۷۳

[73] الدرر المنثور، سورة آل عمران، رقم الآیة ۸، ج ۲، ص ۱۵۳۔ دار احیاء التراث العربی، بیروت

[74] الألباني (ت۱٤۲۰)، تخریج کتاب السنة ص۲۳۱

[75] شیخ شهاب الدین عنر بن محمد سهروردی جن کی نسبت سے سلسلۂ سهروردیه منسوب هے (۵۳۹ھ تا ۶۳۴ھ)

احادیث مذکورہ کے اور اگر اس مقام سے عروج میسر ہو جس کی خبر دی شیخ صاحب العوارف نے تو تم کو وہ امر معلوم ہے جیسا کہ وہ اس پر وارد ہوتا ہے اور اس بات کی صداقت ظاہر ہے جو ہم نے بتائی اور ہمارا یہ کشف والہام احادیث نبویہ علیٰ صاحب الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے باہم مطابق ہیں اور تم نے یہ بھی جان لیا کہ ہم نے جو خلافۃ مضغہ یعنی قلب صنوبری کے بارے میں بتایا اور اس ورود الہام اور اس کے صاحب احوال ہو جانے کو اور اس کی تلوینات یعنی تغیرات ونیرنگیوں کو تو وہ گراں گزری متعصبوں اور جاہلوں کو جو حقیقت امر کو سمجھنے سے قاصر رہے اور وہ ان کو بہت کھلی، اچھا تو پھر یہ کہیں گے یہ لوگ احادیث نبویہ ﷺ کے بارے میں جیسا کہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ بے شک بنی آدم کے جسم میں ایک لو تھڑا ہے اگر وہ درست رہا تو کل بدن درست رہا اور اگر وہ بگڑ گیا تو جسم بھی بگڑ گیا، خبر دار ہو کہ وہ قلب ہی ہے۔ (اس میں تو) رسول اللہ ﷺ نے لو تھڑے کو ہی قلب کے معنی میں لیا ہے بطور مبالغہ یعنی بہ حیثیت مجاورت کے اور منحصر ٹھہرایا ہے اس کے صلاح وفساد پر جسم کی صلاح وفساد کو، پس جائز ہے اسی لو تھڑے کے لئے جو کچھ کہ جائز ہے قلب حقیقی کے لئے اگرچہ بطور نیابت وخلافت کے کیوں نہ ہو"۔

اور لکھتے ہیں حضرت مجدد صاحب قدس سرہ کہ لطائف ستہ قالب سے جدا ہو جانے اور اس کے مقام قدس میں واصل ہو جانے اور اس کے رنگ میں رنگ جانے کے بعد اگر پھر قالب کی طرف رجوع کریں اور تعلق پیدا کر لیں سوائے جبی کے اور قالب کے حکم میں ہو جائیں اور بعد امتزاج کے پھر ایک قسم کی فنا پیدا کریں اور میت کے حکم میں ہو جائیں اس وقت خاص تجلی سے جلوہ گر ہو جاتے ہیں اور نئے سرے سے زندگی پاتے ہیں اور بہ مقام بقاباللہ متحقق ہوتے ہیں اور خلاق الٰہی سے آراستہ ہو جاتے ہیں اس موقعہ پر اگر اس کو خلعت عطا کر کے عالم میں پھر لوٹا دیں تو مرتبہ دنو یعنی قربت سے تدلیٰ یعنی واپسی تک پہنچے گا اور مقدمہ تکمیل پیدا ہو جائے گا اور اگر عالم میں واپس نہ لوٹائیں دنو یعنی قربت کے بعد تدلیٰ یعنی رجوع حاصل نہ ہو تو وہ شخص اولیائے عزلت میں سے ہو گا اور طالبوں کی تربیت اور ناقصوں کی تکمیل اس کے ہاتھ سے نہ ہو گی یہ ہے حدیث بدایت ونہایت بہ طریق رمز و اشارت، مگر اس کا سمجھنا بغیر قطع منازل کے مشکل ہے۔

اور لکھا ہے (حضرت مجدد صاحب قدس سرہ) نے کہ یہ رجوع واصل جو کلیت سے واقع ہو دعوت کے کامل ترین مقامات سے ہے یہ غفلت حضور جمع کثیر کے سبب سے ہوتی ہے (حقیقت سے) غافل لوگ اس غفلت سے غافل ہیں اور صاحبان حضوری اس رجعت سے ناواقف ہیں یہ مقام تعریف بہ الفاظ مذموم کی قسم سے ہے۔ ہر تنگ خیال کی سمجھ بوجھ یہاں تک نہیں پہنچتی۔ اگر اس غفلت کے کمالات کو بیان کروں تو کوئی بھی حضوری کی آرزو نہ کرے۔ یہ وہ غفلت ہے جس نے خواص بشر کو خواص ملک پر فضیلت بخشی یہ وہ غفلت ہے جس نے محمد ﷺ کو رحمت عالمیاں بنایا۔ یہ وہ غفلت ہے جو ولایت سے نبوت تک پہنچاتی ہے۔ یہ وہ غفلت ہے جو نبوت سے رسالت تک پہنچاتی ہے یہ وہ غفلت ہے جس نے اولیائے عشرت کو اولیائے عزلت پر بہت بڑائی دی یہ وہ غفلت ہے جو محمد ﷺ کو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سبقت دیتی ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ایک سے غافل ہو جانا یہ غفلت ہے جس کی اوپر تفصیل دی گئی ہے۔)

بعدما کانا کاذنی فرس۔

"جبکہ دونوں ایک ڈھب پر چل رہے تھے"۔

یہ وہ غفلت ہے کہ صحو یعنی رجوع از حال یا ہوش و آگہی کو سکر یعنی حال و مدہوشی پر ترجیح دی۔ یہ وہ غفلت ہے کہ جس نے نبوت کو ولایت پر فضیلت دی ہے (کم فہموں کے ننگ و عار کے بر خلاف) یہ وہ غفلت ہے جس کے سبب سے قطب ابدال کو قطب ارشاد پر فضیلت ہے، یہ وہ غفلت ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس کی آرزو کرتے تھے جبکہ انہوں نے فرمایا:

یالیتنی سحو محمد۔[76]

"کاش کہ ہوتا مجھے سحو، محمد ﷺ کا"۔

یہی وہ غفلت ہے کہ حضوری اس کا معمولی خادم ہے، یہ وہ غفلت ہے کہ وصول اس کے حصول کا مقدمہ ہے۔ یہ وہ غفلت ہے جو صورتاً تنزل ہے اور حقیقتاً رفعت ہے۔ یہ وہ غفلت ہے کہ خواص کو عوام کے ساتھ مشتبہ بنادیتی ہے اور ان کے کمالات کا گنبد ہو جاتی ہے۔ اگر اس کی تشریح کرنے لگوں تو بے حساب ہو جائے"۔

اور لکھتے ہیں (حضرت مجدد صاحب قدس سرہ) کہ اولیاء اللہ کی نمایاں صفت قبہ بشریت ہے یعنی بشریت ان کے حقائق کا پردہ ہے، جس چیز کے تمام لوگ محتاج ہیں یہ بزرگوار بھی محتاج ہیں ان کی ولایت ان کو احتیاج بشری سے بری نہیں کرتی، ان کا غصہ بھی عام آدمیوں کے غصہ ہی کی طرح ہوتا ہے، جبکہ سید الانبیاء ﷺ فرماتے ہیں کہ:

اغضب کما یغضب البشر۔[77]

"میں غصہ میں ہو جاتا ہوں جیسے اور بشر غصہ ہوتے ہیں"۔

تو اولیاء کا کیا ذکر؟

اسی طرح یہ بزرگوار کھانے پینے اور بال بچوں کے ساتھ رہن سہن اور موانست میں عام انسانوں کے شریک ہیں طرح طرح کے تعلقات بشریت کے لوازمات سے ہیں، یہ نہ عوام سے زائل ہوتے ہیں نہ خواص سے۔ حق تعالیٰ انبیاء ﷺ کی شان میں فرماتا ہے:

وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ۔ (الانبیاء۸)

"اور ہم نے اُنہیں خالی بدن نہ بنایا کہ کھانا نہ کھائیں"۔

اور کفار ظاہر بیں کہتے تھے کہ

وَقَالُوا مَالِ هَٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ۔ (الفرقان۷)

"اور بولے اس رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے"۔

پس جس شخص کی نظر اولیاء اللہ کے ظاہر پر پڑی وہ محروم رہا اور دنیا و آخرت کی ناکامی ہی اس کے ہاتھ لگی، اسی ظاہر بینی نے ابوجہل و ابولہب کو دولت اسلام سے محروم رکھا اور دائمی خسران میں لا ڈالا۔ خوش نصیب ہے وہ جس کی نظر اہل اللہ کی ظاہر بینی سے کوتاہ رہی اور اس کی تیز نگاہ ان بزرگوار ان کی صفات باطنیہ میں اتر گئی اور باطن ہی میں منحصر رہی۔

فهم کنیل مصر بلاء للمحجوبین و ماء للمحبوبین۔

"وہ حضرات اولیاء اللہ مثل نیل مصر کے ہیں جو محجوبوں کے لئے بلا ہے اور محبوبوں کے لئے پانی ہے"۔

---

[76] مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، حصہ پنجم، مکتوب ۳۰۵، ص ۱۶۱۔ نور کمپنی، انارکلی لاہور

[77] مسند أحمد بن حنبل، ج ۲، ص ۲۴۳۔ الناشر: مؤسسة قرطبة - القاهرة

عجب معاملہ ہے۔ صفات بشریہ جس قدر اہل اللہ میں ظاہر ہوتی ہیں عام لوگوں میں اتنی ظاہر نہیں ہوتیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ظلمت و کدورت ہموار اور صاف جگہ میں اگرچہ قلیل مقدار میں ہو مگر زیادہ نمایاں ہوتی ہے اور ناہموار و ناصاف مقام میں گندگی اور سیاہی اگرچہ زیادہ مقدار میں ہو ہو لیکن کم لگتی ہے۔ صفات بشریت کی تیرگی عوام کی کلیت میں سرایت کر جاتی ہے اور قلب و قالب و روح تک میں دوڑ جاتی ہے اور خواص میں یہ ظلمت صرف نفس اور قالب میں محدود رہتی ہے اور اخص خواص کا تو نفس بھی اس سے بری رہتا ہے اور اس کا اثر صرف قالب ہی تک رہتا ہے اور بس۔ اسی طرح یہ ظلمت عوام میں نقصان و خسارے کا موجب ہے اور خواص کے حق میں کمال و تازگی کا سبب ہے خواص کی یہی ظلمت ہے جو عوام کی ظلمتوں کو زائل کرتی ہے ان کے دلوں کا تصفیہ کرتی ہے اور ان کے نفوس کو تزکیہ بخشتی ہے اگر یہ ظلمت نہ ہوتی تو خواص کو عوام کے ساتھ کوئی مناسبت نہ رہتی اور راہ افادہ و استفادہ مسدود ہو جاتی۔ اس پر لفظ ظلمت کا اطلاق مدح بما یشبہ الذم کے طور پر ہوتا ہے یعنی ایسی خوبی جس پر برائی کا شبہ ہوتا ہو۔ زیادہ تر عوام اہل اللہ کی صفات بشری کو اپنی صفات بشریت کے رنگ میں دیکھتے ہیں اور اس طرح محروم و حرماں نصیب رہ جاتے ہیں۔ غائب کو حاضر پر قیاس کرنا غلط ہے ہر مقام کی خصوصیات علیحدہ اور ہر موقع کے لوازم جدا ہوتے ہیں۔

اور لکھتے ہیں (حضرت مجدد صاحب قدس سرہ) کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے اولیاء اللہ کو اس طرح پوشیدہ رکھا ہے کہ خود ان کے ظاہر کو ان کے کمالات باطن کی خبر نہیں ہوتی تو دوسروں کا کیا ذکر؟ ان کے باطن کو جو نسبت مرتبہ بے چونی و بے چگونی کے ساتھ حاصل ہوتی ہے وہ بھی بے چون ہے اور ان کا باطن چونکہ عالم امر ہے لہٰذا اسے بھی بے چونی کا کچھ حصہ ملتا ہے اور ان کا ظاہر جو سراسر چون ہے وہ ان کی حقیقت کو کیا پا سکے بلکہ نفس اگر اس نسبت کے حصول سے انکار کر بیٹھے تو کچھ بعید نہیں۔

لغایۃ الجھل و عدم المناسبۃ۔

اس لئے کہ "انتہائی نادانی اور مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے"۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نفس حصول نسبت کو تو جان لے مگر یہ نہ سمجھ سکے کہ اس نسبت کا متعلق کون ہے بلکہ اکثر اس کے متعلق حقیقی کی نفی کر دے۔ بلکہ اکثر اس کے متعلق حقیقی کی نفی کر دے۔

و کل ذالک لعلو تلک النسبۃ۔

"یہ سب اس نسبت کی بلندی کی وجہ سے ہے"۔

اور دنو یعنی قربت اپنے ظاہر و باطن سمیت اس نسبت سے مغلوب ہوتا ہے اور دیکھنے جاگنے سے کیا گزرا ہوتا ہے وہ کیا جانے کہ کیا رکھتا ہے اور کس سے نسبت رکھتا ہے پس عجز معرفت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اسی لئے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

العجز من درک الادراک ادراک۔

"شعور کے شعور سے عاجز ہو جانا ہی شعور ہے"۔

نفس ادراک عبارت ہے نسبت خاصہ سے کہ اس کے ادراک سے عجز ہونا لازمی ہے۔

لان صاحب الادرک مغلوب لا یعلم ادراکہ و غیرہ لا یعلم حالہ کما مر۔

"یہ اس لئے ہے کہ صاحب ادراک مغلوب الحال ہوتا ہے اپنے ادراک کو خود نہیں جانتا اور دوسرے اس کا حال نہیں جانتے جیسا کہ گزر چکا"۔

اور لکھا ہے (حضرت مجدد صاحب قدس سرہ نے) کہ الٰہی کیا معاملہ ہے جو اپنے اولیاء کے ساتھ کیا ہے کہ ان کا باطن زلال خضر یعنی آب حیات ہے کہ جس نے اس کا ایک قطرہ چکھ لیا وہ حیات ابدی پا گیا اور ان کا ظاہر زہر قاتل ہے کہ جس نے اس پر نگاہ ڈالی مرگ دائمی میں پھنسا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کا باطن رحمت ہے اور ان کا ظاہر زحمت ہے ان کے باطن کو دیکھنے والا ان ہی میں سے ہے اور ان کا ظاہر دیکھنے والا بدعقیدہ ہے۔ یہ لوگ بہ ظاہ جو نما ہیں اور حقیقت میں گندم بخش ہیں دیکھنے میں محض عام انسان ہیں اور باطن کے لحاظ سے فرشتے ہیں۔ صورتاً زمین پر ہیں اور معناً آسمان پر ہیں، ان کے پاس بیٹھنے والا شقاوت سے بری ہے اور ان سے انسیت رکھنے والا سعادت مند ہے، بقولہ تعالیٰ:

أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (المجادلة ۲۲)

"یہ اللہ کی جماعت ہے سنتا ہے اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے"۔

و صلی اللّٰہ تعالیٰ علی سیدنا محمد و آلہ و سلم۔

ان بزرگوں کے کلام و تحقیقات کا مختصر بیان بقول:

فالقلیل یدل علی الکثیر و القطرۃ تنبئی عن الغدیر۔

"جو تھوڑا ہے وہ بہت کی دلالت کرتا ہے اور ایک قطرہ پورے کنویں کی خبر دیتا ہے"۔

حق تعالیٰ ان حضرات کو بکثرت اجر عنایت کرے کہ جنہوں نے ہم کم ہمتوں کے لیے قریب ترین اور سہل ترین طریقے بتائے جو کہ یقیناً مقصود تک پہنچانے والے ہیں۔ اس راہ ہدیٰ کے خطوط و نشانیاں امام الطریقہ بہاء الحق والدین حضرت سید السادات محمد نقشبند مشکل کُشا بخاری قدس اللہ سرہ کی تجویز کردہ ہیں جنہوں نے برابر پندرہ دنوں تک سر بہ سجدہ رہ کر جناب الٰہی میں گڑگڑا کر عرض کیا کہ مجھے سہل ترین اور واصل ترین طریقے کی نشاندہی فرمائیے، چنانچہ ان کی دعا اوج قبول تک باریاب ہوئی اور یہ نقشبندیہ طریقہ شریفہ ان کو عنایت ہوا جس کو کہا گیا ہے کہ اس کی ابتداء ہی میں انتہا ہے۔

وہ سکہ جو بطحا میں ڈھالا گیا	بخارا کی ٹکسال میں پھر ڈھلا
نہ تحریر سکہ کوئی پڑھ سکا	بجز نقشبند امام ھدیٰ
وہ گوہر کہاں ہے بتادوں پتا	بخارا کہ ہے معدن اصفیاء
سلوک طریقت کی ہر انتہا	وہ نقشبندی کی ہے ابتداء

حضرت نقشبند قدس اللہ تعالیٰ اسرارہ نے فرمایا ہے کہ مجھے وہ طریقہ عنایت کیا ہے جو کہ یقیناً موصل ہے اور اس کا حاصل بہت ہے، اس میں نہ محرومی ہے نہ مجاہدہ، نوازا ہوا ہے اور مطلوب ہے اتباع سنت پر اور عزیمت پر عمل اور ذکر خفی اپنا طریقہ ہے"۔ حضرت کے خلفاء اور جانشینوں نے ان کے طریقہ شریفہ کو واضح تر اور روشن تر کیا اور گزرتے گئے یہاں تک کہ آفتاب کمال آسمان ہدایت پر ظاہر ہوا۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے اس راہ عظیم المرتبت کو شاہراہ کثیر المنفعت بنا دیا اور انتہائے حد کو پہنچا کر ایک عالم کو منور کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

ان بزرگوں نے انتہائے مقصود تک وصول کے لئے چند ضابطے اور قاعدے بتائے ہیں تاکہ سالک ان پر عمل کر کے شاہراہ محبت کو طے کر سکے، لہٰذا فقیر مؤلف نے پہلے ان اصول وکلیات مبارکہ کو بیان کیا ہے، اس کے بعد کیفیت سلوک اور ان کے مدارج کا بیان کرے گا اور توفیق تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی بخشی ہوئی ہے۔ مجھے اسی پر توکل ہے۔

جو محمل تھا اس کی نہ پہنچا گیا　　　　تو کیا غم کہ سنتا ہوں بانگ درا

مبدأ تعین:

فیض کی مختلف صورتوں اور قسموں کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کو مختلف صفات اور ناموں سے بیان اور پکارا جاتا ہے ان میں سے ہر نام اور ہر صفت کو کسی نہ کسی مخلوق سے خاص مناسبت ہے اور وہ مخلوق اس کے فیض سے دوسرے اسماء وصفات کا فیض اخذ کرتی ہے بس یہی اس مخلوق کا مبدأ تعین ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ وہ فیض جو حق تعالیٰ کی طرف سے پہنچتا ہے دو قسم کا ہوتا ہے ایک قسم تو وہ ہے جو ایجاد (موجود کرنا)، بقا (باقی رکھنا)، تخلیق (پیدا کرنا)، ترزیق (رزق دینا)، احیاء (زندہ کرنا) اور اماتت (مارنا) وغیرہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو ایمان ومعرفت اور مراتب ولایت ونبوت کے تمام کمالات سے متعلق ہے۔

پہلی قسم کا فیض سب کو صفات کے ذریعے سے آتا ہے اور دوسری قسم کا فیض بعض کو صفات کے ذریعے سے اور بعض کو شیونات کے واسطے سے آتا ہے اور صفات وشیونات کے درمیان بہت نازک فرق ہے جو "محمدی المشرب" اولیاء کے سوا اور کسی پر ظاہر نہیں ہوا۔

غرض یہ کہ وہ صفات جو حق تعالیٰ کی ذات پر وجود زائد کے ساتھ خارج میں موجود ہیں اور وہ شیونات (شیونات کا تعلق اعتبارات سے ہے) جو حق تعالیٰ کی ذات میں مجرد اعتبار ہیں آپس میں فرق رکھتے ہیں ان کی مثال یوں سمجھئے کہ پانی کے قطرات ہیں جو اوپر سے نیچے کو آتے ہیں۔

یہ طبعی فعل اس میں حیات، علم، قدرت اور ارادت کا اعتبار پیدا کرتا ہے کیونکہ علم والے ثقل اور علم کے اقتضاء کی وجہ سے اوپر سے نیچے آتے ہیں اور فوق کی طرف نہیں جاتے اور علم خود حیات کے تابع ہے اور ارادت علم کے تابع ہے پھر ارادت میں قدرت کی قوت بھی ثابت ہے پس یہ اعتبارات جو پانی کی ذات میں ثابت کیے جاتے ہیں بمنزلہ شیونات کے ہیں۔

اگر ان اعتبارات کے باوجود پانی کی ذات میں صفات زائدہ ثابت کیے جائیں تو وہ صفات زائدہ کے ساتھ ہوں گے کیونکہ پانی کو پہلے اعتبارات کے لحاظ سے قادر ومرید نہیں کہہ سکتے بلکہ ان اسموں کے ثابت کرنے کیلئے صفات زائدہ ثابت کرنا ضروری ہے۔

شیونات وصفات میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ مقام شیون صاحب شان کے مواجہ اور روبرو ہے اور مقام صفات ایسا نہیں ہے۔

حضور سرور کائنات ﷺ اور ان کی امت کے اولیاء، جو آپ کے زیر قدم ہیں، فیض ثانی شیونات کے واسطے سے پہنچتا ہے اور دوسرے انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کو، جو ان کے زیر قدم ہیں، یہ فیض اول، بلکہ فیض اول بھی اس تمہید کے بعد یہ سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات وجودیہ حقیقیہ، اضافیہ اور صفات سلبیہ ان اسمائے حسنیٰ

سے موصوف ہے جو کہ قرآن اور حدیث سے ثابت ہیں اور اولیاءاللہ کے کشفوں اور احادیث مبارکہ کے اشارات سے اس بات کا پتہ چلتاہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور ناموں کے ظلال دوسرے انسانوں اور مخلوقات کے مبادی تعینات ہیں۔

ظلال:

ظلال (جمع ظل) سے سایہ مراد نہیں تاکہ شبہ پیدا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اصلی لطافت میں کامل نہیں بلکہ ظلال مخلوقات الٰہیہ میں سے وہ لطیفے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات سے پوری مناسبت ہے اور اس مناسبت کے باعث اللہ تعالیٰ کے نام اور صفات کے فیض کو مخلوق تک پہنچانے کیلئے واسطہ ہوتے ہیں۔ اس مناسبت سے ان لطیفوں اور نسبتوں کو سمجھنے کی آسانی کیلئے ظلال کہا جاتاہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیاہے۔دُونَ اللهِ سَبْعُونَ أَلْفَ حِجَابِ نُورٍ وَظُلْمَةٍ[78]"ترجمہ:بلاشبہ اللہ تعالیٰ کیلئے نور وظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں۔" اور جبریل علیہ السلام نے فرمایا: یامحمدإني دنوت من الله دنوا ما دنوت مثله قط قال: وكيف قال: كان بيني وبينه سبعون ألف حجاب من نور۔[79]

"ترجمہ: اے محمد ﷺ! میں اللہ تعالیٰ سے اتنا نزدیک ہو گیا تھا کہ کبھی اتنا نزدیک نہیں ہوا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کی کیا کیفیت تھی؟ جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ میرے اور ذات حق کے درمیان ستر ہزار نور کے پردے تھے۔"

نیز امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیاہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

حِجَابُهُ النُّورُ لَوْ كَشَفَهُ لَأَحْرَقَ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ مَا انْتَهَى إِلَيْهِ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِهِ۔[80]

ترجمہ: اللہ کا حجاب نور ہے اگر وہ اسے کھول دے تو جہاں تک اس کی نظر جائے اس کے چہرے کی عظمت اور جلال اس کی مخلوق کو جلا دے۔"

ممکن کہ ان پردوں سے مراد ظلال ہی ہوں یعنی اگر ظلال نہ ہوتے تو دنیا اپنی ضعف استعداد اور پستی مرتبہ کے باعث صفات ذات حق سے بغیر واسطۂ ظلال اکتساب فیض کیلئے غیر صالح ہونے کی وجہ سے مٹ جاتی بلکہ سرے سے معدوم ہو جاتی اس لئے کہ إِنَّ اللهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (العنکبوت ٦) "ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔"

اور سبعون کا لفظ عرب کے محاورے میں کثرت کے ظاہر کرنے کیلئے آتاہے۔پس احادیث شریفہ میں جو نور وظلمت کے پردوں کا ذکر ہے۔

---

[78]مسند ابی یعلی ج ۱۳، ص ۵۲۰۔

[79]فیض القدیر ج ۴ ص ۱۵۷۔

[80]صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۱۔

یہ صوفیائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کی قبولیت کی تائید کرتا ہے۔ اس لئے مؤمنوں کے مبادی تعینات نور کے پردے ہیں۔ جو اسم (الھادی) کے ظلال ہیں اور کافروں کے مبادی تعینات ظلمت (سیاہی) کے پردے ہیں جو کہ اسم (المضل) کے ظلال ہیں۔

محبوب سبحانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: خرقت جمیع المحجب حتی وصلت الیٰ مقام لقد کان جدی فادنانی۔ یعنی "میں نے تمام پردوں کو پھاڑ ڈالا یہاں تک کہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں میرے نانا تھے تو انہوں نے مجھ کو قریب کر لیا۔" مطلب یہ ہے کہ میں نے ظلال کے تمام مرتبوں کو طے کر لیا جس کو ولایت صغریٰ کہتے ہیں اور اس جگہ سے آنحضرت ﷺ کے مبدأ تعین پر پہنچ گیا جو کہ اسماء وصفات کے مرتبہ میں ہے اور اس کو ولایت کبریٰ کہتے ہیں۔ تمام تعینات کے مبادی اعتبارات ہی ہیں ، سب سے پہلا اعتبار جو ظاہر ہوا وہ حب ہے اگر نہ ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے۔ "کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق........" ترجمہ: میں ایک چھپا ہوا خزانہ پس مجھے محبت ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں تو مخلوق کو پیدا کیا...الخ[81] اور دوسرا اعتبار جو ظاہر ہوا وہ وجود ہے جو ایجاد کی تمہید اور مقدمہ ہے گویا تعین وجود، تعین حبی کا ظل ہے اور تعین وجود کیلئے واسطہ ہے چنانچہ اللہ رب العزت دوسری حدیث قدسی میں ارشاد فرماتا ہے۔

لو لاکَ لو لاکَ لَما خَلَقتُ الأَفلاکَ. الخ[82]۔

یعنی "اے محمد ﷺ! اگر میں آپ ﷺ کو پیدا نہ کرتا تو آسمانوں مراد (عالم) کو پیدا نہ کرتا اور میں ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔"

حاکم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا ہے کہ "حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت محمد ﷺ کا نام مبارک عرش پر لکھا ہوا دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔" آیت کریمہ ہے: وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا (الاحزاب ۷) "اور اے محبوب یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے اور ہم نے ان سے گاڑھا عہد لیا۔"

یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش سب نبیوں سے پہلے ہوئی کیونکہ عالم ارواح کی ترتیب میں آپ ﷺ کو مقدم بیان کیا گیا ہے چنانچہ اس آیت کی تائید میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم

---

[81] (تفسیر روح البیان ، ج٦ ص ١٦ تحت الآیۃ سورۃ الحج ٦٦ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان۔ جواھر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ ج٤ ص ٢٧٥ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان۔ المقاصد الحسنۃ باب الکاف ص ٣٧٧ رقم الحدیث ٨٣٦ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان۔ الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعۃ ص ١٧٩ رقم الحدیث ٦٩٧ قدیمی کتب خانہ کراچی) مقالات اربعین ص ٧٨۔

[82] (کاروان قمر جنوری ٢٠١٦ء ص ٣١، روح البیان فی تفسیر القرآن ج ٩ ص ٤٩٤ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، روح البیان فی تفسیر القرآن ج٦ ص ١٦٦ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، مکتوبات امام ربانی ج ٢ دفتر ٣ رقم المکتوب ١٢٢ ص ٥٦٠ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاھور، روح البیان فی تفسیر القرآن ج٥ ص ٥٣٦ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، شرح شفاء ج ١ ص ١٣ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، انیس الجلیس ص ١٣٥ اویسی بک سٹال گوجرانوالہ پاکستان، مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات ص ٢١٩ نوریہ رضویہ پبلی کیشنز لاھور، عصیدۃ الشھدۃ شرح قصیدۃ البردۃ ص ١٧ نور محمد اصح المطابع کارخانہ تجارت کتب کراچی، الزبدۃ شرح قصیدۃ بردہ ص ٨٣ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاھور شاہ ولی اللہ فیوض الحرمین ص ١٨٦ دارالاشاعت کراچی، جواھر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ ج ١ ص ٣٤٨ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، جواھر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ ج ٢ روح البیان ص ٣١٣ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، جواھر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ ج ٣ ص ٤٣٣ من جواھر سید احمد عابدین دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، جواھر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ ج ٤ ص ٢١٠ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، جواھر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ ج ١ ص ٢٧٦ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان، کشف الخفاء، تحت حرف اللام ج ٢ ص ١٩٤ قدیمی کتب خانہ کراچی، مجموعہ رسائل لکھنوی الآثار المرفوعہ ج ٥ ص ٣٣ انتشارات شیخ الاسلام احمد وجام)

ﷺ نے فرمایا: كُنْتُ أَوَّلَ النَّبِيِّينَ فِي الْخَلْقِ وَآخِرَهُمْ فِي الْبَعْثِ۔[83] "باعتبار پیدائش میں سب سے اول اور باعتبار بعثت سب سے آخری نبی ہوں۔" نیز حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

حدیث کنت اوّل الناس فی الخلق وآخرھم فی البعث۔[84]۔عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَرَأَ: وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ (الأحزاب:7) يَقُولُ: بُدِئَ بِي فِي الْخَيْرِ, وَكُنْتُ آخِرَهُمْ فِي الْبَعْثِ۔[85]

اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات کے کمالات سے اچھی طرح واقف ہے پس ان کمالات کو ظاہر کرنے کیلئے تعین ثانی یعنی تعین وجود کا صادر اول آنحضرت ﷺ کو قرار دیا اور تمام عالم کی پیدائش کا ذریعہ بنایا۔ پس اللہ تعالیٰ کی ذات، جو مرتبہ علم میں ہے اور جس کا اظہار تعین وجودی کے صادر اول ﷺ سے ہوا، اس لئے حضور ﷺ کا مبدأ تعین صفت العلم یا شان العلم ہوا اور باقی مخلوق کے مبادی تعینات علم کے ظلال ہوئے۔ حضور ﷺ کے مبدأ تعین کے واسطہ سے باقی صفات باقی انبیاء (علیہم السلام) اور ملائکہ کے مبادیٔ تعینات کے ظلال ہیں۔ (حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم قدس سرہ فرماتے ہیں: جاننا چاہیئے کہ تعین اول و تعین ثانی کے یہ معنی نہیں کہ حق تعالیٰ تنزل کر کے حب ہو گیا یا وجود ہو گیا بلکہ اس کے معنی ایسا ظہور ہے جو تنزیہ کے لائق ہے اور انبیاء علیہم السلام کے کلام کے مناسب ہے۔) اور چونکہ ہر صفت مختلف تعلقات کی بنا پر بہت سی جزئیات رکھتی ہے جیسے تکوین (وجود دنیا) کہ اس سے مختلف تعلقات کے اعتبار سے تخلیق (پیدا کرنا)، ترزیق (رزق دینا)، احیاء واماتت (زندہ کرنا اور مارنا) وغیرہ جزئیات پیدا ہوتی ہیں، اس لئے یہ جزئیات بھی اپنے کلیات کی طرح مخلوقات کے تعینات کے مبادی اور ہر صفت کلی کسی اولوالعزم نبی کا مبدأ تعین ہے اور دوسرے اشخاص، جن کے مبادی تعینات اس کلی کے جزئیات ہیں، اس اولوالعزم نبی کے تابع ہوں گے اور اس کے زیر قدم زندگی بسر کریں گے۔

اس وجہ سے کہتے ہیں کہ فلاں شخص حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے زیر قدم ہے اور فلاں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے اور فلاں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے اور جب ان جزئیات کی سلوک کے طریقے پر ترقی ہوتی ہے تو اپنی کلیات سے جاملتی ہیں اور مشاہدہ کلیات کا ہی مشاہدہ ہوتا ہے، فرق اصلی اور پیرو ہونے کا ہے اور وسیلہ اور بے وسیلہ کا ہے کیونکہ پیروی کرنے والا جو کچھ پاتا اور دیکھتا ہے یہ اصل کے وسیلے کے بغیر ممکن نہیں ہے، اگرچہ بعض اوقات اپنی کمزوری کی وجہ سے اصل کو واسطہ نہیں جانتا حالانکہ حقیقت میں اصل اور مشہود کے درمیان اس طرح سے واقع ہوتا ہے جو خود مانع نہ ہو کر اس کے مشاہدہ کو قوی کرتا ہے، جیسا کہ عینک کے واسطے سے دیکھنے والا بعض اوقات اس کا واسطہ ہونے سے بالکل بے خبر ہو جاتا ہے اور نہیں سمجھتا کہ عینک ہی مشاہدہ کی صفائی کا سبب ہے نیز جو لوگ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہیں ان کیلئے یہ جائز نہیں کہ تبدیل ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہو جائیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے زیر قدم ہو جائیں بلکہ ہمیشہ آنحضرت ﷺ کے زیر قدم رہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کا رب، رب الارباب ہے اور آپ کا واسطہ سب واسطوں کی اصل ہے۔

---

[83] مسند الشامیین للطبرانی ج۴ ص ۳۴۔

[84] تفسیر المظھری ج۷ ص ۴۔ التفسير المنير في العقيدة والشريعة والمنهج ج۸ ص ۲۷۱ لدوهبة بن مصطفى الزحيلي مطبوعة دار الفكر المعاصر - دمشق۔

[85] مصنف ابن ابی شیبۃ کتاب الفضائل ج۶ ص ۳۲۲۔

ملائکہ اورانبیاء(علیہم السلام)کے مبدأ تعینات میں یہ فرق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات، اپنے ظہوراوردنیاکے لئے مصادرِوجود (ہونے)کے اعتبار سے، نبیوں کی تربیت کرنے والی ہیں اوراپنے بطون اوراللہ تعالیٰ کے ساتھ قیام کے اعتبار سے فرشتوں کی تربیت کرنے والی ہیں پس فرشتوں کی ولایت نبیوں کی ولایت کی نسبت حق تعالیٰ سے قریب ہوئی اسی لئے اس ولایت کانام ولایت علیاہوالیکن فرشتےاس مقام سے ترقی نہیں کرسکتے جیساکہ اس آیت کریمہ معلوم ہوتاہے:وَ مَامِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُومٌ (الصافات ۱٦۴)''اور فرشتے کہتے ہیں ہم میں ہر ایک کاایک مقام معلوم ہے۔''

البتہ انبیاء علیہم السلام فرشتوں کے مقام پر بھی ترقی کرسکتے ہیں اوران سے بالاتران مرتبوں پر بھی کہ جہاں فرشتے پر نہیں مارسکتے اوروہ نبوت کے کمالات اور نبی اولوالعزم کے کمالات ہیں ۔ اس کے علاوہ انبیاء علیہم السلام اور بھی بہت سے کمالات حاصل کرسکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے افضل اوراعلیٰ ہیں اور ان کی ولایت ،ولایت کبریٰ ہےاورانبیاء علیہم السلام کوملائکہ پراس لئے فضیلت ہے کہ نبوت بشر کے ساتھ مخصوص ہے۔ آیت کریمہ :وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَا يَلْبِسُونَ (الانعام ۹)''اوراگر ہم نبی کو فرشتہ کرتے جب بھی اسے مرد ہی بناتے اوران پر وہی شبہ رکھتے جس میں اب پڑے ہیں۔''اس پر دال ہے،یہ تجلیات ذاتیہ بحتہ سے ہے۔

جب سالک آنحضرت ﷺ سے بالواسطہ یابلاواسطہ محبت کی تاثیر حاصل کرکے مقامِ قلب سے ترقی کرتاہواللہ تعالیٰ کے نزدیک ہوجاتاہے اوراتناقرب حاصل کرلیتاہے جواس کامبدأ تعین ہے اس وقت سالک کو اصطلاحاً''ولی''کہناچاہیئے۔

مسئلہ: صوفی ہر وقت ترقی کرتارہتاہے۔من استوى يوماه فهو مغبون۔[86]''جواپنی حالت پر ایک دن بھی رکارہاتووہ خسارہ میں ہے۔''

صوفی کوہر وقت کوئی نہ کوئی رتبہ ملتارہتاہے جوپہلے مرتبوں سے بہتر ہوتاہے۔مولاناروم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

سیر زاہد ہر مہے یک روزہ راہ　　　　سیر عارف ہر دمے تاتخت شاہ

''یعنی زاہد کی سیر ہر روزایک دن کی راہ ہے اورعارف کی سیر تخت شاہی پر پہنچنے تک ہر وقت رہتی ہے۔''

مسئلہ: زیادہ قرب الٰہی والے اولیاء کی عبادت کاثواب ان حضرات سے زیادہ ہے،جو قرب میں ان سے کم ہیں اور قرب کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم پر رکھناچاہیئے۔(یہ مضمون مکتوبات حضرت مجددالف ثانی قدس سرہٗ ، حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ اور''ارشادالطالبین''مصنفہ قاضی ثناءاللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ماخوذ ہے مزید تفصیل واطمینان کیلئے ان مآخذ کی طرف رجوع کریں۔)

شریعت: شریعت احکام تکلیفیہ کے مجموعے کانام ہے اوراس میں اعمال ظاہری وباطنی سب شامل ہیں ۔متقدمین علماء کی اصطلاح میں لفظ''فقہ''اس کامترادف اور ہم معنی ہے۔امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فقہ کی تعریف یہی منقول ہے۔معرفة

---

[86] احیاءعلوم الدین ج۴ص ۳۳۵۔

النفس مالھاو ماعلیھا۔ یعنی "نفس کا نفع و نقصان کی چیزوں کو پہچاننا" پھر متاخرین کے نزدیک وہ جزء جو متعلق باعمال ظاہرہ ہے اس کا نام شریعت اور فقہ ہے اور جو جزء متعلق باعمال باطنہ ہو اس کا نام تصوف ہے اور اسے طریقت بھی کہتے ہیں ۔ جن چار طریقوں سے علماء سلوک کے ہاں وصول الی اللہ ہوتا ہے ان میں پہلا طریقہ شریعت ہے جس کا مطلب بندہ کا قول و فعل ، اٹھنا اور تمام اعمال و معاملات خدا تعالیٰ کے حکم و فرمان کے مطابق ہوں تو یہ شریعت کہلاتا ہے۔

طریقت: یعنی قلب کے اندر ایسا نور پیدا ہو جائے جس سے انسان میں عشق و محبت ، صبر و شکر، اخلاص و تقویٰ پیدا ہو جائے اور اخلاق ذمیمہ اعمال رذیلہ سے پاکی حاصل ہو۔ اسی کو اہل تصوف "طریقت" کہتے ہیں۔

حقیقت: یعنی انسان کے دل میں شریعت اور طریقت کے تمام درجات اس طرح برابر ہو جائیں کہ اس کے دل میں ایک نور پیدا ہو اور اس سے انسان کے قلب میں مغیبات یعنی عذاب قبر، احوال قیامت، پل صراط اور دوزخ و جنت سب کا استحضار اس طرح حاصل ہو جیسے کہ یہ سب بعینہ دکھائی دے رہے ہوں۔

وصلت: اللہ تعالیٰ کے احکام ظاہری و باطنی پر عمل کرنے اور اس پر پابند رہنے سے ایسا نور پیدا ہو کہ ظاہر و باطن میں معرفت حق تعالیٰ پیدا ہو جائے کہ کوئی بھی وقت یاد الٰہی سے غفلت میں نہ گزرے اور قلب عشق الٰہی سے زندہ اور سرشار ہو، ایسے عشاق مر بھی جائیں تو لیکن ان کے قلوب زندہ رہتے ہیں۔

ہر گز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

یعنی "وہ شخص کبھی نہیں مرتا جس کا دل عشق الٰہی اور یاد الٰہی سے زندہ ہو۔ صحیفۂ عالم پر میرے دوام کی امر کندہ ہو چکی ہے۔"

تعریف کے لحاظ سے اگر بظاہر طریقت و شریعت میں فرق آتا ہے لیکن در حقیقت دونوں ایک اور دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ لفظ طریقت خود یہی بتلاتا ہے کہ وہ طریق الی الشرع ہے یعنی شریعت کے راستے پر چلنا ہی طریقت ہے۔ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ شریعت اور طریقت میں کیا نسبت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ دونوں کے درمیان مخدومیت اور خادمیت کی نسبت ہے۔ شریعت مخدوم ہے اور طریقت خادم ہے۔ طریقت میں شریعت ہے اور طریقت سے انسان متشرع بنتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے "مجمع البحرین" میں شریعت و طریقت کو لازم اور ملزوم قرار دیا ہے کہ اگر ایک چھلکا ہے تو دوسرا مغز ہے۔

ان مندرجہ بالا راستوں پر جب انسان سفر شروع کرتا ہے تو کسی نہ کسی مرتبہ پر ضرور پہنچتا ہے یہی وجہ ہے کہ اہل سلوک کے ہاں اولیاء اللہ کے چار مرتبے ہیں۔

۱۔ناسوت	۲۔ملکوت
۳۔جبروت	۴۔لاہوت

۱۔ناسوت: جو ظاہری عبادات میں ایسا مشغول اور پابند ہو جائے کہ کسی وقت بھی غفلت نہ ہو یعنی ظاہری شریعت اس کی طبیعت بن جائے یہ مرتبۂ ناسوت ہے۔

۲۔ملکوت: جوبندہ اخلاص اورعبادات میں ملائکہ جیسابن جائےیعنی عبادت الٰہی میں ایسااخلاص ،عشق اورذوق پیداہو جائے کہ غیر اللہ کاخیال بالکل نہ رہے جیسے رابعہ بصریہ رحمہااللہ تعالیٰ فرماتی تھیں کہ "اے اللہ!دنیامیں میرے حصے کی نعمتیں میرے دشمنوں کو مل جائیں لیکن مجھے اس دنیامیں درددل مل جائے۔"یعنی قلب میں اللہ تعالیٰ کاعشق ہواورآخرت میں اس کی رضامل جائے۔یہ وہ مقام ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کوعطاہوا۔

رَضِيَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ ذٰلِکَ لِمَنۡ خَشِيَ رَبَّہٗ (البینۃ ۸)

"اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی یہ اس کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرے۔"

۳۔جبروت: دین الٰہی کی ظاہری وباطنی پابندیوں سے عالم پر تصرف جاری ہو جائے اور یہ مقام قطب عالم کا ہے۔

۴۔لاہوت: کہ سالک کے دل میں ایسانورپیداہو جائے جس میں تجلّی ذات ہو اور پھر اس کے بعد چوں وچرا کی گنجائش نہ ہو تو یہ بندہ عارف باللہ کہلاتا ہے اور یہ ولایت کابلندتر مرتبہ ہے۔

تنبیہہ: یادرہے کہ مذکورہ بالاصفات سالک کوتب نصیب ہوں گی جب مندرجہ ذیل لغزشوں سے اپنے آپ کوبچائے رکھے۔

راہ سلوک کی لغزشیں:

۱۔اعراض یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے منہ پھیرلینااوروہ شدت،محنت،اور مصیبت کی وجہ سے ہوتا ہے۔پس اللہ تعالیٰ بھی اس ناپسندیدہ حرکت کے بعد اس بندے سے منہ پھیرلیتاہے۔علاج اس کا استغفاراور معذرت میں مشغول ہوناہے۔

۲۔حجاب یعنی امور دنیامیں اشتغال سے اعراض واقع ہو کر حجاب بن جاتاہے لہذامعذرت میں کوشش نہیں کرتااور توبہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

۳۔تفاصل یعنی طبائع سفلی کی لذتوں میں مشغول ہونے سے حجاب،تفاصل(جدائی)تک پہنچ جاتاہے۔

۴۔سلب مزید یعنی اگر پھر بھی بازنہ آیاتوسلب مزید(زائدانعامات کا چھن جانا)ہوجاتاہے،اس میں بوجہ مشغولیت غیر اللہ،کارکنان قضاوقدرذوق طاعات وعبادات چھین لیتے ہیں۔

۵۔سلب قدیم(اصل انعامات کا چھن جانا)یعنی دل کی سستی کی وجہ سے عبادات اصلیہ وطاعاتِ فرضیہ کاذوق چھن جاتاہے حتیٰ کہ عبادت کو چھوڑدیتاہے،توبہ واستغفار میں کوشش نہ کرے توپھر بھی دل کو تسلی ہوتی ہے یعنی باوجود منعم حقیقی کی جدائی کے اس کادل مطمئن ہوتاہے تو یہ غفلت ہے جیسا کہ عوام کالانعام ہوتی ہے۔

۶۔اب اگر رجوع الی اللہ اورتوبہ میں سستی باقی رہی،توعداوت پیداہو جاتی ہے اور یہ دل کو نفس کے تابع کر دیتاہے اور ظاہر ہے کہ نفس اللہ جل جلالہ کے خلاف حکم دیتاہے،پس لامحالہ بندے اوراللہ تعالیٰ کے درمیان دشمنی پیداہو جاتی ہے اور جب معاملہ دشمنی تک پہنچ گیاتوپھر علاج دشوارہے۔اعاذنااللہ من ہذہ الخسارۃ۔

مراقبۂ احدیت یعنی فنائے قلبی

تہلیل کے بعد فکر کے پہلے سبق کو "مراقبہ احدیت" کہتے ہیں۔

"احدیت" احد (ایک) سے ہے، اس میں صرف فیض وارد ہونے کا دھیان رکھنا ہوتا ہے، نیت یوں کرتے ہیں "فیض می آید از ذاتے کہ مستجمع جمیع صفات و کمالات است، و منزہ از ہر نقصان و زوال، موردِ فیض لطیفہ ٔقلب من است" میرے لطیفہ ٔقلب پر اس ذات والاصفات سے فیض آرہا ہے جو تمام کمالات اور خوبیوں کا جامع ہے اور جملہ عیوب و نقائص سے منزہ و پاک ہے اور اسم مبارک "اللہ" کا مسمی ہے اور موردِ فیض میرا لطیفہ ٔقلب ہے۔"

جس پر انوار وارد ہو رہے ہوں، اس جگہ کو مورد کہتے ہیں تو یہ فیض دل پر وارد ہوتا ہے، جب سالک نے یہ نیت کر لی اور بیٹھ گیا تو اس فکر کے ذریعہ سے سالک کی ترقی شروع ہو جاتی ہے، کیا عجیب شان ہے اللہ کی کہ بندے نے فقط ایک نیت کر لی تو اس نیت کی وجہ سے اس پر نور کا نزول شروع ہو جاتا ہے۔

میرے مولا کا کتنا بڑا اکرم ہے کہ فقط نیت پر فیض ملنا شروع ہو گیا، اس لئے یہ فکر سب سے افضل ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر اور اس کی حکمتوں کے عجائب کے متعلق سوچتے ہیں اس سے اللہ جل شانہ ٗکی معرفت میں قوت پیدا ہوتی ہے، جو لوگ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور و فکر کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے "اولو الالباب" یعنی عقلمند فرمایا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور و فکر کرنے سے منع کیا۔

فرمایا: کیونکہ وہ وراءالوراء ہے، سوچ سے بالاتر ہے، سوچ کی اوقات نہیں کہ وہ اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی حقیقت کو سما سکے، سنار کے ترازو سے کوہ ہمالیہ نہیں تولا جا سکتا اسی طرح انسان کی عقل بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ چنانچہ حدیث میں فرمایا کہ تم صرف مخلوقات میں غور و تدبر کیا کرو۔

"فضائل ذکر" میں شیخ الحدیث زکریا نے نقل کیا ہے کہ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ غور و فکر کو افضل عبادت اس لئے کہا گیا کہ اس میں معنی ذکر کر کے تو موجود ہوتے ہی ہیں، دو چیزوں کا اضافہ اور ہوتا ہے ایک اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس لئے کہ غور و فکر معرفت کی کنجی ہے، دوسری اللہ تعالیٰ کی محبت کہ فکر پر یہ مرتب ہوتی ہے۔ یہی غور و فکر ہے جس کو صوفیہ "مراقبہ" سے تعبیر فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی ملتی ہے یعنی انسان اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ واقعی اس کائنات کا کوئی نہ کوئی پیدا کرنے والا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھتا ہے تو بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے، غور و فکر سے معرفت کا پیدا ہونا اور محبت کا پیدا ہونا یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے۔

شیخ الحدیث صاحب ایک اور حدیث مبارک نقل کرتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ رات کو تشریف لائے، میرے بستر پر میرے لحاف میں لیٹ گئے، پھر ارشاد فرمایا: ذرني أعبد ربي، چھوڑ! میں تو اپنے رب کی عبادت کروں۔ یہ فرما کر اٹھے، وضو فرمایا اور نماز کی نیت باندھ کر رونا شروع کر دیا یہاں تک کہ آنسو سینے مبارک پر بہتے رہے، پھر اسی طرح رکوع میں روتے رہے، ساری رات اسی طرح گزاری حتی کہ صبح کی نماز کے واسطے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ لینے کیلئے آ گئے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ تو بخشے بخشائے ہیں پھر آپ اتنا کیوں روئے؟

ارشاد فرمایا: أفلا أكونُ عَبْدًا شَكُورًا۔ [87]

کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

پھر فرمایا: میں کیونکر نہ روتا حالانکہ آج مجھ پر یہ آیتیں نازل ہوئیں:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (البقرة ۱۶۴)

بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات و دن کا بدلتے آنا اور کشتی کہ دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو اس سے جِلا دیا اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کی گردش اور وہ بادل کہ آسمان و زمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے ان سب میں عقلمندوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں۔

پھر فرمایا: ہلاکت ہے اس شخص کیلئے جو ان کو پڑھے اور غور و فکر نہ کرے۔

''فضائل ذکر'' میں ایک اور روایت ہے کہ عامر بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ایک ، دو یا تین سے نہیں، بلکہ ان سے زیادہ سنا سے سنا ہے کہ ایمان کی روشنی اور ایمان کا نور غور و فکر ہے۔ سبحان اللہ! پس ہمیں سند مل گئی کہ اتنے سارے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا کہ ایمان کی روشنی اور ایمان کا نور غور و فکر میں ہے، ثابت ہوا کہ اگر مراقبہ میں کوئی غور و فکر کی نیت سے بیٹھے گا تو اس کے ایمان کو نور ملے گا، اس کا سینہ منور ہو گا، یہ تو حدیث پاک سے ثابت ہو رہا ہے کہ ایمان کی روشنی اور ایمان کا نور فکر میں ہے۔

ام درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضل عبادت کیا تھی؟ فرمایا: غور و فکر ان کی افضل ترین عبادت تھی، اس کا مطلب یہ ہوا کہ غور و فکر میں بیٹھنے کو مراقبہ کہتے ہیں۔ اب اگر کوئی کم فہم اعتراض کرے کہ دور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں مراقبہ نہیں ہوتا تھا، تو یہ شخص یا تو جاہل ہے یا پھر متجاہل ہے، کیونکہ یہ تو احادیث مبارکہ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل سے ثابت ہے، چنانچہ ام درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا گواہی دے رہی ہیں کہ ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضل ترین عبادت غور و فکر یعنی مراقبہ تھا۔

اس سبق میں ذکر نہیں کرتے جیسے پہلے سبق میں تھا کہ اللہ، اللہ کی صدا آ رہی ہے، ذکر تو ساتویں سبق پہ ختم ہو گیا اور تہلیل آٹھویں اور نویں سبق میں تھا، اس کے بعد فکر کے مراقبے ہیں، تو مراقبۂ احدیت میں فقط ابتداء میں نیت کرنی ہوتی ہے، پھر خاموش بیٹھنا ہوتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت اور نور برستا ہے جو سینے کو منور کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیے کہ بندہ جیسی نیت کرے ویسی برکت آتی ہے، مثلاً ذات سے فیض آ رہا ہے، صفات سے آ رہا ہے، شیونات سے آ رہا ہے الغرض جہاں کی نیت کرے، وہیں سے فیض ملتا ہے، اس میں اتنا فیض ملتا ہے کہ بندے کو ذکر میں استغراق حاصل

---

[87] البخاري (ت ٢٥٦)، صحيح البخاري ٦٤٧١• مسلم (ت ٢٦١)، صحيح مسلم ٢٨١٩• البزار (ت ٢٩٢)، البحر الزخار المعروف بمسند البزار ٣٣١/١٤• ابن جرير الطبري (ت ٣١٠)، تفسير الطبري ٨٤/٢/١٣• ابن حبان (ت ٣٥٤)، صحيح ابن حبان ٣١١• ابن حبان (ت ٣٥٤)، المجروحين ٥٢٥/١•

ہو جاتا ہے اور اس پر فنائیت کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، یہ فنائے قلبی کا سبق ہے، بندے کو قلب کی فنائیت یہاں مل جاتی ہے، ذکر بندے کے قلب کے اوپر غالب آجاتا ہے کہ وہ بندہ ذکر میں فنا ہو جاتا ہے اس کو "فنافی اللہ" کہتے ہیں اور یہ ہمارے سلوک کا ایک نمایاں موڑ ہے۔

ہدایت الطالبین میں شاہ ابو سعید نوراللہ مرقدہ لکھتے ہیں کہ مراقبہ احدیت میں جو فیض اترتا ہے وہ انسان کے لطیفہ قلب کے اوپر اترتا ہے۔یعنی مورد فیض انسان کا لطیفہ ٔ قلب ہے۔شاہ غلام علی مجددی دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ملفوظات "درالمعارف" میں لکھا ہے کہ مراقبہ احدیت صرفہ کا تعلق حضرت ذات سے ہے جو کہ اسم مبارک اللہ سے مسمیٰ ہے اس لئے اس میں صفات کا شیونات کا یا کسی اور چیز کا تصور نہیں کرتے بلکہ صرف ذات کا کرتے ہیں اللہ کے ذکر کی فنائیت یہاں حاصل ہوتی ہے بعض بزرگوں نے کہا کہ اس میں ذات کا اختتام یہاں آکر ہوتا ہے یعنی اس کی تکمیل یہاں آکر ہوتی ہے مزید فرماتے ہیں وقوف قلبی دل کی طرف توجہ کرکے اور اس معنیٰ کا لحاظ رکھ کر کہ ذات پاک اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں ہے۔ذکر کے الفاظ کی صحت کے ساتھ دل کے وسوسوں سے نگہداشت ہمیشہ ہونی چاہیئے کیونکہ دل زیادہ کے بغیر نہیں کھلتا اور بعض گشت کہ اے اللہ تعالیٰ میرا مقصود تو ہی ہے اور تیری رضا ہے اپنی محبت اور معرفت عطا فرما۔اپنی نیستی (فنا) اور حضرت ذات پاک (اللہ تعالیٰ کی ہستی کی اثبات بقاء) کی ملاحظہ وانکساری وعاجزی کے ساتھ دائمی ذکر ہونا چاہیئے۔حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلوی کے ملفوظات درالمعارف میں لکھا ہے کہ ایک حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مکتوبات کا درس چل رہا تھا۔

شروع میں مراقبہ میں احدیت مسمیٰ اسم مبارک اللہ کرتے ہیں جو تمام صفات کمال کا جامع اور نقصان وزوال سے منزہ پاک ہے۔

صفات کے لحاظ کے بغیر کہ اللہ سننے والا ہے (سمیع)

یا دیکھنے والا ہے (بصیر)

یا جاننے والا ہے (علیم)

یا قدرت رکھنے والا ہے (قدیر)

حاضرین میں سے کسی نے حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ سمیع، بصیر، علیم اور قدیر وغیرہ کے لحاظ رکھنے کی کیا وجہ ہے ؟ تو حضرت شاہ غلام علی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس مراقبہ میں اس ذات کو ملحوظ رکھتے ہیں جو تمام صفات کی جامع ہے نہ کہ صفات میں سے کسی صفت کی ۔کیونکہ اس ذات سے جو مقصود بالذات ہے صفا جو مقصود بالعرض ہے ، کی طرف متوجہ کرنا مقصود حقیقی سے مطلوب عرضی کی جانب مائل ہونا ہے۔

حضرت شاہ غلام علی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ملفوظات درالمعارف میں یہ بھی لکھا ہے کہ ہم پہلے مراقبہ احدیت کی تلقین کرتے ہیں اور وہ عبارت ہے اسم مبارک اللہ کے مفہوم کے لحاظ سے، جس پر ہم ایمان لے آئے ہیں کہ وہ بے مثل وبے مثال (بے چون وبے چگون) ہے اور تمام صفات سے موصوف اور سب نقصان اورزوال سے منزہ (پاک) ہے۔مراقبہ ٔ احدیت تک دائرہ امکان کے اندر سیر ہوتی ہے۔آپ یوں سمجھئے کہ جب خلائی جہاز چلتا ہے تو پہلے وہ فضا میں سفر کرتا ہے پھر ایک ایسا وقت آتا ہے کہ جہاں وہ

فضاسے نکل کر خلامیں پہنچ جاتاہے،وہاں کامعاملہ کچھ اور ہوتاہے ہمارے اس سلوک میں آپ یوں سمجھیں کہ مراقبۂ احدیت سے پہلے سالک فضاء میں سیر کررہاتھااور مراقبۂ احدیت کے بعد پھر خلامیں سیر کرتاہے یوں سمجھیں کہ مراقبۂ احدیت کے بعد سلوک کارخ ہی دوسرا ہوجاتاہے۔گویااسم ذات اور تہلیل کاذکرلطائف کے اندراستعداد پیدا کرنے کیلئے تھا، جب کہ فکرکامراقبہ اصل مقصود تھا۔

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ جب تک کسی برتن کوپاک صاف نہ کیاجائے اس میں دودھ نہیں ڈالا جاتا۔اللہ تعالیٰ نے نور ڈالنے سے پہلے فرمایاکہ تم دل کے برتن کوپہلے میرے نام سے صاف کروکچھ رہ جائے تو لا الہ الا اللہ سے رگڑلوجب تمہارابرتن صاف ہوجائے تو پھر میرے سامنے فقیرسائل بن کریہ نیت کرکے بیٹھ جاناکہ اللہ تعالیٰ یعنی اس ذات سے فیض آرہاہے جوتمام صفات وکمالات کی جامع ہے۔ہر نقصان وزوال سے پاک ہے اور لطیفہ قلب پر فیض آرہاہے۔اللہ تعالیٰ فرماتاہے کہ تم اپناکاسۂ گدائی میرے سامنے کرکے بیٹھوگے تو میں پروردگار تمہارے دلوں کونورسے بھردوں گا۔اس لئے مراقبۂ احدیت کے بعد جتنے اسباق ہیں وہ سب فکرکے مراقبات ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ دائم الفکر اور متواصل الحزن تھے یعنی ہمیشہ غمزدہ اور فکر مند رہتے تھے۔

تومعلوم ہوتاہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب ﷺ کے اوپراتنے انوار کی بارش ہوتی تھی کہ آپ ﷺ ان انوار کے حصول میں کئی مرتبہ مستغرق ہوا کرتے تھے اس لئے تو آپ ﷺ فرماتے تھے کہ میرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص وقت ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث مبارک سے دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ کی طویل خاموشی غفلت کی خاموشی نہیں ہوسکتی۔

یہ کیسے ہوسکتاہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی خاموشی غفلت کی خاموشی ہو،وہاں تو گناہ کا تصور ہی نہیں، وہ معصوم تھے تو پھر آپ ﷺ کی خاموشی میں کیا عمل ہوتا تھا؟

اس کاجواب یہی ہے کہ وہ فکرکا عمل تھابلکہ اگریوں کہیں کہ نبی کریم ﷺ غار حرامیں کیاکرتے تھے؟تووہ بھی فکرہی تھی چونکہ اس وقت نہ قرآن مجید تھاتوجب قرآن بھی نہیں تھااور نماز بھی نہیں تھی توپھر آپ ﷺ غار حرامیں کیاکرتے تھے؟ محققین کرام کے نزدیک نبی کریم ﷺ غار حرامیں فکراور تفکر فرماتے تھے اسی فکرنے توپھر دل کوایساروشن اور منورکردیاکہ جیسے شمع جلنے کے قریب ہوجائے۔یضی ولولم تمسسه نار۔(سبحان اللہ)جیسے ابھی آگ نے تیل زیتون کوچھوابھی نہیں لیکن بالکل وہ جلنے کے قریب ہوگئی۔تومحبوب ﷺ کی یہ کیفیت فکرکی وجہ سے تھی،اللہ تعالیٰ نے وہ نورعطافرمادیاتھا۔

الحمدللہ!ہم اگراپنے مشائخ کے راستے پرنہ آکرزندگی گزارتے توہمیں پتہ ہی نہ چلتاکہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے اس طرح بھی انوار حاصل کیے جاسکتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص بندوں پرراستہ کھول دیاکہ دیکھوتم اگرمجھ سے انواراور برکات لیناچاہتے ہو تواس کایہ طریقہ ہے۔الحمدللہ یہ جوتھوڑی دیرکامراقبہ ہے اس کی اہمیت سے واقف ہوجاناچاہیئے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس لطیفے کو فنا حاصل نہیں ہوگی وہ لطیفہ قیامت کے دن اندھی حالت میں کھڑا کیا جائے گا۔ وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى (الاسراء ۷۲) اور جو اس زندگی میں اندھا ہو وہ آخرت میں اندھا ہے۔"

اس لئے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا دیدار ظاہر کی آنکھوں سے نہیں ہوگا۔ وہ دل کی آنکھوں سے ہی ہوگا اور دل کی آنکھوں سے سارے لطائف بینا ہوں گے اس کو اللہ رب العزت کے جمال کا صحیح لطف نصیب ہوگا۔ اور جس کا من ہی اندھا ہوگا وہ دیدار محبوب کی لذت نہ پاسکے گا تو ہم دنیا میں محنت کر کے اپنے تمام لطائف کو نقطۂ فنا تک پہنچا دیں گے تاکہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے تو من کی آنکھیں روشن ہوں۔ اور اللہ رب العزت کے دیدار کی صحیح لذت ہمیں حاصل ہو سکے۔ تو یہ فنائے قلبی ولایت کا پہلا قدم ہے۔ بندہ کم سے کم اس درجے تک تو پہنچے جہاں نفس کی خباثتوں سے جان چھوٹ جائے۔ جہاں انسان اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آجائے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں میں اس کا شمار ہو جائے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ۔ (الحجر ۴۲)۔ بیشک میرے بندوں پر تیرا کچھ قابو نہیں۔"

تو وہ جو عبادی کا زمرہ ہے وہ اس مراقبہ احدیت سے آگے شروع ہوتا ہے، جس نے کام کو اس نقطے تک پہنچا دیا کہ اب اس کے اندر غفلت نہیں رہتی۔

وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ (الاعراف ۲۰۵) اور غافلوں میں نہ ہونا۔" کے حکم پر اس کو عمل نصیب ہو جاتا ہے۔

مشائخ نے فرمایا ہے کہ عدم غفلت عبدیت کی طرف پہلا قدم ہے تو وہ قدم یہاں آکر راسخ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد غفلت نہیں ہوتی۔ فکر کا مراقبہ کرنے کے بعد پھر بندے کو دائمی حضوری نصیب ہوتی ہے۔ اس لئے لیٹے بیٹھے چلتے پھرتے ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان رہتا ہے۔ اس لئے یہ مراقبۂ احدیت ذکر و سلوک کے راستے میں ایک موڑ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں ان مراقبات کو پابندی کے ساتھ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین۔ بحرمۃ سید الانبیاء والمرسلین علیٰ نبینا و علیہم السلام۔

ان پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں بھی وہ عطا فرمائے اور ہم کوتاہ پرواز اور پست پرواز ہیں لیکن اللہ رب تو بے نیاز ہے وہ تو نیت کو دیکھتا ہے اگر ہم دل کے برتن کو سیدھا کر کے طلب لے کر بیٹھ جائیں گے تو اگرچہ ہم وہ مجاہدے نہ کر سکیں وہ ریاضتیں بھی نہ کر سکیں مگر اسی راستے پر چلنا تو چاہتے ہیں بہر حال اچھی نیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مہربان ہوگا۔

یہ حقیقت ہے کہ ماں اپنے کمزور بچے پر زیادہ مہربان ہوتی ہے اور باپ بھی اپنے کمزور بیٹے پر زیادہ مہربان ہوتا ہے۔

آج کے دور میں ذکر و سلوک کے راستے پر چلنا کوئی آسان کام نہیں ہے سچی بات یہ ہے کہ پہلے زمانے میں یوسف علیہ السلام کیلئے ایک زلیخا تھی۔ آج ہر یوسف کیلئے دس دس زلیخائیں ہیں۔ ایسا پر فتن دور آگیا ہے اس وقت میں نفسانی و شہوانی گناہوں سے بچنا اور ان تمام لذتوں سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جانا بہت بڑی قربانی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ مہربانی فرما دیتا ہے اور بالآخر بندے کو ولایت کا نور عطا فرما دیتا ہے۔

جیسا کہ **الفانی لایرد**۔ کہ فانی لوٹتا نہیں۔ جس بندے کو مراقبۂ احدیت تک کی کیفیت صحیح مل گئی اب اس کے بھٹکنے اور پھسلنے کے امکانات نہیں رہتے وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آ جاتا ہے۔ اور جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔

حضرت خواجہ معصوم رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو الہام ہوا کہ آپ کو ہم ایسا بیٹا عطا کریں گے جو زندگی کبیرہ گناہ نہیں کرے گا اور وہ مادرزاد ولی ہو گا بچپن سے ولایت کا نور لئے پیدا ہو گا۔ ہم گناہوں سے اس کی حفاظت فرمائیں گے۔ اس الہام کے بعد امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام محمد معصوم رکھا اب وہ خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام سے پہچانے جاتے ہیں جنہوں نے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ۹ سال کی عمر میں اجازت و خلافت پائی۔ ۹ سال کی عمر کتنی چھوٹی عمر ہوتی ہے ۹ سال کی عمر میں حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے خلافت پائی اور وہ قیوم وقت بنے۔ اپنے وقت کے روحانی اعتبار سے قیوم کہلائے۔ یہ مرتبہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا۔ ایک جگہ اپنے متعلق لکھتے ہیں کہ میں اس قابل تو نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے جنت کی عظیم نعمتیں مانگوں ہاں اتنی تمنا ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بخشے ہوئے بندوں کی صف میں مجھے بھی شامل فرمالے۔

خلاصۂ سلوک

اس راہ میں سالک سب سے پہلے لطائف عالم امر و خلق پر اسم ذات **"اللہ"** کا ذکر کرتا ہے۔

عالم امر کے پانچ لطائف، قلب، روح، سر، خفی اور اخفیٰ ہیں اور عالم امر کے دو لطائف نفس اور قالبی ہیں۔ قالبی چار عناصر یعنی آگ، ہوا، پانی اور مٹی سے مرکب ہے۔ عالم امر اور عالم خلق دائرہ امکان میں ہیں اور اس دائرے کے نیچے والے حصے میں سیر آفاقی اور اوپر والے حصے میں سیر النفسی نصیب ہوتی ہے چنانچہ عالم امر کے لطائف کے اصول عرش کے نیچے ہیں اس کے بعد نفی واثبات یعنی تہلیل کے اسباق سے ترقی اور نفی واثبات کے بعد مراقبۂ احدیت کا سبق ہوتا ہے جو کہ فکر کا پہلا سبق ہے۔ مراقبۂ احدیت کے بعد مشارب کے اسباق شروع ہو جاتے ہیں جس میں عالم امر کے پانچوں لطائف کو فنا حاصل ہوتی ہے۔

دراصل عالم امر کے تمام لطائف کی اصل عرش کے اوپر ہے لطیفہ قلب کی اصل تجلیٔ افعال الٰہیہ اور لطیفہ روح کی اصل تجلیٔ صفات ثبوتیہ، لطیفہ سر کی اصل تجلی شیونات ذاتیہ اور لطیفہ خفی کی اصل تجلی صفات سلبیہ اور لطیفہ اخفیٰ کی اصل تجلی شان جامع ہے۔ جب تمام لطائف اپنی اصل تک پہنچ جاتے ہیں تو ہر لطیفہ کو فنا حاصل ہو جاتی ہے اور دائرہ امکان کی سیر ختم ہو جاتی ہے دائرہ امکان کے بعد دوسرا دائرہ ولایت صغریٰ کا ہے اور اس میں معیت کا مراقبہ کیا جاتا ہے۔ اس سیر کا تعلق اسماء وصفات کے ظلال سے ہے۔ تیسرے دائرے یعنی دائرہ ولایت کبریٰ میں تجلیات خمسہ (افعالیہ و سبوتیہ و شیونات ذاتیہ و سلبیہ اور شان جامع) کے اصول میں سیر ہوتی ہے۔ ولایت کبریٰ کو ولایت انبیاء سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کو دائرۂ اسماء وصفات و شیونات بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں اسماء و شیونات الٰہیہ میں سیر واقع ہوتی ہے اس لئے اسے دائرہ ولایت بھی کہتے ہیں اور یہ دائرہ ولایت صغریٰ کی اصل ہے۔ باقی دو دائروں اور قوس میں مراقبۂ محبت کرتے ہیں۔ دوسرا دائرہ پہلے کی اصل ہے تیسرا دوسرے کی اور قوس تیسرے کی اصل ہے۔ ولایت صغریٰ و کبریٰ کی سیر کو **اسم "الظاهر"** کا سلوک کہتے ہیں اور یہ سیر واقع **اسم الظاهر** پر تقسیم ہوتی ہے۔

اب تک تین دائرے مکمل ہوگئے پہلا دائرہ امکان ،دوسرا دائرہ ولایت صغریٰ اور تیسرا دائرہ ولایت کبریٰ،اس کے بعد چوتھادائرہ ہے جس میں ولایت علیایعنی فرشتوں کی ولایت ہے۔اس میں اسم "الباطن"کامراقبہ کیاجاتاہے۔جب سالک کو اسم "الظاهر"اور اسم"الباطن" کے دوپر حاصل ہوگئے تواب سالک کا معاملہ ظلال صفات اور شیونات کی سیر سے نکل کر ذات سے وابستہ ہوجاتاہے لہذا سالک کو کمالات ثلاثہ (یعنی کمالات نبوت ،کمالات رسالت اور کمالات اولوالعزم)میں تجلّیٔ ذاتی دائمی کی سیر نصیب ہوجاتی ہے۔کمالات ثلاثہ کے بعد ہمارے مشائخ عظام نے سالک کو حقائق الٰہیہ کے چار مراقبے کروائے ہیں۔چنانچہ پہلے دائرہ حقیقت کعبہ ربانی پھر دائرہ حقیقت قرآن مجید اور پھر دائرہ حقیقت صلوۃ ہے ان چیزوں کو حقائق ثلاثہ کہتے ہیں اس کے بعد پھر دائرہ معبودیت صرفہ کا سبق آتاہے جو کہ حقائق الٰہیہ میں سے آخری دائرہ ہے حقائق الٰہی کے ساتھ ساتھ مشائخ کرام نے ایک اور راستے کی نشان دہی بھی کی ہے جس میں حقائق الٰہیہ کے بجائے حقائق انبیاء علیہم السلام کے چار مراقبے کروائے جاتے ہیں۔جس میں حقیقت ابراہیمی وحقیقت موسوی اور حقیقت محمدی اور حقیقت احمدی شامل ہیں۔تصوف کی کتابوں میں جہاں کہیں حقائق سبعہ کاذکر آیاہے ان سے مراد حقائق الٰہیہ ثلاثہ اور حقائق انبیاء کا مجموعہ ہیں۔ہمارے بزرگوں نے ساتوں اسباق کو پسند فرمایاہے تاکہ سالک ہر قسم کے فیض سے مستفید ہوسکے۔

طریقہ نقشبندیہ کی فضیلت اور شان

یہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ خلیفہ اول حضرت نبی کریم ﷺ سے جاری ہے جن کا ایمان تمام امت کے ایمان سے بھاری اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تمام عمر کی نیکیوں سے ان کی ایک نیکی جناب رسول اللہ ﷺ نے بہتر فرمائی۔غرضیکہ امت میں بالاتفاق بعد انبیائے کرام علیہم السلام کے آپ کا مرتبہ ہے کہ جمعہ کے روز ہر ملک میں ہر خطیب منبر پر یہ پڑھتاہے **خیر البشر بعد الانبیاء بالتحقیق حضرت ابا بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ**۔اور حدیث مبارک میں ہے:"**ما صَبَّ اللهُ في صَدْرِي شيئًا إلّا وصبَبْتُه في صَدْرِ أبي بكرٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ**"،یعنی جو کچھ (انوار وتجلیات وفیوضات وبرکات)میرے سینے (مبارکہ)میں اللہ تعالیٰ نے انڈیلے ہیں وہ میں نے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینۂ(مبارکہ) میں انڈیل دیئے ہیں (توجہ اور انعکاس سے)۔جس طرح ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے افضل ہیں ،اسی طرح ان سے منسوب سلسلہ عالیہ صدیقیہ نقشبندیہ بھی دیگر سلاسل سے اسی وجہ سے افضل ہے۔کماحققہ سیدنا الامام الربانی رضی اللہ عنہ۔حضرت مفتی اہل سنت مفتی محمد عبداللہ نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے **فتاویٰ مجددیہ نعیمیہ** کے ص۳۵۹،ج ا پر سلسلۂ کی فضیلت کے بارے میں استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:"سلسلہ قادریہ کی ابتداء سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے ہے اور سلسلہ نقشبندیہ کی ابتداء حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ہے۔سلسلہ نقشبندیہ افضل ہے اس لئے کہ اس میں اتباع شریعت کی بہت تاکید ہے اور قادریہ سلسلہ کی انتہا نقشبندیہ کی ابتداہے۔سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی افضلیت اپنے ہم عصر اولیاء کرام رحمہم اللہ پر ہے،نہ کہ کل پر"۔اسی طرح تحقیق سیدنا امام ربانی رضی اللہ عنہ نے مکتوبات شریفہ میں اور علامہ عبد النبی شامی رحمۃ اللہ علیہ نے **مجموعۃ الاسرار** میں بھی فرمایا ہے۔

التزامِ سنت و اجتنابِ بدعت:

افضلیتِ نقشبندیہ کی ایک وجہ التزامِ سنت النبوی ﷺ اور اجتنابِ بدعت ہے۔ اس سلسلہ عالیہ کے بزرگ حتی الامکان رخصت سے اجتناب کرتے ہیں اور عزیمت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ ان بزرگوں نے احوال و مواجید کو احکام شرعیہ کے تابع کیا ہے اور اذواق و معارف کو شرع شریف کا خادم تصور کیا ہے۔ اگر سنت کی تابعداری کی دولت انہیں حاصل ہو اور احوال و کشف وغیرہا کچھ حاصل نہ ہو تو خوش ہوتے ہیں۔ اور اگر باوجود احوال (باطنی کیفیات) کے متابعت (شریعت) میں قصور و کمی معلوم ہو تو انہیں احوال پسند نہیں۔ حضرت خواجہ سیدنا عبد اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تمام مواجید و احوال ہمیں دے دیں اور ہماری حقیقت کو اہل سنت والجماعت کے اعتقاد سے نہ نوازیں تو سوائے خرابی کے کچھ نہیں جانتے اور اگر اعتقاد اہل سنت والجماعت ہمیں دے دیں اور احوال و کرامات وغیرہ کچھ نہ دیں تو پھر بھی کچھ غم نہیں۔[88] اور بدعتِ حسنہ (جب وجوب کے درجہ میں نہ ہو اور شعارِ اہلسنت بھی نہ ہو) سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔ اور خصوصاً جب کہ وہ رافع سنت بھی ہو کیونکہ اس میں نور نہیں پاتے اور ۱۰۰۰ھ کے بعد بدعتِ حسنہ کی گنجائش بھی کم رہ گئی ہے کیونکہ یہ دور فتن ہے اور اہل سنت کے خلاف بعض فتنے بھی بدعت حسنہ کے نام پر اٹھیں گے تو اسلئے بھی گریز کرتے ہیں۔ ریاضت شاقہ (جس میں شہرت و آفت زیادہ ہوتی ہے) جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اختیار نہیں کئے تھے، کی بجائے التزامِ سنت (خواہ موکدہ ہو یا زائدہ) کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں۔ (کما صرح به الامام الربانی رضی اللہ تعالیٰ عنه فی المکتوبات الشریفه)۔

ابتداء کا انتہاء میں مندرج ہونا: اس سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی ابتدا میں دیگر سلاسل کی انتہاء (یعنی صورتِ انتہاء) مندرج ہے چونکہ یہ سلسلہ بعینہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرز پر ہے اور جس طرح صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ایک صحبتِ نبوی ﷺ میں جو کمالات حاصل ہوتے تھے وہ اولیاء امت کو انتہاء میں بھی شاید بہت کم میسر ہوں۔ اسی طرح اس سلسلۂ عالیہ کے حضرات ابتدا میں ہی وہ کچھ پالیتے ہیں جو دیگر سلاسل کے حضرات کو انتہا میں حاصل ہوتا ہے۔ "فهی طریق اندراج النهایة فی البدایة بطریق الانعکاس والتوجه والمحبة کما حققه الامام الربانی مراراً" بشرط یہ کہ پیر کامل مکمل حقیقی نقشبندی ہو کیونکہ موصل (پہنچانے والا) پیر ہے۔ نہ کہ صرف سلسلہ تو امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان کردہ اصول پر عمل پیرا ہونا لازمی ہے۔ جاننا چاہیئے کہ وہ طریقہ جو **اقرب** (بہت قریب)، **اسبق** (جلد پہنچنے والا)، **اوفق** (کتاب و سنت کے زیادہ موافق)، **اوثق** (ثقہ زیادہ معتبر)، **اسلم** (تسلیم شدہ)، **احکم** (سب سے مضبوط)، **اصدق** (سب سے زیادہ سچا)، **اول** (زیادہ رہنمائی والا)، **اعلیٰ** (سب سے زیادہ بلندی والا)، **اجل** (زیادہ بزرگی والا)، **ارفع** (زیادہ اونچا)، **اکمل** (زیادہ کامل و مکمل) ہے، وہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ ہے، یہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ ہیں۔[89]

---

[88] (مکتوبات شریف ج ۱)

[89] مکتوبات مجددیہ دفتر اول مکتوب نمبر ۲۹۰۔

ان کو پڑھ کر بندہ حیران ہو جاتا ہے اس طریقے کے یہ تمام بزرگان اور اس سلسلے کے بزرگوں کی علوشان سنت نبوی ﷺ کی متابعت کو لازم جاننے اور بدعتوں سے پرہیز کرنے کی وجہ سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح ان کے کام کی ابتداء ہی میں انتہاء مندرج ہو گئی ہے۔ دفتر اول ہی کے مکتوب نمبر ۱۶۴ میں فرمایا۔ اس سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگوں کی تحریروں میں موجود ہے۔ ان نسبتنا فوق جمیع النسب۔ ہماری نسبت تمام تر نسبتوں سے بالاتر ہے نسبت سے ان حضرات کی مراد حضور آگاہی ہے اور وہ حضور جو ان حضرات کے نزدیک معتبر ہے وہ حضور بھی غیبت ہے جس کو ان حضرات نے یادداشت کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ مشائخ نے اس تجلیٰ کو (جو چھپ جائے) تجلائے برقی کہا ہے یعنی ایک لمحے کیلئے شیون اور اعتبار کا اٹھ جانا ثابت ہو جاتا ہے۔ پھر ذات حق شیون و اعتبارات کے پردے میں پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔ پس ان بزرگوں کی نسبت تجلائے ذاتی دائمی ہے اور اس کی وجہ سے یہ نسبتیں فضیلت رکھتی ہیں۔ یہ سلسلہ عالیہ صدیقیہ نقشبندیہ تمام سلاسل کی نسبت اقرب یعنی وصول الی اللہ میں سب سے زیادہ قریب ہے کیونکہ نقشبندی اکابر کی ایک توجہ سو چلوں کا کام دیتی ہے اور سالک بہت جلد واصل الی اللہ ہو جاتا ہے۔ اور عمل کرنے اور اس کی شرائط پوری کرنے میں سب سے زیادہ آسان بھی ہے۔ کیونکہ اس کی بنیادی شرائط دو ہی ہیں:

(۱) صحبتِ شیخ مع الآداب اور (۲) التزامِ سنت نبوی ﷺ۔

حضرت خواجہ خواجگان سیدنا محمد بہاء الدین شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "ہمارا طریقہ سب طریقوں سے اقرب ہے" کیونکہ اس میں جذب، سلوک پر مقدم ہے اور جذب میں اجتباء (چن لینا اور منتخب کر لینا) ہے۔ کما قال اللہ سبحانہ "اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ" (الشوریٰ ۱۳) (اور اللہ اپنے قریب کے لئے چُن لیتا ہے جسے چاہے اور اپنی طرف راہ دیتا ہے اسے جو رجوع لائے) اور اجتباء معبود و مقصود حقیقی کا فضل ہے۔ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (الحدید ۲۱) یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اس سلسلۂ عالیہ کی ابتداء ذکر قلبی سے ہوتی ہے بلکہ اس میں ذکر قلبی (خفی) ہی ہوتا ہے۔ اور ذکر قلبی (خفی) ذکر لسانی سے ستّر (۷۰) درجہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ کما فی الحدیث: الذکر الخفی الذی لا یسمعہ الحفظۃ سبعون ضعفا (رواہ الامام السیوطی رحمۃ اللہ علیہ فی الحاوی للفتاویٰ)۔ یعنی ذکر خفی جسے حفظ فرشتے بھی نہیں سن سکتے وہ ستّر (۷۰) درجہ فضیلت رکھتا ہے۔ ذکر قلبی (خفی) سے ضذبِ الٰہی پیدا ہوتا ہے، جس سے عروج و ترقی جلدی سے ہو جاتی ہے۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار انند ۔۔۔ کہ برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ راہ

اور ذکر قلبی ریاء سے بھی دور ہے اور حضور دائم بھی ذکر قلبی میں متصور ہے کیونکہ اس میں فتور و انقطاع نہیں ہوتا کما حققہ العلامۃ المظہری رحمہ اللہ تعالیٰ فی تفسیرہ اور اس سلسلہ میں لسانی ذکر داخل کرنا بدعت فی الطریقت ہے۔ (کما فی المظہری والمکتوبات الشریفۃ) مگر یہ کہ کوئی ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ دیگر سلاسل کی مناسبت سے خفیہ یا جہراً کریں تو ٹھیک ہے جب دیگر سلاسل کا بھی جامع ہو۔ جب ذکر قلبی (خفی) کمال تک پہنچ جاتا ہے، تو وہ ذاکر اس آیت کریمہ کا مصداق بن جاتا ہے کہ: رِجالٌ لا تُلْهِيهِمْ تِجارَةٌ وَلا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ (النور ۳۷) (وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے)۔۔۔ الخ

الآیۃ کما حققه العلامۃ الامام محمود الآلوسی البغدادی رحمۃ اللہ علیه فی تفسیرہ روح المعانی ذیل ھذہ الآیۃ الکریمۃ فلیراجع۔

اس سلسلہ عالیہ کے بزرگوں کو (فناء وبقاء کے بعد) تجلی ذاتی دائمی نصیب ہوتی ہے جبکہ دیگر بزرگوں کی تجلی ذاتی برقی ہوتی ہے یعنی بجلی کی طرح نمودار ہو کر پھر غائب ہو جاتی ہے اور عارضی شے پر دائمی شے کو فضیلت و فوقیت حاصل ہوتی ہے۔"قیاس کن زگلستان من بہار مرا"یعنی "میرے گلستان سے میرا ابہار کا اندازہ کرلو"۔اور دیگر سلاسل کے بعض اکابر کو جو تجلی ذاتی دائمی حاصل ہوئی ہے وہ بھی نسبتِ صدیقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بطور اقتباس ہے جس طرح حضرت ابو سعید خزار رحمہ اللہ تعالیٰ کو جبہ مبارکہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصول کی وجہ سے تجلی ذاتی دائمی نصیب ہوئی تھی اور دائمی حضور اور یاداشت کے مقام سے سرفراز ہوئے تھے۔[90]

ایک وجہ فضیلتِ نقشبندیہ یہ ہے کہ یہ نسبت بعینہ صحابہ کرامؓ کے طریقہ پر صحبت، محبت، آداب، انقیاد، اور اتباع سنت پر مبنی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ اپنے والد بزرگوار خواجہ شیخ عبد الاحد رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان نقل فرماتے ہیں کہ تمام سلاسل (قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ) کا خلاصہ سلسلہ نقشبندیہ ہے، اور ہم بھی اب خود اسی نسبت پر قائم ہیں۔"[91]

اور مقدمہ مکتوبات شریفہ اردو از قاضی عالم الدین نقشبندی رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے کہ سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نقشبندی مجددی نسبت میں حضور اکرم ﷺ کے ایک روحانی فیصلہ سے چاروں سلاسل کا فیض مندرج ہو چکا ہے پس جو اس نسبت سے بہرہ ور ہوتا ہے اور اس کو چلاتا ہے اس کو چاروں سلاسل کا فیض اور چاروں سلاسل کے اکابر کی روحانی خوشحالی مل جاتی ہے۔ مزید یہ کہ اس سلسلۂ عالیہ کی ایک توجہ سو چلوں کا کام دیتی ہے (قالہ الامام الربانیؓ) یعنی جو ترقی عروج دیگر حضرات سو چلوں میں شاید حاصل کر سکیں، وہ ترقی و عروج حقیقی نقشبندی حضرات شیخ کامل مکمل کی ایک توجہ شریف سے حاصل کر لیتے ہیں۔ جس طرح حنفی مذہب دیگر مذاہب سے افضل اور زیادہ اوفق بالکتاب والسنۃ اور ادق و اکمل ہے اسی طرح نقشبندی نسبت باقی نسبتوں سے کئی وجوہات کے اعتبار سے اعلیٰ، افضل، ادق، اقرب، ایسر، اکمل، اول، اسبق، اجل، اقدم، اور اشرف ہے۔[92]

اور اس زمانہ میں حضرت خواجۂ خواجگان، قطب ارشاد، قیوم زماں، مجدد عصر رواں، جامع طرق اربعہ مجمع البحرین علامہ وخواجہ سیف الرحمن نور اللہ مرقدہ، جو متابعت نبوی علی التحیۃ والصلوۃ والثناء کے درجاتِ سبعہ سے متصف ہیں اور کامل و حقیقی وارث النبی ﷺ ہیں) نے اپنی اجتہادی اور تجدیدی کاوشوں سے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کو صحیح طرز پر قائم و دائم فرمایا ہے اور فیضِ نقشبندی و مجددی کو اپنی آب و تاب کے ساتھ با کمال طریقۂ سے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں پھیلا دیا ہے۔ اس لئے اس زمانے میں یہ سلسلہ صدیقیہ نقشبندیہ مجددیہ سیفیہ سے مشہور ہو گیا ہے۔

اور نام سلسلہ نقشبندیہ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے جاری ہوا کیونکہ آپ امام طریقہ ہیں۔ اس جگہ صرف طریقہ نقشبندیہ کے اصول اور خوبیاں اور آسانیاں بیان کی جاتی ہیں۔ طریقہ عالیہ سلسلہ قادریہ کے امام قطب ربانی محبوب سبحانی شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور طریقہ چشتیہ کے امام خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی

---

[90] (مکتوبات شریف، جلد ۱)

[91] (زبدۃ المقامات)۔

[92] (کما حققه الامام الربانی رضی اللہ تعالیٰ عنه فی مکتوباته)

رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور طریقہ سہروردیہ کے امام شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جب خواجہ بہاؤالدین محمد نقشبند رحمۃ اللہ علیہ علم طریقت میں مرتبہ اجتہاد کو پہنچے اور زمانہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا آیا اور آپ کے مرشد حضرت سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اجازت طریقہ عنایت فرمائی آپ کو اللہ تعالیٰ نے روزِ اول سے امت کے لئے آسانی کرنے والا پیدا فرمایا تھا۔ جب آپ نے طریق صوفیہ میں طلبہ حق کو دیکھا اور سنا کہ کسی نے سالہا سال سے سونا ترک کر دیا ہے اور کسی نے شب کو جاگنا اور دن کو روزہ رکھنا اختیار کیا ہے اور کسی نے دو ختم کلام اللہ روز پڑھنا مقرر کیا ہے اور کسی نے پانچ صد رکعتیں روز پڑھنا اپنا معمول کر لیا ہے۔ کسی نے ایک کمبل میں تیس تیس چالیس چالیس برس گزارے ہیں، کسی نے اسی برس تک آسمان کی طرف نہیں دیکھا، کسی نے پیر پھیلانا موقوف کر دیا کوئی بوجہ ضعف پیری یا بیماری کی وجہ سے اذکار طریقہ مبارک حضرات صوفیہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ادا کرنے میں مجبور و معذور ہے اور وقت اس کا غفلت میں گزرتا ہے اور ارشاد حق جل وعلا فَاذْکُرُوْا اللہَ قِیَاماً وَّ قُعُوْداً وَّ عَلٰی جُنُوْبِکُمْ (النساء ۱۰۳) (تو اللہ کی یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے) کی تعمیل میں قاصر رہے اور وقت بے کار جاتا ہے۔ تو کل امر مرھون باوقاتھا نے ظہور پکڑا۔ نوشتہ روز اول نے سینہ مبارک حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ میں جوش پیدا کیا اور آپ سر بسجود ہو کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کرنے لگے الٰہی امت کے قویٰ ضعیف ہو گئے اب ان میں قوت وہمت سختی کھینچنے کی نہ رہی، زمانہ خیر و برکت نبوت کا ان سے دور ہوتا جاتا ہے۔ اپنے فضل سے مجھ کو ایسا طریق عنایت فرما جو کہ آسان ہو، اور تجھ تک جلد پہنچنے والا ہو۔ پندرہ روز تک آپ سجدہ میں گریہ وزاری کرتے رہے، صرف نماز با جماعت اور حوائج ضروری کو حجرہ سے باہر تشریف لاتے۔ پندرھویں روز دریائے رحمت الٰہی موجزن ہو کر الہام ہوا کہ "اے محمد بہاؤالدین! ہم تجھ کو وہ طریق عنایت فرماتے ہیں کہ جو ہمارے حبیب ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تھا، یعنی وقوف قلبی اور اتباع سنتِ نبوی ﷺ آپ نے اللہ عزوجل کا شکر ادا کیا اور سر سجدہ سے اٹھایا اور اس طریق جدید کو رواج دیا۔ بفضلہٖ تعالیٰ اس طریق نے ایسی ترقی کی کہ اب کروڑوں آدمی اس سلسلہ مبارک میں ہیں اور بوجہ قبولیت مثل آفتاب کی روشنی کے تمام روئے زمین پر پھیل گیا، ملک روم شام کردستان عرب بخارا ترکستان کابل چین ہندوستان سب جگہ خلفاء وطلبہ نقشبندیہ بکثرت ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور زیادہ کرے آپ سے لوگ دریافت کرتے کہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس سلسلہ جدید کا کیا فائدہ ہے؟ تو حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ طرق سب مبارک اور نور علی نور ہیں اور سب اللہ تعالیٰ تک پہنچتے ہیں لیکن جو طریق خدائے پاک نے مجھ کو عنایت فرمایا ہے اس میں آسانی بہت ہے اور اس سے بہت جلد اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔ ذکر قلبی میں جذب ربانی ہے اور ذکر زبانی میں سلوک، اسی واسطے حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مامرادانیم، ما فضلیانیم یعنی ہم مطلوبوں میں سے ہیں ہم فضل والوں میں سے ہیں۔

آگاھی: طلبہ حق میں ایک مراد ہوتے ہیں ایک مرید۔ مراد وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ خود اپنی طرف کھینچے اور مرید وہ لوگ ہیں جو خود سعی کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف چلیں، غرضیکہ جس قدر عبادات زبانی وجسمانی اور مالی ہیں یہ سب سلوک میں داخل ہیں اور ذکر قلبی اور فکر قلبی میں جذب ربانی ہے۔ جذب اور سلوک میں بہت بڑا فرق ہے، ایک کو خود اللہ تعالیٰ اپنی طرف کھینچے اور ایک اپنی کوشش سے اللہ تعالیٰ کی طرف جائے۔ مثال اس کی ایسی ہے کہ ایک شخص پیدل سفر کرے اور ایک شخص کو ریل یا جہاز یا موٹر یا کوئی سواری خود لے جائے۔ جس طرح اس میں آسانی اور جلدی ہے اسی طرح ذکر قلبی میں آسانی ہے۔ علاوہ اس کے حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ

جسم کے اندر گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ صالح ہو جائے تو تمام جسم صالح ہے اور اگر وہ فاسد ہے تو تمام جسم فاسد ہے، وہ کیا ہے؟ دل ہے۔ جب دل میں ذکر و فکر خدا ہو گا اور اس کی اصلاح ہو گی تو تمام جسم آپ ہی درست ہو جائے گا۔ ذکر قلبی ریا وغیرہ خرابی سے پاک رہتا ہے نہ کوئی واقف ہوتا ہے اور نہ کوئی تعریف کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جانے اور بندہ جانے، اور رہبر اِن طریقہ نقشبندیہ اپنے طلبہ کو کعبہ مقصود کی طرف نہایت پوشیدہ طور پر لے جاتے ہیں اسی واسطے مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

نقشبندیہ عجب قافلہ سالارانند　　　　که برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را

حضرات نقشبندیہ عجب قافلہ کے سردار ہیں کہ پوشیدہ طور پر اپنے طلبہ کو حرم میں لیجاتے ہیں

از دل سالک رہ جاذبہ صحبت شاں　　　　می برد وسوسہ خلوت وفکر چلہ را

سالک کے دل سے ان کی صحبت کی کشش خلوت کے خیال اور چلہ کی فکر کو مٹا دیتی ہے

اور ایک دوسری جگہ یہ فرماتے ہیں:

تو نقش بنداں راچہ دانی　　　　تو شکل پیکر جاں راچہ دانی

تو نقش بند کو کیا جانے تو جان کے جسم کی شکل کو کیا جانے

گیاہ سبز داند قدرِ باراں　　　　تو خشکی قدرِ باراں راچہ دانی

سبز گھاس بارش کی قدر جانتی ہے تو خشک ہے بارش کی قدر کیا جانے

ہنوز از کفر و ایمانت خبر نیست　　　　حقائقہائے ایمان راچہ دانی

ابھی تجھے کفر و ایمان کی ہی خبر نہیں ہے تو کمالات ایمان کو کیا جانے

ذکر زبانی میں اکثر ریا پیدا ہو جاتی ہے کہ لوگ اس کو اچھا کہنے لگتے ہیں۔ اگر فضل خدا نہ ہو تو تمام کیا کرایا غارت ہو جاتا ہے اور ریا سے فعل کا پاک رہنا صدیقوں کا کام ہے علاوہ اس کے فضیلت ذکر خفی کی قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعاً وَّ خُفْیَةً (الاعراف ۵۵) (اپنے رب کو آہستہ دلوں میں پکارو) ارشاد رب العباد ہے اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ ذکر خفی (یعنی ذکر قلبی) زبانی ذکر سے ستر حصہ افضل ہے سخت بیماری کے وقت یا اخیر عمر ضعیفی میں طالب ضربیں ذکر کی نہیں لگا سکتا اور وقت مرنے کے اکثر زبان بند ہو جاتی ہے اور اکثر مرنے کے وقت آدمی ناپاک رہتا ہے، ایسی حالت میں ذکر زبانی کیسے ہو سکتا ہے اور بحالت سونے کھانے پینے بات کرنے ان سب حالتوں میں ذکر زبانی کرنے سے مجبور ہے اور تعمیل حکم فَاذْکُرُوْا اللہَ قِیَاماً وَّ قُعُوْداً وَّ عَلٰی جُنُوْبِکُمْ (النساء۱۰۳) اور ارشاد وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاتِیَکَ الْیَقِیْن (الحجر ۹۹) (اپنے رب کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھے یقین یعنی موت آجائے) پر کیسے عامل ہو سکتا ہے؟ مگر ہاں ذکر قلبی ہر حالت میں جاری رہ سکتا ہے۔ حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذکر قلبی سلامتی ایمان کا اچھا ذریعہ ہے اور نماز با اطمینان ہوتی ہے اور جو شخص ذکر لسانی (زبانی) کو ذکر خفی پر ترجیح دے وہ منکر قرآن و حدیث ہے، وقت جانکنی میں سخت پریشانی بیماری کی شدت دنیا کے چھوٹنے کا غم، عزیز و اقارب سے فراق، قبر کی اندھیری اور تنگی اور بے بسی اور تنہائی کی فکر ایسی حالت میں کوئی چیز یاد نہیں رہتی، مگر وہ یاد رہتا ہے جس کو وہ بہت دوست رکھتا ہے یا ہر وقت اس کا خیال دل میں رہتا ہے:

راست فرمود آں سپہ دار بشر　　　　کہ ہر آں کہ کرداز دنیا گزر

سچ فرمایا سردار بشر علیہ السلام نے کہ جو دنیا سے جاتا ہے

نیستش درد و دریغ عین موت　　　　بلکہ ہستش صد دریغ از بہر فوت

اس کو صرف تکلیف اور موت ہی کا افسوس نہیں ہوتا بلکہ اس کو اپنے دنیا سے خالی ہاتھ جانے کا بہت افسوس ہوتا ہے۔

دل مثال کیمرہ اور گراموفون کے ہوتا ہے جو کچھ دمِ آخر میں اس میں عکس پڑ جاتا ہے، وہی بولتا اور پیش کرتا ہے یعنی قبر و حشر میں بولے گا اور پیش کرے گا بموجب حدیث شریف کماتعیشون تموتون و کماتموتون تبعثون[93] (تم جس طرح زندگی گزارو گے اسی طرح مرو گے اور جس حالت میں مرو گے اسی حالت میں قبر سے حشر کے دن اٹھو گے) اور اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن پاک میں فرمایا ہے۔ اَلْيَوْمَ لَا تَنفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (الشعراء ۸۹) (جس دن نہ مال کام آئے گا نہ بیٹے مگر وہ جو اللہ کے حضور حاضر ہوا سلامت دل لے کر) اور دیگر طرق مبارکہ میں ذکر قلبی آخر میں بتلاتے ہیں، اور طریق نقشبندیہ میں اول اور طرق مبارک میں اخذ فیض اور ذکر اکثر اسماء و صفات الٰہی سے طالب کو مستفیض کر کے ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف مخاطب کرتے ہیں لیکن طریق نقشبندیہ میں اکثر ذکر اسم ذات اور ہمت طالب کی ذات بحت کی طرف مخاطب کرتے ہیں، اسی واسطے امام طریقہ حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اول ما آخر ہر منتہی　　　　آخر ما جیب تمنا تہی

ہماری ابتدا اوروں کی انتہا ہے اور ہماری انتہا دامنِ آرزو خالی کر دیتی ہے

اور اس طریقہ نقشبندیہ میں پیروی سنت زیادہ ہے اور ترقی کا انحصار زیادہ تر اتباع سنت پر رکھا ہے، بموجب ارشاد باری تعالیٰ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران ۳۱) (اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا) جو طریق سنت کی پیروی نہ کرے گا ترقی سے محروم رہے گا، لہٰذا حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: در طریقہ ما محرومی نیست ہر کہ از طریقہ مارو گرداند خطرہ دین دارد چرا کہ ایں طریقہ بعینہ طریقہ صحابہ کبار ست (ہمارے طریقہ میں کسی کو محرومی نہیں ہے، جو کوئی ہمارے طریقہ سے منہ پھیر لے اس کے دین میں خطرہ ہے کیونکہ یہ طریقہ بالکل صحابہ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعینکے مطابق ہے)۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر کسی طالب کو ہمارے یہاں سے علم باطن سے حصہ نہ ملے تو وہ بد دل نہ ہو کیونکہ مقصد بخشش ہے اور بخشش کا حصر اتباع سنت پر ہے اور اتباع سنت ہمارے یہاں لازمی ہے اور یہی حضرت جگہ جگہ اپنے خلفاء کو تحریر فرماتے ہیں کہ جو طالب حق جس طریقہ مبارکہ میں بیعت ہونا چاہے بعد ایصال ثواب فاتحہ انہی بزرگوں کے توسل سے تم اپنے اور طالب کے واسطے فتوحات جناب باری عزاسمہ سے چاہو اور اسی سلسلہ میں بیعت کرو، مگر ذکر طریقہ نقشبندیہ تعلیم کرو، کیونکہ یہ آسان ہے اور اس سے طالب اللہ تعالیٰ تک جلد پہنچتا ہے۔

---

[93] تفسیر روح البیان تحت الآیۃ الاعراف ۵-۶۔

تنبیہ:

بیان مذکور الصدر سے کوئی صاحب یہ نہ سمجھ لیں کہ ذکر جہر کی نفی کی ہے۔ یہ بات ہر گز نہیں ہے بلکہ افضلیت اور اولیت ذکر خفی کی بیان کی ہے بمقابلہ ذکر زبانی کے، جیسے مذہب حنفیہ میں اثنائے نماز میں آمین بالخفی افضل ہے آمین بالجہر سے یا جیسے ولایت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی افضل ہے ولایت اولیاء سے۔

آگاھی:

کوئی صاحب یہ بھی خیال نہ کریں کہ امام الطریقہ خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کو اور مجتہدین سلسلہ پر ترجیح دی ہے۔ یہ بھی ہر گز نہیں ہے۔ سب امام طریقہ ابر رحمت ہیں ان کی بڑائی اور کمی کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے، ہمارے معیار علم سے ان کا قرب ان کا مرتبہ بہت دور اور بالاتر ہے۔ ہمارے سب پیشوا ہیں اور ہر گل را رنگ و بوئے دیگر ست کا مضمون ہیں، چونکہ قرآن و حدیث سے ان بزرگوں میں سے کسی کی زیادتی مرتبہ اور قرب وغیرہ کا کوئی پتہ نہیں چلتا، لہٰذا سپرد بعلم حق اور سکوت کرنا انصاف اور عین ادب ہے اور سوائے اس کے افراط و تفریط ہے جس جس مجتہد کو جو جو طریقہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہوا اس پر خلق کو چلایا جب لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَھَا (المؤمنون ۶۲) (اور ہم کسی جان پر بوجھ نہیں رکھتے مگر اس کی طاقت بھر) کا وقت آیا تو طریقہ زیادہ آسان اور جلد پہنچنے والا اللہ کی طرف سے حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کو عنایت فرمایا۔ طریقہ نقشبندیہ کی اصل اصول چار چیزیں ہیں۔ (۱) دوام حضور، (۲) بے خطرگی، (۳) جذبات، (۴) واردات۔

طریقہ نقشبندیہ مجددیہ

طریقہ نقشبندیہ میں بہت بڑے رکن حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ لفظ نقشبندیہ کے ساتھ مجددیہ کا لفظ آپ ہی کی ذات شریف کی وجہ سے بولا جاتا ہے، ان حضرت کے حالات عجیب و غریب ہیں، مقامات عالیہ قرب حق کے جو آپ نے فرمائے ہیں، ان کی فہمید اور ادراک میں بڑے بڑے عرفاء حیران ہیں، آپ کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ اس کتاب میں مختصراً لکھوں گا، اس جگہ لفظ مجدد کی وجہ اور ضروری باتیں جو آپ کی معرفت سے طلبہ واقف ہوئے ہیں لکھتا ہوں۔ آپ نے علم سلوک میں خوب تشریح کی ہے اور راہ طریقت کو مثل آئینہ کر کے دکھایا ہے اور رہروانِ حق کو اپنی مشعل علم اور معرفت سے صاف اور سیدھا راستہ بتایا ہے اور اغلاط اور مشتبہات راستوں سے بچایا ہے، آپ کے زمانہ سے پیشتر جو اولیاء اللہ گزرے ہیں، ان سے وہ کلمات اور مقامات ثابت نہیں، جو آپ نے جدید فرمائے ہیں اسی واسطے آپ کو مجدد کہتے ہیں، صوفیائے سابقین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے صرف لطائف قلب و روح کی خبر دی اور بعض نے لطیفہ سر کی بھی، لیکن آپ نے قلب روح، سر، خفی، اخفٰی، یہ پانچ لطیفے سینہ انسان میں قرار دیئے اور جگہ اور رنگِ انوار ان کے مقرر کئے، اس کی تشریح کے واسطے ایک مکتوب خواجہ عبد الاحد رحمہ اللہ تعالیٰ کا کافی ہے، جو حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے پوتے ہیں اور یہ مکتوب شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں درج فرمایا ہے، وہ مکتوب یہ ہے:

الحمدللہ علی کل حال ہمشیرہ عزیزہ خدا پرست نے لطائف انسانی پوچھے تھے، سو معلوم کریں، پانچ لطائف انسانی کہ قلب، روح، سر، خفی، اخفی ہیں یہ عالم امر سے ہیں ان کا مکان فوق العرش ہے جسے لا مکان کہتے ہیں اور عالم ارواح بھی اسے کہتے ہیں۔ حق جل و علا نے کمالِ قدرت سے اپنے ان لطائف کو بدن انسان سے تعشق اور تعلق دے کر وہاں سے نیچے اتار کر ہر ایک کو ایک خاص جگہ میں انسان کے بدن میں جو اس کے مناسب تھی جگہ دی ہے، قلب کو سینہ کے بائیں طرف پستان میں جادی ہے، روح کو جو قلب سے زیادہ لطیف ہے اس کے مقابل دائیں جانب، اخفی کہ لطیف اور احسن لطائف ہے، درمیان حقیقی سینہ کے، سِر کو درمیان قلب اور اخفی کے، خفی کو درمیان روح اور اخفیٰ کے اور ولایت اس میں سے ہر ایک لطیفہ کی زیر قدم ایک اولوالعزم پیغمبر کے ہے، چنانچہ قلب کی ولایت حضرت آدم علیہ السلام کے زیر قدم ہے اور روح کی ولایت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیر قدم ہے اور سر کی ولایت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے اور خفی کی ولایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے اور اخفیٰ کی ولایت حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے زیر قدم ہے۔ جاننا چاہئے کہ اولیاء کے قدموں کا تفاوت انہی لطیفوں کی راہ سے ہے تو جو زیر قدم حضرت آدم علیہ السلام کے ہے اس کی ولایت قلب ہے تو وہ صاحب استعداد ولایت کے ایک درجہ کے ہے، پانچ درجوں میں سے اور جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیر قدم ہے اس کی ولایت ولایت روحی ہے اور اس کو دو درجوں کی ولایت کی استعداد ہے، پانچ درجوں میں سے اور جو زیر قدم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہے، اس کی ولایت ولایتِ سر ہے اور وہ ولایت کے تین درجوں کی استعداد رکھتا ہے درجات خمسہ سے اور جو زیر قدم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہے، اس کی ولایت ولایتِ خفی ہے اور وہ چار درجے ولایت کی استعداد رکھتا ہے پانچ میں سے، اور جو سرور عالم ﷺ کے زیر قدم ہے اس کی ولایت ولایتِ اخفیٰ ہے۔ اعظم و اعلیٰ اور احسن ہے سب درجوں کی اور اس ولایت کے صاحب کو قابلیت پانچوں درجوں کی ولایت کی ہے اور جاننا چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام کے قدموں کا تفاوت ان کے آپس میں اس راہ سے نہیں ہے، بلکہ نبوت کی راہ سے ہے پس جو ان بزرگواروں میں سے اس راہ میں پیش قدم ہو گا وہی دوسروں سے افضل ہو گا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسی علیہ السلام سے مقام نبوت میں پیش قدم ہیں اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں، اگرچہ مقام ولایت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے غالب ہیں جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔ دوسرا یہ امر جاننا چاہیئے کہ اگر مرشد و مربی طالب کا صادق المشرب ہو گا تو اس سے ہو سکتا ہے کہ جس راستہ آپ نے منازل قطع کی ہیں اسی راہ طالب کو بھی چلائیں اور ولایت محمدی کے کمالات کو پہنچائے اور وہ مرید اگرچہ خود اپنی استعداد کمتر رکھتا ہو، یہاں سخن بہت طول عرض رکھتا ہے کہ حد سے زیادہ ہے معذور رکھیں اور پھر کسی وقت پر موقوف فرمائیں اور انوار و لطائف کے رنگ پوچھے تھے سو معلوم کریں کہ ہر شخص نے اپنے کشف اور نظر کے موافق کچھ کہا اور لکھا ہے اور اس کے اوپر بنائے تعبیر و قائع اور تفسیر معاملات کی رکھی ہے مگر میں نے اب جو حضرت عالی درجہ سے سمجھا ہے لکھتا ہوں۔ جاننا چاہیئے کہ قلب کا نور زرد ہے اور روح کا نور سرخ ہے اور سر کا نور سفید ہے اور خفی کا نور سیاہ ہے اور اخفی کا نور سبز ہے اور حقیقت و ماہیت نفس کی جو دریافت کی تھی آپ کو معلوم ہو کہ نفس خبیثہ ہے، عالم خلق سے ہے اور اس کا محل دماغ ہے بالذات شرارت و خباثت سے متصف ہے اور پانے تیئں لطائف کی طرح لطیفہ نفسیہ ظاہر کیا ہے اور ریاست و دانائی کا دعویٰ کر کے تمام اجزاء و لطائف پر تصرفات فاسد کر کے شیطان علیہ اللعن کے بہکانے سے تمام لطائف و اجزاء کو اپنے لطائف ذمیمہ سے متصف کر دیا ہے اور درگاہ پاک خداوندی کی طرف متوجہ ہونے سے محروم رکھ کر نقصان ابدی کو پہنچایا ہے، عنایت ازلی نے جس کی دستگیری و

رہنمائی کی اس نے اس کی شرارت وخباثت پر اطلاع پائی اور اسکے فریبوں اور مفسدوں سے منہ پھیر کر متوجہ اس درگاہ پاک کا ہوا اور سعادت ابدی کو پہنچا اور جب نفس پاک ومطہر ہو جاتا ہے اور اپنے سب وصف رزائل بالکل چھوڑ دیتا ہے البتہ اللہ سبحانہ کے کرم سے بڑے مرتبہ سے ولایت کے اور قرب اور مشاہدہ اور مقام رضا سے مشرف ہوتا ہے اور سب لطائف انسانی سے بالا دست ہو جاتا ہے اور اس کی سیر سب سے بلند ہوتی ہے، اس کو حصول کمال کے بعد تخت صدر پر بٹھاتے ہیں اور ریاست وکیاست سب لطائف کی اس کو ملتی ہے، عجب بھید ہے کہ جو خبیث سب سے زیادہ ہے بعد پاک اور منور ہونے کے اشرف سب سے ہو جاتا ہے۔ فَاُولٰٓئِکَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ۔ (الفرقان ۷۰) (تو ایسوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا) فرمایا ہے رسول اللہ ﷺ نے عن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ خيارُكم في الجاهليةِ، خيارُكم في الإسلامِ إذا فقُهوا۔[94] والسلام من اتبع الھدی۔

اطلاع: پانچ لطائف عالم امر کے ہیں۔ قلب، روح، سر، خفی، اخفیٰ۔ عالم امر اس کو کہتے ہیں کہ لفظ کن کے فرماتے ہی اپنی جگہ پر قائم ہو گئے اور پانچ ہی لطیفے آپ نے عالم خلق کے فرمائے ہیں۔ آب، خاک، ہوا، آتش، ان سب کا لب لباب لطیفہ نفس ہے، لطیفہ نفس کا مقام پیشانی قرار دی ہے اور نور اس کا سفید قدرے نیلگوں فرمایا ہے اور لطائف عالم خلق اس کو کہتے ہیں جو بتدریج پیدا ہوئے ہیں۔ چنانچہ طلبہ حق نے جیسا حضرت شیخ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ویسا ہی دیکھا ہے اور سلوک میں پیش آیا ہے۔ سرمو فرق نہ پایا۔ علاوہ اس کے مقاماتِ ولایت میں اکثر صوفیاء سے مقام نہایت جس کو اصطلاح صوفیہ میں وحدت الوجود کہتے ہیں ثابت ہوا ہے۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام کے حال کی تصدیق فرما کر علاوہ اس کے بہت سے مقامات ترقی فرمائے ہیں کہ صوفیہ سابقین سے کہیں ثابت نہیں۔ یہ خاص معرفت حضرت کی ہے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مقام سے دوسرے مقام میں اس قدر فرق ہے جیسے دریا اور قطرہ میں، قطرہ اور دریا کا مضمون یوں سمجھ میں آجائے گا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آدھ سیر جو بہتر ہیں ہر ایک امتی کے خواہ ولی ہو یا عامی پہاڑ احد کے برابر چاندی سونا راہِ خدا میں خرچ کرنے سے، اسی طرح تمام ولیوں کی ولایت کی قوت ایک صحابی کی ولایت کے برابر نہیں ہو سکتی اور جس طرح تمام امت کے ایمان سے ایک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ایمان بھاری ہے یہی ثبوت فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ ارشاد رب العباد ہے اور بفضل خدا ہزاروں علماء وصلحاء اور لاکھوں طلبہ نے ان مقامات کو طے کیا ہے اور سرمو فرق ارشاد حضرت شیخ رضی اللہ عنہ میں نہ پایا۔ چنانچہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب طریق حضرت شیخ رضی اللہ عنہ میں کچھ شبہ نہیں۔ کیونکہ ہزاروں صلحاء ان مقامات پر پہنچے اور تصدیق کی۔

کلمات نقشبندیہ

حضرات نقشبندیہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے اپنے طریق کی بناء گیارہ کلمات پر رکھی ہے کہ وہ اصطلاحی ہیں اور اشغال واعمال کی طرف اشارہ ہیں وہ یہ ہیں: (۱) ہوش در دم، (۲) نظر بر قدم (۳) سفر در وطن (۴) خلوت در انجمن (۵) یاد کرد (۶) بازگشت (۷) نگہداشت (۸) یاد داشت۔ یہ آٹھ کلمات خواجہ عبد الخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ سے اور ان کے بعد تین اصطلاحیں خواجہ بہاؤالدین محمد نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہیں: (۱) وقوف زمانی (۲) وقوف قلبی (۳) وقوف عددی۔ اب میں ان کلمات کی اپنی

---

[94] شعيب الأرنؤوط (ت ١٤٣٨)، تخريج المسند ١٠٢٩٦ • إسناده صحيح على شرط مسلم • أخرجه البخاري (٣٤٩٦)، ومسلم (٢٥٢٦)، والنسائي في «السنن الكبرى» (١١٢٤٩)، وأحمد (١٠٢٩٦)

حیثیت کے موافق شرح کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ مجھ کو اور سب مسلمانوں کو ان پر عمل کی توفیق عنایت فرمائے کیونکہ مقصود علم سے عمل ہے۔

(۱) ہوش در دم سے مراد ہے کہ ہمیشہ ہوشیار رہے اور تلاش میں رہے کہ کوئی سانس غفلت یا معصیت میں تو نہ گزرا، اگر معلوم ہو جائے تو استغفار کرے اور مبتدی کے واسطے بہت ضروری ہے کہ کوئی سانس اس کا غفلت میں نہ گزرے، یہاں تک سنبھال رکھے کہ حضور دائمی کو پہنچ جائے اور وقوف زمانی بھی یہی معنی رکھتا ہے۔ اتنا فرق ہے کہ ہوش در دم مبتدی کے واسطے ہر وقت ہر لحظہ ہر لمحہ کی سنبھال ہے اور وقوف زمانی توسط کے واسطے مناسب ہے کہ کچھ کچھ دیر بعد سنبھال کرے اور وقوف زمانی کو صوفیہ محاسبہ بھی کہتے ہیں اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ ہوشیار وہ شخص ہے جس نے اپنے نفس کو ڈرایا اور مابعد موت کے واسطے عمل کیا۔ اور امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں فرمایا کہ اپنی حالتوں کا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تم سے حساب لیا جائے اور ان کا وزن کرو قبل اس کے کہ وزن کئے جائیں اور مستعد ہو جاؤ عرض اکبر کے واسطے یعنی اللہ تعالیٰ کا سامنا جو قیامت میں ہو گا اس دن تم سامنے کئے جاؤ گے، تمہاری کوئی چیز نہ چھپ سکے گی اور اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں فرمایا ہے وَاَنِیبُوا اِلٰی رَبِّکُم وَاَسلِمُوا لَهُ مِن قَبلِ اَن یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ۔ (الزمر ۵۴) (اور اپنے رب کی طرف رجوع لاؤ اور اس کے حضور گردن رکھو قبل اس کے کہ تم پر عذاب آئے) اور نیز قول اللہ تعالیٰ کا اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاهِهِمْ وَتُکَلِّمُنَا اَیْدِیهِم وَتَشهَدُ اَرْجُلُهُم بِمَا کَانُوا یَکسِبُونْ (یس ۶۵) (آج ہم ان کے مونہوں پر مُہر کر دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں ان کے کئے کی گواہی دیں گے) اسی مطلب میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

روز محشر ہر نہاں پیدا شود　　　خود بخود ہر مجرمے رسوا شود

قیامت کے دن ہر چھپی چیز ظاہر ہو جائے گی اور خود بخود ہر ملزم اپنی خطاؤں کی وجہ سے ذلیل ہو گا

(۲) نظر بر قدم یعنی اپنی نگاہ پیروں کی طرف رکھنا۔ یہ ایک کلمہ ہے لیکن بہت سی خوبیوں سے پُر ہے، سب سے افضل بات یہ ہے کہ نیچی نظر رکھنا سنت ہے، سالک کو چاہئے کہ اپنی نظر پاؤں کی طرف رکھے تاکہ نامحرم عورتوں پر نظر نہ پڑے۔ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ عورت نامحرم پر نظر پڑنا ایک تیر ہے زہر آلود کہ بغیر ہلاکت کے چارہ نہیں۔ ہلاکت سے مراد نقصان ایمان اور رسوائی اور تباہی دارین ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ مکان دکان وغیرہ وغیرہ کے رنگ برنگ اشیاء پر نظر پڑنے سے خیال منتشر ہوتا ہے اور یکسوئی جو اللہ تعالیٰ کی طرف طالب کی ہوتی ہے اس میں فرق آتا ہے۔ تیسرا اس سے مراد یہ ہے کہ برائی اور نیکی کے قدم کو دیکھے کہ کون سا قدم غالب ہے۔ اگر برائی میں قدم آگے پیچھے دیکھے تو اس کو پیچھے ہٹائے اور نیکی کے قدم کو آگے بڑھائے، چوتھی مراد یہ ہے کہ اپنے قرب کو دیکھے کہ ترقی کا قدم کس جگہ ہے۔ پانچویں مراد یہ ہے کہ اپنی ولایت کو دیکھے کہ کس نبی (علی نبینا وعلیہ السلام) کے قدم کے نیچے ہے کہ جس کی تشریح فصل طریقہ مجددیہ میں درج ہے۔

وقت رفتن بر قدم باید نظر　　　ہست سنت حضرت خیر البشر

چلتے وقت پاؤں پر نظر ہونی چاہئے کیونکہ یہ حضرت خیر البشر (ﷺ) کی سنت ہے

اندریں حکمت بس ست وبیشمار　　　دیدہ خواہد طالب حق آشکار

اس میں بہت سی حکمتیں ہیں کہ جس کو طالب خدا صاف دیکھے گا

اتباع حضرت محمد مصطفی ﷺ　　　میر ساند نزد حق جل و علا

نبی کریم ﷺ کی پیروی اللہ تعالیٰ تک پہنچاتی ہے

(۳) سفر در وطن، اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی صفات بشریہ کو چھوڑ کر صفات ملکیہ کو حاصل کرے یعنی طلب جاہ و مال، عجب، حسد، بغض، کینہ، تکبر سے دل کو پاک کرے جب تک یہ خصائل رزائل دل میں بھرے ہوں گے تو نور خدا کا گزر کیونکر ہو سکتا ہے، اسی واسطے حضرت بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صد تمنا در دلا داری فضول　　　کہ کند نور خدا در دل نزول

سینکڑوں آرزوئیں لغو تو دل میں تو رکھتا ہے کب خدا کا نور تیرے دل میں نازل ہو گا

اور مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں　　　ایں خیال ست و محال ست و جنوں

تو خدا کو بھی چاہتا ہے اور ذلیل دنیا کو بھی یہ محض خیال اور جنون اور محال بات ہے

جس چیز کی محبت سوائے اللہ تعالیٰ کے ہے یہی اس کا بت ہے جب تک بت خانہ کو توڑ کر خانہا خدا نہ بنائے گا عند اللہ بت پرست کہلائے گا اسی معنی میں حضرت بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بت پرستی می کنی ہم بت گری　　　شد دلت رشک بتان آذری

تو بت پرستی کرتا ہے اور بت بناتا ہے کہ تیرا دل آذر کے بتوں کے لئے باعث رشک ہے

اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سفر در وطن سے مراد یہ ہے کہ سیر آفاقی کو چھوڑ کر سیر انفسی کی طرف سفر کر۔ حضرت غلام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث شریف کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ جس گھر میں تصویر ہوتی ہے اس گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ لہٰذا جس دل میں خیال غیر اللہ تعالیٰ کا ہے وہ دل بھی مستحق نزول رحمت نہیں ہوتا۔ امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے اللہ کی محبت کا خالص مزا چکھا تو اس نے اسکو طلب دنیا سے باز رکھا اور سب لوگوں سے وحشت زدہ کر دیا۔

کینہ و بغض و حسد حقد و ریا!　　　خود سری خود بینی و مکر و دغا

کینہ، بغض، حسد، حقد، اور ریا خود سری خود بینی اور مکر و دغا

ایں خصائل ناقصہ را دور کن　　　قلب خود از یاد حق معمور کن

یہ بری عادتیں چھوڑ دے اور اپنے دل کو یاد خدا سے آباد کر

تا شود قلب سیہ نور و ضیا　　　تا شود خانہ دلت خانہ خدا

تا کہ تیرا سیاہ دل منور و روشن ہو جائے　　　اور تیرا دل خانہ خدا بن جائے

(۴) خلوت در انجمن کا مطلب یہ ہے کہ دل ایسا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہے اپنے تمام حالات میں یعنی کھانے، پینے، بات کرنے، پڑھنے، پڑھانے، چلنے پھرنے بیٹھنے اور سونے وغیرہ میں، چاہے حالت اس کی پاکی کی ہو یا ناپاکی کی، یہاں تک مشغول رہے کہ توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف راسخ یعنی خوب پختہ ہو جائے، اسی واسطے حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے اور اشارہ ہے حق تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور ۳۷) (میرے بندے وہ لوگ ہیں کہ جن کو سوداگری اور لین دین میرے ذکر سے غافل نہیں کرتے) اور دل بیار دست بکار اسی آیت شریف کا ترجمہ ہے، اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سفر در وطن خلوت در انجمن کا مطلب حاصل ہو جاتا ہے، خلوت در انجمن سے یہ مراد ہے کہ آدمیوں میں اس کا جسم موجود رہے اور دل میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا خیال نہ ہو اور یہ بات ساتھ بے تکلفی کے ہو، تو پھر یہ لباس فقراء نشان مند ہونا اور ہمیشہ متعلق بہ ذکر اللہ تعالیٰ رہنا اس طرح پر کہ لوگوں پر مخفی نہ رہے، اس میں اکثر دکھانے اور سنانے کا گمان ہوتا ہے تو بہتر یہ ہے کہ وضع اور لباس ایسا ہونا چاہئے کہ جیسے خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ نہ میں لباس عالموں کا سا پہنتا ہوں کہ لوگ مجھ کو عالم کہیں اور نہ درویشوں کا سا پہنتا ہوں کہ لوگ مجھ کو درویش کہیں اور نہ لباس ملامت کا پہنتا ہوں جس سے عاقبت میں مواخذہ ہو، بلکہ عام لوگوں کا سا لباس پہنتا ہوں کہ جس میں ان تمام باتوں سے بچا رہوں جس طرح خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی طریقہ تھا کہ مثل عام لوگوں کے رہتے تھے اور کوئی شان درویشی وغیرہ کی ظاہر نہ کرتے تھے اور یہی طریق حضرات نقشبندیہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا ہے اور یہی مضمون حدیث قدسی کا ہے جس کو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ما بروں را ننگریم و قال را　　　　ما دروں را بنگریم و حال را

ہم کسی کی ظاہری حالت نہیں دیکھتے ہم باطنی حالت کو دیکھتے ہیں

یعنی میں تمہاری صورتوں اور لباس و اعمال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہوں، اسی واسطے حضرات نقشبندیہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین جس چیز کو اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے، اس کی تکمیل میں زیادہ کوشش کرتے ہیں اور حق یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی نظر کپڑوں اور صورتوں پر نہیں ہے تو پھر شکل فقیروں کی بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ زمانہ سابقہ میں درویش بوجہ ناداری ایک تہ بند ایک چادر، اور ایک دوپٹہ ہونے کے سبب بعض مٹیا اور سیاہ کپڑے رنگ لیا کرتے تھے تاکہ جلد میلے نہ ہوں اور دھلائی کا صرفہ نہ ہو اور اس کے دھونے میں وقت ضائع نہ جائے کیونکہ وہ اپنے ہر وقت کو آخری وقت اور ہر سانس کو آخری سانس جانتے تھے، اب لوگ ان کے سیاہ کپڑوں کی نقل تو کرتے ہیں لیکن ان کی یاد اللہ تعالیٰ اور ترک دنیا کی نقل نہیں کرتے بلکہ اس کے خلاف صورت فقیروں کی اور گھر امیروں کی طرح رکھتے ہیں اسی طرح ان کے ظاہر سے باطن کا معاملہ برعکس ہے۔

بقول حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ:

ہمچو ایں خاماں باطبل و علم　　　　کہ الغ خانیم در فقر و عدم

ان ڈھول ڈھمکے والے ناکارہ لوگوں کی طرح کہ جو فقر و فنا میں اپنے آپکو الغ خان کہتے ہیں

لاف شیخی در جہاں انداختہ　　　　خویشتن را بایزیدے ساختہ

اپنی بزرگی کی بڑائیاں دنیا کے سامنے کرتے ہیں اور اپنے کو بایزید بسطامی بنا رکھا ہے

ہم زخود واصل شد و سالک شدہ　　　محفلے واکردہ در دعوت کدہ

اپنے وجود سے خود ہی واصل ہیں اور خود ہی سالک دعوتیں اور جلسے ہو رہے ہیں

چند دزدی حرف مردان خدا　　　تافروشی وستانی مرحبا

اے ظاہر پرست کب تک مردان خدا کی نقل کرتا رہے گا تاکہ دنیا میں غلط سودا کرے

ایں نہ مرد انند وانیہاصورت اند　　　مردہ مانند کشتہ شہوت اند

یہ حقیقتاً مرد نہیں ہیں بلکہ صورت سے مرد ہیں اور یہ خواہش کے بندے اور مردے ہیں

حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے:

دلت بچہ کار آید و تسبیح و مرقع　　　خود راز عملہائے نکوہیدہ بری دار

تیری گدڑی اور تسبیح و مرقع کس کام آئے گا اپنے آپ کو برے کاموں سے بچائے رکھ

حاجت بکلاہ بر کی داشتنت نیست　　　درویش صفت باش کلاہ تتری دار

تجھے فقیروں کی سی ٹوپی اوڑھنے کی ضرورت نہیں

صفت فقیروں کی سی رکھ پھر چاہے عمدہ ٹوپی پہن

ہاں اگر کوئی درویشی جتانے اور دنیا کمانے کے واسطے ایسا کرتا ہے تو اس حدیث شریف کا مصداق بنتا ہے۔ **الدنیا زور لا یحصلھا الا بزور** (دنیا مکر ہے اور مکر ہی سے حاصل ہوتی ہے)۔

حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فقر خود را پیش کس پیدا مکن　　　محنت امروز را فردا مکن

اپنے فقر کو کسی پر ظاہر مت کر آج کا کام کل پر مت ڈال

حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اے درونت برہنہ از تقوے　　　وز بروں جامہ ریاداری

اے شخص تیرا باطن پرہیز گاری سے ننگا ہے اور تیرا ظاہر لباس ریا سے آراستہ ہے

پردہ ہفت رنگ رابگزار　　　تو کہ در خانہ بوریاداری

اس پچرنگے پردہ کو چھوڑ دے کیونکہ تیرے گھر میں چٹائی ہے

یعنی تیرا ظاہر اچھا اور باطن خراب ہے اس واسطے اصلاح کی طرف متوجہ ہو۔

ہر شخص اپنی دولت کا پتہ کسی کو نہیں دیتا، ہر شخص اپنے محبوب کی محبت کا اظہار کسی عمل سے اغیار کو نہیں ہونے دیتا تو پھر محبت الٰہی کا اظہار اپنے لباس سے کرنا یہ ہرگز عقل میں نہیں آسکتا اسی واسطے خواجہ عزیزان علی رامتینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

از دروں شو آشنا وز بروں بیگانہ وش　　　ایں چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں

اندر یعنی دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد رکھ اور ظاہر میں بیگانہ بنا رہ یہ عمدہ روش دنیا میں بہت کم ہے

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں:

از بروں در میان بازارم　　　　وزِ دروں خلوتے ست با یارم

ظاہر جسم تو میرا بازار میں ہے اور میرا باطن یعنی دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے

سوال: بعض اولیاء اللہ تعالیٰ نے لباس سے اظہار ولایت نہیں کیا ہے، تو ان کے کلمات سے اظہار ولایت ہوا ہے اور اظہار لباس سے ہو یا کلام سے دونوں کی ایک صورت ہے۔

جواب: بعض اولیاء اللہ تعالیٰ کو ظلی طور پر کمالات نبوت میں سے حصہ دیا جاتا ہے اور بعض کو صرف ولایت میں سے دیا جاتا ہے۔ فیضان نبوت قابل اظہار ہوتا ہے اور فیضان ولایت قابل استتار، لہٰذا جن اولیاء اللہ تعالیٰ کو کمالات نبوت سے حصہ دیا گیا ہے انہوں نے بموجب ارشاد وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ (الضحیٰ ۱۱) اظہار ولایت کیا ہے اور اس اظہار کی دو منشاء ہیں۔ ایک شکریہ نعماء الٰہی کا دوسرے خلق ناقص کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے کا اور جن اولیاء کو صرف ولایت میں سے حصہ دیا گیا ہے اور ان سے اظہار کرامات یا اظہار حالات باطنی ہوئے ہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ نے اس واسطے ظاہر کرائے ہیں کہ کفار فجار راہ ہدایت پر آئیں، اور طالب خدا کی طرف بڑھیں اور ان بزرگوں کا کلام طلبہ حق کے واسطے راہ طریقت کا قانون بنے اور شیطان کے دھوکے سے بچیں ورنہ اولیاء اللہ نے اپنا اظہارِ فقر غیر کے واسطے نہیں کی جو کچھ الہام ہوا کہہ دیا جیسے فرمایا مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے:

دو دہاں داریم گویا ہمچو نے　　　　یک دہاں پنہاں است در لبہائے وے

بانسری کی طرح دو منہ رکھتا ہوں ایک منہ خدا کے ہونٹوں میں ہے

یعنی جو کچھ الہام خدا تعالیٰ فرماتا ہے میں وہی کہہ دیتا ہوں۔ مولف عرض کرتا ہے:

عبد خالق پیشوائے عارفاں　　　　ایں چنیں فرمود بہر طالباں

حضرت عبد الخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح فرمایا ہے، طالبان حق کے لئے۔

ایں نصیحت بشنوید از گوش دل　　　　کارنے آید دریں خاگوش گل

اس نصیحت کو دل لگا کر سنو یہاں مٹی کے کان کام نہیں آئیں گے

بندگاں باید کہ در وقت سخن　　　　قلب با حق قالب در انجمن

بندوں کو چاہئے کہ بات چیت کرتے وقت دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو اور جسم محفل میں

(۵) یاد کرد سے مراد یہ ہے کہ ہمیشہ اللہ کا ذکر کرے، ذکر اسم ذات کا یا نفی اثبات کا۔ یعنی کلمہ شریف کا کہ جو مرشد سے پہنچا ہو، اور ذکر اس قدر کرے کہ حق تعالیٰ کی حضوری حاصل ہو جائے۔ حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مقصود ذکر سے یہ ہے کہ دل ہمیشہ حضرت حق کے ساتھ حاضر رہے بوصف محبت اور تعظیم کے اس واسطے کہ ذکر یعنی یاد دفع غفلت کا نام ہے حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

باش دائم اے پسر در یاد حق　　　　گر خبر داری ز عدل و داد حق

اے عزیز! ہمیشہ یادِ حق میں رہا کر اگر تجھے اللہ تعالیٰ کے انعامات کی خبر ہے

(٦) بازگشت یعنی رجوع کرنا پھرنا: اس سے مراد ہے کہ تھوڑے تھوڑے ذکر کے بعد تین بار یا پانچ بار مناجات کی طرف رجوع کرے کیونکہ یہ دعا حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی ہے الٰہی مقصود من توئی و رضائے تو، محبت و معرفت خود بدہ یعنی اے اللہ میرا مقصود تو ہی ہے اور تیری خوشنودی، اپنی محبت اور معرفت عطا فرما۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے حضرت والد بزرگوار شاہ عبد الرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس دعا کو بار بار پڑھنا شرط عظیم فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ طالب کو لازم ہے کہ اس سے غافل نہ رہے اس واسطے کہ جو ہم نے پایا ہے اس ہی کی برکت سے پایا ہے، مقصد اس دعا کا یہ ہے کہ جو ذکر و فکر سے سرور یا کوئی نور یا کوئی چیز عالم غیب کی نظر آئے تو طالب اس پر مغرور نہ ہو اور اس کو اپنا مقصد نہ سمجھ لے کیونکہ ذات خدا تو کجا اسماء وصفات الٰہی میں سے ایک صفت میں اگر لاکھوں برس سیر سالک رہے جب بھی ختم نہ ہو لہٰذا یہ دعا سب کو قطع کر کے ذات حق سے قریب کرتی ہے۔ اسی وجہ سے خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے: ہر چہ دیدہ شد و شنیدہ شد و دانستہ شد آں ہمہ غیر است بحقیقت کلمہ لا نفی آں باید کرد (ترجمہ: جو کچھ دیکھا جائے اور سنا جائے اور جانا جائے وہ سب غیر اللہ تعالیٰ ہے کلمہ طیبہ کے لا سے سب کی نفی کر دینی چاہئے)

اسی مطلب میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اے برادر بے نہایت درگہیست ہر کہ بروئے می رسی بروئے مائیست

اے بھائی اللہ تعالیٰ کی بے انتہا درگاہیں ہیں جب تو کسی درگاہ پر پہنچ جائے اس کو نہایت جان کر مت ٹھہر۔

(٧) نگہداشت سے مراد ہے کہ ذاکر حق خطرات اور احادیث نفس کو ہانکے اور دور کرے، یعنی جو خیالات اور وسوسے دل میں غیر اللہ تعالیٰ کے آئیں تو سالک ان کہ نہ آنے دے اسی واسطے خواجہ بزرگوار محمد نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سالک کو لائق ہے کہ خطرہ کو اس کے ابتدائے ظہور میں روک دے اس واسطے کہ جب ظاہر ہو چکے گا تو نفس اس کی طرف مائل ہو جائے گا اور وہ نفس میں اثر کرے گا، پھر اس کا دور کرنا مشکل ہو گا۔ یہ نگہداشت طریقہ ہے حاصل کرنے ملکہ خلوتخنہ ذہن کا خطرات و وساوس کے خطور کرنے سے یعنی دنیا کے خیالات دل پر نہ جمیں اور دل مثل آئینہ کے صاف رہے اور جو فیضان باطن آئے اس کا عکس دل میں پڑے، اور جب آئینہ دل خالی نہیں ہے تو اس میں ظہور انوار و برکات الٰہی کہاں ہو سکتا ہے چنانچہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پنبہ وسواس بیروں کن ز گوش تا بگوشت آید از گردوں خروش

وسوسوں کی روئی کان سے باہر نکال تا کہ تیرے کان میں آسمان سے آوازیں آئیں

تا کنی فہم آں معمہ ہاش را تا کنی ادراک امر فاش را

تا کہ تو ان اسرار کو سمجھ سکے تا کہ تو راز کی باتوں کو جان سکے

حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خطرہ کو دل میں ساعت بھی نہ رکھنا چاہئے، بزرگوں کے نزدیک یہ امر اہم ہے اور اولیائے کاملین کو یہ دولت تازماں حاصل رہتی ہے، یعنی عرصہ تک۔

عبد خالق پیشوائے اولیاء برگزیدہ رہنمائے اتقیاء

حضرت عبد الخالق علیہ رحمۃ جو اولیاء کے پیشوا ہیں مقبول بندہ خدا کے اور متقیوں کے راہنما ہیں

این چنیں فرمود بہر موmناں — از خدا غافل مشو تو یک زماں

انہوں نے اس طرح فرمایا ہے مومنوں کے لئے کہ اللہ تعالیٰ سے تھوڑی دیر بھی غافل نہ رہے

گوش تا در دل نیاید فکر غیر — نے دور فکر دل طالب بغیر

اس بات کی کوشش کر کہ دل میں غیر کا خیال نہ آئے نہ طالب کے دل کا خیال سوائے اللہ تعالیٰ کسی طرف جائے۔

(۸) یاد داشت: یاد داشت سے مطلب یہ ہے کہ توجہ صرف جو خالی ہے الفاظ اور معنی سے واجب الوجود کی حقیقت کی طرف منتقل ہو جانا اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اپنے والد بزرگ شاہ عبد الرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ سے کہ حق بات یہ ہے کہ ایسا متوجہ رہنا بالاستقامت حاصل نہیں ہوتا مگر بعد فنائے تام اور بقائے کامل کے ان شاء اللہ تعالیٰ فنائے تام اور بقائے کامل کی شرح فصل ولایت صغریٰ میں کی جائے گی، اگر ضرورت ہو تو اس جگہ دیکھ لینا چاہیئے۔

سوال: یاد کرد نگہداشت اور یادداشت میں کیا فرق ہے؟

جواب: یاد کرد، نگہداشت میں طالب اپنی کوشش سے رب کی طرف مخاطب ہوتا ہے اور یادداشت میں بلا کوشش خود بخود قلب اللہ تعالیٰ کی طرف مشغول و مخاطب رہتا ہے۔

یادداشت حاصل شود بعد از فنا — بلکہ حاصل می شود بعد از بقا

یادداشت فنائے نام کے بعد حاصل ہوتی ہے بلکہ بعد بقائے کامل کے۔

بعد ازیں غافل نہ باشد یک زماں — خواہ باشد فرح و غم سود و زیاں

اس کے بعد تھوڑی دیر بھی اللہ تعالیٰ سے غافل نہ رہے خواہ اسے خوشی ہو یا رنج فائدہ ہو یا نقصان۔

در جماعت اولیاء داخل شود — نزد جملہ طرق او واصل شود

وہ شخص جو فنا و بقا سے مشرف ہو چکا ہو وہ ولی ہے اور متفقہ طور پر وہ واصل بحق ہے۔

(۹) وقوف زمانی کی شرح ہوش در دم میں ہو چکی ہے ہوش در دم اور وقوف زمانی یہ قریب قریب ایک ہی مطلب پر ہیں۔

(۱۰) وقوف عددی: وقوف عددی سے مراد ہے واقف رہنا سالک کا اثنائے ذکر میں۔ جب ذکر حق کرے تو طاق یعنی وتر کرے جیسے ۵، ۳، ۷، ۹، ۱۱ وغیرہ اس میں مناسبت ہے ذات حق کے ساتھ کیونکہ ارشاد ہے فِإنَّ اللّٰهَ وِترٌ يحبُّ الوِترَ۔[95] (پس بے شک اللہ تعالیٰ طاق ہے اور طاق کو دوست رکھتا ہے)۔

(۱۱) وقوف قلبی سے مراد ہے کہ سالک ہر وقت ہر آن ہر لحظہ اپنے قلب کی طرف متوجہ رہے اور قلب اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے تاکہ سب طرف کی توجہ ٹوٹ کر معبود حقیقی کی طرف توجہ رہ جائے اور وسوسے دل میں داخل نہ ہوں۔ خصوصاً وقت ذکر کے اس کا پورا پورا خیال رکھے، اسی واسطے حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے حبس دم اور رعایت عدد کو ذکر میں لازم نہیں فرمایا بلکہ فوائد میں داخل

---

[95] أحمد شاكر (ت ١٣٧٧)، مسند أحمد ٢/٣١٠• إسناده صحيح۔ شعيب الأرنؤوط (ت ١٤٣٨)، تخريج المسند ١٢٦٢ •قوي •أخرجه أبو داود (١٤١٦)، والنسائي (١٦٧٦) مختصراً، والترمذي (٤٥٣)، وابن ماجه (١١٦٩) باختلاف يسير، وأحمد (١٢٦٢)

فرمایاہے اور وقوف قلبی تو حضرت خواجہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ضروری اور رکن عظیم ہے اور دار و مدار طریقہ نقشبندیہ کا اسی پر ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے:

علیٰ بیض قلبک کن کانک طائر   فمن ذلک الاحوال فیک تولد

اپنے دل کے انڈے پر پرندے کی طرح ہو جا پس اسی طریقہ سے جس طرح انڈے سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔

تیرے دل میں نور خدا پیدا ہو گا

مدارج الخیر میں ہے کہ اس کو کئی معنوں پر محمول کیا ہے اول یہ کہ عین ذکر شریف میں حضرت تعالیٰ و تقدس سے ارتباط و آگاہی میسر ہو، دل اس سبحانہ و تعالیٰ سے واقف و آگاہ رہے اور اس کو شہود اور وصول وجود بھی کہتے ہیں اور یہ معنی مقولہ یادداشت کی قسم سے ہے۔ دوم یہ کہ ذاکر ذکر شریف کے اثنا میں قلب صنوبری پر متوجہ رہے جو حقیقت جامعہ اور لطیفۂ قلب کی جائے قرار ہے تاکہ یہ لو تھڑا ذکر شریف کے مفہوم سے غافل نہ رہ جائے بلکہ اللہ پاک کا نام بولنے لگے اور یہ معنی مقولہ یادداشت سے نہیں ہے۔ حضرت خواجۂ بزرگ قدس سرہ وقوف قلبی کا اہتمام ان دنوں مذکورہ معانی کی رعایت کے ساتھ اور وقوف عدد سے زیادہ فرماتے تھے کیونکہ ذکر کا مقصود دائمی حضور و آگاہی ہے جو وقوف قلبی میں حاصل ہوتا ہے سوم یہ کہ حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ذاکر کا دل نگراں رہے تاکہ تفرقہ اور نقوش غیر اللہ کا دل میں گزر نہ ہو سکے اور یہ معنی بھی مقولہ یادداشت سے ہو سکتے ہیں چہارم یہ کہ حضرت خواجہ احرار قدس سرہ نے فرمایا کہ وقوف قلبی عبارت ہے دل کے آگاہ رہنے سے جناب تقدس و تعالیٰ کے ساتھ اس طرح پر کہ غیر حق کوئی بھی موجود باقی نہ رہ جائے، یہ معنی قلب سے خصوصیت نہیں رکھتے اور نہ اس کا تعلق ذکر سے ہے بلکہ اجزائے نفس ہے۔ حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ نے لکھا ہے کہ وقوف قلبی نام ہے قلب کی طرف ایسی توجہ کا کہ دل کی شکل صنوبری یعنی دل کی لحمی بناوٹ اسم ذات (اللہ) کے ساتھ تصور میں نہ آئے۔ یہ توجہ رکھنے میں اوپر کی جانب نگراں رہے کہ ادھر سے فیض ملنے کی امید ہے اور جانب فوق کی رعایت پاس ادب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے سے بالاتر ہے۔ وقوف قلبی اور مبد اً فیاض کی طرف توجہ ارکان ذکر اور طریقہ علیا سے ہے کیونکہ حصول نسبت بغیر اس کے محال ہے حضرت مجدد قدس سرہ سے روایت ہے کہ جس کو ذکر قلبی اثر نہ کرے اس کو ذکر سے روک کر خالص وقوف قلبی کا حکم کریں اور توجہ بھی دیتے رہیں یہاں تک کہ ذکر اثر انداز ہو جائے۔ معلوم رہے کہ اس ارشاد میں وقوف قلبی تیسرے معنی میں ہے۔

واللہ اعلم و صلی اللہ علی سیدنا محمد و الہ و اصحابہ اجمعین۔

آگاھی:

جو کلمات نقشبندیہ کی تشریح کی گئی ہے یہ مختصر ہے لیکن اگر کوئی چاہے کہ میں صرف اس کتاب کو دیکھ کر ذکر فکر کروں اور میری تکمیل ہو جائے تو یہ بات نادرات سے ہے۔ بلا شیخ کے راستہ طریقت میں پاؤں رکھنا اپنے کو خطرہ میں ڈالنا ہے اور شرح اس کی فصل تلاش مرشد میں دیکھنا چاہیئے۔ حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کار بے استاد خواہی ساختن   جاہلانہ جاں بخواہی باختن

بغیر استاد کے تو اگر کام بنانا چاہے گا تو کامیابی ممکن نہیں بلکہ جاہلوں کی طرح جان پر کھیلنا پڑے گا۔

فصل

طریقہ اسباق سلسلہ نقشبندیہ سیفیہ

پہلا ذکر قلبی:

خواجہ خواجگان سلطان الاولیاء یکتائے زمانہ حضرت علامہ مجمع البحرین اخندزادہ سیف الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم وفیوضاتہم مریدین کو پہلا ذکر "قلبی" دیتے ہیں۔ اس لطیفہ کا رنگ زرد ہے اور یہ حضرت آدم علیہ السلام کے زیر قدم ہے۔ ذکر اس طرح دیا جاتا ہے کہ شہادت والی انگلی مقامِ قلب پر (جو کہ بائیں پستان کے دو انگل نیچے ہے) رکھتے ہوئے زبان سے تین بار اسم ذات "اللہ" تلقین کرتے ہیں، پھر زبان بند کرواتے ہیں۔ سالک ذکر میں مشغول رہتا ہے اور شیخ کامل مکمل اس کو توجہ کرتا ہے (توجہ کہتے ہیں اپنے قلبی طاقت کو دوسرے کے قلب پر ڈالنا) یہاں تک کہ اس کا لطیفہ قلب ذاکر ہو جاتا ہے۔ اس دورانیہ میں صفات فعلیہ سے تجلی ہوتی ہے اور ستر ہزار حجابات جو کہ اللہ تعالیٰ اور بندہ کے درمیان نور و ظلمت کے ہیں، ان میں سے دس ہزار حجابات رفع ہو جاتے ہیں۔ سالک قرب بلا کیف سے اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاتا ہے۔ یہ لطیفہ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے زیر قدم ہے، تو سالک ان کی ولایت سے حصہ پاتا ہے اور لطیفہ قلب میں صفائی پیدا ہونے کے بعد ایک دوسرا لطیفہ نظر آجاتا ہے جو کہ لطیفہ روح (اصل الاصل) ہے۔ ماسوا اللہ تعالیٰ کے نسیان اور ذات حق کے ساتھ محویت لطیفہ قلب کے ذاکر ہونے کی تاثیر ہے۔ لطیفہ قلب کا حرکت کرنا دافع غفلت اور دافع شہوت ہے۔

دوسرا ذکر روحی:

یہ ذکرِ قلبی کے جاری ہونے کے بعد دیتے ہیں۔ لطیفہ روح کا رنگ سرخ ہے اور یہ حضرت ابراھیم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے زیر قدم ہے۔ اس کا مقام سینہ انسان میں دائیں پستان کے دو انگل نیچے کی جانب مائل بہ پہلو ہے اس کا ذکر بھی "اللہ" ہے۔ سالک اس لطیفہ میں بھی ذکر کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر حالت میں مشغول رہتا ہے اور شیخ مبارک اس کو توجہ دیتا ہے یہاں تک کہ یہ لطیفہ بھی ذاکر ہو جاتا ہے اور سالک پر صفاتِ ثمانیہ ثبوتیہ ذاتیہ حقیقیہ سے تجلی ہوتی ہے اور ستر ہزار حجابات میں سے دس ہزار حجابات مزید رفع ہو جاتے ہیں۔ اور سالک قرب بلا کیف سے قریب ہو تا جاتا ہے۔ یہاں سالک حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے ولایت سے حصہ لیتا ہے۔ اور جب یہ لطیفہ ذاکر ہو جائے اور اس میں صفائی پیدا ہو جائے تو اس میں تیسرا لطیفہ نظر آجاتا ہے جو کہ لطیفہ سِر ہے جو کہ اصل اصل الاصل ہے۔ ذکرِ روحی کی تاثیر اسم ذات کی صفاتی تجلیات کا ظہور ہے۔ اس لطیفہ کی حرکت سے غصہ و غضب کی کیفیت میں اعتدال اور طبیعت میں سکون پیدا ہوتا ہے۔

تیسرا ذکر سرّی:

لطیفہ سِر کا رنگ سفید ہے اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے۔ یہ ذکر لطیفہ روحی کے جاری ہونے کے بعد دیتے ہیں اس کا مقام بائیں پستان کے دو انگل اوپر مائل بہ بائیں ہاتھ ہے۔ اس کا ذکر بھی "اللہ" ہے۔ اس کا اثر اللہ تعالیٰ کے شیونات اور اعتبارات کا ظہور ہے۔ یہ مشاہدہ اور دیدار کا مقام ہے (صاحب کشف کیلئے)۔ حرص کا خاتمہ ہوتا ہے، دینی معاملات میں فیاضی اور فکر آخرت کی بیداری پیدا ہوتی ہے۔ اس لطیفہ کے ذاکر ہونے کے ساتھ ساتھ سالک شیونات سے تجلی لیتا ہے اور یہ لطیفہ چونکہ حضرت

موسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے اس لئے سالک ان کی ولایت سے اس میں حصہ لے لیتا ہے اور ستر ہزار حجابات میں سے دس ہزار حجابات یہاں بھی اٹھ جاتے ہیں اور سالک قرب کی طرف بڑھتا جاتا ہے۔اس لطیفہ کے صیقل ہونے کے بعد ایک اور لطیفہ نظر آ جاتا ہے جو کہ لطیفہ خفی ہے (جو کہ اصل اصل اصل الاصل ہے)۔

چوتھا ذکر خفی:

چوتھا ذکر خفی ہے۔ لطیفہ خفی کا رنگ سیاہ ہے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے۔ یہ ذکر سری کے جاری ہو جانے کے بعد دیتے ہیں۔ ذکر خفی کا مقام دائیں پستان کے بالکل برابر میں دو انگشت اوپر ہے۔ یہ ذکر بھی اسم جلالت ''اللہ'' کا ہے۔ اس لطیفہ میں سالک ذکر کرتا ہوا صفات سلبیہ کی تجلیات سے بہرہ ور ہوتا جاتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولایت سے حصہ لے لیتا ہے۔ ساتھ ساتھ ستر ہزار حجابات میں سے مزید دس ہزار حجابات اور بھی اٹھتے جاتے ہیں اور سالک قرب بلا کیف سے اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس لطیفہ میں ایک اور لطیفہ نظر آ جاتا ہے جو کہ لطیفہ اخفیٰ (اصل اصل اصل اصل الاصل) ہے۔ جس طرح کہ ایک آئینہ دوسرے آئینہ کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے اور اس میں اس کا عکس نظر آتا ہے۔ اس لطیفہ کے ذاکر ہونے کا اثر یہ ہے کہ حسد، بخل، کینہ، غیبت وغیرہ سے نجات حاصل ہوتی ہے۔

پانچواں ذکر اخفیٰ:

لطیفہ اخفیٰ کا رنگ سبز ہے اور یہ ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفی ﷺ کے زیر قدم ہے۔ یہ خفی کی پختگی کے بعد دیا جاتا ہے اس کا مقام لطیفہ سری اور خفی کے بالکل درمیان اور برابر میں ہے۔ اس کا ذکر بھی ''اللہ'' ہے۔ جب سالک ذکر کرتا رہے اور شیخ سے توجہ لیتا رہے تو یہ لطیفہ بھی ذاکر ہو جاتا ہے۔ ذاکر ہونے کے ساتھ شانِ جامع سے تجلی لیتا ہے اور ستر ہزار حجابات میں سے دس ہزار اور حجابات قطع ہو جاتے ہیں۔ سالک اور بھی قریب ہو جاتا ہے اور یہ لطیفہ چونکہ حضرت محمد مصطفی ﷺ کے زیر قدم ہے لہٰذا سالک ان کی ولایت سے حصہ لیتا ہے۔ اس لطیفہ کے ذاکر ہو جانے کا اثر یہ ہے کہ سالک تکبر، فخر و غرور اور خود پسندی وغیرہ سے نجات اور حضور و اطمینان حاصل کر لیتا ہے۔ اور اس لطیفہ میں سالک کو اپنا نفس نظر آ جاتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جس کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''من عرف نفسه فقد عرف ربه'' یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ یہاں سالک پر عارف کا اطلاق ہو جاتا ہے۔

چھٹا ذکر نفسی:

ذکر اخفیٰ جاری ہونے کے بعد نفسی ذکر دیا جاتا ہے۔ اس کا مقام پیشانی کے اوپر بال اُگنے کی جگہ پر ہے اور اس کا رنگ خاکی ہے۔ اس کا ذکر بھی ''اللہ'' ہے۔ لطیفہ نفس میں ذکر کرتے ہوئے سالک نفس کو امارگی سے اطمینان و راضیت و مرضیت کی طرف لے جاتا ہے۔ یہاں تک کہ نفس مطمئنہ ہونے کے بعد راضیہ و مرضیہ بن جاتا ہے اور ستر ہزار حجابات میں سے دس ہزار حجابات اور بھی قطع ہو جاتے ہیں۔

ساتواں ذکر قالبی:

لطیفہ قالبی کا رنگ آتش نما ہے۔اس ذکر کو سلطان الاذکار بھی کہا جاتا ہے اور ذکر قالبی بھی۔اس کا مقام سَر کے اوپر والی جانب، سَر کے بالکل درمیان میں ہے لیکن فیض پورے جسم میں داخل ہوتا ہے۔اس کا ذکر بھی "اللہ" ہے۔سالک ذکر کرتا ہوا لطیفہ قالب کے عناصر اربعہ یعنی ہوا، آگ، مٹی اور پانی، کی سرکشی کو اعتدال کی طرف لانے میں کوشش کرتا ہے جس کو رسول اکرم ﷺ نے جہادِ اکبر سے تعبیر کیا ہے۔

جب غزوہ خندق سے آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین واپس فرمارہے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:رجعْنامِنَ الجهادِ الأصغرِ إلى الجهادِ الأكبرِ۔[96](ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس ہوئے)۔یہاں پر اکثر لوگ جہاد اکبر سے نفس کے ساتھ جہاد مراد لیتے ہیں۔لیکن یہ خطا ہے۔کیونکہ رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے نفوس پہلے سے مطمئن و راضیہ و مرضیہ تھے۔تو جہادِ اکبر سے مراد اس حدیث میں عناصرِ اربعہ کے ساتھ جہاد کرنا ہے، جن کی طبیعت میں سرکشی ہے۔سالک جب تک ان کی طرف متوجہ رہتا ہے، تو یہ اعتدال کی حالت میں ہوتے ہیں اور جیسے ہی توجہ ہٹاتا ہے تو یہ اپنی اصل (سرکشی) کی طرف لوٹتے ہیں۔اور اسی وجہ سے وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاتِیَکَ الْیَقِیْن (الحجر ۹۹) یعنی مرتے دم تک عبادت کا امر دیا گیا ہے۔

لطیفہ قالبی میں ذکر کرتا ہوا سالک حجاباتِ نور و ظلمت میں سے دس ہزار حجابات اور بھی قطع کر دیتا ہے اور وصلِ عریانی سے مشرف ہو جاتا ہے۔یعنی ستر ہزار حجابات تمام کے تمام رفع ہو جاتے ہیں۔

اس کی تاثیر رزائل بشریہ اور علائق دنیویہ سے مکمل رہائی پالینے کے بعد تمام بدن میں ظاہر ہوتی ہے۔

لطائف کی عالم امر و عالم خلق کے اعتبار سے تقسیم:

جہاں جہاں مقامات اذکار ہیں انہیں اہل نقشبندیہ لطائف کہتے ہیں اور ان سات لطائف میں پہلے پانچ، یعنی سینے والے (قلب، روح، سِر، خفی، اخفٰی) لطائف کو عالمِ امر سے موسوم کیا جاتا ہے اور باقی دو کو جو آخری ہیں، لطائفِ عالمِ خلق کہتے ہیں۔

لطائف کے انوار:

لطیفہ قلبی کا نور سرخ اور روحی کا زرد ہوتا ہے۔اور بعض لوگ اس کے برعکس، یعنی قلبی کا زرد اور روحی کا سرخ بتاتے ہیں۔

لطیفہ سری کا نور سفید ہوتا ہے، اور لطیفہ خفی کا نور سیاہ، لطیفہ اخفٰی کا نور سبز ہوتا ہے جبکہ لطیفہ نفسی کا خاکی ہوتا ہے۔

ذکر نفی اثبات کا طریقہ

لطائف کے اذکار جاری ہونے اور اچھی طرح پختہ ہونے کے بعد ذکر نفی اثبات دیا جاتا ہے۔اس کا طریقہ یہ ہے کہ بالکل اطمینان کے ساتھ ماسویٰ اللہ کو باطن سے مٹا کر بیٹھ جائے اور رابطہ ءِ شیخ کے ساتھ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا ذکر کرے، اس طرح کہ سانس بند کرکے لفظ "لَا" کو تصور کے ساتھ ناف سے اُٹھا کر سر کی آخری حد یعنی قالبی تک لے جائے اور لفظ "اِلٰهَ" کو پورے خیال کے ساتھ دائیں کندھے پر لے جائے اور تصوّر میں ماسویٰ اللہ کو نیچے پھینک دے اور لفظ "اِلَّا اللّٰه" کے ساتھ دل پر شدّت سے ضرب لگائے۔یہاں تک

---

[96] ملاعلي قاري (ت ١٠١٤)، الأسرار المرفوعة٢١١• الزيلعي (ت ٧٦٢)، تخريج الكشاف ٢/٣٩٥• ابن عثيمين (ت ١٤٢١)، الشرح الممتع ٨/٥• ابن عثيمين (ت ١٤٢١)، شرح رياض الصالحين ٥/٣٣٠• تفسیر مظهری پ ۲ ص ۳۵۸ ۔تفسیر بحر محیط ج ۳ ص ۲ ۳۳ ۔

کہ ذکر کی حرارت کا اثر تمام عالم امر کے لطائف میں ظاھر ہو۔ یعنی لفظ "لا" کے ساتھ باطن سے ماسویٰ اللہ کو اُٹھا کر اور 'الہ' کے ساتھ سیدھے کندھے کی جانب نیچے پھینک دے۔ اور لفظ—"الاّ اللہ" کے ساتھ اپنے قلب میں تصوّر اللہ کو باقی رکھے۔ جب سانس میں سالک دقت محسوس کرے تو سانس کو طاق عدد پر خالی کر دے۔ یعنی اگر وہ حبس دم میں نفی اثبات کا ذکر دس مرتبہ کر چکا ہے اور سانس میں تنگی محسوس کرنے لگا ہے تو گیارہ پر سانس کو خالی کر دے۔ یعنی طاق عدد پر سانس چھوڑ دے اور بہ زبانِ حال محمدرّسول اللہ ﷺ پڑھے اور سانس کھولنے کے بعد یہ دعا پڑھے:—

اِلٰھِی اَنْتَ مَقْصُوْدِیْ وَ رِضَاکَ مَطْلُوْبِیْ اَعْطِنِی مُحَبَّةَ ذَاتِکَ وَ مَعْرِفَةِ صِفَاتِکَ ہر بار لا الہ الاّ اللہ کے ساتھ تصور میں ہی لا معبود الاّ اللہ، لا مقصود الاّ اللہ، لا موجود الاّ اللہ، لا مطلوب الاّ اللہ، ان چاروں میں سے کسی ایک کا معنی دل میں حاضر رکھے، لیکن یاد رکھے کہ مذکورہ آٹھوں اذکار میں زبان بند رہے گی اور یہ سارے اذکار تصور سے کرنے کے ہیں۔ ایک بار پھر بتاتے چلیں کہ نفی اثبات میں ان باتوں کا خیال رکھیں:

۱) سانس بند رہے۔

۲) معنی دل میں حاضر رکھ کر مذکورہ بتلائے ہوئے طریقہ سے تصور قائم رکھے۔

۳) تعداد کا خیال رکھے کہ جب سانس کھولنا ہو تو طاق عدد پر ہی کھولے۔

۴) سانس چھوڑتے وقت محمدرّسول اللہ ﷺ تصوّر سے پڑھے۔

نفی اثبات میں زیادہ محنت کی ضرورت ہوتی ہے، کہ اس سے کافی حد تک مقامات طے ہو جاتے ہیں اور افادہ و استفادہ کی قوّت کافی حد تک نفی اثبات سے بڑھتی ہے۔ یعنی آدمی میں نفی اثبات کی کثرت سے دوسرے کو فیض پہنچانے اور دوسرے سے فیض حاصل کرنے کی قوّت کافی حد تک پیدا ہوتی ہے۔ نفی اثبات کے پختہ ہونے کے بعد مراقبات دیئے جاتے ہیں اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سیفیہ میں کُل چھتّیس (۳۶) مراقبات ہیں۔

ہدایت السالکین

- ❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ کلمۂ طیب، کلمۂ شہادت، کلمۂ تمجید، کلمۂ توحید، کلمۂ ایمان مجمل اور کلمۂ ایمان مفصل معنی کے ساتھ یاد کر کے ذہن نشین کرلے اور ان کلمات کے موافق اپنا عقیدہ پختہ کرے۔
- ❖ استنجاء، وضو، غسل، تیمم اور نماز کے تمام مسائل یعنی ان کے فرائض، واجبات، سنن، مستحبات، مکروہات اور مفسدات زبانی یاد کرے، اور ان تمام مسائل کو اچھی طرح سمجھ بھی لے اور ان کے موافق عمل کرتا رہے۔
- ❖ نماز کی سورتیں سبحانک اللھم و بحمدک سے لے کر دعائے قنوت تک اچھی طرح یاد کرے پھر نماز پڑھنے کا طریقہ، نیت اور تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام تک اچھی طرح جان لے اور اس کے موافق نماز پڑھتا رہے۔
- ❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ نماز کی سورتیں تجوید کے موافق پڑھنے کی کوشش کرے، اس سلسلہ میں وہ کسی اچھے استاد سے تعلیم و سبق لے۔

- ❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ نماز اس طرح ادا کرے کہ نماز کے فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات سب اچھی طرح ادا ہوں، بالخصوص تعدیل ارکان کا خاص خیال رکھے اور جلدی جلدی نماز پڑھنے سے خوب پرہیز کرے۔
- ❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ نماز کی تسبیحات اور سورتوں کے معنی اور مطلب سمجھنے کی کوشش کرے اور نماز میں حضور قلب کا خاص خیال رکھے، یعنی نماز آرام کے ساتھ اس طرح پڑھے کہ نماز کے کلمات کے معنی سمجھتا جائے، اور یہ خیال جما کر رکھے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل میرے سامنے ہے، میں اس کو دیکھ رہا ہوں اور اس کی تعریف و حمد و ثناء کر رہا ہوں، اور اپنی عاجزی و بندگی کا اقرار و اظہار کر رہا ہوں۔ جاننا چاہیئے کہ نماز کا اصل مقصود اللہ تعالیٰ عزوجل کا ذکر ہی ہے، قرآن مجید میں ہے: اقیم الصلوٰۃ لذکر (اے مخاطب! نماز قائم کر میرے ذکر کے لئے) پس جو شخص نماز میں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل رہا وہ نماز کے اصل مقصود سے محروم رہا، سالکین کو اس بارے میں خاص خیال رکھنا چاہیئے۔
- ❖ ہر سالک پر از حد ضروری ہے کہ وہ پانچ وقت فرض نماز پابندی کے ساتھ ادا کرتا رہے، ورنہ وہ اس جماعت کا سچا ساتھی نہیں کہلائے گا۔
- ❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ فرض نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کرے، بلا عذر ہرگز ہرگز جماعت نہ چھوڑے۔ اس بارے میں نفس سے خوب لڑائی کرے اور جماعت کا اہتمام کرے، اگر بالفرض کسی جگہ صرف دو آدمی ہوں تو پھر بھی وہاں جماعت کر کے نماز ادا کرے۔
- ❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ فرض نماز سے پہلے اور بعد والی سنت مؤکدہ نماز بھی ضرور ادا کرے، بلاوجہ وبلاض شرعی سستی کی وجہ سے سنت مؤکدہ چھوڑنے کی عادت نہ بنائے۔
- ❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ نماز تہجد کا خاص اہتمام کرے، اس طرح اس کا مقام بلند ہو گا۔
- ❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے اوقات ضائع نہ کرے، نماز کے بعد اگر وہ مدرسہ کا معلم یا متعلم ہے تو وہ اس میں مشغول و مصروف ہو جائے۔ اگر اپنی دنیاوی کاروبار، ملازمت، کاشتکاری، دکانداری یا کسی بھی پیشہ کا مشغلہ رکھتا ہے تو فوراً اپنے اس کام کے تمام تر حقوق ادا کرنے کی طرف متوجہ ہو جائے، سستی، کاہلی، بلاوجہ لوگوں کے پاس بیٹھنے، گپ شپ لگانے سے مکمل کرنے سے مکمل پرہیز کرے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ وقت ضائع کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔
- ❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ حلال روزی کمانا بلاشبہ اللہ تعالیٰ عزوجل کی عبادت ہے، اس کام میں جتنی تکلیف اور اذیت دیکھے اس پر صبر کرے اور اللہ تعالیٰ عزوجل سے ثواب کی امید رکھے، بلاشبہ صبر والوں کو بغیر حساب اور بے شمار اجر و ثواب دیا جائے گا۔
- ❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو حرام مال سے بچائے، حرام مال کھانے سے دل سیاہ اور غلیظ ہوتا ہے۔ نیک اعمال سے نفرت اعمال سے نفرت اور گناہوں سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ کسی بھی حرام کھانے والے کو اللہ تعالیٰ عزوجل کی محبت، ولایت اور نور باطن نصیب نہیں ہوتا۔

❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ اگر وہ صاحب نصاب ہے تو ضرور زکوٰۃ ادا کرے اور یہ اعتقاد رکھے کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے مال میں برکت ہوگی۔ اگر بالفرض زکوٰۃ ادا نہ کی تو بروز قیامت مال سانپ کی شکل میں، میرے جسم اور گلے میں طوق کی طرح لپٹ کر مجھے ڈستا رہے گا، نیز سونا اور چاندی کو دوزخ کی آگ سے تپا کر میری پیشانی، پسلیوں اور پیٹ کو داغ دیا جائے گا، اس طرح قرآن و سنت میں موجود ہے۔

❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ بوقت ضرورت زکوٰۃ کے مسائل کرام سے پوچھ کر ان پر عمل کرے۔

❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ رمضان کے روزے بحکم شریعت کے موافق پابندی کے ساتھ ادا کرے، بوقت ضرورت کامل علماء کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔

❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ اگر اس فرض ہے تو ایک بار ضرور حج پر جائے، اور اس سلسلہ میں شرعی مسائل کامل علماء کرام سے ضرور پوچھے۔

❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ سانگ بندی اور شادی کے تمام تر معاملات شریعت کے موافق سر انجام دے، موجودہ زمانہ کے رسم ورواج اور بلاوجہ فضول خرچی سے پرہیز کرے۔ بالخصوص عورتوں کی بے پردگی، عورتوں کے ساتھ میل جول، گانا، ساز، ناچ اور ڈھول وغیرہ سے خوب اجتناب کرے، اگر شادی کے پروگرام میں اپنے شیخ مکرم یا کسی اچھے عالم دین یا کسی نیک و صالح انسان کو بلائے تو اس سے دینی و دنیاوی بہت سے فوائد و برکات نازل ہوں گے۔

❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ غمی و فوتگی کے بعد جملہ کام شریعت کے موافق سر انجام دے، قرضہ اٹھا کر طاقت سے زیادہ خیرات نہ کرے، جتنی توفیق ہو اللہ تعالیٰ عزوجل کی رضا و خوشنودی کے لئے اپنے حلال مال سے خیرات کرے۔ اگر بالفرض کسی شخص کو کچھ بھی توفیق نہ ہو تو دو رکعت نفل پڑھ کر میت کو ثواب پہنچانا یا میت کے لئے صرف مغفرت و بخشش کی دعا کرنا بھی بہت بڑی خیرات ہے۔ حدیث عن عبد الله بن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ما الميت في القبر إلا كالغريق المتغوث ينتظر دعوة تلحقه من أب أو أم أو أخ أو صديق فإذا لحقته كان أحب إليه من الدنيا وما فيها وإن الله تعالى ليدخل على أهل القبور من دعاء أهل الأرض أمثال الجبال وإن هدية الأحياء إلى الأموات الاستغفار لهم". رواه البيهقي في شعب الإيمان۔[97]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میت قبر میں اس طرح پریشان اور فریاد کرنے والی ہوتی ہے جیسے پانی میں ڈوبا ہوا فریاد کرنے والا ہو، وہ دعا کا منتظر ہوتا ہے کہ شاید کوئی دعا اسے ابو، امی، بھائی یا کسی دوست کی طرف سے پہنچے، جب کسی کی طرف سے کوئی دعا اسے پہنچتی ہے تو وہ دعا اسے پوری دنیا اور اس میں جو کچھ ہے ان سب سے زیادہ محبوب و پسندیدہ لگتی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ زمین والوں کی طرف سے قبر والوں کو پہاڑوں کی مثل دعاؤں کا اجر پہنچاتا ہے، اور مردہ لوگوں کے لئے زندہ لوگوں کی طرف سے ہدیہ اور تحفہ ان کے لئے استغفار اور بخشش کی دعا کرنا ہے۔[98]

---

[97] مشکوٰۃ المصابیح، ج ۲، ص ۳۰

[98] شعب الایمان۔ مشکوٰۃ عربی، ص ۲۰۲

❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے سے بڑے لوگوں کا ادب و اکرام کرے، بالخصوص والدین کا ادب اور اکرام بہت زیادہ کرے، اگر والدین مباح کاموں کا کوئی حکم کریں تو ان کی اطاعت میں جلد بازی کرے، باقی خلاف شریعت باتوں اطاعت جائز نہیں۔ اگر خلاف شرع باتوں میں اولا د والدین کی اطاعت نہ کرے تو اس صورت میں اولاد کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی نقصان نہ ہو گا۔

❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ عزوجل، رسول اللہ ﷺ اور اپنے شیخ کامل کی فرماں برداری کو والدین کی فرمانبرداری سے ترجیح اور فوقیت دے۔

❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ تمام اپنے سے چھوٹوں پر رحمت اور شفقت کرے، بالخصوص اپنے بچوں پر خاص رحمت و شفقت کرے۔

نوٹ: بچوں کو بلاوجہ جھڑکنا، ڈرانا اور مارنا شرعاً درست نہیں۔ اگر بچوں سے کوئی غلط کام صادر ہو تو پہلے انہیں نرمی سے سمجھانا چاہیئے کہ بیٹا! اس طرح کرنا اچھا نہیں اور یہ بری عادت ہے۔ اگر بالفرض پھر بھی نہ سمجھے تو مجبوراً جھڑکنا یا اصلاح کی غرض سے تھوڑا سا مارنا جائز ہے۔ بلکہ اصلاح کے لئے یہ مارنا عین شفقت کہلائے گا۔

❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کے جملہ حقوق ادا کرے۔ بیوی کو گھر، کھانا اور کپڑا دینا شرعاً واجب ہے، بیوی کو اچھے اعمال کا حکم کرنا اور برے اعمال و برے اخلاق سے روکنا شرعاً ضروری ہے۔ بیوی کو بھی بلاوجہ مارنا، جھڑکنا، گالی دینا، برا بھلا کہنا اور ایذا دینا شرعاً حرام ہے، اشد حرام ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے: خیر کم خیر کم لاھلہ (رواہ الترمذی و الدارمی) یعنی جو شخص اپنے اہل و عیال کے لئے اچھا ہے وہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ جو شخص اپنے اہل کے لئے برا ہے وہ اللہ تعالیٰ و رسول ﷺ کے نزدیک بھی برا ہے۔ بیویوں سے حسن سلوک کے لئے قرآن مجید کی آیت: وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرۃ ۲۲۸) (یعنی شوہروں پر بیویوں کے (حسن معاملہ و حسن سلوک کے) ایسے حقوق ہیں جیسے بیویوں پر شوہروں کے حقوق ہیں) کی تفسیر کافی وشافی ہے۔

نیز قولہ تعالیٰ: وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء ۱۹) (بیویوں سے حسن سلوک کے ساتھ زندگی گزارو) کی تفسیر مطالعہ ہو۔

❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ ہر مسلمان سے بہت اچھے اخلاق، خندہ روئی اور کشادہ پیشانی سے پیش آئے۔ ہر انسان کو اپنے آپ سے اچھا تصور کرے۔ کسی کو بھی حقارت اور ذلت کی نظر سے نہ دیکھے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

مرا پیر دانائے مرشد شہاب	دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش	دوم آنکہ بر غیر بد بیں مباش

ترجمہ: حضرت شیخ کامل پیر شہاب الدین علیہ الرحمہ نے مجھے دریا کے کنارے دو بہت ہی اچھی نصیحتیں کیں۔ ایک یہ کہ اپنی اچھائی اور خوبی ہر گز نہ دیکھو۔ اور دوسری یہ کہ کسی دوسرے انسان کی خرابی اور بدی ہر گز نہ دیکھو۔

نوٹ: مکرم قدس سرھم العزیز اکثر فرماتے تھے کہ فقراء پر لازم ہے کہ وہ ان اشعار کو اپنے گلے کا تعویذ بنا کر رکھیں یعنی ان کو اتنا زیادہ مد نظر رکھیں کہ یہ ہر گز ان کی نظر سے جدا نہ ہوں جیسے تعویذ ہمیشہ انسان کے گلے میں پڑا رہتا ہے اور جدا نہیں ہوتا۔ مقصود یہ کہ ان اشعار پر ہمیشہ عمل کرنا چاہیئے، اور ان کو ہر گز نہ بھلانا چاہیئے۔

❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ کسی بھی انسان پر بلا حکم شریعت ظلم نہ کرے، کسی کو بھی کچھ ایذاء نہ دے، ہر مسلمان کو خوش رکھنے کی خوب کوشش کرے، شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے:

شنیدم کہ مردان راہ خدا — دل دشمناں رانہ کردند تنگ

ترا کہ میسر شود این مقام — کہ بادوستانت خلاف ست وجنگ

ترجمہ: میں نے سنا ہے کہ اللہ والے دشمنوں کے دلوں کو بھی تنگ نہیں کرتے۔ اور تیرا حال یہ ہے کہ تو اپنے دوستوں سے بھی لڑتا اور جھگڑتا ہے، پھر تو خود بتا کہ تجھے اللہ والوں کا مقام کیسے حاصل ہو گا؟۔

❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ اگر وہ کسی دنیاوی شعبہ میں کام کر رہا ہو تو اس شعبے کے اعلیٰ نگراں، نیز دنیاوی ہنر سکھانے والے استاد، ملازمت کے افسر، فیکٹرے کے منیجر یا کسی بھی شعبہ کے امیر ور ہنما کی خاص اطاعت و ادب اکرام کرے۔ بجز اس صورت کے کہ اس کا پیشوا اسے خلاف شرع کام کا حکم کرے۔

آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ من يطع الأمير فقد أطاعني[99] یعنی جس شخص نے امیر کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی۔

نیز آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق[100] یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کام میں کسی بھی مخلوق کی بات نہیں ماننی چاہیئے (اگر چہ وہ امیر ہو یا وزیر، ماں ہو یا باپ)۔

❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنی صورت شریعت و سنت کے موافق بنائے۔ یعنی:

(۱) سر پر ٹوپی اور عمامہ شریف رکھے۔

(۲) سر کے بال منڈائے یا زلف کان کی لو اور کندھوں کے درمیان رکھے، انگریزی بال ہر گز نہ بنائے۔

(۳) داڑھی کم از کم ایک مٹھی کے برابر رکھے، مٹھی سے زیادہ ہو تو ممنوع نہیں، کم نہ ہونی چاہیئے، داڑھی پر زرد مہندی، سرخ مہندی اور سرخ مائل بہ سیاہ مہندی لگا سکتا ہے لیکن خاص سیاہ مہندی نہ لگائے۔

(۴) ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنی مونچھیں کاٹے اور ان کو اپنے ہونٹوں کے کنارے تک نہ چھوڑے، مونچھوں کو اتنا زیادہ کاٹنا کہ نیچے سے کھال نظر آئے زیادہ مستحسن اور زیادہ ثواب ہے۔

(۵) ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنی قمیص میں کالر نہ رکھے۔

---

[99] مشکاۃ المصابیح، ج ۲، ص ۳۳۴

[100] مشکاۃ المصابیح، ج ۲، ص ۳۴۱

(۶) ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنی شلوار یا چادر ٹخنوں سے نیچے ہر گز نہ چھوڑے، حدیث مبارک میں اس کی سخت ممانعت موجود ہے۔

- ❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ مسواک سنت کے موافق اپنے پاس رکھے۔ اور مسواک سے خوب محبت رکھے اور ہر وضو کے وقت اس کو استعمال کرے۔
- ❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنی آنکھ، زبان، کان، پیٹ، ہاتھ اور پاؤں کو خلاف شرع کاموں سے ضرور بالضرور بچائے، اور ان اعضاء سے شریعت کے موافق کام لیتا رہے، ورنہ باطنی دولت، انوارات الٰہیہ اور فیوضات ربانی سے بالکلیہ محروم رہے گا۔
- ❖ ہر سالکپر لازم ہے کہ وہ اپنی زبان کی سب سے زیادہ حفاظت کرے، گالی دینا، جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، مزاق کرنا انسان کو تباہ کرنے میں کافی ہیں۔ جس شخص کی زبان اس کے قبضہ میں نہیں اس سے زیادہ بے وقوف اور کوئی نہیں۔
- ❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ ہمیشہ سچ بولے، جو شخص ہمیشہ سچ بولے گا وہ انشاء اللہ تعالیٰ ضرور ایک دن ولایت کے مقام پر فائز ہو جائے گا۔
- ❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ بد نظری، عشق بازی اور حسن پرستی سے اپنے آپ کو بچائے ورنہ اسے قرب الٰہی اور ولایت ہر گز ہر گز حاصل نہ ہوگی کیونکہ کوئی فاسق ولی اللہ نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

  إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ (الانفال ۳۴) نہیں ہیں اللہ کے ولی مگر پرہیز گار لوگ۔
- ❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو زنا، چوری، گانا، ساز، ٹی وی، سگریٹ، نسوار، نشہ اور جملہ منکرات و منہیات شرع سے بچائے اور اس بارے میں بہت زیادہ احتیاط کرے۔
- ❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو بری صحبت، بری مجلس اور فاسق انسانوں کی یاری دوستی سے ضرور بچائے، ورنہ ہر گز ترقی نہ کر سکے گا۔

اے برادر دور شو از یار بد   یار بد بدتر بود از مار بد

ترجمہ: اے بھائی برے یار اور خلاف شرع دوست سے دور بھاگ، کیونکہ برا یار اژدھا سانپ سے بھی زیادہ برا ہے۔

قرآن مجید میں ہے: فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ (الانعام ۶۸)۔

ترجمہ: یاددہانی کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو۔

- ❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو بری صفات سے بچا کر رکھے مثلاً غصہ، حسد، کینہ، ریا، کبر، عجب، بخل، حرص، حب جاہ، حب مال، بد ظنی وغیرہ سے۔

نوٹ: ان صفات کو اصطلاح تصوف میں مہلکات کہتے ہیں۔ یعنی یہ ایسی صفتیں ہیں جو انسان کو ہلاک و تباہ کر دیتی ہیں، ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ ان صفات کے معانی سمجھے، پھر غور کرے کہ اس کی ذات میں ان صفات میں سے کون سی صفت کس قدر موجود ہے؟ پھر اپنا علاج کرے۔

❖ ہر سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو اچھی صفات سے آراستہ کرے، اچھی صفات یہ ہیں: علم، حلم، صبر، شکر، اخلاص، خیر خواہی، تواضع، ذکر المنہ، زہد، استغناء، سخاوت، توکل، تفویض، تسلیم، رضا بر قدر وغیرہ۔

نوٹ: ان صفات کو اصطلاح تصوف میں مُنجیات کہتے ہیں یعنی یہ ایسی صفتیں ہیں جو انسان کو نجات اور کامیابی سے ہمکنار کرتی ہیں۔ ہر سالک پر ان کا سمجھنا اور ان کے موافق صفات پیدا کرنا اشد ضروری ہے۔

ضروری تنبیہ: جاننا چاہیئے کہ درج بالا صفات مہلکات سے بچنے اور صفات منجیات سے آراستہ ہونے کے لئے اسلاف نے کئی تدبیریں اور کئی قسم کے علاج وغیرہ بتائے ہیں۔ مشائخ نقشبندیہ کے نزدیک شیخ کامل و مکمل کی سچی محبت جملہ حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ایک ایسی دولت ہے جس سے بہت بڑے پیمانہ تک تمام صفات مہلکات سے آزادی اور صفات منجیات سے آبادگی حاصل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جب دل شیخ کامل کی محبت میں فانی اور گم ہو جاتا ہے تو بری صفات کے پیدا ہونے کی جگہ باقی نہیں رہتی اور بتقدیر الٰہی محبت شیخ کامل کی وجہ سے شیخ کے دل کا نور و صفات حسنہ کا انعکاس مرید صادق و کامل کے دل کی طرف ہو جاتا ہے تو اس طرح مرید بہت زیادہ اچھی صفات سے متصف ہو جاتا ہے نیز شیخ کی محبت کی وجہ سے ان کی تعلیم و تربیت پر عمل کرنا بہت ہی سہل بلکہ محبوب ہو جاتا ہے۔[101]

چند آیات قرآنیہ سے آدابِ مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کا استنباط و ثبوت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (الحجرات ۱)

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سُنتا جانتا ہے۔[102]

اس آیت مبارکہ کے شانِ نزول میں مختلف واقعات بیان کئے گئے ہیں روح البیان وروح المعانی وغیرہ میں یہ واقعہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ مدینہ شریف میں بعض صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عید الاضحی کی نماز ادا کرنے سے پہلے ہی قربانی کر دی حالانکہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے خود اب تک قربانی نہیں کی تھی۔ پس اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی کہ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے پیش قدمی نہ کیا کرو (آخر تک) لیکن چونکہ آیت مبارکہ کے الفاظ عام ہیں لہٰذا یہ حکم مبارک ہر قول اور ہر فعل میں پیش قدمی نہ کرنے پر عام ہو گا۔ اور یوں نہ کہا جائے گا کہ یہ حکم صرف اس واقعہ قربانی کرنے میں خاص ہے کیونکہ تمام محققین ومفسرین کے نزدیک یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ "**العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب**" یعنی قرآن مجید کے عام الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے خاص سبب (یا صرف واقعہ شان نزول) کا اعتبار نہیں ہوتا ہے۔[103]

فائدہ: جاننا چاہیئے کہ لفظ **لَا تُقَدِّمُوا** فعل نہی حاضر متعدی ہے جس کیلئے بقاعدہ نحو مفعول بہ ضروری ہے اور وہ یہاں محذوف یا مقدر ہے اور اس کی وجہ مفسرین حضرات نے یہ لکھی ہے کہ تاکہ حکم مبارک عام ہو جائے کہ جو بھی چیز ہو تم اس میں رسول اللہ ﷺ سے پیش قدمی نہ کیا کرو۔ قول ہو یا فعل یا کوئی دیگر چیز۔[104]

---

[101] ہدایۃ الفقراء، ص ۱۳ تا ۱۳

[102] (ترجمہ: از تفسیر حقانی: ۲۹۸)

[103] (روح المعانی: صفحہ: ۱۳۴: جلد: ۱۳)

[104] (روح المعانی وروح البیان)

مفسرین حضرات نے اس آیت مبارکہ سے مندرجہ ذیل مسائل وآداب استنباط فرمائے ہیں:

نمبر ۱: معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے حضور مبارک میں یہ جائز نہیں ہے کہ آپ ﷺ کے حکم سے پہلے اپنا کوئی حکم قائم کیا جائے۔ چنانچہ ایک ایسا ہی واقعہ دو اصحابِ کرام سے ظہور پذیر ہوا تھا۔ پھر انہوں نے اس آیت مبارکہ کے نزول کے بعد فوراً ہی توبہ کی۔ رواہ البخاری۔ اور اب بھی آپ ﷺ کی شریعت مبارکہ پر اپنی عقل کو ترجیح دینا ناجائز ہے کیونکہ یہ نعوذ باللہ تعالیٰ منہ رسول اللہ ﷺ سے سبقت کرنا ہے۔

نمبر ۲: نیز معلوم ہوا کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی دستر خوان پر تشریف فرما ہوں تو آپ سے پہلے کھانا شروع کرنا ناجائز ہے۔ کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ سے سبقت کرنا ہے اور یہ ممنوع ہے۔

نمبر ۳: اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ راستہ میں چلتے وقت حضور ﷺ کے آگے چلنا ناجائز ہے مگر جب کہ اس طرح کا فرمان عالی ہو جیسا کہ جہاد یا رات کو خراب راستہ کی سیر میں۔

اور تفسیر حقانی میں اس آیت مبارکہ کے ذیل میں یوں مرقوم ہے بعینہ عبارت مندرجہ ذیل ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا۔الخ (الحجرات ۱) یہ پہلا حکم ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے آگے نہ بڑھو۔ اللہ تعالیٰ کا لفظ اس لئے ذکر کیا کہ رسول، اللہ کا نائب ہے۔ اس کی گستاخی اللہ کی گستاخی اور اس کی تعظیم اللہ کی تعظیم ہے۔ آگے بڑھنے سے کیا مراد ہے؟ یعنی کسی بات میں حضور ﷺ کے سامنے جلدی نہ کرو بلکہ تابع رہو۔ حضور ﷺ سے پہلے کوئی حکم نہ دو، آپ ﷺ کے سامنے کسی کام میں سبقت نہ کرو۔ چلنے میں، بات کرنے میں، حکم دینے میں، کھانے میں، کسی کے سوال کے جواب دینے میں آگے بڑھ کر بیٹھنے میں عام ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اللہ تعالیٰ تمہاری باتیں سنتا ہے۔ دل کے احوال جانتا ہے۔[105]

اور اس آیت مبارکہ کے تحت تفسیر روح البیان: صفحہ: ۲۲: جلد: ۹: میں یوں مرقوم ہے:

''ويدخل في النهي المشي بين يدى العلماء فانهم ورثة الانبياء دليله ماروى عن ابى الدرداء رضى الله تعالىٰ عنه قال رأنى رسول الله ﷺ امشى امام ابى بكر رضى الله تعالىٰ عنه فقال تمشى امام من هو خير منك فى الدنيا والآخرة ما طلعت شمس ولا غربت على احد بعد النبيين والمرسلين خيرا او افضل من ابى بكر رضى الله تعالىٰ عنه۔ كما فى كشف الاسرار''

اور لفظ (لا تقدموا) کی نہی میں علماء کے آگے چلنا بھی داخل ہے کیونکہ علماء رحمہم اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور اس کی دلیل حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ نے مجھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آگے چلتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم ایسے شخص کے آگے چلتے ہو جو دنیا وآخرت میں تم سے بہتر ہے (اور فرمایا کہ دنیا میں) آفتاب کا طلوع وغروب کسی ایسے شخص پر نہیں ہوا جو انبیاء کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہتر اور افضل ہو۔ جیسا کہ کشف الاسرار میں ہے۔

---

[105] تفسیر حقانی: صفحہ: ۲۹۸: جلد: ٦

فائدہ: روح البیان: صفحہ: ۶۲: جلد: ۹: میں ہے کہ پہلے زمانے میں جب کوئی نوجوان کسی بوڑھے آدمی کے آگے چلتا تو اللہ تعالیٰ اسے (اس کی اس بے ادبی کی وجہ سے) زمین میں دھنسا دیتا تھا۔[106]

آیت ۲: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ (الحجرات ۲)

اے ایمان والو! اپنی آواز نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور نہ رسول سے بلند آواز سے بات کیا کرو جیسا کہ تم ایک دوسرے سے کیا کرتے ہو۔ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جاویں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔[107]

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں تفسیر معارف القرآن اردو: صفحہ: ۱۰۰: میں یوں مرقوم ہے بعینہ عبارت مندرجہ ذیل ہے:

لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ الخ (الحجرات ۲) یہ دوسرا ادب مجلس نبوی ﷺ کا بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا یا بلند آواز سے اس طرح گفتگو کرنا جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے حجاب کیا کرتے ہیں ایک قسم کی بے ادبی و گستاخی ہے۔ چنانچہ اس آیت کے نزول سے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ حال ہو گیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ قسم ہے کہ اب مرتے دم تک آپ ﷺ سے اس طرح بولوں گا جیسے کوئی کسی سے سرگوشی کرتا ہو (در منثور عن البیهقی) اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر آہستہ بولنے لگے کہ بعض اوقات دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا (کذافی الصحاح) اور حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ طبعی طور پر بہت بلند آواز تھے یہ آیت سن کر وہ بہت ڈرے اور روئے اور اپنی آواز کو گھٹایا۔ (بیان القرآن از در منثور)

روضۂ اقدس کے سامنے بھی بہت بلند آواز سے سلام و کلام کرنا ممنوع ہے

قاضی ابو بکر ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم اور ادب آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی ایسا ہی واجب ہے جیسا حیات میں تھا اسی لئے بعض علماء نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی قبر شریف کے سامنے بھی زیادہ بلند آواز سے سلام و کلام کرنا ادب کے خلاف ہے۔ اسی طرح جس مجلس میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث پڑھی یا بیان کی جارہی ہوں اس میں بھی شور و شغب کرنا بے ادبی ہے کیونکہ آپ ﷺ کا کلام جس وقت آپ ﷺ کی زبان مبارک سے ادا ہو رہا ہو۔ اس وقت سب کیلئے خاموش ہو کر اس کا سننا واجب و ضروری تھا۔ اس طرح بعد وفات جس مجلس میں آپ ﷺ کا کلام سنایا جاتا ہو۔ وہاں خاموش ہو کر اس کا سننا بھی واجب و ضروری ہے اور شور و شغب کرنا بے ادبی ہے۔

مسئلہ: جس طرح تقدم علی النبی (یعنی نبی ﷺ سے آگے بڑھنا) کی ممانعت میں علمائے دین بحیثیت وارث انبیاء ہونے کے داخل ہیں اسی طرح رفع صوت کا بھی یہی حکم ہے کہ اکابر علماء کی مجلس میں اتنی بلند آواز سے نہ بولے جس سے ان کی آواز دب جائے (یا انہیں تکلیف و ایذا پہنچے)۔[108]

---

[106] (روح البیان: صفحہ: ۶۲)

[107] الحجرات: رکوع: ۱: ترجمہ از تفسیر حقانی: صفحہ: ۲۹۸: جلد: ۶

[108] (قرطبی بحوالہ تفسیر معارف القرآن اردو: صفحہ: ۱۰۱: جلد: ۸)

اور روح البیان صفحہ:۲۶ :جلد: ۹ : میں ہے۔ بعینہ عربی عبارت کا اردو ترجمہ نیچے درج کیا جاتا ہے۔ بعض علماء نے نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس رفع صوت کو مکروہ جانا ہے کیونکہ آپ ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔ (نیز) بعض علماء کرام نے علماء کی تعظیم کیلئے ان کی مجالس میں آواز بلند کرنے کو مکروہ جانا ہے کیونکہ وہ انبیاء کے وارث ہیں۔

حکایت: حضرت سلیمان بن حربؒ نے فرمایا کہ ایک شخص حضرت حماد بن زید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حضور میں ان کی درس حدیث مبارک کے دوران ہنسا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ناراض ہو گئے اور فرمایا کہ مجھے یقین ہے کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ کی زندگی مبارک میں آپ ﷺ کے حضور میں رفع صوت ممنوع تھا اسی طرح آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی حدیث مبارک کے تذکرہ کے وقت بھی رفع صوت ممنوع ہے۔ آپ یہ کہہ کر اسی وقت اٹھے اور اسی دن سے درس کو بند کر دیا۔

اس بات کا خلاصہ یہ ہے کہ درس حدیث اور محدث (یعنی حدیث پڑھانے والے استاد) کے حضور میں آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔ علاوہ ازیں کہ ہنسا تمسخر اور مذاق سے خالی نہیں ہوتا ہے اور مجلس سنجیدگی (ادب) اس چیز کا احتمال ہی نہیں رکھتی ہے اگر (بالفرض) اسلاف میں سے کوئی بزرگ ہمارے زمانے کی مجلس وعظ یا درس یا مجمع میلاد شریف وغیرہ میں آجائیں تو لوگوں کی بے ادبی اور بہت سے ناپسندیدہ کاموں کو دیکھ کر اس ہی وقت ان مجالس سے نکل جائیں۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ''من ترک الاٰداب ردّ عن الباب'' جس شخص نے آداب کو چھوڑ دیا اسے دروازہ سے ہٹا دیا جائے گا۔ ابلیس کی نو لاکھ برس کی عبادت ایک بے ادبی کی وجہ سے ضائع و برباد ہو گئی۔

نگاہ دار ادب در طریق عشق و نیاز　　　　که گفته اند طریقت تمام آدابست

عشق اور نیاز کی راہ میں ادب کی (خوب) رعایت کر کیونکہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ طریقت تمام تر آداب ہی ہے۔ ''نسأل اللہ الکریم ان یجعلنا متحلین بحلیۃ الادب العظیم''

ہم خدائے کریم سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ادب عظیم کے زیور سے آراستہ فرمادے (آمین ثم آمین)[109]

اور روح المعانی: صفحہ: ۱۳۸ : جلد: ۱۳ : کی عبارت بمعہ ترجمہ مندرجہ ذیل ہے!

''واستدل العلماء بالاٰیۃ علی المنع من رفع الصوت عند قبرہ الشریف ﷺ وعند قراءۃ حدیثہ ﷺ لان حرمتہ ﷺ میتا کحرمتہ ﷺ حیا۔ وذکر ابو حبان کراھیۃ الرفع ایضا بحضرۃ العالم وغیر بعید حرمتہ بقصد الایذاء والاستھانۃ لمن یحرم ایذاءہ والاستھانۃ بہ مطلقا لکن للحرمۃ مراتب متفاوتۃ کما لا یخفیٰ''

ترجمہ: علمائے کرام نے اس آیت مبارکہ سے استدلال فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس اور آپ ﷺ کی حدیث مبارک پڑھنے کے وقت آواز بلند کرنا ممنوع ہے کیونکہ آپ ﷺ کا احترام وفات کے بعد بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ زندگی میں تھا۔ امام ابو حیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عالم با عمل کے حضور میں بھی آواز بلند کرنے کو مکروہ کہا ہے اور جس شخص کی ایذاء واہانت حرام ہے اس کی ایذاء واہانت کی غرض سے اس کے پاس آواز بلند کرنا حرمت سے بھی دور نہیں۔ وہ شخص کون بھی ہو (نبی ہو یا ولی، عالم ہو یا مؤمن) لیکن حرمت کے درجوں میں فرق ضرور ہے۔ جیسا کہ یہ مخفی بات نہیں ہے۔

اور

[109] (روح البیان: صفحہ: ۲۶ :جلد: ۹)

مسائل السلوک مترجم اردو للتھانوی علی تفسیرہ بیان القرآن:صفحہ:۲۹۹: میں ہے:

قولہ تعالیٰ۔یَاأَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَکُمْ الخ (الحجرات ۲)

یہ آیات اصل ہیں شیخ کے آداب واحترام میں۔

اور تفسیر حقانی:صفحہ:۲۹۹:جلد:۶: میں مکتوب ہے کہ:

افسوس ہندوستان کے مسلمانوں پر کہ مساجد میں کیسا غل مچاتے ہیں اور اکابر اور بزرگانِ دین کے سامنے بات کرنے میں تہذیب وادب ان کے نصیب میں نہیں۔الا ماشاءاللہ۔ کیسی بدتہذیبی آگئی ہے۔

اور تفسیر معارف القرآن:صفحہ:۱۰۲:جلد:۸: میں زیر تفسیر ارشاد باری تعالیٰ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُکُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ (الحجرات ۲) یوں مرقوم ہے کہ:

بعض مصیبتوں کا خاصہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے کرنے والے سے توبہ اور اعمال صالحہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے اور وہ گناہوں میں منہمک ہو کر انجام کار کفر تک پہنچ جاتے ہیں جو سبب ہے حبط اعمال کا، کسی اپنے دینی مقتداء استاد یا مرشد کی ایذاء رسائی ایسی ہی معصیت ہے جس سے سلب توفیق کا خطرہ ہوتا ہے۔اس طرح یہ افعال یعنی تقدم علی النبی اور رفع الصوت ایسی معصیت ٹھہرے کہ جن سے خطرہ ہے کہ توفیق سلب ہو جائے اور یہ خذلان آخر کار کفر تک پہنچادے جس سے تمام اعمال صالحہ ضائع ہو جاتے ہیں۔اور کرنے والے نے چونکہ ایذاء کا قصد نہ کیا تھا اس لئے اس کو اس کی خبر بھی نہ ہو گی کہ اس ابتلاء کفر اور حبط اعمال کا اصل سبب کیا تھا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی صالح بزرگ کو کسی نے اپنا مرشد بنایا ہو تو اس کے ساتھ گستاخی وبے ادبی کا بھی یہی حال ہے کہ بعض اوقات وہ سلب توفیق اور خذلان کا سبب بن جاتی ہے جو انجام کار متاع ایمان کو بھی ضائع کر دیتی ہے۔نعوذ باللہ منہ۔[110]

آیت نمبر۳: إِنَّ الَّذِینَ یَغُضُّونَ أَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللہِ أُولَئِکَ الَّذِینَ امْتَحَنَ اللہُ قُلُوبَھُمْ لِلتَّقْوَی لَھُمْ مَغْفِرَۃٌ وَأَجْرٌ عَظِیمٌ (الحجرات ۳)

اس آیت مبارکہ کے ماتحت تفسیر روح البیان:صفحہ:۶۲:جلد:۹: میں ہے کہ:

”وفی الآیۃ اشارۃ الی غضّ الصوت عند الشیخ المرشد ایضًا لانہ الوارث ولہ الخلافۃ“

اس آیت مبارکہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شیخ ومرشد کے پاس بھی آواز پست رکھی جائے کیونکہ شیخ رسول اللہ ﷺ کا وارث اور نائب ہوتا ہے۔

پس اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے سچے نائبوں کا ادب بجالاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کو تقویٰ کیلئے خالص کر دیا ہے۔

نیز معلوم ہوا کہ ایسے لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مغفرت واجر عظیم ہے پس کیا شان ہے ادب بجالانے والوں کی۔کاش کہ حق تعالیٰ ہم سب کو ادب عظیم کی دولت بے پایاں سے بہرہ ور فرمائے۔آمین۔

از خدا خواہیم توفیق ادب　　　بے ادب محروم ماند از لطفِ رب

[110] معارف القرآن:صفحہ:۱۰۲:جلد:۸

ہم اللہ تعالیٰ سے ادب کی توفیق چاہتے ہیں بے ادب اللہ تعالیٰ کے لطف سے بے نصیب رہ گیا۔

آیت نمبر ۴: إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (الحجرات ۴)

جو لوگ حجروں کے باہر سے آپ ﷺ کو پکارتے ہیں ان میں اکثروں کو عقل نہیں ہے اور اگر یہ لوگ (ذرا) صبر (اور انتظار) کرتے یہاں تک کہ آپ ﷺ خود ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کیلئے بہتر ہوتا (کیونکہ یہ ادب کی بات تھی) اور (اگر اب بھی توبہ کریں تو) اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

اس آیت مبارکہ کے ماتحت تفسیر معارف القرآن: صفحہ: ۱۰۲: جلد: ۸: میں مکتوب ہے کہ "اس آیت میں نبی کریم ﷺ کا ایک تیسرا ادب سکھلایا گیا ہے کہ جس وقت آپ اپنے مکان اور آرام گاہ میں تشریف فرما ہوں اس وقت باہر کھڑے ہو کر آپ ﷺ کو پکارنا خصوصاً گنوار پن کے ساتھ کہ نام لے کر پکارا جائے یہ بے ادبی ہے عقل والوں کے یہ کام نہیں۔

سببِ نزول: امام بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بروایت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کیا ہے کہ قبیلہ بنو تمیم کے لوگ جو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے جن کا ذکر اوپر آیا ہے یہ دوپہر کے وقت مدینہ میں پہنچے جب کہ آپ ﷺ کسی حجرہ میں آرام فرما رہے تھے یہ لوگ اعراب آداب معاشرت سے ناواقف تھے۔ انہوں نے حجرات کے باہر ہی سے پکارنا شروع کر دیا۔ "اخرج الینا یامحمد" ("اے محمد ہماری طرف نکلئے") اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اس طرح پکارنے کی ممانعت اور انتظار کرنے کا حکم دیا گیا۔ مسند احمد ترمذی وغیرہ میں بھی یہ روایت مختلف الفاظ سے آئی ہے۔ (تفسیر مظھری)

تنبیہ: صحابہ وتابعینِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے علماء ومشائخ کے ساتھ بھی اسی ادب کا استعمال کیا ہے۔ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ جب میں کسی عالم صحابی سے کوئی حدیث دریافت کرنا چاہتا تھا تو ان کے مکان پر پہنچ کر ان کو آواز یا دروازہ پر دستک دینے سے پرہیز کرتا اور دروازہ کے باہر بیٹھ جاتا تھا کہ جب وہ خود ہی باہر تشریف لائیں گے اس وقت ان سے دریافت کروں گا۔ وہ مجھے دیکھ کر فرماتے کہ اے رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی آپ نے دروازہ پر دستک دے کر کیوں نہ اطلاع کر دی تو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ (میں عرض کرتا کہ) عالم اپنی قوم میں مثل نبی کے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی شان میں یہ ہدایت فرمائی ہے کہ ان کے باہر آنے کا انتظار کیا جائے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے کبھی کسی عالم کے دروازہ پر جا کر دستک نہیں دی، بلکہ اس کا انتظار کیا کہ وہ خود ہی جب باہر تشریف لائیں گے اس وقت ملاقات کروں گا۔[111]

مسئلہ: آیت مذکورہ میں حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ میں (لفظ) إِلَيْهِمْ کی قید بڑھانے سے یہ ثابت ہوا کہ صبر وانتظار اس وقت تک کرنا ہے جب تک کہ آپ ﷺ لوگوں سے ملاقات وگفتگو کیلئے باہر تشریف لائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا باہر تشریف لانا کسی دوسری ضرورت سے ہو اس وقت بھی آپ ﷺ سے اپنے مطلب کی بات کرنا مناسب نہیں بلکہ اس کا انتظار کریں کہ جب آپ ﷺ (صرف ان کی غرض سے باہر تشریف لا کر) ان کی طرف متوجہ ہوں اس وقت بات کریں۔[112]

---

[111] روح المعانی: صفحہ: ۱۴۴: جلد: ۱۳

[112] معارف القرآن: صفحہ: ۱۰۳: جلد: ۸

اس آیت مبارکہ کے ماتحت روح البیان:صفحہ: ۶۹:جلد: ۹: میں ہے:

”فکما لابد من التأدب معه ﷺ فکذا مع من استنّ بسنّته کالعلماء العاملین و کان جماعة من العلماء یجلسون علی باب غیرهم و لایدقّون علیه بابه حتی یخرج لقضاء حاجته احترامًا۔الخ“

پھر جیسا کہ نبی ﷺ کا ادب ضروری ہے ایسا ہی اس شخص کا ادب بھی ضروری ہے جو کہ آپ ﷺ کی سنت مبارکہ کا کامل متبع ہو جیسا کہ با عمل علماء ہیں اور (اسلاف کے) علماء کی ایک جماعت جب دوسرے علماء کے پاس جاتی تو احترام کی وجہ سے ان کے دروازے نہیں کھٹکھٹاتی بلکہ دروازہ پر بیٹھ کر انتظار کرتی تا کہ وہ خود اپنے کام سے باہر تشریف لائیں۔

آیت نمبر ۶:یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَاتَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوا وَ لِلْکَافِرِینَ عَذَابٌ أَلِیمٌ (البقرة ۱۰۴)

اے ایمان والو! تم ”رَاعِنَا“ مت کہا کرو اور ”انْظُرْنَا“ کہہ دیا کرو اور سن لو اور کافروں کو سزا دردناک ہو گی۔

(جاننا چاہئے کہ) بعض یہودیوں نے ایک شرارت ایجاد کی کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے حضور میں آ کر لفظ راعنا سے آپ کو خطاب کرتے جس کے معنی ان کی عبرانی زبان میں برے ہیں اور وہ اسی نیت سے کہتے مگر عربی زبان میں اس کے معنی بہت اچھے ہیں کہ ”ہماری مصلحت کی رعایت فرمایئے“ اس لئے عربی دان اس شرارت کو نہ سمجھ سکتے اور اس اچھے معنی کے قصد سے بعض مسلمان بھی حضور ﷺ کو اس کلمہ سے خطاب کرنے لگے اس سے ان شریروں کو اور گنجائش ملی حق تعالیٰ نے اس گنجائش کے ختم کرنے کے لئے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ اے ایمان والو تم لفظ ”رَاعِنَا“ مت کہا کرو اور اگر اس کے ظاہری مطلب عرض کرنے کی ضرورت پڑا کرے تو لفظ ”انْظُرْنَا“ کہہ دیا کرو کہ اس کے بھی یہی معنی ہیں کہ ہماری مصلحت پر نظر فرمایئے اور اس حکم کو اچھی طرح سن لیجو اور یاد رکھیو اور ان کافروں کو تو سزائے دردناک ہو گی جو پیغمبر ﷺ کی شان میں ایسی گستاخی اور وہ بھی چالاکی کے ساتھ کرتے ہیں۔(بیان القرآن)

اور اس آیت مبارکہ کے ماتحت مسائل السلوک بر حاشیہ بیان القرآن للتھانوی:صفحہ:۳۳: میں ہے:”قوله تعالی۔ یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَاتَقُولُوا رَاعِنَا (البقرة ۱۰۴) اس آیت میں آدابِ شیخ کی تعلیم ہے کہ جس امر میں ادب شیخ میں خلل پڑنے کا شبہ بھی ہو اس سے بھی بچنا چاہئے۔

آیت نمبر۷: إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِینَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا کَانُوا مَعَهُ عَلَی أَمْرٍ جَامِعٍ لَمْ یَذْهَبُوا حَتَّی یَسْتَأْذِنُوهُ إِنَّ الَّذِینَ یَسْتَأْذِنُونَکَ أُولَئِکَ الَّذِینَ یُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوکَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَنْ لِمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِیمٌ (نور ۶۲)

ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر یقین لائے اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام میں حاضر ہوئے ہوں جس کے لیے جمع کیے گئے ہوں تو نہ جائیں جب تک اُن سے اجازت نہ لے لیں وہ جو تم سے اجازت مانگتے ہیں وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں پھر جب وہ تم سے اجازت مانگیں اپنے کسی کام کے لیے تو ان میں جسے تم چاہو اجازت دے دو اور اُن کے لیے اللہ سے معافی مانگو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں مؤمنوں کو ادب کی تعلیم دی ہے کہ جب کبھی رسول اللہ ﷺ انہیں کسی ضروری معاملے کیلئے اکٹھا کریں تو انہیں وہاں سے بغیر اجازت چلے جانا جائز نہیں ہے، حرام ہے۔ اگر بالفرض انہیں کوئی سخت ضروری مسئلہ پیش آئے تو پھر بھی اجازت لے کر ہی جائیں، بغیر اجازت نہ چلے جائیں۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں صاحب روح البیان لکھتے ہیں:

وفی الآیة بیان حفظ الادب بان الامام اذا جمع الناس لتدبیر امر من امور المسلمین ینبغی ان لا یرجعوا الا باذنه ولا یخالفوا امیر السریة ویرجعوا بالاذن اذا خرجوا للغزو ونحوه وللامام ان یأذن وله ان لا یأذن الا علی ما یری فمن تفرق بغیر اذن صار من اهل الهوی والبدع وکان علیه السلام اذا صعد المنبر یوم الجمعة واراد رجل الخروج وقف حیث یراه فیأذن له ان شاء ولذا قال عظماء الطریقة قدس الله اسرارهم ان المرید اذا اراد ان یخرج لحاجة ضروریة ولم یجد الشیخ مکانه فان یحضر الباب ویتوجه بقلبه فیستأذن من روحانیة الشیخ حتی لا یستقل فی خروجه بل یقع ذلک من طریق المتابعة فان للمتابعة تأثیرا عظیما.[113]

اس آیت مبارکہ میں ادب کی رعایت کا بیان ہے کہ جب امام لوگوں کو مسلمانوں کے کسی بھی ایک معاملہ کی اصلاح کیلئے جمع فرمائیں تو لوگوں پر حق ہے کہ وہ ان کی اجازت کے بغیر واپس نہ جائیں۔ نیز امیر لشکر کی مخالفت نہ کریں۔ جب لوگ جہاد وغیرہ کیلئے نکلے ہوں اور واپس آنا چاہیں تو اجازت لے کر پھر واپس ہوں اور امام کو اختیار ہے کہ اجازت دے یا اجازت نہ دے۔ بجز سخت ضروری مسئلہ کے کہ اس وقت اجازت دینا بہتر ہے پھر جو شخص بغیر اجازت لئے جدا ہوا تو وہ اصحاب خواہش نفسانی اور اصحاب بدعت میں سے ہو جائے گا۔ اور نبی ﷺ جمعہ کے دن جب منبر مبارک پر چڑھتے اور کوئی شخص مسجد شریف سے باہر نکلنے کا ارادہ رکھتا تو وہ کھڑا ہو کر ٹھہر جاتا بایں طور کہ آپ ﷺ اسے دیکھ لیتے پھر اگر چاہتے تو اسے اجازت دے دیتے۔ اسی لئے مشائخِ طریقت قدس اللہ اسرارہم نے فرمایا ہے کہ مرید جب کسی ضروری کام کیلئے باہر جانا چاہے اور شیخ کو اپنے مکان میں نہ پائے تو وہ اپنے شیخ کے دروازہ پر حاضر ہو کر اپنے دل سے ان کی طرف متوجہ ہو جائے اور شیخ کی روحانیت سے اجازت لے کر پھر جائے تاکہ مرید اپنے باہر جانے میں اپنے ارادے یا اختیار کے تابع نہ ہو جائے اور یہ کام متابعتِ شیخ سے ظہور میں آئے کیونکہ متابعت میں بڑی تاثیر ہے۔ اور اس آیت مبارکہ کے تحت مسائل السلوک میں ہے۔

قولہ تعالیٰ۔ "إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا۔الخ" (النور ۶۲) روح البیان میں ہے کہ اس میں (یہ بھی) اشارہ ہے کہ مرید کو مستقل ہو کر کوئی کام نہ کرنا چاہئے۔

آیت نمبر ۸: لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (النور ۶۳)

اے مسلمانو! تم رسول ﷺ کے بلانے کو آپس کے ایک دوسرے کے بلانے جیسا نہ سمجھو۔

اس آیت مبارکہ کی تشریح میں صاحب معارف القرآن اپنی اسی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قولہ تعالیٰ: لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (النور ۶۳)

اس آیت مبارکہ کی ایک تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ دعاء الرسول سے مراد رسول اللہ ﷺ کا لوگوں کو بلانا ہے (جو نحوی قاعدہ سے اضافت الی الفاعل ہے) اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب لوگوں کو بلائیں تو اس کو عام لوگوں کے بلانے کی طرح نہ سمجھو کہ اس میں آنے نہ آنے کا اختیار رہتا ہے بلکہ اس وقت آنا فرض ہو جاتا ہے اور بغیر اجازت جانا حرام ہو جاتا ہے۔ آیت کے سیاق وسباق سے یہ تفسیر زیادہ مناسبت رکھتی ہے اسی لئے مظہری اور بیان القرآن میں اس کو اختیار کیا ہے اور اس کی ایک دوسری

---

[113] روح البیان ج۹ ص ۱۹ ا تحت الآیة النور ۶۲۔

تفسیر حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ابن کثیر اور قرطبی وغیرہ نے یہ نقل کی ہے کہ دعاء الرسول سے مراد لوگوں کا رسول ﷺ کو کسی کام کیلئے پکارنا اور بلانا ہے۔(جو نحوی ترکیب میں اضافت الی المفعول ہو گی)۔

اس تفسیر کی بناء پر معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ جب تم رسول اللہ ﷺ کو کسی ضرورت سے بلاؤ یا مخاطب کرو تو عام لوگوں کی طرح آپ کا نام لے کر "یا محمد" نہ کہو کہ بے ادبی ہے بلکہ تعظیمی القاب کے ساتھ یا رسول اللہ ﷺ یا نبی اللہ ﷺ وغیرہ کہا کرو اس کا حاصل رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و توقیر کا مسلمانوں پر واجب ہونا اور ہر ایسی چیز سے بچنا ہے جو ادب کے خلاف ہو یا جس سے آنحضرت ﷺ کو تکلیف پہنچے۔ یہ حکم ایسا ہو گا جیسے سورہ حجرات میں اسی طرح کے کئی حکم دیئے گئے ہیں مثلاً لَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ (الحجرات ۲) یعنی جب آنحضرت ﷺ سے بات کرو تو ادب کی رعایت رکھو ضرورت سے زیادہ اونچی آواز سے باتیں نہ کرو جیسے لوگ آپس میں کیا کرتے ہیں اور مثلاً یہ کہ جب آپ ﷺ گھر میں تشریف رکھتے ہوں تو باہر سے آواز دے کر نہ بلاؤ بلکہ آپ ﷺ کے باہر تشریف لانے کا انتظار کرو إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (الحجرات ۴) میں اسی کا بیان ہے۔

تنبیہ: اس دوسری تفسیر میں ایک عام ادب بزرگوں اور بڑوں کا بھی معلوم ہوا کہ اپنے بزرگوں بڑوں کو ان کا نام لے کر پکارنا اور بلانا بے ادبی ہے۔ تعظیمی لقب سے مخاطب کرنا چاہئے۔[114]

نوٹ: عزیزم! اس عاجز نے قرآن مجید سے آداب مشائخ عظام کے ثبوت کے لئے آٹھ آیات مبارکہ مستند اور مشہور تفاسیر کی عبارات کو درج کرتے ہوئے پیش خدمت کی ہیں۔ حقیقتًا تو قرآن مجید میں اس موضوع پر بہت سی آیات مبارکہ موجود ہیں لیکن اس عاجز نے اختصار کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان آٹھ آیاتِ مقدسہ پر اکتفا کیا۔

اگر آپ کو اسی موضوع پر کچھ مزید آیات کے دیکھنے کا ارادہ و اشتیاق ہو تو سورہ احزاب کی آیت نمبر:٦: کا ابتدائی حصہ اور آیت نمبر:٥٣: کا مکمل ہی اور سورہ فتح کی آیت نمبر ۹: (جبکہ تعزروہ اور توقروہ کے ضمائر منصوب متصل کا مرجع لفظ (رسول ﷺ) کو تسلیم کیا جائے (کما سلمہ، بعض التفاسیر) کا مطالعہ فرمائیں۔

چند احادیث مبارکہ وواقعات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے آدابِ مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کا استنباط وثبوت

اب آگے اسی موضوع کے اثبات میں چند احادیث مبارکہ پیش خدمت کرتا ہے جن سے بڑوں کا ادب رکھنے کا ثبوت ملتا ہے کہ حضرت رسول ﷺ کے آداب بجالانے میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے قصے اور واقعات ذکر ہوئے ہیں۔

حدیث نمبر ا: عن مالک بن الحویرث: أَتَى رَجُلَانِ النبيَّ ﷺ يُرِيدانِ السَّفَرَ، فَقالَ النبيُّ ﷺ: إذا أنْتُما خَرَجْتُما، فأذِّنا، ثُمَّ أقِيما، ثُمَّ لِيَؤُمَّكُما أكْبَرُكُما.[115]

---

[114] معارف القرآن: صفحہ:٤٥٥: جلد:٦

[115] مسلم(٦٧٤) وبخاری: (٦٣٠) صفحہ:٨٨: باب الاذان للمسافر اذا کانوا جماعۃ والاقامۃ)

ابو قلابہ سے روایت ہے کہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا دو آدمی نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے جو سفر کرنا چاہتے تھے نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تم سفر میں نکل جاؤ تو اذان کہنا پھر اقامت کہنا اور تم میں سے بڑا امامت کرائے۔

فائدہ: اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جو شخص عمر میں دوسرے شخص سے بڑا ہو تو چھوٹے پر لازم ہے کہ وہ بڑے کا ادب کرے یہاں تک کہ اگر وہ سفر میں ہوں اور وہ دونوں حسنِ قرأت اور علم دین میں برابر ہوں تو چھوٹے کو چاہیئے کہ بڑے ہی کو اپنا امام بنائے۔ اسی میں ادب ہے۔

حدیث نمبر ۲: عن مالک بن الحویرث: أَتَيْتُ النبيَّ ﷺ في نَفَرٍ مِن قَوْمِي، فأقَمْنا عِنْدَهُ عِشْرِينَ لَيْلَةً، وكانَ رَحِيمًا رَفِيقًا، فَلَمّا رَأى شَوْقَنا إلى أهالِينا، قالَ: ارْجِعُوا فَكُونُوا فيهم، وعَلِّمُوهُمْ، وصَلُّوا، فإذا حَضَرَتِ الصَّلاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أحَدُكُمْ، ولْيَؤُمَّكُمْ أكْبَرُكُمْ[116].

ابو قلابہ سے روایت ہے کہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور ہم بیس روز تک آپ ﷺ کی بارگاہ میں ٹھہرے۔ آپ ﷺ بہت مہربان اور شفیق تھے۔ جب آپ ﷺ نے اہل و عیال کی طرف ہمارا رجحان دیکھا تو فرمایا کہ اب واپس جا کر اہل میں رہو۔ انہیں علمِ دین سکھانا اور نماز پڑھتے رہنا۔ جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک اذان کہہ دے اور جو عمر میں بڑا ہو وہ تمہیں نماز پڑھائے۔

فائدہ: اس حدیث شریف سے بھی پہلی حدیث والا مسئلہ معلوم ہوا کہ چھوٹی عمر والے پر حق ہے کہ وہ اپنے سے بڑی عمر والے کا ادب واحترام کرے اور اسے اپنا امام بنائے۔

حدیث نمبر ۳: عن أبي مسعود عقبة بن عمرو يؤُمُّ القومَ أقرَؤُهم لكتابِ اللهِ، وأقدَمُهم قراءةً، فإن كانوا في القراءةِ سواءً فَلْيؤُمَّهم أقدَمُهم هجرةً، فإن كانوا في الهجرةِ سواءً فَلْيؤُمَّهم أكبَرُهم سِنًّا۔[117]

روایت ہے حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ قوم کی امامت وہ کرے جو کتاب اللہ کا زیادہ قاری ہو اگر قرأت میں سب برابر ہوں تو سنت کا زیادہ جاننے والا اگر سنت میں سب برابر ہوں تو پہلے ہجرت والا اگر ہجرت میں سب برابر ہوں تو زیادہ عمر رسیدہ۔

فائدہ: اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ زیادہ علم والا شخص زیادہ عمر والے سے افضل ہے اگر کسی جگہ کوئی چھوٹی عمر والا عالم دین اور کوئی بڑی عمر والا آدمی اکٹھے ہو جائیں تو عمر رسیدہ (یعنی بڑی عمر والے) کو چاہیئے کہ وہ عالم دین کا اس کے علم دین کی وجہ سے ادب واحترام کرے اگرچہ وہ اس سے کم عمر ہو یہاں تک کہ نماز کا اپنا امام بھی اسی ہی کو بنائے۔ (کیونکہ بنا بر ادب شرعًا وہ ہی اس کا حق دار ہے)

حدیث نمبر ۴: عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ لیسَ منّا من لم یرحَمْ صغیرَنا ولم یوقِّرْ کبیرَنا ویامر بالمعروف وینہ عن المنکر"[118]

---

[116] صحيح البخاري ٦٢٨] • صحيح • [أخرجه البخاري (٦٢٨)، ومسلم (٦٧٤)

[117] رواہ مسلم: مشکوٰۃ: باب الامامۃ: ص ۱۰۰

[118] رواہ الترمذی: وقال ھذا حدیث غریب: مشکوٰۃ: ۴۲۳

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے اور اچھی باتوں کا حکم نہ کرے اور بری باتوں سے منع نہ کرے۔

فائدہ: اس حدیث مبارک سے بخوبی ظاہر ہوا کہ جو شخص بڑوں کی تعظیم واحترام نہ کرے تو وہ بفرمانِ سید المرسلین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم وعید **لیسَ منّا** میں داخل ہے۔یعنی وہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی جماعت میں سے نہیں ہے۔**(العیاذ باللہ تعالیٰ)**

حدیث نمبر ۵:"عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ تعالی عنھم قال قال رسول اللہ ﷺ لیس منّا من لم یرحم صغیرنا ویعرف شرف کبیرنا"[119]

حضرت عمرو بن شعیب سے وہ اپنے باپ سے، وہ اپنے دادا سے رضی اللہ تعالیٰ عنہم روایت کرتے ہیں فرمایا کہ فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کہ جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ جانے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

تشریح: مرآت:صفحہ: ۵۲۰: میں ہے کہ بڑے کی عزت و تعظیم کرنا یہ حکم مبارک عام ہے یعنی بڑائی خواہ عمر کی ہو، خواہ علم کی، خواہ درجہ کی۔ سب کی بفرق مراتب تعظیم کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ یہاں سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ کبیر (بڑے) سے مراد عمر اور سن کا کبیر ہے۔ علم کا کبیر مراد نہیں تو ہم اثبات میں یوں کہیں گے کہ جب سن کے کبیر کی تعظیم و تکریم لازم ہوئی تو علم کے کبیر کی تعظیم و تکریم تو بطریقہ اولیٰ لازم وضروری ہوئی کیونکہ علم کے کبیر کی شان سن کے کبیر سے کوسوں درجے زیادہ ہی ہے۔ پھر اہل اللہ کی تعظیم و تکریم تو **بطریقہ اولیٰ ثم اولیٰ من الاولیٰ** ثابت ہوئی کیونکہ اہل اللہ کی شان اہلِ علم سے کوسوں درجے زیادہ ہی ہے۔

حدیث نمبر۶:عن أبي موسى الأشعري:إنَّ مِن إجلالِ اللهِ إكرامَ ذي الشَّيبةِ المُسلِمِ، وحاملِ القُرآنِ غيرِ الغالي فيه والجافي عنه، وإكرامَ ذي السُّلطانِ المُقسِطِ[120]

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں سے ہے بوڑھے مسلمان اور ایسے حاملِ قرآن کا احترام جو کہ نہ اس (قرآن) میں زیادتی کرے اور نہ اس سے دور رہے اور عادل بادشاہ کا احترام (یعنی ان تینوں قسم کے لوگوں کا احترام اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں سے ہے)

حدیث نمبر۷:عن عائشة أم المؤمنين أنَّ النبيَّ ﷺ-قال:أنزلوا الناسَ منازلَهم۔

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ لوگوں کے ساتھ ان کے مراتب کے اعتبار سے پیش آؤ۔

فائدہ: اس حدیث شریف کے ماتحت حاشیہ مشکوٰۃ شریف میں لمعات سے منقولاً مرقوم ہے کہ **"ای اکرموا کل شخص علی حسب فضلہ وشرفہ ولا سوّوا بین الوضیع والشریف والخادم والمخدوم"** یعنی ہر شخص کا اکرام اس کی فضیلت اور شرف کے

---

[119](حدیث صحیح رواہ ابو داؤد والترمذی، وقال الترمذی حدیث حسن صحیح وفی روایۃ ابی داؤد حق کبیرنا۔ریاض الصالحین:صفحہ:۱۶۸:باب توقیر العلماء والکبار)

[120]رواہ ابو داؤد والبیھقی فی شعب الایمان ومشکوٰۃ:۴۲۳

مطابق کرو خسیس اور شریف خادم اور مخدوم میں برابری مت کرو۔ (شریف اور مخدوم کا اکرام و تعظیم زیادہ کرو کہ یہ خسیس اور خادم سے فضیلت اور شرف میں بڑھ کر ہیں)

حدیث۸: عن أبی امامۃ الباھلی ذُکرلرسول اللہ ﷺرجلان أحدُھما عابدٌ و الآخرُ عالمٌ فقال فضلُ العالمِ علی العابدِ کفضلي علی أدناکم۔

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس دو شخصوں کا ذکر کیا گیا ان میں سے ایک عابد ہے اور دوسرا عالم۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت تمہارے ایک ادنیٰ پر۔

در بیانِ ذکرِ واقعاتِ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم در آدابِ حضرت رسول اللہ ﷺ

یہ عاجز اس حصہ کے بیان میں عربی عبارات کے لکھنے کو اختصار کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہے صرف ترجمہ یا بیان مفہوم و مطلب پر اکتفا کرتا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ ہر ایک واقعہ کے ثبوت کیلئے ماخذ (یعنی منقول عنہ کتاب) کا نام اور صفحہ وغیرہ ضرور عرض کرتا جائے گا۔

واقعہ نمبر ۱: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادب و محبت

جب نبی اکرم ﷺ ایامِ ہجرت میں مدینہ شریف پہنچے تو وہاں قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں جا اترے اور نئے لوگ جوق در جوق آپ ﷺ کی زیارت کیلئے آتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ پر دھوپ آگئی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کے اوپر اپنی چادر تان لی اور سایہ کئے رکھا۔[121]

واقعہ نمبر ۲: حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادب و محبت

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک منافق جس کا نام بشر تھا اس کا کسی یہودی سے جھگڑا ہو گیا۔ یہودی چونکہ جانتا تھا کہ نبی ﷺ حق ہی کا فیصلہ فرماتے ہیں اور رشوت کبھی نہیں لیتے ہیں لہٰذا اس نے بشر کو کہا کہ چل حضرت محمد ﷺ سے فیصلہ کرائیں گے۔ بشر چونکہ جھوٹا تھا اس نے یہودی کو کہا کہ نہیں بلکہ تمہارے سردار کعب بن مالک کے پاس جا کر فیصلہ کرائیں گے۔ منافق کا خیال یہ تھا کہ کعب چونکہ رشوت خور ہے میں اسے کچھ رقم وغیرہ دے کر اپنا بنا دوں گا لیکن یہودی کے اصرار سے دونوں حضرت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے دونوں کا بیان سن کر فیصلہ یہودی کے بارے میں دے دیا۔ منافق اس بات پر راضی نہ ہوا اور یہودی کو کہنے لگا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فیصلہ کرواتے ہیں شاید اس نے یہ سمجھا ہو گا کہ چونکہ حضرت عمرؓ کفار پر سخت ہوتے ہیں لہٰذا وہ یہودی پر سختی کریں گے اور میرے لئے ہی فیصلہ کریں گے۔ یہودی کو اطمینان تھا کہ وہ سخت ہیں لیکن وہ سختی حق پرستی ہی کی وجہ سے ہے جب میں حق پر ہوں تو مجھ کو ہی غالب رکھیں گے بہر حال یہودی نے انکار نہ کیا اور جب وہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو یہودی نے سارا واقعہ بیان کر دیا کہ اس مقدمہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ فیصلہ سنا چکے ہیں مگر

---

[121] بخاری ص ۵۵۴ ج ۱: باب ھجرت النبی ﷺ الی المدینۃ واصحابہ

یہ شخص (یعنی منافق) اس پر راضی نہیں ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس منافق سے پوچھا کیا یہ بات صحیح ہے اس نے کہا ہاں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اچھا ٹھہرو میں ابھی ابھی گھر سے آکر تمہارا فیصلہ کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ ﷺ اندر تشریف لے گئے اور اپنی تلوار لے کر نکلے اور اس منافق کی گردن پر یہ کہتے ہوئے ماری کہ جو حضور ﷺ کا فیصلہ نہ مانے عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اس کا فیصلہ یہ ہے۔ آیت شریف سے لے کر فَلَاوَرَبِّکَ لَایُؤْمِنُونَ حَتّٰی یُحَکِّمُوکَ فِیمَا شَجَرَ بَیْنَہُمْ (النساء ۶۵) تک کی آیتیں اس قصہ کے موضوع پر نازل ہوئی ہیں۔ [122]

فائدہ: اس واقعہ سے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادب و محبت رسول اکرم ﷺ بخوبی عیاں و نمایاں ہوئی۔

واقعہ نمبر ۳: حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادب و محبت

جب صلح حدیبیہ کے موقعہ پر حضور اکرم ﷺ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قریش کی جانب دعوتِ اسلام اور صلح کے ابتدائی قواعد وضوابط طے کرنے کیلئے بھیجا تو قریش نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اجازت دی کہ وہ بیت الحرام کا طواف کر لیں مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انکار فرمایا اور فرمایا میں اس وقت تک طواف خانہ کعبہ نہیں کر سکتا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ پہلے اس کا طواف نہ فرمالیں۔ معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کے ادب کی رعایت کو طواف سے عظیم تر جانا اور حق و صواب بھی یہی ہونا چاہیئے کہ کوئی عمل اور کوئی عبادت حضور اکرم ﷺ کے ادب کی رعایت کے برابر نہیں ہے۔ [123]

واقعہ نمبر ۴: حضرت علی باب المدینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادب و محبت

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ذی قعدہ ۶ھ میں عمرہ کیا تو مکہ والوں نے مکہ میں داخلہ کی اجازت دینے سے انکار کر دیا حتی کہ ان سے اس شرط پر صلح ہوئی کہ آپ ﷺ اگلے سال تشریف لائیں۔ اور مکہ شریف میں (صرف) تین دن قیام فرمائیں تو جب کاتب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحریر لکھی تو لکھا کہ یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا وہ بولے ہم اس (یعنی محمد ﷺ کے رسول ہونے) کا اقرار نہیں کرتے کیونکہ اگر ہم مانتے ہوتے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو آپ ﷺ کو نہ روکتے لیکن آپ محمد ابن عبد اللہ ﷺ ہیں تو فرمایا کہ میں رسول بھی ہوں اور محمد ابن عبد اللہ ﷺ بھی ہوں پھر آپ ﷺ نے حضرت علی ابن ابی طالب سے فرمایا کہ لفظ رسول اللہ ﷺ کو مٹادو وہ بولے کہ اللہ کی قسم میں کبھی آپ کو (یعنی لفظِ رسول اللہ ﷺ کو) نہیں مٹاؤں گا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے خود اس صلح نامہ کو پکڑا حالانکہ آپ اچھی طرح لکھتے نہ تھے پھر لکھا کہ یہ وہ ہے جس پر محمد ابن عبد اللہ نے صلح فرمائی۔ [124]

فائدہ: اس واقعہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لفظِ رسول اللہ ﷺ کو نہ مٹانا نبی اکرم ﷺ کی محبت و ادب کی بناء پر تھا لہٰذا اس واقعہ سے آپ ﷺ کے ادب و محبت کا ثبوت ملا جو کہ مقصود بیان ہے۔

---

[122] روح البیان: صفحہ: ۳۲۰: جلد: ۵

[123] مدارج النبوۃ ص ۵۴۰ ج ۱ : الشفاء لقاضی عیاض عربی ص ۳۱ ج ۲

[124] مشکوٰۃ: صفحہ: ۳۵۵: باب الصلح

مدینہ طیبہ کے مسلمانوں کا نبی اکرم ﷺ کے ایام ہجرت میں روزانہ آپ ﷺ کے استقبال کیلئے مقام حرّہ تک آنا

جب مدینہ طیبہ کے مہاجر وانصار مسلمانوں کو خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ ہجرت کے ارادہ سے مکۃ المکرمہ سے روانہ ہو چکے ہیں تو وہ روزانہ صبح کے وقت آپ ﷺ کا استقبال کرنے کیلئے مقام حرہ تک آتے۔ انتظار کرتے رہتے اور دوپہر گرم ہونے پر واپس لوٹتے تھے۔[125]

واقعہ نمبر ٦: حضرت بلال اور حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ادب

حضرت امّ الحصین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت اسامہ وبلال رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا کہ ان میں سے ایک رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے تھے اور دوسرے آپ ﷺ کو گرمی سے بچانے کی خاطر اپنا کپڑا اوپر تان کر آپ ﷺ پر سایہ کئے ہوئے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے جمرہ عقبہ کو کنکریاں ماریں۔[126]

فائدہ: مولانا احمد یار خان صاحب نعیمی مر آت: صفحہ: ١٨٧: جلد: ۴: میں اس حدیث مبارکہ کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو اونٹنی کی مہار پکڑے تھے اور حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سر انور پر سایہ کئے ہوئے تھے۔ اس حدیث شریف سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ اپنے خدام سے خدمت لینا جائز ہے، خواہ خدام تنخواہ دار نوکر ہوں، یا اپنے شاگرد، مرید، معتقد۔

دوسرے یہ کہ محرم بحالت احرام چھتری، خیمہ اور چادر کا سایہ لے سکتا ہے۔ بشر طیکہ یہ چیزیں اس کے سر سے علیحدہ رہیں۔

فائدہ: **مرقاۃ: صفحہ: ٣٨٢: جلد: ۵:** میں ہے کہ چادر تاننے والے حضرت اسامہ اور مہار تھامنے والے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے پس اس حدیث مبارکہ سے ان دونوں حضرات کے ادب کا ثبوت ملا کیونکہ محبوب حقیقی پر چادر تان کر سایہ کرنا بھی ادب ہے اور محبوب کے جانور کی مہار پکڑ کر چلنا بھی ادب ہے۔

''مندرجہ ذیل تمام عبارت **مدارج النبوۃ اردو: صفحہ: ۵٣٨: جلد: ١ :** سے نقل کی گئی ہے جو کہ **حقیقۃ الشفا فی حقوق المصطفیٰ لقاضی عیاض: صفحہ: ٣١: جلد: ٢ :** کا ترجمہ ہے''۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تعظیم و توقیر بجالانا:

حضور اکرم ﷺ کی تعظیم و توقیر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کس طرح کرتے تھے اس ضمن میں حضرت عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی طویل حدیث بیان کی گئی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کے صفات مذکور ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک رسولِ خدا ﷺ سے زیادہ محبوب کوئی ایک بھی نہ تھا اور نہ میری آنکھ میں آپ ﷺ سے زیادہ کوئی بزرگ و عظیم تر تھا اور میرا حال یہ تھا کہ میری طاقت اتنی نہ تھی کہ میں آپ ﷺ کو آنکھ بھر کر دیکھ سکوں اور نہ آپ ﷺ سے آنکھیں سیر ہوتی

---

[125] بخاری ص ۵۵۴ ج ١: باب ھجرۃ النبی ﷺ و اصحابہ

[126] مسلم شریف و مشکوٰۃ: صفحہ: ٢٣۵: باب مایجتنبہ المحرم

تھیں اگر کوئی مجھ سے کہے کہ میں حضور ﷺ کا وصف بیان کروں تو مجھ میں اتنی قدرت نہیں اس لئے کہ میں آپ ﷺ کے سامنے اپنی آنکھیں اوپر نہیں اٹھا سکتا تھا۔

ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں ہماری حالت یہ تھی کہ جب حضورِ اکرم ﷺ باہر تشریف لاتے تو اصحاب مہاجرین وانصار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حلقے میں جلوہ گر ہوتے ان میں حضرت ابو بکر صدیق وحضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان نشست فرماتے مگر ان میں سے کسی میں تاب وتواں نہ ہوتی کہ آپ ﷺ کی طرف نظر بھر کر دیکھ سکے۔ یہ حضور ﷺ کی عظمت و کبریائی اور غایت جلال کا عالم تھا البتہ حضرت ابو بکر صدیق وحضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ ﷺ کی طرف دیکھتے اور متبسم ہوتے اور حضور ﷺ ان کی طرف ملاحظہ فرماتے اور تبسم فرماتے۔ یہ ان کی باہمی انس ومحبت کا عالم تھا۔

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ کے صحابہؓ آپ ﷺ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے اور ان کا حال یہ تھا گویا کہ ان کے سر پر پرندے بیٹھے ہیں مطلب یہ کہ انتہائی سکون وقرار میں تھے۔ جنبش تک نہ کرتے اور نہ سر اٹھاتے تھے اس لئے کہ جس کے سر پر پرندہ بیٹھا ہو اگر وہ حرکت کرے اور سر اٹھائے تو سر پر بیٹھا ہوا پرندہ اڑ جائے اور اس حدیث میں جس میں رسول اللہ ﷺ کا وصف مبارک بیان کیا گیا ہے مذکور ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کلام فرماتے تو ہم نشین صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سروں کو جھکا دیتے اور خاموش ہو جاتے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس وقت ان کو سال حدیبیہ میں قریش نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حضور ﷺ کی تعظیم اور احترام کرتے دیکھا اور یہ دیکھا کہ جب حضور ﷺ وضو فرماتے ہیں تو آپ حضرات (صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وضو کا پانی حاصل کرنے میں جلدی کرتے اور ایک دوسرے سے سبقت کرتے ہیں اور قریب ہوتا ہے کہ باہمی خون خرابہ ہو جائے مگر پانی زمین پر گرنے نہیں دیتے اور حضور اکرم ﷺ کا آبِ دہن مبارک یا آب بنی شریف یا آب حلق مبارک جدا ہونے نہیں پاتا کہ آگے بڑھ کر اپنی ہتھیلیوں میں لے لیتے اور اپنے چہروں اور جسموں پر مل لیتے اور حضور ﷺ کا جو موئے مبارک جدا ہوتا اسے جلدی سے حاصل کر لیتے اور تبرک بنا کر اس کی حفاظت کرتے اور جب کوئی حکم فرماتے تو انتثال امر میں شتابی کرتے جب بات کرتے تو اپنی آوازوں کو پست کر لیتے اور کسی کو یارا نہ ہوتا کہ نگاہ اٹھائے اور آپ کی طرف دیکھے۔ یہ غایت تعظیم اور اجلال کی وجہ سے تھا جب حضرت عروہ لوٹ کر قریش کی طرف گئے تو ان کو دیکھتے ہی کہنے لگے اے گروہ قریش میں نے قیصر وکسریٰ اور نجاشی کو ان کی بادشاہی کے زمانے میں دیکھا ہے مگر قسم ہے خدا کی میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا جیسا کہ محمد ﷺ اپنے اصحاب میں ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ کہا میں نے کسی بادشاہ کے ہم نشینوں کو کبھی ایسی تعظیم کرتے نہیں دیکھا جیسا کہ محمد ﷺ کی ان کے اصحاب تعظیم کرتے ہیں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ جس وقت سر مبارک سے قینچی سے بال تراشے جاتے تو حضور ﷺ کے گرد صحابہ جمع ہو جاتے

اور بالوں کو ہاتھوں میں لیتے رہتے اور ایک بھی بال گرنے نہیں دیتے۔ بعد میں ان موئے مبارک کو حضور ﷺ اپنے صحابہ کرام میں تقسیم فرمادیتے۔[127]

متعلقات نبوت یعنی اماکن ومقامات مقدسہ وغیرہ کی تعظیم وتوقیر

حضور اکرم ﷺ کی تعظیم وتوقیر میں یہ بھی ہے کہ ہر وہ چیز جو حضور اکرم ﷺ سے تعلق رکھے خواہ وہ اماکن متبرکہ ہوں یا مقامات مقدسہ یا وہ چیز جو حضور اکرم ﷺ کے دستِ اقدس سے چھوگئی ہو یا حضور نے اس کی معرفت کرائی ہو ان سب کی تعظیم وتوقیر ہر مسلمان کیلئے لازم وضروری ہے۔

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ

منقول ہے کہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی کے بال اتنے لمبے تھے کہ جب بیٹھتے تو ان کے بال زمین تک پہنچ جاتے تھے لوگوں نے ان سے پوچھا ان بالوں کو اتنا لمبا کیوں کررکھا ہے انہیں ترشواتے کیوں نہیں؟ جواب میں فرمایا میں انہیں اس بنا پر نہیں ترشواتا کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے ان کو مس کیا (چھویا ہے) میں تبرکاً ان کی حفاظت کرتا ہوں۔[128]

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی میں حضور اکرم ﷺ کے موئے مبارک کے چند بال تبرکاً رکھے ہوئے تھے۔ ایک جنگ میں میدان کارزار میں ان کی یہ ٹوپی سر سے اتر کر گر پڑی تو انہوں نے اس کے حاصل کرنے کیلئے شدت کے ساتھ جنگ کی اس جنگ میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے اس پر بہت سے صحابہؓ کرام نے حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراض کیا انہوں نے فرمایا میں نے یہ جنگ محض ٹوپی کے حاصل کرنے کیلئے شدت کے ساتھ نہیں لڑی بلکہ ان موئے مبارک کیلئے لڑی ہے جو اس ٹوپی میں سیئے ہوئے تھے اور میں نے ان کی حفاظت کیلئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ تاکہ وہ مشرکوں کے ہاتھوں میں پڑ کر ضائع نہ ہو جائیں اور مجھ سے یہ تبرک سلب نہ ہو جائے۔[129]

واقعہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

[127] مدارج النبوۃ اردو ص ۵۳۸تا ۵۴۰، ج ۱، والشفا فی حقوق المصطفیٰ ص ۳۰تا ۳۱، ج ۲
[128] (الشفاء:صفحہ:۴۴:جلد:۲)

[129] (الشفاء:صفحہ:۴۴:جلد:۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے منبر مبارک کی نشست گاہ پر اپنے ہاتھوں کو پھیرتے پھر ان ہاتھوں کو اپنے چہرے پر ملتے۔[130]

واقعہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مدینہ منورہ میں اپنی سواری کے جانور پر سوار نہ ہوتے اور فرماتے کہ میں خدا سے شرم رکھتا ہوں کہ اس زمین کو گھوڑے کے سموں سے روندوں جس میں رسول اللہ ﷺ آرام فرما ہیں اور اس زمین مقدسہ پر حضور ﷺ نے اپنے مبارک قدم رکھے ہیں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے تمام گھوڑوں کو امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے کر دیا اس پر امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ اپنے لئے بھی ایک گھوڑا روک لیجئے تو انہیں بھی یہی مذکورہ بالا جواب دیا۔[131]

حضرت احمد بن فضلویہ زاہد کا واقعہ

احمد بن فضلویہ زاہد سے منقول ہے اور یہ بزرگ بڑے غازیوں اور تیر اندازوں میں سے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی اپنی کمان کو اپنے ہاتھ سے بغیر وضو نہیں چھوا جب سے میں نے یہ سنا ہے کہ اس کمان کو حضور اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک میں لیا تھا۔[132]

حضرت امام مالک رحمۃاللہ تعالیٰ علیہ کا ایک دوسرا واقعہ

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس شخص کو قید کرنے اور اس پر تیس درّے مارنے کا فتویٰ دیا جس نے یہ کہا تھا کہ مدینہ طیبہ کی مٹی (نعوذ باللہ منہ) خراب ہے۔ باوجودیکہ وہ شخص لوگوں میں بڑی قدر ومنزلت والا شخص تھا اور کیا تعجب ہے کہ اس شخص کی گردن اڑا دینے کا حکم دیا جائے جو معاذ اللہ یہ کہے کہ وہ مٹی جس میں نبی کریم ﷺ تشریف فرما ہیں خراب اور غیر خوشبودار ہے۔ (الشفاء: صفحہ: ۴۵: جلد: ۲) اور یہ مندرجہ بالا تمام واقعات یعنی واقعہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر یہاں تک یہ سب کے سب بالترتیب مدارج النبوۃ صفحہ ۵۵۵ تا ۵۵۷، جلد ۱ میں موجود ہیں۔

نوٹ: یہ عاجز اثبات آدابِ مشائخِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے موضوع پر بیان واقعات صحابہؓ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یہاں بند کرتا ہے اور آگے تیسرے باب کو شروع کرتا ہے جو کہ اس کتاب کا مقصود ومطلوب ہے اور توکل اللہ تعالیٰ ہی پر ہے اور وہی ہمارا معین ومستعان ہے۔ (وما توفیقنا الا باللہ تعالیٰ)

در آدابِ مشائخِ عظام واخوانِ کرام (پیر بھائی)

اس باب کی چند فصلیں بنائی جاتی ہیں۔ پہلی فصل میں کتاب الانوار القدسیہ فی معرفۃ قواعد الصوفیہ۔ عربی (لشیخ ابو الواہب سیدنا امام عبد الوہاب شعرانی متوفی: ۹۸۳) کے باب دوم وباب سوم سے انتخاب کر کے چند بہترین آداب وحقوق کا لفظی با محاورہ اردو ترجمہ پیش خدمت کیا جاتا ہے اور وہ مندرجہ ذیل ہے۔

---

[130] الشفاء: صفحہ: ۴۴: جلد: ۲

[131] (الشفاء صفحہ ۴۴ جلد ۲)

[132] الشفاء صفحہ ۴۴، جلد ۲

در ترجمہ بعض آداب منتخبہ از کتاب الانوار القدسیہ

اپنے شیخ کے بعض آداب کا بیان

اے میرے بھائی! تو جان لے کہ شیخ کے ادب کا اعلیٰ حصہ شیخ کی محبت ہی ہے۔ جس مرید نے اپنے شیخ سے کامل محبت نہ رکھی بایں طور کہ شیخ کو اپنی تمام خواہشات پر ترجیح نہ دی تو وہ مرید اس راہ میں کامیاب نہ ہو گا۔ کیونکہ شیخ کی محبت کی مثال سیڑھی ہے۔ مرید اس کے ذریعے ہی سے چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالیہ کو پہنچتا ہے اور جس شخص نے اپنے اور اپنے مولائے عزوجل سبحانہ کے واسطے یعنی حضرت رسول اللہ ﷺ سے محبت نہ رکھی تو وہ منافق ہوا اور منافق جہنم کے نچلے طبقے میں ہو گا۔

جب آپ نے اس بات کو جان لیا تو اب آپکو اپنے مشائخ کے محبین (محبت رکھنے والوں) کے بعض اوصاف بتاتا ہوں تاکہ آپ ان اوصاف سے اپنی ذات کو آزمالیں اور اپنی سچی اور جھوٹی محبت میں فرق کریں۔

اب میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ: تمام اہلِ طریقت نے اتفاق کیا ہے کہ محبت شیخ میں صادق مرید کی علامات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ تمام گناہوں سے توبہ کرلے اور تمام عیبوں سے پاکیزگی اختیار کرے۔

جو مرید گناہوں سے آلودہ ہو اور اپنے شیخ کی محبت کا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا ہے۔ اور جیسا کہ اس کو اپنے شیخ سے محبت نہیں ہے تو اسی طرح شیخ کو بھی اس سے محبت نہیں ہے۔ جب شیخ کو اس سے محبت نہیں ہے تو اسی طرح اللہ تعالیٰ کو بھی اس سے محبت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے (قرآن مجید میں) فرمایا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ (البقرة ٢٢٢)

بے شک اللہ تعالیٰ زیادہ توبہ کرنے والوں سے پیار کرتا ہے اور بہت پاکیزگی کرنے والوں سے پیار کرتا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (البقرة ١٩٥)

بے شک اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں سے پیار کرتا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (التوبة ٧)

بے شک اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں سے پیار کرتا ہے۔

اور فرمایا ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ (القصص ٧٧)

بے شک اللہ فسادیوں کو دوست نہیں رکھتا۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا (النساء ٣٦)

بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص کو پیار نہیں کرتا جو اترانے والا اور شیخی مارنے والا ہو۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا (النساء ١٠٧)

اللہ تعالیٰ اس شخص سے پیار نہیں کرتا جو خیانت کار اور گنہگار ہو۔

ان کی مثل اور آیات بھی ہیں۔

اور مشائخِ کبارر حمہم اللہ تعالیٰ نے اس بات پر اتفاق کیاہے کہ اپنے شیخ کی محبت کی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ مرید اپنے شیخ کی گفتگو کے علاوہ دیگر تمام لوگوں کی گفتگو سننے سے اپنے کان بہرے بنادے۔ پس مرید کسی بھی ملامت کرنے والے کی ملامت کو نہ سنے یہاں تک کہ اگر تمام شہر والے لوگ کسی ایک صاف میدان میں جمع ہو کر اسے اپنے شیخ سے نفرت دلائیں (اور ہٹانا چاہیں) تو وہ لوگ اس بات پر (یعنی مرید کو شیخ سے ہٹانے پر) قدرت نہ پا سکیں۔

اگر بالفرض اس (مرید) کو کچھ دن کھانا پینا نہ ملے تو وہ اپنے شیخ کی طرف نظر ڈالنے اور باطنی تاثیر کی وجہ سے ان (کھانے پینے) سے بے پرواہ رہے اور ہمیں بعض محبین کی خبر پہنچی ہے کہ جب وہ اس مقام کو پہنچے تو وہ اپنے شیخ کی طرف نظر ڈالنے کی وجہ سے موٹے اور سفید ہو گئے۔

اور شیخ حضرت محی الدین ابن عربی قدس سرہم العزیز نے اپنی کتاب فتوحات مکیہ کے باب ۱۷۸ میں محبت رکھنے والوں کے اوصاف اس طرح بیان فرمائے ہیں کہ وہ (اپنے محبوب کی محبت سے) مقتول ہو۔ محبوب میں فانی ہو ہمیشہ محبوب کی طرف چلنے والا ہو (یعنی باطن میں اس کی طرف سیر کرنے والا ہو) بہت جاگنے والا محبوب کے غم میں ڈوبنے والا جو چیز کہ اسے محبوب سے ہٹائے خواہشات دنیوی ہوں یا اخروی سب سے علیحدہ ہونے والا بہت آہ نکالنے والا۔ محبوب کی گفتگو اور نام مبارک سے راحت پانے والا محبوب کے غم اور دکھ میں ہمیشہ شریک ہونے والا محبوب کی خدمتگزاری میں بے ادبی سے ڈرنے والا اپنی طرف سے محبوب کے حق میں جو کچھ بھی کرے اس کو تھوڑا سمجھنے والا اور محبوب کے تھوڑے کو بہت سمجھنے والا۔ محبوب کی اطاعت سے چمٹنے والا۔ اس کی مخالفت سے بھاگنے والا۔ اپنے نفس سے بالکلیہ علیحدہ ہونے والا جن تکلیفوں سے طبیعتیں متنفر ہوتی ہیں ان پر صبر کرنے والا جن مشکلات پر محبوب اسے کھڑا کرے ان پر مضبوطی سے قائم رہنے والا محبوب کی محبت میں دائمی مجنوں اور اس کی رضا کو اپنے نفس کے تمام مطالب پر ترجیح دینے والا ہو۔

پس اے بھائی! تو ان اوصاف کو جو کہ میں نے تجھے شیخ کی محبت کے بارے میں بیان کئے اپنی ذات پر پیش کر اگر تو نے اپنی ذات کو ان کے موافق پایا تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالا اور جان لے کہ تو عنقریب ہی اس (شیخ کی محبت کے) راستے سے انشاء اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کی محبت تک پہنچ جائے گا۔ کیونکہ مشائخِ کرام کی محبت و تعظیم اللہ تعالیٰ کی محبت و تعظیم کے دروازوں میں سے ہے۔

کامل مشائخِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کی بعض علامات کا بیان

اے میرے بھائی! تجھ پر یہ بات مخفی نہ رہے کہ مشائخِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تمام لوگوں کو سیدھی راہ دکھانے میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نائب ہیں۔ بلکہ بلاشبہ وہ انبیائے کرام کے وارث ہیں اور انہوں نے ان کی شریعت کے علوم کا ورثہ لیا ہے۔ انہوں نے اپنی شریعت نہیں بنائی ہے۔ یعنی ان کا کام علی العموم شریعت بنانا نہیں اور ان کا کام دلوں کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی طرف میلان سے بچانا اور دربار الٰہی اور مقربین دربارِ الٰہی کے خصوصی آداب کی نگہبانی کرنا ہے۔

اور میں نے اپنے شیخ سیدی علی خواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ وہ شیخ کہ جس کا ادب و تعظیم ضروری اور واجب ہے اس کی علامت یہ ہے کہ وہ قرآن و حدیث کا عارف (جاننے والا) ہو۔ ظاہراً و باطناً قرآن مجید کا ماننے والا اقرار کرنے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی (شرعی) حدود کی حفاظت کرنے والا اللہ تعالیٰ کے عہد کا پورا کرنے والا ورع (تقویٰ و پرہیزگاری) میں تاویل نہ کرنے والا

بلکہ اپنے تمام احوال میں احتیاط کو اختیار کرنے والا ہو۔ تمام امت پر شفقت کرتا ہو کسی بھی گنہگار سے نفرت اور بغض نہ رکھتا ہو بلکہ اس سے نرمی کرتا ہو اور اس کو پیار سے نیکی کی طرف بلاتا ہو اور اس کی سخاوتِ رحمت عام ہو نیک اور بد پر شکر گزار اور ناشاکر پر گویا کہ تمام مخلوق اس کی عیال ہے۔

مریدین کے لئے بعض آداب مشائخِ عظام کا بیان بعنوان ارشادات

ارشاد نمبر ۱: اے میرے بھائی! تو جان لے کہ کوئی بھی سالک مشائخِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی صحبت اور ان کے اچھی طرح آداب بجالانے اور ان کی بہت خدمت کرنے کے بغیر طریقت کی ایک اچھی حالت پر کبھی نہیں پہنچا۔

ارشاد نمبر ۲: اور جو شخص بغیر شیخ کے طریقت کا دعویٰ کرے تو اس کا شیخ ابلیس (شیطان) ہوگا۔ اگر اس شخص کے ہاتھوں سے کچھ عجیب باتیں ظاہر ہوں تو وہ استدراج ہوں گی جیسا کہ کانے دجال کے عجیب و غریب کارنامے ہوں گے جب کہ وہ قیامت کے قریب ظاہر ہوگا۔

ارشاد نمبر ۳: اور امام ابو القاسم الجنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ جو شخص بغیر شیخ کے اس راہ میں آئے گا تو وہ خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کردے گا اور جو شخص مشائخ کرام کا احترام اور ادب چھوڑ دے گا تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے بندوں کی نظروں میں مبغوض (بغض کیا ہوا ناپسند) اور ایمان کے نور سے محروم رکھے گا۔

ارشاد نمبر ۴: اور میرے سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ "من لم یعتقد فی شیخه الکمال لا یفلح علی یدیه ابدا" یعنی جو مرید اپنے شیخ کے کمال کا اعتقاد نہ رکھے تو وہ مرید اس شیخ کے ہاتھوں پر کبھی کامیاب نہ ہوگا۔

ارشاد نمبر ۵: اور حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ جو مرید اپنے شیخ کی صحبت میں آئے اور پھر اس پر اعتراض کرے تو بلاشبہ وہ اپنی بیعت توڑ دے گا اور اس پر واجب ہے کہ تجدید بیعت کرے۔

ارشاد نمبر ۶: اور مرید پر حق ہے کہ وہ اپنے شیخ کو کبھی لفظ "کیوں" نہ کہے کیونکہ تمام مشائخ نے اتفاق کیا ہے کہ جس مرید نے اپنے شیخ کو "کیوں" کہا تو وہ طریقت میں کامیاب نہ ہوگا۔

ارشاد نمبر ۷: شیخ عبد الرحمن جیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ جو مرید اپنے نفس کو اپنے شیخ اور اپنے پیر بھائیوں کی محبت سے روگردانی کرنے والا پائے تو اسے جاننا چاہئے کہ اب اس کو اللہ تعالیٰ کے دروازہ سے دھتکارا جا رہا ہے۔

ارشاد نمبر ۸: مرید پر لازم ہے کہ وہ یہ خیال کبھی نہیں لائے کہ اب وہ اپنے شیخ کا حق پورا کر چکا ہے۔ اگرچہ اپنے شیخ کی ہزار برس خدمت کرے اور اس پر لاکھوں روپیہ خرچ کرے اور جس مرید کے دل میں اتنی خدمت اور اتنے خرچ کے بعد یہ خیال آیا کہ اب وہ کچھ نہ کچھ حق ادا کر چکا ہے تو وہ مرید طریقت سے خارج ہو گیا اور اس کی بیعت وارادت ٹوٹ گئی۔

ارشاد نمبر ۹: حضرت شیخ ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ (اے لوگو) تم بزرگوں کی صحبت سچائی اور یقین ہی کے ساتھ اختیار کرو۔ اگر وہ کسی سبب ظاہری کے بغیر تم پر زیادتی کریں تو تم صبر ہی کرو اور تم ان کے پاس پختہ ارادہ اور عاجزی ہی لے کر آؤ۔ پس اس طریقہ سے شیخ تمہیں فوراً ہی قبول فرمائیں گے۔

ارشاد نمبر ۱۰:   حضرت سیدی علی بن وفا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ مرید پر لازم ہے کہ وہ اپنے تمام وسائل اسباب اور اپنے تمام معمولات کو جن پر اسے اعتماد ہے اپنے شیخ کے سامنے پیش کر دے تا کہ شیخ ان تمام چیزوں کو فنا اور گم کر ڈالے۔ پس اس وقت مرید کا اعتماد نہ اپنے علم پر رہے نہ عمل پر۔ ہاں اللہ تعالیٰ کے بعد صرف اپنے شیخ ہی کے فضل پر اعتماد رہے اور یہ یقین رہے کہ اب مجھے تمام بھلائیاں اور خیر صرف میرے شیخ ہی کے واسطے سے پہنچیں گے۔ یہ سب چیزیں اسی لئے ضروری ہیں تا کہ شیخ اس مرید کو دشمن کے منازل سے نکال کر مقامات حق جل وعلا تک پہنچا دے اور اس (مندرجہ بالا) حالت میں مرید کو بہت سخت زلزلے بھی (جن کے آنے کا بہت امکان ہے) کچھ حرکت نہیں دے سکیں گے۔

ارشاد نمبر ۱۱:   اور آپ اکثر اوقات فرماتے تھے کہ مرید کا اپنے شیخ کی صحبت کو لازم کرنا بعض اوقات مرید کے سفر مکۃ المکرمہ سے بھی افضل ہے کیونکہ شیخ مرید کو بیت اللہ شریف کے مالک رب تعالیٰ کی معرفت تک پہنچاتا ہے جو کہ بیت اللہ سے افضل ہے اور مرید کیلئے یہ بات کیسے بہتر ہو سکتی ہے کہ وہ اس بیت کی تعظیم کو کہ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کیلئے تیار فرمایا ہے چھوڑ کر اس بیت کی طرف متوجہ ہو جائے جسے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کیلئے تیار فرمایا ہے۔

ارشاد نمبر ۱۲:   اور مرید پر لازم ہے کہ شیخ کی خدمت میں ہر وقت سچائی ہی کے ساتھ آئے اگرچہ روزانہ ہزار بار آنا نصیب ہو۔

ارشاد نمبر ۱۳:   اور آپ فرماتے تھے کہ جس شخص نے بغیر شیخ اور ہادی کے کمال کا ارادہ کیا تو وہ مقصود کے راستہ سے بھٹک گیا کیونکہ پھل اپنی گٹھلی کے وجود کے بغیر جو کہ اس کا اصل ہے کبھی کامل نہیں ہو گا تو مرید بھی اسی طرح اپنے شیخ کے وجود کے بغیر کبھی کامل نہ ہو گا۔

ارشاد نمبر ۱۴:   مرید پر لازم ہے کہ جب اس کا شیخ اس کے پیر بھائیوں میں سے کسی ایک کو اس سے آگے بڑھا دے تو وہ اپنے شیخ کے ادب کی وجہ سے اپنے اس (پیر بھائی) کی خدمت کرے اور حسد ہر گز نہ کرے ورنہ اس کے جمے ہوئے پاؤں بھی پھسل جائیں گے اور اسے بڑا نقصان پیش آئے گا۔ ہاں اگر کسی مرید کا یہ ارادہ ہے کہ وہ اپنے پیر بھائیوں سے آگے بڑھ جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے شیخ کی خوب اطاعت کرے اور اپنے آپ کو ایسی صفات سے آراستہ کر لے جن کے ذریعہ سے وہ آگے بڑھ جانے کا مستحق ہو جائے اور اسی وقت شیخ بھی اسے اسی کی طرح دوسرے پیر بھائیوں سے آگے بڑھا دے گا کیونکہ شیخ تو مریدوں کا حاکم اور ان کے درمیان عدل کرنے والا ہوتا ہے اور بہت قلیل ہے کہ کوئی مرید اس مرض سے بچ جائے۔ (اللہ تعالیٰ پناہ دے)

ارشاد نمبر ۱۵:   اور آپ فرماتے تھے کہ جب تجھے یہ جائز نہیں ہے کہ تو اپنے جسم کے باپ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی طرف اپنی نسبت کرے تو پھر یہ بات کیسے جائز ہو گی کہ تو اپنی روح کے باپ جو کہ تیرا شیخ ہے اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی طرف اپنی نسبت کر دے۔ حالانکہ حقیقی باپ روح ہی کا باپ ہے۔

ارشاد نمبر ۱۶:   جو شخص اپنے شیخ کو ہر اس بات میں کہ اس نے فرمایا سچا سمجھا تو وہ مرد ہے اگرچہ عورت ہو اور جس نے اپنے شیخ کو جھوٹا سمجھا تو وہ عورت ہے اگرچہ مرد ہو۔

ارشاد نمبر ۱۷:   اور آپ فرماتے تھے کہ جب تو نے جان لیا کہ تیرا شیخ اللہ تعالیٰ کو جانتا ہے اور وہ تیرے اور تیرے رب کے درمیان واسطہ ہے اور ایک ایسا ذریعہ ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ تیری طرف متوجہ ہوتا ہے تو تو اس شیخ کی اطاعت کو لازم کر لے تو دائمی

عزت پائے گا اور تو ایسا ہو جا کہ گویا کہ تو ان فرشتوں میں سے ہے جو کہ تیرے رب کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے نہیں اکڑتے اور وہ اس کی تسبیح پڑھتے ہیں اور اس کیلئے سجدہ کرتے ہیں۔

ارشاد نمبر ۱۸: اور آپ فرماتے تھے کہ تو عارف باللہ کی خدمت کر تیری خدمت کی جائے گی اور تو (بالخصوص) شیخ کے روبرو اس کی ممانعت سے بچ جا ورنہ تو ملعون ہو جائے گا اور دھتکارا جائے گا۔ پس شیطان ملعون ہو گیا اور دھتکارا گیا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے روبرو ہی سجدہ کا تارک بن گیا۔

ارشاد نمبر ۱۹: اور آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ دکھانے والا تیرا مرشد وہ ایک ایسی آنکھ ہے کہ جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ تیری طرف لطف اور رحمت سے دیکھتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا منہ ہے کہ جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ تیری طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کی رضا سے راضی ہوتا ہے اور اس کی ناراضگی سے ناراض ہوتا ہے پس (اے مرید) تو (اس بات کو) جان لے اور (شیخ کی اطاعت کو) لازم کر لے اور دیکھ لے کہ تو کیا دیکھتا ہے۔

ارشاد نمبر ۲۰: اور آپ فرماتے تھے کہ جس شخص نے اپنے شیخ کی صرف ظاہری بشریت کو دیکھا تو اس کی تمام کوشش ضائع ہو گئی اور اس وقت شیخ اس کیلئے جتنا بھی روشن راستہ کھولے وہ اس مرید کی روگردانی اور جھٹلانے ہی کو بڑھائے گا کیونکہ بشر (من حیث البشر) کی تو خاصیت یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کی اطاعت نہ کرے۔ پس وہ خاصیت اسے شیخ کی نصیحت اور ارشاد سننے سے مانع رہے گی اگرچہ وہ ارشاد قرآن ہی کا کیوں نہ ہو جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت اسے نہ گھیرے۔ اور قرآن پاک (کی اس مندرجہ ذیل آیت) میں بھی اس ہی بات کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے ایک رسول ﷺ کے قول کو نقل فرماتا ہے:

وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا (نوح ۷)

اور میں نے جب کبھی ان کو بلایا تا کہ آپ ان کو بخش دیں تو ان لوگوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں۔ اور اپنے کپڑے لپیٹ لئے اور اصرار کیا اور غایت درجہ کا تکبر کیا۔

اور یہ بات اس لئے تھی کہ ان لوگوں نے رسولِ خدا ﷺ کو ان کی بشریت کے اعتبار سے دیکھا تھا اگر وہ لوگ انہیں اُنؐ کی روحانیت اور انؐ کے ارشاد وحی کے اعتبار سے دیکھتے تو ضرور آپ ﷺ کے سامنے جھک جاتے اور تابعدار ہو جاتے۔

ارشاد نمبر ۲۱: اور آپ فرماتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشتا ہے کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے تو مشائخ بھی اس ہی طرح ہیں۔ اس بات کو نہیں بخشتے ہیں کہ ان کے ساتھ شرک کیا جائے۔ حقیقت میں یہ لوگ اللہ تعالیٰ ہی کے اخلاق کے مطابق وجود پذیر ہیں۔ پس اے مرید جب تو نے اپنے شیخ کی محبت کے ساتھ کسی دوسرے شیخ کی محبت کو ملا لیا (یعنی شریک کر لیا) اور اس وقت اپنے شیخ کو اپنے اوپر ناراض پایا تو تو اس وقت اپنے آپ کو ملامت کر اور شیخ پر بدظنی مت کر بلکہ تو یقین کر لے کہ یہ ناراضگی اللہ تعالیٰ کے اخلاق میں سے ہے جو کہ فرمایا: إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ (النساء ۴۸) وہ نہیں بخشتا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، اور اسی اخلاق پر اللہ تعالیٰ کا ایک ولی ظاہر ہوتا ہے۔

ارشاد نمبر ۲۲: اس بات پر مشائخ کا اتفاق ہو چکا ہے کہ ایک مرید کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دو شیخ لے لے۔ جیسا کہ ایک جہاں کیلئے دو معبود نہیں ہوتے ہیں اور ایک عورت کیلئے دو شوہر نہیں ہوتے ہیں اور ایک آدمی کیلئے دو دل نہیں ہوتے ہیں اسی طرح ایک انسان

کیلئے دو شیخ نہیں ہوتے ہیں۔حاصل کلام یہ ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا ہے کہ دو شیوخ کے درمیان کسی شخص نے راستہ لیا ہو اور مردوں کے مقامات کو پہنچ گیا ہو۔

ارشاد نمبر ۲۳: اور آپ فرماتے تھے کہ اے مرید تو اپنی عبادات و مجاہدات کے ظاہری احوال کو اپنے شیخ کے حال پر قیاس مت کر کیونکہ تیرے شیخ کے ظاہری اعمال اگرچہ تھوڑے ہوں لیکن اس کے اعمال کے باطن کا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شیخ کا ایک دن مرید کے ہزار دنوں کے برابر ہے (پس مرید جب ہزار دن عبادت کرے تو پھر شیخ کے ایک دن کی عبادت کو پہنچے گا پھر قیاس کرنا کس طرح صحیح ہوگا)۔

ارشاد نمبر ۲۴: اور میرے سید حضرت علی بن وفار حمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ اے مرید وہ تمام (نعمتیں اور) مدد جو تو اپنے شیخ میں دیکھتا ہے حقیقت میں وہ تیری ہی صفات ہیں (جو کہ تجھے تیرے شیخ میں نظر آ رہی ہیں) پس اگر تو نے اپنے شیخ کو بے دین دیکھا تو غیب ازلی یعنی حقیقت مین تو بے دین ہے کیونکہ شیخ وجود کا آئینہ ہے۔اگر تو نے اپنے شیخ کو صدیق دیکھا تو (حقیقتاً) تو اللہ تعالیٰ کے علم میں صدیق ہے۔

حکایت: کسی مرید نے ایک مرتبہ شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے عرض کیا کہ اے میرے سردار آج رات میں آپ کے چہرہ کو خنزیر کا چہرہ دیکھا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اے بیٹا! آپ نے سچ فرمایا ہے میں وجود کا آئینہ ہوں پس تو نے اپنا منہ مجھ میں دیکھا ہے اور اپنے آپ کو میں یعنی بایزید رحمہ اللہ تعالیٰ سمجھ لیا ہے یعنی وہ چہرہ کو جسے تو نے دیکھا تھا وہ میرا نہیں تھا وہ تیرا ہی چہرہ تھا لیکن تو نے اسے میرے منہ میں دیکھ لیا تھا کیونکہ شیخ مرید کا آئینہ ہوتا ہے اور آئینہ میں اپنا ہی منہ نظر آتا ہے پس اے بیٹا تو اپنے نفس کو خنزیروں کی صفات سے پاک کر لے پھر میری طرف دیکھ لے۔پھر تو مجھے خنزیر نہیں دیکھے گا۔

ارشاد نمبر ۲۵: جب شیخ کسی مرید کے معاملے میں اس کی مخالفت کرے اور اس کی خواہش کے برعکس کام کرے تو مرید کو صبر کرنا چاہئے اور یہ اس بات کی ایک بڑی دلیل ہے کہ شیخ نے اس مرید سے سچائی کی بو سونگھی ہے۔اگر شیخ نے اس مرید سے سچائی کی بو نہ سونگھی ہوتی تو اس سے مخالفت والا معاملہ نہ کرتا بلکہ بیگانوں والا معاملہ کرتا یعنی نرمی اور موافقت وغیرہ۔

ارشاد نمبر ۲۶: اور آپ فرماتے تھے کہ جس مرید نے یہ گمان کیا کہ اس کا شیخ اس کے اسرار سے واقف نہیں ہے تو وہ مرید اپنے شیخ سے بہت دور ہے اگرچہ دن رات شیخ کے ساتھ ہی بیٹھتا ہو۔

ارشاد نمبر ۲۷: اور آپ فرماتے تھے کہ اے مرید، حاسد اور اپنے شیخ کے دشمن کی بات کی طرف کان دینے سے بچ جا ورنہ وہ تجھے اللہ تعالیٰ کی راہ سے دور کر دے گا۔

ارشاد نمبر ۲۸: اور میرے سید حضرت علی بن وفار حمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ اے مرید تو اپنے شیخ کے میٹھے کلام سے دھوکہ مت کھا۔یوں نہ سمجھ کہ تو اب اس کے نزدیک ایک اعلیٰ مقام کو پہنچ گیا ہے۔

ارشاد نمبر ۲۹: اور داعی الی اللہ کی قانون دانی میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ضعیفوں کے ساتھ میٹھی گفتگو اور احسان کے ساتھ پیش آئے اور ان پر معاملہ نرم فرمائے۔پھر جب وہ طریقت میں پکے ہو جائیں تو اس وقت شیخ کو اختیار ہے کہ ان میں جیسا چاہے ویسا حکم

فرمائے۔ انہیں سخت کلامی سے زجر فرمائے اور انہیں لذیذ طعاموں سے منع فرمائے اور ان پر اپنی صحبت میں بیٹھنے کو لازم فرمائے اور جو چاہے کرے۔

ارشاد نمبر ۳۰: اور مرید پر حق ہے کہ وہ اپنے اوپر شیخ کے ادب کو لازم بنائے اور شیخ سے کرامت کی طلب کبھی نہ کرے اور نہ ہی خلافِ عادت کسی کام کا وقوع چاہے اور نہ ہی کشف اور ان جیسی چیزوں کا مطالبہ کرے جس شخص نے اپنے شیخ سے اس نیت سے کرامت چاہی کہ اس کے بعد اپنے شیخ کی (اچھی طرح) اتباع کرے گا تو ایسے مرید کا اب تک اعتقاد صحیح نہیں ہوا ہے اور اسے یقین نہیں ہوا ہے کہ اس کا شیخ اہل اللہ کے طریق سے بخوبی واقف ہے۔ (یعنی ایسا مرید اب تک ناقص مرید ہے)۔

ارشاد نمبر ۳۱: حضرت شیخ ابو العباس مرسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ اے مرید تو اپنے شیخ سے کرامت طلب کرنے سے بچ تاکہ تو اس (کرامت) کی وجہ سے اس کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اتباع کرے۔ کیونکہ یہ بے ادبی ہے اور دینِ اسلام میں تیرے شک کی علامت ہے کیونکہ جس ذات نے تجھے اس (دین) کی طرف دعوت دی ہے وہ تیرا شیخ ہے اور دین اس کی اپنی شریعت نہیں ہے۔ دین تو صرف رسول اللہ ﷺ ہی کی شریعت ہے۔ پس شیخ تابع ہوا متبوع نہیں (اور تابع سے کرامات کی طلب کرنا درست نہیں)۔

ارشاد نمبر ۳۲: اے مرید! تو اپنے شیخ کی خفگی (اور عتابوں) کے وقت اپنے اوپر صبر کو لازم کرلے۔ اگر وہ تجھے دھتکارے تو تو جدا مت ہو جا اور تو اس کے حضور میں اس کی طرف دزدیدہ نظر (یعنی چھپی نگاہ) سے دیکھتا رہ اور یہ بھی جان لے کہ بزرگانِ دین کسی بھی ایک مسلمان کو ایک سانس برابر بھی ناپسند نہیں سمجھتے ہیں اور وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ سب مریدین کی تعلیم ہی کی غرض سے کرتے ہیں۔

ارشاد نمبر ۳۳: اور آپ فرماتے تھے کہ مرید کا اپنے شیخ کے مقام کو جاننا اللہ تعالیٰ کی معرفت سے زیادہ مشکل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کمال بزرگی اور قدرت مخلوق کو معلوم ہے اور مخلوق ایسی نہیں ہے (کہ اس کا کمال و بزرگی بھی مخلوق کو معلوم ہو) پس انسان اپنی طرح کی ایک مخلوق کے بلند مقام کو کس طرح جان سکتا ہے جو کہ اس جیسا کھاتا بھی ہو اور اس جیسا پیتا بھی ہو۔

ارشاد نمبر ۳۴: اور آپ فرماتے تھے کہ اے مریدو! تم اپنے شیخ کے ادب کو اپنے اوپر ہر دم لازم بناؤ اگرچہ وہ تم سے کبھی خوش روئی (وخندہ پیشانی) سے گفتگو فرمائیں کیونکہ اولیاء اللہ کے قلوب مثل قلوب بادشاہوں کے فوراً ہی حلم و بردباری سے ناراضگی و سزا دینے کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ جب ولی اللہ کا بازو تنگ ہو گیا تو اس کا ایذا دینے والا اسی وقت ہلاک ہو جائے گا اور جب کشادہ رہا تو اس وقت ثقلین (یعنی تمام جن اور تمام انسانوں) کی ایذا رسانی کو بھی برداشت فرمائیں گے۔

ارشاد نمبر ۳۵: اور مرید پر حق ہے کہ وہ اپنے شیخ کے کلام پر اپنی عقل کا ترازو کھڑا نہ کرے۔ یہاں تک کہ اگر شیخ اپنے مرید کو فرمائے کہ تو فلاں عالم یا فلاں خطیب کی صحبت میں مت بیٹھ تو مرید کو چاہئے کہ اس کی صحبت میں نہ بیٹھے کیونکہ شیخ اپنے مرید کی ہر چیز کا امانتدار و ذمہ دار ہوتا ہے اسے چڑھاتا ہے یا ٹھہراتا ہے یا پیچھے ہٹاتا ہے سب کچھ اس کے سپرد ہے اور غیر شیخ اس چیز کا التزام نہیں کرے گا پس ہو سکتا ہے کہ اسے مثلاً ایک ایسی چیز بتائے جو کہ اس کیلئے مضر ہو اور اس کی خود پسندی کی باعث ہو تو اس صورت میں مرید ہلاک ہو جائے گا۔ خصوصاً جب کہ وہ اس کے شیخ سے زیادہ میٹھی زبان ہو۔

نیز نفس کا کام ہے خیانت تو وہ (علماء کے) بحث مباحثہ اور دشمنوں پر غلبہ پانے والی مجالس کی حاضری سے خوش ہو گا اور جو بات سنے گا اس پر عمل کرنے کی قدرت نہیں رکھے گا اور شیخ کی مجلس ایسی نہیں ہوتی ہے کیونکہ شیخ کی غرض تو مریدوں پر سختی کرنا اور ان کے ہر ایک کام پر ان سے سختی سے حساب لینا اور ان کے نفسوں کی خواہشات کے خلاف معاملہ کرنا ہوتا ہے۔ ضعیف الحال مرید کا نفس اپنے شیخ کی صحبت سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ (لہٰذا جب شیخ اپنے مرید کو کسی عالم یا خطیب کی صحبت سے روک دے تو مرید کو چاہئے کہ اس کی صحبت میں نہ بیٹھے ورنہ وہ مرید نقصان اٹھائے گا)۔

ارشاد نمبر ۳۶: اور آپ فرماتے تھے کہ شیخ کو جائز ہے کہ وہ اپنے مرید کو ایک وظیفے کے ترک کرنے اور ایک دوسرے وظیفہ کے اختیار کرنے کا حکم فرمائے۔ پھر جب شیخ اسے کسی وظیفہ کے ترک کرنے کا حکم فرمائے تو مرید کو چاہئے کہ فوراً ہی امتثال امر (یعنی شیخ کے حکم مبارک کی تابعداری) کرے اور مرید کو اپنے دل میں بھی اعتراض لانا جائز نہیں ہے۔ مثلاً دل میں یوں کہے کہ وہ وظیفہ تو اچھا تھا شیخ نے مجھے اس سے کیوں روکا۔ کیونکہ بسا اوقات شیخ اس وظیفہ میں مرید کا ضرر دیکھتا ہے۔ مثلاً اس وظیفہ سے مرید کے اخلاص کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے نیز بہت سے عمل ایسے ہوتے ہیں جو کہ عند الشرع افضل ہوتے ہیں لیکن جب ان میں نفس کا کوئی حصہ آجاتا ہے تو وہ عمل مفضول (یعنی کم درجہ والے) بن جاتے ہیں اور مرید کو ان چیزوں کا پتہ نہیں چلتا ہے۔ (لہٰذا مرید کو چاہئے کہ وہ ہر وقت امتثال امر ہی کرتا رہے اور اپنے آپ کو خطرات وسوسوں کے آنے اور شبہات کے پیدا کرنے سے بچائے)۔

حکایت: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو تلاوتِ قرآن مجید بلند آواز سے نہیں فرماتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلاوت بلند آواز سے فرماتے تھے جب حضرت رسول اللہ ﷺ کو ان دونوں کے اس طریقہ کی خبر دی گئی تو آپ ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ آپ کیوں بلند آواز سے تلاوت نہیں کرتے تو انہوں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ! میں اس ذات کو سناتا ہوں جو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ آپ کیوں بلند آواز سے تلاوت کرتے ہیں تو انہوں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ! میں سونے والوں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں تو آپ ﷺ نے صدیق اکبر کو فرمایا کہ آپ اپنی آواز تھوڑی بلند کریں اور فاروق اعظم کو فرمایا کہ تم تھوڑی پست کرو۔ اور آپ ﷺ نے ان دونوں کو یہ حکم اس لئے فرمایا کہ تاکہ ان کو ان کی مراد سے نکال کر اپنی مراد پر لائیں کیونکہ وہ دونوں اس وقت تعلیم اور تربیت کے مقام پر گامزن تھے۔

ارشاد نمبر ۳۷: اور آپ اکثر اوقات فرماتے تھے کہ جب کبھی شیخ تمہارے سامنے ظاہراً خوش خوش اور تبسم فرماتے ہوئے نظر آئیں تو تب بھی تم ان سے ڈرو اور ان کے پاس ادب ہی سے بیٹھو کیونکہ شیخ کبھی کبھی بارش اور رحمت کی صورت میں تلوار اور عذاب ہوتا ہے۔

ارشاد نمبر ۳۸: اور آپ فرماتے تھے کہ اے مرید! تیرا شیخ جو کلم کہ تیرے دل میں بو دے تو تو اس کو بے ثمرہ ہرگز مت سمجھ کیونکہ بعض اوقات اس کلم کا ثمرہ شیخ کے انتقال کے بعد ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اس کی کھیتی ان شاء اللہ تعالیٰ برباد نہیں ہو گی۔ پس اے بیٹا تو ہر اس بات کو کہ اپنے شیخ سے سنے اس کی خوب حفاظت کر اگرچہ اس بات کو سننے کے وقت تو اس کے فائدے کو نہ سمجھے۔

ارشاد نمبر ۳۹: اپنے شیخ کی بے ادبیوں میں سے ایک بڑی بے ادبی جس میں مرید اکثر واقع ہوتا ہے یہ ہے کہ وہ مرید اپنے شیخ کے صبح وشام کے مقرر کردہ ذکر کی مجلسوں میں حاضر نہ ہووے۔ کیونکہ ہر شیخ کی مدد اس کے ورد میں ہوتی ہے پس جس مرید نے اپنے شیخ کا ورد چھوڑا وہ اپنے شیخ کی مدد سے محروم رہا۔ ہاں اگر شیخ کی مجلس میں نہ پہنچنے کیلئے مرید کے پاس کوئی عذر ہے تو اسے چاہئے کہ وہ عذر اپنے شیخ کو بیان کر دے۔ پس اگر شیخ اس کے عذر کو سچا سمجھے تو ٹھیک ہے ورنہ شیخ اس مرید سے سختی سے حساب لے لے اور اس کی عدم سچائی کو اسے بیان کر دے تاکہ وہ آئندہ ایسے کام سے توبہ کر لے۔ اور مرید کی سچائی کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے شیخ کی مجلس کے فوت ہونے پر اتنا نادم اور پشیمان ہو جائے کہ تمام دنیا اپنی کشادگی کے باوجود اس پر تنگ ہو جائے اور وہ مرید سخت غم کی وجہ سے اس دن صبح وشام کے کھانے کو چھوڑ دے اور شرمندگی کی وجہ سے کسی آدمی کے سامنے بھی نہ آئے اور نہ ہنسے اور نہ کھیلے (یعنی) اس شخص جیسا (رہے) کہ جس کا پیارا بیٹا اس دن مر گیا ہو۔ پس وہ مرید ہمیشہ پریشانی میں رہے یہاں تک کہ اس کا شیخ اس پر راضی ہو جائے۔

پھر جب اس کا شیخ اس پر راضی ہو گیا تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ نے اب اس مرید کے مجلس شیخ کے ترک کرنے کے عذر کو قبول فرمالیا ہے۔ اے میرے بھائی تو جان لے کہ شیخ کے ہمسایہ میں رہنے والے مریدوں پر زیادہ ضروری ہے کہ وہ شیخ کے مقرر کردہ ورد پر روزانہ پہنچیں اور یہ لوگ دور والوں کی بنسبت جو کہ ذکر کا نام سنتے ہیں اور وہ اپنے گھروں میں بیٹھے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتے ہیں نہ گھروں میں اور نہ تنہا کسی گوشہ میں یہ لوگ ان لوگوں سے زیادہ حقدار ہیں بلکہ شیخ کی جماعت اور اس کے ہمسایوں پر لازم ہے کہ وہ ان دور والے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی مجلس کی طرف کھینچ کر لائیں۔ پس جاننا چاہئے کہ یہ (ذکر اللہ تعالیٰ کی) مجلس اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی مجلس ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کی کوئی مجلس بھی اس کے مشابہ نہیں ہو سکتی ہے۔ ہائے پناہ ہائے پناہ ہائے پناہ اس شخص کی صحبت سے کہ جس کا دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہے اور اس نے اپنے نفس کی خواہش کی اتباع کی اور اس کا معاملہ حد سے تجاوز کیا ہوا ہے۔

ارشاد نمبر ۴۰: اور میرے سید حضرت یوسف عجمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ ہر وہ مرید جو کہ بلا عذر ذکر کی مجلس یا کسی دیگر خیر کی مجلس سے پیچھے رہ گیا تو اس کو چاہئے کہ وہ پیر بھائیوں کے سامنے اپنے نفس کو توبیخ کرے (یعنی اس کو ملامت کرے) مثلاً یوں کہے کہ اے پیر بھائیو! واہ واہ تمہاری کامیابی تم مجلس میں حاضر ہوئے اور اپنے رب تعالیٰ کے پاس بیٹھے اور ہائے ہائے میری بدقسمتی کہ میں اس مجلس سے پیچھے رہ گیا۔ پس امید ہے کہ یہ ملامت کرنا اس نقصان کا بھراؤ ہو جائے۔ اور مرید کو یہ لائق نہیں ہے کہ وہ اپنے نفس کی غلطی پر چشم پوشی کر کے اس کو کبھی ملامت نہ کرے کیونکہ اس بات میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیٹھنے کی ناقدری ہے کہ اس کے فوت ہونے پر مرید کو کچھ تکلیف نہ پہنچی اور اس نے اپنے نفس کو کچھ ملامت نہیں کی اور یہ کام دوسرے بھائیوں کی بے پرواہی اور عدم انتظامی کا بھی باعث ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے نہیں کرے گا تو وہ بے شک ایمان سے بیزار ہو جائے گا۔ اور قرآن مجید میں منافقوں کی صفت میں آیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتے ہیں مگر تھوڑا (پس تو اس آیت مبارکہ اور اس حدیث شریف کے مفہوم میں غور کر کے اپنے نفس کی اصلاح کر لے)۔

عجیب نکتہ: جاننا چاہئے کہ جو مرید ذکر کی مجلس سے رہ جانے کے وقت یوں کہے کہ مجھے فلاں ضرورت یا فلاں عذر تھا لہٰذا میں حاضر نہیں ہو سکا تو اگر بالفرض اس مرید کو اس مجلس میں حاضر ہونے کی صورت میں ہزار دینار پیش کیا جاتا تو وہ اس وقت مجلس میں

ضرور حاضر ہو جاتا تو ایسا مرید اپنے اس قول میں کہ مجھے فلاں ضرورت یا فلاں عذر تھا جھوٹا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کے ساتھ بیٹھنے کے برابر دنیا و آخرت کی کوئی بھی چیز نہیں ہوتی ہے۔

اور ہمارے زمانے کے اکثر لوگ جو کہ ضروریات اور حاجات وغیرہ کی علتیں پیش کرتے رہتے ہیں اگر ان سے وعدہ کیا جائے کہ جو آدمی مجلس میں حاضر ہو گا تو اسے ایک دینار دیا جائے گا تو غالبًا وہ شخص مجلس کے وقت آنے سے پہلے ہی اپنی تمام ضرورتوں کو ایک طرف ہٹا کر فورًا ہی مجلس میں حاضر ہو جائے گا تا کہ وہ ایک دینار اس سے چھوٹ نہ جائے (لا حول ولا قوۃ الا باللہ)۔

ارشاد نمبر ۴۱: میں نے اپنے سردار شیخ علی مرصفیؒ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ مرید کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ شیخ جس شخص سے دشمنی کرے تو مرید بھی اس شخص سے دشمنی کرے اور شیخ جس شخص سے دوستی رکھے تو مرید بھی اس شخص سے دوستی رکھے۔

ارشاد نمبر ۴۲: اور مرید پر حق ہے کہ وہ اپنے شیخ کے کمال کا پختہ اعتقاد رکھے تا کہ تردد کی مرض سے بچ جائے (اور فورًا ترقی کر لے)۔

ارشاد نمبر ۴۳: اور مرید پر حق ہے کہ وہ اپنے باپ اور داداؤں کی بزرگی پر اکتفاء نہ کرے جیسا کہ اکثر مشائخِ کرام کی اولاد کا حال ہے بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے لئے کوئی شیخ بنالے تا کہ وہ اس کی اچھی طرح تربیت کرے کیونکہ بزرگی ورثے میں نہیں ملتی ہے یہ تو صرف کوشش اور محنت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

ارشاد نمبر ۴۴: پہلے زمانے کے بزرگ جنہیں ہم نے پایا ہے ان کا طریقہ یہ تھا کہ جب ان کے پاس کوئی سالک طلب طریق کے ارادہ سے آتا تو وہ پہلے اسے یہ فرماتے تھے کہ "امسح لوحک وتعال" یعنی تو پہلے اپنی لوح (دل کی تختی) صاف کر لے پھر ہمارے پاس آ جا۔ کیونکہ لوح پر جب پہلے کچھ لکھا ہو گا تو اس پر دوسری لکھائی نہیں ہو سکے گی اگر بالفرض کچھ لکھا جائے تو پھر نہ پہلا پڑھا جا سکے گا اور نہ دوسرا۔

ارشاد نمبر ۴۵: اور مرید پر حق اور واجب ہے کہ جب شیخ اس پر ناراض ہو جائے تو فورًا ہی اس کے راضی کرنے کی کوشش میں لگ جائے اگرچہ اسے اپنے گناہ کا پتہ نہ چلے جس مرید نے اپنے شیخ کے راضی کرنے کی طرف جلد بازی نہ کی تو یہ مرید کی ناکامی و ناکامیابی کی دلیل و علامت ہے۔

اور میں نے اپنے بیٹے عبد الرحمن سے جن کی عمر پانچ برس تھی سنا اس نے کہا کہ (ابا جان) سچا مرید وہ ہے کہ جب شیخ اس پر ناراض ہو جائے تو اس کی روح نکلنے کے قریب آ جائے اور وہ نہ کھائے اور نہ پیئے اور نہ ہنسے اور نہ سوئے یہاں تک کہ اس کا شیخ اس پر راضی ہو جائے، الخ۔ پس بچپن کی عمر میں بیٹے کی ایسی بات کہنے سے مجھے بہت خوشی آئی اور میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ اپنے فضل و کرم سے اس کو اپنے خواص اولیاء میں سے بنائے آمین ثم آمین۔

ارشاد نمبر ۴۶: اور مرید پر حق ہے کہ اپنے شیخ کی نیند کو اپنی عبادت سے افضل سمجھے کیونکہ شیخ امراض باطنیہ سے محفوظ ہوتا ہے اور اس کی نیند عبادت الٰہی میں سستی کی بنا پر نہیں ہوتی ہے وہ تو ذوق کے مشاہدہ کیلئے سوتا ہے اے میرے بھائی تو جان لے کہ جس شخص نے اپنی عبادت کو اپنے شیخ کی نیند سے افضل سمجھا تو وہ عاق یعنی بے فرمان ہو گیا اور عاق (بے فرمان) کا کوئی بھی عمل آسمان کی طرف

اٹھایا نہیں جاتا ہے (یہاں سے آگے شیخ نے اسی موضوع پر دو قصے بھی بیان فرمائے ہیں لیکن یہ عاجز اختصار کی وجہ سے انہیں یہاں درج نہیں کرتا۔[133]

ارشاد نمبر ۴۷: اور مرید پر حق ہے کہ اس کا شیخ جس عورت کے نکاح کی طرف میلان رکھے اس عورت سے کبھی شادی نہ کرے۔ نیز شیخ کی مطلقہ بیوی سے بھی شادی نہ کرے اور شیخ کے انتقال کے بعد ان کی کسی بھی اہلیہ سے شادی نہ کرے۔(اس ارشاد کے بعد شیخ علیہ الرحمۃ نے اپنی اسی کتاب انوار قدسیہ میں حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ادب کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ نیز بزرگانِ دین کے چند عجیب قصے نقل فرمائے ہیں۔ لیکن یہ عاجز اختصار کی بنا پر انہیں یہاں درج نہیں کرتا اور شیخ علیہم الرحمۃ اس بحث کے آخر میں یوں لکھتے ہیں کہ)ہاں اگر شیخ مثلاً اس بات (یعنی اپنی اہلیہ کے دوسری جگہ نکاح کرنے)کا اپنی اہلیہ کے فائدہ اور مصلحت کی بنا پر خود حکم فرمائیں تو پھر کوئی نقصان نہیں ہے۔

ارشاد نمبر ۴۸: مرید پر حق ہے کہ اپنے شیخ کو اپنی طرف چل کر آنے کی تکلیف کبھی نہ دے۔ مثلاً مرید سفر سے آیا ہے اور چاہے کہ شیخ خود میری طرف تشریف لا کر مجھ سے احوال پوچھیں یا مرید بیمار ہے اور چاہے کہ شیخ خود میری طرف تشریف لا کر میری عیادت کریں یا مرید کا کوئی قریبی شخص فوت ہوا ہے اور چاہے کہ شیخ خود میری طرف تشریف لا کر تعزیت (ماتم پرسی) کریں (یہ سب چیزیں مرید کیلئے بے ادبی ہیں) بلکہ مرید کو چاہئے کہ وہ خود اپنے شیخ کے پاس جائے اور اسے سلام دے (یا اپنے احوال پیش کرے) یا تعزیہ دلائے۔ اگر کبھی شیخ ایسی صورتوں میں مرید کے پاس نہ آئیں اور اس وقت مرید کا دل اپنے شیخ سے رنجیدہ ہو جائے تو یقیناً مرید نے اپنے شیخ کی بے ادبی کی اور اس وجہ سے اس کی بیعت ٹوٹ گئی پس مرید پر لازم ہے کہ وہ دوبارہ نئی بیعت کرے۔ ایک ایسا واقعہ میرے سید علی مرصفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایک بڑے مرید سے پیش آیا جب وہ حج سے واپس آیا تو چاہا کہ شیخ خود میرے پاس تشریف لا کر مجھے سلام کریں لیکن ایسا نہ ہوا تو اس مرید نے اپنے شیخ سے علیحدگی اختیار کی پس اس بے ادبی کی وجہ سے موت تک اس کے تمام کمالات سلب کئے گئے۔

ارشاد نمبر ۴۹: اور میں نے اپنے سردار علی مرصفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ مرید کیلئے ایک ادب یہ ہے کہ وہ اپنے شیخ کی اولاد اور عیال کو جس چیز کی بھی انہیں ضرورت ہو شیخ کی موجودگی یا عدم موجودگی دونوں حالتوں میں اپنی طاقت سے جتنا خرچ پیش کر سکتا ہے تو پیش کرے۔ اگر مرید اپنے کپڑے یا عمامہ (پگڑی) کے علاوہ اور کوئی چیز نہ پائے تو وہ ان چیزوں کو بیچ دے اور ان کی رقم سے جو چیز کہ وہ (یعنی اہل وعیال) مانگیں انہیں لے کر دے دے۔ اور جس نے اپنے شیخ کے عیال کیلئے اپنی پگڑی اور کپڑے کے ایک ٹکڑے کو بھی بیچنا پسند نہیں کیا، اس نے اپنے شیخ کے ادب کی بو بھی نہیں سونگھی کیونکہ آداب الٰہیہ میں سے ایک ادب جو کہ شیخ نے اس مرید کو سکھایا ہے دونوں جہاں اس کے برابر نہیں ہو سکتے ہیں (پس پگڑی اور کپڑے کا ایک ٹکڑا یہاں کیا حیثیت رکھتے ہیں) نیز جاننا چاہئے کہ جب کوئی مرید اپنے شیخ اور اس کے عیال پر اپنا تمام مال خرچ کر دے تو وہ مرید یہ گمان نہ کرے کہ اب اس نے اپنے شیخ کے سکھائے ہوئے ایک ادب کا حق ادا کر دیا ہے۔

---

[133] انوار قدسیہ:صفحہ:۵۵:جلد:۲

حکایت: میرے سید حضرت ابو العباس سرسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے میرے (اور اپنے) سید حضرت محمد حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر تیس ہزار دینار جو کہ ان کے پاس تھے خرچ کئے اور فرمایا کہ اگر میرے پاس اس رقم سے زیادہ رقم ہوتی تو میں اس کو بھی اپنے شیخ پر خرچ کر دیتا اور جب لوگ آپ کو اس بات پر ملامت کرتے تو آپ فرماتے تھے کہ یقیناً دنیا کے تمام خزانوں سے جو کہ میرے ہاتھ میں ہو جائیں اور میں ان سب کو اپنے شیخ پر لٹادوں وہ ایک ادب زیادہ فضیلت رکھتا ہے جس کو میں نے اپنے شیخ سے سیکھا ہے۔

حکایت: اسی طرح میرے سید محمد اپنے شیخ ابن ابی حمائل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر اپنا تمام مال خرچ کر دیا پھر اللہ تعالیٰ نے شیخ کی دعا مبارک سے اس کے عوض میں انہیں دوسرا مال عطا فرمایا اور آپ نے فرمایا کہ اے (بیٹا) محمد! ہمیں دنیا کی کوئی ضرورت نہیں ہے اگر ہم اسے اپنے لئے چاہیں تو وہ فوراً ہی ہمارے پاس آجائے گی لیکن ہم نے سلف صالحین کی اقتداء کرتے ہوئے تھوڑی دنیا ہی کو اختیار کر لیا ہے (لہٰذا اپنے لئے کثرت کی دعا نہیں مانگتے ہیں)۔

ارشاد نمبر ۵۰: اور مرید پر حق ہے کہ وہ اپنے شیخ کے چہرے میں ٹکٹکی باندھ کر مت دیکھے بلکہ جہاں تک ہو سکے اپنی نظر نیچے رکھے اور اس بات کے لطف کو کتابوں میں نہیں لکھا جا سکتا۔ سالک لوگ ہی اسے چکھتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی عادات مبارکہ میں سے ایک عادت یہ تھی کہ آپ ﷺ اپنی نظر مبارک کسی شخص کے منہ میں سیدھی نہیں ٹکاتے تھے اور آپ کریم ﷺ جب چاند کو دیکھتے تو اس سے بھی اپنا چہرہ مبارک فوراً ہی ہٹاتے تھے۔

اور حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ جس شخص نے اپنے شیخ کے چہرے مبارک پر ہمیشہ نظر رکھی تو اس نے اپنی گردن سے کمال حیاء کا پٹا نکال دیا۔

اور میرے سردار علی مرصفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ ہاں اگر مرید اپنے شیخ کے ادب کے مقام میں ثابت قدم ہو جائے اور شیخ کے چہرے مبارک کی طرف اکثر نگاہ رکھنے سے اس کی اہانت لازم نہ آئے تو پھر کوئی نقصان نہیں ہے۔

ارشاد نمبر ۵۱: اور میں اپنے سردار علی مرصفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ مرید کو لائق نہیں ہے کہ وہ اپنے شیخ کی اجازت کے بغیر کسی وظیفے یا کسی ہنر میں مشغول ہو جائے۔

ارشاد نمبر ۵۲: اور مرید پر حق ہے کہ وہ اپنے شیخ کی طرف پاؤں کبھی نہ پھیلائے۔ شیخ زندہ ہوں یا وفات، رات ہو یا دن ہر وقت حالت حضور و حالت غیبت دونوں میں شیخ کے ادب کی رعایت اور نگہبانی کرے۔

ارشاد نمبر ۵۳: اور مرید پر حق ہے کہ وہ اپنے شیخ کی صریحاً یا اشارۃً اجازت کے بغیر اس زمانہ کے کسی بھی بزرگ کی زیارت نہ کرے اگرچہ وہ بزرگ اس کے شیخ کے بڑے دوستوں میں سے ہوں۔

ارشاد نمبر ۵۴: اور مرید پر حق ہے کہ وہ اپنے شیخ کے کپڑے اور جوتی مبارک کو نہ پہنے اور شیخ کے بستر پر نہ بیٹھے اور شیخ کی تسبیح پر وظیفہ نہ پڑھے نہ شیخ کی موجودگی میں اور نہ شیخ کی غیر موجودگی میں، ہاں جب شیخ ان چیزوں کے استعمال کی خود اجازت دے دیں تو پھر صحیح ہے۔

ارشاد نمبر ۵۵: مشائخ کبار نے فرمایا ہے کہ جب شیخ اپنے مرید کو کوئی کپڑا نعلین ٹوپی یا مسواک مبارک عطا فرمائے تو اسے لائق نہیں ہے کہ وہ اس کو کسی (دنیوی) چیز کے بدلے میں بیچ ڈالے کیونکہ بسا اوقات شیخ اس چیز میں مرید کیلئے کامل لوگوں کے اخلاق لپیٹ

کر اس کے سپرد کرتا ہے جیسا کہ حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چادر لپیٹ کر دے دی تھی اور وہ زیادہ بھولنے والے تھے پس انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس کے بعد جو سنا یا جو دیکھا کسی بھی چیز کو نہیں بھولا۔

حکایت: اور ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت شیخ جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے (اپنے مرید) شیخ شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ایک مسواک عطا فرمائی پس تونگروں نے آپ (یعنی شیخ شبلی) سے اس مسواک کو سو دینار (یعنی ہزار درہم) کے بدلے میں خریدنا چاہا لیکن آپ نے انکار کیا۔

حکایت: اسی طرح میں نے شیخ تقی الدین بن مقتول کو اونی سبز کپڑا بخشش دے دیا تو لوگوں نے اسے اس کے بدلے میں پچاس دینار دینا چاہا لیکن اس نے انکار کر دیا۔

اور میں نے اپنے شیخ شیخ الاسلام زکریا سے سنا وہ فرماتے تھے کہ جب شیخ مرید کو قمیص یا نعلین بخشش فرمائے تو اسے چاہئے کہ وہ اس کی تعظیم کرے۔ یعنی اس کپڑے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے اور ان نعلین سے گناہ کی جگہ نہ جائے اور مرید کو چاہئے کہ شیخ کے پوشاک کی تعظیم بجالاتے ہوئے ان کے اخلاق مثلاً حیا احسان دنیا سے بے رغبتی اور تمام گناہوں سے بیزاری کو اختیار کرے۔

ارشاد نمبر ۵۶: اور مرید پر حق ہے کہ وہ اپنے دل کو اپنے شیخ کے ساتھ ہمیشہ مضبوط باندھے ہوئے رکھے اور ہمیشہ تابعداری کرتا رہے اور ہمیشہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام امدادوں کا دروازہ صرف اس کے شیخ ہی کو بنایا ہے اور یہ کہ اس کے شیخ ایک ایسے مظہر ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مرید پر فیوضات کے پلٹنے کیلئے صرف انہیں کو معین اور خاص فرمایا ہے۔ اور مرید کو کوئی مدد اور فیض شیخ کے واسطہ کے بغیر نہیں پہنچتا ہے اگرچہ تمام دنیا مشائخ عظام سے بھری ہوئی ہو۔ یہ قاعدہ اس لئے ہے کہ مرید اپنے شیخ کے علاوہ باقی سب سے اپنی توجہ ہٹا دے کیونکہ اس کی امانت صرف اس کے شیخ ہی کے پاس ہوتی ہے (کسی غیر کے پاس نہیں ہوتی)

حضرت شیخ زین الدین الخوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ مرید پر واجب ہے کہ اپنے شیخ کی استمداد کو بعینہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی استمداد سمجھے اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے استمداد کو (بعینہ) اللہ تعالیٰ سے سمجھے تاکہ مرید (اس طریقے سے) اہل اللہ کے طریقے کو پہنچ جائے۔ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا (الفتح ۲۳) یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا قانون ہے جو کہ پہلے سے چلا آتا ہے اور تو اللہ تعالیٰ کے قانون میں کچھ تبدیلی نہیں پائے گا۔

ارشاد نمبر ۵۷: اور مرید پر حق ہے کہ جب اس کے شیخ کے شہر میں کوئی دوسرا بزرگ آئے اور اس کی جانب اس کے شیخ کے علاوہ دیگر بہت سے اکابر حضرات متوجہ ہو جائیں تو وہ مرید ہرگز متوجہ نہ ہو جائے اگر وہ مرید اس کی جانب متوجہ ہوا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس مرید کی اپنے شیخ کی ابتدائی تمام صحبت ہی فاسد تھی (یعنی جتنی مدت اس مرید نے اپنے پہلے شیخ کی صحبت میں گزاری ہے وہ ساری بغیر اعتقاد کے گزاری ہے لہٰذا وہ ساری کی ساری صحبت بے کار تھی) اور بزرگانِ دین نے تحقیق فرمائی ہے کہ جو مرید اپنے شیخ کے بارے میں یہ اعتقاد نہ رکھے کہ شیخ اپنے مرید کی تربیت میں دوسرے سب سے زیادہ واقف ہے تو ایسے مرید کی صحبت ہی منعقد نہیں ہوتی اور اس وقت شیخ کے باطنی اسرار میں سے کچھ بھی مرید کی جانب منعکس نہیں ہوتا ہے۔

ارشاد نمبر ۵۸: شیخ محی الدین بن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب شیخ جان لے کہ فلاں مرید با استقلال (یعنی خودرو) ہو گیا ہے اور اس کی تربیت مکمل ہو چکی ہے اور وہ دودھ چھڑانے کے زمانے کو پہنچ گیا ہے تو شیخ پر واجب ہے کہ اب اپنی امداد اس مرید سے

منقطع کر دے اور اس مرید کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ چھوڑ دے پھر اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے اپنے بندوں میں ظاہر فرمائے اگر چاہے تو اسے ان میں پوشیدہ رکھے اور اس کے بعد شیخ کا اس مرید پر کچھ حکم نہیں ہے (یعنی وہ مرید اللہ تعالیٰ کے سپرد ہو گیا)۔

نیز فرمایا کہ جب کوئی مرید اپنے شیخ کے برابر ہو جائے یا اس سے بڑھ جائے تو اس مرید پر واجب ہے کہ وہ اپنے شیخ کے ادب کو لازم کرلے۔ اسے یہ کبھی جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے شیخ کی بے ادبی کرے بلکہ ہمیشہ احترام کو بجالائے اگرچہ (بعض مسائل میں) اس کی اقتداء نہ کرتا ہو پھر فرمایا کہ جس مسلک کو ہم پسند کرتے ہیں وہ شیخ کی دوام اقتداء ہے (اگرچہ مرید اپنے شیخ سے بڑھ جائے)۔

پس اے بھائی اس باب میں جو آداب کہ بیان کئے گئے ہیں تو ان کو اپنے نفس پر پیش کر دے اگر تونے اپنے نفس کو ان آداب کے مطابق دیکھا تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالا۔ اور بے شک تو مرید ہو گیا ہے اگر تونے اپنے نفس کو ان آداب کے مطابق نہیں پایا تو تو اپنے آپ کو مرید مت کہہ یہ جھوٹ اور بہتان ہے۔

سوال: اگر کوئی مرید ہمیں کہے کہ پھر اس شیخ کی صفتیں کون سی ہیں کہ جن کا ادب، فرمانبر داری اور اس کی ہر ایک بات کی اتباع ہم پر ضروری ہے تو اس کا؟

جواب: یہ ہے کہ وہ شریعت کے تمام علوم میں تبحر اور کامل ہو اور اپنے تمام اقوال افعال اور عقائد میں قرآن و سنت کی پیروی کرتا ہو اور دل کے تمام خیالات کو علیحدہ علیحدہ سمجھتا ہو۔ یعنی یہ جانتا ہو کہ فلاں خیال نفسانی ہے اور فلاں خیال شیطانی اور فلاں خیال ملکی اور فلاں خیال رحمانی ہے اور ابدان وارواح کے متعلق تمام امراض اور ان کے اسباب سب کو جانتا ہو تا کہ مرید کو کسی دوسرے آدمی سے پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے اور جو اعمال واحوال کہ مرید کو ترقی دینے یا ترقی سے ہٹانے کے اسباب ہیں ان سب کو جانتا ہو تا کہ مرید کو مردوں کے مقامات تک پہنچائے اور اسے عین حقیقت سے آشنا کر دے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ شیخ کو مرید کے جذب اور اسے تمام عوائق سے چھڑانے کی طاقت ہو۔ لیکن یہ آخری شرط تب ہے جب کہ مرید صادق ہو اور شیخ کے اشاروں ہی سے کام کرتا رہتا ہو۔ (واللہ ورسولہ اعلم)

اپنے پیر بھائیوں کے بعض آداب کا بیان

جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحمت فرمائے کہ فقراء کے آداب بہت زیادہ ہیں لیکن ہم یہاں صرف پیر بھائیوں کے بعض آداب کو جمع کرتے ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ مرید اپنے پیر بھائیوں سے ایسا معاملہ کرے کہ جس کو وہ ان کی طرف سے اپنے لئے پسند کرتا ہے اور ان کیلئے ایسی بھلائی چاہے جیسی کہ اپنے لئے ان کی طرف سے چاہتا ہے اور ان کی خطاؤں کو پوشیدہ رکھے جیسا کہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی خطاؤں کو پوشیدہ رکھیں اور ان کی تمام غلطیوں کو اچھے مقاصد پر محمول کرے جیسا کہ اگر وہ خود بالفرض اس غلطی میں واقع ہو جائے تو دوسروں کی طرف سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی غلطیوں کو اچھے مقاصد پر محمول کریں اور ان کی توبہ کی قبولیت کی امید کرے اگرچہ وہ اہل اسلام کے تمام گناہوں کے مرتکب ہو جائیں جیسا کہ بالفرض اگر وہ خود ان گناہوں کا مرتکب ہو جائے تو اپنے لئے توبہ کی قبولیت کی امید رکھتا ہے (بہر حال ہر ایک مرید جو چیز کہ اپنے پیر بھائیوں کی طرف سے اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی چیز اپنے بھائیوں کیلئے بھی پسند

کرے اس طرح کرنے سے انشاء اللہ تعالیٰ وہ مرید اپنے تمام پیر بھائیوں کے حقوق بجالائے گا)۔ حدیث شریف میں ہے: **اَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبَّ لِنَفْسِکَ (ترمذی)** یعنی لوگوں کے لئے بھی وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔

ارشاد نمبر ۱: پیر بھائیوں کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ سالک کو چاہئے کہ جب کبھی اس کے کسی پیر بھائی سے کوئی شرمناک بات ظاہر ہو تو وہ اس کی طرف توجہ نہ دے اور نہ ہی اس کی کسی لغزش کو جو کہ اس سے سرزد ہو گئی ہے دیکھے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ (دیکھنے والا) سالک کبھی ایسی لغزش میں واقع ہو جائے پھر جب وہ اس میں واقع ہو جائے تو کیا وہ اپنے تمام پیر بھائیوں سے یہ پسند نہیں کرے گا کہ وہ اس پر رحم کریں اور اسے معذور سمجھیں (اور اسے خراب نہ سمجھیں وغیرہ وغیرہ) تو اسی طرح اس سالک کو بھی چاہئے کہ وہ اپنے پیر بھائیوں کو معذور سمجھے اور انہیں خراب نہ سمجھے۔ پس اس معاملہ میں جیسا کہ سالک اپنے لئے پیر بھائیوں کے برا کہنے اور معذور قرار نہ دینے کو ناپسند سمجھتا ہے تو وہ پیر بھائی بھی اس معاملہ میں اس سالک کے برا کہنے اور معذور قرار نہ دینے کو ناپسند سمجھتے ہیں (خلاصہ یہ ہے کہ مرید جو چیز کہ اپنے پیر بھائیوں کی طرف سے اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی چیز ان کیلئے بھی پسند کرے)۔

ارشاد نمبر ۲: مشائخِ عظام نے اتفاق کیا ہے کہ جو سالک لوگوں کے عیوب میں سے کسی بھی ایک عیب پر مطلع ہو گیا اگرچہ کشف کے طریقے ہی سے ہو تو وہ سالک شیطان کے حضور میں ہے اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے حضور میں نہیں ہے۔

ارشاد نمبر ۳: اور مشائخِ عظام نے فرمایا ہے کہ جس کشف کے ذریعے صاحب کشف لوگوں کے عیوب میں سے کسی بھی ایک عیب پر مطلع ہوا تو وہ کشف شیطانی ہے اس پر واجب ہے کہ وہ اس کشف سے توبہ کرلے۔

ارشاد نمبر ۴: اور مشائخِ عظام نے فرمایا ہے کہ جو شخص لوگوں کے عیب کو دیکھے اور ان کو برے مقاصد پر منسوب کرے تو اس شخص کا نفع ختم ہو جائے گا اور اس کا باطن ویران ہو جائے گا اور وہ اپنے شیخ کی صحبت سے کچھ نفع نہیں اٹھائے گا۔

طبرانی شریف میں مرفوع حدیث ہے کہ جو شخص لوگوں کے عیوب کو تلاش کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کو تلاش کرے گا اور جس کے عیوب کو اللہ تعالیٰ تلاش کرے تو اس کو خوار کر دے گا اگرچہ وہ اپنے کجاوہ کے بیچ میں (ہی) ہو۔

اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ بخدا (یعنی اللہ کی قسم کہ) ہم ایسی جماعت دیکھتے تھے کہ ان میں کچھ عیب نہیں تھے پھر جب وہ لوگوں کے عیبوں کی جاسوسی اور تلاش میں پڑ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے عیب ظاہر کر دیئے۔

اور میں نے اپنے سردار شیخ علی مرصفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا آپ نے فرمایا کہ جس مرید نے اپنے پیر بھائیوں کی لغزشات دیکھ کر انہیں نہیں چھپایا تو حقیقت میں اس مرید نے اس قدر اپنی لغزشات کے پردے کھول دیئے۔ اور میرے سید احمد زاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ جب تم اپنے کسی پیر بھائی کو کسی ایسے گناہ پر دیکھو کہ وہ اسے ظاہر ظہور نہیں کر رہا ہے تو تم اسے پوشیدہ رکھو اگر وہ اس گناہ کو تمہارے سامنے ظاہر کر رہا ہے تو تم اسے جھڑکو اور زجر کرو اور اس گناہ کو کسی دوسرے آدمی کو جس کو اس کا پتہ نہیں ہے مت بتاؤ۔ پھر اگر وہ شخص تمہارے جھڑکنے سے باز آ گیا تو ٹھیک ہے ورنہ تم اسے اس کا فائدہ کی غرض سے لوگوں کے سامنے جھڑکو۔ اپنے نفس کے خوش کرنے کی غرض سے نہیں۔ پس امید ہے کہ وہ اپنی جہالت اور غلطی سے باز آئے اور جب تک وہ اپنے گھر کے اندر دروازہ بند کر کے گناہ کر رہا ہے تو ایسے شخص کو ظاہر ظہور گناہ کرنے والا نہیں کہا جائے گا۔ ہاں اگر گھر میں ایسے بچے ہوں جو کہ وہ بات باہر بتا

سکتے ہوں تو وہ بھی مردوں کے حکم میں ہیں (یعنی ان کے سامنے گناہ کرنے والا بھی ظاہر ظہور گناہ کرنے والا کہا جائے گا)۔ حدیث شریف میں ہے: جو مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں اس کی پردہ پوشی فرمائیگا۔ (الاربعین النوویة)

ارشاد نمبر ۵: اور مرید پر حق ہے کہ وہ اپنے پیر بھائیوں کی دنیوی خیر خواہی سے زیادہ دینی خیر خواہی کرے پس انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے عام اوقات مثلاً سحری یا دیگر فضیلت والے اوقات کی اطلاع دے دے اور انہیں ہوشیار کرے اور یہ بھی قانون دانی، نرم الفاظ اور شرافت ہی کے ساتھ ہو۔ سختی اور حقیر جاننے کے طریقے پر نہ ہو ورنہ ہو سکتا ہے کہ انہیں غصہ آئے اور اس کی بات نہ سنیں۔

اسی طرح وہ مرید انہیں (یعنی اپنے پیر بھائیوں کو) نماز کے وقت آنے سے پہلے ہی ہوشیار کرے تا کہ وہ نماز کے وقت آنے تک اچھی طرح تیار ہو جائیں اور امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ یا فرض سے قبل والی سنت مؤکدہ ان سے فوت نہ ہو جائے جیسا کہ بعض وسواسی لوگوں کا یہی طریقہ ہوتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ابھی تک وقت بہت ہے اور غالبًا ان سے نماز جماعت مکمل ہی فوت ہو جاتی ہے اور بعض سلف کا یہ طریقہ تھا کہ جب ان سے نماز جماعت فوت ہو جاتی تھی تو وہ اس نماز کو تنہا ستائیس بار پڑھتے تھے تا کہ نفس سے جہاد ہو۔ اگرچہ جمہور علماء اس طرح کرنے سے منع فرماتے ہیں اور اسلاف میں سے شیخ امام مزنی جو کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد ہیں جب ان سے جماعت فوت ہو جاتی تھی تو اس نماز کو پچیس بار دہراتے تھے۔

ارشاد نمبر ۶: اور جو مرید ساری رات کھڑا ہو کر اول سے آخر تک نماز پڑھتا ہے اس پر حق ہے کہ وہ اپنی ذات کو اپنے کسی بھی پیر بھائی پر کہ جن کو وہ سحری کے وقت جگاتا ہے اچھا نہ سمجھے۔ بلکہ ان کی نیند کو اپنی عبادت سے زیادہ خالص سمجھے کیونکہ نیند والا شخص مرفوع القلم ہوتا ہے (یعنی کراماً کاتبین اس کے بارے میں کچھ نہیں لکھتے ہیں) اور جاگنے والا ایسا نہیں ہوتا ہے پس ہو سکتا ہے کہ بعض اوقات قلم یوں لکھے کہ فلاں شخص ساری رات ریاء اور شہرت کی غرض سے جاگا ہے اور جب لوگ اس کی اس عبادت سے کہ وہ رات کی تاریکیوں میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوا ہے مطلع ہوتے تھے تو وہ اپنے دل میں لذت پاتا تھا تو قلم کا ایسا لکھنا تو گناہ ہی کے زیادہ قریب ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جو شخص رات کو جاگے اور اللہ تعالیٰ کے شکر بجالانے کی غرض کے بغیر اپنے آپ کو سونے والوں سے اچھا سمجھے تو وہ شخص لعنت اور دھتکار کا مستحق ہے اور یہی شیطان کا گناہ ہے کہ وہ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے دربار سے دھتکارا گیا (یعنی اپنی ذات کو اچھا سمجھا اور دھتکارا گیا)۔

ارشاد نمبر ۷: اور تمام مشائخ عظام علیہم الرحمہ نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ بندہ پر واجب ہے کہ وہ اپنے آپ کو تمام مسلمانوں سے کم سمجھے اور جو شخص اپنے آپ کو ایسا نہیں سمجھے گا تو وہ متکبرین سے ہو گا اور متکبرین کی جگہ جہنم ہے پس اگر کسی نے اپنی ذات کو اپنے تمام ہم عصروں سے اچھا سمجھا تو وہ دوزخ میں سب سے نیچے ہو گا اگر جنت میں داخل کیا گیا تو جنت میں بھی سب سے نیچے ہی ہو گا۔

اور میرے سید عبد العزیز دیرینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ جو شخص یہ ارادہ کرے کہ تمام وجود اسے خیر کی امداد کرے تو اسے چاہئے کہ وہ مرتبے میں اپنے نفس کو تمام مخلوق سے نیچے سمجھے کیونکہ جو امداد کہ مخلوق کو پہنچتی ہے وہ پانی کے مثل ہے اور پانی صرف پست اور نچلی جگہوں کی طرف بہتا ہے بلند یا برابر جگہ کی طرف نہیں بہتا پس جو شخص اپنے نفس کو اپنے ساتھ کے برابر سمجھے گا تو امداد کھڑی رہے گی اس کی طرف نہیں چلے گی اگر بلند سمجھے گا تو بالکل ذرہ برابر بھی اس کی جانب نہیں چڑھے گی۔ "واللہ ورسولہ اعلم"

ارشاد نمبر ۸: ایک دن خادم یعقوب نے اپنے شیخ کو عرض کیا کہ اے میرے سردار مجھے نصیحت فرمایئے تو آپ نے فرمایا کہ (اے بیٹا) تو اپنے پیر بھائیوں کا خدمت گار بن جا انہیں اپنی ذات پر ترجیح دے اس کے بعد ان کی ایذاؤں کو بھی برداشت کرتا رہ اور تو اپنے آپ کو ان سے اچھا مت دیکھ ورنہ تو ایک ایسے گھڑے میں پڑ جائے گا کہ کوئی بھی تیری مدد کیلئے نہیں آئے گا۔

ارشاد نمبر ۹: حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ مرید کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے پیر بھائیوں کی خدمت کرے پھر ان کے پاس معذرت پیش کرے کہ ان کا جو حق تھا وہ ادا نہیں کر سکا۔

ارشاد نمبر ۱۰: ہر وہ مرید جو کہ اچھی مجلس سے پیچھے رہ جائے اسے لائق ہے کہ وہ اپنے پیر بھائیوں کے سامنے اپنی ذات کو زجر کرے اور اپنی بے عزتی کرے اور اپنے پیر بھائیوں کو کہے کہ تم اس کام میں میری اتباع سے بچ جانا۔ بے شک میں نے اس خیر سے پیچھے رہنے میں خطا کی ہے۔ اور اس مسئلہ میں حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سبقت کر لی۔ پس آپ اپنی ذات کو الزام دیتے تھے اور اپنے دوستوں کو فرماتے تھے کہ تم میرے (فلاں) کاموں کی تابعداری سے بچ جانا میں نے اپنے دین کو نقصان میں ڈال دیا ہے **(سبحان اللہ)**

ارشاد نمبر ۱۱: اور مرید جب اول مجلس میں پہنچ نہیں سکا اور درمیان میں شامل ہو سکتا ہے یا بالکل مجلس کے ختم ہوتے وقت دعا ہی میں شامل ہو سکتا ہے تو پھر بھی اسے حق ہے کہ شامل ہو جائے اور شرم ہرگز نہ کرے جیسا کہ نماز کی جماعت کا حکم ہے کہ جو شخص بالکل آخری تشہد میں آجائے تو اسے بھی چاہئے کہ تکبیر تحریمہ کہہ کر جماعت میں شریک ہو جائے تاکہ اسے جماعت کی کسی جزء یا بالکل ہی کسی ذرے کی فضیلت کا ثواب حاصل ہو جائے۔

ارشاد نمبر ۱۲: اور کوئی سالک جو کہ کسی نیکی سے پیچھے رہ جائے اور اسے اس کے پیر بھائی اس پر ملامت کریں تو اسے چاہئے کہ ان سے حجت بازی نہ کرے۔ ورنہ یہ اپنے نفس کی طرف سے ناجائز لڑنا ہو گا۔ بلکہ اسے چاہئے کہ فوراً ہی استغفار (بخشش مانگنا) شروع کر دے اور ان کو دعا دے کہ **"جزاکم اللہ تعالیٰ عنی خیرا"** (اللہ تعالیٰ تمہیں میری طرف سے اچھا بدلہ دے دے) اور کہے کہ اے پیر بھائیو! تمہارا مجھے ملامت کرنا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ تمہاری مجھ سے شدید محبت ہے اور تم میرے دین کے مجھ سے زیادہ خیر خواہ ہو۔ سالک یہ بات انہیں اس لئے کہے کہ تاکہ وہ اسے دوبارہ کسی وقت نصیحت کرنے کی ہمت کریں اگر بالفرض کسی سالک نے اپنے نفس کی طرف سے جھگڑنا شروع کر کے انہیں یوں کہا کہ میں جانتا ہوں کہ تم مجھے آج سے بہت دن پہلے ہی سے برا سمجھتے ہو تو اس صورت میں اس کے پیر بھائی آئندہ اس کی بے فہمی کی وجہ سے اس کی نصیحت کو بھی چھوڑ دیں گے۔ (اللہ تعالیٰ پناہ دے)

ارشاد نمبر ۱۳: اور میرے سید احمد بن رفاعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں ہے کہ جس شخص نے اپنے نفس کا بدلہ چاہا اور اپنے نفس کی طرف سے بحث کی تو تباہ و ہلاک ہوا اور جس شخص نے لوگوں سے درگزر کیا اور اپنے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا تو اللہ تعالیٰ بغیر اہل و قوم کے اس کی مدد فرمائے گا۔

ارشاد نمبر ۱۴: اور سالک پر حق ہے کہ وہ اپنے پیر بھائیوں کو ہدایت کرے اور انہیں شریعت و طریقت کے آداب سکھائے لیکن اپنے آپ کو ان سے اچھا نہ سمجھے کیونکہ بعض سالک اخلاص اور حسن معاملہ میں اس سے زیادہ ہوتے ہیں۔ اور معلم و مبلغ کا مرید سے زیادہ علم رکھنے کی وجہ سے اس سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل ہونا لازم نہیں آتا اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ اس سے اس زمانے کے اکثر

مشائخ بے خبر رہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے مریدوں سے زیادہ علم رکھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل ہیں پس جو شیخ اپنے آپ کو افضل سمجھتا ہے وہ اس بیان کو خوب ذہن نشین کر لے۔

ارشاد نمبر ۱۵: اور مرید پر حق ہے کہ وہ اپنے پیر بھائیوں کو جہاں تک کہ اسے علم ہے اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچانے والا طریقہ بتا دے اور جب اس کے پیر بھائی خیر کی مجلسوں سے پیچھے رہ جائیں تو انہیں اپنے نفسوں کی زجر دینے کی راہیں بتا دے۔ پس امید ہے کہ ان کیلئے وہ زجر و توبیخ ان کے پیچھے رہ جانے کے خلل کا بھراؤ بن جائے اور (پیچھے رہنے والے) سالک کو یہ درست نہیں ہے کہ وہ اپنی ذات کے زجر و توبیخ سے مسامحت (چشم پوشی) کر لے جیسا کہ اس پیچھے رہنے والے کو یہ درست نہیں ہے کہ وہ ایسے عذر پیش کرے جنہیں اس کا شیخ اور پیر بھائی قبول نہ کریں اور اس طریقہ سے اپنے نفس کو دھوکہ دے دے۔

اور اس (پیچھے رہنے والے) سالک کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس کو اس طرح آزمائے کہ اگر مثلاً وہ سالک ذکر کی مجلس میں حاضر ہو جائے تو کوئی تونگر آدمی اسے ہزار دینار عطیہ دے دے گا پس اگر اس وقت وہ اپنے نفس کو یوں دیکھے کہ وہ ہزار دینار کو چھوڑ تا ہے اور اپنی سخت ضرورت جو کہ اس کے اس تمام وقت کو لپیٹ رہی ہے کا عذر پیش کرتا ہے تو وہ سالک اس دن کی مجلس ذکر کے چھوڑنے میں واقعی معذور ہے اور اپنے قول میں سچا ہے (کہ آج میں معذور تھا لہٰذا حاضر نہیں ہو سکا) اگر وہ اپنے نفس کو ہزار دینار کے حاصل کرنے کیلئے وہاں حاضر ہونے کا حریص پائے اور ان تمام ضروریات ورکاوٹوں کو جو کہ اس کو اس مجلس ذکر سے پیچھے رکھتی تھیں ہٹانے والا پائے تو وہ سالک مجلس خیر سے پیچھے رہ جانے کے عذر پیش کرنے میں جھوٹا ہے کیونکہ مؤمن کے نزدیک کلمہ سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ سونے سے بھری ہوئی زمین سے بھی زیادہ افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا (الکھف ۴۶)

مال اور اولاد حیات دنیا کی ایک رونق ہے۔ اور جو اعمال صالحہ باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی بہت زیادہ بہتر ہیں اور امید کے اعتبار سے بھی بہت زیادہ بہتر ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ:

وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ (الکھف ۴۶) سے مراد بندے کا "سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الہ الاّ اللہ و اللہ اکبر" کہنا ہے۔ پس بندے کے لئے جس چیز کے بہتر ہونے کی اللہ تعالیٰ گواہی دے دے تو بندے کو یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس کے علاوہ کسی شے کو اس پر ترجیح دے دے بلکہ بعض اوقات یہ کفر ہے (اللہ تعالیٰ پناہ دے۔ آمین)

ارشاد نمبر ۱۶: اور سالک پر حق ہے کہ وہ اپنے پیر بھائیوں کے دینی ودنیوی مشکل اعمال کی مدد میں بہت اقدام کرنے والا ہو وے جیسا کہ ان کے گھروں کی طرف لکڑی یا گیہوں اٹھاتا ہوا یا پوری رات ان کیلئے جاگتا ہوا اور اس خدمت و مدد کے زیادہ حقدار نئے مہاجروں کی بنسبت پرانے مہاجر ہیں یعنی وہ سالک جو کہ شیخ کے ہاں پہلے ہجرت کر کے آئے ہیں کیونکہ نئے مہاجر پرانے مہاجروں ہی کے کاموں کو دیکھتے رہتے ہیں (اور ان سے سبق لیتے اور سیکھتے رہتے ہیں)

نیز محققین نے فرمایا ہے کہ سالک پر حق ہے کہ وہ شک اور تہمت والی جگہوں اور ناشائستہ کاموں کے ارتکاب سے بہت دور رہے تاکہ جب وہ اپنے بھائیوں کو نصیحت کرے تو وہ اس کی سنیں۔ پس ایسا نہ کرے کہ ان کو رات کے اٹھنے کا حکم دے اور خود سو جائے۔ اور دوسروں کو دنیا سے بے رغبتی اور مال جمع نہ کرنے کا حکم دے اور وہ خود اس کی رغبت رکھے اور جمع کرے۔ اور جماعت کے اکابر لوگ اس بات سے سخت پرہیز کریں اور شیخ تو ان تمام باتوں کا سب سے زیادہ بطریقہ اولیٰ حقدار ہے۔ (بہر حال) سالک کو چاہئے کہ وہ دوسرے فقراء کے گندم اور لکڑیوں کے اٹھانے یا فصل کاٹنے گیہوں گاہنے (یا دیگر مباح کام کاج) وغیرہ میں مدد کرے اگرچہ ایک بار یا ایک ہی دن ہو کیونکہ اس طریقہ سے فقراء کو خوشی پہنچے گی۔ "واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ" جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہے اللہ تعالیٰ اس بندہ کی مدد میں ہے۔ (الحدیث)

ارشاد نمبر ۱۷: جماعت کے اکثر فقراء جس غلطی میں واقع ہوتے ہیں وہ اس شخص کی غیبت میں واقع ہونا ہے جس کو فساد کی وجہ سے جماعت سے نکالا گیا ہے اور اس کے احوال کا ہر ایک سالک کو بتانا یا ہر شخص جو کہ اس کے نکالنے کا سبب پوچھے اس کو بتا دینا یہ سب ناجائز ہیں اور بسا اوقات وہ بتانے والے لوگ اس نکالے ہوئے شخص سے بھی زیادہ گنہگار اور بدحال ہو جاتے ہیں۔

ارشاد نمبر ۱۸: اور سالک پر حق ہے کہ وہ جماعت کے پیر بھائیوں کی بیماری وغیرہ میں ان کی خدمت سے غفلت نہ کرے۔ خصوصاً رات کے وقت جب کہ لوگ اسے چھوڑ کر جا کر سو جائیں اور اس کا کوئی اہل وایسا مددگار نہ ہو جو کہ اس کی نگہبانی کرے۔ پس اس صورت میں اس سالک پر لازم ہو گا کہ وہ اس بیمار کی خدمت کرے یا اسے شفا خانہ تک لے جائے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن بندے سے اس کے تمام بھائیوں اور ساتھیوں کے حقوق کے متعلق پوچھا جائے گا۔ پھر اگر بیمار سالک کے پاس ایسی کوئی چیز نہ ہو جسے وہ اپنی بیماری پر خرچ کرے تو اس کے پیر بھائیوں پر حق ہے کہ وہ اپنے مال سے اس پر خرچ کریں یا اللہ تعالیٰ کے امان وپناہ پر اس کیلئے قرض لیں۔

اگر وہ اسے شفا خانہ اٹھا کر لے گئے تو اس کے حق کا پورا کرنا مثلاً اس کی طرف بار بار آنا جانا اور ڈاکٹر و کارکنوں کو اس کیلئے ہدایت دینا ضروری ہے اور وہ ہمیشہ اس کی طرف آتا رہے یہاں تک کہ وہ تندرست ہو جائے یا رحلت پائے۔ "واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ" اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں ہے جب تک کہ بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہے۔

ارشاد نمبر ۱۹: اور سالک پر حق ہے کہ وہ جماعت کے نابینوں بوڑھوں اور یتیموں کی خدمت کرے اور نابینوں کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ان کو ان کے ضروری مقام تک پہنچائے اگر وہ چاہیں تو ان کے کپڑے اور داڑھی سے جوں بھی نکالے۔ اسی طرح نابینوں کو ان کے کپڑے بھی اٹھا کر دے دے۔ بلاشبہ ایسے کام قربِ الٰہی کے یقینی ذرائع ہیں کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خود ان کا حافظ ہوتا ہے پس جن لوگوں نے ان کی خدمت کی تو حقیقتاً انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری اتاری اور یہ دولت صرف محبوبانِ خدا اور مقربانِ الٰہی ہی کو نصیب ہوتی ہے اور جب جماعت کے قوی لوگ نابینوں بیواؤں اور یتیموں کو خوشی پہنچائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر ان کے رزق کے اسباب کو سہل وآسان بنائے گا اور ان پر وسعت وکشادگی فرمائے گا اور عکس کا حکم عکس ہے (یعنی جو لوگ ان کو خوشی نہیں پہنچائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے رزق کے اسباب کو تنگ فرمائے گا)۔

میرے سردار علی خواص رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ جو شخص اپنے اوپر رحمتِ الٰہی کے نزول کو چاہے تو نابینوں اور یتیموں کی خدمت کرے اور بندہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر جتنی رحمت زیادہ کرے گا اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے درجے اتنے بلند فرمائے گا۔

واقعہ: میرے سید شیخ عثمان خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نابینا اور یتیموں کی خدمت کرتے تھے اور ان کے کپڑے اور داڑھی دھوتے تھے اور ان کی ضروریات تک ان کو لے چلتے تھے نیز ان کیلئے طعام پکاتے تھے اور ان کے گیہوں بھی صاف کرتے تھے اور ان کیلئے چکی کا پڑا اٹھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ "ھٰذا شرفی" یہ میرا اشرف ہے (یعنی ان کاموں میں میری بزرگی وعزت ہے)

ارشاد نمبر ۲۰: اور میرے سید علی خواص رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ جو شخص تم پر ظلم کرے تم شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امر مبارک پر عمل کرتے ہوئے اسے معاف کر دو۔ اور یوں مت کہو کہ شریعت پاک نے تو مجھے اس کے ظلم کے برابر بدلہ لینے کی اجازت دی ہے پھر میں بدلہ کیوں نہ لوں۔ کیونکہ بہت سی چیزیں شریعت میں جائز ہوتی ہیں لیکن ان کا ترک کرنا افضل ہوتا ہے (اور یہ بھی ان میں سے ہے)

ارشاد نمبر ۲۱: اور آپ فرماتے تھے کہ جب تو اپنے مسلمان بھائی سے ناراض ہو جائے تو تین دن سے زیادہ ناراض مت ہو جا (اور تو ان تین دنوں میں گفتگو کرنے کی غرض سے اس کو تین بار سلام دینے میں پہل کر پھر اگر اس نے جواب دیا تو ٹھیک ہے ورنہ اب تجھ پر کچھ الزام نہیں ہے ناراضگی اور نہ بولنے کا گناہ اسی پر ہو گا)۔

واقعہ: اور میں ے۹۴ھ میں بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا کہ اتفاقاً طواف کی دعاؤں میں سے کوئی بھی ایک دعا دل میں نظر نہیں آ رہی تھی۔ بس میں ایک (غیبی) کہنے والے سے سنا وہ مجھے کہہ رہا تھا کہ تو یوں کہہ:

"اللّٰھم افرغ علی من الاخلاق المحمدیۃ ما اتحمل بہ الاذی من جمیع العباد اللّٰھم افرغ علی من الاخلاق المحمدیۃ ما اتلقی بہ جمیع الاقدار الجاریۃ علی بالرضی و التسلیم۔ اللّٰھم افرغ علی من الاخلاق المحمدیۃ ما اکون بہ ھادیا مھدیا۔ اللّٰھم افرغ علی من الاخلاق المحمدیۃ ما تصیر بہ حرکاتی و سکناتی کلھا مرضیۃ عندک۔ اللّٰھم افرغ علی من الاخلاق المحمدیۃ ما اتجمل بہ بین یدیک فی الدنیا و الآخرۃ"

اے اللہ مجھے ایسا اخلاقِ محمدیہ ﷺ عطا فرما کہ میں اس کے ذریعے سے تمام بندوں کی ایذاء کو برداشت کر لوں۔ اے اللہ مجھے ایسا اخلاقِ محمدیہ ﷺ عطا فرما کہ میں اس کے ذریعے سے تمام آنے والی تقدیروں پر رضا و تسلیم کو اختیار کر لوں۔ اے اللہ مجھے ایسا اخلاقِ محمدیہ ﷺ عطا فرما کہ میں اس کے ذریعے سے رہنما اور راہ یافتہ ہو جاؤں۔ اے اللہ مجھے ایسا اخلاقِ محمدیہ ﷺ عطا فرما کہ میں اس کے ذریعے سے میری ہر حرکت و سکنت تیرے نزدیک پسندیدہ ہو جائے۔ اے اللہ مجھے ایسا اخلاقِ محمدیہ ﷺ عطا فرما کہ میں اس کے ذریعے سے دنیا و آخرت میں تیرے سامنے آراستہ رہوں۔

پھر اس کے بعد ماثور دعاؤں کے علاوہ میری اکثر دعا یہی ہوتی تھی۔

ارشاد نمبر ۲۲: اور سالک کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے پیر بھائیوں کو اپنی دعاؤں میں مت بھولے اور جب اس کا وقت اللہ تعالیٰ سے صرف ہو جائے تو ان کیلئے مغفرت رحمت اور عفو کی دعا مانگے۔ یہ دعا رات کو ہو یا دن کو سجدہ میں یا غیر سجدہ میں سب برابر ہیں۔ اس دعا کے فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں بھائیوں کا حق پیر بھائیوں کا ادا کرنا ہو گا اور دوسرا یہ ہو گا کہ ایک خاص فرشتہ اس دعا مانگنے والے کیلئے کہے گا کہ "ولک مثل ذٰلک" یعنی تیرے لئے بھی اس جیسا ہو اور فرشتے کی دعا رد نہیں کی جاتی۔

ارشاد نمبر ۲۳: اور سالک پر حق ہے کہ اس کے پیر بھائیوں میں سے جو بھی اس پر احسان کرے اس کی فضیلت کا اقرار کرے بالخصوص جو شخص کہ اس کو ہدیہ دینے میں پہل کرے پس یہ سالک اس کے صرف پہل کرنے کے بدلہ دینے پر بھی قادر نہیں ہو سکے گا۔

ارشاد نمبر ۲۴: اسی طرح پیر بھائی کے حقوق میں سے ایک یہ ہے کہ جب وہ اس پیر بھائی کے پاس آئے تو یہ اس کیلئے کھڑا ہو جائے اگرچہ وہ آنے والا پیر بھائی اس کھڑے ہونے کو پسند نہ کرے خصوصاً جب کہ وہ آنے والا پیر بھائی عالم دین یا حافظ قرآن مجید ہو۔

اور میرے سید علی خواص رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ اے میرے بھائی تو اپنے بھائی کیلئے قیام کر (کھڑا ہو جا) تاکہ تو اس کا حق پورا کرلے تو یہ گمان مت کر کہ وہ تیرے قیام کو پسند کرتا ہے ورنہ بلاشبہ یہ تیری طرف سے بد ظنی ہو گی۔

ارشاد نمبر ۲۵: اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ تو اپنے بھائی کی مروّت پر اعتماد کر کے اس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی مت کر بلاشبہ جب تو اس کے حق کو ادا کرے گا تو تجھے ایک تو انسان کے حق ادا کرنے کا ثواب ملے گا اور دوسرا اللہ تعالیٰ کے امر مبارک کی تابعداری کا ثواب ملے گا۔

ارشاد نمبر ۲۶: اور سالک پر حق ہے کہ جب اس کا پیر بھائی اپنی شادی میں اس سے کچھ مالی مدد چاہے تو وہ اس پر بخیلی مت کرے اگرچہ اپنے کرتہ اور زائد کھڑاؤں (یعنی لکڑی کی جوتی) یا کچھ گیہوں وغیرہ سے کیونکہ اس کام میں اعانت اعلیٰ عبادات میں سے ہے بلکہ بعض محققین نے بیان کیا ہے کہ نکاح میں مدد غازیوں اور مکاتبوں کی مدد سے بھی افضل ہے کیونکہ نکاح نہ ہو تو نہ کوئی مجاہد وجود میں آئے گا اور نہ کوئی عابد اور یہ ایک ایسا کام ہے کہ اکثر فقراء اس میں کوتاہی کر لیتے ہیں (انہیں متنبہ ہونا چاہئے)

ارشاد نمبر ۲۷: اور سالک کو چاہئے کہ وہ اپنے پیر بھائیوں کے ساتھ گفتگو کرتے وقت اپنی زبان سے کڑوی بات نکالنے کی عادت نہ کرے ورنہ وہ برے آدمیوں میں سے ہو گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ "شر الناس من ترکه الناس اتقاء فحشه" بہت برا آدمی وہ ہے کہ جس کی صحبت کو لوگوں نے اس کی فحش کلامی سے بچنے کی وجہ سے چھوڑا ہو۔ پس یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے گواہی ہے کہ بلا شبہ فحش اور بے ہودہ گفتگو کرنے والا برے آدمیوں میں سے ہے اور میں نے اپنے سید علی مرصفی رحمہ اللہ تعالیٰ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ تم کسی بھی مسلمان کو گالی مت دو کیونکہ بسا اوقات تم اس کے باپ کو گالی دو گے تو وہ تمہارے باپ کو گالی دے گا (تو اس لحاظ سے تم اپنے ہی باپ کو گالی دو گے)

اور میرے سید علی خواص رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ بولنے میں احتیاط لقمہ اور کپڑوں کے احتیاط سے اشد (یعنی زیادہ سخت) ہے۔

ارشاد نمبر ۲۸: اور سالک پر حق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کسی بھی ایک مخلوق کو خدا تعالیٰ کے حکم کے بغیر حقیر نہ جانے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کرتے اور صورت عطا کرتے وقت حقیر نہیں بنایا ہے اور کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو عدم سے وجود میں لائیں اور تو اسے حقیر جان لے۔ یہ بات محض جہالت (ہی) ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تجھے یہ حکم نہیں فرمایا ہے کہ تو اس کے کسی ایک بندے کو حقیر جان لے۔ ہاں اس ذات نے تجھے اس بات کا ضرور حکم فرمایا ہے کہ تو ان کاموں کو ناپسند کرے جو کہ اس کی شریعت کے خلاف ہیں۔ اور بس۔

پس تو گنہگار شخص کو نیکی کا حکم دے اور گناہوں سے روک دے لیکن اس طرح کہ تو اس کی ذات کو حقیر مت جان لے کیونکہ بسا اوقات وہ شخص علمِ الٰہی میں تجھ سے اعلیٰ مقام رکھنے والا ہوتا ہے اور تو فاسقوں میں سے ہوتا ہے اور قیامت کے دن وہ تیری سفارش کرنے لگتا ہے۔

اور تو رسول اللہ ﷺ کے لہسن کے بارے میں قول مبارک کو غور کرلے آپ نے فرمایا کہ "انها شجرة اكره ريحها" بلا شبہ لہسن ایک ایسا بوٹا (یعنی چھوٹا درخت) ہے کہ میں اس کی بو کو ناپسند کرتا ہوں۔ پس (غور کیجئے کہ) آپ ﷺ نے لہسن کی ذات کو ناپسند نہیں فرمایا بلکہ صرف اس کی بو کو ناپسند فرمایا۔ پس ہمیں چاہیئے کہ ہم انسان کی ذات کو ناپسند نہ سمجھیں بلکہ اس کے عمل کو ناپسند سمجھیں۔ نیز جاننا چاہیئے کہ کفار و عاصیوں سے ہماری دشمنی ان کی (ذات کی وجہ سے نہیں) صفات کی وجہ سے ہے۔ دلیل یہ ہے کہ جب کفار اسلام لائیں اور عاصی لوگ صالح ہو جائیں تو پھر ان کی کراہت (یعنی انہیں ناپسند سمجھنا) ہم پر حرام ہوگا۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

ارشاد نمبر ۲۹: اور سالک پر حق ہے کہ وہ اپنے پیر بھائیوں کی ضروری حاجات کو اپنے تمام نفلی عبادات سے مقدم رکھے کیونکہ خیر متعدی کا نفع خیر قاصر سے افضل ہے (ایسی نیکی جس سے دوسروں کو فائدہ پہنچے خیر متعدی کہلاتا ہے اور ایسی نیکی جس سے صرف اپنی ذات کو فائدہ پہنچے خیر قاصر کہلاتا ہے۔ پس خیر متعدی کا نفع خیر قاصر سے افضل ہے)۔ بالخصوص جب کہ سالک کو اس کام کیلئے اس کا شیخ امر فرمائے۔ ہاں اگر شیخ کسی سالک کو پیر بھائیوں کی خدمت سے منع کرے تو اس سالک کو پھر خدمت کرنا جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ بعض اوقات فقراء کو اپنے نفسوں کیلئے تکلیف اٹھانے پر مکلف کیا جاتا ہے اور خدمت غالبًا ان پیشواؤں کیلئے ہوتی ہے جو کہ اپنے اخلاق کے علاج سے فارغ ہوتے ہیں اور وہ اپنی ذات کو تمام مخلوق سے حقیر تر سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر لوگ ان کی حقارت کریں اور ان کے عیوب بیان کریں تو ان کو بال برابر بھی اثر نہیں ہوتا۔

ارشاد نمبر ۳۰: اور حضرت ابو سلیمان دارانی وغیرہ فرماتے تھے کہ اس طریقت کی صلاحیت رکھنے والے لوگ وہ ہیں جو کہ اپنی جانوں سے بیت الخلاء (اور گندی جگہوں) کو جھاڑو دیں (اور صاف کریں)۔

ارشاد نمبر ۳۱: اور سالک پر حق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی غرض سے بیت الخلاء کی صفائی کی طرف قدم بڑھائے اگرچہ اس کام کیلئے مزدور اور خادم مقرر ہو نیز ملاقات کی جگہ اور وضو خانہ کے ارد گرد جو پلیدی و گندگی ہو اسے بھی زائل کر دے اور یہ کام ایک ایسے وقت میں سرانجام دے کہ کوئی آدمی اسے نہ دیکھے۔ مثلاً چاشت کے وقت یا سحری کے وقت (یا کوئی ایسا دوسرا وقت جس کو وہ اپنے لئے مناسب سمجھے) کیونکہ نفس جب جان گیا کہ وہ تواضع سے پہچانا گیا ہے تو اسے متکبروں کے کبر کی لذت سے زیادہ لذت وخوشی پہنچے گی اور یہ کام حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ اور سیدی علی خواص رحمہ اللہ تعالیٰ اور شیخ امین الدین امام جامع الغمری رحمہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ مبارکہ تھا۔

ارشاد نمبر ۳۲: جو شخص اپنے بھائیوں کی خدمت کرے گا تو اس کے چہرے پر نور و محبوبیت کے آثار ہوں گے اور جو شخص خدمت سے تکبر کرے گا تو اس کے چہرے پر تاریکی اور ظلمت ہوگی۔

ارشاد نمبر ۳۳: اور سالک پر حق ہے کہ وہ اپنے پاس استرا چاقو قینچی سوئی ستالی (چمڑا سینے کا آلہ جو کہ موچیوں کے پاس ہوتا ہے) دھاگہ اور جس چیز کی عادۃً ضرورت پڑتی ہے ان سب کو اپنے پاس رکھے اور یہ اس لئے کہ ان کے ذریعے سے اپنے بھائیوں کی تکلیف کو رفع کرے اور یہ چیزیں انہیں ادھار دے کر انہیں نفع پہنچائے۔

اسی طرح سالک کے آداب میں سے یہ ہے کہ وہ کنگھی دانت صاف کرنے والا آلہ مسواک اعضا پونچھنے کیلئے کوئی چادر (یا رومال وغیرہ) اور نماز کیلئے مصلّٰی اپنے پاس رکھے اور غیر مسجد میں جہاں بھی نماز کا وقت آجائے تو مصلی بچھا کر اس پر نماز ادا کرے۔ جاننا چاہئے کہ اسلاف نے مصلوں کو اپنی عظمت اور بڑائی کی غرض سے اختیار نہیں کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس چیز سے پناہ دے وہ صرف نماز کی مصلحت ہی کی غرض سے ان کو اختیار کیا تھا اور محققین نے اتفاق کیا ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوا سے دربارِ الٰہی میں (ہرگز) داخل ہونے نہیں دیا جائے گا اور جس شخص کے دل میں عاجزی اور مسکینی ہو تو اسے کسی بھی وقت دربارِ الٰہی میں حاضر ہونے سے روکا نہیں جائے گا۔

ارشاد نمبر ۳۴: جب کسی سالک سے اپنے پیر بھائی کے حق میں بے ادبی ہو جائے تو اس سالک پر حق ہے کہ وہ عاجزوں اور ذلیلوں کی شکل بنا کر اس سے معافی مانگنے کی طرف جلد بازی کرے۔ مثلاً اپنا سر ننگا کر لے اور جوتیوں کے رکھنے کے پاس کھڑا رہے اور اپنا بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ پر نماز کے طریقے سے برعکس رکھے اور اپنا سر زمین کی جانب جھکائے ہوئے رکھے اور پیر بھائی کے حق میں اس سے جو غلطی کہ سرزد ہوئی ہے اس پر نادم وپشیمان رہے۔ پھر اگر اس کا پیر بھائی اس کے عذر کو قبول کر کے اسے جلدی معافی دے دے تو بہت اچھا ورنہ سالک کو چاہئے کہ وہ فوراً بیٹھ نہ جائے بلکہ کھڑا رہے یہاں تک کہ اس کا پیر بھائی اس پر رحمت فرمائے اور اسے معافی دے دے اور سالک پر واجب ہے کہ وہ اپنے نفس کو ملامت کرتا رہے۔ نفس کی طرف سے ذرہ برابر بھی جواب نہ دے۔ (یعنی یوں نہ کہے کہ میں نے غلطی نہیں کی ہے یا فلاں فلاں وجہ سے وہ کام کیا تھا) بلکہ اقرار کر لے کہ بے شک اس نے اپنے پیر بھائی پر ظلم کر لیا ہے۔ جب وہ سالک معافی مانگنے میں انتہائی حد کو پہنچ جائے تو اب اس پیر بھائی پر حق ہے کہ اس کا عذر قبول کر کے اسے معافی دے دے۔ اگر بالفرض اس نے معافی نہ دی اور سالک کا معافی مانگتے ہوئے ٹھہرنا کافی دراز ہو گیا تو اس وقت دوسرے پیر بھائیوں پر حق ہے کہ وہ اس پیر بھائی کو یہ حدیث مبارک سنائیں!

"من اتاہ اخوہ متنصلا من ذنب فلیقبل ذٰلک محقا کان او مبطلا فان لم یقبل لم یرد الحوض" (رواہ الترمذی وغیرہ)

جس شخص کے پاس اس کا بھائی اپنے کسی گناہ کی معافی لینے کیلئے آئے تو اس شخص کو چاہئیے کہ اپنے اس بھائی کے عذر کو قبول کرے (اور اسے معافی دے دے وہ بھائی) سچا ہو یا جھوٹا۔ اگر اس شخص نے اس (بھائی) کے عذر کو قبول نہیں کیا (اور اسے معافی نہیں دی) تو وہ شخص (میرے) حوض پر نہیں آئے گا۔

ارشاد نمبر ۳۵: اور میں نے اپنے سید علی خواص رحمہ اللہ تعالیٰ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جب تمہارے پاس تمہارا کوئی بھائی عذر پیش کرتے ہوئے آئے تو تم اس کے عذر کو قبول کرو بالخصوص جب کہ وہ دیر تک معافی مانگتا رہے۔ اگر کسی سالک کو اس پر رحم نہ آیا تو پھر اس سالک کو چاہئے کہ وہ اپنی ذات کو ملامت کرنا شروع کرے اور اسے کہے کہ تیرا بھائی تیرے پاس معافی مانگنے کیلئے آیا ہے اور تو

اس کے عذر کو قبول نہیں کرتا ہے (اور اسے معافی نہیں دیتا) حالانکہ تونے بھی تو کافی بار اس کی بے ادبی کر لی ہے اور اس کی طرف توجہ نہیں دی ہے پھر تو تو اس وقت اس سے بہت برا اور گندا رہا۔

ارشاد نمبر ۳۶: جب کچھ پیر بھائیوں کی طاعات اور نیکیاں زیادہ ہو جائیں اور لوگ اس کے معتقد ہو جائیں تو سالک پر حق ہے کہ وہ ان پر حسد نہ کرے بلکہ ان کی کثرتِ طاعات پر خوش ہو جائے اور ان کے آداب بجالانے کا حریص ہو جائے۔

ارشاد نمبر ۳۷: اور شیخ ابو مدین کمسانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ جس سالک نے اپنے پیر بھائی کی حاجت پوری کرنے پر قدرت رکھنے کے باوجود اس کی حاجت پوری نہیں کی یہاں تک کہ وہ پیر بھائی اس سے سوال کر لیا تو اس سالکنے اپنے پیر بھائی کا حق ادا نہیں کیا۔

نیز فرماتے تھے کہ جس سالک نے اپنے پیر بھائی کی غیر موجودگی میں اس کے عیال کی (خبر نہ لی اور ان کی) حاجات پوری نہ کی تو بلاشبہ اس نے اپنی پیر بھائی کے حقوق کی خیانت کی۔

ارشاد نمبر ۳۸: اے میرے بھائی تو اپنی (پوری) طاقت جتنا اپنے پیر بھائیوں پر احسان کر، تاکہ تیری موت ان پر ان کے والد شفیق کی موت سے بھی زیادہ شدید رہے۔

ارشاد نمبر ۳۹: سالک پر حق ہے کہ وہ اپنی اور اپنے پیر بھائیوں کی نصیحت سے غافل نہ رہے اور لوگوں کے اموال میں طمع نہ رکھے اور بدعتی شخص کی صحبت اختیار نہ کرے اور نہ ہی کسی عورت کی صحبت اختیار کرے اور اپنے شیخ میں کوئی نقص نہ دیکھے اور اپنے رب کے ذکر سے غافل نہ رہے اور نہ ہی اس کے شکر سے غافل رہے اور مجلس ذکر سے پیچھے نہ رہے اور نہ ہی صالحین کی خدمت اور احترام سے پیچھے رہے۔ اگر سالکنے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس سے متنفر اور بغض رکھنے والا بنا دے گا۔

ارشاد نمبر ۴۰: اور شیخ ابو مدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ سالک کو ان مندرجہ ذیل لوگوں کی صحبت بہت ضرر پہنچاتی ہے۔

نمبر ا: ایسے عالم کی صحبت جو کہ اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو۔

نمبر ۲: ایسے شخص کی صحبت جو کہ احکام شریعت سے بے خبر ہو۔

نمبر ۳: ایسے مقرر کی صحبت جو کہ لوگوں کو دھوکہ دے اور انہیں غلط بات بتا کر اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرے۔

ارشاد نمبر ۴۱: اور سالک پر حق ہے کہ وہ اپنے پیر بھائیوں کو ان دعووں سے روک دے جن کیلئے ان کے ظاہر میں دلیل اور علامات نہ ہوں بلکہ اگر ان کے ظاہر میں کچھ دلیل اور علامات ہوں تب بھی انہیں دعووں سے روک دے اور انہیں اپنے مقام کے چھپانے کا امر کرے تاکہ اللہ تعالیٰ خود انہیں ان کے ارادہ کے بغیر اظہار فرمائے اور اس معاملہ میں بہت سے لوگ ہلاک ہو چکے ہیں۔

اور مشائخ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم جس آدمی کو دیکھو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کے ظاہر میں اس کی کوئی دلیل وعلامت موجود نہیں ہے تو تم اس کی صحبت سے بچو۔ نیز انہوں نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی خصوصی اجازت سے پہلے لوگوں کا پیر بن جائے گا تو وہ فتنہ میں پڑا ہوا (گمراہ) اور لوگوں کا تمسخر بن جائے گا۔ نیز مشائخ کرام نے فرمایا ہے کہ اولیاء کاملین لوگوں کے سامنے تب نکل آتے ہیں جب انہیں وہاں نہ آنے پر سلب نعمت کی تہدید و جھڑک دی جاتی ہے۔

حکایت: ایک شخص میرے پاس آیا اور مجھ سے کلمہ توحید کی تلقین چاہی لیکن میں نے اسے دیکھا کہ وہ بڑائی کا ارادہ رکھتا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ مشائخِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرز کے بغیر ریاضت و مجاہدہ کرنا فخر و غرور ہی کو بڑھاتا ہے لہٰذا میں نے اسے تلقین نہیں دی اور وہ میرے بعد بہت سے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کے پاس گیا اور سب کے عہد کو توڑتا رہا اور ہر ایک جس نے اس کو تلقین دی تھی اسے جدا کرتا رہا اور وہ زبردستی ان کے پاس بیٹھ جاتا تھا۔

آخر کار ایک دن اس نے دعویٰ کیا کہ سابقہ بزرگانِ دین جو کہ فوت ہو چکے ہیں نیند میں میرے پاس تشریف لائے ہیں اور انہوں نے مجھے فرمایا ہے کہ اب تو لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جا (یعنی تو پیر بننے کے مقام کو پہنچ گیا ہے لہٰذا اب تو لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جا) شاید وہ ابلیس تھا۔ پس عوام کی بعض جماعت اس کے ساتھ ہو گئی اور وہ لوگوں کو کہنے لگا کہ "انا الیوم اکبر الاولیاء واوسعھم دائرۃ والاقطاب کلھم من تحت امری" آج میں تمام اولیاء کا بڑا ہوں اور دائرہ میں ان سب سے وسیع تر ہوں اور تمام اقطاب میرے حکم کے نیچے ہیں۔ پس لوگوں نے اس سے تمسخر شروع کر دیا اور اس کی وجہ سے اس زمانہ کے دوسرے موجودہ فقراء سے بھی۔ فلاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اور یہ بات مخفی نہ رہے کہ کرامات معجزات کی فرع ہیں پس جس شخص کی کرامت اس کے دعویٰ کی مصدق (تصدیق کرنے والا) نہ ہو تو وہ کاذب اور جھوٹا ہے۔

ارشاد نمبر ۴۲: اور سالک پر حق ہے کہ وہ اپنی ذات اور اپنے پیر بھائیوں کو اپنی عبادات کے بدلے میں مقام یا حال طلب کرنے سے منع کر دے کیونکہ جس سالک نے اپنے لئے حال یا مقام چاہا تو وہ معارف کے طرق سے بعید ہو گیا۔ اور اہلِ طریق نے اتفاق کیا ہے کہ جو شخص اپنے اعمال کے بدلے میں مقام چاہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نظر رعایت سے گر جائے گا اور انہوں نے فرمایا ہے کہ اے سالک! اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے کھڑا کر دیا تو تو ثابت رہے گا اگر تو نے اپنی ذات کو آپ کھڑا کر دیا تو تو فوراً ہی گر جائے گا۔ نیز انہوں نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے نفس امارہ پر اللہ تعالیٰ کی مدد نہیں چاہے گا تو ایک دن اس کا نفس امارہ اسے ضرور پچھاڑ دے گا۔

ارشاد نمبر ۴۳: اور سالک پر حق ہے کہ وہ تمام مخلوق کو اپنی ذات سے اچھا سمجھے۔ بالخصوص کسی دوسرے شیخ کی جماعت کو۔ پس جو سالک اپنے شیخ کی تربیت سے جدا ہوا اور اپنی ذات کو کسی بھی ایک مسلمان سے اچھا سمجھا تو وہ (عند اللہ تعالیٰ) مبغوض (اور محروم) ہے کیونکہ یہ اس کا وہی گناہ ہے کہ جس کے ذریعے سے اسے جدا کیا گیا ہے اور یہ بات بہت سے مریدوں پر مخفی رہتی ہے۔

ارشاد نمبر ۴۴: اور سالک پر حق ہے کہ وہ اپنی ذات کو کسی دوسرے شیخ کی جماعت سے اچھا نہ سمجھے کیونکہ وہ بھی طریقت میں اس کے بھائی ہیں کیونکہ اہل اللہ کا طریقہ تو ایک ہی ہے یعنی ان کا اصل ایک ہے اگرچہ شاخیں بہت ہوں اور لوگ اپنے لئے شیخ صرف اس لئے بناتے ہیں کہ تاکہ وہ ان کے اخلاق کو سنواریں اور ان کی بے وقوفی کو زائل کریں یہاں تک کہ ہر ایک سالک یہ یقین رکھے کہ سب لوگ نجات یافتہ ہیں اور ہلاک ہونے والا صرف میں ہی ہوں۔

اور یہ بات ہمارے زمانے کے بہت سے فقراء میں عام ہو گئی ہے کہ جب کوئی سالک کسی شیخ کی صحبت میں حیاتی گزارتا ہے پھر جب شیخ رحلت فرماتے ہیں تو وہ فقراء کی جماعت کی قینچی بن جاتا ہے کسی کو بھی اچھا نہیں سمجھتا ہے۔ اس طرح ہونا اس سالک پر اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی کی علامت ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت و سلامتی مانگتے ہیں۔

پس اے بھائی! تو اپنی ذات کو ان کلمات کے ترازو سے تول لے۔ اگر تو نے اپنے نفس کو ان کے (مطابق اور) برابر پایا تو تو اپنے دعویٰ میں سچا ہے کہ تو نے اپنے شیخ کی صحبت سے نفع اٹھایا ہے۔ اگر تو نے اپنے نفس کو ان کے (مطابق اور) برابر نہیں پایا تو جان لے کہ تو نے کوئی چیز حاصل نہیں کی ہے۔

"کتاب الانوار القدسیہ" کے بعض مقامات کا ترجمہ مکمل ہوا۔ **"الحمد للہ تعالیٰ ثم الحمد للہ تعالیٰ و تقدس سبحانہ جل وعلا شانہ لیس کمثلہ شیٔ و ھو علی کل شیٔ قدیر"**

"وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (یس ۱۷)"

مرادما نصیحت بود کردیم　　　　حوالت باخدا کردیم رفتیم

در ترجمہ حصہ آداب از کتاب تحفۃ ابو الفضل (سندھی)

(حضرت مولانا صوفی ابو الفضل غلام رسول صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ وطیب ثراہم اپنی کتاب تحفۃ ابو الفضل (سندھی) صفحہ: ۳۸: میں لکھتے ہیں۔ سندھی عبارت کا ترجمہ: بتغیر قلیل مندرجہ ذیل ہے)۔

سالک کے آداب

طالب مولیٰ کیلئے جو آداب کہ نہایت ضروری ہیں انہیں حضرت شیخ مولانا محمد مسعود رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے جو کہ طالب مولیٰ کیلئے ابتدائے طریقت میں ضروری ہیں اور پھر مشائخ کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کے آداب کو بیان فرمایا ہے کہ مریدین اپنے مشائخ کے ساتھ ان آداب کے ساتھ حیاتی گزاریں۔ **وباللہ التوفیق۔**

در آدابِ طریقت عالیہ

طریقت نمبر ۱: طالب مولیٰ جب ذکرِ الٰہی کی طرف متوجہ ہو جائے تو اسے چاہئے کہ اولاً لوگوں کی صحبت اور دنیوی تعلقات سے علیحدہ ہو جائے پھر اس کے بعد اخلاص اور سچائی کے ساتھ ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جائے۔

طریقت نمبر ۲: طالبِ مولیٰ جب اپنے آپ کو لوگوں سے علیحدہ رکھے تو یہ نیت کرے کہ میں لوگوں کو اپنی برائی اور ایذاء رسانی سے بچاتا ہوں یہ نیت نہ کرے کہ میں ان سے اچھا ہوں اور وہ مجھ سے برے ہیں لہٰذا میں ان سے جدا ہوتا ہوں کیونکہ یہ نیت طریقت میں حرام ہے اور ناکامیابی کی اصل واساس ہے۔ **"الامان ثم الامان۔ الحذر ثم الحذر"**

یکے آنکہ بر خویش خود بین مباش　　　　دوئم آنکہ بر غیر بد بین مباش

ایک یہ کہ تو اپنی نیکی دیکھنے والا مت ہو جا اور دوسرا یہ کہ دوسروں کی بدی دیکھنے والا مت ہو جا۔

طریقت نمبر ۳: طالبِ مولیٰ جب طریقت وسلوک میں داخل ہو جائے تو اسے چاہئے کہ قرب ورضائے خداوندی کی نیت وارادہ کرے۔ اپنے غوث بننے، قطب بننے یا کہ لوگ میرے تابعدار ومعتقد بن جائیں یا کہ میں صاحبِ کرامات وغیرہ بن جاؤں (ان تمام چیزوں) کی ہر گز نیت نہ کرے ورنہ ہلاک اور تباہ ہو جائے گا۔

طریقت نمبر ۴: طالبِ مولیٰ جس کام میں کامیاب نہ ہو تو اسے چاہئے کہ غمگین نہ ہو جائے بلکہ خوش ہو جائے اور ایسا راضی رہے جیسا کہ کامیاب لوگ رہتے ہیں۔ اگر کچھ لوگ اسے ذلیل اور خراب جانیں تو بھی غمگین اور ملول نہ ہو جائے بلکہ صبر کرے۔ اور مسکینی اختیار کرے صبر اور مسکینی دونوں اعلیٰ دولتیں ہی ہیں۔

طریقت نمبر ۵: اگر طالبِ مولیٰ کے پاس دنیا کا کچھ ذخیرہ جمع ہو جائے تو اسے سالک اور غریب لوگوں میں تقسیم کر دے اور اپنے لئے سخاوت کی دولت جمع کرے۔

طریقت نمبر ۶: طالبِ مولیٰ لذیذ طعام، لذیذ مشروبات، زیادہ سونے، زیادہ بولنے، ہنسنے، کھیلنے اور کھیل دیکھنے اور لوگوں پر تمسخر کرنے سے پرہیز کرے اور ہمیشہ خاموشی وصبر کو اختیار کر کے عبادتِ الٰہی اور اتباعِ شریعت میں مستغرق رہے۔

طریقت نمبر ۷: طالبِ مولیٰ اپنی خوشحالی میں کبھی خوش دل نہ رہے اور تنگ حالی میں کبھی تنگ دل نہ رہے، بلکہ ہمیشہ اور ہر حال میں باہمت اور اپنی ہر تقدیر و قسمت پر راضی وخوش رہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر خوب کرتا رہے۔

طریقت نمبر ۸: طالبِ مولیٰ کو چاہئے کہ تمام لوگوں کو بالخصوص سلف صالحین کو کبھی حقیر اور کم نظری سے نہ دیکھے اور سب سے اچھا گمان رکھے۔

طریقت نمبر ۹: طالبِ مولیٰ کو چاہئے کہ اپنے آپ کو گانا، مزامیر، ساز وغیرہ کہنے اور سننے سے بچائے۔ ہاں اپنے دل کو قرآن مجید، حمد اور نعت شریف کے اشعار بلاشبہ سنائے کیونکہ ان چیزوں سے روح خوش ہوتی ہے اور ان سے اس میں قوت و جذبہ پیدا ہوتا ہے جو کہ ذریعہ ترقی ہیں۔

طریقت نمبر ۱۰: طالبِ مولیٰ کو چاہئے کہ لوگوں کی تعریف اور نیک کہنے سے خوش اور مغرور نہ ہو جائے یعنی یوں نہ سمجھے کہ واقعی میں تعریف کا حقدار ہو چکا ہوں یا نیک بن گیا ہوں۔

طریقت نمبر ۱۱: طالبِ مولیٰ کو چاہئے کہ اپنے آپ کو تمام مخلوق سے حقیر اور کم سمجھے۔

طریقت نمبر ۱۲: اگر کبھی کسی طالبِ مولیٰ سے کوئی ناشائستہ کام سرزد ہو جائے تو اسے چاہئے کہ اپنے نفس کو خوب سزا دے تاکہ وہ پھر ایسا کام نہ کرے۔

طریقت نمبر ۱۳: طالبِ مولیٰ کو چاہئے کہ زمانے کے احوال اور دنیا کی باتوں کی طرف توجہ نہ دے۔

طریقت نمبر ۱۴: طالبِ مولیٰ کو چاہئے کہ عاجزی اور خواری میں اپنی عزت و مرتبہ جانے اور ظاہر کی بربادی میں باطن کی آبادی سمجھے۔

طریقت نمبر ۱۵: اگر کسی طالبِ مولیٰ کو کوئی ظالم شخص تکلیف دے تو وہ اس پر صبر کرے اس سے بدلہ لینے کی کوشش نہ کرے بلکہ اس کو اپنا دوست سمجھے اور اس سے نیکی کرے۔ ان شاءاللہ تعالیٰ تھوڑی ہی مدت میں وہ ظاہراً بھی دوست بن جائے گا۔

طریقت نمبر ۱۶: طالبِ مولیٰ کو چاہئے کہ کھانا تب کھائے جب کہ اسے خوب بھوک لگے اور سوئے تب جب کہ اسے نیند آئے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر، انبیاء کرام علیہم السلام کے ارشادات اور اہل اللہ کے تذکرے کے علاوہ زبان کو ہمیشہ بند رکھے۔

طریقت نمبر ۱۷: طالبِ مولیٰ کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کرے۔ اپنے نفس کی بات نہ مانے اور اس کے فریب اور دھوکوں سے بچنے کی خوب کوشش کرے۔

طریقت نمبر ۱۸: طالبِ مولیٰ کو چاہئے کہ اپنی عبادت اور نیکی کی تعریف نہ کرے اور یوں نہ کہے کہ میں بڑا عابد اور ولی اللہ ہوں بلکہ ہمیشہ اپنے آپ کو حقیر اور گنہگار سمجھے۔

طریقت نمبر ۱۹: طالبِ مولیٰ کو چاہئے کہ کرامتوں کا خواہشمند نہ ہو جائے۔ اگر کوئی کرامت اس سے ظاہر ہو جائے تو اس کو چھپائے اور پوشیدہ کرے۔ اگر لوگ اسے کہیں کہ تجھ سے فلاں کرامت ظاہر ہوئی ہے تو اس کا انکار کرے اور کہے کہ تم نے سمجھا نہیں ہے وہ کرامت میری نہیں ہے۔ میں تو ایک ادنیٰ اور گنہگار بندہ ہوں۔

اور طالبِ مولیٰ کو چاہئے کہ ہر وقت شیطان کے مکر اور حیلوں سے بچنے کی انتہائی کوشش کرے۔ شیطان انسان کا بہت ہی بڑا دشمن ہے۔

طریقت نمبر ۲۰: طالبِ مولیٰ کو لازم ہے کہ اپنی بزرگی و عزت فقراء کی صحبت میں سمجھے۔ اغیار اور دولتمندوں کی صحبت سے پرہیز کرے۔

طریقت نمبر ۲۱: طالبِ مولیٰ کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور موت کی یادگیری کو لازم کرے کہ یہ دونوں نجات و کامیابی کے بہت ہی اعلیٰ ذریعے ہیں۔

طریقت نمبر ۲۲: طالبِ مولیٰ پر لازم ہے کہ جہاں تک اس سے ہو سکے علمِ دین سے فائدہ اٹھائے بے علم اور جاہلوں کی صحبت سے پرہیز کرے۔

طریقت نمبر ۲۳: طالبِ مولیٰ کو چاہئے کہ شہوت کی نظر سے کسی بھی انسان کی طرف نہ دیکھے کیونکہ یہ نظر دل کو سیاہ کر دیتی ہے۔

طریقت نمبر ۲۴: طالبِ مولیٰ کو چاہئے کہ وہ جس بھی مجلس یا مجمع میں ہو تو اپنے آپ کو ان سب سے حقیر اور ناقص سمجھے۔

طریقت نمبر ۲۵: طالبِ مولیٰ کو چاہئے کہ خوش خلقی، بردباری، صبر اور تواضع کی عادت ڈالے کیونکہ یہ بہترین عادتیں ہیں۔

طریقت نمبر ۲۶: طالبِ مولیٰ کو چاہئے کہ ہمیشہ حلال روزی کھائے اور جھوٹ کبھی نہ بولے۔

طریقت نمبر ۲۷: طالبِ مولیٰ کو لازم ہے کہ وہ اپنی مسکینی پر راضی رہے بلکہ اس پر فخر کرے اور اپنی تنگدستی و تکلیفی کو کسی پر ظاہر نہ کرے اگرچہ وہ اس کا مخلص دوست ہی ہو۔

طریقت نمبر ۲۸: طالبِ مولیٰ پر لازم ہے کہ وہ اپنے دل کو دشمنی، کینہ، حسد اور بدگمانی سے پاک اور صاف رکھے کیونکہ یہ چیزیں دل کو سیاہ اور کالا کر دیتی ہیں، اور تمام مسلمانوں کی ترقی، کامیابی اور خوشی پر خوش ہو جائے کسی کی ترقی پر ناخوش نہ ہو جائے اور نہ کسی کی نعمت کا زوال چاہے۔

طریقت نمبر ۲۹: طالبِ مولیٰ پر لازم ہے کہ جب کوئی شخص اس کے پاس کوئی چیز امانت رکھے تو اس کی خوب حفاظت رکھے اور اس میں خیانت ہرگز نہ کرے اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرے۔

طریقت نمبر ۳۰: طالبِ مولیٰ پر لازم ہے کہ کسی بھی آدمی کی عیب جوئی ہرگز نہ کرے اور جس کا کوئی عیب دیکھے تو اس کو چھپائے اور اس پر مت ہنسے اور اس پر مذاق نہ اڑائے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ میں اس شخص کو اس کی موت سے پہلے کسی نہ کسی وقت ضرور اس عیب میں مبتلا کروں گا اور لوگوں کو اس پر ہنساؤں گا۔ اللہ تعالیٰ پناہ دے۔ آمین ثم آمین۔

در آدابِ مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ

ادب نمبر۱: مرید پر لازم ہے کہ شیخ کی ظاہری حالت مثلاً مسکینی، کام وکاج کرنا سادگی لباس، صورت اور قوم کی طرف نہ دیکھے، بلکہ شیخ کی باطنی نعمت، فیض، اتباع، شریعت وطریقت اور تعلیم شریعت وطریقت کو دیکھے۔

ادب نمبر۲: مرید پر لازم ہے کہ اپنے شیخ کو اپنے لئے دنیا کے تمام مشائخ سے بہتر اور افضل سمجھے یا یہ اعتقاد رکھے کہ مجھے جتنا فائدہ اور نفع میرے اس مرشد سے پہنچے گا اتنا فائدہ اور نفع اور کسی سے میسر نہ ہوگا۔ پس میرے لئے میرا یہ مرشد دنیا کے تمام مشائخ سے بہتر اور افضل رہا۔ کیونکہ جب تک مرید کا عقیدہ اپنے شیخ پر کامل نہیں ہوگا تو وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکے گا اور باطنی نعمت سے بالکلیہ محروم ہی رہے گا۔

ادب نمبر۳: مرید پر حق ہے کہ اپنے شیخ کے بارے میں کبھی کوئی ہلکا لفظ ناپسندیدہ اور ناشائستہ بات نہ کہے اور اپنے شیخ کی طرف کبھی کچھ نقص اور خامی کی نسبت نہ کرے۔ اگر کسی مرید کو کسی کامل شیخ سے بالفرض کچھ فائدہ نہ پہنچے تو وہ مرید اس وقت اپنی غلطی اور اپنا ہی قصور سمجھے۔ اگرچہ اپنی غلطی وقصور کو سمجھ نہ سکے۔

ادب نمبر۴: مرید پر لازم ہے کہ اپنے شیخ کے حضور میں آہستہ اور ضرورت کے مقدار بات کرے۔ بے پرواہی سے بلند آواز لمبے قصے اور حکایتیں شروع نہ کردے۔

ادب نمبر۵: مرید پر لازم ہے کہ اپنے شیخ کی بات کو توجہ اور غور سے سنے تاکہ دوبارہ پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے۔

ادب نمبر۶: مرید پر لازم ہے کہ اپنے اٹھنے، بیٹھنے اور چلنے میں اپنے شیخ کی طرف پیٹھ نہ کرے کیونکہ شیخ موردِ رحمتِ الٰہی ہوتا ہے۔

ادب نمبر۷: مرید پر لازم ہے کہ وہ اپنے شیخ کے جلسہ گاہ پر ہرگز نہ بیٹھے اور شیخ کے بستر مبارک پر ہرگز نہ سوئے (بجز کسی ضروری وخصوصی امر مبارک کے) اور جو آداب کہ روبرو بجالاتا ہے، غائبانہ بھی وہی آداب بجالائے۔

ادب نمبر۸: مرید پر لازم ہے کہ وہ اپنے شیخ کے سایہ پر پاؤں نہ رکھے۔

ادب نمبر۹: مرید پر حق ہے کہ وہ اپنے شیخ کے حضور میں دوزانو ہو کر بیٹھے اور ادھر ادھر توجہ نہ کرے ورنہ شیخ کے باطنی فیض سے بے نصیب اور محروم رہے گا۔

ادب نمبر۱۰: مرید پر لازم ہے کہ وہ اپنے شیخ کی جانب اپنے پاؤں نہ پھیلائے شیخ زندہ ہوں یا وفات دونوں حالتوں میں آداب برابر بجالاتا رہے۔

ادب نمبر۱۱: مرید پر لازم ہے کہ اپنے شیخ کے قول وفعل کو حق اور درست سمجھے ان پر شبہات نہ اٹھائے۔ اگر بالفرض کوئی بات اس کی سمجھ میں نہ آئے تو حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا قصہ یاد کرے۔

ادب نمبر۱۲: مرید پر لازم ہے کہ شیخ کے حضور میں شیخ کی اجازت اور رضا کے بغیر گفتگو شروع نہ کرے۔

ادب نمبر۱۳: مرید پر لازم ہے کہ شیخ کی خدمت مبارک میں سر نیچے کرکے نماز جیسا دوزانو ہو کر بیٹھے، اور شیخ کے چہرہ مبارک یا سینہ مبارک سے اپنے سینہ میں فیض یا تجلیات کے انوار کے انعکاس اور پلٹنے کا خیال رکھے اور یوں خیال رکھے کہ ان کی برکات سے میرا باطن صاف پاک اور روشن ہورہا ہے۔

ادب نمبر۱۴: مرید پر لازم ہے کہ شیخ کے آگے نہ چلے اور ہمیشہ پیچھے چلے۔

ادب نمبر۱۵: مرید پر لازم ہے کہ جب اس کا شیخ کھڑا ہو تو وہ بھی کھڑا رہے اور جب شیخ بیٹھیں تو وہ بھی بیٹھ جائے۔

ادب نمبر۱۶: مرید پر لازم ہے کہ اپنے شیخ کا نام مبارک نہ لے۔ہاں جب کوئی خاص ضرورت ہو تو پھر بے ادبی نہیں ہے۔مثلاً کوئی شخص پوچھے کہ آپ کے شیخ کا نام کیا ہے؟ یا ختم خواجگان شریف میں وغیرہ لیکن ان اوقات میں بہت ہی ادب واحترام سے نام لے۔

ادب نمبر۱۷: مرید پر لازم ہے کہ اپنے شیخ کی خوب تابعداری، اطاعت وفرمانبرداری کرے جو حکم ہو اس پر جان مال قربان کرے لیکن یہ سب آداب تب ضروری ولازمی ہیں جب کہ شیخ کامل ہو۔

ادب نمبر۱۸: اگر کوئی مرید اپنے مرشد کا کوئی کام خلافِ شرع دیکھے تو اس کام کی پیروی نہ کرے اور شیخ پر اعتراض بھی نہ کرے۔کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ کام ظاہراً تو مرید کو خلافِ شرع معلوم ہوتا ہے اور حقیقۃً موافقِ شرع ہو اور مرید اس حقیقت سے بے خبر اور ناواقف ہو۔ہاں اگر کوئی کام ظاہر ظہور شریعت مقدسہ کے خلاف کرے مثلاً نماز نہ پڑھے یا کوئی کفری لفظ استعمال کرے تو ایسے شخص کو اپنا شیخ بنانا ہی ناجائز ہے۔اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے۔(العیاذ باللہ تعالیٰ)

ادب نمبر۱۹: کسی مرید کا شیخ شریعت وطریقت کے کسی اعلیٰ مقام پر پہنچا ہوا ہو تو اس وقت اس کے مرید کو چاہیئے کہ شیخ کے حکم اور فرمان مبارک کی تعمیل کرتا رہے۔شیخ کے اعمال اور افعال مبارکہ کی پیروی واتباع نہ کرے یہاں تک کہ شیخ کے اس مقام کو پہنچ جائے اور شیخ کا اس کو اس کام کیلئے حکم ہو جائے۔

ادب نمبر۲۰: مرید پر لازم ہے کہ اپنے شیخ کی خدمت گزاری میں سستی اور کوتاہی نہ کرے اور خدمت کے بعد شیخ پر کسی بھی طرح کا احسان نہ جتلائے ورنہ ہلاک ہو جائے گا۔(اللہ تعالیٰ پناہ دے)

ادب نمبر۲۱: مرید پر لازم ہے کہ اپنے شیخ کی خدمت کے صلے میں ان سے مزدوری نہ لے۔

ادب نمبر۲۲: مرید پر لازم ہے کہ کوئی بھی کام شیخ کے حکم اور رضا کے بغیر نہ کرے۔

ادب نمبر۲۳: مرید پر لازم ہے کہ شیخ کے مال اور ملکیت میں لالچ وطمع نہ کرے۔

ادب نمبر۲۴: مرید پر لازم ہے کہ شیخ کے رشتہ دار واقرباء کو دوسرے آدمیوں سے بہتر اور افضل جانے۔

ادب نمبر۲۵: مرید پر لازم ہے کہ شیخ کے دوست، مرید اور صحبت یافتوں سے محبت وپیار کرے اور شیخ کے مخالف ودشمنوں سے علیحدہ ودور رہے۔

ادب نمبر۲۶: مرید پر لازم ہے کہ شیخ کی شفقت ومہربانی پر مغرور نہ ہو جائے اور شیخ کی ہیبت، خوف اور ادب کو کسی بھی حال میں نہ چھوڑے۔

ادب نمبر۲۷: مرید پر لازم ہے کہ شیخ پر اعتقاد کی جو بات کہ زبان پر لائے اپنے دل میں بھی اسی ہی کا یقین واعتقاد رکھے ورنہ عند الطریقہ منافق کہلائے گا۔

ادب نمبر۲۸: مرید پر لازم ہے کہ شیخ کے حضور میں اپنے دل میں برے خیالات اور برے اوہام نہ لائے بلکہ خاموش ہو کر شیخ کی گفتگو مبارک کو پوری توجہ سے سنے اگر شیخ خاموش ہوں تو ان کی تجلیات وفیوضات کا اپنے سینے میں پانی جیسا بہنے کا خیال وتصور کرے۔

ادب نمبر ۲۹: مرید پر لازم ہے کہ شیخ کے خصوصی برتن اور کپڑوں کو استعمال نہ کرے ہاں اگر حکم مبارک ہو تو پھر درست ہے۔

مولانا شیخ عبد الملک صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

"مرید پر ان مندرجہ ذیل آداب کا بجالانا بھی ضروری ہے"

ادب نمبر ۳۰: مرید پر لازم ہے کہ مرشد کے مصلی پر نماز نہ پڑھے۔

ادب نمبر ۳۱: مرید پر لازم ہے کہ اپنے شیخ کے روبرو کھانا نہ کھائے اور پانی نہ پیئے۔

ادب نمبر ۳۲: مرید پر لازم ہے کہ جب اس کا مرشد کھانا شروع کرے تو وہ اس جگہ سے دور ہو جائے۔

ادب نمبر ۳۳: مرشد کے روبرو بجز مامور نوافل ووظائف کے دیگر نوافل ووظائف ادا نہ کرے۔

ادب نمبر ۳۴: شیخ کی دید میں اپنی دید ہرگز نہ ملائے باقی چہرہ کی جانب اگر محبت کا غلبہ ہو تو کبھی کبھی نگاہ ڈالے۔

ادب نمبر ۳۵: مرشد کے آگے نہ چلے اور نہ ہی شیخ کے قدم مبارک پر اپنا قدم رکھے۔

ادب نمبر ۳۶: شیخ کے حضور میں بجز حکم مبارک کے امامت نہ کرائے۔

ادب نمبر ۳۷: مرشد کی جانب سے کوئی بھی چیز آئے تو مرید اس کو تعظیم کی نظر سے دیکھے۔

ادب نمبر ۳۸: مرشد کریم کے نعلین کے برابر اپنے جوتے نہ رکھے۔

ادب نمبر ۳۹: مرشد کریم کے مخصوص بیت الخلاء میں حاجت روائی نہ کرے۔

ادب نمبر ۴۰: مرید کو چاہئے کہ اپنے شیخ کے روبرو اپنا کمال علمی یا کسبی فخر کے طور پر بیان نہ کرے اپنے آپ کو نیست ونابود سمجھے۔

ادب نمبر ۴۱: جب شیخ اس دار فانی سے رحلت کر کے دار باقی میں پہنچیں تو مرید ان کیلئے ثواب صدقہ، ثواب تلاوتِ قرآن مجید، ختم شریف، درود شریف وغیرہ کے ہدیے اور تحفے بھیجتا رہے تاکہ حق ارادت ومحبت ادا ہوتا رہے اور تعلق باطنی وروحانی قائم ودائم رہے۔

"**الحمد للہ تعالیٰ ثم الحمد للہ تعالیٰ**" کہ تحفہ ابو الفضل سندھی کے باب آداب سالکین کا اردو ترجمہ بقلم این سالک حقیر مکمل ہوا۔

اب آگے کتاب تعلیم المتعلم طریق التعلیم (عربی) لشیخ الامام برہان الاسلام الزرنوجی تلمیذ صاحب الھدایہ در تعظیم علم واہل علم کے ابتدائی حصہ کا اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جو کہ طلبائے علم دین کیلئے بھی بہت ہی مفید ہے۔

در ترجمہ حصہ آداب از کتاب تعلیم المتعلم طریق التعلم (عربی)

شیخ امام برہان الاسلام زرنوجی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

جاننا چاہئے کہ طالب علم، اہل علم اور استاد کی تعظیم وتوقیر کے بغیر نہ علم حاصل کر سکے گا اور نہ ہی اس سے نفع اٹھا سکے گا۔ کہا گیا ہے کہ جو شخص مقصود کو پہنچا وہ صرف تعظیم ہی کی وجہ سے پہنچا اور جو گرا وہ صرف بے ادبی ہی کی وجہ سے گرا۔ اور کہا گیا ہے کہ "**الحرمة خير من الطاعة**" ادب عبادت سے بہتر ہے۔ کیا تو نے نہیں دیکھا ہے کہ انسان گناہ کرنے کی وجہ سے کافر نہیں ہوتا ہے، ہاں اس کو ہلکا سمجھنے اور بے ادبی کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے۔

اور علم کی تعظیم کا ایک جزو استاد کی تعظیم ہے۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا ہے کہ: "انا عبد من علمنی حرفا واحدا ان شاء باع وان شاء اعتق وان شاء استرق"

میں اس شخص کا بندہ (غلام) ہوں جس نے مجھے ایک حرف پڑھایا۔ اگر وہ چاہے تو (مجھے) بیچ ڈالے، اگر چاہے تو آزاد کرے، اگر چاہے تو غلام بنائے۔

اور میں نے اس مضمون میں دو اشعار بنائے ہیں!

رأیت احق الحق حق المعلم　　　واوجبہ حفظا علی کل مسلم

میں نے تمام حقوق سے زیادہ حق استاد کا حق دیکھا ہے اور میں نے استاد کے حق کی نگہبانی اور حفاظت کو تمام مسلمانوں پر زیادہ ضروری دیکھا ہے۔

لقد حق ان یھدی الیہ کرامۃ　　　لتعلم حرف واحد الف درھم

بے شک حق یہ ہے کہ استاد کو ان کے ایک حرف کی تعلیم کے بدلے میں بنابر ادب ہزار درہم ہدیہ پیش کیا جائے۔
بے شک جس شخص نے تجھے دین کا ایک حرف سکھایا جس کی تجھے ضرورت تھی وہ تیرا دینی باپ بن گیا۔

فائدہ تعظیم وخدمت علماء:

ہمارے استاد شیخ امام سدید الدین شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص چاہے کہ اس کا بیٹا عالم ہو جائے تو اسے چاہیئے کہ مسکین علماء کی نگہبانی کرے، ان کی تعظیم کرے انہیں کھانا کھلائے اور انہیں کچھ دے۔ اگر اس کا بیٹا عالم نہ ہوا تو اس کا پوتا عالم ہو گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

بعض جزئیات تعظیم:

استاد کی تعظیم سے یہ باتیں ہیں کہ استاد کے آگے نہ چلے استاد کی جگہ پر نہ بیٹھے، استاد کے حضور میں اس کی اجازت کے بغیر گفتگو شروع نہ کرے، استاد کے پاس اس کی اجازت کے بغیر زیادہ گفتگو نہ کرے۔ استاد کی ناخوشی کے وقت ان سے کوئی چیز نہ پوچھے (استاد سے کچھ پوچھنے اور گفتگو کرنے میں مناسب) وقت کا خیال رکھے اور استاد کے دروازہ کو نہ کھٹکھٹائے بلکہ صبر کرے یہاں تک کہ وہ خود نکل آئیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ طالب علم اپنے استاد کی رضا کو چاہے استاد کی ناراضگی سے بچے اور استاد کے حکم کی تابعداری کرے ہاں جس حکم کی تابعداری میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو جائے اس حکم کی تابعداری نہ کرے، کیونکہ جس کام میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو جائے اس کام میں کسی بھی مخلوق کی تابعداری نہیں کرنی ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: "ان شر الناس من یذھب دینہ لدنیا غیرہ"
بے شک برا آدمیوں کا وہ ہے جو کہ دوسرے کی دنیا کیلئے اپنا دین کھو بیٹھے اور استاد کی تعظیم سے استاد کی اولاد اور اس کے متعلقین کی تعظیم بھی ہے۔

عجیب حکایت: ہمارے استاد شیخ الاسلام برہان الدین صاحب الھدایہ رحمہ اللہ تعالیٰ حکایت فرماتے تھے کہ بخارا شریف کے ائمہ کبار میں سے ایک امام (مسجد شریف میں) تدریس کیلئے بیٹھتے تھے اور تدریس کے درمیان کبھی کبھی اٹھتے تھے تو طلباء نے ان سے اس

بارے میں پوچھا، انہوں نے جواب میں فرمایا کہ (سامنے) گلی میں میرے استاد کا بیٹا بچوں کے ساتھ کھیلتا ہے اور کبھی کبھی مسجد شریف کے دروازے تک آتا ہے۔ جب میں اسے دیکھتا ہوں تو اپنے استاد کی تعظیم کی وجہ سے اس کیلئے کھڑا ہو جاتا ہوں۔

خدمت کا انعام:

قاضی امام فخر الدین ارسابندی شہر مرو کے اماموں کے سردار تھے اور بادشاہ ان کا بہت زیادہ احترام کرتا تھا اور وہ قاضی صاحب فرماتے تھے کہ مجھے یہ مرتبہ اور یہ مقام استاد کی خدمت ہی کی وجہ سے ملا۔ میں اپنے استاد قاضی امام ابویزید دبوسی رحمہ اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ خدمت کرتا تھا اور میں تیس برس آپ کا کھانا پکاتا تھا اور اس میں سے کچھ بھی نہیں کھاتا تھا۔

حکایت: حضرت شیخ امام بزرگ شمس الائمہ الحوانی رحمہ اللہ تعالیٰ شہر بخارا سے نکلے اور کسی حادثے کی وجہ سے چند دن بعض دیہاتوں میں گزارے اور وہاں ان کے تمام شاگرد بجز شیخ امام قاضی شمس الائمہ زرنجی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ان کی زیارت کیلئے حاضر ہوئے پھر جب کسی وقت آپ نے ان سے ملاقات کی تو ان سے پوچھا کہ تونے میری زیارت کیوں نہ کی؟ تو انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ (سیدی) ''کنت مشغو لا بخدمۃ الو الدۃ'' (اے میرے سردار) میں والدہ مکرمہ کی خدمت میں مشغول تھا لہٰذا زیارت کیلئے حاضر نہیں ہو سکا تو آپ نے فرمایا کہ ''ترزق العمر و لا ترزق رونق الدرس'' تجھے زندگی کی (برکت) تو نصیب ہو گی لیکن درس کی برکت اور حسن نصیب نہیں ہو گا اور آپ اسی طرح رہے اکثر اوقات دیہاتوں میں رہتے تھے اور آپ کا درس حسن وخوبی کو کبھی اختیار نہ کیا۔ جس شاگرد سے اس کے استاد کو ایذاء پہنچا تو وہ شاگرد علم کی برکت سے محروم رہ جائے گا اور اس علم سے بہت ہی تھوڑا نفع اٹھائے گا۔

ان المعلم و الطبیب کلاھما لا ینصحان اذا ھما لم یکرما

بے شک استاد اور طبیب دونوں جب ان کا ادب نہ کیا جائے تو اچھی طرح توجہ نہیں کرتے ہیں۔

فاصبر لدٰلک ان جفوت طبیبہ و اقنع بجھلک ان جفوت معلما

اگر تونے طبیب کو ایذادی تو اپنی بیماری پر صبر کرنا اگر تونے استاد کو ایذادی تو اپنی جہالت پر راضی رہنا۔

حکایت: حکایت کی گئی ہے کہ خلیفہ (بادشاہ) ہارون الرشید نے اپنے بیٹے کو امام اصمعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس بھیجا تاکہ آپ اسے علم وادب سکھائیں۔ پھر ایک دن بادشاہ نے استاد کو دیکھا کہ وضو فرما رہے ہیں اور اپنے پاؤں خود دھو رہے ہیں اور بادشاہ کا بیٹا ان کے پاؤں پر پانی ڈال رہا ہے۔ یہ دیکھ کر بادشاہ نے استاد کو ان کلمات سے عتاب دیا کہ استاد صاحب! میں نے تو بیٹے کو آپ کے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ تاکہ آپ انہیں علم وادب سکھائیں۔ پھر آپ نے اس کو یوں کیوں نہ فرمایا کہ وہ ایک ہاتھ سے پانی ڈالے اور دوسرے ہاتھ سے آپ کے پاؤں دھوئے؟ (سبحان اللہ العظیم و بحمدہ)

ادب تاجیست از لطفِ الٰہی بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی

ادب اللہ تعالیٰ کے لطف کا ایک تاج ہے تو اسے سر پر رکھ پھر جہاں چاہے جا۔

اور یہ خاکسار اس جگہ اس موضوع کو بھی مکمل کرتا ہے اور آگے مریدین کے چند حقوق جو کہ مشائخ کے ذمے ہیں بہت ہی اختصار سے بطور مشتے نمونہ خروارے زیر قلم کرتا ہے اور اس حصہ کو خاتمہ کتاب بنا کر بنام ''تحفۃ المشائخ الکرام'' پیش خدمت کرتا ہے۔ تاکہ اس کتاب کے تمام حقوق ادا ہو جائیں اور مشائخ کرام ان کلمات سے اپنے حقوق کی یاد تازہ فرما کر اس خاکسار کو اپنی دعاؤں کے

زیورات سے آراستہ فرمائیں۔ کاش کہ حق تعالیٰ ہم سب کو اپنی محبت میں فانی فرما کر اپنے اور اپنی مخلوق کے حقوق کی کامل ایفاء کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

خاتمہ:

مریدین کے آداب و حقوق جو مشائخ پر لازم ہیں

قرآن مجید میں ہے کہ:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (ال عمران ۱۵۹) (اے میرے محبوب) آپ اللہ کی رحمت سے لوگوں کیلئے نرم بنے ہیں۔ اگر آپ بد اخلاق سخت دل ہوتے تو سب لوگ آپ کے ارد گرد سے بھاگ جاتے۔

نیز قرآن مجید میں ہے کہ: وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ (الحجر ۸۸)

(اے میرے محبوب) آپ اپنے متبع مؤمنوں کیلئے اپنے بازو پست فرمایئے یعنی ان سے کمال شفقت و کمال اخلاق سے پیش آیئے۔

اب ذیل میں اختصار کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کے کمال اخلاق و حسن تربیت کے موضوع میں صرف ایک روایت ذکر کی جاتی ہے اور اس کے بعد حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب عوارف المعارف کا باب ۵۲ جو کہ اسی موضوع پر ہے پیش خدمت کیا جاتا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ مقصود کیلئے انتہائی کافی اور وافی ثابت ہوگا۔

حدیث: روایت ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ہوازن کے مال غنیمت میں بہت کچھ دیا۔ آپ ﷺ قریشی لوگوں کو سو سو اونٹ دینے لگے تو انصاری لوگوں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے درجے بلند فرمائے آپ ﷺ قریشی کو تو دیتے ہیں ہم کو چھوڑتے ہیں حالانکہ ہماری تلواریں کفار کے خون سے ٹپک رہی ہیں رسول اللہ ﷺ کو ان کی اس بات کی خبر دی گئی تو حضور ﷺ نے انصار کی طرف پیغام بھیج کر انہیں چمڑے کے ایک خیمے میں جمع کیا اور ان کے ساتھ کسی کو نہ ٹھہرنے دیا جب وہ سب جمع ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے تمہاری متعلق کچھ خبر پہنچی ہے تو ان کے سمجھدار لوگ بولے کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سے سمجھداروں نے تو کچھ نہیں کہا ہے لیکن ہم میں سے نو عمر لوگ جوانوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی شان بڑھائے کہ آپ ﷺ قریش کو دیتے ہیں انصار کو چھوڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ ہماری تلواریں کفار کے خون سے ٹپک رہی ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں ان لوگوں کو دیتا ہوں جو ابھی نئے نئے کفر سے لوٹے ہیں۔ میں ان کے دل کو خوش کرنے کی غرض سے انہیں زیادہ دیتا ہوں۔ کیا تم اس سے راضی نہیں کہ لوگ مال لے کر جائیں اور تم رسول اللہ ﷺ کو لے کر اپنے گھر واپس جاؤ، تو انصار بولے ہاں یا رسول اللہ ﷺ ہم راضی ہیں۔[134]

فائدہ: اس واقعہ میں نبی کریم ﷺ کے کمال اخلاق وانتہائی بہترین تربیت کا نمونہ واضح من الشمس ہے۔

---

[134] بخاری و مسلم و مشکوۃ شریف عربی صفحہ ۵۷۶

مبلغین ومشائخِ عظام اس واقعہ مبار کہ سے سبق لیں کہ اگر ان کا کوئی مرید یا شاگرد کسی وہم یا شبہ میں آ جائے تو اس پر فورًا ناراض نہ ہو جائیں اسے زجر نہ فرمائیں بلکہ بڑے احتیاط اور تدبیر سے ان کے اشکال اور شبہ کو رفع کریں۔

اب اسی موضوع پر آگے تصوف کی معتبر کتاب عوارف المعارف (شیخ شہاب الدین السہروردی رحمہ اللہ تعالیٰ) کے باب ۵۲ کا اکثر حصہ پیش خدمت کیا جاتا ہے بعینہ اردو عبارت مندرجہ ذیل ہے۔ ۵۲: مریدوں اور تلامذہ کے حقوق جو شیخ کے ذمے ہیں

مرید کے ساتھ اولاد جیسا برتاؤ:

جب ایسا وقت آ جائے کہ شیخ خلق میں مقبول و محبوب بن جائے اور مخلوق اس کی طرف رجوع ہونے لگے اور وہ شیخ اپنی حالت پر قابو پالے اور اللہ تعالیٰ کے ذریعے اسے یہ معلوم ہو جائے کہ اس کو مریدوں کی اصلاح اور تعلیم کیلئے مقرر کر دیا گیا ہے تو شیخ کو چاہیئے کہ وہ مریدوں کے ساتھ ایسا ناصحانہ اور محبت بھرا کلام کرے جیسا ایک شفیق باپ اپنے بیٹے کے ساتھ کرتا ہے جو اس کے دین و دنیا کی فلاح و بہبود کیلئے ہوتی ہے اور جس مرید اور طالب رشد و ہدایت کو اللہ تعالیٰ اس کی طرف بھیجے تو شیخ کو چاہیئے کہ وہ اس کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے رجوع کرے اور اس کی نگرانی اور تعلیم معرفت کے سلسلے میں خداوند تعالیٰ ہی سے مدد کا طالب ہو اور مرید کے ساتھ اس وقت بات کرے جب کہ اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور مرید سے صحیح بات کہنے کیلئے باری تعالیٰ سے طالب ہدایت ہو۔

میں نے سنا ہے کہ ہمارے شیخ حضرت ابو النجیب سہروردی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رفقاء اور مریدوں کو وصیت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم اپنے بہترین اور پاک وقت میں فقراء سے باتیں کیا کرو (اپنے بہترین وقت میں فقراء سے کلام کرو) حقیقتًا یہ بڑی مفید نصیحت ہے کیونکہ مرید صادق کے کانوں میں جو کلمات ڈالے جاتے ہیں ان کی مثال بیج کی ہے اگر بیج خراب اور فاسد ہے تو تمام محنت ضائع ہو جاتی ہے اسی طرح خواہش نفس کے کلام میں شامل ہونے سے خرابی پیدا ہو جاتی ہے بلکہ نفسانیت انسانی خواہش کا ایک قطرہ علم کے سمندر کو گدلا کر دیتا ہے پس شیخ کو چاہیئے کہ ارادت مندوں اور صدق وصفا کے طالب علموں سے کلام کرنے سے پہلے اس کا دل خداوند تعالیٰ کی مدد کا طلبگار ہو یعنی جس طرح زبان دل سے امداد کی طالب ہوتی ہے اور دل کی ترجمانی کرتی ہے اسی طرح دل حق کی ترجمانی کرتا ہے اسی باعث جو بندہ حق ہے اس کی نگاہیں ہر دم اللہ تعالیٰ کی طرف لگی رہتی ہیں اور وہ سراپا گوش ہو کر خداوند تعالیٰ کے پیغام کو پوری امانت کے ساتھ اس کے بندوں تک پہنچاتا ہے۔

لہٰذا شیخ کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ مرید کے حال کا اچھی طرح جائزہ لے اور اپنے نور عرفان اور علم و معرفت کی قوت سے اس کی استعداد اور صلاحیت کو معلوم کرے اس لئے کہ اس راہ میں مریدوں کی استعداد مختلف ہوتی ہے بعض مرید محض عبادت گزاری اور جسمانی اعمال کو صالحین کی طرح سرانجام دینے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہیں اس طرح گروہ اول اور گروہ ثانی کے آغاز وانجام کی منازل بھی مختلف ہوتی ہیں پس شیخ ان کے باطنی احوال کی نگرانی کرتا ہے اور اس طرح وہ ہر مرید کی باطنی استعداد سے کماحقہ واقف ہو جاتا ہے اور اگر ایسا نہیں تو بڑے تعجب کی بات ہے جب کہ ایک بادیہ نشیں (دیہاتی) اپنی زمین اور اس کی قوت نشوونما سے بخوبی واقف ہو ہر پودے اور اس کی نشوونما ہونے والی زمین کو جانتا ہو ہر صفت (صناع) اپنے پیشے اور صفت کے اچھے برے (نفع نقصان) سے واقف ہو یہاں تک کہ ایک چرخا چلانے والی عورت بھی اپنی روئی اور کاتے ہوئے تاگے کی باریکی اور موٹائی سے بخوبی واقف ہو لیکن شیخ اپنے مرید کے احوال واستعداد سے بے خبر ہو حالانکہ رسول اکرم ﷺ (کا اسوہ حسنہ اس سلسلہ میں موجود ہے کہ آپ ﷺ) لوگوں سے ان

کی استعداد اور فطری صلاحیت کے مطابق گفتگو فرماتے تھے اور اس کی استعداد وصلاحیت کے مطابق اس کو ہدایت فرمایا کرتے تھے، آپ ﷺ بعض اصحاب کو مال خرچ کرنے کا حکم دیتے اور بعض لوگوں کو اسراف سے منع فرماتے اسی طرح بعض لوگوں کو کسب کی ہدایت فرماتے تھے اور بعض حضرات کو متوکلانہ زندگی بسر کرنے پر منع نہیں فرماتے تھے جیسا کہ اصحاب صفہ کا حال تھا (کہ وہ بالکل متوکلانہ زندگی بسر کیا کرتے تھے) رسول اکرم ﷺ لوگوں کے مخصوص حالات اور ان کی اوضاع سے بخوبی آگاہ تھے اور ہر ایک کی استعداد سے پوری پوری واقفیت رکھتے تھے لیکن جہاں تک دعوت حق کا تعلق تھا وہ عام تھی اور سب کیلئے تھی کہ آپ کی بعثت کا مقصد یہی تھا کہ آپ حجت کو واضح فرمائیں اور بلا کسی قید کے (اور تخصیص کے) دعوت عام دیں آپ کی یہ دعوت صرف ان لوگوں کیلئے مخصوص نہ تھی جن میں آپ قبول ہدایت کی صلاحیت کا مشاہدہ فرماتے تھے۔

خلوت نشینی کا وقت: شیخ کے آداب میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنی خلوت نشینی کیلئے ایک ایسا وقت مقرر کرے جبکہ اس کے پاس خلق خدا کی آمدورفت کی گنجائش نہ رہے (مخلوق کی آمدورفت بند ہو جائے) تاکہ اس کی اس خلوت نشینی کا فیض اس کی بزم نشینی (جلوت) کے وقت جاری ہو سکے، اور اس کے ذہن سے یہ بات خارج ہو جانا چاہئے کہ اس کی روحانی طاقت اتنی زیادہ ہے کہ مخلوق سے ہم نشینی اور ہم کلامی کے باوجود اس کی روحانیت کو نقصان نہیں پہنچ سکتا اس لئے اس کو خلوت نشینی کی سرے سے ضرورت ہی نہیں ہے۔

رسول اکرم ﷺ باوصف کمال احوال قیام اللیل فرماتے اور راتوں میں نمازیں پڑھا کرتے اور وقت نکال کر تنہائی میں کچھ وقت بسر فرماتے تھے (کچھ دیر خلوت نشین رہتے تھے)

حسنِ اخلاق: یہ شیخ طریقت کے وظائف میں داخل ہے کہ وہ اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ اخلاق سے پیش آئے بلکہ اپنے اس حق سے بھی دستبردار ہو جائے جو تعظیم و تکریم کا اس کو ملا ہے اور اس مرتبہ سے نیچے آکر تواضع اختیار کرے۔ شیخ رقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں مصر کی ایک مسجد میں درویشوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ اس اثناء میں شیخ دقاق رحمہ اللہ تعالیٰ وہاں تشریف لے آئے اور ایک ستون کے قریب کھڑے ہو کر انہوں نے نماز پڑھی۔ ہم لوگوں نے کہا کہ جب وہ نماز سے فارغ ہو جائیں گے تو ہم لوگ کھڑے ہو کر ان کو سلام کریں گے لیکن نماز سے فارغ ہوتے ہی وہ ہمارے پاس تشریف لائے اور انہوں نے ہم کو سلام کیا، ہم نے عرض کیا کہ جناب والا، سلام تو ہمیں کرنا تھا۔ (آپ سے پہلے) یہ سن کر شیخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو کبھی اس عذاب میں مبتلا نہیں کیا کہ میں خود کو اس امر کا پابند بناؤں کہ میری تعظیم کی جائے اور لوگ میری طرف رجوع کریں۔ سبحان اللہ کیا حسن خلق ہے۔

مریدوں کے ساتھ رِفق و مدارا: شیخ طریقت کو چاہئے کہ وہ اپنے مریدوں کے ساتھ نرمی اور خوش طبعی سے پیش آئے۔ ایک بزرگ کا قول ہے "جب تم کسی درویش کو دیکھو تو اس کے ساتھ رفق و مدارا سے پیش آؤ اور علم کے ذریعہ اس سے ملنے کی کوشش نہ کرو (علم کا اظہار نہ کرو) اس لئے کہ رفق و مہربانی اس کو تم سے مانوس بنادے گا اور علم کے اظہار سے اس کو وحشت ہوگی"۔ پس اگر شیخ مرید کے ساتھ نرمی سے پیش آئے گا تو مرید رفتہ رفتہ اس کے علم کی برکات سے بھی نفع اندوز ہو گا اس وقت اس سے علمی گفتگو کی جاسکتی ہے۔

مریدوں پر لطف و کرم: آدابِ شیخ میں یہ بھی داخل ہے کہ شیخ اپنے مریدوں کے ساتھ ہمدردی کرے اور صحت و مرض دونوں حالتوں میں ان کے حقوق ادا کرے اور اپنے مرید کی ارادت اور اخلاص پر تکیہ کرتے ہوئے ان حقوق سے دستبردار نہ ہو، ایک بزرگ کا قول ہے باہمی مودت و محبت کی بنا پر اپنے دوست کے حقوق تلف نہ کرو۔ شیخ جریری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں حج سے فراغت پا کر سب سے پہلے شیخ جنید رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملا اور ان کو سلام کیا تا کہ ان کو میرے پاس آنے کی زحمت نہ ہو اس کے بعد میں اپنی منزل پر آگیا جب میں نے صبح کی نماز پڑھی اور پیچھے مڑ کر دیکھا تو حضرت جنید رحمہ اللہ تعالیٰ میرے پیچھے موجود تھے میں نے کہا کہ اے جناب والا! میں تو اس لئے آپ کو سلام کر آیا تھا کہ آپ کو یہاں تشریف لانے کی زحمت نہ اٹھانا پڑے انہوں نے مجھ سے فرمایا، اے ابو محمد (جریری) یہ آپ کا حق ہے (کہ میں سلام کو حاضر ہوا) اور وہ آپ کی فضیلت و بزرگی تھی (کہ آپ میرے پاس تشریف لائے)

مرید کے صدق و عزیمت میں کمی: شیخ کے آداب میں یہ بھی داخل ہے کہ جب وہ مرید کے صدق و عزیمت میں کمی دیکھے اور ضبط نفس کم پائے تو اس کے ساتھ نرمی سے پیش آئے اور اس کو رخصت کی حد پر قائم رکھے کہ اسی میں خیر کثیر ہے اور جب تک مرید رخصت (سہولت شرعی) کی سہولت کی حدود کو عبور نہیں کر لیتا اس وقت تک وہ آزاد رہتا ہے، اس کے بعد جب وہ ثابت قدم ہو جائے اور درویشوں میں گھل مل جائے اور رخصت کے کاموں کا عادی ہو جائے (وہ نیک کام جو سہولت کے ساتھ ادا کئے جاسکتے ہیں) تب اس وقت شیخ اس کو بتدریج ہمت و عزیمت کے مقام کی طرف مہربانی اور نرمی کے ساتھ لے جائے (اس طرح وہ اس منزل پر پہنچ جائے گا)

شیخ ابو سعید بن الاعرابی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ایک نوجوان جس کا نام ابراہیم الصائغ تھا، ایک متمول باپ کا بیٹا تھا وہ صوفیائے کرام سے متاثر ہو کر شیخ ابو احمد القلانسی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں رہنے لگا۔ شیخ ابو احمد کے پاس جب کچھ رقم آجاتی تو آپ اس کے لئے نرم نرم روٹیاں، بھنا ہوا گوشت اور حلوہ خرید کر منگاتے اور اس کو کھلاتے لیکن خود نہیں کھاتے تھے اور فرماتے تھے! اس نے ابھی ابھی دنیا چھوڑی ہے چونکہ اس نے ناز و نعم میں پرورش پائی ہے اس لئے اس کے ساتھ نرمی کرنا ضروری ہے اور لازم ہے کہ ہم اسے دوسروں پر ترجیح دیں۔

شیخ مال مرید سے تعلق نہ رکھے: مشائخ کے آداب میں یہ بھی داخل ہے کہ مریدوں کے مال اور ان کی خدمت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کریں چونکہ شیخ کی زندگی اللہ تعالیٰ کیلئے وقف ہوتی ہے اس لئے وہ عوام کی ہدایت خالصتاً لوجہ اللہ کرتے ہیں پس جو کچھ شیخ مرید کی بہبودی اور بھلائی کیلئے کرتا ہے اور جو کچھ اس کی خدمت انجام دیتا ہے وہ ایک بہترین صدقہ ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے:

"ماتصدق متصدق بصدقة افضل من علم يبثه فی الناس"

صدقہ دینے والا جو صدقہ دیتا ہے اس میں سب سے بہتر صدقہ یہ ہے کہ علم کو لوگوں میں پھیلایا جائے۔

باری تعالیٰ نے بھی ان کاموں میں جو خالصتاً اللہ کیلئے کئے جاتے ہیں خلوص کی تنبیہہ کی ہے اور ان کو نفس کی آلودگی سے پاک رکھنے کا حکم دیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا (الدھر ۹)

ہم تمہیں محض اللہ کی رضا کیلئے کھلاتے ہیں ہم تم سے کسی بدلہ اور شکریہ کے خواستگار نہیں ہیں۔

پس شیخ کیلئے بھی یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے صدقہ کا بدلہ طلب کرے بجز اس صورت کے کہ منجانب اللہ اس کو حکم ہے کہ وہ مرید کا نذرانہ قبول کرلے یا اس میں شیخ مرید کیلئے کوئی مصلحت دیکھے تو وہ اس کے مال اور خدمت سے فائدہ اٹھائے تاکہ مرید اس مال کی بدولت آئندہ مصائب ومشکلات سے محفوظ ومامون رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يُؤْتِكُمْ أُجُورَكُمْ وَلَا يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ (٣٦) إِنْ يَسْأَلْكُمُوهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوا وَيُخْرِجْ أَضْغَانَكُمْ (محمد ٣٧)

وہ تم کو تمہاری اجرت دے گا اور تم سے تمہارے اموال طلب نہیں کرے گا اور وہ تم سے تمہارے اموال طلب کرے اس پر مصر ہو تو تم بخل کروگے اور وہ تمہارے دلوں کے کینے کو ظاہر کر دے گا۔

يُحْفِكُمْ سے مراد تم سے کوشش اور اصرار کرنے کے ہیں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ مال کے خرچ کرنے سے کدورت قلبی نکل جاتی ہے پس اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ادب سکھائے ہیں اور اللہ تعالیٰ جس ادب کو سکھائے اس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔

شیخ جعفر الخلدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت شیخ جنید رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا اور چاہا کہ اپنا تمام مال آپ کی خدمت میں پیش کرکے تمام عمر آپ کے ساتھ فقر کی زندگی گزارے۔

حضرت جنید نے اس سے فرمایا:

تم تمام مال صرف نہ کرو بلکہ اپنے گزارہ کیلئے اس میں سے کچھ روک لو، کچھ صرف کر دو، اور جو مال اپنے گزارہ کیلئے روکو اس میں اپنا گزارہ کرو اور حلال کی طلب کرو اور تمہارے پاس جو کچھ ہے اس کو تمام خرچ نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو نفس (پھر) اس کی طلب کرے۔

حضور رسول اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ جب آپ ﷺ کسی کام کا قصد فرماتے تھے تو اس پر ثابت قدم رہتے تھے۔ پس شیخ کو بھی مرید کی حالت سے یہ پتہ چل گیا کہ یہ اپنا جو مال خرچ کر رہا ہے اس کے بعد وہ اس مال کی آرزو کبھی نہیں کرے گا تو ایسی صورت میں وہ مرید کو اس کے خرچ کی اجازت دے سکتا ہے جس طرح رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں تمام مال خرچ کرنے کی اجازت دے دی تھی اور حضور اکرم ﷺ نے ان کا تمام مال قبول کر لیا تھا۔ (یہ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے جو جیش عسرت کی تیاری کے وقت پیش آیا تھا)

مرید کو تنبیہہ کرنے اور تعلیم دینے کا بہترین طریقہ: شیخ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ جب وہ اپنے کسی مرید کی کوئی بری بات دیکھے یا اس کی حالت کو کج مج پائے یا وہ محسوس کرے کہ اس مرید میں خود نمائی یا خود ستائی پیدا ہو گئی ہے تو اس کو کھل کر منع نہ کرے بلکہ اپنے رفقاء سے گفتگو کے وقت اس برائی کی جانب اشارہ کر دے اور اجمالاً اس کی برائی بھی بیان کر دے۔ اس طرح دوسروں کو بھی اس سے فائدہ پہنچے گا بلکہ اس بات کا اثر بھی زیادہ ہو گا اور یہ بات رفق ومدارا سے زیادہ قریب ہے اور بعض لوگوں کی اس سے تالیف قلب ہو گی۔

اگر شیخ مرید کے کسی ایسے کام میں جس کے کرنے کا اس کو حکم دیا گیا تھا کوتاہی پائے تو اس کو برداشت کرے اور اس کو تاہی پر اس کا قصور معاف کر دے، اس کے بعد نرمی اور تحمل کے ساتھ اس کو اس خدمت کی انجام دہی یا تکمیل کی طرف مائل کرے، رسول اللہ ﷺ نے بھی ایک موقع پر ایسا ہی حکم فرمایا تھا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں اپنے خادم (غلام) کو کتنی بار معاف کروں حضور ﷺ نے فرمایا ۷۰ بار۔

مشائخِ کرام اور احیائے سنت: مشائخ کرام کے اخلاق حضور ﷺ سے حسن اتباع ہی کی بدولت سنورے اور آراستہ ہوئے ہیں اور یہی حضرات آپ ﷺ کے احکام واللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کے سلسلہ میں آپ ﷺ کی سنت کو زندہ کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں!

"واخلاق المشائخ مهذبة بحسن الاقتداء برسول الله ﷺ۔ الخ"

مریدوں کے اسرار اور رازوں کا چھپانا: سب سے اہم ادب شیخ کے ذمہ یہ ہے کہ شیخ مریدوں کے اسرار اور مکاشفات کا جن سے وہ آگاہ ہو حفاظت کرے اس لئے کہ مرید کا راز داں یا تو اللہ تعالیٰ ہوتا ہے یا اس کا شیخ۔ پس کسی اور کو اس کی اطلاع نہیں ہونی چاہئے اور مرید اپنی خلوت گاہ میں جن مکاشفات یا الہامات سے سرفراز ہو، کسی خلاف عادت چیز کا مشاہدہ کرے (اور وہ شیخ سے ان کو بیان کرے) تو شیخ کو چاہئے کہ وہ مرید کے سامنے ان کی اہمیت گھٹائے (اور ان کا غیر اہم ہونا مرید کو باور کرائے) اور بتائے کہ یہ امور اللہ تعالیٰ کی طرف مشغول ہونے کی راہ میں حائل ہوتے ہیں ان پر اعتماد نہ کرنا چاہئے ورنہ رجوع الی اللہ میں خلل واقع ہو گا اور ان سے مزید فتوحات اور روحانی ترقی کے دروازے بند ہو جائیں گے لیکن اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہئے اور اس کو سمجھائے کہ اس نعمت کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی بیشمار نعمتیں ہیں اور اس کو بتائے کہ مرید کا مقصد اصلی تو یہ ہے کہ وہ منعم کی تلاش کرے نہ کہ اس کی نعمتوں پر قانع ہو جائے۔

صورت ایسی ہونی چاہئے کہ مرید کا راز یا تو اس کو معلوم ہو یا اس کے شیخ کو، اور شیخ اس کے راز کو افشانہ کرے، کیونکہ افشائے راز تنگی دل کا مظہر ہے اور یہ تنگی دل (ضیق صدر) یا تو کم عقل مردوں میں پائی جاتی ہے یا عورتوں کا خاصہ ہے بلکہ افشائے راز کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ انسان میں دو قوتیں ہیں ایک قوت آخذہ (اخذ کرنے والی) ہے اور دوسری قوت معطیہ (عطا کرنے والی) ہے اور یہ دونوں قوتیں اپنا اپنا مخصوص کام انجام دینے میں مصروف رہتی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ معطیہ کو یہ خاصیت عطا نہ فرماتا کہ وہ ہر چیز کو ظاہر کر دیتی ہے تو راز کبھی افشانہ ہوتے۔

جب ایک دانشمند شخص سے یہ قوت اپنے فعل کا مطالبہ کرتی ہے تو وہ اسے بے قابو اور آزاد نہیں ہونے دیتا بلکہ عقل کی ترازو میں تول کر اس کو مناسب مقام (حد اعتدال) پر رکھتا ہے چونکہ مشائخ پختگی عقل سے بہرہ ور ہیں اس لئے وہ افشائے اسرار کی رکاکت سے بالاتر ہیں (پختگی عقل کے باعث ان سے راز افشا نہیں ہوتے)۔

اسی طرح مرید کو بھی چاہئے کہ وہ اپنے راز کو اپنے پاس محفوظ رکھے اور اس کو طشت از بام نہ کرے (راز کو فاش نہ ہونے دے) اسی صورت میں اس کے حال کی صحت وسلامتی مضمر ہے اور اسی کی بدولت مریدین صادق کے احوال ومقامات میں تائید ایزدی

شامل ہوتی ہے (فی مورد ہم ومصدر ہم)۔ عوارف المعارف اردو صفحہ :۵۳ ۷: تا صفحہ :۵۷۹: کی بعینہ عبارت ختم ہوئی۔ الحمد للہ تعالیٰ عز وجل سبحانہ۔

اب یہ عاجز اپنی اس کتاب آدابِ مشائخ و پیر بھائی کو یہاں اختتام دیتا ہے۔ کاش کہ حق تعالیٰ اس کتاب کو شرفِ قبولیت بخشے اور اسے ہر خاص وعام کیلئے نافع وذریعہ ہدایت بنائے اور اس کو اپنے پیاروں کے صدقے اس عاجز کیلئے توشہ آخرت بھی بنائے۔ آمین ثم آمین۔

مرید کیلئے مرشد کی دست وقدم بوسی باعثِ برکت ہے

پیر کا ادب مرید پر لازم ہے اور ادب مختلف طریقوں سے ہو سکتا ہے۔ پیر کی تابعداری اور بات ماننا بھی ادب ہے۔ پیر کی قدم بوسی و دست بوسی بھی ادب میں شامل ہے۔ یہ مدارج میں ترقی کا باعث ہے۔ اور پیر کے سامنے علامتِ انکساری ہے۔ مرید جس قدر اپنے پیر کی تعظیم کرے اسی قدر وہ کامیاب ہوتا ہے۔ اور قدم بوسی و دست بوسی بدعت نہیں بلکہ سنت ہے۔ اور مرید سنت کو زندہ کرنے والا ہوتا ہے۔ حضور انور ﷺ کے قدم مبارک کو اگر کوئی صحابی چومنا چاہتا تو حضور ﷺ منع نہ فرماتے بلکہ اس کو اجازت دیتے۔

مشکوۃ شریف میں ہے: عَنْ زَارِعٍ وَكَانَ فِيْ وَفْدِعَبْدِ الْقَيْسِ قَالَ قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ فَجَعَلْنَا نَتَبَادرُ مِنْ رَوَاحِلِنَا فَنُقَبِّلُ يَدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَرِجْلَهُ۔[135] زارع جو عبد القیس کی ایلچیوں کی جماعت میں سے تھے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں عبد القیس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ جب ہم مدینہ منورہ پہنچے اور حضور ﷺ کے قریب آئے تو سواریوں سے جلد جلد اتر کر آپ کے ہاتھ اور پاؤں چومنے لگے۔ اس سے ثابت ہوا کہ قدم بوسی سنت ہے، شرک یا بدعت نہیں۔ اب اگر کوئی اس ادب کو شرک یا بدعت سے تعبیر کرے یہ اس کی جہالت پر مبنی ہے۔

ابن ماجہ شریف باب الرجل يُقَبِّلُ يَدَ الرَّجُلِ کے تحت حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فَقَبَّلْنَا يَدَهُ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دیا۔[136]

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ دو یہودیوں نے سید الابرار احمد مختار صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر سوال کئے۔ تو رازدار رب العلاء محمد مصطفی علیہ التحیۃ والثناء نے ان کے جواب ارشاد فرمائے۔ تو ان یہودیوں نے جواب سن کر فَقَبَّلا يَدَيْهِ وَرِجْلَيْه آپ ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا۔ اور عرض کی نَشْهَدُ اَنَّکَ نَبِیٌّ" ط ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نبی ہیں۔[137]

قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفی میں، علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے ردّ المختار میں، علامہ فقہیہ سمرقندی نے تنبیہ الغافلین میں، علامہ کروی اربلی علیہ الرحمۃ نے تنویر القلوب میں ایک روایت حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[135] (رواہ ابوداؤد، صفحہ ۲۱۸، مشکوۃ المصابیح ۴۰۲ کتاب الاذکار للنووی ص ۲۳۴)

[136] ابوداؤد شریف، صفحہ ۲۱۸ جلد ۲، الادب المفرد ص ۱۴۳

[137] (ترمذی شریف ص ۹۸ ج ۲، مشکوۃ شریف ص ۱۷، کتاب الاذکار للنّووی ص ۲۷۱ ج ۲، شرح فقہ اکبر لعلامۃ المغنیساوی ص ۲۲، حجۃ اللہ علی العالمین ص ۱۱۸)

سے مروی نقل فرمائی ہے، کہ ایک اعرابی نے احمد مجتبیٰ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے معجزہ طلب کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: قُلْ لِتِلْکَ الشَّجَرَۃِ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ یَدْعُوْکَ (اس درخت کو کہو کہ تجھ کو رسول اللہ ﷺ بلاتے ہیں) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ درخت دائیں بائیں آگے اور پیچھے جھکا جس سے اس کی جڑیں ٹوٹ گئیں۔ پھر وہ زمین کو کھودتا اپنی جڑوں کو کھینچتا ہوا خاک اڑاتا ہوا اور آگے بڑھتا ہوا بارگاہِ بیکس پناہ میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے: "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہِ"۔ اعرابی نے کہا اب اس کو اپنی جگہ پر لوٹنے کا حکم فرمائیے۔ تو نبی مختار حبیب کردگار ﷺ کے فرمان پر درخت اسی جگہ کھڑا ہو گیا۔ معجزہ دیکھ کر اعرابی نے عرض کی: اِءْذِنْ لِیْ اَسْجُدْ لَکَ (مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو سجدہ کروں) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایاہ اگر میں کسی کو یہ حکم فرماتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو بلاشک عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ بعد ازیں اس نے عرض کیا: اِءْذِنْ لِیْ اَنْ اُقْبِلَ یَدَیْکَ وَ رِجْلَیْکَ فَاَذِنَ لَہٗ (مجھے اجازت مرحمت فرمائیے کہ میں آپ کے مبارک ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دوں۔ تو ختمِ رسل ﷺ نے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دینے کی اجازت عنایت فرمائی۔[138]

علامہ ابراھیم بن محمد حلبی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ عِنْدَ اَبِیْ یُوْسُفَ لَایُکْرَہُ وَلَا بَاْسَ بِالْمُصَافِحَۃِ وَتَقْبِیْلِ یَدِ الْعَالِمِ وَالسُّلْطَانِ الْعَادِلِ۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عالم دین اور عادل سلطان (بادشاہ) سے مصافحہ کرنے اور ان کے ہاتھ کو بوسہ دینے میں کوئی حرج اور کراہیت نہیں۔[139]

حضرت سفیان بن عینیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اِنَّہٗ قَالَ تَقْبِیْلُ یَدِ الْعَالِمِ وَالسُّلْطَانِ الْعَادِلِ سُنَّۃ۔ بے شک عالم دین اور عادل بادشاہ کے ہاتھ چومنا سنت ہے۔[140]

محقق کامل حضرت سعد اللہ بن عیسیٰ المعروف چلپی علیہ الرحمۃ عنایہ شرح ہدایہ میں اور علامۃ الفھامہ امام اکمل الدین بابرتی علیہ الرحمۃ نے بھی شرح ہدایہ میں یہ روایت تحریر فرمائی ہے۔ عن سفیان رحمۃ اللہ علیہ تَقْبِیْلُ یَدِ الْعَالِمِ سُنَّۃ (حضرت سفیان علیہ الرحمۃ سے مروی ہے کہ عالم دین کے ہاتھ کو بوسہ دینا سنت ہے۔[141]

عمدۃ المحدثین علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے شیخ کامل زین الدین علیہ الرحمۃ کا ارشاد تحریر فرماتے ہیں: تَقْبِیْلُ اَیْدِیْ الصَّالِحِیْنَ وَاَرْجُلِھُمْ مَحْمُوْد" بِاعْتِبَارِ الْقَصَدِ (تبرک کے طور پہ صالحین ہاتھ اور پاؤں کو چومنا پسندیدہ عمل ہے)۔

حضرت شیخ المحدثین عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں: تقبیل ید عالم وزاہد یا مردے کبیر السنن جائز است۔ عالم دین اور زاہد یا عمر رسیدہ آدمی کا ہاتھ چومنا جائز ہے۔[142]

امام الفضلاء حضرت علامہ سید احمد بن محمد الحموی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں: فِیْ مِفْتَاحِ السَّعَادَتِ وَاَمَّا تَقْبِیْلُ الْیَدِ اِنْ کَانَ مِمَّنْ یَسْتَحِقُّ الْاِکْرَامَ کَالْعُلَمَاءِ وَالسَّادَاتِ وَالْاَشْرَافِ یُرْجِیْ اَنْ یُّنَالَ الثَّوَابُ کَمَا فَعَلَہٗ بَعْضُ الصِّحَابَۃِ رَضِیَ اللہُ عَنْھُمْ۔

---

[138] (شفاء شریف ص ١٩٦ ج ١، تنبیہ الغافلین ص ٢٦٢، شامی شریف ص ٢٨١ جلد ۵ مکتبہ حقانیہ، تنویر القلوب لکروی ص ١٩٩)۔

[139] (ملتقی الابحر ص ٣٣٨ سطر ١۴ تا ١٦ للحلبی مطبوعہ مصر، شرح الاسباہ و النظائر للحموی ص ۴۵١، ج ٢، شرح تحفۃ النصائح فارسی ص ١٩١)

[140] (مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر بر حاشیہ ملتقی الابحر ص ٣٣٨ مطبوعہ مصر)۔

[141] عنایہ شرح ہدایہ للعدی الچلپی و عنایہ شرح ہدایہ للامام اکمل الدین بر حاشیہ نتائج الافکار ص ١٢٠ مطبوعہ مصر

[142] (اشعۃ اللمعات فارسی صفحہ ٢۴ جلد ۴ سطر ١۴ مطبوعہ نولکشور)۔

ترجمہ: **مفتاح السعادت** میں لکھا ہے کہ ایسے شخص کے ہاتھ کو چومنا جو تعظیم و تکریم کا مستحق ہے جیسے علماء دین سادات۔ اشراف اور ذوالاحترام حضرات ہیں۔ ان کے ہاتھ چومنے میں ثواب کی امید ہے۔ جیسا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے بھی ثابت ہے۔

ایسی عبارات بہت ہیں، اگر سب کو ادھر تحریر کیا جائے تو یہ کتاب بہت طویل ہو جائے گی۔ قارئین کے مطالعہ کے لیے حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔ اگر زیادہ تفصیل درکار ہو تو ہمارا رسالہ "ہاتھ پاؤں چومنے کی شرعی حیثیت" دیکھ لیں۔[143]

تصوف کے بارے میں علمائے کرام کی آراء

اس کتاب کے آخر میں تصوف کے بارے میں بعض اکابر امت اور مفکرین کی آراء ذکر کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ جان لینے کے بعد کہ تصوف روح اسلام اور اس کے تین بنیادی ارکان یعنی اسلام، ایمان اور احسان میں سے ایک رکن ہے۔ ان آراء کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ لیکن بعض لوگ جو نور بصیرت سے محروم اور حقائق اسلام سے نا آشنا ہیں اور جعلی پیروں کی حرکات کی وجہ سے تصوف پر تنقید کرتے ہیں۔ ان کے لئے اور ہر اس شخص کے لئے جو حقیقت تصوف سے نا آشنا ہے۔ ہم ان آراء کو ذکر کر رہے ہیں تا کہ تہذیب نفوس اور قلوب کو حقیقی زندگی عطا کرنے کے سلسلے میں تصوف کی اہمیت سے آگاہ ہو جائیں۔ اور انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ پوری دنیا میں اسلام کی نشر و اشاعت میں تصوف نے کیا کردار ادا کیا ہے۔

(۱) امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

شریعت اور حقیقت کی بحث میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق تفصیلی کلام گزر چکا ہے۔ آپ شریعت و طریقت ہر دونوں کو اہمیت دیتے تھے۔ اور آپ میدان طریقت کے شہسوار تھے جیسا کہ علامہ ابن عابدین نے اپنے مشہور حاشیہ میں ذکر کیا ہے۔

(۲) امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

من تفقه و لم يتصوف فقد تفسق و من تصوف و لم يتفقه فقد تزندق و من جمع بينهما فقد تحقق۔

"جس نے فقہ میں مہارت حاصل کی لیکن تصوف سے نابلد رہا وہ فاسق ہو گیا۔ اور جس نے تصوف میں کمال حاصل کیا لیکن فقہ سے نا آشنا رہا وہ زندیق ہو گیا۔ اور جس نے ان دونوں کو جمع کیا اس نے حقیقت کو پا لیا"۔

(۳) امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

---

[143] (۱) مشکوۃ شریف، ص ۳۳، ۱۷، ج ۱۔ (۲) ابو داؤد شریف، ص ۲۱۸، ۳۵۳، ج ۱۔ (۳) ترمذی شریف، ص ۳۳، ج ۲۔ (۴) ابن ماجہ، ادب، ص ۲۷۱۔ (۵) بخاری شریف، ص ۱۳۸، ج ۲۔ (۶) قاضی خان، کراہیت، ص ۳۷۷، ج ۴۔ (۷) مجمع الانہر، کراھیہ، ص ۵۲۰، ج ۲۔ (۸) حاشیۃ الھدایۃ کراھیۃ ص ۳۷۱، ج ۲۔ (۹) جوھرہ النیرۃ ص ۲۸۶، ج ۲۔ (۱۰) شرح الیاس، ص ۱۵۱، ج ۲۔ (۱۱) ابو المکارم، ص ۱۶۶، ج ۳۔ (۱۲) عینی شرح البخاری، جنائز، ص ۱۵۱، ج ۴۔ (۱۳) زیلعی، کراھیہ، ص ۲۵، ج ۶۔ (۱۴) نصب الرایہ، کتاب الکراھیہ، ص ۲۹، ج ۲۔ (۱۵) سیرت المصطفی، ص ۱۷، ج ۱۔ (۱۶) ادب المفرد، للبخاری، ص ۱۲۴۔ (۱۷) تنویر القلوب ص ۲۰۰۔ (۱۸) اثبات الاعراض، ص ۱۹۔ (۱۹) جاء الحق (۲۰) خصائص الکبریٰ، ص ۸۶، ج ۳، سطر ۵ تا ۹۔ (۲۱) دلائل النبوۃ، لابی نعیم، ص ۱۶۵، ج ۲۔ (۲۲) مدارج النبوۃ۔ (فارسی)، ص ۴۸۶، ج ۲۔ (۲۳) شفاء شریف، ص ۱۹۶، ج ۱۔ (۲۴) تنبیہ الغافلین ص ۲۶۲۔ (۲۵) مشکوٰۃ ص ۱۷۔ (۲۶) کتاب الاذکار للنووی، ص ۲۷۰ تا ۲۷۱، ج ۲۔ (۲۷) شرح فقہ اکبر ص ۲۲۔ (۲۸) حجۃ اللہ علی الغلمین، ص ۱۱۸۔ (۲۹) حجۃ اللہ البالغۃ، ص ۱۴۸، ج ۳۔ (۳۰) غنیۃ الطالبین ص ۳۱۔ (۳۱) مشکوٰۃ، ص ۴۰۲۔ (۳۲) انیس الجلیس، ص ۱۲۱۔ (۳۳) تاریخ الکبیر، ص ۳۱، ج ۸، مطبوعہ بیروت۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے صوفیائے کرام کی صحبت اختیار کی ہے اور ان سے تین باتیں سیکھی ہیں:

(۱) الوقت سیف، ان لم تقطعه قطعک

"وقت ایک تلوار کی طرح ہے اور تو اسے نہیں کاٹے گا تو وہ تجھے کاٹ دے گی"۔

(۲) نفسک ان لم تشغلها بالحق شغلتک بالباطل

"اپنے نفس کو اگر حق میں مشغول نہیں کروگے تو یہ تمہیں باطل میں مصروف کر دے گا"

(۳) العلم عصمة

"علم انسان کو برائیوں سے محفوظ رکھتا ہے"۔

آپ فرماتے ہیں کہ دنیا کی تین چیزیں میرے نزدیک محبوب ہیں:

(۱) ترک تکلیف (۲) لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا

(۳) اہل تصوف کے نقش قدم پر چلنا۔

(۴) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

آپ صوفیائے کرام کی صحبت سے پہلے اپنے بیٹے کو فرمایا کرتے تھے: "اے بیٹے! علم حدیث کو مضبوطی سے تھام لو اور ان لوگوں کی صحبت سے بچو جو اپنے آپ کو صوفیاء کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ اکثر دینی احکام سے ناواقف ہوتے ہیں"۔ لیکن جب آپ نے ابو حمزہ صوفی بغدادی کی صحبت اختیار کی اور صوفیائے کرام کے احوال سے آگاہ ہوئے تو فرمانے لگے: "اے بیٹے! ان لوگوں کی ہم نشینی کو لازم پکڑو کیونکہ یہ لوگ کثرت علم، مراقبہ، خشیت الٰہی، زہد اور بلند ہمتی کی وجہ سے ہم پر فوقیت لے گئے"۔

علامہ محمد سفارینی حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شیخ ابراہیم بن عبد اللہ قلانسی سے روایت کرتے ہیں کہ امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صوفیاء کرام کے متعلق فرمایا: "میرے علم میں ان سے افضل کوئی قوم نہیں"۔ آپ سے عرض کی گئی کہ "یہ لوگ جب محفل سماع میں حاضر ہوتے ہیں تو ان پر وجد کی کیفیت آجاتی ہے" آپ نے فرمایا کہ "انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی معیت میں خوشی کا اظہار کریں"۔

(۵) امام حارث محاسبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

امام حارث محاسبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ راہ حق تک رسائی حاصل کرنے کے لئے اپنی سخت جدوجہد کے متعلق گفتگو فرماتے ہیں:

"حدیث میں وارد ہوا ہے کہ یہ امت تہتر (۷۳) فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی جن میں سے ایک فرقہ ناجی ہے۔ اور باقی کے متعلق اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ میں نے زندگی کا ایک حصہ اختلاف امت میں غور و فکر کرنے میں صرف کر دیا۔ اس سلسلہ میں میں واضح راستہ اور صراط مستقیم کا متلاشی رہا۔ طلب علم اور اس پر عمل میں مصروف رہنے کے ساتھ ساتھ علمائے کرام کے ارشادات کے مطابق آخرت کی طرف لے جانے والے راستہ کو تلاش کرتا رہا۔ اس دوران میں نے قرآن کریم کے اکثر حصہ کو تاویلات فقہاء کے ساتھ سمجھ لیا۔ اور اس کے بعد احوال امت میں غور و فکر کیا۔ اس کے مختلف مذاہب اور ان کے دلائل کو پرکھا، اور اپنی عقل کے مطابق اس کو

سمجھنے کی کوشش کی۔ میں نے جان لیا کہ ان کا یہ اختلاف بحر عمیق ہے۔ اس میں کثیر لوگ غرق ہو گئے، بہت کم لوگ محفوظ رہ سکے۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ ان میں سے ہر ایک گروہ یہ خیال کرتا ہے کہ نجات انہیں کے لئے ہے اور ان کے مخالفین کے لئے ہلاکت ہے۔ پھر میں نے دیکھا لوگوں کی مختلف قسمیں ہیں:

(۱) وہ لوگ جو احوال آخرت سے آگاہ ہیں ان کی تعداد انتہائی قلیل ہے ان کے ساتھ ملاقات انتہائی مشکل ہے۔

(۲) وہ لوگ جو جاہل ہیں اور ان سے دوری ہی بہتر ہے۔

(۳) وہ لوگ جو علماء کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں۔ امور دنیا میں مشغول ہو کر اسی پر قناعت کر بیٹھے ہیں۔

(۴) وہ لوگ جو اپنے آپ کو عالم کہتے ہیں اور اپنے علم کی وجہ سے تعظیم و تکریم کے متلاشی ہیں اور دین کے بدلے دنیا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

(۵) وہ لوگ عالم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن علم کی حقیقت سے ناآشنا ہیں۔

(۶) وہ جو عبادت گزاروں کے مشابہ اور اعمال خیر میں پیش پیش ہیں، لیکن نہ تو ان کے پاس غنا ہے اور نہ ہی ان کا علم سامعین کے دلوں میں اثر کرتا ہے، اور نہ ہی ان کی رائے پر کوئی اعتماد کرتا ہے۔

(۷) وہ لوگ جو انتہائی زیرک اور ہوشیار ہیں لیکن تقویٰ و پرہیز گاری سے کوسوں دور ہیں۔

(۸) وہ لوگ جو اپنی خواہشات کے تابع ہیں دنیا کے لئے ذلیل ہوتے ہیں اور اس میں ریاست اور سرداری کو طلب کرتے ہیں۔

(۹) شیطان نما انسان جو آخرت کو بھول کر دنیا کے لئے حریص ہیں اور اس کو جمع کرنے میں مصروف ہیں اور "ھل من مزید" کے خواہش مند ہیں۔ وہ دنیا میں ظاہری طور پر زندہ ہیں لیکن حقیقت میں مردہ ہیں۔

میں نے اپنی ذات کو ان لوگوں میں تلاش کیا تو مجھے بڑی پریشانی لاحق ہوئی تو میں نے صراط مستقیم کی تلاش میں ہدایت یافتہ لوگوں کی رہنمائی کے حصول کا قصد کیا۔ علم کو پیش نظر رکھ کر گہری نظر و فکر کی تو مجھے کتاب و سنت اور اجماع امت سے معلوم ہوا کہ خواہشات نفس کی پیروی ہدایت سے بے بہرہ اور سے حق سے دور کر دیتی ہے اور انسان ہمیشہ تاریکی میں بھٹکتا رہتا ہے۔ اس لیے میں نے سب سے پہلے اپنے دل سے خواہشات کو ختم کرنے سے ابتداء کی۔ اور تباہ کن خواہشات، ہلاکت خیز فرقوں سے بچتے ہوئے میں نے کسی فرقہ پر ناجی ہونے کا حکم نہ لگایا، اور ناجی امت کا حکم لگانے میں کافی دیر متردد رہا۔ اور پھر راہ نجات کی تلاش میں کوشاں رہا۔

پھر میں نے پایا کہ قرآن کریم کے حکم کے مطابق امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ تقویٰ و پرہیز گاری کو اپنانے، ادائیگی فرائض، حلال و حرام اور اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود میں انتہائی احتیاط، اطاعت الٰہی اور اتباع رسول کریم ﷺ میں اخلاص پر راہ نجات کی بنیاد ہے۔ اس لئے محدثین سے فرائض و سنن کا علم حاصل کیا۔ میں نے ان کا بعض مسائل میں اتفاق اور بعض میں اختلاف دیکھا لیکن وہ تمام اس بات پر متفق تھے کہ فرائض و سنن کا حقیقی علم ان علماء کے پاس ہے جن کو ذات باری تعالیٰ اور اس کے احکام کی معرفت حاصل ہے۔ اور ان فقہاء کے پاس بھی یہ علم موجود ہے جو اپنے علم پر عمل کرتے ہیں۔ رضائے الٰہی کا حصول ان کا مطلوب و مقصود ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء سے بچتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرتے ہیں اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو احکام الٰہیہ اور انبیاء و مرسلین کی سنتوں کے امین ہیں۔

میں نے امت کے مختلف گروہوں میں ان صفات سے متصف لوگوں کو تلاش کیا اور ان کے علم سے فیض یاب ہوا۔ میں نے دیکھا کہ یہ لوگ قلیل تعداد میں ہیں اور ان کا یہ علم کم ہوتا جارہا ہے۔ جس طرح کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

”اسلام کا آغاز پردیس میں ہوا اور عنقریب پردیسی ہو جائے گا جس طرح اس کی ابتداء ہوئی۔ خوشخبری ہے پردیسیوں کے لئے“۔ (مسلم)

مجھے یقین ہو گیا کہ یہی لوگ اسلام میں منفرد حیثیت رکھتے ہیں لیکن ان کی قلت تعداد کی وجہ سے مجھے افسوس ہوا۔ مجھے خدشہ لاحق ہوا کہ اختلاف امت کی وجہ سے مجھ پر جو شدید اضطرابی کیفیت طاری ہوئی اسی حالت میں پیغام اجل نہ آجائے۔ اس لئے میں نے ان علوم کی تحصیل میں جلدی کی جو ایک مسلمان کے ضروری ہوتے ہیں۔ اور حصول علم میں انتہائی احتیاط سے کام لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے ان لوگوں کی صحبت حاصل ہو گئی جن میں تقویٰ و پرہیز گاری اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے کے آثار نمایاں تھے۔ میں نے ان کے ارشادات و نصائح کو سلف صالحین کے عمل کے مطابق پایا۔ میں نے انہیں دیکھا کہ وہ امت کو ارشاد و رہنمائی کرنے میں متفق ہیں۔ نہ تو وہ لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس کرتے ہیں اور نہ ہی رجاء کی اتنی تلقین کرتے ہیں کہ لوگ معصیت میں مبتلا ہو جائیں اور مصائب و مشکلات میں صبر کرنے اور اس کی قضا پر راضی رہنے اور اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کی تلقین کرتے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات ذکر کر کے اس کو بندوں کے نزدیک محبوب بناتے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کرنے پر ابھارتے۔ یہی وہ لوگ تھے جو اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت کے معترف اور اس کی کتاب اور سنت رسول اللہ ﷺ کو جاننے والے اور دینی احکام کو سمجھنے والے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کن چیزوں کو پسند کرتا ہے اور کن کو ناپسند۔ یہ لوگ بدعات اور خواہشات نفسانی سے بچتے اور دین کا معاملہ میں غلو سے اجتناب کرتے۔ لڑائی جھگڑے کو ناپسند کرتے۔ غیبت اور ظلم کے قریب تک نہ جاتے۔ اپنی خواہشات کی مخالفت اور اپنے نفوس کا محاسبہ کرتے۔ انہیں اپنے اعضاء پر پورا کنٹرول تھا۔ اپنے کھانے پینے، لباس اور تمام احوال میں انتہائی تقویٰ و پرہیز گاری سے کام لیتے۔ شبہات سے پہلو تہی کرتے اور خواہشات نفس کو ترک کر کے قوت لایموت پر گزارہ کرتے۔ مباح اور حلال چیزوں میں بھی بہت کم رغبت رکھتے۔ قیامت کے دن ہونے والے حساب و کتاب سے خوفزدہ رہتے، اپنے حال میں ہی مگن رہتے۔ اپنے آپ کو انتہائی حقیر سمجھتے۔ ان میں سے ہر ایک اپنی فکر میں مبتلا رہتا۔ یہ لوگ احوال آخرت اور روز جزاء اللہ تعالیٰ کے عظیم ثواب اور دردناک عذاب سے باخبر تھے۔ اور یہ چیز ان کے دائمی غمگین رہنے کا سبب تھی۔ اس لئے انہوں نے دنیا کے سرور اور نعمتوں سے اعراض کیا۔ انہوں نے دین کے ایسے اوصاف اور تقویٰ و پرہیز گاری کی ایسی حدود بیان کیں جس کی وجہ سے میرا دل خوفزدہ ہو گیا۔ میں نے یہ جان لیا کہ دین کے آداب اور ورع و پرہیز گاری ایسا سمندر ہے جس سے نجات میرے بس کی بات نہیں۔ اور مجھ جیسا شخص ان حدود پر قائم نہیں رہ سکتا۔ جب میں نے یہ تمام اوصاف ان لوگوں میں دیکھے تو مجھ پر ان کی فضیلت ظاہر ہوئی اور ان کا خلوص دکھائی دیا۔ تو میں نے یقین کر لیا کہ یہ ہی لوگ راہ آخرت کے مسافر اور انبیاء و مرسلین کی سنت کے تابع ہیں۔ یہی وہ چراغ ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہی وہ مینارہ نور ہیں جن سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس لئے میں ان کے مذاہب میں رغبت کرنے لگا۔ اور ان کے آداب کو تسلیم کر کے ان سے اکتساب فیض کرنے لگا۔ میں ان کی خدمت میں مشغول ہو گیا۔ میرے نزدیک دنیا کی کوئی چیز بھی ان سے عزیز نہ تھی اور نہ ہی کسی کو ان پر ترجیح دیتا تھا۔ اس کی برکت کی وجہ سے مجھے اللہ تعالیٰ نے وہ علم عطا فرمایا جس کے دلائل قوی اور دیگر قوی اور

دیگر علوم پر اس کی فضیلت عیاں تھی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ جو اس کو اختیار کر کے اس پر عمل پیرا ہو گا وہ نجات پا جائے گا۔ اور جو اس کی مخالفت کرے گا وہ کجرو ہو گا، اور جو اس کا انکار کرے گا اس کے دل پر سیاہی جم جائے گی، اور اس کو سمجھنے والا کامیاب ہو جائے گا۔ ان سب چیزوں کو جان لینے کے بعد میں نے یقین کر لیا کہ اس علم کو اپنانا اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا واجب ہے۔ اس لئے میں نے صدق دل سے اس کو قبول کر لیا اور اس کو اپنے دین کی اساس قرار دیا اور اسی پر اپنے اعمال کی بنیاد رکھی۔ اس کی برکت سے میرے احوال میں تبدیلی آئی اور میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ وہ مجھے اس نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور جو علم مجھے عطا فرمایا ہے اس پر عمل کر نیکی قوت عطا فرمائے۔ حقیقت میں اس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔

(٦) شیخ عبد القاہر بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

عظیم امام حجۃ المتکلمین شیخ عبد القاہر بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب **"الفرق بین الفرق"** میں فرماتے ہیں: "اس باب کی فصل اول اہلسنت و جماعت کی اقسام کے بیان میں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ اہلسنت و جماعت میں آٹھ قسم کے لوگ شامل ہیں:

(١) وہ لوگ جو توحید و نبوت، احکام وعد و وعید، ثواب و عقاب، شرائط اجتہاد، امامت و قیامت وغیرہ علوم کے ماہر ہیں۔

(٢) ان میں وہ آئمہ و فقہاء شامل ہیں جن کا تعلق اہل رائے اور حدیث سے ہے۔ یہ لوگ اصول دین میں اللہ تعالیٰ اور اس کی ازلی صفات کے بارے میں صفاتیہ مذہب والوں کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ قدریہ اور معتزلہ کے مخالف ہیں۔ جنت کی نعمتوں اور عذاب جہنم کے دائمی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ خلفائے راشدین کی خلافت کو تسلیم کرتے ہیں۔ سلف صالحین کے ساتھ دلی لگاؤ رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک جمعہ ہر اس امیر کے پیچھے واجب ہے جو صحیح العقیدہ ہو۔ قرآن و سنت اور اجماع صحابہ سے احکام شریعت کا استنباط بھی ان کے نزدیک واجب ہے۔ یہ جماعت امام مالک، امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اصحاب پر مشتمل ہے۔

(٣) یہ محدثین کا گروہ ہے جنہیں نبی کریم ﷺ سے مروی احادیث پر گہری درک ہے۔ یہ لوگ صحیح اور ضعیف حدیث کے درمیان امتیاز کرنے کے ماہر ہیں۔ اسی طرح جرح و تعدیل کے اسباب سے واقف ہوتے ہیں۔ ان کا یہ علم باطل فرقوں کے عقائد سے پاک ہوتا ہے۔

(٤) یہ وہ لوگ ہیں جو ادب اور صرف و نحو کے ماہر شمار ہوئے ہیں۔ یہ خلیل بن احمد، ابی عمرو بن علا اور سیبویہ جیسے مایہ ناز ائمہ کے طریقے پر چلتے ہیں۔

(٥) یہ لوگ قرآن کریم کی مختلف قرأتوں میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مذہب اہل سنت کے مطابق قرآنی آیات کی تفسیر و تاویل بھی جانتے ہیں۔ اور اہل ھوی کی تاویلات سے گریز کرتے ہیں۔

(٦) یہ صوفیائے کرام کا وہ گروہ ہے جو دنیا کی بے ثباتی پر یقین رکھتا ہے۔ اور اس سے اپنا ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔ اور جب انہیں آزمائش میں مبتلا کیا جائے تو اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ راضی برضارہ کر جو کچھ میسر ہو اسی پر قناعت کرتے ہیں انہیں بخوبی علم ہے کہ کان، آنکھ اور دل میں سے ہر ایک سے اچھائی اور برائی کے متعلق سوال ہو گا۔ ذرے ذرے کا حساب دینا پڑے گا۔ اس لئے وہ یوم آخرت کے لئے تیاری کرتے ہیں۔ محدثین کے کلام کی طرح ان کا کلام عبارت و اشارہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ ریاء کے لئے نیکی نہیں

کرتے اور نہ ہی حیاء کی وجہ سے اس کے تارک ہوتے ہیں۔ ان کے عقیدہ کی بنیاد توحید پر اور تشبیہ کی نفی پر ہے اپنے معاملے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا، اسی پر توکل کرنا اور اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا، جو میسر ہو اسی پر قناعت کرلینا، اور اس پر اعتراض نہ کرنا ان کا مذہب ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیہِ مَنْ یَشَاءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیمِ (جمعہ ۴)

یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

(۷) یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کی حفاظت کے لئے اسلامی سرحدوں پر ڈیرہ ڈالے ہوئے دشمنان اسلام سے برسرپیکار رہتے ہیں۔

(۸) ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان علاقوں میں آباد ہیں جن میں اہل سنت وجماعت کے طور طریقے غالب ہیں، نہ کہ ان علاقوں میں آباد لوگ جن میں باطل فرقوں کے عقائد غالب ہیں۔

(۷) امام قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

امام ابو قاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مشہور رسالہ کے مقدمہ میں صوفیاء کرام کے متعلق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس گروہ کو اپنا مقرب بنایا ہے۔ انبیاء ورسل علیہم السلام کے بعد ان کو اپنے تمام بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور ان کے دلوں کو اپنے اسرار کا خزینہ بنادیا ہے، اور تمام میں سے اپنے انوار وتجلیات کے لئے ان کو خاص کرلیا ہے۔ یہ مخلوقات خدا کی فریادرس بھی ہیں۔ عمومی احوال میں انہیں اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بشری کدورتوں کو پاک کرکے انہیں مقام مشاہدہ پر فائز کر دیتا ہے۔ اور انہیں آداب عبودیت کے بجالانے کی توفیق عطا فرماتا ہے اور احکام ربوبیت کے مصدر ومنبع سے انہیں روشناس کرادیتا ہے۔ وہ فرائض وواجبات کو احسن طریقے سے ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل واحسان سے کائنات میں جو تصرف کا اذن ملتا ہے لیکن وہ اس کے باوجود انتہائی عاجزی وانکساری سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کرتے ہیں، اور اپنے احوال ومقامات کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ کیونکہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے نواز دیتا ہے، مخلوق کو ثواب عطا کرنا اس کا محض فضل واحسان ہے، اور اس کا عذاب دینا عدل ہے اور اس کا ہر فیصلہ اٹل ہے۔

(۸) امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صوفیائے کرام بارگاہ الٰہی تک پہنچانے والے ان کے سلوک اور طریقے کے متعلق فرماتے ہیں کہ مجھے یقین ہوگیا کہ صوفیائے کرام ہی اللہ تعالیٰ کے خاص راستہ پر چلنے والے ہیں۔ ان کی سیرت اچھی، ان کا طریقہ تمام طرق سے صحیح اور ان کے اخلاق تمام سے عمدہ ہوتے ہیں۔ پھر صوفیائے کرام کے مخالفین کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ معترضین اس طریقہ کے بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں جس کی پہلی شرط ماسوٰی اللہ سے دل کو پاک کرنا ہے اور پھر کلیۃ ذکر الٰہی میں دل کو مستغرق کرنا، نماز کی تکبیر تحریمہ کے قائم مقام ہے اور جس کی انتہا فنا فی اللہ ہے۔

(۹) امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

عظیم مفسر امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب "اعتقادات فرق المسلمین والمشرکین" میں فرمایا کہ امت اسلامیہ کے فرقوں کے متعلق لکھنے والے اکثر لوگوں نے گروہ صوفیاء کا ذکر نہیں کیا اور یہ خطا ہے کیونکہ صوفیائے کرام کی تعلیمات کا

لب لباب یہ ہے کہ معرفت الٰہی کے حصول کا طریقہ اپنے آپ کو علائق بدنیہ سے پاک کرنا ہے اور یہ بہترین طریقہ ہے۔ اور دوسرے مقام پر آپ فرماتے ہیں: ”صوفیائے کرام وہ لوگ ہیں جو غور و فکر اور نفس کو علائق بدنیہ سے پاک کرنے میں مصروف رہتے ہیں اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ تمام تصرفات اور اعمال میں ان کا دل ذکر الٰہی سے خالی نہ ہو وہ بارگاہ الٰہی میں انتہائی باادب رہتے ہیں، اور یہ لوگ تمام انسانی فرقوں میں افضل ترین ہیں۔

(۱۰) العزبن عبد السلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

سلطان العلماء عزبن عبد السلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ”صوفیائے کرام نے اپنے اصولوں کی بنیاد شریعت کے ان قواعد پر استوار کی ہے جنہیں دنیا و آخرت میں زوال نہیں، اور دوسرے لوگوں نے اپنے اصولوں کی بنیاد محض رسوم پر رکھی ہے۔ صوفیائے کرام کے ہاتھوں واقع ہونے والی کرامات اس کی دلیل ہیں، کیونکہ یہ چیزیں قربت اور رضا پر دلالت کرتی ہیں۔ کیونکہ عمل کے بغیر علم اگر بارگاہ الٰہی میں پسندیدہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اہل علم کے ہاتھ پر کرامات کا ظہور فرمادیتا اگرچہ وہ اپنے علم پر عمل پیرا نہ بھی ہوتے لیکن یہ بعید از قیاس ہے۔

(۱۱) امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

امام نووی اپنے رسالہ ”**المقاصد**“ میں فرماتے ہیں تصوف کے پانچ اصول ہیں:

(۱) ظاہراً و سراً اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرنا۔

(۲) اقوال و افعال سنت کی اتباع کرنا۔

(۳) ہر حال میں مخلوق خدا سے لاتعلق رہنا۔

(۴) قلیل و کثیر میں اللہ تعالیٰ پر راضی رہنا۔

(۵) تنگی و خوشحالی میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کرنا۔

(۱۲) شیخ ابن تیمیہ:

شیخ احمد بن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں صوفیائے کرام کے کتاب و سنت پر عمل پیرا ہونے کے بارے میں فرمایا ہے کہ ”سالکین میں سے صاحب استقامت جس طرح جمہور مشائخ سلف جن میں فضیل بن عیاض، ابراہیم بن ادھم، ابو سلیمان دارانی، معروف کرخی، سری سقطی اور جنید بن محمد رحمہم اللہ وغیرہ متقدمین سے اور متاخرین میں سے شیخ عبد القادر جیلانی، شیخ حماد شیخ ابو البیان رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔

یہ تمام مشائخ سالک کے لئے شرعی امر اور نہی سے آزاد ہونے کو جائز قرار نہیں دیتے، اگرچہ وہ ہوا میں اُڑتا ہو یا پانی پر چلتا ہو۔ بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ تادم واپسی امر کو بجالائے اور نہی سے اجتناب کرے۔ اور یہی بات حق ہے جس پر کتاب و سنت اور سلف صالحین کا اجماع دال ہے۔

(۱۳) امام شاطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

عشیرہ محمدیہ کے مجلہ مسلم میں سید ابو تقی احمد خلیل کا مضمون "امام شاطبی صوفی سلفی" کے عنوان سے چھپا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: "امام شاطبی کی کتاب "الاعتصام" کو وہابی اپنی بعض آراء کے لئے بنیادی مآخذ شمار کرتے ہیں۔ صاحب کتاب کو اپنا امام مانتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس امام شاطبی نے اپنی کتاب میں اسلامی تصوف کے متعلق چند اہم فصلیں ذکر کی ہیں۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ تصوف دین کا اہم رکن ہے۔ یہ نئی چیز نہیں ہے کہ اسے دین میں داخل کیا گیا ہو۔ آپ نے یہاں تحقیق کا حق ادا کر کے مخالفین کی زبانوں کو بند کر دیا ہے۔ قلوب و اذہان میں ان کی تحقیق نے گہرے نقوش چھوڑے۔

آپ فرماتے ہیں اکثر جہلاء کا صوفیاء کے بارے میں یہ اعتقاد ہے کہ وہ کتاب و سنت کی اتباع میں تساہل پسندی سے کام لیتے ہیں۔ اور غیر شرعی امور کو اپنے اوپر لازم قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہ الزام خلاف واقع ہے اور اس قسم کے اعتقاد کی ان سے توقع نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ سب سے پہلے جس چیز پر ان کے طریقہ کی بنیاد ہے وہ اتباع سنت اور ان چیزوں سے اجتناب کرنا ہے جو خلاف سنت ہوں حتیٰ کہ امام الصوفیاء ابو القاسم القشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام نے اپنے لئے تصوف کا نام اسی وجہ سے خاص کیا تھا تاکہ وہ اہل بدعت سے ممتاز ہو جائیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد مسلمان صحابی کے لقب سے موسوم تھے کیونکہ صحبت رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی فضیلت نہ تھی۔ پھر ان کے بعد آنے والے لوگوں کو تابعی کا لقب دیا گیا۔ ان کے بعد لوگوں کے مراتب مختلف ہو گئے اور وہ خواص جو دین پر سختی سے کاربند تھے انہیں زاہد و عابد کہا جانے لگا۔ پھر جب بدعتوں کا ظہور ہوا تو ہر فریق دعویٰ کرنے لگا کہ ان میں زاہد و عابد ہیں۔ اس صورت حال میں اہلسنت کے وہ خواص جو اپنے نفوس پر خصوصی توجہ رکھتے تھے اور اپنے دلوں کو غفلت سے محفوظ رکھتے تھے وہ تصوف کے اس نام کے ساتھ مشہور ہو گئے۔

(۱۴) ابن خلدون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

ابن خلدون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تصوف کے بارے میں فرماتے ہیں: "علم تصوف ان علوم شریعہ میں سے ہے جو ملت اسلامیہ میں معرض وجود میں آئے۔ صوفیائے کرام کا طریقہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، تابعین اور بعد میں آنے والے سلف صالحین کے نزدیک حق و ہدایت کا طریقہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کی بنیاد عبادت کی طرف بھرپور توجہ اور ذات باری تعالیٰ سے خاص تعلق، دنیا کی زیب و زینت سے اعراض اور لذت مال و جاہ و حشمت جس کی طرف عوام الناس متوجہ ہوتے ہیں، ان سے زہد اختیار کرنے اور عبادت کے لئے خلوت نشینی اختیار کرنے پر ہے۔ یہ تمام چیزیں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور سلف صالحین میں عام تھیں لیکن دوسری صدی اور اس کے بعد والے دور میں لوگ دنیا کی طرف متوجہ ہو گئے تو عبادت گزار لوگوں کے ساتھ صوفیاء کا لقب خاص ہو گیا۔

(۱۵) شیخ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

شیخ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "معید النعم و مبید النقم" میں صوفیاء کے عنوان کے تحت رقمطراز ہیں:

"اللہ تعالیٰ انہیں طویل زندگی عطا فرمائے انہیں اور ہمیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے صوفیائے کرام کی حقیقت سے لاعلمی اور

جعلی پیروں کی کثرت سے ان کے بارے میں مختلف اقوال مشہور ہیں۔ حتیٰ کہ امام جوینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ان کی حقیقت سے آگاہی ممکن نہیں۔ کیونکہ ان کو کسی ایک تعریف کے ساتھ مقید نہیں کیا جا سکتا۔ امام سبکی فرماتے ہیں کہ علم تصوف کی تعریف کرنا ممکن ہے۔ صوفیاء کرام وہ لوگ ہیں جو دنیا سے اعراض کرتے ہیں اور اکثر اوقات عبادت میں مصروف رہتے ہیں پھر آپ نے تصوف کی مختلف تعریفات ذکر کی ہیں اور آخر میں فرمایا: ”حاصل کلام یہ ہے کہ صوفیائے کرام اللہ تعالیٰ کے وہ خاص بندے ہیں جن کے ذکر سے رحمت سایہ فگن ہوتی ہے اور جن کی دعا سے بارش نازل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے اور ان کے طفیل ہم سے بھی راضی ہو“۔

(۱۶) امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب ”تائید الحقیقۃ“ میں فرماتے ہیں:

”علم تصوف فی نفسہ ایک عظیم علم ہے۔ اس کا دارومدار اتباع سنت، ترک بدعت، نفس اور اس کی خواہشات سے کنارہ کشی، اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے اور اس کی قضا پر راضی رہنے، اس کی محبت کی خواہش اور ماسوی اللہ سے ناپسندیدگی پر ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس میں بہت سے ایسے لوگ داخل ہو گئے ہیں جن کا تصوف سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور انہوں نے تصوف میں غیر شرعی امور کو داخل کر دیا ہے۔ اور یہ بات تمام صوفیائے کرام کے بارے میں بدگمانی کا سبب بنی ہے اسی لئے اہل علم نے حقیقی صوفیائے کرام اور جعلی صوفیاء کرام کے درمیان تمیز کرنے کی کچھ علامات ذکر کی ہیں تاکہ حق و باطل کے درمیان فرق ہو سکے۔ میں نے ان امور میں غور و فکر کیا ہے جن کی وجہ سے اہل علم صوفیاء پر اعتراض کرتے ہیں۔ لیکن میں نے کوئی ایسا حقیقی صوفی نہیں دیکھا جو ان عقائد کا حامل ہو۔ بلکہ ان امور کا ارتکاب وہ اہل بدعت اور غالی لوگ کرتے ہیں جو دعویٰ تو صوفیاء ہونے کا کرتے ہیں لیکن حقیقت میں صوفیاء نہیں ہوتے۔

(۱۷) علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

خاتمۃ المحققین عظیم فقیہ ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب ”مجموعہ رسائل“ میں دین میں اضافہ زدہ بدعات کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں جن کا ارتکاب وفات اور ختم وغیرہ کے موقع پر کیا جاتا ہے۔ ان امور کا ارتکاب وہ لوگ کرتے ہیں جو اہل علم کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو صوفیاء کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ اس کے بعد آپ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے کہ یہاں صوفیاء سے مراد حقیقی صوفیاء نہیں۔ مزید فرماتے ہیں کہ ”ہماری گفتگو ان مشائخ عظام اور صوفیاء کرام کے بارے میں نہیں ہے جو ہر قسم کی گھٹیا خصلت سے مبرا ہیں۔ امام الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کہ بعض لوگوں پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور دائیں بائیں جھکنے لگ جاتے ہیں، آپ نے فرمایا: ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی معیت میں خوش رہنے دو۔ معرفت الٰہی کے سفر نے ان لوگوں کے جگروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ تھکاوٹ نے ان کے دلوں کو پاش پاش کر دیا ہے۔ ان پر اضطراب کی کیفیت طاری ہے۔ اگر وہ اپنے حال کے مداوی کی خاطر کچھ آرام کر لیں تو کوئی حرج نہیں۔ اگر تو بھی یہ لذت چکھ لیتا تو آہ و بکا میں ان کو معذور سمجھتا۔ علامہ کمال پاشا سے جب اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرح جواب دیا۔ آپ نے فرمایا:

(۱) اگر تیری حقیقت تک رسائی ہے تو وجد میں کوئی حرج نہیں اور اگر تو مخلص ہے تو رقص میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(۲) تو تو ایک ٹانگ پر چل رہا ہے اور جس کو مولا پکارے اس پر لازم ہے کہ وہ سر کے بل چلے۔

آپ فرماتے ہیں کہ ذکر اور سماع کے وقت جو مختلف کیفیات ہم نے ذکر کی ہیں ان میں رخصت ان عارفین کے لئے ہے جو اپنے اوقات کو اچھے اعمال میں صرف کرتے ہیں۔ افعال قبیحہ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہیں۔ اگرچہ وہ کچھ سنتے ہیں تو اسی ذات سے۔ اور اگر وہ کسی کے مشتاق ہوتے ہیں تب بھی اسی کے لئے۔ جب وہ اس کا شکر کرتے ہیں تو اس کی نعمتوں کا اظہار کرتے ہیں۔ جب وہ اس کو پالیتے ہیں تو نعرۂ مستانہ بلند کرتے ہیں۔ جب اس کا مشاہدہ کرتے ہیں تو پر سکون ہو جاتے ہیں۔ جب اس کے قرب سے سرفراز ہوتے ہیں تو بارگاہ قدس میں خوب سیر کرتے ہیں۔ جب ان پر وجد غالب آجاتا ہے اور اس کی ارادت کا جام طہور نوش کر لیتے ہیں تو بعض سالکین پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے تو وہیں سجدے میں گر کر اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دیتے ہیں، اور بعض پر لطف و کرم کے بادل برستے ہیں تو وہ جھومنے لگتے ہیں اور خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اور بعض وہ خوش نصیب ہوتے ہیں کہ مطلع قرب سے محبوب ان کے لئے جلوہ افروز ہوتا ہے تو وہ جلوۂ محبوب میں مست ہو کر بیخود ہو جاتے ہیں۔

آپ مزید فرماتے ہیں کہ عارفین کا سماع حقائق ربانیہ کے حصول کا سبب ہے، اور یہ سماع ذات باری تعالیٰ کی حمد و ثنا نعت رسول مقبول ﷺ اور حکیمانہ مواعظ پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہمارا اعتراض ان لوگوں پر نہیں ہے جو ان عارفین کی اقتداء کرتے ہیں اور ان کی بارگاہ سے کچھ فیض حاصل کر لیتے ہیں، اور ذات باری تعالیٰ کی محبت اور شوق میں مگن رہتے ہیں۔ بلکہ ہمارا اعتراض تو ان فاسق و فاجر عام لوگوں پر ہے جو صوفیائے کرام کو بدنام کرتے ہیں۔

(۱۸) شیخ محمد عبدہ:

مجلہ مسلم نے شیخ محمد عبدہ کی تصوف کے متعلق رائے ذکر کی ہے اور شیخ علی محفوظ نے اپنی کتاب ''ابداع'' میں اس کو نقل کیا ہے کہ شیخ محمد عبدہ فرماتے ہیں: ''تاریخ اسلام اور اسلام میں ظاہر ہونے والی وہ رسومات و بدعات جنہوں نے اسلام کے حقیقی حسن کو مسخ کر دیا ہے اور مسلمانوں کے جہالت میں گرفتار ہونے کے اسباب کے متعلق تحقیق کرنے والے بعض محققین غلط فہمی کا شکار ہیں ان کے خیال کے مطابق تصوف بھی ان اسباب میں شامل ہے جنہوں نے مسلمانوں کو اپنے دین سے بے بہرہ اور اس توحید خالص سے دور کر دیا ہے جو اخروی عذاب سے نجات کی بنیاد ہے اور اسی پر اعمال کے صحیح ہونے کا دارومدار ہے۔ لیکن ان کا یہ خیال صحیح نہیں ہے، ہم اجمالی طور پر تصوف کی حقیقت کو بیان کرتے ہیں۔

تصوف کا ظہور اسلام کے ابتدائی دور میں ہوا اس وقت اس کو ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی، اور اس کا بنیادی مقصد تعمیر اخلاق اور نفوس کی تربیت اور ان کو دین کی طرف مائل کرنا، اور تدریج دین کے اسرار و رموز سے ان کو آگاہ کرنا تھا، فقہاء و علمائے ظاہر صوفیاء پر اعتراض کرتے تھے۔ ان پر بے دینی کی تہمت لگاتے تھے۔ اس وقت فقہاء کو بڑی اہمیت حاصل تھی کیونکہ امراء اور سلاطین اسلامی احکام نافذ کرنے میں ان کے دست نگر تھے۔ اس صورت حال میں صوفیاء اپنے طرز عمل کو مخفی رکھنے پر مجبور ہو گئے، اور انہوں نے اپنا مقصد سمجھانے کے لئے بعض اشارات، رموز اور اصلاحات وضع کر لئے اور صرف اسی کو اپنے ساتھ ملاتے جو ان کی کڑی شرائط اور آزمائش پر پورا اترتا ہو۔ اور یہ کہا کرتے کہ ''ہمارے ساتھ چلنے کا خواہشمند ہے پہلے طالب، پھر مرید اور پھر سالک ہے اور سلوک کے بعد یا تو وہ منزل مقصود تک پہنچ جائے گا یا راستہ سے بھٹک جائے گا''۔ وہ طویل عرصہ تک طالب کے اخلاق و اطوار کا امتحان لیتے تاکہ وہ جان لیں کہ طالب صحیح الارادہ اور پختہ عزم ہے۔ صرف ان کے اسرار پر آگاہی حاصل کرنے کے لئے نہیں آیا۔ اس چیز پر یقین ہونے

کے بعد تدریجاً اس کی تربیت شروع کر دیتے۔

(۱۹) الامیر شکیب الارسلان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

امیر شکیب ارسلان اپنی کتاب "حاضر العالم الاسلامی" میں "افریقہ میں اسلام کی ترقی اور اس کے اسباب" کے تحت لکھتے ہیں کہ اٹھارویں انیسویں صدی میں سلسلہ قادریہ اور شاذلیہ کے پیروکاروں میں ترقی کی نئی تحریک پیدا ہوئی۔ اور سلسلہ تیجانیہ اور سنوسیہ کا آغاز ہوا۔

سلسلہ قادریہ کے پیروکار مغربی افریقہ میں دین اسلام کے انتہائی پر جوش مبلغ تھے۔ انہوں نے سینی گال سے بنین تک اسلام کا پیغام پہنچایا۔ انہوں نے ان علاقوں میں تعلیم و تجارت کے ذریعہ دین کی نشر و اشاعت کی۔ مغربی افریقہ کے کثر تاجر سلسلہ قادریہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں سے بعض مریدین جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے وہ چھوٹے چھوٹے مدارس کھول لیتے اور یہ مدارس صرف سلسلہ قادریہ کی خانقاہوں میں ہی نہ قائم کرتے بلکہ قریہ قریہ میں مدارس قائم کرتے۔ اور دوران تعلیم افریقی بچوں کو دین کی تبلیغ کرتے، اور پھر محنتی اور ذہین طلبہ کو خانقاہ کے خرچ پر طرابلس، قیروان کے مدارس فاس کی جامع القرویین اور مصر کی جامع الازہر میں اعلیٰ تعلیم کے لئے بھیجتے۔ یہ طلبہ وہاں اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے سوڈان میں عیسائیوں کے مشنری مبلغین سے مقابلہ کرتے۔

آپ سلسلہ قادریہ کے شیخ طریقت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایران کے شہر جیلان میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک عظیم صوفی تھے۔ آپ کے مریدین کی تعداد شمار سے باہر ہے۔ حتیٰ کہ آپ کے سلسلہ سے تعلق رکھنے والے اسپین تک پہنچ گئے۔ جب غرناطہ میں عربوں کی سلطنت کا زوال آیا پھر سلسلہ قادریہ کا مرکز وہاں سے فاس منتقل ہو گیا۔ اس سلسلہ کی برکت کی وجہ سے اہل بربر کی کثیر بدعات کا خاتمہ ہو گیا۔ اور وہ اہلسنت وجماعت سے وابستہ ہو گئے۔ اسی طرح پندرہویں صدی عیسوی میں مغربی افریقہ کے بہت سے حبشی اس سلسلہ کی برکت سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

سلسلہ سنوسیہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ سلسلہ سنوسیہ کے متعلقین افریقہ کے مختلف علاقوں میں اسلام کی شمع کو روشن کرتے ہوئے نائجیریا تک پہنچ گئے، اور وہاں کے قبائل کو اسلام کی دعوت دی اور اسی سلسلہ کی برکت سے بحیرہ چاڈ کے ارد گرد کے علاقے وسط افریقہ میں عالم اسلام کا مرکز بن گئے۔ ان علاقوں میں سلسلہ سنوسیہ کے مریدین کی تعداد چار ملین کے لگ بھگ ہے۔ ان کا طریقۂ تبلیغ یہ ہے کہ یہ سوڈان سے چھوٹی عمر کے غلاموں کو خریدتے ہیں پھر جغبوب اور غزامس وغیرہ کے علاقہ جات میں تربیت کرتے ہیں۔ جب یہ بلوغ کی حد تک پہنچ کر اپنی تعلیم کو مکمل کرتے ہیں تو انہیں آزاد کر کے سوڈان کے قرب و جوار میں چھوڑ دیتے ہیں تاکہ وہ اپنی قوم کے باقی لوگوں کی دین اسلام کی طرف راہنمائی کریں۔ اس طرح سلسلہ سنوسیہ کے سینکڑوں مبلغین براعظم افریقہ کے مختلف ممالک میں اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے کوچ کرتے ہیں۔ شیخ محمد مہدی اور ان کے بھائی شیخ شریف اپنے والد محترم کے نقش قدم پر چل کر اسی مقصد کے لئے کوشاں ہیں یعنی براعظم افریقہ میں اسلام کو بیرونی اثرات سے آزاد کر کے خلافت راشدہ کے نظام کو قائم کرنا۔ المختصر یہ کہ ان سلاسل کے مریدین نے براعظم افریقہ میں اسلام کی نشر و اشاعت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

آپ سلسلہ سنوسیہ کے متعلق مزید فرماتے ہیں "سلسلہ سنوسیہ کے مبلغین انتہائی جوشیلے اور غیور ہیں۔ یہ صحرائی خانقاہوں کے تربیت یافتہ ہیں۔ یہ ہزاروں کی تعداد میں دین اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے ان تمام علاقوں میں نکلتے ہیں جن کے باشندے بت

پرست ہیں۔ انیسویں صدی سے لے کر آج تک ان مسلمان مبلغین نے مغربی افریقہ اور وسطی افریقہ میں اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے حیران کن کامیابیاں حاصل کی ہیں، حتیٰ کہ بہت سے یورپی مفکرین نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ بیس سال پہلے اسی سلسلہ میں ایک انگریز نے کہا تھا کہ وسط افریقہ میں اسلام کو بہت کامیابی ہو رہی ہے اور بت پرستی کا نام و نشاں اس طرح مٹتا جا رہا ہے جس طرح سورج کی کرنوں کے سامنے رات کی تاریکی چھپ جاتی ہے اور اس کے مقابلہ میں عیسائی مشنری ناکام ہو گئی ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ سلسلہ شاذلیہ شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف منسوب ہے۔ ان کی بیعت عبداللہ بن سلام بن مشیش سے تھی اور ان کے مرشد و مربی ابو مدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے جو ۱۱۲۷ء کو اشبیلیہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم فاس میں حاصل کی اور پھر حج کا ارادہ کر کے نکلے اور حج بیت اللہ کے بعد جابیہ کے مقام پر اقامت پذیر ہو گئے اور درس تصوف دیتے رہے۔ بہت سی مخلوق خدا آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئی اور یہ سلسلہ ان سلاسل میں سے تھا جو پہلے پہل سر زمین مغرب میں داخل ہوئے۔ اور اس کا مرکز مراکش میں تھا اور اسی سلسلہ کے مشائخ میں سے شیخ عربی درقاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۱۸۳۳ء تھے۔ جنہوں نے اپنے مریدوں میں نئے سرے سے دینی حمیت کی روح پھونک دی۔ فرانسیسی فوج کو روکنے میں ان لوگوں نے اہم کردار ادا کیا۔

امیر شکیب ارسلان اپنے اس موضوع کو سمیٹتے ہوئے فرماتے ہیں کہ براعظم افریقہ میں اسلام کی اس ترقی کا سہرا تصوف اور اولیائے کرام سے اعتقاد پر ہے۔

(۲۰) شیخ رشید رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

شیخ رشید رضا فرماتے ہیں کہ صوفیاء کرام کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ بلا شرکت غیر ارکان دین میں سے ایک اہم رکن کی تعلیم و تربیت ان کے ذمہ ہے اور علم و اخلاق حسنہ اپنانے کے ذریعہ نفس کو مہذب بنانا ہے۔ پھر جب ملت اسلامیہ میں علوم کی تدوین ہوئی تو مشائخ کرام نے بھی تہذیب اخلاق اور محاسبۂ نفس کے بارے میں کتب تالیف فرمائیں۔

(۲۱) شیخ راغب الطباخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

عظیم مورخ شیخ محمد راغب اپنی کتاب "ثقافت اسلامیہ" میں فرماتے ہیں کہ جب تصوف تزکیہ نفوس اور تصفیہ اخلاق سے عبارت ہے تو یہ بہترین طریقہ اور اعلیٰ ترین مقصد ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا بھی مقصد تھا۔ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے:

أنما بعثت لأتمم مكارم الأخلاق۔[144]

"میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں"۔

آپ فرماتے ہیں: "جب ہم پہلے دور کے صوفیاء کرام کی سیرتوں میں غور و فکر کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سیرت مکارم اخلاق، زہد، ورع و عبادت پر مشتمل اور قرآن و سنت کی عملی تصویر ہے۔ حتیٰ کہ شیخ الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ

---

[144] المسند امام احمد بن حنبل، باب المسند ۲، ج ۱۳، ص ۲۹۲، الهيثمي (ت ۸۰۷)، مجمع الزوائد ۹/۱۸• رجاله رجال الصحيح غير محمد بن رزق الله الكلوذاني وهو ثقة• الزرقاني (ت ۱۱۲۲)، مختصر المقاصد ۱۸٤

تعالیٰ علیہ نے اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

مذھبنا ھذا مقید باصول الکتاب و السنة۔

"ہمارا یہ مذہب کتاب و سنت کے اصولوں کے ساتھ مقید ہے"۔

علامہ زبیری شرح احیاء العلوم کی جلد ۱ صفحہ نمبر ۱۷۴ میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول نقل فرماتے ہیں:

الطرق کلھا مسدود علی الخلق الا علی من اقتدی اثر الرسول ﷺ۔

"مخلوق خدا پر تمام راستے بند ہیں سوائے اس شخص کے جس نے رسول کریم ﷺ کے نقش قدم کی پیروی کی"۔

رسالہ قشیریہ میں آپ فرماتے ہیں کہ جس نے قرآن پاک حفظ نہ کیا اور حدیث پاک نہ روایت کی وہ علم تصوف میں اقتداء کے قابل نہیں۔ کیونکہ ہمارا یہ علم کتاب و سنت کے ساتھ مقید ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہمارا یہ علم حدیث رسول ﷺ سے مؤید ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان افغانی قندھاری ثم بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شریعت منبع ہے یعنی پانی پھوٹنے کی جگہ اور طریقت اس منبع سے نکلا ہوا دریا بلکہ شریعت تو اس مثال سے بھی بلند و بالا ہے کہ اس مثال سے شریعت کی کماحقہ اہمیت واضح نہیں ہوتی کیونکہ پانی جس جگہ (منبع) سے نکلتا ہے زمینوں کو سیراب کرتے وقت اس نکلنے والی جگہ کا محتاج نہیں کہ وہاں سے تو یہ باہر آ ہی گیا یونہی دریا سے نفع اٹھانے والوں کو دریا کے نکلنے کی جگہ کی کچھ حاجت نہیں کہ جب انہیں پانی مل گیا تو انہیں پانی نکلنے کی جگہ سے کیا تعلق، وہ باقی رہے یا نہ رہے لیکن شریعت ایسا منبع ہے کہ اس سے نکلے ہوئے دریا یعنی طریقت کو ہر وقت اپنے منبع کی حاجت ہے اس اصل یعنی شریعت سے تعلق ٹوٹتے ہی صرف یہ ہی نہیں ہو گا کہ آئندہ کے لئے مدد موقوف ہو جائے گی اور فی الحال جتنا پانی آ چکا اس سے فائدہ حاصل ہوتا رہے گا بلکہ جیسے ہی شریعت سے تعلق ٹوٹا فوراً طریقت کا دریا فنا ہو جائے گا بوند تو بوند پانی کی نمی کا نام بھی نظر نہ آئے گا اور کاش کہ اس سے اتنا ہی نقصان ہوتا کہ شریعت کا دریا سوکھنے سے باغات سوکھ جائیں کھیت مرجھا جائیں اور آدمی پیاسے تڑپتے رہیں لیکن ہرگز صرف اتنا نقصان نہیں ہو گا بلکہ طریقت کے دریا کا تعلق جیسے ہی اپنے نکلنے کے مقام یعنی شریعت سے ٹوٹے گا وہ تمام دریا شعلے مارتی ہوئی بھڑکتی آگ میں تبدیل ہو جائے گا۔ اور پھر کاش کہ وہ شعلے ظاہری آنکھوں سے دیکھے جاسکتے تاکہ جو لوگ شریعت سے تعلق توڑ کر جلے اور خاک سیاہ ہوئے انہیں دیکھ کر دوسرے لوگ بچ جاتے اور ان کے برے انجام سے عبرت حاصل کرتے مگر ایسا نہیں ہے بلکہ وہ آگ تو

نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ (٦) الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ (الھمزۃ ۷)

ترجمہ: اللہ کی آگ کہ بھڑک رہی ہے، وہ جو دلوں پر چڑھ جائے گی۔

اندر سے دل جل جاتے ہیں ایمان برباد ہو جاتا ہے لیکن ظاہر میں وہی طریقت کا پانی نظر آتا ہے جو شیطان دھوکے سے انہیں دکھاتا ہے۔ دیکھنے میں دریا اور حقیقت میں آگ کا بھڑکتا ہوا الاؤ۔ افسوس کہ اس پردے نے لاکھوں کو ہلاک کر دیا۔

شریعت و طریقت اور دریا و منبع کی مثال کے درمیان ایک عظیم فرق اور بھی ہے جس کی طرف پہلے اشارہ کیا کہ دریا سے نفع اٹھانے والوں کو نفع اٹھاتے ہوئے دریا کے نکلنے کی جگہ کی کوئی حاجت نہیں لیکن طریقت سے نفع اٹھانے والوں کو ہر وقت اور ہر لمحہ

شریعت کی محتاجی رہتی ہے کیونکہ طریقت کا یہ پاکیزہ میٹھا دریا جو شریعت کے برکت والے سرچشمہ سے نکل کر فیضیاب کر رہا ہے اس کے ساتھ ساتھ ایک سخت کھاری ناپاک دریا بھی بہتا ہے هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ (الفاطر ۱۲) یہ میٹھا ہے خوب میٹھا پانی خوش گوار اور یہ کھاری ہے تلخ" یہاں ذہن میں سوال آئے گا وہ دوسرا کھاری دریا کیا ہے تو سنئے وہ شیطان ملعون کے وسوسے اور دھوکے ہیں تو طریقت کے شیریں دریا سے نفع لینے والوں کو ہر لمحہ اس بات کی ضرورت ہے کہ ہر نئی لہر پر اس لہر کے رنگ، مزہ، بُو کو اصل منبع یعنی شریعت کے رنگ مزہ بُو سے ملاتے رہیں تا کہ پتہ چل جائے کہ یہ لہر شریعت کے منبع سے آئی ہے یا شیطانی پیشاب کی بدبو دار کھاری دھار دھوکہ دے رہی ہے لیکن یہاں ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ جب دونوں دریاؤں میں رنگ بو مزے میں اتنا واضح فرق ہے تو جیسے ہی کوئی شیطانی چکر ہو گا آدمی کو فوراً پتہ چل جائے گا کہ یہ طریقت کا صاف شیریں دریا نہیں بلکہ شیطان کی طرف سے دھوکہ ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اصل کٹھن مرحلہ یہاں پر یہ ہے کہ طریقت کا پاک مبارک منبع اس قدر لطیف اور نفیس ہے کہ کمال لطافت کی وجہ سے اس کا مزہ بہت جلد زبان سے اتر جاتا ہے۔ رنگت 'مزہ' بو کچھ یاد نہیں رہتی اور اس کے ساتھ ہی چکھنے 'سونگھنے اور دیکھنے کے معنوی احساسات بھی فاسد ہو جاتے ہیں اور پھر آدمی کو گلاب اور پیشاب میں تمیز نہیں رہتی وہ ابلیس کا کھارا' بدبودار' بدرنگ پیشاب غٹاغٹ چڑھا جاتا ہے اور گمان یہ کرتا ہے کہ طریقت کے دریا کا میٹھا' خوشبودار اور خوش رنگ پانی پی رہا ہوں۔ اس ساری گفتگو سے معلوم ہوا کہ شریعت منبع اور دریا کی مثال سے بہت بلند ہے۔ و اللہ المثل الاعلیٰ شریعت مطہرہ ایک ربانی نور کا فانوس ہے۔ کہ دینی عالم میں اس کے سوا کوئی روشنی نہیں اس کی روشنی بڑھتے بڑھتے صبح اور پھر آفتاب اور پھر اس سے بھی غیر متناہی درجوں زیادہ تک ترقی کرتی ہے جس سے حقائق اشیاء کا انکشاف ہوتا اور نور حق تجلی فرماتا ہے یہ مرتبہ علم میں معرفت اور مرتبہ تحقیق میں حقیقت ہے تو حقیقت بین وہی ایک شریعت ہے کہ باختلاف مراتب اس کے مختلف نام رکھے جاتے ہیں جب یہ نور بڑھ کر صبح روشن کے مثل ہوتا ہے ابلیس لعین خیر خواہ بن کر آتا ہے اور اس سے کہتا ہے "اطفی المصباح فقد اشرق الاصباح" چراغ ٹھنڈا کر کہ اب تو صبح خوب روشن ہو گئی، اگر آدمی دھوکے میں نہ آیا اور نور فانوس بڑھ کر دن ہو گیا ابلیس کہتا ہے کیا اب بھی چراغ نہ بجھائے گا آفتاب روشن ہے۔ احمق اب تجھے چراغ کی کیا حاجت ہے۔

ابلہے کو روز روشن شمع کافوری نہد

(بیوقوف روشن دن کافوری شمع رکھتا ہے۔)

ہدایت الٰہی اگر دستگیر ہے تو بندہ لاحول پڑھتا اور اس ملعون کو دفع کرتا ہے کہ او عدو اللہ! یہ جسے تو دن یا آفتاب کہہ رہا ہے آخر کیا ہے۔ اسی فانوس کا تو نور ہے۔ اسے بجھایا تو نور کہاں سے آئے گا، اس وقت وہ دغاباز خائب و خاسر پھرتا ہے اور بندہ نُورٌ عَلَى نُورٍ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ (النور ۳۵) (نور پر نور ہے اور اپنے نور کی راہ بتاتا ہے جسے چاہتا ہے۔) کی حمایت میں نور حقیقی تک پہنچتا ہے اور اگر دم میں آ گیا اور سمجھا کہ ہاں دن تو ہو گیا اب مجھے چراغ کی کیا حاجت ہے ادھر فانوس بجھا اور معاً اندھیر اگھپ کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا۔ جیسا کہ قرآن مجید نے فرمایا: ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرَاهَا وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ (النور ۴۰) ایک پر ایک اندھیریاں ہیں، اپنا ہاتھ نکالے تو نہ سوجھے اور جسے خدا نور نہ دے اس کے لئے نور کہاں۔

یہ ہیں وہ کہ طریقت بلکہ حقیقت تک پہنچ کر اپنے آپ کو شریعت سے مستغنی سمجھے اور ابلیس کے فریب میں آکر اس الٰہی فانوس کو بجھا بیٹھے کاش یہی ہوتا کہ اس کے بجھنے سے جو عالمگیر اندھیرا ان کی آنکھوں میں چھایا جسے دن دہاڑے چوپٹ کر دیا ان کو اس کی خبر ہوتی کہ شاید توبہ کرتے فانوس کا مالک ندامت والوں پر مہر رکھتا ہے۔ پھر انھیں روشنی دیتا، مگر ستم اندھیر تو یہ ہے کہ دشمن ملعون نے جہاں فانوس خاموش کرائی اس کے ساتھ ہی معاً اپنی ساز شی بتی جلا کر ان کے ہاتھ میں دے دی یہ اسے نور سمجھ رہے ہیں اور وہ حقیقۃً نار ہے۔ یہ مگن ہیں کہ شریعت والوں کے پاس کیا ہے۔ ایک چراغ ہے ہمارا نور آفتاب کو لئے جارہا ہے۔ وہ قطرہ اور یہ ایک دریا ہے۔ اور خبر نہیں کہ وہ حقیقۃً نور ہے۔ اور یہ دھوکے کی ٹٹی، آنکھ بند ہوتے ہی حال کھل جائے گا کہ باکہ باختہ عشق در شب دیجور (اندھیری رات میں کس سے عشق بازی کی۔)

بالجملہ شریعت کی حاجت ہر مسلمان کو ایک ایک سانس ایک ایک پل ایک ایک لمحہ پر مرتے دم تک ہے اور طریقت میں قدم رکھنے والوں کو اور زیادہ کہ راہ جس قدر باریک اس قدر ہادی کی زیادہ حاجت ولہذا حدیث میں آیا حضور سیدی عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

المتعبد بغیر فقه کالحمار فی الطاحون، رواہ ابو نعیم فی الحلیة عن واثلة بن الاسقع رضی اللہ تعالٰی عنه۔[145]

بغیر فقہ کے عبادت میں پڑنے والا ایسا ہے جیسا کہ چکی کھینچنے والا گدھا کہ مشقت جھیلے اور نفع کچھ نہیں (اسے ابو نعیم نے حلیہ میں واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔)

امیر المومنین مولی علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: قصم ظھری اثنان جھل متنسک و عالم متھتک۔ دو شخصوں نے میری پیٹھ توڑ دی (یعنی وہ بلائے بے درماں ہیں) جاہل عابد اور عالم جو علانیہ بیباکانہ گناہوں کا ارتکاب کرے۔

اے عزیز! شریعت عمارت ہے اور اس کا اعتقاد بنیاد اور عمل چنائی، پھر اعمال ظاہر وہ دیوار ہیں کہ اس بنیاد پر ہوا میں چنے گئے، اور جب تعمیر اوپر بڑھ کر آسمان تک پہنچی وہ طریقت ہے۔ دیوار جتنی اونچی ہو گی نیو کی زیادہ محتاج ہو گی اور نہ صرف نیو کہ بلکہ اعلٰی حصہ اسفل کا بھی محتاج ہے۔ اگر دیوار نیچے سے خالی کر دی جائے اوپر سے بھی گر پڑے گی، احمق وہ جس پر شیطان نے نظر بندی کر کے اس کی چنائی آسمانوں تک دکھائی اور دل میں ڈالا کہ اب ہم تو زمین کے دائرے سے اونچے گزر گئے ہمیں اس سے تعلق کی کیا حاجت ہے۔ نیو سے دیوار جدا کر لی اور نتیجہ وہ ہوا جو قرآن مجید نے فرمایا کہ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ (التوبة ۱۰۹) اس کی عمارت اسے لے کر جہنم میں ڈھے پڑی۔

والعیاذ باللہ رب العالمین

اسی لئے اولیائے کرام فرماتے ہیں صوفی جاہل شیطان کا مسخرہ ہے۔ اسی لئے حدیث میں آیا حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: فقيه أشد علی الشيطان من ألف عابد[146] ایک فقیہ شیطان پر ہزاروں عابدوں سے زیادہ بھاری ہے (اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔)

---

[145] (حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ترجمہ ۳۱۸ خالد بن معدان دار الکتاب العربی بیروت ۲۱۹/۵)

[146] سنن الترمذی، ج۵، ص۴۸، سنن ابن ماجہ، ج۱، ص ۸۱

بے علم مجاہدہ والوں کو شیطان انگلیوں پر نچاتا ہے منہ میں لگام، ناک میں نکیل ڈال کر جدھر چاہے کھینچے پھرتا ہے وہم وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا (الكهف ۱۰۴) اور وہ اپنے جی میں سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں۔[147]

ہر آدمی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جس شعبہ سے متعلق بات کرنا چاہتا ہے تو اسے اس شعبہ کے بنیادی اصول وضوابط و قواعد کو جاننا اشد ضروری ہے۔ کیونکہ ہر علم کے کچھ بنیادی اصول ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ الیواقیت والجواہر میں امام ابن عربی کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

ما من طائفة تحمل علما من المنطقين و النحاة و اهل الهندسة و الحساب و المتكلمين و الفلاسفة الا و لهم اصطلاح لا يعلمه الدخيل فيهم الا بتوقيف منهم۔

علماء منطق، نحو، ہندسہ، حساب، عقائد اور فلسفہ کی اپنی اپنی اصطلاحات ہوتی ہیں جن کو ان علماء کے بتانے کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔[148]

الشیخ عبد القادر عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ حقائق عن التصوف میں لکھتے ہیں۔

فان لكل فن من الفنون او علم من العلوم كالفقه و الحديث و المنطق و النحو و الهندسة و الجبر و الفلسفة اصطلاحات خاصة به لا يعلمها الا ارباب ذالک العلم۔

تمام علوم وفنون مثلاً فقہ، حدیث، منطق، نحو، ہندسہ، الجبرا اور فلسفہ وغیرہ کی اپنی مخصوص اصطلاحات ہیں جو ان علوم کے ماہرین جانتے ہیں۔[149]

الشیخ القاضی العلامۃ محمد اعلی بن علی الفاروقی (المتوفی ۱۱۹۱ھ۔ لکھتے ہیں:

الشطح من مصطلحات الصوفية۔

شطح صوفیائے کرام کی اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح ہے۔[150]

تو ہم واضح یہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہر علم کی الگ الگ اصطلاحات ہوتی ہیں۔ ہمارے ہاں جو علماء اور مشائخ کے درمیان نزاع کی نوبت آ جاتی ہے تو اس کی بنیادی وجہ یہ ہوتی ہے کہ علماء، صوفیاء کی اصطلاحات سے واقف نہیں ہوتے اور مشائخ، علماء و محدثین کی اصطلاحات سے انجان ہوتے ہیں۔ ہم متقدمین مشائخ و علماء کی بات نہیں کر رہے کیونکہ تقریباً دو اڑھائی سو سال قبل تک علم ظاہر اور علم باطن کا مرکز ایک ہی ہوتا تھا جو بھی مدرسہ سے فارغ التحصیل ہوتا وہ بیک وقت صوفی بھی ہوتا اور عالم بھی ہوتا۔ اگر صاحب رتبہ صوفی نہ بھی ہوتا تو فکری و نظری طور پر تصوف واہل تصوف سے ضرور واقف ومانوس ہوتا اور بقدر ظرف طلب ان سے فیض یاب بھی ہوتا تھا۔ لیکن زوال امت اور مغربی غلامی کے آغاز سے یعنی تقریباً دو اڑھائی سو سال سے علماء وصوفیاء کو الگ الگ کر دیا گیا ہے نہ وہ ان سے واقف رہے نہ یہ ان سے واقف رہے۔

---

[147] فتاویٰ رضویہ، ج ۲۱، ص ۱۰۶، شریعت وطریقت، ص ۲

[148] اليواقيت والجواهر فى بيان عقائد الاكابر ج ۱ ص ۲۰

[149] حقائق عن التصوف ص ۲۵۸۔ از دیوان پریس برطانیہ

[150] کشاف اصطلاحات الفنون جلد ۲ ص ۹۴ سہیل اکیڈمی لاہور

بوجہ درج بالا کئی ایک سائل و معاملات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں جن پر تحقیقِ مزید کے بجائے بات خواہ مخواہ کی بحث و تنقیص پہ جا پہنچتی ہے جس سے اکابرین و سلف صالحین کے طریقہ و تربیت سے آدمی کہیں دور جا نکلتا ہے۔ مثلاً ایک معاملہ جو سوال کی شکل میں اکثر پیش آتا ہے کہ:

صوفیائے کرام جو احادیثِ مبارکہ "قال رسول اللہ ﷺ" لکھ کر بیان کرتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر احادیث صحاح ستہ کی کتابوں میں نہیں ملتی تو کیا ان احادیث کا انکار اس بناء پر کیا جا سکتا ہے کہ چونکہ یہ صحاح ستہ میں موجود نہیں ہیں لہٰذا یہ احادیث ہی نہیں ہیں؟ کچھ لوگ صوفیاء کرام کی کتابوں میں ان کی نقل کردہ احادیث مبارکہ کو نہیں مانتے بلکہ صرف اسی کو حدیث مانتے ہیں جو صحاح ستہ میں ہوں۔ کچھ لوگ صوفیاء کرام کی معمولات پر اعتراضات کرتے ہیں حالانکہ وہ معمولات سلف صالحین سے منقول ہوتے ہیں اور اس انکار کی وجہ سے اللہ والوں سے دشمنی مول لیتا ہے جو ان کی ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے۔

اس مسئلہ کو بیان کرنے سے پہلے ایک بنیادی مقدمہ کا سمجھنا نہایت ہی ضروری ہے۔ حضور شہنشاہِ بغداد حضرت شیخ عبد القادر جیلانی الحسنی الحسینی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فالانسان علی نوعین: جسمانی و روحانی۔

پس انسان کی دو حالتیں ہیں جسمانی اور روحانی۔ [151]

سندِ اصفیاء و اتقیاء و علماء حضرت امام عبد الوہاب شعرانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

الانسان مرکب من جسم و روح۔ انسان مرکب ہے جسم اور روح سے۔ [152]

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

واعلم ان الانسان مرکب من جسد و من روح۔

اور جان لے کہ انسان مرکب ہے جسم اور روح سے۔ [153]

ان جلیل القدر شیوخ امت کی درج بالا عبارات سے مترشح ہوا کہ اللہ رب العزت نے انسان کو بشریت اور روحانیت کا مرکب بنایا ہے اور انسان کی ظاہری اور باطنی تطہیر کے لئے دو علوم (علم ظاہر یعنی علم شریعت اور علم باطن یعنی علم روحانیت) عطا فرمائے جن کو قرآن مجید اور احادیثِ رسول ﷺ میں مختلف مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا (الکھف ۶۵)

تو دونوں نے (وہاں) ہمارے بندوں میں سے ایک (خاص) بندے (خضر علی نبینا وعلیہ السلام) کو پالیا جسے ہم نے اپنی بارگاہ سے (خصوصی) رحمت عطا کی تھی اور ہم نے اسے علم لدنی (یعنی اسرار و معارف کا الہامی علم) سکھایا تھا۔ [154]

امام ابی عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر القرطبی علیہ الرحمہ (المتوفی: ۶۷۱ھ) وعلمناہ من لدنا علما کی تفسیر لکھتے ہوئے فرماتے

---

[151] سر الاسرار و مظہر الانوار فی مایحتاج الیہ الابرار ص ۱۳ دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان

[152] لواقع الانوار القدسیۃ فی بیان العھود المحمدیہ ص ۱۳۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان

[153] تفسیر کبیر جلد ۱ ص ۱۵۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان

[154] ﴿الکھف ۶۵﴾

ہیں: **ای علم الغیب ابن عطیه: کان علم الخضر معرفته بواطن قد اوحیته الیه۔** یعنی علمِ غیب ہے اور ابن عطیہ کا قول ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کا علم باطنی حقائق کا جاننا تھا جو ہم نے ان کی طرف وحی کیا۔[155]

امام نور الدین علی بن سلطان الہروی المکی الحنفی المعروف بہ الملا علی القاری (المتوفی:۱۰۱۴ھ) علیہ الرحمہ **وعلمناہ من لدنا علما** کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

العلم اللدنی مایحصل من طریق الھام دون التکلیف بالطلب۔

علم لدنی وہ ہے جو طلب کی مشقت کے بجائے الہام کے طریقہ سے حاصل ہو۔[156]

صاحب عرائس البیان الشیخ العارف باللہ ابی محمد صدر الدین روزبھان ابی نصر البقلی الشیرازی (المتوفی:۶۰۶ھ) علیہ الرحمہ **وعلمناہ من لدنا علما** کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

من المعارف القدسیة والحقائق الکلیة اللدنیة بلا واسطة تعلیم بشری۔

معارف قدسیہ اور حقائق کلیہ لدنیہ میں سے علم لدنی ہے جو تعلیم بشری کے واسطے کے بغیر حاصل ہوتا ہے۔[157]

الشیخ اسماعیل حقی بن مصطفی الحنفی (المتوفی:۱۱۲۷ھ) علیہ الرحمہ **وعلمناہ من لدنا علما** کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

خاصا ھو علم غیوب والاخبار عنھا باذنه تعالی علی ماذھب الیه ابن عباس رضی اللّٰہ تعالی عنھما او علم الباطن۔

(علم لدنی) حقیقتاً علم غیب کی خبریں ہیں اللہ تعالیٰ کے اذن سے۔ اس کی طرف حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما گئے ہیں یا علم لدنی سے مراد علم باطن ہے۔

علامہ اسماعیل حقی آگے لکھتے ہیں:

وعلمناہ من لدنا علما وھو علم معرفة ذاته وصفاته الذی لا یعلمه احد الا بتعلیمه ایاہ (وعلمناہ من لدنا علما) علم لدنی اس کی ذات وصفات کی معرفت کا نام ہے اسے کوئی ایک بھی نہیں جانتا مگر جسے وہ بطورِ خاص سکھائے۔[158]

امام ابی العباس احمد بن المہدی ابن عجیبہ الحسنی (المتوفی:۱۲۲۴ھ) علیہ الرحمہ **وعلمناہ من لدنا علما** کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

العلم اللدنی: ھو الذی یفیض علی القلب من غیر اکتساب ولا تعلم۔

علم لدنی وہ علم ہے جو بغیر کسب اور بغیر سیکھے قلب (دل) پر وارد ہو۔[159]

علامہ عصام الدین اسماعیل بن محمد الحنفی علیہ الرحمہ (المتوفی:۱۱۹۵ھ) **وعلمناہ من لدنا علما** کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قوله (وھو علم الغیوب) والمراد بالغیب ھنا الخفی لا ینتصب علیه دلیل وقد اعلم اللّٰہ الخضر بعضا من تلک الغیوب۔

---

[155] تفسیر قرطبی جلد ۱۳ ص ۳۲۵، مکتبۃ الرسالۃ العالمیۃ

[156] تفسیر ملاعلی قاری المسمی انوار القرآن واسرار الفرقان جلد ۳ ص ۲۱۹، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان

[157] تفسیر عرائس البیان فی حقائق القرآن جلد ۲ ص ۴۳۲، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان

[158] تفسیر روح البیان جلد ۵ ص ۲۷۲، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان

[159] تفسیر بحر المدید فی تفسیر القرآن المجید جلد ۴ ص ۱۷۹ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان

اوروہ علم غیوب ہے اور غائب سے مراد یہاں خفی علم ہے جس پر دلیل قائم نہیں ہوتی ہے اوراللہ جل شانہ نے حضرت خضر علیہ الصلوۃ والسلام کو بعض ان غیوب میں سے علم عطا کیا تھا۔[160]

علامہ القاضی ابو محمد عبد الحق بن غالب بن عطیہ الاندلسی علیہ الرحمہ (المتوفی:۵۴۶ھ) وعلمناہ من لدنا علما کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال القاضی ابو محمد: کان علم الخضر معرفۃ بواطن۔

قاضی ابو محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام کا علم باطن کی معرفت تھا۔[161]

امام ابی محمد الحسین بن سعود القراء البغوی الشافعی علیہ الرحمہ (المتوفی:۵۱۶ھ) وعلمناہ من لدنا علما کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ای علم الباطن الہاما۔ علم باطن الہاماً عطا کرنا۔[162]

امام صاوی علیہ الرحمہ وعلمناہ من لدنا علما کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ای مما یختص بنا و لا یعلم بواسطۃ معلم من اہل الظاہر۔

جو خاص ہے ہمارے ساتھ اوراس کا حصول علم ظاہر کے معلم کے ساتھ نہیں ہے۔[163]

قرآن مجید میں ایک اور جگہ پر علم باطن سے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (البقرۃ ۱۵۱)

اسی طرح ہم نے تمہارے اندر تمہیں میں سے (اپنا) رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں (نفسًا و قلبًا) پاک صاف کرتا ہے اور تمہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت و دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں وہ (اسرارِ معرفت و حقیقت) سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

الشیخ علی بن سلطان محمد القاری علیہ الرحمہ (المتوفی:۱۰۱۴ھ) اس آیت کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں:

بالفکر و النظر اذ لا طریق الی معرفتہ سوی الوحی و کرر الفعل لیدل علی انہ جنس آخر۔

تم ان علوم کو نظر و فکر کے ذریعے نہیں جانتے کیونکہ اس کی معرفت کی طرف وحی کے علاوہ کوئی راستہ نہیں اور یہاں فعل (یعلمکم) کا تکرار اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ (علم) دوسری جنس سے ہے۔[164]

خاتمۃ المحققین وعمدۃ المدققین مفتی بغداد علامہ ابی الفضل شہاب الدین السید محمود آلوسی البغدادی علیہ الرحمہ (المتوفی:

---

[160] حاشیۃ القونوی علی تفسیر امام بیضاوی جلد ۱۲ ص ۱۲۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان
[161] المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز جلد ۳ ص ۵۲۹، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان
[162] تفسیر البغوی جلد ۳ ص ۱۴۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان
[163] تفسیر صاوی جلد ۴ ص ۱۲۰۸
[164] تفسیر انوار لقرآن واسرار الفرقان ج ۱ ص ۱۳۶

سنہ ۱۲۷۰ھ) نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر بیان فرمائی ہے:[165]

الشیخ القاضی ثناء اللہ العثمانی الحنفی المظہری علیہ الرحمہ اس آیت کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں:

تکرار الفعل یدل علی ان ھذا التعلیم من جنس آخر و لعل المراد بہ العلم اللدنی۔ (یعلمکم) فعل کا تکرار اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ تعلیم دوسری قسم کی ہے اور شاید اس سے مراد علم لدنی ہے۔[166]

قرآن مجید کی آیات مبارکہ اور ان کی تفاسیر سے خوب واضح ہو گیا ہے کہ علم ظاہر کے ساتھ ایک دوسرا علم بھی ہے جو علم باطن کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور حضور نبی پاک ﷺ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو ان دونوں علوم کی باقاعدہ تعلیم فرمائی۔

حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: "حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِعَاءَيْنِ: فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهُ، وَأَمَّا الآخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهُ قُطِعَ هَذَا البُلْعُومُ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضور نبی پاک ﷺ سے دو اقسام کے علم سیکھے ہیں ایک کو تو میں نے بیان کر دیا اور دوسرے کو اگر میں بیان کروں تو میرا یہ حلقوم کاٹ دیا جائے گا۔[167]

الحافظ الامام بدر الدین ابی محمد بن احمد العینی علیہ الرحمہ (المتوفی: ۸۵۵ھ) اسی حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قالت المتصوفة: المراد بالاول علم الاحکام و الاخلاق و بالثانی علم الاسرار المصون عن الاغیار المختص بالعلماء باللہ من اھل العرفان وقال آخرون منھم: العلم المکنون علما وھو نتیجة الخدمة وثمرة الحکمة لا یظفر بھا الا الغواصون فی بحار المجاھدات و لا یسعد بھا الا المصطفون بانوار المجاھدات و المشاھدات۔

صوفیاء کرام فرماتے ہیں پہلے ظرف سے مراد احکام اور اخلاق کا علم ہے اور دوسرے ظرف سے مراد اسرار و رموز کا علم جو اغیار سے محفوظ ہے اور اہل عرفان علماء باللہ کے ساتھ خاص ہے۔ اور دیگر صوفیاء نے کہا: اس سے مراد مخفی علم ہے اور وہ راز جو محفوظ ہے اور یہ (مقربین) کی خدمت کا نتیجہ اور حکمت کا ثمرہ ہے۔ یہ ان ہی کو حاصل ہوتا ہے جو مجاہدات کے سمندروں میں غوطہ لگاتے ہیں اور یہ ان ہی پر منکشف ہوتا ہے جن کے دل مجاہدات اور مشاہدات کے انوار سے روشن ہوتے ہیں۔[168]

و لعل المراد بالاول علم الاحکام و الاخلاق و بالثانی علم الاسرار المصون عن الاغیار المختص بالعلماء باللہ من اھل العرفان۔

اور شاید پہلے علم سے مراد احکام و اخلاق کا علم ہے اور دوسرے سے مراد اسرار و رموز کا علم ہے جو اغیار سے محفوظ ہے اور اہل عرفان میں سے علماء باللہ کے ساتھ خاص ہے۔[169]

شیخ المحققین حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ (المتوفی: ۱۰۵۲ھ) اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

---

[165] تفسیر روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم و السبع المثانی جلد ۱ ص ۲۸ المکتبة الحقانیة ملتان

[166] تفسیر المظہری جلد ۱ ص ۱۵۱۔۱۵۲، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان

[167] صحیح البخاری، باب حفظ العلم ص ۱۰۵، دار المعرفت بیروت لبنان

[168] عمدة القاری ج ۲ ص ۱۸۵ دار الاحیاء بیروت

[169] شرح الطیبی علی مشکاة المصابیح المسمی الکاشف عن حقائق السنن جلد ۱ ص ۴۵۷ مکتبة العلمیة بیروت لبنان

وگفتہ اند کہ مراد باول علم احکام واخلاق ست کہ مشترک است میان خواص وعوام فبثانی علم اسرار کہ محفوظ ومصوٗن است از اغیار از جہت باریکی وپوشیدگی آن وعدم وصول فہم ایشان بان ومخصوص است بخواص از علماء باللہ از اہل عرفان۔

اور علماء کرام فرماتے ہیں کہ اول علم سے مراد احکام واخلاق کا علم ہے اور (یہ علم) خواص وعوام میں مشترک ہے اور دوسرے علم سے مراد اسرار کا علم ہے جو اغیار سے محفوظ ومصئون (بچاہوا) ہے کیونکہ وہ اپنی باریکی پوشیدگی اور فہم عوام کے اس تک رسائی نہ ہونے کے باعث اہل عرفان علماء باللہ کے ساتھ خاص ہے۔[170]

العلامہ الشیخ علی بن سلطان محمد القاری علیہ الرحمہ (المتوفی:۱۰۱۴ھ) اس حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فاما احدهما وهو علم الظاهر من الاحكام والاخلاق واما الآخر وهو علم الباطن۔

پس دونوں علوم میں سے پہلا علم احکام اور اخلاق سے متعلق ہے اور وہ علم ظاہر ہے اور دوسرا وہ علم باطن ہے۔[171]

حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ مرأة شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے حضور ﷺ سے دو قسم کے علم ملے ایک علم شریعت جو میں نے تمہیں بتادیا اور دوسرا علم اسرار وطریقت وحقیقت کہ اگر وہ ظاہر کروں تو عوام نہ سمجھیں اور مجھے بے دین سمجھ کر قتل کردیں۔[172]

ان دونوں علوم کی مزید تائید حضور نبی کریم ﷺ کے اس ارشادِ گرامی سے ہوتی ہے۔ حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مرسلا روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

العلم علمان: فعلم فى القلب فذاك العلم النافع وعلم على اللسان فذاك حجة الله عز وجل على ابن آدم۔ رواه الدارمى۔

علم دو قسم کا ہے پس ایک قلب کا علم ہے پس یہی علم نافع ہے اور دوسرا زبان کا علم ہے پس یہ بنی آدم پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے[173]

الشیخ علی بن سلطان محمد القاری علیہ الرحمہ (المتوفی:۱۰۱۴ھ) اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قد يحمل الاول على علم الباطن والثانى على علم الظاهر۔

تحقیق محمول کیا ہے پہلے علم کو علم باطن پر اور دوسرے کو علم ظاہر پر۔[174]

امام شرف الدین حسین بن محمد بن عبد اللہ الطیبی علیہ الرحمہ (المتوفی:۷۴۳ھ) اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

ويمكن ان يحمل الحديث على علمى الظاهر والباطن۔

اور ممکن ہے کہ اس حدیث کو علم ظاہر اور علم باطن پر محمول کیا جائے۔[175]

---

[170] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۱۹۰ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان
[171] مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد ۱ ص ۴۷۹ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان
[172] مرأۃ شرح مشکوۃ جلد ۱ ص ۱۸۲ مکتبہ اسلامیہ لاہور
[173] مشکوۃ المصابیح کتاب العلم ص ۳۷ قدیمی کتب خانہ کراچی پاکستان
[174] مرقاۃ شرح مشکوۃ کتاب العلم حدیث نمبر ۲۷۰ جلد ۱ ص ۴۷۸ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان
[175] شرح الطیبی علی مشکاۃ المصابیح المسمی الکاشف عن حقائق السنن جلد ۱ ص ۴۱۶ مکتبہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ

حجۃ الاسلام امام ابی حامد محمد بن محمد الغزالی علیہ الرحمہ (المتوفی:۵۰۵ھ) علم طریق آخرت سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فاعلم انه قسمان: علم مکاشفة و علم معاملة فالقسم الاول علم المکاشفة و هو علم الباطن و ذلک غایة العلوم۔

پس جان لیں کہ اس کی دو قسمیں ہیں: علم مکاشفہ اور علم معاملہ پس پہلی قسم علم مکاشفہ ہے اور وہ علم باطن ہے اور وہ تمام علوم کی انتہا اور علت غائی ہے۔[176]

ان دونوں علوم کی تائید میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت نہایت ہی قابل ذکر ہے:

قال رسول اللہ ﷺ: انزل القرآن علی سبعة احرف لکل آیة منها ظاهر و باطن ولکل حد مطلع۔ رواه فی شرح السنه۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قرآن سات حرفوں پر اترا ہے ان میں ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن بھی اور ہر ظاہر اور باطن کی ایک حد ہے جہاں سے اطلاع ہے۔[177]

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ الاتقان فی علوم القرآن میں اس روایت کو ان الفاظ میں نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

واخرج ابو نعیم فی الحلیة عن ابن مسعود قال ان القرآن انزل علی سبعة احرف۔ ما منها حرف الا وله ظهر و بطن و ان علی بن ابی طالب عنده من الظاهر و الباطن۔

امام ابو نعیم اصفہانی حلیہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک قرآن پاک سات حروف پر نازل ہوا ہے کہ اس کے ہر حرف کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس ظاہر کا بھی اور باطن کا بھی علم ہے۔[178]

ان تمام دلائل سے یہ واضح ہوا کہ علم ظاہر کی طرح علم باطن بھی ہمارے دین کا درجہ ہے اور اس کی تعلیم دینا فرائض نبوت میں سے ہے اور زمانہ مصطفی ﷺ میں اس کی باقاعدہ تعلیم و تربیت دی جاتی تھی۔

اب حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ ان دونوں علوم کے باہمی ربط و تعلق کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

من تفقه و لم یتصوف فقد تفسق و من تصوف و لم یتفقه فقد تزندق و من جمع بینهما فقد تحقق۔

جس نے علم فقہ حاصل کیا اور تصوف سے بے بہرہ رہا پس وہ فاسق ہوا اور جس نے تصوف کو اپنایا مگر فقہ کو نظر انداز کر دیا وہ زندیق ہوا جس نے دونوں کو جمع کیا پس اس نے حق کو پالیا۔ (محقق بنا)[179]

حضرت امام ابو طالب المکی علیہ الرحمہ ان دونوں علوم کے ربط و تعلق کو یوں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

هما علمان اولیان لا یستغنی احدهما عن الآخر بمنزلة الاسلام و الایمان مرتبط کل منهما بالآخر کالجسم و القلب لا ینفک احد عن صاحبه۔ (رواه دارمی)

---

[176] احیاء العلوم الدین جلد ۱ ص ۳۵ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان

[177] مشکوۃ المصابیح کتاب العلم، ص ۳۵ قدیمی کتب خانہ کراچی پاکستان

[178] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثمانون فی طبقات المفسرین تفسیر الصحابہ۔ حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء جلد ۱ ص ۶۵ دار الکتب العربی بیروت لبنان

[179] مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد ۱ ص ۴۷۸ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان

یہ دونوں علوم اصل ہیں کوئی ایک بھی دوسرے سے مستغنی نہیں ہو سکتا یہ بمنزل ایمان اور اسلام کے ہیں ان کا ایک دوسرے سے تعلق جسم اور دل کی طرح ہے کوئی ایک بھی دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتا۔[180]

اور اسی طرح امام الفقہاء والمجتہدین سید محمد امین ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ (المتوفی: ۱۲۵۲ھ) نے ان دونوں علوم کے باہمی ربط کو یوں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَهِيَ وَالطَّرِيقَةُ وَالشَّرِيعَةُ مُتَلَازِمَةٌ۔ اور یہ طریقت اور شریعت لازم وملزوم ہیں۔[181]

امام ابو القاسم قشیری علیہ الرحمہ شریعت وطریقت کے باہمی ربط کو یوں بیان کرتے ہیں:

و کل شریعة غیر مؤیدة بالحقیقة فغیر مقبول و کل حقیقة غیر مقیدة بالشریعة فغیر مقبول۔

پس جس شریعت کو حقیقت کی تائید حاصل نہ ہو وہ غیر مقبول ہے اور جو حقیقت شریعت سے مقید نہ ہو وہ بھی غیر مقبول ہے۔[182]

الشیخ القاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ علم باطن کہاں سے حاصل ہو گا؟ اور اس کا ماخذ و مصدر کیا ہے؟

العلم اللدني المأخوذ من بطون القران و من مشكوة صدر النبي صلى الله عليه وسلم الذي لا سبيل الى دركه الا الانعكاس و اما درک درکه فبعيد عن القياس۔

علم اللدنی کے حصول کا ذریعہ قرآن کا باطن اور حضور نبی کریم ﷺ کا سینہ اطہر ہے اس علم اللدنی کے حصول کا فقط واحد ذریعہ انعکاس ہے اس کا ادراک کا پتہ چلانا بعید از قیاس ہے۔[183]

بطونِ قرآن اور سینہ مصطفی ﷺ تک رسائی فقط طہارت باطنی سے ہی ممکن ہے اور قرآنی اصطلاح میں طہارت باطنی کو تزکیۂ نفس کا نام دیا گیا ہے اور یہی تزکیۂ نفس انسان کی کامیابی کی ضمانت ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى (الاعلیٰ ۱۴)

بے شک وہی بامراد ہوا جو (نفس کی آفتوں اور گناہوں کی آلودگی سے) پاک ہو گیا۔[184]

نجیب الطرفین کریم الابوین السید الشریف الشیخ محی الدین ابی محمد عبد القادر الجیلانی البغدادی الحسنی الحسینی قدس سرہ (المتوفی: ۵۶۱ھ) اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تفسیر الجیلانی میں لکھتے ہیں:

وتطهير عن ادناس الطبائع واكدار الهيولى من الميل الى الدنيا وما فيها من اللذات الفانية والشهوات الغير الباقية وتوجه نحو المولى بالعزيمة الخالصة۔

---

[180] مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد ۱ ص ۴۷۸ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان۔ شرح الطیبی علی مشکوۃ المصابیح المسمیالکاشف عن حقائق السنن جلد ۱ ص ۴۵۶ دار الکتب العلمیة بیروت لبنان

[181] رد المحتار علی در المختار جلد ۴ ص ۲۳۹ مکتبہ امدادیہ ملتان

[182] الرسالة القشیریة ص ۱۱۸ دار الکتب العلمیة بیروت لبنان

[183] التفسیر المظھری جلد ۱ ص ۱۵۲ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان

[184] ﴿سورۃ الاعلی ۱۴﴾

اور پاک ہو طبیعتوں کے میل کچیل سے اور مادہ کی کدورتوں سے یعنی دنیا کی طرف مائل ہونے سے اور جو اس میں لذات فانیہ ہیں ان سے اور فانی شہوات سے اور تو متوجہ ہو اپنے مولیٰ کی طرف خالص عزیمت وارادے کے ساتھ (یعنی ہر چیز سے کٹ کر)[185]

اور علامہ اسماعیل حقی علیہ الرحمہ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی (الاعلیٰ ۱۴) کے تحت لکھتے ہیں:

وفی الأیۃ اشارۃ الی تطہیر النفس عن المخالفات الشرعیۃ وتطہیر القلب عن المحبۃ الدنیویۃ بل عن ملاحظۃ الغیر و التوجہ الی اللّٰہ تعالی بقدر الاستعداد۔

اس آیت میں اشارہ ہے کہ نفس کو مخالفتِ شرعیہ سے پاک کرنے اور قلب کو حب دنیا سے اور غیر اللہ کی طرف دیکھنے سے پاک کیا جائے اور صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف بقدر استعداد متوجہ کرے۔[186]

اور قرآن مجید میں ایک اور تمام پر تزکیہ نفس سے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَکّٰاهَا (۹) وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰاهَا (الشمس ۱۰)

بے شک وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اس (نفس) کو (رذائل سے) پاک کر لیا (اور اس میں نیکی کی نشو و نما کی) اور بے شک وہ نامراد ہو گیا جس نے اسے (گناہوں میں) ملوث کر لیا (اور نیکی کو دبا دیا)۔

حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

معناہ قد افلح من زکی نفسہ فاصلحہا و حملہا علی طاعۃ اللّٰہ عز و جل۔

اس کا معنی یہ ہے بے شک وہ شخص کامیاب ہو گیا جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا اور اس کی اصلاح کر لی اور اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر آمادہ کر لیا۔[187]

تو تزکیہ نفس کرنے سے انسان کے دل میں نور پیدا ہو جاتا ہے جس کو صوفیانہ اصطلاح میں علم باطن کہتے ہیں جیسا کہ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

علم المکاشفۃ فھو عبارۃ عن نور یظھر فی القلب عند تطھیرہ و تزکیہ من صفاتہ المذمومۃ۔

علم مکاشفہ نور سے عبارت ہے اور وہ ظاہر ہوتا ہے دل میں اس کے صفاتِ مذمومہ سے طہارت اور پاکیزگی کے وقت۔[188]

اور ان کی مزید وضاحت کرتے ہوئے امام ابی العباس احمد بن محمد بن المہدی ابن عجیبہ الحسنی لکھتے ہیں:

و ذالک بعد تطھیر القلب من النقائص و الرذائل و تفرغہ من العلائق و الشواغل فاذا کمل تطھیر القلب و انجذب الی حضرۃ الرب فاضت علیہ العلوم اللدنیۃ و الاسرار الربانیۃ۔

اور (اس نور کا پیدا ہو جانا) قلب کا نقائص اور رذائل سے پاک ہونے اور دل کا علائق و شواغل سے فارغ ہونے کے بعد ہے۔ پس جب دل کی طہارت مکمل ہو جاتی ہے اور اللہ رب العزت کی حضوری نصیب ہوتی ہے تو علم لدنیہ اور اسرار ربانیہ (دل) پر وارد ہونے

---

[185] تفسیر جیلانی جلد ۵ ص ۱۰۴ دار الکتب العلمیۃ

[186] روح البیان تفسیر القرآن جلد ۱۰ ص ۱۴۱۷ مکتبہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان

[187] تفسیر بغوی المسمی معالم التنزیل جلد ۴ ص ۴۶۰ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان۔ تفسیر مظہری جلد ۷ ص ۴۶ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان

[188] احیاء العلوم الدین جلد ۱ ص ۳۶ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان

لگتے ہیں۔[189]

شیخ محقق حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وبعضے میگویند کہ این بشارت است برائیان جمال اورا در خواب کہ آخر بعد از ارتفاع کدورات نفسانیہ وقطع علائق جسمانیہ بمرتبہ کہ بے حجاب کشفاو عیانا د بیداری باین سعادت فائز باشند۔

بعض ارباب معرفت کہتے ہیں کہ یہ خواب میں جمال محمدی ﷺ کا دیدار کرنے والے خوش بختوں کے لئے بشارت ہے کہ جسمانی کدورتوں کے اٹھ جانے اور جسمانی تعلقات منقطع ہو جانے کے بعد اس مقام کو پہنچ جائیں گے کہ بحالت بیداری کشف اور مشاہدے میں اس سعادت کو حاصل کریں گے۔[190]

اور اسی سے متعلقہ حجۃ الاسلام امام محمد بن محمد الغزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المنقذ من الضلال میں لکھتے ہیں:

وو راء العقل طور آخر تنفتح فیه عین اخری یبصر بها الغیب و ما سیکون فی المستقبل و امور ا اخری العقل معزول عنها۔

اور ماوراء عقل ایک اور راستہ ہے جس میں دوسری آنکھ کھل جاتی ہے جس کے ذریعے غیب کا ادراک ہوتا ہے اور مستقبل میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات اور دیگر ایسے امور جس سے عقل قاصر ہوتی ہے وہ بھی نظر آنے لگتے ہیں۔[191]

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ الرسالۃ اللدنیہ میں لکھتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما من عبد الا و لقلبه عینان۔ و هما عینان یدرک بهما الغیب فاذا اراد اللہ تعالی بعبد خیرا فتح عینی قلبه لیری ما هو غائب عن بصره۔

ہر بندے کے دل کی دو آنکھیں ہیں۔ جن سے وہ غائب کا ادراک کرتا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے قلب کی دونوں آنکھوں کو کھول دیتا ہے تاکہ وہ ان چیزوں کو بھی دیکھ لے جو اس کی ظاہری آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔[192]

نور باطن کی وسعت کا اندازہ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد سے لگائیے آپ فرماتے ہیں:

و من اول الطریقة تبتدئ المشاهدات و المکاشفات حتی انهم فی یقظتهم یشاهدون الملائکة و ارواح الانبیاء و یسمعون منهم اصواتا و یکتسبون منهم فوائد۔

اور ابتدائے طریقت میں مکاشفات و مجاہدات شروع ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ عین حالت بیداری میں بھی وہ ملائکہ اور ارواح انبیاء علیہم السلام کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان کی باتیں سنتے ہیں اور ان سے اکتساب فیض کرتے ہیں[193]

اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ امت محمدیہ ﷺ میں بہت سے پاکیزہ نفوس اس مقام پر پہنچے جو مجلس نبوی ﷺ میں حاضر اور

---

[189] تفسیر بحر المدید جلد ۴ ص ۱۷۹ مکتبہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان

[190] اشعۃ اللمعات جلد ۳ ص ۶۸۵ المکتبۃ الحبیبیۃ کانسی روڈ کوئٹہ

[191] مجموعہ رسائل امام غزالی المنقذ من الضلال ص ۶۲ مکتبہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان

[192] مجموعہ رسائل امام غزالی الرسالۃ اللدنیہ ص ۲۲ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان

[193] مجموعہ رسائل امام غزالی المنقذ من الضلال ص دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان۔ تفسیر روح المعانی جز ۲۲ ص ۵۷ المکتبہ الحقانیہ ملتان لاہور

بارگاہِ نبوی ﷺ سے براہِ راست ہدایت ور ہنمائی حاصل کرتے ہیں جیسا کہ علامہ محمد عبد الرؤف المناوی علیہ الرحمہ (المتوفی:۱۰۳۱ھ) حدیث **طوبی لمن رانی** کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والعارفون یرونہ فی عالم الحس یقظۃ حتی قال الشیخ ابو العباس المرسی: لو احتجب عنی رسول اللہ ﷺ طرفۃ عین ماعددت نفسی من الفقراء وفی روایۃ من المسلمین۔

یعنی عارفین آپ ﷺ کو عالم بیداری میں دیکھتے ہیں یہاں تک کہ حضرت شیخ ابو العباس المرسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر رسول اللہ ﷺ ایک پل کے لئے بھی مجھ سے اوجھل ہوں تو میں اپنے آپ کو (اس وقت) فقراء میں شمار نہیں کرتا اور ایک روایت میں ہے مسلمانوں میں شمار نہیں کرتا۔[194]

امام جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی:۹۱۱ھ) حضرت شیخ ابو العباس المرسی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یوں لکھتے ہیں:

وقال الشیخ لو حجب عنی رسول اللہ ﷺ طرفۃ عین ماعددت نفسی من المسلمین

اگر رسول اللہ ﷺ ایک لمحہ بھر بھی مجھ سے محجوب ہوں تو میں اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار نہیں کرتا۔[195]

عارف باللہ احمد بن محمد بن عجیبہ شرح الحکم میں حضرت الشیخ ابو العباس المرسی کا قول یوں نقل کرتے ہیں:

قال ابو العباس المرسی لی ثلاثون سنۃ ما غاب عنی رسول اللہ ﷺ طرفۃ عین ولو غاب عنی ما اعددت نفسی من المسلمین۔

ابو العباس المرسی نے فرمایا تیس سال سے میری یہ کیفیت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مجھ سے ایک پل بھی علیحدہ (غائب) نہیں ہوئے اگر آپ ﷺ مجھ سے اوجھل ہو جائیں تو میں خود کو مسلمانوں میں شمار نہیں کرتا۔[196]

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ الحاوی للفتاوی مین شیخ خلیفہ بن موسی النہر ملکی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

وقال ایضا فی ترجمۃ الشیخ خلیفۃ بن موسی النہر ملکی: کان کثیر الرؤیۃ لرسول اللہ ﷺ یقظۃ ومناما فکان یقال ان اکثر افعالہ متلقاۃ منہ بامر منہ اما یقظۃ اما مناما۔ ورأہ فی لیلۃ واحدۃ سبع عشر مرۃ۔

اسی طرح شیخ خلیفہ بن موسی النہر ملکی کے سوانح حیات میں ہے کہ ان کو حالت بیداری میں رسول اللہ ﷺ کا کثرت سے دیدار ہوتا تھا اور نیند کی حالت میں بھی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے اکثر امور آپ ﷺ سے حاصل شدہ تھے۔ اور آپ ﷺ کے حکم سے تھے وہ احکام یا تو حالت بیداری میں تھے یا حالت خواب میں بھی تھے اور ایک ہی رات میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے آقا علیہ السلام کی سترہ (۱۷) مرتبہ زیارت کی۔[197]

اسی روایت کو امام المحققین عمدۃ المدققین مفتی بغداد حضرت شیخ شہاب الدین سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی:۱۲۷۰ھ) نے بھی **تفسیر روح المعانی جلد ۱۱ جز ۲۲ ص ۵۱** پر نقل کیا ہے:

---

[194] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر جلد ۴ ص ۳۷۰ حدیث ۵۳۰۵ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان
[195] الحاوی للفتاوی جلد ۲ ص ۲۴۶ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان

[196] ابعاد الغمم عن ایقاظ الھمم فی شرح الحکم ص ۱۱۹ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان

[197] الحاوی للفتاوی جلد ۲ ص ۲۵۹ المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ

امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۹۷۳ھ) حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۹۱۱ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

والشیخ جلال الدین السیوطی کان یقول رأیت النبی ﷺ واجتمعت بہ یقظۃ نیفا وسبعین مرۃ۔

شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی مجلس اور زیارت حالت بیداری میں پچھتر (۷۵) مرتبہ کی۔[198]

علامہ ابی العباس احمد بن محمد بن المہدی ابن عجیبہ الحسینی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۱۲۲۴ھ) حضرت الشیخ ابو العباس المرسی کا قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

واھل ھذا المقام موجودون فی کل زمان فان القادر فی زمانھم ھو القادر فی زماننا۔

اس مقام ومرتبے والے لوگ ہر زمانے میں موجود ہوتے ہیں پس ان کے زمانہ میں جو (اس مقام پر) فائز رہے وہ ہمارے زمانہ میں بھی پائے گئے ہیں (یعنی کوئی زمانہ ایسے لوگوں سے خالی نہیں رہا)۔[199]

امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

واعلم ان مقام مجالسۃ رسول اللہ ﷺ عزیزۃ جدا وقد جاء شخص الی سیدی علی المرصفی وانا حاضر فقال: یا سیدی قد وصلت الی مقام صوت اری رسول اللہ ﷺ یقظۃ ای وقت شئت۔

جان لے بے شک رسول اللہ ﷺ کی ہم نشینی بہت ہی پیاری ہے اور تحقیق ایک شخص سید علی مرصفی کی بارگاہ میں آیا اور میں بھی وہاں موجود تھا اس نے کہا یاسیدی میں ایک ایسے مقام تک پہنچ گیا ہوں جہاں میں حالت بیداری میں جس وقت بھی تمنا کرتا ہوں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کر لیتا ہوں۔[200]

الشیخ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ حضور شہنشاہِ بغداد حضرت شیخ عبد القادر جیلانی الحسنی الحسینی کے متعلق **الحاوی للفتاوی** میں اور شیخ الاسلام امام ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۹۷۴ھ) **فتاوی حدیثیہ** میں لکھتے ہیں:

قال الشیخ سراج الدین بن الملقن فی طبقات الاولیاء قال الشیخ عبد القادر الجیلانی رأیت رسول اللہ ﷺ قبل الظھر فقال لی یا بنی لم لا تتکلم؟ قلت یا ابتاہ انا رجل اعجمی کیف اتکلم علی فصحاء بغداد؟ فقال افتح فاک ففتحتہ فتفل فیہ سبعا وقال: تتکلم علی الناس وادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ فصلیت الظھر وجلست وحضرنی خلق کثیر فارتج علی فرایت علیا قائما بازائی فی المجلس فقال لی: یا بنی لم لا تتکلم؟ قلت یا ابتاہ قد ارتج علی فقال: افتح فاک ففتحتہ فتفل فیہ ستا فقلت: لم لا تکملھا سبعا؟ قال ادبا مع رسول اللہ ﷺ۔

شیخ سراج الدین بن الملقن طبقات الاولیاء میں فرماتے ہیں کہ شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ظہر سے پہلے دیکھا آپ ﷺ نے مجھے فرمایا اے میرے بیٹے تم کلام کیوں نہیں کرتے؟ میں نے عرض کی اے میرے حضور! میں عجمی ہوں کیسے بغداد کے فصیح وبلیغ لوگوں کے سامنے تقریر کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا منہ کھولو میں نے منہ کھولا پس آپ نے

---

[198] لواقع الانوار القدسیہ فی بیان العہود المحمدیہ ص ۱۶ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان

[199] تفسیر بحر المدید فی تفسیر القرآن المجید جلد ۳ ص ۲۶۳ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان

[200] لواقح الانوار القدسیہ فی بیان العہود المحمدیہ ص ۱۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان

سات مرتبہ اپنا لعابِ دہن ڈالا اور فرمایا لوگوں کو وعظ و نصیحت کیجئے اور بلایئے اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ۔ پس میں نے نماز ظہر ادا کی اور میں وعظ کیلئے بیٹھا تو بہت زیادہ لوگ جمع ہو گئے، مجھ پر کپکپی طاری ہوئی تو میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے برابر میں اسی مجلس میں دیکھا آپ نے مجھ سے فرمایا اے میرے بیٹے آپ کلام کیوں نہیں کرتے؟ میں نے عرض کی دادا حضور! مجھ پر کپکپی طاری ہو رہی ہے تو آپ نے فرمایا اپنا منہ کھولیئے میں نے اپنا منہ کھولا آپ رضی اللہ عنہ نے چھ مرتبہ لعابِ دہن ڈالا میں نے عرض کیا سات مرتبہ مکمل کیوں نہیں فرمایا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کے ادب و احترام کی وجہ سے۔ [201]

شیخ محقق حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حضور شہنشاہِ بغداد سیدنا شیخ عبد القادر الجیلانی رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں: در بھجۃالاسرار باسنادی کہ دروی دوواسطہ بیش نیست روایت کردہ کہ روزی غوث الثقلین شیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ عنہ بر کرسی نشستہ بود و وعظ میفرمود و قریب بدہ ہزار کس در پایہٗ وعظ وی حاضر و شیخ علی بن ہیتمی در زیر پائے کرسی شیخ نشست گاہ شیخ علی ہیتمی را خوابی برد پس شیخ عبد القادر قوم را فرمود اسکتوا پس ہمہ ساکت شدند تا آنکہ جز انفاس ازایشان شنیدہ نمیشد پس فرود آمد شیخ از کرسی و بایستاد بادب پیش شیخ علی مذکور می نگریست دروی پس بیدار شد شیخ علی و گفت شیخ عبد القادر بادی کہ دیدی تو آن حضرت را در خواب گفت نعم فرمود ازین جہت ادب درزیدم باتو ایستادیم در پیش تو فرمود بچہ وصیت کرد ترا آن حضرت ﷺ گفت بملازمت من مجلس ترا پس شیخ علی گفت انچہ من در خواب دیدم شیخ عبد القادر در بیداری دید و روایت کردہ اند کہ ہفت کس از مردان راہ درآن روز از عالم رفتند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

صاحب **بھجۃ الاسرار** اپنی ایسی سند سے روایت کرتے ہیں کہ جس میں صرف دو واسطے ہیں کہ ایک دن غوث الثقلین شیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ عنہ کرسی پر بیٹھے ہوئے وعظ فرما رہے تھے تقریباً دس ہزار افراد مجلس وعظ میں حاضر تھے۔ شیخ علی ہیتی حضرت شیخ کی کرسی کے پائے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ شیخ علی بن ہیتی کو نیند آ گئی حضرت شیخ عبد القادر رضی اللہ عنہ نے حاضرین کو خاموشی کا حکم دیا سب لوگ خاموش ہو گئے حالت یہ تھی کہ سانس لینے کی آوازوں کے علاوہ کچھ سنائی نہ دیتا تھا حضرت شیخ عبد القادر رضی اللہ عنہ کرسی سے نیچے اترے اور شیخ علی ہیتی کے سامنے باادب کھڑے ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔ شیخ علی بیدار ہوئے تو حضرت شیخ نے کہا تمہیں خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہاں! فرمایا: اسی لئے میں تمہارے سامنے باادب کھڑا تھا تمہیں نبی کریم ﷺ نے کیا نصیحت فرمائی؟ کہنے لگے کہ آپ کی مجلس میں باقاعدہ حاضری دیا کروں شیخ علی نے کہا کہ جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا تھا حضرت شیخ عبد القادر رضی اللہ عنہ نے بیداری میں دیکھا روایت کرتے ہیں کہ اس دن مردانِ خدا میں سے سات افراد اس دنیا سے چلے گئے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ [202]

شیخ محقق محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ودر مواہب لدنیہ گفتہ کہ ابن منصور در رسالہٗ خود نوشتہ کہ در آمد شیخ ابو العباس قسطلانی بر آن حضرت پس دعا کرد آن حضرت او را فرمود **(اخذ اللہ بیدک یا احمد)**

---

[201] الحاوی للفتاوی جلد ۲ ص ۲۱۹ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان فتاوی حدیثیہ ص ۳۹۳ قدیمی کتب خانہ تفسیر روح المعانی جلد ۱۱ ص ۱۵ مکتبہ حقانیہ ملتان

[202] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد ۳ ص ۲۸۴ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ پاکستان

مواھب لدنیہ میں ہے کہ ابن منصور نے اپنے رسالے میں لکھا کہ شیخ ابو العباس قسطلانی حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے ان کے لئے دعا کی اور فرمایا اے احمد اللہ تعالیٰ تمہارا ہاتھ پکڑ لے۔[203]

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ مزید شیخ ابو مسعود رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

واز شیخ ابو المسعود آوردہ کہ مصافحہ میکرد آن حضرت را بعد از ہر نماز۔ شیخ ابو المسعود رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بیان کیا کہ وہ ہر نماز کے بعد نبی کریم ﷺ سے مصافحہ کیا کرتے تھے۔[204]

فقہاء، مفسرین، محدثین اور جلیل القدر بزرگانِ دین (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) کے ان تمام دلائل اور ان تمام روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صوفیاء کرام کو حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ کی حضوری نصیب ہوتی ہے اور حضور پاک ﷺ انہیں باقاعدہ تعلیم وتربیت دیتے ہیں جیسا کہ سورۃ الجمعہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (الجمعہ ۲)

وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہیں میں سے ایک (باعظمت) رسول (ﷺ) کو بھیجا وہ ان پر اس کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور ان (کے ظاہر و باطن) کو پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں بے شک وہ لوگ ان (کے تشریف لانے) سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (الجمعہ ۳)

اور ان میں سے دوسرے لوگوں میں بھی (اس رسول ﷺ کو تزکیہ وتعلیم کے لئے بھیجا ہے) جو ابھی ان لوگوں سے نہیں ملے (جو اس وقت موجود نہیں ہیں یعنی ان کے بعد کے زمانے میں آئیں گے) اور وہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے۔

امام فخر الدین محمد بن حسن بن حسین ابن علی التیمی الرازی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۶۰۶ھ) ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ویعلمھم ای ویعلمھم ویعلم آخرین منھم۔

یعنی آپ ﷺ صحابہ کرام کو بھی تعلیم دیتے ہیں اور بعد میں آنے والوں کو بھی تعلیم فرماتے ہیں۔[205]

امام ابی عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر القرطبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۳۵۲ھ) ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ویزکیھم ویعلمھم ای یعلمھم ویعلم آخرین من المؤمنین۔ آپ ﷺ انہیں پاک بھی فرماتے ہیں اور تعلیم بھی دیتے ہیں اور بعد والے مؤمنین کا بھی تزکیہ اور تعلیم فرماتے ہیں۔[206]

دیوبند مکتبۂ فکر کے ایک بہت بڑے محدث اور شارح بخاری شیخ انور شاہ کشمیری (متوفی ۱۳۵۲ھ) فیض الباری شرح

---

[203] اشعۃ اللمعات جلد ۳ ص ۶۸۴ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان

[204] اشعۃ اللمعات جلد ۳ ص ۶۸۴ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان

[205] التفسیر الکبیر جلد ۱۵ ص ۵ جز ۳۰ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان

[206] الجامع الاحکام القرآن جلد ۲۰ ص ۳۵۴ الرسالۃ العالمیۃ

صحیح بخاری میں لکھتے ہیں:

ویمکن عندی رؤیته ﷺ یقظة لمن رزقه الله سبحانه کما نقل عن السیوطی رحمة الله علیه کان زاهد متشددا فی الکلام علی بعض معاصریه ممن له شأن۔ انه رآه ﷺ اثنین وعشرین مرة وسأله عن احادیث ثم صححها بت تصحیحه ﷺ وکتب الیه الشاذلی یستشفع به ببعض حاجته الی سلطان الوقت وکان یوقره فابی السیوطی رحمة الله علیه ان یشفع له وقال انی لا افعل وذلک لان فیه ضرر نفسی وضرر الامة لانی زرته ﷺ غیر مرة ولا اعرف فی نفسی امرا غیر انی لا اذهب الی باب الملوک فلو فعلت امکن ان احرم من زیارته المبارکة۔ فانا ارضی بضررک الیسیر من ضرر الامة الکثیر۔ والشعرانی رحمة الله علیه ایضا کتب انه راه ﷺ وقرأ علیه البخاری فی ثمانیة دفعة معه ثم سماهم وکان واحد منهم حنفیا وکتب الدعاء الذی ترأه عند ختمه فالرؤیة یقظة متحققة وانکارها جهل۔

میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا بیداری میں دیدار کرنا ہر اس شخص کے لئے ممکن ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت عطا فرمائی جس طرح حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ زاہد تھے اور اپنے بعض معاصرین پر کلام میں متشدد تھے اس کے لئے یہ شان ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بائیس ۲۲ مرتبہ (صحیح بچھتر بار ہے) زیارت کی اور آپ ﷺ سے بعض احادیث کی صحت کے متعلق سوال کیا اور جب آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ صحیح ہیں تو حافظ سیوطی نے ان کو صحیح قرار دیا اور شاذلی نے سیوطی رحمہ اللہ سے درخواست کی کہ وہ حاکم وقت کے پاس اس کی شفاعت کریں تو حافظ سیوطی نے انکار کر دیا اور کہا اگر میں حاکم کے دربار میں گیا تو میں رسول اللہ کی شفاعت سے محروم ہو جاؤں گا اور اس سے امت کا بہت نقصان ہو گا۔ اور علامہ شعرانی نے بھی بیداری میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی اور آٹھ ساتھیوں کے ساتھ آپ ﷺ سے صحیح بخاری پڑھی ان آٹھ میں سے ایک حنفی تھا لہٰذا بیداری میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ثابت ہے اور اس کا انکار کرنا جہل ہے۔[207]

امام یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ محمد ابو المواہب الشاذلی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں:

محمد ابو المواهب الشاذلی: احد اکابر العارفین ائمة العلماء العاملین ومن کراماته انه کان کثیرا رؤیا للنبی ﷺ فی المنام حتی کانه لا یفارقه وحتی کانه یراه فی الیقظة وقد جمع مرائیه فی کتاب طالعت من اوله الی آخره فرأیته حقیقة من اعظم الکرامات لهذا العارف حتی انه یری النبی ﷺ فیتذاکر معه فی امر ثم یراه فی منام آخر فیکمل له الحدیث الذی ابتداه فی المنام قبله بل ذکر بعضهم انه کان یجتمع به ﷺ یقظة وانه تلقی منه علیه السلام حزب الفردانیة یقظة۔

محمد ابو المواہب شاذلی رحمۃ اللہ علیہ بڑے عارفین اور با عمل عالموں میں سے ایک تھے اور آپ کی کرامات میں سے یہ کہ وہ خواب میں حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت بکثرت کیا کرتے تھے گویا آپ ﷺ سے جدا بھی نہ ہوتے تھے حتیٰ کہ بیداری میں بھی آپ ﷺ کی زیارت سے مستفیض ہوتے تھے امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے بہت سے خواب اور ان کے بڑے فوائد طبقاتِ کبریٰ میں لکھے ہیں۔ اور میں نے اس کتاب کو اول سے آخر تک پڑھا ہے میں نے عارف کی سب سے بڑی کرامت یہ پائی کہ بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے آپ رحمۃ اللہ علیہ افضل الانبیاء والمرسلین ﷺ کی زیارت کرتے اور کسی معاملے میں عرض و معروض کرتے تھے پھر دوبارہ خواب میں زیارت کرتے تو سید المخلوقات سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اسی حدیث کو جو پہلے خواب میں فرمائی تھی مکمل فرما دیتے۔ بعض حضرات نے نقل کیا ہے کہ آپ نے خود حضرت صادق الامین ﷺ سے الحزب الفردانیہ بیداری میں پڑھی

[207] فیض الباری شرح صحیح بخاری جلد ۱ ص ۲۹۲ دار الکتب العلمیة بیروت لبنان

ہے۔[208]

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ **اخبار الاخیار فی اسرار الابرار** میں شیخ سلمان ابن عنان المندوی الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں:

ودر معاملۂ قرآن راپیش آن سرور ﷺ تجوید نمود۔

قرآن مجید آپ رحمۃ اللہ علیہ نے عالم واقعہ میں حضور نبی کریم ﷺ کے حضور میں پڑھا تھا۔[209]

سلطان العارفین برہان الواصلین حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی:۱۱۰۲ھ) نور الہدیٰ کلاں میں لکھتے ہیں:

شریعت آراہی ست کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ رفتہ باشد قدم بر قدم محمدی ﷺ شب وروز پیاپی خود را مدخل مجلس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ساند وہر علم نص وحدیث در مجلس حضور حیات النبی ﷺ خواند۔

شریعت وہ راہ ہے کہ جس پر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ گامزن رہے اس لئے جو شخص حضور ﷺ کے نقش قدم پر چل کر رات دن ان کی پیروی کرتا رہتا ہے وہ آخر کار مجلس محمد ﷺ میں جا پہنچتا ہے اور وہاں سے نص وحدیث کا تمام علم پڑھ لیتا ہے۔[210]

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور امام الفقہاء والمحدثین شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیثمی المکی (المتوفی: ۹۷۴ھ) **فتاوی حدیثیہ** میں سید علی وفا رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں:

وحکی ابن فارس عن سیدی علی وفا قال: کنت وانا ابن خمس سنین اقرا القرآن علی رجل فاتیته مرة فرایت النبی ﷺ یقظة لا مناما وعلیه قمیص ابیض قطن ثم رایت القمیص علیّ فقال لی: اقرأ فقرأت علیه سورة والضحٰی والم نشرح ثم غاب عنی فلما ان بلغت احدی وعشرین سنة احرمت بصلاة الصبح بالقرافة فرأیت النبی ﷺ قبالة وجهی فعانقنی فقال: واما بنعمة ربک فحدث۔ فأوتیت لسانه من ذلک الوقت انتهی۔

سید علی وفا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں پانچ برس کا تھا اور ایک شخص کے پاس قرآن مجید پڑھتا تھا اور ایک دن میں نے دیکھا کہ اس شخص کے پاس حضرت سرکار مدینہ ﷺ سفید کرتہ پہنے جلوہ افروز ہیں اور میں نے یہ سر کی آنکھوں سے بیداری میں دیکھا آپ ﷺ نے مجھے فرمایا پڑھ پس میں نے آپ ﷺ کو **سورہ والضحیٰ** اور **سورہ الم نشرح** پڑھ کر سنا دیں پھر آپ ﷺ غائب ہو گئے جب میں ۲۱ برس کا ہوا تو شہر قرافہ میں نماز فجر کے لئے تکبیر کہہ چکا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ آپ ﷺ نے سامنے تشریف لا کر مجھ سے مصافحہ فرمایا اور فرمایا: **واما بنعمة ربک فحدث**۔ پس اسی وقت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے حضوری عطا فرمائی۔[211]

ذرا سوچیں! انسان تصور و تخیل ان لوگوں کی کیفیات کو اپنی گرفت میں کیسے لا سکتا ہے؟ جو عالم علمی مسائل میں بھی حضور پر نور ﷺ سے رہنمائی لیتے ہوں ان کی زندگیوں میں علم وعمل اعتقاد اور تقویٰ میں پختگی کا عالم کیا ہو گا؟

ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ علمائے ظاہر کے پاس حدیث مبارکہ کی معلومات کا ذریعہ زبانی قیل وقال کی روایت ہیں جن کے

---

[208] جامع کرامات الاولیاء جلد ۱ ص ۲۳۱ دار الکتب العلمیة بیروت لبنان
[209] اخبار الاخیار فی اسرار الابرار ص ۲۲۱ مطبع دهلی

[210] نور الهدیٰ کلاں ص ۲۳۶ العارفین پبلی کیشنز لاهور پاکستان
[211] فتاوی حدیثیه ص ۲۹۳ قدیمی کتب خانه کراچی پاکستان۔
الحاوی للفتاوی جلد ۲ ص ۲۶۱ المکتبة النوریة الرضویة

راویوں پر بحث و تنقید کی گنجائش ہے اس لئے انہوں نے ان کی روایات کی صحت کے لئے نہایت ہی قابل تحسین احتیاطی طریقہ وضع کیا ہے جبکہ علماء باطن (صوفیاء) کا ذریعہ علم باطن میں مجلس محمدی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی دائمی حضوری اور کشف ہے۔

دائمی حضوری کے متعلق امام جلال الدین سیوطی الحاوی للفتاویٰ میں لکھتے ہیں:

کان للشیخ ابی العباس المرسی رحمۃ اللہ علیہ و وصلۃ بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا سلم علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رد علیہ السلام ویجاوبہ اذا تحدث معہ۔

شیخ ابو العباس المرسی نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر سلام پیش کرتے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس کا جواب دیتے اور جب کوئی بات آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے عرض کرتے تو اس کا جواب بھی ارشاد فرماتے۔[212]

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

انہ حضر مجلس فقیہ فروی ذلک الفقیہ حدیثا فقال لہ الولی: ھذا الحدیث باطل فقال الفقیہ: ومن این لک ھذا فقال ھذا النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقف علی راسک یقول انی لم اقل ھذا الحدیث وکشف للفقیہ فرأہ۔

ایک بزرگ ایک فقیہ کی مجلس میں درس میں حاضر ہوئے فقیہ نے ایک حدیث پڑھی اس بزرگ نے فرمایا کہ یہ حدیث باطل ہے فقیہ نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ اس بزرگ نے فرمایا کہ حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم یہ تیرے سر کے پاس تشریف فرماہیں اور فرما رہے ہیں کہ میں نے یہ حدیث نہیں فرمائی بعد میں اس بزرگ نے اس فقیہ کو بھی زیارت کروادی۔[213]

تو یہ بات ذہن نشین کرلے کہ محققین کے نزدیک بنیادی طور پر علم کے حصول کے ذرائع چار ہیں: ۱: حواس خمسہ ۲: عقل ۳: کشف والہام ۴: وحی

حواس کی رسائی فقط محسوسات تک محدود ہے۔ مدرکاتِ حسی سے ماوراء حقائق کے لئے حواس خمسہ علم کا ذریعہ بن سکتے ہیں اسی طرح عقل کا دائرہ بھی محدود ہے اس کی رسائی صرف معقولات تک محدود ہے۔ عقل کا ادراک بھی حواس خمسہ کے ذریعے علم حاصل کئے بغیر پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا اس کے بعد علم کے حصول کا تیسرا ذریعہ کشف والہام ہے۔

عالم طبیعیات میں جو تمام تر حقائق و موجودات ہیں خواہ ان کا شمار محسوسات میں ہو یا معقولات میں ہو زمانی ہو یا مکانی، صوفیانہ کشف والہام کے ذریعے صوفیاء کو عالم مابعد الطبیعیات کا ادراک و معرفت ہوتی ہے تو یہاں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ حواس اور عقل دونوں مل کر بھی حتمی اور قطعی علم مہیا نہیں کرسکتے لیکن ان کے حرمانِ قطعیت اور نقصانِ ادراک و معرفت کے باوجود انہیں ذریعہ علم کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا ہے تو پھر کشف والہام کو ذریعۂ علم کی حیثیت سے ماننے میں کیا چیز مانع ہوسکتی ہے؟

علم کے حصول کا چوتھا ذریعہ وحی ہے جو کشف والہام سے بھی اعلیٰ اور سب سے مضبوط حتمی قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔ جب صوفی تزکیہ اور تصفیہ میں کمال حاصل کرلیتا ہے اور وہ مدارج ولایت کے اعلیٰ مقام پر پہنچ جاتا ہے تو اس کا کشف مشمولات وحی کے مطابق و موافق ہوجاتا ہے اور یہی مطابقت و موافقت اس کے کشف کے صحیح ہونے کی دلیل ہوتی ہے جیسا کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ

---

[212] الحاوی للفتاویٰ جلد ۲ ص ۲۴۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان

[213] الحاوی للفتاوی جلد ۲،ص ۲۴۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان

لکھتے ہیں:

قال الشیخ محی الدین بن العربی: انہ بلغنی عن النبی ﷺ ان من قال لا الہ الا اللہ سبعین الفا غفر لہ و من قیل لہ غفر لہ ایضا فکنت ذکرت التہلیلۃ بالعدد المروی من غیر ان انوی لا حد بالخصوص بل علی الوجہ الاجمالی فحضرت طعاما مع بعض الاصحاب وفیہم شاب مشہور بالکشف فاذا ھو فی اثناء الاکل اظہر البکاء فسالتہ عن السبب فقال اری امی فی العذاب فوہبت فی باطنی ثواب التہلیلۃ المذکورۃ لہا فضحک و قال انی اراہا الآن فی حسن المآب قال الشیخ فعرفت صحۃ الحدیث بصحۃ کشفہ و صحۃ کشفہ بصحۃ الحدیث۔

شیخ محی الدین ابن عربی نے کہا مجھے نبی کریم ﷺ سے یہ روایت پہنچی کہ جس شخص نے ستر ہزار مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھا اس کی مغفرت کر دی جائے گی اور جس کو اس کا ثواب بخش دیا گیا اس کی بھی مغفرت کر دی جائے گی تو میں نے ستر ہزار مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا اور میں نے بالخصوص کسی شخص کے لئے اس کو بخشنے کی نیت نہیں کی پھر اتفاق سے میں بعض احباب کی ایک دعوت میں شریک ہوا ان میں ایک نوجوان تھا جس کے متعلق یہ مشہور تھا کہ اس کو کشف ہوتا ہے۔ اچانک وہ کھانے کے درمیان رونے لگا میں نے اس کے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا میں نے اپنی ماں کو عذاب میں مبتلا دیکھا ہے میں نے دل ہی دل میں ستر ہزار بار پڑھے ہوئے لا الہ الا اللہ کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا پھر وہ نوجوان ہنسنے لگا اور کہا اب میں اپنی ماں کو اچھے حال میں دیکھ رہا ہوں۔ شیخ ابن عربی نے کہا! میں اس حدیث کی صحت کو اس نوجوان کے کشف سے جان لیا اور اس نوجوان کے کشف کی صحت کو اس حدیث کی صحت سے جان گیا۔[214]

اسی وجہ سے ان صوفیاء کرام کی نقل کردہ روایات کا انکار نہیں کرنا چاہتے جن کی ولایت امت محمدیہ ﷺ کے نزدیک مسلمہ ہے کیونکہ ان نفوس قدسیہ کو اللہ جل شانہ اور اس کے محبوب ﷺ کی بارگاہ کی حضوری نصیب ہوتی ہے اور وہ ہر چیز ان کے حکم واجازت سے لکھتے ہیں جیسا کہ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کلید التوحید خورد میں لکھتے ہیں:

کسی را کہ عقل باشد و دانش و شعور تمام است کہ این کتاب بہ حکم اللہ تعالیٰ واز نظر رحمت اللہ تعالیٰ قدم و منظور شدہ بہ اجازت حضرت محمد ﷺ رقم حضور شدہ کہ ہر حرف این کتاب حضوری شایدہ حق بخشد و ہر سطر ازین کتاب از اسرار مشاہداتِ تجلیات نور حق ذات بابرکت از برکت اسم اللہ ذات و آیات کلام اللہ شریف و شریعت نبی محمد ﷺ می کشاید۔

جس کسی کو عقل ہے اور وہ کامل دانائی اور شعور کا مالک ہے تو اس کے لئے یہ بات کامل حجت ہے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے حکم اور نگاہِ رحمت کے تحت لکھی گئی ہے اور یہ حضرت محمد ﷺ کی بارگاہ سے منظور شدہ ہے اور انہی کی اجازت سے تحریر کیا جاتا ہے کہ اس کتاب کا ہر حرف شاہدہ حق کی حضوری بخشتا ہے اور اس کی ہر سطر ان بھیدوں میں سے ایک بھید ہے جو نورِ ذاتِ حق کی بابرکت تجلیات کے شاہدے میں پائے جاتے ہیں۔ اسم اللہ ذات و آیات قرآن اور شریعت محمدی ﷺ کی برکات سے اس کی ہر سطر یہ بھید کھلتے ہیں۔

اس بات کی مزید تائید ہمیں اپنے اسلاف کے طرزِ عمل سے ملتی ہے مثال کے طور پر اگر آپ تخریج کی کتابوں کا مطالعہ کریں تو آپ کو جگہ جگہ لم اقف علیہ میں اس پر واقف نہیں ہوں۔ لم اقف علیہ بھذا اللفظ میں اس لفظ پر مطلع نہیں ہوں۔ لم اقف بھذا الحدیث میں اس حدیث پر مطلع نہیں ہوں۔ لم اقف علی اسنادہ میں اس کی اسناد پر مطلع نہیں ہوں لم اری میں نے نہیں دیکھی لا

[214] مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد ۳ ص ۲۰۰ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان

اعرف من الاسناد میں اس کی اسناد کو پہچانتا نہیں ہوں لا اعرف بھذا الحدیث میں اس حدیث کو نہیں جانتا۔ وغیرہ اس قسم کے مختلف الفاظ آپ کو بکثرت ملیں گے۔ اسلاف کا یہ طرزِ تحریر ہم پر واضح کر رہا ہے کہ انہوں نے مطالعہ کی کمی کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی ہے نہ کہ بزرگوں کے علم کی نفی۔ جب وہ حدیث کی سند کسی کتاب میں نہیں پاتے تو یہ نہیں کہتے کہ یہ حدیث ہی نہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس کی سند نہیں ملی اس کی مزید وضاحت کے لئے میں اپنی گفتگو کے بجائے زیادہ مناسب سمجھتا ہوں کہ اس جگہ اعلی حضرت عظیم البرکت الشاہ امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک فتوی کا طویل اقتباس پیش کروں۔ اعلیٰ حضرت فتاوی رضویہ میں ایک سوال کے جواب کے ضمن میں اس بات کی بھی وضاحت فرماتے ہیں جو اپنی کم علمی کی وجہ سے سلف صالحین کی نقل کردہ احادیث کا انکار کرتے ہیں آپ انکا محاسبہ فرماتے ہیں۔[215]

جس امر پر اپنی قاصر نظر ناقص تلاش میں حدیث نہیں پاتے اس پر بے اصل وبے ثبوت ہونے کا حکم لگا دیتے اور اس کے ساتھ ہی صرف اس بنا پر اسے ممنوع وناجائز ٹھہرا دیتے ہیں پھر اس طوفان بے ضابطگی کا وہ جوش ہوتا ہے کہ اس اپنے نہ پانے کے مقابل علماء ومشائخ کی تو کیا گنتی حضرت عالیہ آئمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ارشادات بھی پایۂ اعتبار سے ساقط اور ان کے احکام کو بھی یونہی معاذ اللہ باطل وغیر ثابت بناتے ہیں یہ وہ جہالت بے مزہ ہے جسے کوئی ادنیٰ عقل والا بھی قبول نہیں کر سکتا۔ ان حضرات سے کوئی اتنا پوچھنے والا نہیں کہ کے آمدی وکے پیر شدی کب آئے اور کب بوڑھے ہوئے۔ بڑے بڑے اکابر محدثین ایسی جگہ لم ار ولم اجد پر اقتصار کرتے ہیں یعنی میں نے نہیں دیکھی اور مجھے نہیں ملی نہ کہ تمہاری طرح عدم وجدان کو عدم وجود کی دلیل ٹھہرادیں۔

صاحبو! لاکھوں حدیثیں اپنے سینے میں لئے گئے کہ اصلا تدوین میں بھی نہ آئیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو چھ لاکھ حدیثیں حفظ تھیں۔ امام مسلم کو تین لاکھ پھر صحیحین میں صرف سات ہزار حدیثیں ہیں۔ امام احمد کو دس لاکھ حدیثیں محفوظ تھیں، مسند میں فقط تیس ہزار ہیں۔ خود شیخین وغیرہم آئمہ سے منقول ہے کہ ہم سب احادیث صحاح کا استیعاب نہیں چاہتے اور اگر ادعائے استیعاب فرض کیجئے تو لازم آئے کہ افراد بخاری، امام مسلم اور افراد مسلم، امام بخاری اور صحاح افراد سنن اربعہ دونوں اماموں کے نزدیک صحیح نہ ہوں، اور اگر اس ادعا کو آگے بڑھائیے تو یونہی صحیحین کی وہ متفق علیہ حدیثیں جنہیں امام نسائی نے مجتبیٰ میں داخل نہ کیا ان کے نزدیک حلیہ صحت سے عاری ہوں وھو کما تری یہ وہ چیز ہے جسے تم جانتے ہو۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ما من اصحاب النبی ﷺ احد اکثر حدیثا عنہ منی الا ما کان من عبداللہ بن عمرو فانہ کان یکتب ولا اکتب۔

اصحابِ نبی ﷺ میں سے کسی نے حضور اقدس ﷺ سے مجھ سے زیادہ حدیثیں روایت نہ کیں سوائے عبد اللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہما کے کیونکہ وہ لکھ لیا کرتے اور میں نہیں لکھتا تھا۔[216]

دیکھو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ واضح طور پر فرماتے ہیں کہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے ان سے زیادہ احادیث روایت فرمائیں۔ حالانکہ تصانیف محدثین میں ان کی حدیثیں ان کی احادیث سے بدرجہا کم ہیں۔ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ

---

[215] فتاویٰ رضویہ جلد ۲۲ ص ۲۹۳ تا ۳۰۵

[216] صحیح بخاری کتاب العلم باب کتابہ العلم ص دار المعرفۃ بیروت لبنان

عنہما سے صرف سات سو حدیثیں پائی گئی ہیں اور سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پانچ ہزار تین سو (۵۳۰۰) احادیث روایت کی گئی ہیں۔ اب کہیے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی وہ ہزاروں حدیثیں کیا ہوئیں اور کتب حدیث میں ان میں سے کتنی ہاتھ آئیں۔ امام اجل ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ (جنھیں محدثین اہل جرح وتعدیل بھی باآنکہ ان میں بہت کو حضرات حنفیہ کرام سے ایک تعنت ہے تصریحا صاحب حدیث منصف فی الحدیث واتبع القوم للحدیث لکھتے ہیں، بلکہ اپنے زعم میں امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ سے بھی زیادہ محدث کثیر الحدیث جانتے ہیں۔ امام ذہبی شافعی نے اس جناب کو حفاظ حدیث میں شمار کیا اور کتب تذکرۃ الحفاظ میں بعنوان الامام العلامہ فقیہ العراقین ذکر کیا) یہ ارشاد فرماتے ہیں: بارہا ہوتا کہ امام ایک قول ارشاد فرماتے کہ میری نظر میں حدیث کے خلاف ہوتا میں جانب حدیث جھکتا بعد تحقیق معلوم ہوتا کہ حضرت امام نے اس حدیث سے فرمایا ہے جو میرے خواب میں بھی نہ تھی۔ اب جو حدیثیں تدوین میں آئیں ان میں سے فرمایئے کتنی باقی ہیں۔ صدہا کتابیں کہ آئمہ دین نے تالیف فرمائیں محض بے نشان ہوگئیں اور یہ آج سے نہیں ابتداء ہی سے ہے۔ امام مالک کے زمانے میں اسی (۸۰) علماء نے موطا لکھیں پھر سوائے موطائے مالک موطائے ابن وہب کے اور بھی کسی کا پتہ باقی ہے۔

امام محقق علی الاطلاق کمال الدین ابن الہمام نے جن کی جلالتِ قدر آفتاب نیم روز سے اظہر جب بعض احادیث کہ مشائخ کرام نے ذکر کیں نہ پائیں یوں فرمایا: لعل قصور نظرنا اخفاھما عنا۔ امید ہے کہ ہماری نظر کے قصور نے انہیں ہم سے چھپالیا۔

دیکھو علماء یوں فرماتے ہیں۔ اور جاہلوں کے دعوے وہ طویل وعریض ہوتے ہیں۔

حدیث اختلاف امتی رحمۃ (میری امت کا اختلاف رحمت ہے) امام جلال الدین سیوطی جیسے حافظ جلیل نے کتاب جامع صغیر میں ذکر فرمائی اور اس کا کوئی مخرج نہ بتاسکے کہ کس محدث نے اپنی کتاب میں روایت کی ان بعض علماء کے نام لکھ کر جنھوں نے بے سند اپنی کتابوں میں اسے ذکر کیا اور لکھ دیا کہ لعلہ خرج فی بعض کتب الحفاظ التی لم تصل الینا۔ شاید وہ حافظانِ حدیث کی بعض کتابوں میں روایت کی گئی جو ہم تک نہ پہنچیں۔

یہ وہ امام ہیں کہ فن حدیث میں جن کے بعد ان کا نظیر نہ آیا جنھوں نے کتاب جمع الجوامع تالیف فرمائی اور اس کی نسبت فرمایا: قصدت فیہ جمیع الاحادیث النبویۃ باسرھا۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس میں تمام احادیث نبویہ جمع کروں۔

اس پر بھی علماء نے فرمایا:

ھذا بحسب مااطلع علیہ المصنف لاباعتبار مافی نفس الامر قالہ المناوی۔

یہ وہ اپنے علم کے اعتبار سے کہتے ہیں نہ یہ کہ واقع میں جس قدر حدیثیں ہیں سب کا جمع کرنا۔ وہ اپنے نہ پانے پر یو فرماتے کہ شاید یہ حدیث ان کتب آئمہ میں تخریج ہوئی جو ہمیں نہ ملیں اور پھر دیکھئے ہوا بھی ایسا ہی۔ عبارت مذکورہ کے بعد علامہ مناوی صاحب تیسیر شرح جامع صغیر میں لکھ دیا کہ الامر کذلک یعنی واقعی ایسا ہے۔ پھر اس کی تخریج بتائی کہ بیہقی نے مدخل اور دیلمی نے مسند الفردوس میں بروایت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی اور اس حدیث کی سند پر نہ صرف امام سیوطی بلکہ اکثر ائمہ کو اطلاع نہ ہوئی۔ امام خاتم الحفاظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: زعم کثیر من الائمۃ انہ لا اصل لہ۔ بہت سے اماموں نے یہی زعم کیا کہ اس کے لئے کوئی سند نہیں۔ پھر امام عسقلانی نے اس کی بعض تخریجیں ظاہر فرمائیں۔ حدیث الوضوء علی الوضوء نور علی نور۔ وضو پر وضو کرنا نور علی نور ہے۔

(مذکورہ حدیث) کی نسبت امام عبد العظیم منذری نے کتاب الترغیب اور امام عراقی نے تخریج احادیث الاحیاء میں تصریح کر دی کہ لم نقف علیہ ہمیں اس پر اطلاع نہیں حالانکہ وہ مسند امام رزین میں موجود۔ تیسیر میں ہے: حدیث الوضوء علی الوضو نور علی نور اخرجہ رزین ولم یطلع علیہ العراقی کالمنذری فقالا لم نقف علیہ۔ وضو پر وضو کرنا نور علی نور ہے یہ وہ حدیث ہے جس کی تخریج حضرت رزین نے کی ہے اور منذری کی طرح امام عراقی اس پر مطلع نہیں ہیں۔ تو انہوں نے کہا ہم اس پر واقف نہیں ہیں۔

اس سے عجیب تر سنیئے: حدیث حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہ انہوں نے رکوع میں دونوں ہاتھ ملا کر زانوں کے بیچ میں رکھے اور بعد نماز کے فرمایا: ھکذا فعل رسول اللہ ﷺ۔ ایسا ہی کیا رسول اللہ ﷺ نے۔ اس کی نسبت امام ابو عمر بن عبد البر نے فرمایا: نبی کریم ﷺ کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں۔ محدثین کے نزدیک صرف اس قدر صحیح ہے کہ عبد اللہ بن مسعود نے ایسا کیا۔ اور امام اجل ابو ذکریا نووی شارح صحیح مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے تو کتاب الخلاصہ میں سخت ہی تعجب خیز بات واقع ہوئی کہ فرمایا صحیح مسلم شریف میں صرف اسی قدر ہے کہ ابن مسعود نے کیا اور یہ نہیں کہ: ھکذا فعل رسول اللہ ﷺ۔

حالانکہ بعینہ یہی الفاظ صحیح مسلم میں موجود، امام محقق علی الاطلاق فتح میں فرماتے ہیں:

فی صحیح مسلم عن علقمۃ و الاسود انہما دخلا علی عبد اللہ فقال اصلی من خلفکما قالا نعم فقام بینہما فجعل احدھما عن یمینہ و الاخر عن شمالہ ثم رکعنا فوضعنا ایدینا علی رکبنا ثم طبق بین یدیہ ثم جعلھما بین فخذیہ فلما صلی قال ھکذا فعل رسول اللہ ﷺ۔ قال ابن عبد البر لا یصح رفعہ و الصحیح عندھم الوقف علی ان مسعود رضی اللہ عنہ و قال النووی فی الخلاصۃ الثابت فی صحیح مسلم ان ابن مسعود فعل ذلک و لم یقل ھکذا کان رسول اللہ ﷺ یفعلہ قیل کانہما ذھلا فان مسلما اخرجہ من ثلث طرق لم یرفعہ فی الاولین و رفعہ فی الثالثۃ و قال ھکذا فعل۔

صحیح مسلم میں حضرت علقمہ اور اسود سے روایت ہے یہ دونوں حضرات حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئے کہا کیا دوسروں نے نماز پڑھ لی ہے دونوں نے عرض کی ہاں حضور۔ پھر آپ دونوں کے بیچ میں کھڑے ہو گئے ایک کو داہنے طرف دوسرے کو بائیں طرف کر لیا پھر ہم سب نے رکوع کیا تو ہم نے اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھ لیا پھر دونوں ہاتھ کو ملایا پھر انہیں دونوں رانوں کے بیچ میں رکھ دیا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا: ایسے ہی رسول اکرم ﷺ نے کیا۔ ابن عبد البر نے کہا: اس روایت کا حضور ﷺ تک پہنچنا ثابت نہیں۔ ان کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تک موقوف ہے امام نووی نے خلاصہ میں کہا کہ صحیح مسلم میں یہ روایت ثابت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے ایسا کیا۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ رسول اللہ ﷺ ایسا کیا کرتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا کہ ان دونوں سے ذہول ہو گیا کیونکہ امام مسلم نے تین طریقوں سے اسے تخریج فرمایا، پہلی دو روایتیں مرفوع نہیں البتہ تیسری روایت میں انہوں نے حضور ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے اور فرمایا اسی طرح کیا۔

میں یہاں اگر اس کی نظریں جمع کرنے پر آؤں کہ خبر و حدیث میں مشہور و متداول کتابوں یہاں تک خود صحاح ستہ سے اکابر محدثین کو کیسے کیسے ذہول واقع ہوئے ہیں تو کلام طویل ہو جائے گا۔ بعض مثالیں اسکی فقیر نے اپنے رسالہ نور عینی فی الانتصار للامام العینی میں لکھیں۔ یہاں مقصود اسی قدر کہ مدعی آنکھ کھول کر دیکھے کہ کس بضاعت پر کمالِ علم4 واحاطہ ٔ نظر کا دعویٰ ہے، کیا ان آئمہ سے غفلت ہوئی اور تم معصوم ہو؟ کیا ممکن نہیں کہ حدیث اپنی کتابوں میں ہو اور تمہاری نظر سے غائب رہے؟ مانا کہ ان کتابوں میں نہیں کیا سب کتابیں تمہارے پاس ہیں؟ ممکن ہے کہ ان کتابوں میں ہو جو اور بندگان خدا کے پاس دیگر بلاد میں موجود ہیں۔ مانا کہ ان میں نہیں

پھر کیا اسی قدر کتابیں تصنیف ہوئی تھیں؟ ممکن ہے کہ ان کتابوں میں ہو جو معدوم ہو گئیں۔ مانا کہ ان میں بھی نہیں پھر کیا تمام احادیث کتابوں میں مندرج ہو گئی تھیں؟ ممکن ہے کہ ان احادیث میں ہو جو علماء اپنے سینوں میں لے گئے۔ پھر ہلدی کی گرہ پر پنساری بننا کس نے مانا۔ اپنے نہ پانے کو نہ ہونے کی دلیل سمجھنا اور عدمِ علم کو علم بالعدم ٹھہرالینا کیسی سخت سفاہت ہے۔ خاص نظیر اس کی یہ ہے کہ کوئی شخص ایک چیز اپنی کوٹھری کی چار دیواری میں ڈھونڈ کر بیٹھ رہے اور کہہ دے ہم تلاش کر چکے تمام جہاں میں کہیں نشان نہیں۔ کیا اس بات پر عقلاء اسے مجنون نہ جانیں گے؟ **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

الطف واہم، ان سب سے گزریئے بفرض ہزار در ہزار باطل تمام جہاں کی اگلی پچھلی سب کتب حدیث آپ کی الماری میں بھری ہیں اور ان سب کے آپ پورے حافظ ہیں آنکھیں بند کر کے ہر حدیث کا پتہ دے سکتے ہیں؟ پھر حافظ جی صاحب یہ تو طوطے کی طرح اللہ پاک ذات کی یاد کی ہوئی، فہم حدیث کا منصب ارفع واعظ کدھر گیا، لاکھ بار ہو گا ایک مطلب کی حدیث انہیں احادیث میں ہو گی جو آپ کو بر زبان یاد ہیں اور آپ خواب میں بھی خطرہ نہ گزرے گا کہ اس سے وہ مطلب نکلتا ہے آپ کیا اور آپ کے علم و فہم کی حقیقت کتنی، اکابر اجلہ محدثین یہاں آکر زانو ٹیک دیتے ہیں اور فقہائے کرام کا دامن پکڑتے ہیں۔ حفظِ حدیث فہم حدیث کو مستلزم ہوتا تو حضور پر نور سید عالم ﷺ کے اس ارشاد کے کیا معنی تھے:

رُبَّ حامل فقه الی من ھو افقه منه ورُبَّ حامل فقه لیس بفقیه۔ رواہ الائمة الشافعی والاحمد والدارمی وابو داؤد والترمذی وصححه والضیاء فی المختارۃ والبیھقی فی المدخل عن زید بن ثابت والدارمی عن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنھما ونحوہ لاحمد والترمذی وابن حبان عن ابن مسعود رضی اللہ عنه عن النبی ﷺ بسند صحیح والدارمی عن ابی الدرداء رضی اللہ عنه عن النبی ﷺ۔

بہتیرے حاملانِ فقہ ان کے پاس فقہ لے جاتے ہیں جو ان سے زیادہ اس کی سمجھ رکھتے ہیں، اور بہتیرے وہ کہ فقہ کے حامل وحافظ وراوی ہیں مگر خود اس کی سمجھ نہیں رکھتے۔ اس کی روایت ائمہ شافعی، احمد دارمی، ابو داؤد و ترمذی نے کی اور اسے صحیح قرار دیا اور ضیاء نے مختارہ میں اور بیہقی نے مدخل میں حضرت زید بن ثابت سے اور دارمی نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہما سے روایت کی اور اسی طرح احمد و ترمذی اور ابن حبان نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح رسول کریم ﷺ سے روایت کی اور حضرت دارمی کی روایت جو مروی ہے حضرت ابو درداء سے انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے روایت کی۔

ذرا خدا کے لئے آئینہ لے کر اپنا منہ دیکھئے اور امام اجل سلیمان اعمش کا علم عزیز و فضل کبیر خیال کیجئے جو خود حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے شاگردِ جلیل الشان اور اجلہ آئمہ تابعین اور تمام ائمہ حدیث کے اساتذہ الاساتذہ سے ہیں۔ امام ابن حجر مکی شافعی کتاب خیرات الحسان میں فرماتے ہیں: کسی نے ان امام اعمش سے کچھ مسائل پوچھے ہمارے امام اعظم امام الائمہ مالک الازمہ سراج الامۃ سیدنا ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ (کہ اس زمانے میں انہیں امام اعمش سے حدیث پڑھتے تھے۔) حاضر مجلس تھے امام اعمش نے وہ مسائل ہمارے امام اعظم سے پوچھے امام نے فوراً جواب دیئے۔ امام اعمش نے کہا یہ جواب آپ نے کہاں سے پیدا کئے فرمایا: ان حدیثوں سے جو میں نے خود آپ ہی سے سنی ہیں اور وہ حدیثیں مع سند روایت فرمائیں۔ امام اعمش نے کہا:

حسبک ما حدثتک به فی مائة یوم تحدثنی به فی ساعة واحدۃ ما علمت انک تعمل بھذہ الاحادیث یا معشر الفقھاء انتم الاطباء ونحن العیادلة وانت ایھا الرجل انذت بکلا الطرفین۔

بس کیجئے جو حدیثیں میں نے سو دن میں آپ کو سنائیں آپ ایک گھڑی میں مجھے سنائے دیتے ہیں مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ان حدیثوں میں یوں عمل کرتے ہیں۔ اے فقہ والو! تم طبیب ہو اور ہم محدث لوگ عطار ہیں اور اے ابو حنیفہ تم نے فقہ وحدیث دونوں کنارے لئے۔ والحمد للہ۔

یہ تو یہ خود ان سے بھی بدرجہا اجل واعظم ان کے استاد اکرم واقدم امام عامر شعبی جنہوں نے پانچ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا، حضرت امیر المؤمنین مولی علی وسعد بن ابی وقاص وسعید بن زید وابو ہریرہ وانس بن مالک وعبد اللہ بن عمر وعبد اللہ بن عباس وعبد اللہ بن زبیر وعمران بن حصین وجریر بن عبد اللہ ومغیرہ بن شعبہ وعدی بن حاتم وامام حسن وامام حسین وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین بکثرت اصحاب کرام رسول اللہ ﷺ کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم کے استاد ہیں جن کا پایۂ رفیع حدیث میں ایسا تھا کہ فرماتے ہیں بیس سال گزرے ہیں کسی محدث سے کوئی حدیث میرے کان تک ایسی نہیں پہنچی جس کا علم مجھے اس سے زائد نہ ہو، ایسے امام والا مقام بآں جلالت شان فرماتے:

انا لسنا بالفقهاء ولكنا سمعنا الحديث فرويناه الفقهاء من اذا علم عمل۔ نقله الذهبي في تذكرة الحفاظ۔

ہم لوگ فقیہ ومجتہد نہیں ہمیں مطالب حدیث کی کامل سمجھ نہیں ہم نے تو حدیثیں سن کر فقیہوں کے آگے روایت کر دی ہیں جو ان پر مطلع ہو کر کاروائی کریں گے (اسے ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں نقل کیا)۔

مگر آج کل کے نا مشخص حضرات کو اپنی یاد وفہم اور اپنے دو حرفی نام علم پر وہ اعتماد ہے جو ابلیس لعین کو اپنی اصل آگ پر تھا کہ دو حرف رٹ کر ہر امام امت کے مقابل انا خیر منہ (میں اس سے بہتر ہوں) کی بینٹی گھمانے کے سوا کچھ نہیں جانتے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔[217]

اعلی حضرت فاضل بریلوی امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی اس طویل عبارت سے یہ واضح ہوا کہ مسلمہ بزرگوں کی نقل کردہ روایات کا انکار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ان کا طریق کتاب وسنت کی حقیقی برکات سے مستحکم اور اخلاق انبیاء علیہم السلام واصفیاء کے سلوک پر مبنی ہوتا ہے اور یہ امت محمدیہ ﷺ میں باعتبار تقویٰ ورجوع الی اللہ سب سے افضل ترین گروہ ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ سے جب جماعت صوفیاء کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

هم قوم اثروا الله عز وجل على كل شيء فاثرهم الله عز وجل على كل شيء۔

یہ وہ قوم ہے جو اللہ عزوجل کو ہر چیز پر ترجیح دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر چیز پر ترجیح دے دی۔[218]

امام ابی القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری (المتوفی: ۴۶۵ھ) جماعتِ صوفیاء کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فقد جعل الله هذه الطائفة صفوة اوليائه وفضلهم على الكافة من عباده بعد رسله وانبيائه صلوات الله وسلامه عليهم وجعل قلوبهم معادن اسراره واختصهم من بين الامة بطوالع انواره فهم الغياث للخلق والدائرون في عموم احوالهم مع الحق بالحق صفاهم من كدورات البشرية ورقاهم الى محال المشاهدات بما تجلى لهم من حقائق الاحدية ووفقهم للقيام بآداب العبودية واشهدهم مجاري احكام الربوبية فقاموا باداء ما عليهم من واجبات تكليف وتحققوا بما منه سبحانه لهم من التقليب

---

[217] فتاویٰ رضویہ ج ۲۲ ص ۲۹۴ تا ۳۵۵ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور پاکستان

[218] رسالہ قشیریہ باب التصوف ص ۳۱۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان

والتصریف۔ثم رجعوا الی اللہ سبحانہ وتعالی بصدق الافتقار ونعت الانکسار ولم یتکلوا علی ما حصل منھم من الاعمال اوصفالھم من الاحوال۔

پس تحقیق اللہ تعالیٰ نے جماعت صوفیاء کو اپنے اولیاء میں سے منتخب فرمایا ہے اور اپنے رسولوں اور انبیاء (ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور سلام ہو) کے بعد اپنے تمام بندوں پر ان کو فضیلت دی اور ان کے دلوں کو اپنے اسرار کا مخزن بنایا اور امت کے درمیان ان کو اپنے انوار کے طلوع ہونے کے ساتھ خاص کیا۔ وہ مخلوق کے مددگار ہیں اور اپنے عام حالات میں حق کے ساتھ حق کے ہمراہ پھرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو بشری کدورتوں سے پاک کیا ہے اور وحدانیت کے جو حقائق ان کے لئے روشن کئے ان کے مشاہدات کے مقامات کی طرف ان کو ترقی دی اور ان کو آداب عبودیت (بندگی) قائم رکھنے کی توفیق دی اور احکام ربوبیت جاری ہونے کے مقامات میں حاضر کیا۔

پس ان کو جن واجبات کا مکلف بنایا وہ ان کو ادا کرنے کے لئے کمربستہ ہوئے اور اللہ رب العزت کی طرف سے جو تبدیلی اور پھرنے کا حکم ملا اس کو ثابت کیا۔

پھر وہ سچی محتاجی اور انکساری کی صفت کے ساتھ اپنے رب کی طرف لوٹے اور انہوں نے اپنے اعمال یا احوال کی صفائی پر بھروسہ نہ کیا۔[219]

صوفیاء کی اسی اخلاقی پاکیزگی نے حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو بہت متاثر کیا آپ جماعت صوفیاء کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

انی علمت یقینا ان الصوفیۃ ھم السابقون لطریق اللہ تعالی خاصۃ وان سیرتھم احسن السیر وطریقھم اصوب الطریق اخلاقھم ازکی الاخلاق بل لو جمع عقل العقلاء وحکمۃ الحکماء وعلم الواقفین علی اسرار الشرع من العلماء لیغیروا شیئا من سیرھم واخلاقھم ویبدلوہ بما ھو خیر منہ لم یجدوا الیہ سبیلا فان جمیع حرکاتھم وسکناتھم فی ظاھرھم وباطنھم مقتبسۃ من نور مشکاۃ النبوۃ ولیس وراء نور النبوۃ علی وجہ الارض نور یستضاء بہ۔

بے شک مجھے قطعیت کے ساتھ معلوم ہوا کہ صوفیاء ہی وہ جماعت ہے جو خصوصیت سے اللہ کی راہ پر گامزن ہے اور ان کی سیرت سب سیرتوں سے بہتر ہے اور ان کا طریق سب طریقوں سے زیادہ صاف ہے ان کے اخلاق سب اخلاقوں سے پاکیزہ تر ہیں بلکہ اگر تمام عقلاء کی عقل اور حکماء کی حکمت اور علماء میں واقفانِ شریعت کے اسرار وعلم کو جمع کیا جائے تاکہ یہ لوگ صوفیاء کی سیرت اور اخلاق میں سے ذرا بھی بدل سکیں اور ان سے بہتر سیرت کی تشکیل ہو سکے تو وہ یہ ہرگز نہیں کر سکیں گے کیونکہ ان کی تمام حرکات وسکنات چاہے ظاہری ہوں چاہے باطنی نورِ مشکاۃ نبوت سے ہی منور ہیں۔ اور نورِ نبوت سے بڑھ کر کوئی نور روئے زمین پر اس لائق نہیں کہ اس سے روشنی حاصل کی جائے۔[220]

آپ اندازہ لگائیں کہ جن کی زندگی کی تمام حرکات وسکنات بارگاہِ نبوت سے تشکیل پاتی ہوں۔ بھلا وہ کیسے غلط بیانی کر سکتے ہیں؟ اور وہ کیسے تاجدار کائنات ﷺ کی طرف غلط چیز منسوب کر سکتے ہیں؟ یا جو قول آقا ﷺ کی بارگاہِ مبارک سے تصدیق نہ کیا ہو وہ

---

[219] رسالہ قشیریہ ص ۸ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان

[220] مجموعہ رسائل امام غزالی المنقذ من الضلال ص ۲ ۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان

بیان کر سکتے ہیں۔

امام ابی المواہب عبد الوہاب بن احمد بن علی الانصاری الشافعی المصری المعروف بالشعرانی (المتوفی: ۹۷۳ھ) طبقات الکبری میں صوفیاء کے مقام و مراتب کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال القشیری لم یکن عصر فی مدة الاسلام و فیه شیخ من هذه الطائفة الا و ائمة ذلک الوقت من العلماء قد استملوا لذلک الشیخ و تواضعوا له و تبرکوا به و لو لا مزیة و خصوصیة للقوم لکان الامر بالعکس۔

قلت: و یکفینا للقوم مدحا اذعان الامام الشافعی رضی اللہ عنه لشیبان الراعی حین طلب الامام احمد بن حنبل ان یساله عمن ینسی صلاة لا یدری ای صلاة هی و اذعان الامام احمد بن حنبل لشیبان کذلک حین قال شیبان: هذا رجل غفل عن اللہ عز و جل فجزاؤه یؤدب۔

و کذلک یکفینا اذعان الامام احمد بن حنبل رضی اللہ عنه لابی حمزة البغدادی الصوفی رضی اللہ عنه و اعتقاده حین کان یرسل له دقائق المسائل و یقول: ماتقول فی هذا یا صوفی؟ فشیء یقف فی فهم الامام احمد بن حنبل و یعرفه ابو حمزة غایة المنقبة للقوم کذلک یکفینا اذعان ابی العباس بن شریج للجنید حین حضره و قال لا ادری ما یقول و لکن لکلامه صولة لیست بصولة مبطل و کذلک اذعان الامام ابی عمران للشبلی حین امتحنه فی مسائل من الحیض و افاده سبع مقالات لم تکن عند ابی عمران و حکی الشیخ قطیب الدین بن ایمن رضی اللہ عنه ان الامام احمد بن حنبل رضی اللہ عنه کان یحث ولده علی الاجتماع بصوفیة زمانه و یقول انهم بلغوا فی الاخلاص مقاما لم تبلغه۔۔۔ قلت و سمعت شیخی و مولائی ابا یحیی زکریا الانصاری شیخ الاسلام یقول: اذ لم یکن للفقیه علم باحوال القوم و اصطلاحاتهم فهو فقیه جاف۔۔۔ قلت و قد رایت رسالة ارسلها الشیخ محی الدین بن العربی رضی اللہ عنه للشیخ فخر الدین الرازی صاحب التفسیر یبین له فیها نقص درجته فی العلم هذا و الشیخ فخر الدین الرازی مذکور فی العلماء الذین انتهت الیهم الریاسة فی الاطلاع علی العلوم جملتها۔

اعلم یا اخی و قفنا اللہ و ایاک ان الرجل لا یکمل عندنا فی مقام العلم حتی یکون علمه عن اللہ عز و جل بلا واسطة من نقل او شیخ فان من کان علمه مستفادا من نقل او شیخ فما برح عن الاخذ عن المحدثات و ذلک معلول عند اهل اللہ عز و جل و من قطع عمره فی معرفة المحدثات و تفاصیلها فاته حظه من ربه عز و جل لان العلوم المتعلقة بالمحدثات یفنی الرجل عمره فیها و لا یبلغ الی حقیقتها و لو انک یا اخی سلکت علی ید شیخ من اهل اللہ عز و جل لا و صلک الی حضرة شهود الحق تعالی فتاخذ عنه العلم بالامور من طریق الالهام الصحیح من غیر تعب و لا نصب و لا سهر کما اخذه الخضر علیه السلام فلا علم الا ما کان عن کشف و شهود۔ لا عن نظر و فکر و ظن و تخمین و کان الشیخ الکامل ابو یزید البسطامی رضی اللہ عنه یقول لعلماء عصره اخذتم علمکم من علماء الرسوم میتا عن میت و اخذنا علمنا عن الحی الذی لا یموت۔

و ینبغی لک یا اخی الا تطلب من العلوم الا ما تکمل به ذاتک معک حیث انت قلت و لیس ذلک الا العلم باللہ تعالی من حیث الوهب و المشاهدة فان علمک بالطب مثلا انما یحتاج الیه فی عالم الاسقام و الامراض فاذا انتقلت الی عالم ما فیه سقم و لا مرض فمن تداوی بذلک العلم۔

فقد علمت یا اخی انه لا ینبغی للعاقل ان یاخذ من العلوم الا ما ینتقل معه الی البرزخ دون ما یفارقه عند انتقاله الی عالم الاخرة و لیس بمنتقل معه الا علمان فقط العلم باللہ عز و جل و العلم بمواطن الاخرة۔

حتی لا ینکر التجلیات الواقعة فیها و لا یقول للحق اذا تجلی له نعوذ باللہ منک کما ورد فینبغی لک یا اخی الکشف عن هذین العلمین فی هذه الدار لتجنی ثمرة ذلک فی تلک الدار و لا تحمل من علوم هذه الدار الا ما تمس الحاجة الیه فی طریق سیرک الی اللہ عز و جل علی مصطلح اهل اللہ عز و جل و لیس طریق الکشف عن هذین العلمین الا بالخلوة و الریاضة و المشاهدة و الجذب الالهی و کنت ارید ان اذکر لک یا اخی الخلوة و شروطها و ما یتجلی لک فیها علی الترتیب شیئا

فشیئا لکن منعنی من ذلک الوقت واعنی بالوقت من لاغوص له فی اسرار الشریعة ممن دابهم الجدال حتی انکروا کل ما جھلوا وقیدھم التعصب وحب الظھور والریاسة واکل الدنیا بالدین عن الاذعان لاھل اللہ تعالی والتسلیم لھم۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دورِ اسلام میں کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرا کہ اس میں اہل تصوف کا شیخ موجود ہو اور اس زمانے کے آئمہ عظام نے اس شیخ کے آگے گردن نہ جھکائی ہو اور اس سے عاجزی سے پیش نہ آئے ہوں اور اس سے برکت حاصل نہ کی ہو اگر ان (صوفیاء) کو یہ فضیلت و خصوصیت حاصل نہ ہوتی تو معاملہ اس کے برعکس ہوتا۔

میں (امام شعرانی) کہتا ہوں کہ اس قوم (جماعت صوفیاء) کی فضیلت پر ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ جس وقت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ سے پوچھنا چاہا کہ اس شخص کا کیا حکم ہے جو نماز میں یہ بھول جائے کہ یہ کون سی نماز پڑھ رہا ہے؟ تو حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ نے حضرت شیبان راعی رضی اللہ عنہ کے قول کو مان لیا اور حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے شیبان راعی رضی اللہ عنہ کے سامنے سر جھکا دیا جس وقت انہوں نے فرمایا: کہ ایسا شخص اللہ تعالیٰ سے غافل ہے پس اس کی پاداش یہ ہے کہ اس کی تادیب کی جائے۔ اور اس طرح امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا ابی حمزہ بغدادی صوفی پر اعتقاد لانا اور ان کے پاس دقیق مسائل کا بھیجنا اور یہ کہنا (ماتقول فی ھذا یا صوفی؟) کہ اے صوفی تم اس مسئلے میں کیا کہتے ہو؟ جو چیز امام احمد کی سمجھ میں نہ آئے اور اس کو ابو حمزہ سمجھ جائیں۔ تو اس سے جماعت صوفیاء کی غایت درجہ کی تعریف نکلتی ہے۔ (امام شعرانی فرماتے ہیں) اسی طرح ہمارے لئے کافی ہے ابو العباس بن سریج کا حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ پر اعتقاد لانا۔ جب وہ ان کے پاس حاضر ہوئے تو کہنے لگے کہ جو کچھ جنید کہتے ہیں اس کو تو میں نہیں جانتا لیکن ان کے کلام میں ایک رعب پایا جاتا ہے۔ جو اہل باطل کا رعب نہیں ہے اور اسی طرح امام ابو عمران اکابرین فقہاء میں تھے نے حضرت امام شبلی رضی اللہ عنہ کے آگے اس وقت سر جھکایا جس وقت حیض کے مسائل میں حضرت امام شبلی کا امتحان لینا چاہا اور انہوں نے سات ایسی باتیں بتائیں جو امام ابو عمران کو معلوم نہ تھیں۔

اور شیخ قطب الدین ایمن رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کو رغبت دلایا کرتے تھے کہ اس زمانے کے صوفیوں کے پاس جایا کرو اور کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ خلوص میں جس درجہ تک پہنچے ہیں وہاں تک تم نہیں پہنچے۔ میں (امام شعرانی) کہتا ہوں کہ میں نے اپنے پیرو مرشد اور آقا و مولیٰ حضرت ابو یحییٰ زکریا انصاری رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا کہ جب فقیہ کو اس قوم (جماعت صوفیاء) کے احوال اور ان کی اصطلاحات سے واقفیت نہ ہو تو وہ خشک فقیہ ہے۔

میں (امام شعرانی) کہتا ہوں کہ میں نے ایک رسالہ دیکھا ہے جو شیخ حضرت محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ نے حضرت امام فخر الدین رازی صاحب تفسیر کبیر کو لکھ کر بھیجا تھا۔ اس میں انہوں نے امام صاحب کے درجہ کا علم میں کمتر ہونا بیان کیا ہے۔ حالانکہ امام فخر الدین رازی کا شمار ان علماء میں ہے جن پر تمام علوم (اسلامیہ) کی ریاست ختم ہوتی ہے۔

اور وہ خط یہ ہے:

اے میرے بھائی خدا ہم کو توفیق عطا فرمائے سنو! کوئی شخص ہمارے نزدیک علم کے مقام میں اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک اس کا علم بغیر واسطۂ نقل یا استاد کے خدائے عزوجل کی طرف سے نہ ہو کیونکہ جس کا علم نقل یا استاد سے حاصل ہوتا ہے (یقینا) وہ برابر نو پیدا چیزوں سے لیتا ہے۔ اور (یہ) اہل اللہ کے نزدیک خالی از علت نہیں اور جس نے نو پیدا چیزوں کی شناخت اور اس کی تفاصیل

میں عمر گنوائی اس نے اپنا حصہ اللہ عزوجل کے پاس کھو دیا کیونکہ آدمی ان علوم میں جو نوپید اچیزوں سے تعلق رکھتے ہیں اپنی عمر کو فنا کرتا ہے اور ان کی حقیقت تک نہیں پہنچتا۔

اے میرے بھائی! اگر آپ اہل اللہ میں سے کسی شیخ کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلوک اختیار کرتے تو وہ تم کو حق تعالیٰ کے حضور مرتبۂ شہود تک پہنچا دیتا۔ وہاں سے تم اشیاء کا صحیح علم الہام کے طریقے سے حاصل کرتے جس میں نہ مشقت ہے نہ ماندگی ہے نہ بے خوابی ہے جیسا کہ خضر علیہ السلام نے حاصل کیا۔ پس علم تو ہے ہی وہی جو کشف و شہود سے حاصل ہو نہ کہ وہ جو نظر و فکر اور گمان و قیاس سے۔ اور شیخ کامل حضرت ابویزید بسطامی رضی اللہ عنہ اپنے زمانے کے علماء سے فرماتے تھے تم نے اپنے علوم رسمی عالموں (یعنی) مردوں نے مردوں سے حاصل کئے ہیں۔ اور ہم نے اپنے علوم اس زندہ جاوید سے حاصل کئے ہیں جو مرنے والا نہیں ہے۔ اور اے میرے بھائی! آپ کے لئے مناسب یہی ہے کہ علوم میں سے اسی علم کی جستجو میں رہو جس سے تمہاری ذات کامل ہو۔ اور جہاں تم جاؤ تمہارے ساتھ رہے اور ایسا علم صرف علم باللہ ہی ہے جو وہب اور مشاہدہ کے ذریعے حاصل ہوتا ہے پس اگر آپ کا علم طب ہے مثال کے طور پر تو اس کی ضرورت اسی عالم میں ہے جہاں دکھ اور بیماریاں ہیں اور جب تم اس عالم میں منتقل ہو جاؤ گے جہاں دکھ اور مرض نہیں ہے تو وہاں اس علم کے ذریعے کس کا علاج کرو گے؟

اے میرے بھائی! یقیناً آپ کو علم ہو گا کہ صاحب عقل کے لئے مناسب یہی ہے کہ علوم میں سے صرف وہی علم حاصل کرے جو اس کے ساتھ عالم برزخ تک جائے نہ کہ وہ جو عالم آخرت کی طرف منتقل ہوتے وقت ساتھ چھوڑ دے اور آدمی کے ساتھ جانے والے صرف دو ہی علم ہیں ایک علم باللہ اور دوسرا مواطن آخرت (معاملات آخرت) کا علم۔

حتیٰ کہ اس عالم میں جو تجلیات واقع ہوں اس کا انکار نہ کر بیٹھے اور جب حق کی تجلی اس پر ہو تو **نعوذ باللہ منک** نہ کہہ دے جیسا کہ وارد ہوا ہے اس لئے اے میرے بھائی! آپ کے لئے یہ مناسب ہے کہ اسی عالم میں یہ دونوں علم آپ پر کھل جائیں تاکہ ان کا پھل اس عالم میں تم کو ملے، اور اس عالم کے انہی علوم کو لو جن کی ضرورت اہل اللہ کی اصطلاح کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کے راستہ میں پیش آئے اور کشف کا راستہ (فقط) ان دونوں علوم میں سے نہیں مگر خلوت، ریاضت مشاہدہ اور جذب الٰہی کے ساتھ۔

اور اے میرے بھائی! میں نے چاہا (کہ دونوں علموں کا انکشاف) صرف خلوت اور اس کی شرائط اور ان تجلیات کا جو آپ کو خلوت میں نظر آئیں ترتیب وار تھوڑا تھوڑا کر کے آپ کے لئے ذکر کروں لیکن (مخالفتِ) زمانہ نے مجھے اس ارادے سے باز رکھا (مخالفت) زمانہ سے میری مراد وہ اشخاص ہیں جن کو اسرارِ شریعت کی سمجھ نہیں ہے جن کا طریقہ لڑنا جھگڑنا ہے یہاں تک کہ ایسے لوگ جتنی چیزوں سے ناواقف ہوتے ہیں ان سب کا انکار کرتے ہیں اور تعصب اور نام و نمود سردار بننے اور دین کے ذریعے سے دنیا حاصل کرنے کی محبت نے ان کو اہل اللہ پر اعتقاد لانے اور ان کی بزرگی کو ماننے سے روک رکھا ہے۔[221]

امام اجل الشیخ محمد بن علی بن عطیہ الحارثی بابی طالب المکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہورِ زمانہ تصنیف **"قوت القلوب فی معاملة المحبوب و وصف طریق المرید الی مقام التوحید"** میں صوفیاء کرام کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: عبارت نقل کرنے سے پہلے سمجھتا ہوں کہ اس کتاب کی اہمیت واضح کر دوں۔

---

[221] الطبقات الکبری المسماۃ بلواقح الانوار فی طبقات الاخیار ص ۱۲، ۱۱، ۱۰، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان

تصوف کی دنیا میں قوت القلوب ایسی مستند ترین کتاب ہے کہ جس سے امام غزالی جیسی شخصیات نے استفادہ کیا ہے "المنقذ من الضلال" میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فابتدات بتحصیل علمهم من مطالعة کتبهم مثل قوت القلوب لابی طالب مکی رحمة الله علیه و کتب الحارث المحاسبی و المتفرقات الماثورة عن الجنید و الشبلی و ابی یزید البسطامی قدس الله ارواحهم۔

میں نے علم صوفیاء کو حاصل کرنے کی ابتدا ان کی کتابیں پڑھنے سے شروع کی مثلا ابو طالب مکی کی قوت القلوب اور تصنیفاتِ حارث محاسبی اور متفرقاتِ ماثورہ جنید و شبلی اور بایزید بسطامی قدس اللہ ارواحہم۔[222]

اب حضرت ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ کی قوت القلوب کی عبارت ملاحظہ کیجئے:

و قد کان علماء الظاهر اذا اشکل علیهم العلم فی مسالة لاختلاف الادلة سالوا اهل العلم بالله لانهم اقرب الی التوفیق عندهم ابعد من الهوی و المعصیة منهم۔ الشافعی رحمة الله علیه کان اذا اشتبهت علیه المسالة لاختلاف اقوال العلماء فیها وتکافؤ الاستدلال علیها رجع الی علماء اهل المعرفة فسالهم قال: و کان یجلس بین یدی شیبان الراعی کما یجلس الصبی بین یدی المکتب ویساله کیف یفعل فی کذا و کیف یصنع فی کذا فیقال له مثلک یا ابا عبد الله فی علمک و فقهک تسال هذا البدوی فیقول ان هذا وفق لما علمناه۔۔۔ و قد کان احمد بن حنبل ویحیی بن معین رضی الله عنهما یختلفان الی معروف بن فیروز الکرخی رحمة الله علیه و لم یکن یحسن من العلم و السنن ما یحسنانه فکانا یسئلانه۔

علماء ظاہر کو جب کوئی مسئلہ دلائل میں اختلاف پائے جانے کی وجہ سے حل کرنا مشکل ہو جاتا تو وہ کسی عالم باللہ (صوفی) کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کرتے کیونکہ وہ تسلیم کرتے کہ یہ لوگ ان کے نزدیک بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق کے زیادہ قریب اور نفسانی خواہشات اور معصیت سے بہت دور ہیں۔

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کو جب کبھی علماء کرام کے اقوال میں اختلاف پائے جانے کی وجہ سے کسی مسئلہ میں اشکال پیدا ہو جاتا اور وہ استدلال نہ کر پاتے تو اہلِ معرفت علماء کرام (یعنی صوفیاء کرام) کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے پوچھتے۔

منقول ہے کہ وہ (امام شافعی) حضرت شیبان راعی کی خدمت میں اس طرح بیٹھا کرتے تھے جیسے کوئی بچہ مکتب میں استاد کے سامنے بیٹھتا ہے اور ان سے عرض کرتے کہ فلاں مسئلہ میں کیا کریں اور فلاں میں کیا کریں؟ تو لوگ امام شافعی سے کہتے اے ابو عبد اللہ! آپ جیسا عالم اور فقیہ اس بدوی سے مسائل دریافت کرتا ہے تو وہ (امام شافعی) عرض کرتے ہیں جو ہم جانتے ہیں یہ سوال کرنا بھی اسی کے موافق ہے۔۔۔ حضرت امام احمد بن حنبل اور امام یحیٰی بن معین اکثر حضرت معروف بن فیروز کرخی کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے حالانکہ حضرت معروف کرخی علم و سخن میں ان دونوں سے زیادہ (عالم و محدث) نہ تھے مگر اس کے باوجود وہ دونوں ان سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔[223]

اور امام الفقہاء والمجتہدین سید محمد امین ابن عابدین الشامی (المتوفی: ۱۲۵۲ھ) رد المحتار میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کا یہ قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[222] مجموعہ رسائل غزالی المنقذ من الضلال ص ۵۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان
[223] قوت القلوب جلد ۱ ص ۲۷۰، ۲۷۱، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان

لو لا السنتان لهلک النعمان۔

اگر میرے دو سال تحصیل کمالات باطنیہ میں صرف نہ ہوتے تو نعمان بن ثابت ہلاک ہو جاتا۔

ایک لمحہ کے لئے ائمہ اربعہ اور بالخصوص امام اعظم ابو حنیفہ، امام احمد بن حنبل، امام شافعی، امام یحییٰ بن معین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مقام اور مرتبہ کو بھی دیکھیں اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ، امام شافعی کا، حضرت شیبان راعی، امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین کا حضرت معروف کرخی، فقیہ ابو عمران کا، حضرت امام شبلی اور ابو العباس بن سریج کا حضرت جنید بغدادی اور حضرت امام احمد بن حنبل کا حضرت ابی حمزہ بغدادی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خدمت میں بیٹھنا بھی دیکھیں اس لئے یہ بڑے احتیاط کی جگہ ہے:

علامہ سید محمد امین بن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:

ومن فتح باب اعتراض علی المشائخ والنظر فی افعالھم والبحث عنھا فان ذالک علامۃ حرمانہ، سوء عاقبتہ وانہ لا یفلح انتھی۔

اور جس شخص نے صوفیاء کرام واولیاء پر اعتراض کا دروازہ کھولا اور (عیب جوئی کے لئے) ان کے افعال میں نظر کی اور (مخالفت میں) اس سے بحث کی بے شک یہ بدنصیبی اور برے خاتمے کی علامت ہے اور بے شک وہ کبھی فلاح نہیں پائے گا۔[224]

ضروری گزارشات

لہٰذا اگر ہم تصانیفِ صوفیائے کرام میں عمل تخریج کے دوران وسائل کی کمی یا کتب احادیث کی عدم دستیابی یا کسی بھی وجہ سے متنِ حدیث ڈھونڈنے میں ناکام ہو جائیں تو:

۱۔ اس کے حدیث ہونے سے انکار نہ کیا جائے۔

۲۔ اسے اپنی علمی کم مائیگی کی طرف لوٹایا جائے۔

۳۔ تمام متونِ حدیث کے دستیاب ہونے تک اس پر تحقیق کا کام جاری رکھا جائے۔

۴۔ اور صوفیاء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے معمولات پر اعتراض نہ کیا جائے۔

۵۔ صوفیاء واولیاء کے روایتِ حدیث کے طریقہ کو لازمًا مد نظر رکھا جائے اور اسے بر حق مانا جائے۔ کیونکہ یہ ہستیاں اکثر فرامین واحادیث براہِ راست مجلس نبوت ﷺ سے سماع فرماتی ہیں۔

حکم شرعی: صوفیاء کرام جو احادیث مبارکہ خواب میں یا براہِ راست حضور نبی کریم ﷺ سے لیتے ہیں جیسا کہ حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر احادیث کو لیا اور بعض احادیث کی تصحیح کروائی اور شاہ صاحب نے تو ان تمام احادیث مبارکہ کو ایک رسالہ میں جمع کیا جس کا نام دُرِ ثمین رکھا ہے تو ایسی تمام احادیث فضائل اعمال اور مناقب میں معتبر ہیں لیکن ان سے احکام شرعی ثابت نہیں ہوں گے۔ اور اس بات کی بھی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ خواب یا بیداری میں حضور نبی پاک ﷺ کی زیارت سے مشرف ہونے والے شخص کو صحابی نہیں کہیں گے اور نہ صحابیت کا درجہ دیں گے اور نہ دے سکتے ہیں اور نہ وہ کسی صحابی کے مقام و مرتبہ

---

[224] مجموعہ رسائل ابن عابدین الجز الثانی ص ۲۸۹ سہیل اکیڈمی لاہور پاکستان

کے برابر ہو سکتا ہے۔

سلطان العارفین برہان الواصلین حضرت سخی سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ ۱۰۳۹۔۱۱۰۲ ہجری کلید التوحید کلاں میں اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جمیع اصحاب اصحاب صفہ واصحاب بدر واصحاب کبار رضوان اللہ تعالی علیہم ہیچ کس نہ سیر سد بجز اصحابانِ محمد رسول اللہ ﷺ ۔یعنی حضور ﷺ کے اصحاب پاک کے سوا کوئی اور شخص اصحابہ بدر اصحاب کبار اور جملہ صحابہ کرام تک نہیں پہنچ سکتا۔[225]

شیخ محقق حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: در حصولِ صحت وثبوت احکام شرعی بر غیر رائی حجت نہ واللہ اعلم۔(کوئی ولی اللہ) حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت کرنے سے صحابی نہیں بنتا اور احکام شرعیہ کے ثبوت کے لئے دوسرے شخص کے نزدیک یہ زیادہ حجت نہیں ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔[226]

خلاصہ کلام

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صوفیاء کرام حضور نبی کریم ﷺ کے روحانی اور باطنی شاگرد ہوئے ہیں اور آپ ﷺ ان کا ظاہری اور باطنی تزکیہ اور تعلیم و تلقین فرماتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب پاک ﷺ کی مرضی ورضا کے مطابق زندگی گزارتے ہیں اور یقیناً انہی نفوس قدسیہ کی شان میں آیا ہے:

کنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به و یده التی یبطش بها و رجله التی یمشی بها۔

میں اس کے کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں اور زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا، دیکھتا، پکڑتا،

چلتا ہے اور انہی سے متعلق فرمایا گیا ہے کہ

اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور اللہ تعالی۔

مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔

امام ابی القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری رسالہ القشیریہ (ص:۱۱) میں فرماتے ہیں:

اعلموا رحمکم اللہ ان شیوخ هذه الطائفة بنوا قواعد امرهم علی اصول صحیحة فی التوحید صانوا بها عقائدهم عن البدع و دانوا بما وجدوا علیه السلف و اهل السنة۔

جان لو اللہ تم پر رحم فرمائے اس جماعتِ صوفیاء کے بزرگوں نے توحید کے سلسلے میں اپنے موقف کے قواعد کو صحیح اصول پر استوار کیا ہے انہوں نے اپنے عقائد کو بدعات سے محفوظ رکھا اور ان عقائد اور اعمال کے قریب ہو گئے جن پر اسلاف اور اہل سنت کو پایا۔

اور رسالہ القشیریہ (ص:۴۲۷) میں لکھتے ہیں:

کان اصول هذه الطائفة اصح الاصول و مشایخهم اکبر الناس و علماءهم اعلم الناس۔

---

[225] کلید التوحید کلاں: صفحہ ۱۴۲: العارفین پبلیکیشنز لاہور پاکستان

[226] اشعۃ اللمعات جلد ۳ ص ۲۸۴ کتاب الرؤیا مکتبہ رشیدیہ مرکی روڈ کوئٹہ پاکستان

اس گروہ کے اصول سب سے زیادہ صحیح اصول ہیں اور ان کے مشائخ تمام لوگوں سے بڑے اور ان کے علماء سب لوگوں سے بڑھ کر علم رکھنے والے ہیں۔

حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ المنقذ من الضلال ص ۶۲ میں فرماتے ہیں:

و ان سیرتھم احسن السیر و طریقھم اصوب الطریق اخلاقھم ازکی الاخلاق۔

اور ان کی سیرت سب سیرتوں سے بہتر ہے اور ان کا طریق سب طریقوں سے زیادہ صاف ہے ان کے اخلاق سب اخلاقوں سے پاکیزہ تر ہیں۔

امام ابو طالب مکی ان کی شان میں قوت القلوب ص ۲۷۰ میں لکھتے ہیں:

وقد کان علماء الظاهر اذا اشكل عليهم العلم في مسالة لاختلاف الادلة سالوا اهل العلم بالله لانهم اقرب الى التوفيق عندهم و اما بعد من الهوى و المعصية منهم۔

علمائے ظاہر کو جب کوئی مسئلہ دلائل میں اختلاف پائے جانے کی وجہ سے حل کرنا مشکل ہو جاتا تو وہ کسی عارف باللہ (صوفی) کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کرتے کیونکہ وہ تسلیم کرتے کہ یہ لوگ ان کے نزدیک بھی اللہ جل وعلا کی توفیق کے زیادہ قریب اور نفسانی خواہشات اور معصیت سے بہت دور ہیں۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ رضویہ جلد ۲۲ ص ۵۵۷ میں امام ابو طالب مکی کے بارے میں لکھتے ہیں:

و قول الشیخ ابی طالب المکی یعتبر لو فور علمہ و کمال حالہ و علمہ باحوال السلف و مکان ورعہ و تقواہ و تحریہ الاصوب و الاولی۔

اور شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ کا قول معتبر اور مستند ہے کیوں کہ وہ کثیر علم سے معمور ہیں حال میں صاحب کمال ہیں اور اسلاف کے حالات کو بخوبی جانتے ہیں اور تقویٰ اور ورع میں ان کا خاص مقام اور زیادہ صواب اور زیادہ بہتر امور میں گہری سوچ اور فکرِ کامل رکھتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ رضویہ میں لکھتے ہیں کہ صوفیاء کرام کی نسبت یہ کہنا کہ ان کا قول و فعل معاذ اللہ کچھ وقعت نہیں رکھتا بہت سخت اور نامناسب بات ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

و اتبع سبیل من اناب الیّ۔

جو میری طرف جھکے ان کی راہ کی پیروی کر۔

صوفیاء کرام سے زیادہ اللہ کی طرف جھکنے والا کون ہو گا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

انما یتمسک بافعال اھل الدین۔

دینداروں ہی کے افعال سے سند لائی جاتی ہے۔

صوفیاء سے بڑھ کر کون دین دار ہے۔[227]

---

[227] فتاویٰ رضویہ جلد ۲۲ صفحہ ۵۵۹ رضا فاؤنڈیشن لاہور پاکستان

صوفیاء کرام کے اقوال پر رد کرنے سے پہلے کتابوں کے مطالعہ کی جو شرطیں سمجھنا ضروری ہیں:

محقق علی الاطلاق، شیخ عبد الحق حنفی، نقشبندی محدث دہلوی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

کتابہائے کہ علماء وفقہاء در رد وانکار بظواہر اقوال قوم نوشتہ اند، اگرچہ در منع وتحذیر واحتراس از ورود مواقع غلط واشتباہ نفع دارد ولیکن متضمن بضرر نیز ہست وحصول حقیقت وانتفاع واستفادہ ازان موقوف ست برعایتِ چند۔ شرطِ اول آنکہ نظر بر احوالِ خود مقتصر گرداند و مجلس آرائی نگرداند وباغیر سالک راہ کہ بذکائے طبیعت وجودت فطنت وسلامت قریحت ودریافتِ وقتِ کلام ونزاکتِ مرام وثباتِ قدم در مقامِ صدق وتحقیق وسلوک طریق ورع واحتیاط موصوف بود، بیان نکند وبامریدان سادہ لوح وخالی الذہن کہ بصفاے عقیدت بحضراتِ مشائخ موصوف اند، وقوتِ تمیز سخن ندارند درمیان نیارد، ودر اعتقاد وارتباطیکہ بامشائخ دارند تشویش وتفرقہ نیندازد، واگر فرضاً در مقامِ وعظ ونصیحت احتیاج باعلام وتنبیہ شود، دخل واعتراض در مجرد قول کند بے تعین قائل ودر ضمن بیان تعرض بعظمتِ حال وجلالتِ شان این طائفہ علیہ قدس اللہ سرہم نماید۔ زیرا کہ ستر زلات ائمہ وپوشیدن خطائے بزرگانِ دین از واجباتِ وقت واسبابِ سعادت وسرمایۂ برخورداری ست، وصیانتِ دین وحفظ حوزۂ اسلام ومراعاتِ شریعت اوجب والزم است وقائم بدینِ خدا ماجور ومنتصر وے منصور وانصاف در حق لازم واتباع نفس وہوا ممنوع ودیانتے کہ مصحوب ہوا باشد فاسد ونصیحتے کہ مشوب بغرض نفسانی بود باطل است۔

شرط دوم رسوخ اعتقاد وتحسینِ ظن بمشائخ وتنزیہہ ساحت عز وکمال ایشان از غبار طعن وتنقیص تارۃً بنفی نسبت ومنع صدور آن از ایشان واخری بتاویل وتطبیق آن بظاہر واعتذار بوقوع آن بسکر حال وغلبۂ وجد۔

شرط سوم اعتقاد آنکہ باعث رد وانکار ومآل آن حسم مادہ وسد ذریعہ است تا عامۂ خلق ومدعیان راہ این چنین نکنند وبے تحقیق بمقام صدق وتمکن حقیقت براہ تقلید ومتابعتِ ایشان نروند کہ تقلید واتباع در احکام ظواہر شرع رود نہ در احوال ومواجید واذواق۔ واز فقہاءکسے کہ بر طائفہ صوفیہ علیہ قدس سرہم براہ رد وانکار رفتہ وتشدید وتغلظ نمودہ۔

ابن جوزی ست کہ از اکابر علمائے فقہ وحدیث است وگفتہ اند کہ مقصود وے نیز سدّ ذرائع است بدلیل تطریز وتوشیح وے کتب خود را بذکر حکایات وکلمات مشائخ واستشہاد بافعال واقوال ایشان باوجود رد وانکار وے بر ایشان در بعضے مواضع ودر چند موضع از کتاب تلبیس ابلیس کہ از تصانیف مشہورۂ اوست گفتہ است ومبالغت نمودہ وقسم یاد کردہ است کہ مقصودِ من اظہارِ علم وتحقیق سنت وتنبیہ وتحذیر از مواضع بدعت است نہ طعنِ رجال وتنقیص اہلِ کمال۔ ولیک از شدت وغلظت وخشونت کلامِ وے معنوی ست ودر نظر انصاف آن کتاب در معرفت مداخل شیطان وحسم مادۂ بدعت وجہالت بے نظیر است۔ غیر آنکہ خشونت الفاظ وتشدید انکار وتغلیظ طعن وتشنیع وے موحش ومشوش است۔ ولہٰذا محققان از اربابِ نصیحت از خواندن این کتاب وامثال آن منع وتحذیر کردہ وبعدم خوض ووقوع در آن وصیت فرمودہ اند تا بسوءِ ظن وتنقیص مشائخ وارباب احوال گرفتار نگردد وہمچنانکہ ازین کتاب وامثال آن منع کردہ اند از خوض در بعضے کتب این قوم مثل فصوص الحکم واشباہِ آن کہ اسرار وحقائق ومواجید را صریحاً بے توقف وتحاشی نوشتہ اند نیز نہی فرمودہ اند۔

شرطِ چہارم کہ خلاصہ کلام وحاصل مرام است آنست کہ اعتراف بقصورِ علم وضعفِ فہم خود کند، خدا داند کہ ایشان چہ گفتہ اند

وبچه ازارت کرده سخنان ایشان رابایشان گذارد وخود راوتصرف خود رااز میان بردارد۔ وانصاف آنست که توقف وانکار بر آنست که در فہم این کس می در آید، یاباحتمال آنکه چیزے ارادہ کردہ باشند که منکر نباشد پس در حقیقت انکار بر نفسِ خود است نه بر ایشان۔ وبالجملہ دین وشریعت واضح ست خود موافق آن رود بدان کر کن۔ واگر از تومسئلہ شرعی بپرسند موافق حکمِ شریعت جواب گو۔ واگر در خصوص حال یکے از صادقان راہ سخن افتد تغافل ورز واغماض کن۔ وبدانکه جحود وانکار سببِ بُعد وحرمان ست وتصدیق واعتقاد موجب فتح باب والله الهادی ومنه التوفیق لنیل الصواب۔

تمام شد نقلِ قواعد از کتاب قواعد الطریقت فی الجمع بین الشریعت والحقیقت وچون عبارات این کتاب در غایتِ دقّت وایجاز بود اگر بجہت بسط وایضاح زیادت کلمه یا فقرہ شدہ باشد دور نیست ولیکن نقل سخنے وحکایتے زائد بر اصلِ مقصود وکلام شیخ کردہ نشد الا ماشاء الله۔ واگر توفیق رفیق خواہد شد این معانی رادر رسائل دیگر بتقریب اقتضائے وقت باضم معانی دیگر نیز تفصیل دادہ آید انشاء اللہ تعالیٰ۔

جو کتابیں علماء اور فقہاء نے صوفیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اقوال کے ظاہری مفہوم کے ردو انکار میں لکھی ہیں اگرچہ ان کے غلط مواقع پر استعمال سے ڈرانے، روکنے اور حفاظت کرنے کی غرض سے ہیں اور اگرچہ ان میں نفع کا شائبہ ہے لیکن ساتھ ہی نقصان کا بھی احتمال ہے ان سے حقیقت کا حصول اور نفع اور فائدہ حاصل کرنا چند شرطوں کی رعایت پر موقوف ہے۔ اول یہ کہ نظر کو اپنے احوال پر منحصر کردے (زیادہ نہ جائے) اور اس کو اپنے نفس پر انکار و مواخذہ کا سبب بنائے۔ فصاحت اور طلاقت لسانی اور مجلس آرائی کا اظہار نہ کرے اور سالک راہ کے علاوہ (کہ جو طبیعت کی ذہانت، عقل کی تیزی اور مزاج کی سلامتی رکھتا ہو اور جانتا ہو کہ کس وقت بات کی جائے۔ مقصد کی کیا نزاکت ہے۔ صدق، تحقیق اور سلوک کے مقام میں ثابت قدم رہے اور ورع اور احتیاط کے طریقوں سے موصوف ہو) کسی سے بیان نہ کرے۔ اور سادہ لوح اور خالی الذہن مریدوں کے (جو گہری عقیدت کی بناپر کہ وہ حضرات مشائخ سے رکھتے ہیں اور بات کو سمجھنے کی قوت نہیں رکھتے) درمیان نہ لائے اور جو اعتقاد اور ارتباط ان کو مشائخ سے ہے اس میں انہیں پریشانی اور الجھن (پراگندگی) میں نہ ڈالے اگر بفرض محال وعظ و نصیحت کے موقع پر کسی بات کو جتانے یا تنبیہ کرنے کی ضرورت ہو تو ایک عام بات کے انداز میں دخل دے یا اعتراض کرے۔ قائل کا نام نہ لے اور بیان کے سلسلہ میں اس گروہ کی عظمتِ حال اور جلالتِ شان کا لحاظ کرتے ہوئے اعتراض کرے۔ اس لئے کہ اماموں کی لغزشوں کو چھپانا، بزرگوں کی خطاؤں کو پوشیدہ رکھنا واجباتِ وقت اور اسبابِ سعادت سے ہے۔ اور دین کی نگہبانی مملکتِ اسلام کی حفاظت اور شریعت کی مراعات اس سے زیادہ واجب اور لازم ہیں۔ خدا کے دین پر قائم رہنے والا ماجور اور اس کی مدد کرنے والا منصور ہے۔ حق بات کے سلسلے میں انصاف لازم اور نفس اور خواہش کی پیروی ممنوع ہے۔ وہ دیانت جو خواہش اور ہوا کی ساتھی ہو فاسد ہے۔ اور وہ نصیحت جس میں نفسانی غرض کی آمیزش ہو باطل ہے۔

دوسری شرط: مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے ساتھ مضبوط اعتقاد اور حسنِ ظن اور ان کے دامنِ عزت و کمال کی طعن اور تنقیص کے غبار سے پاکی و صفائی اور حسنِ ظن کا اظہار اس طریقہ پر کہ جس بات کی تنقیص کی جارہی ہے اس کی نسبت ان سے ممکن نہیں یا یہ کہ ان سے یہ فعل صادر نہیں ہوسکتا اور دوسرے ان کے افعال کی اس طرح تاویل کہ یہ کام جس کا ظاہر مخالف ہے در حقیقت مخالف نہیں۔ یا اگر مخالف بھی ہے تو ان سے سکر و حال اور غلبۂ وجد کی وجہ سے صادر ہو گیا۔

تیسری شرط: اس بات کا اعتقاد کہ ردو انکار کا باعث دراصل مادہ فاسد اور غلط تصورات کی روک تھام ہے تاکہ عام خلقت اور اس

راہ پر چلنے والے گمراہ نہ ہوں اور صدق و تمکن حقیقت کے مقام کی تحقیق کے بغیر ان کی تقلید اور پیروی کی راہ پر نہ چلیں کیونکہ تقلید و اتباع شریعت کے ظاہری احکام میں چلتی ہے۔ احوال و مواجید اور اذواق میں نہیں۔ اور فقہاء میں سے جو لوگ صوفیہ کے گروہ کے ردو انکار کی راہ پر چلتے ہیں اور جنہوں نے اس معاملہ میں سختی اور شدت سے کام لیا ہے وہ ابن جوزی ہیں جو فقہ اور حدیث کے بڑے علماء میں سے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ "اس کا بھی مقصد ذرائع کی روک تھام ہے۔ اس کی آرائش وزیبائش کے خیال سے اپنی کتابوں کو مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی حکایتوں اور کلمات اور ان کے افعال و اقوال سے استشہاد کے ذکر میں ردو انکار کے باوجود انہوں نے ان کے بارے میں بعض موقعوں پر اپنی کتاب تلبیس ابلیس میں جو ان کی مشہور تصنیف ہے چند جگہوں پر کیا ہے۔ انہوں نے مبالغہ سے کام لیا ہے اور قسم کھائی ہے کہ میرا مقصد علم کا اظہار اور سنت کی تحقیق اور بدعت کے مواضع پر تنبیہ اور تحذیر (ڈرانا) ہے۔ رجال پر طعن کرنا اور اہلِ کمال کی تنقیص کرنا نہیں۔ لیکن ان کے کلام کی شدت، سختی اور لہجہ کی تیزی سے جو انہوں نے اپنی کتاب میں اختیار کیا ہے ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان کا انکار قوی اور ان کی نزاع معنوی ہے اور انصاف کی نظر میں یہ کتاب شیطان کے داخل ہونے اور بدعت و جہالت کے مادہ کو کاٹ ڈالنے کی معرفت میں بے نظیر ہے۔ قطع نظر اس سے کہ ان کے الفاظ کی سختی، انکار کی شدت اور طعن و تشنیع میں گہرائی وحشت میں مبتلا کرنے اور تشویش میں ڈالنے والا ہے، اس لیے اربابِ نصیحت میں سے محققین نے اس کتاب کے پڑھنے اور اس کی مثالیں دینے سے منع کیا اور روکا ہے، اور وصیت کی ہے کہ اس پر غور و خوض نہ کیا جائے۔ تاکہ مشائخ اور اربابِ احوال سوء ظن اور ان کی تنقیص میں مبتلا نہ ہوں جیسا کہ اس کتاب اور اس میں مذکور مثالوں سے منع کیا ہے۔ اسی طرح اربابِ طریقت کی بعض کتابوں مثلاً فصوص اور اس کے مثل اور کتابوں پر غور کرنے سے بھی روکا ہے کہ ان میں اسرار، حقائق اور مواجید کو صریحاً بغیر توقف اور یکسوئی کے لکھ ڈالا ہے۔

چوتھی شرط: جو خلاصہ کلام اور حاصلِ مقصد ہے یہ ہے کہ اپنے علم کی کمی اور عقل کی کمزوری کا اعتراف کرے۔ خدا جانتا ہے کہ انہوں نے (مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے) کیا کہا ہے اور کس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان کی باتوں کو انہیں کے ساتھ چھوڑے اور خود کو اپنے تصرف کو درمیان سے ہٹالے۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ توقف اور انکار اس بات پر کیا جاتا ہے جو اس کی سمجھ میں آ رہی ہے یا احتمال اس امر کا ہو کہ انہوں نے اس چیز کا قصد کیا ہے جو فی نفسہ بری نہیں ہے۔ پس حقیقت میں انکار خود اپنے نفس پر ہوتا ہے ان پر نہیں۔

حاصل کلام کہ شریعت ایک واضح چیز ہے، خود اس کے موافق چل اور اسی کے مطابق کام کر۔ اور اگر تجھ سے مسئلہ شرعی پوچھا جائے تو شریعت کے حکم کے مطابق جواب دے۔ اور اگر صادقانِ راہ کے بارے میں کوئی بات آ جائے تو تغافل سے کام لے اور چشم پوشی اختیار کر۔ واضح رہے کہ انکار دوری اور حرمان کا سبب ہوتا ہے اور تصدیق و اعتقاد کامیابی کا موجب ہے: واللہ الھادی ومنہ التوفیق لنیل الصواب (یعنی: اللہ تعالیٰ ہی ہدایت کرنے والا ہے۔ وہی توفیق دیتا ہے اور وہی صحیح بات تک پہنچاتا ہے)۔

کتاب **قواعد الطریقہ فی الجمع بین الشریعت و الحقیقۃ** سے قواعد کی نقل پوری ہوئی۔ چونکہ اس کتاب کی عبارتیں وقت کی مناسبت سے بے حد مختصر تھیں۔ اس لئے اگر شرح اور وضاحت کی وجہ سے کسی کلمہ یا فقرہ کی زیادتی ہو گئی ہو تو کچھ بعید نہیں لیکن کسی بات یا حکایت کی نقل میں اس اصل سے زیادتی نہیں کی گئی جو شیخ کا مقصود یا ان کا اپنا کلام ہے سوائے بعض جگہوں کے۔ اور

توفیق ملی تو اس مفہوم کو دوسرے رسالوں میں بھی وقت کے تقاضہ کے مطابق کچھ اور مضمون شامل کر کے تفصیلاً بیان کیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔[228]

راہِ تسلیم اور غلبۂ وجد و حال محقق علی الاطلاق، شیخ عبد الحق حنفی، نقشبندی محدث دہلوی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۱۰۵۲ھ، لکھتے ہیں:

وطریق اسلم کہ مرکزِ دائرۂ اعتدال و توسط است تسلیم است۔ چنانچہ گفتہ اند اسلم تسلم۔ وحاصل معنی تسلیم بدان رود کہ بدانند کہ منشائے این امور حالِ صحیح ونسبتِ درست ونیتِ صادق است ولیکن بغلبۂ حال واستیلائے وجد قدم صبر وثبات از جاء در آمد وعنانِ ضبط واختیار از دست رفت بحدیکہ صورت این فعل قبح شرعی وے از نظرِ اعتبار سقوط پذیرفت ونظر بر صرف معنی وروح عمل کہ حضور واخلاص است مقتصر آمد، وقدم از وسط طریق لغزید، واگر این حالت را در عالم ظاہر مثالے طلبند طریان حالتِ غضب وفرح است **علیٰ حسب تفاوت درجاتھما و مراتبھما۔** کہ چگونہ مرد عاقل را بجنباند واز اختیار بیرون آرد وبیخود کرداند، اگرچہ آن حصۂ اختیار کہ مبداء فعل است باقی ست ولیکن سخن در زلت وثبات وغالب ومغلوب می رعد، غلبہ وجد وحال را ہمبرین قیاس توان کرد، واین جز در مقامِ سکر وتلوین وبدایتِ حال نباشد۔

بحث کا طریقہ جو اعتدال اور توسط کا مرکز ہے وہ تسلیم ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے "اَسْلِمْ تَسْلَمْ" (یعنی اسلام قبول کرو سلامت رہو گے)۔ دراصل تسلیم کے معنی یہ ہیں کہ لوگ جان لیں کہ ان امور کا منشا صحیح حالت، درست نسبت اور سچی نیت ہے۔ لیکن حال اور وجد کے غلبہ کی وجہ سے ثبات کا قدم اپنی جگہ سے ہٹ جاتا ہے اور ضبط و اختیار کی عنان ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ شریعت کے لحاظ سے اس فعل کی جو برائی ہے وہ نظر سے ساقط ہو جاتی ہے اور صرف معنی اور روح عمل پر نظر جم کر رہ جاتی ہے کہ یہی چیزیں حضوری و اخلاص کا موجب ہیں، اور قدم درمیانی راستے کے سرے پر پہنچ کر لڑکھڑا جاتا ہے اور اگر اس حالت کو عالمِ ظاہر میں مثال کے ذریعہ سمجھنا چاہیں تو یہ حالتِ غضب کی روانی اور فرحت والی ہے۔ اور وہ درجوں اور مرتبوں کے تفاوت کی بنا پر ہے کہ کس حد تک وہ کسی عقلمند آدمی کو کس طرح حرکت دیتی، بے اختیار کرتی اور بے خود بناتی ہے۔ اگرچہ اختیار کا وہ حصہ جو کسی فعل کا موجب و مبدا ہوتا ہے، باقی رہتا ہے لیکن بات اصل میں خطا ہونے، قائم رہنے، غالب ہونے یا مغلوب ہونے کی ہے۔ وجد اور حال کے غلبہ کو بھی اسی بات پر قیاس کر لیا جائے اور یہ بغیر سکر و تلوین اور حال کے ابتدا میں نہیں ہوتا۔[229]

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

اجتنب صحبة ثلاثة اصناف من الناس العلماء الغافلين و الفقراء المداهنين و المتصوفة الجاهلين۔

یعنی تین قسم کے آدمیوں کی صحبت سے اجتناب کیا کرو۔ ایسے علماء سے جو عمل سے غافل ہوں، ایسے فقیروں سے جو دھوکے باز ہوں اور ایسے صوفیوں سے جو جاہل ہوں۔[230]

---

[228] مرج البحرین، ص، ۸۵، تا، ۸۸، محمد اعلی، ناظم آباد، کراچی) (مرج الجرین، ص: ۱۱۰۔۱۱۴

[229] مرج البحرین، ص، ۳۷، ۳۶، محمد اعلی، ناظم آباد، کراچی) (مرج الجرین، ص: ۵۲

[230] تلبیس إبلیس ص ۳۹۶ دار ابن حزم

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ جو صوفیاء پر تنقید کرنے میں مشہور عالم ہیں وہ بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ: وما کان المتقدمون فی التصوف الارؤوسافی القرآن والفقہ والحدیث واالتفسیر۔

متقدمین صوفیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم علوم قرآن، فقہ، حدیث اور تفسیر کے امام تھے۔[231]

علامہ نور الدین ابو الحسن محمد بن علی بن یوسف بن جریر، قدس سرہ، شطنوفی، علامہ محمد بن یحٰی التاذفی الحلبی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

اخبرنا الشیخ الاصیل محیی الدین ابو محمد یوسف ابن الامام ابی الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن الجوزی۔ قال: قال لی الحافظ ابو العباس احمد بن احمد البغدادی البندلجی: حضرت انا و والدک علیہ الرحمۃ یوما مجلس الشیخ محیی الدین عبد القادر رضی اللہ عنہ، فقرء القاری آیۃ فذکر الشیخ فی تفسیرہا وجہا فقلت لو الدک: اتعلم ہذا الوجہ؟ قال: نعم، ثم ذکر وجہا آخر، فقلت لہ، اتعلم ہذا الوجہ؟ قال: نعم، فذکر الشیخ فیہا احد عشر وجہا، انا اقول لو الدک: اتعلم ہذا الوجہ؟ وہو یقول نعم، ثم ذکر الشیخ وجہا آخر، فقلت لو الدک: اتعلم ہذا الوجہ؟ قال: لا، حتی ذکر فیہا کمال اربعین وجہا یعزو کل وجہ الی قائلہ، و والدک یقول: لا اعرف ہذا الوجہ، و اشتد تعجبہ من سعۃ علم الشیخ، ثم قال: نترک القال، و نرجع الی الحال لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، فاضطرب الناس، اضطرابا شدیدا، و مزق و الدک ثیابہ۔

حافظ ابو العباس احمد بن احمد البندلجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک وقت کا ذکر ہے کہ میں اور ابن الجوزی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس میں حاضر ہوئے اس وقت آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ترجمہ پڑھا رہے تھے۔ قاری نے ایک آیت پڑھی اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے وجوہات بیان فرمانے شروع کیے۔ میں نے پہلی وجہ پر ابن جوزی سے پوچھا: کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو یہ وجہ معلوم ہے تو انہوں نے کہا: ہاں! پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک وجہ بیان فرمائی، میں نے شیخ موصوف سے پوچھا: کہ یہ وجہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو معلوم ہے انہوں نے کہا: ہاں! یہاں تک کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت کریمہ کے متعلق گیارہ وجوہات بیان فرمائیں اور ہر ایک وجہ پر میں شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ موصوف سے پوچھتا گیا کہ آپ کو یہ وجہ معلوم ہے تو شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ موصوف ہر ایک وجہ کی نسبت کہتے گئے کہ ہاں یہ وجہ مجھے معلوم ہے اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک اور وجہ بیان کی جس کی نسبت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ موصوف سے میں نے دریافت کیا تو انہوں نے کہا: کہ یہ وجہ مجھ کو معلوم نہیں۔ اسی طرح آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پوری چالیس وجوہات بیان فرمائیں اور ہر ایک وجہ کو اس کے قائل کی طرف بھی منسوب کرتے گئے اور اخیر تک ہر وجہ پر شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ موصوف نے کہا: کہ مجھے اس کا علم نہیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کی وسعت علم پر نہایت متعجب ہوئے پھر شیخ نے فرمایا کہ ہم قال کو چھوڑ کر حال کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ ان کا یہ کہنا کہ مجلس میں ایک اضطراب پیدا ہو گیا اور آپ کے والد موصوف نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔[232]

الحمد للہ الذی رفع اہل الحق و وضع اہل الباطل و احق الحق و ابطل الباطل و الصلاۃ و السلام علیٰ نبینا و سیدنا و سندنا و وسیلتنا فی الدارین محمد النبی المکمل الاکمل و اعلیٰ الہ و اصحابہ الذین جاھدوا لاحقاق الحق و ابطال الباطل

---

[231] تلبیس إبلیس ص ۳۴۹ دار ابن حزم

[232] بھجۃ الاسرار ومعدن الانوار، ص، ۲۲۵، ۲۲۴، مؤسسۃ الشرف بلاھور، باکستان) ص، ۱۵۲۔ غوثِ جیلانی۔ ص: ۱۶۵

ورفعوا الحق و وضعوا الباطل و علی التابعین الذین ناظروا لاظہار الحق و اخفاء الباطل و علی تبعھم الذین لا یخافون لومۃ لائم فی احقاق الحق الراسخ و ابطال الباطل الزائل اللھم انا نسئلک الفتح و الغلبۃ فی المناظرات مع اھل الباطل بجاہ الرسول الاکمل علیہ الصلاۃ و السلام۔

امابعد! یہ ایک ناقابل فراموش حقیقت ہے کہ ایک عرصہ سے مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبے میں پستی وزوال کے آثار نظر آتے ہیں، بالخصوص ان کی زندگی کا دینی پہلو اس عمومی زوال سے زیادہ متاثر ہوا ہے۔ جس امت کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داری سونپی گئی، دنیا بھر کی رہنمائی اور امامت کے عہدہ پر فائز کیا گیا اور خیر الامم کا عظیم الشان لقب عطا ہوا آج یہی امت مادہ پرستی کا شکار ہو گی ہے اور اپنے اس عظیم مقصد کو پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا ہے۔ اور حال یہ ہے کہ شریعت مطہرہ کی حقیقی روح کا پایا جانا تو درکنار اس کے ظاہری احکام پر عمل بھی مفقود ہوتا جارہا ہے۔

وہ لوگ جنہوں نے امت کی فلاح وکامیابی کا بیڑا اٹھار کھا ہے یعنی جعلی پیر و جاہل صوفی جو خود کو بہت بڑا صوفی و پیر کہلواتے ہیں لیکن شریعت کے الف ب سے بھی واقف نہیں اور جب ان سے کہا جائے جناب والا آپ کی اداؤں میں شریعت کیوں نہیں چھلکتی۔ تو کہتے ہیں ہم اس مقام پر آ چکے ہیں کہ اب ہم شریعت کے مکلف نہیں شریعت کی پابندیاں ہم پر سے اٹھالی گئی ہیں۔

ان کے یہ دعوے محض باطل و خوش فہمی کے ہے کہ ان پر شرعی احکام عائد نہیں۔ اگر ہم صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، حضور غوث اعظم، خواجہ معین الدین چشتی، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی، شاہ نقشبند وغیرہا رضی اللہ عنہم اجمعین کہ ان سے بڑھ کر کون صوفی ہو سکتا ہے جب ہم ان حضرات قدسیہ کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات مستحبات پر بھی اتنی سختی سے عمل کرتے گویا کہ فرض ہو۔

جان لینا چاہئے شریعت و طریقت لازم و ملزوم ہیں یہ ایک دوسرے سے الگ نہیں۔ طریقت و حقیقت شریعت کے خادم ہیں جیسا کہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اور شریعت نام ہے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی اتباع کا اس لئے کہ شریعتِ محمدی ہی سیدھا راستہ ہے جیسا کہ خود ربِ کائنات نے فرمایا ان ربی علی صراط مستقیم(بے شک میرا رب سیدھے راستہ پر ملتا ہے (کنزالایمان)) ہم صوفیاء و علماء رحمہم اللہ کے اقوال کی روشنی میں اس بات کی وضاحت کریں گے کہ شریعت طریقت سے جدا نہیں۔ یوں تو اس موضوع پر علماء و صوفیاء نے بہت کچھ لکھا لیکن یہ اقوال مختلف کتب میں موجود ہیں۔ فقیر نے ان اقوال کو جمع کرنے کی سعی کی ہے۔

دعا ہے کہ رب العالمین اس مختصر کاوش کو اپنی جناب میں قبول فرمائے۔ اور ہم سب کو صراط مستقیم پر استقامت عطا فرمائے۔ اور ہمارے معاشرے کو ان جعلی پیر و جاہل صوفیوں سے نجات عطا فرمائے۔ اولا انہیں ہدایت عطا فرمائے اور اگر انکے مقدر میں ہدایت نہیں تو انہیں نیست ونابود فرماتے اور اسلام کو غالب اور کفر کو مغلوب فرمائے آمین یارب العالمین الرحمن الرحیم

آیات قرآنی

(۱) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (اٰل عمران ۳۱)

اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمان بردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

(۲) یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا (النساء ۵۹)

اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اُسے اللہ و رسول کے حضور رجوع کرو اگر اللہ و قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا

(۳) وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ یَتَّبِـعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا (النساء ۱۱۵)

اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اُسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بُری جگہ پلٹنے کی

(۴) وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا (الاحزاب ۳۶)

اور کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرمادیں تو اُنہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا وہ بے شک صریح گمراہی بہکا

(۵) وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (الحشر ۷)

اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے

(۶) اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (ھود ۵۶)

بیشک میرا رب سیدھے راستہ پر ملتا ہے۔

(۷) وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (الانعام ۱۵۳)

اور یہ کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ تو اس پر چلو اور اَور راہیں نہ چلو کہ تمہیں اس کی راہ سے جدا کر دیں گی یہ تمہیں حکم فرمایا کہ کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے

(۸) الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (الاعراف ۱۵۷)

وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں وہ انہیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کے لیے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں اُن پر حرام کرے گا اور اُن پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے اُتارے گا تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اُترا وہی بامراد ہوئے

(۹) قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (یوسف ۱۰۸)

تم فرماؤ یہ میری راہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں اور جو میرے قدموں پر چلیں دل کی آنکھیں رکھتے ہیں اور اللہ کو پاکی ہے اور میں شریک کرنے والا نہیں

(۱۰) اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ وَ لَوْ لَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (الشوری ۲۱)

یاان کے لیے کچھ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے وہ دین نکال دیا ہے کہ اللہ نے اس کی اجازت نہ دی اور اگر ایک فیصلہ کا وعدہ نہ ہوتا تو یہیں ان میں فیصلہ کر دیا جاتا اور بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے

(۱۱) وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (النساء ۱۳)

اور جو حکم مانے اللہ اور اللہ کے رسول کا اللہ اُسے باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ اُن میں رہیں گے اور یہی ہے بڑی کامیابی۔

(۱۲) وَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ (۱۳۱) وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (۱۳۲) وَ سَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ (آل عمران ۱۳۳)

اور اُس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار رکھی ہے اور اللہ و رسول کے فرمان بردار رہو اس اُمید پر کہ تم رحم کیے جاؤ اور دوڑو اپنے رب کی بخشش اور ایسی جنت کی طرف جس کی چوڑان میں سب آسمان و زمین آ جائیں پرہیزگاروں کے لیے تیار رکھی ہے

(۱۳) اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِسٰلٰتِهٖ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا (سورۃ الجن ۲۳)

مگر اللہ کے پیام پہنچانا اور اس کی رسالتیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم نہ مانے تو بے شک ان کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں۔

(۱۴) وما کان لمومن و لا مومنۃ اذا قضی اللہ و رسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم (الجن ۳۴)

اور جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا حتمی فیصلہ کر دیں تو نہ کسی مومن مرد کے لئے یہ گنجائش ہے نہ کسی مومن عورت کے لئے کہ ان کو اپنے معاملہ میں کوئی اختیار باقی ہے۔

(۱۵) ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (۱۸) اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَ اللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ (۱۹) هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (۲۰) اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَ مَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (سورۃ الجاثیۃ ۲۱)

پھر ہم نے اس کام کے عمدہ راستہ پر تمہیں کیا تو اسی راہ چلو اور نادانوں کی خواہشوں کا ساتھ نہ دو بے شک وہ اللہ کے مقابل تمہیں کچھ کام نہ دیں گے اور بے شک ظالم ایک دوسرے کے دوست ہیں اور ڈر والوں کا دوست اللہ یہ لوگوں کی آنکھیں کھولنا ہے اور ایمان والوں کے لیے ہدایت و رحمت کیا جنہوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اُنہیں ان جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے کہ اِن کی اُن کی زندگی اور موت برابر ہو جائے کیا ہی بُرا حکم لگاتے ہیں

(۱۷) وَ مَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (سورۃ البقرۃ ۲۱۱)

اور جو اللہ کی آئی ہوئی نعمت کو بدل دے تو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے

(۱۸) يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَ اَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ (سورۃ النحل ۸۳)

اللہ کی نعمت پہچانتے ہیں پھر اس سے منکر ہوتے ہیں اور ان میں اکثر کافر ہیں

(۱۹) اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَکْفُرُوْنَ (سورۃ العنکبوت ٦٧)

تو کیا باطل پر یقین لاتے ہیں اور اللہ کی دی ہوئی نعمت سے ناشکری کرتے ہیں۔

(۲۰) یٰاَیُّهَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ (سورۃ المؤمنون ۵۱)

اے پیغمبرو پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھا کام کرو میں تمہارے کاموں کو جانتا ہوں۔

(۲۱) وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا اَوَ لَوْ کَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْـًٔا وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ (سورۃ البقرۃ ۱۷۰)

اور جب ان سے کہا جائے اللہ کے اتارے پر چلو تو کہیں بلکہ ہم تو اس پر چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ عقل رکھتے ہوں نہ ہدایت۔

(۲۲) خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ (سورۃ الاعراف ۱۹۹)

اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو

قال الامام عبد الوھاب الشعرانی قدس سرہ تحت ھذہ الایة: فعلم ان القوم لا یکفون فی اقوالھم و افعالھم بمجرد عمل الناس بھا لاحتمال ان یکون ذلک الفعل او القول من جملة البدع التی لا یشھد لھا کتاب و لا سنة[233]

(۲۳) مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَ مَنْ تَوَلّٰی فَمَا اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا (سورۃ النساء ۸۰)

جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اُس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے تمہیں ان کے بچانے کو نہ بھیجا

احادیث نبویہ ﷺ

(۱) عارف باللہ فنافی اللہ امام ربانی قدس سرہ ایک حدیث شریف کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قال المخبر الصادق علیه الصلوٰۃ و السلام (المرء مع من احب) و حیث کان المحبوب وراء الافاق و الانفس ینبغی للمحب ایضاً ان یتجاوز الآفاق و الانفس بحکم المعیة فیخلف الیسر الانفسی ایضاً وراءہ بالضرورۃ، و یحصل دولة المعیة فھؤلاء الاکابر لا شغل لھم بالآفاق و لا بالانفس ببرکة دولة المحبة۔ بل الافاق و الانفس تابعة لامرھم و السلوک و الجذبة متطفلان بمعاملاتھم و رأس بضاعة ھؤلاء الاکابر المحبة التی إطاعة المحبوب لازمة لھا و إطاعة المحبوب مربوطة باتیان الشریعة علی صاحبھا الصلوٰۃ و السلام و التحیة، التی ھی الدین المرضی للہ تعالیٰ، فعلامة کمال المحبة کمال اتیان الشریعة و ایتان الشریعة بکمالھا منوط بالعلم و العمل و الاخلاص۔ و الاخلاص الذی یتصور فی جمیع الاقوال و الاعمال و جمیع الحرکات و السکنات

---

[233] تنبیہ المغترین ص 21، دار الکتب العلمیة

صاحب مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا"المرء مع من احب" آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے تو محب کو بھی چاہیے کہ وہ تجاوز کر جائے آفاق وانفس سے حکم معیت کی وجہ سے۔ اس لئے لازماسیر انفسی کو بھی پیچھے چھوڑ تا ہے۔ اور معیت کی دولت حاصل کرتا ہے بس یہ بزرگ دولت معیت کی وجہ سے نہ تو آفاق سے سروکار رکھتے ہیں نہ انفس سے۔ بلکہ آفاق وانفس ان کے امر کے تابع ہے اور سلوک و جذبہ کے معاملات کا طفیلی (حریص) ہوتا ہے۔ ان بزرگوں کا سرمایہ محبت ہے۔ جس کے لیے محبوب کی اطاعت لازمی ہے۔ اور محبوب کی اطاعت شریعت کی بجاآوری سے وابستہ ہے۔ جو کہ ان کے (نبی صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) کا پسندیدہ دین ہے۔ لہٰذا کمال محبت کی علامت شریعت کی کمال بجاآوری کو قرار دیا گا۔ اور شریعت کی کامل طور پر بجاآوری علم، عمل، اخلاص ہے۔ ایسا اخلاص جو تمام اقوال (وافعال) اعمال اور جمیع حرکات وسکنات میں پایا جائے۔[234]

(۲) عن ابی محمد عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ ﷺ لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعالما جئت بہ

حضرت عبد اللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوگا جب تک کہ اس کی خواہش میری لائی ہو (شریعت) کے تابع نہ ہو۔[235]

امام الشرف الدین نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

قولہ ﷺ (لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعالما جئت بہ) یعنی ان الشخص یجب اللہ علیہ ان یعرض عملہ علی الکتاب والسنتہ، ویخالف ھواہ، ویتبع ماجاءبہ ﷺ وھذا نظیر قولہ تعالیٰ (وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم) فلس لاحد مع اللہ عزوجل ورسولہ ﷺ امر ولا ھویٰ۔

قولہ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوگا جب تک کہ اس کی خواہش میری لائی ہوئی (شریعت) کے تابع نہ ہو"اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنا عمل کتاب وسنت پر پیش کرنا چاہیے (کہ وہ اس کے مطابق ہے یا نہیں) اسکو اپنی خواہش نفس کے خلاف کرنا چاہیے اور رسول اللہ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی لائی ہوئی شریعت اور اتباع کرنی چاہیے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بھی یہی بات بیان فرمائی ہے۔

وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم (الاحزاب: ۳۴)

اور جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا حتمی فیصلہ کر دیں تو نہ کسی مومن مرد کے لئے یہ گنجائش ہے نہ کسی مومن عورت کے لئے کہ ان کو اپنے معاملہ میں کوئی اختیار باقی ہے۔

توکسی کو بھی یہ اختیار نہیں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا حکم ہوتے ہوئے اسکا حکم یا خواہش چلے۔[236]

(۳) عن ابی نجیح العرباض بن ساریۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال؛ وعظنا رسول اللہ ﷺ موعظۃ وجلت منھا القلوب و ذرفت منھا العیون فقلنا: یارسول اللہ! کانھا موعظۃ مودع فاوصنا قال: اوصیکم بتقوی اللہ عزوجل والسمع والطاعۃ وان تامر علیکم عبد فانہ من یعش منکم فسیری اختلافا کثیر فعلیکم بسنتی وسنتہ الخلفاء الراشدین المھدیین عضو علیھا بالنواجذ

---

[234] المکتوبات الربانیۃ، مکتوب 355، جلد:2، ص:611،612 دار الکتب العلمیۃ

[235] (حدیث حسن صحیح رویناہ فی کتاب "الحجتہ" باسناد صحیح)

[236] شرح الاربعین نوویۃ حدیث رقم 41 صفحہ 135 مکتبتہ المدینۃ

و ایاکم و محدثات الامور فان کل محدثته بدعۃ و کل بدعۃ ضلالۃ۔

حضرت ابو نجیح عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایسا وعظ فرمایا جس سے ہمارے دل دہل گئے، اور آنکھوں سے آنسوں بہنے لگے ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ تو ایسا لگتا ہے جیسے الوداعی واعظ ہو لہذا آپ ہمیں وصیت فرمایئے! آپ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ عزوجل سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور (اپنے امیر کی) بات سننے اور اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ تمہارا امیر کوئی غلام ہی کیوں نہ ہو کیونکہ تم میں سے جو شخص (میرے بعد) زندہ رہے گا وہ بہت سے اختلاف دیکھے گا۔ لہذا تم پر لازم ہے کہ میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو ڈاڑھوں سے پکڑے رہنا (دین میں) نئے پیدا کئے جانے والے کاموں اور نظریات سے بچے رہنا کیونکہ ایسی ہر ایجاد بدعت گمراہی ہے۔[237]

امام شرف الدین النووی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے الفاظ **علیکم بسنتی** کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

قولہ ﷺ (علیکم بسنتی) ای عند اختلاف الامور الزموا سنتی و عضوا علیھا بالنواجذ فمعنیٰ العض علی السنتہ الاخذ بھا و عدم اتباع آراء اھل الامور و البدع۔

نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان تم میری سنت پر ہی رہنا قائم رہنا یعنی جب دینی امور میں اختلاف پیدا ہونے لگے تو میری سنت کو لازم پکڑنا (حدیث کے الفاظ ڈاڑھوں سے پکڑنا) جس کا معنیٰ ہے کہ مضبوطی تھام لینا اور اہل بدعت اور ہوا پرستی کرنے والوں کی رائے کی اتباع نہ کرنا۔[238]

(۴) الشریعت اقوالی و الطریقت افعالی و الحقیقت احوالی و المعرفۃ سری

شریعت میرے اقوال کا نام ہے۔ طریقت میرے اعمال کا، حقیقت میری باطنی کیفیت کا اور معرفت میرا راز ہے۔

اس قسم کی احادیث پر سیدی قدوۃ العارفین، سراج السالکین العالم النبیل مفتی سید احمد علی شاہ قدس سرہ کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

بعض حضرات اس قسم کی احادیث کو خبر واحد یا خبر آحاد کا نام دے کر زیادہ معتبر قرار نہیں دیتے لیکن اہل اللہ کے نزدیک یہی وہ احادیث ہیں جو حقائق سے لبریز اور معرفت کی جان ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جن احادیث کے بہت راوی ہیں وہ زیادہ تر احکام طہارت، وضو، نماز، روزہ، حج، زکواۃ، نکاح، خرید و فروخت سے تعلق رکھتی ہیں اور عوام الناس کے سامنے آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائیں۔ لیکن اسرار و رموز اور حقائق و معارف کی باتیں آپ نے چیدہ چیدہ اصحاب کے سامنے یہاں فرمائیں اس لئے نہ ان کو تواتر نصیب ہوا نہ کثرت روایت۔ دراصل اہل معرفت کے نزدیک سب سے زیادہ قیمتی یہی احادیث ہیں جن کو اصول کی رو سے خبر واحد یا اخبار احاد کہا گیا ہے، ان دو احادیث کا بھی یہی حال ہے، روایت کے طور پر ضعیف اور معرفت کے نقطہ نگاہ سے نہایت بلند علاوہ ازیں کتب حدیث میں بے شمار ایسی احادیث موجود ہیں جن میں تصوف کا لفظ تو نہیں آیا لیکن ہیں تصوف اور معرفت کی جان ہیں۔

علماء و صوفیاء فرماتے ہیں تصوف کی اصل غرض و غایت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول اللہ ﷺ کی محبت و

---

[237] (رواہ ابو دائود و الترمذی وقال: حدیث حسن صحیح)

[238] شرح الاربعین النوویۃ۔ حدیث رقم 28 صفحہ 123 مکتبۃ المدینۃ

اتباع، خوف خدا، اخلاص احسان زہد و توکل شوق و ذوق اور خشوع نصیب ہو جائے تصوف قرآن و حدیث اور اسلام سے الگ چیز نہیں۔[239]

(۵) سیدی عارف باللہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ حدیثِ جبرائیل میں احسان کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔[240]

معلوم ہونا چاہیے کہ دین کی بنیاد اور اس کا کمال تین چیزوں پر ہے فقہ، علم عقائد اور علم تصوف و سلوک پر۔ اس حدیث میں یہ تینوں مقام بیان فرمادیے اسلام فقہ کی طرف اشارہ ہے جس میں اعمال و احکام شرعیہ کا بیان ہوتا ہے،۔ ایمان اعتقادی مسائل اور اصول کلام کی طرف اور احسان اصل تصوف کی طرف اشارہ ہے جو اللہ کی طرف سچی توجہ سے عبارت ہے تصوف کے تمام معانی جن کی طرف مشائخ طریقت سے اشارات فرمائے ہیں اسی معنٰی کی طرف لوٹتے ہیں لہٰذا تصوف اور علم عقائد و کلام ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا اور نہ وجود میں آسکتا ہے۔ اور تصوف فقہ کے بغیر بھی معرض وجود میں نہیں آسکتا۔ کیونکہ احکامات الٰہیہ کی فقہ کے بغیر شناخت نہیں ہو سکتی۔ اور فقہ تصوف کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی کیونکہ سچی توجہ کے بغیر عمل مکمل نہیں ہو سکتا۔ یہ دونوں ایمان کے بغیر صحیح اور درست نہیں ہو سکتے جیسے روح اور جسم کہ ایک دوسرے بغیر وجود میں نہیں آسکتے اور نہ ان میں کمال پیدا ہو سکتا ہے اسی بنا پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

من تصوف و لم یتفقہ فقد تزندق و من تفقہ و لم یتصوف فقد تفسق و من جمع بینھما فقد تحقق۔

جو شخص صوفی بنا لیکن علم فقہ حاصل نہ کیا تو وہ بے دینی کا شکار ہو گیا اور جس نے فقہ حاصل کی مگر تصوف و فقر اختیار نہ کیا تو وہ فسق میں مبتلا ہو گیا اور جس نے دونوں کو جمع کیا، وہ تحقیق کے مقام پر فائز ہو گیا۔

کمال جامعیت یہی ہے باقی سب کجی اور گمراہی ہے توفیق خیر اللہ کریم وبرتر ہی عطا فرمانے والا ہے۔

معلوم ہوا کہ دین اسلام ایمان اور احسان کے مجموعے سے عبارت ہے اور شریعت اس مجموعے کا نام ہے اور کبھی کبھی خاص اسلام پر بھی دین کا اطلاق کر دیا جاتا ہے جیسا کہ اِنَّ الدِّینَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ (آل عمران ۱۹) (اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے) اور کبھی شریعت کا لفظ احکام فرعیہ فقیہ کے ساتھ خاص ہو کر بھی استعمال ہوتا ہے جس طرح شریعت، طریقت اور حقیقت کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں کہ یہ تینوں دین کے اجزا ہیں اور شعبے ہیں۔ در حقیقت شریعت ہی حقیقت ہے تاکہ اہل اسلام جن حقائق پر ایمان لائے ہیں فی الحقیقت ان تک پہنچیں اور جو کچھ انہوں نے سنا اسے سامنے پالیں شریعت دین سے الگ اور مغائر کوئی چیز نہیں۔ اور دین ایک ہی ہے دو نہیں ہیں جو شخص اس تحقیق کے علاوہ کچھ اور سمجھتا ہے وہ خطا پر ہے واللہ اعلم بالصواب۔[241]

(۶) انما الاعمال کالوعاء اذا طاب اسفل طاب اعلاہ اذا فسد اسفل فسد اعلاہ۔

اعمال کی مثال برتن میں رکھی ہوئی چیز کی طرح ہے۔ جب اس کے نیچے کا حصہ اچھا ہو گا تو اوپر کا حصہ بھی اچھا ہو گا۔ اور جب نیچے کا حصہ خراب ہو گا تو اوپر کا حصہ بھی خراب ہو گا۔ (اس لئے کہ تعلقِ اتصال پایا جارہا ہے۔ جیسا کہ گھی میں اگر میل نیچے بیٹھ جائے تو

---

[239] مفتاح السلوک للشیخ سید احمد علی شاہ الترمذی الحنفی السیفی ص 6 تا 9 جلد 1

[240]

[241] اشعتہ اللمعات (مترجم) جلد 1 صفحہ: 204 تا 209

ادنیٰ سی حرکت سے اوپر ظاہر ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر باطن اچھا ہے تو اسکا اثر ظاہر میں بھی ہو گا اور اسکا عکس)

یہ حدیث ضعیف ہے۔

حدیث ضعیف اور اس کے متعلقات کا بیان:

بعض علماء کا یہ معمول ہے کہ جس حدیث شریف کو اپنے موقف کے خلاف دیکھا، فوراً اسے ضعیف کر دیا۔ اس لئے ہم نے مناسب خیال کیا کہ ضعیف حدیث شریف اور اس کے متعلق کچھ لکھ دیا جائے۔

یہ ان لوگوں کی جہالت ہے جو ضعیف کی رٹ لگا کر عوام الناس کو عبادت و ریاضت سے روکتے ہیں۔ عند المحدثین، فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے اور اس سے استحباب ثابت ہو جاتا ہے۔ **ولٰکن الوھابیۃ قومٌ لا یعلمون۔**

خود سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما جائکم عنی من خیر قلتہ او لم اقلہ فانا أقولہ و ما أتاکم عنی من شر فانا لا أقول الشر۔[242]

تمہیں جس بھلائی کی خبر پہنچے خواہ وہ میں نے فرمائی ہو یا نہ فرمائی ہو، میں اسے فرماتا ہوں۔ اور اگر تمہیں بری بات پہنچے تو میں بری بات نہیں فرماتا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من بلغہ عن اللہ شی فیہ فضیلۃ فاخذہٗ و رجاثو ابہ اعطاء اللہ ذلک و ان لم یکن کذلک۔[243]

جس کو اللہ تعالیٰ سے فضیلت کی کوئی خبر پہنچے وہ اپنے یقین اور اس کے ثواب کی امید سے اس بات پر عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ اسے وہ فضیلت عطا فرمائے گا اگرچہ وہ خبر درست نہ ہو۔ مزید ارشاد فرمایا کہ: **ما قیل من اقول حسن فانا قلتہ۔**[244]

جو اچھی بات میری طرف سے پہنچائی جائے وہ میں نے فرمائی۔

وفی روایۃ خذوا بہ حدثت بہ او لم احدث بہ۔[245]

عمل کرو چاہے وہ میں نے فرمائی ہو یا نہ فرمائی ہو۔

امام نووی لکھتے ہیں کہ محدثین کرام فقہائے عظام علماء نے فرمایا ہے کہ فضائل اور ترغیب و ترہیب میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا مستحب ہے۔[246]

امام ابن حجر مکی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہمارے ائمہ فقہاء اصولین اور حفاظ کا اس بات پر

---

[242] (مسند امام احمد ج ۲ ص ۳۶۷)

[243] (کنز العمال ص ۷۹۰ ج ۱۵)

[244] (سنن ابن ماجہ ص ۴)

[245] (کنز العمال ج ۱۰ ص ۲۲۹)

[246] (کتاب الاذکار ص ۵)

اتفاق ہے کہ بے شک ضعیف حدیث مناقب میں حجت ہوتی ہے جس طرح علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث حجت ہوتی ہے۔[247]

علامہ شامی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے:

علی أنّه فی فضائلِ الأعمالِ یجوز عمل بالحدیث الضعیف کما مرّ فی أوّل کتاب الطّهارة۔

اور اس طرح لکھتے ہیں:

و العلماء یتساهلون فی ذکر الحدیث الضعیف و العمل به فی۔[248]

وفی روح البیان: والحدیث الضعیف یعمل بہ فی فضائل الاعمال فعل العاقل أن یموت قبل أن یموت ویحیی بالحیوة الطیبة و ذلک بظهورِ سرّ الحیوة له بتربیة مرشدٍ کاملٍ۔[249]

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مقدمہ اشعت اللمعات شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں: اگر از جہت اتہام کذب راوی باشد درو فحش خطا بود اگر چہ تعدد طرق داشتہ باشد منجر نگرود و حدیث محکوم بہ ضعف باشد در فضائل معمول باشد۔[250]

امام خطیب بغدادی اور محدث بصیل امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ محدثین وغیرہم علماء کے نزدیک ضعیف اسناد میں تساہل اور بے اظہار ضعف موضوع کے علاوہ ہر قسم کی روایت اور اس پر عمل فضائل اعمال وغیرہ امور میں جائز ہے۔[251]

امام سخاوی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ حافظ ابن عبد البر نے کہا ہے: فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے امام نوویؒ نے کہا ہے کہ احتیاط کے مواقع پر بھی ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔

امام نوویؒ نے اپنی کئی کتب میں لکھا ہے کہ محدثین کا اس بات پر اجماع ہے کہ فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔[252]

ابن کثیر لکھتے ہیں: موضوع کے سوا احادیث کو ترغیب و ترہیب قصص مواعظ اور ایسے دیگر امور میں بیان کرنا جائز ہے۔[253]

حافظ زین الدین عراقی نے بھی یہی بیان کیا ہے۔[254]

---

[247] (تطهیر الجنان ص ۱۳)

[248] (فضائل الأعمال, ص ۲۹، ج ۱)

[249] (ص ۲۷۳، ج ۲، بحوالہ اعلام المؤمنین ص ۲۹)

[250] اشعت اللمعات ص ۷

[251] (تدریب الراوی ص ۲۹۸ الکفایہ فی علم الروایہ ص ۱۳۳)

[252] (فتح المغیث ص ۳۳۴، ۳۳۲، ج ۱)

[253] (اختصار علوم الحدیث ص ۲۷)

[254] (التبصرہ و التذکرہ ص ۲۹۱، ج ۱)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اور رجب کے مہینوں کی فضیلتوں میں حدیثیں ضعیف سندوں سے آئی ہیں ان پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں پس اگر اپنی جان میں قوت پائے تو ان پر عمل کرے۔ [255]

اس مفہوم کی عبارات کے لئے ہم صرف حوالہ جات پر خوف طوالت کی وجہ سے اکتفا کر رہے ہیں :

علم الحدیث ص ۹۳، تقریب النواوی ج ا ص ۲۹۸، موضوعات کبیر ص ٦۳، مقدمہ ابن صلاح ص ۴۸، مصطلح الحدیث ص ٦۴، شرح مسلم ص ۲۱۰، ج ا، مرقاۃ المناتیح ص ۸۳ ج ۲، قوت القلوب ص ۳٦۳ ج ا، مقدمہ مشکوٰۃ شیخ عبدالحق ص ۵، شرح المہذب ص ۲۲۲ ج ۳۔

خود اکابرینِ وہابیہ کی گواہی: وہابیہ کے مجدد نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں کہ: احادیث ضعیفہ در فضائل اعمال معمول بہا است۔ [256]

فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔"

وہابیہ کے محدث عبداللہ روپڑی لکھتے ہیں: "فضائل اعمال میں ضعیف حدیث معتبر ہے۔" [257]

روپڑی صاحب ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: "حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر محدثین کا اصول ہے کہ ایسے مسائل میں ضعیف حدیث پر بھی عمل درست ہے۔" [258]

وہابیہ کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری شب برات کی عبادت کے متعلق لکھتے ہیں :

"اس رات کے متعلق ضعیف روایتیں ہیں اس دن کوئی کار خیر کرنا بدعت نہیں ہے بلکہ بحکم **انما الاعمال بالنیات** موجب ثواب ہے۔" [259]

وہابیہ کے مولوی عبد الستار دہلوی نے لکھا ہے:

"ضعیف حدیث بھی قابل عمل ہوتی ہے۔" [260]

وہابیہ کے مولوی عبد الغفور اثری نے امام سخاوی سے نقل کیا ہے کہ جائز اور مستحب ہے کہ فضائل اعمال اور ترغیب و ترہیب میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جائے۔ [261]

وہابیہ کے محدث نذیر حسین دہلوی نے لکھا ہے:

---

[255] (الانتباہ فی سلاسل الاولیاء ص ۲٦)

[256] (مسک الختام ص ۵۷۲ ج ا)

[257] (فتاویٰ اھل حدیث ص ۵٦، ۱۳۷، ج ۲، فتاویٰ علماء کے حدیث ص ۲۵۷ ج ۴)

[258] (فتاویٰ اھل حدیث ج ا ص ۲۷۸)

[259] (فتاویٰ ثنائیہ ص ٦۵٦ ج ا)

[260] (فتاویٰ ستاریہ ص ۳۷ ج ۴)

[261] (احسن الکلام ص ۴۴)

"ضعیف حدیث فضائل میں مقبول ہے۔"[262]

وجواز بر حدیث ضعیف مجمع علیہ آئمہ اسلام است در فضائل۔"ائمہ اسلام کا اجماع واتفاق ہے کہ فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔"[263]

"وہابیہ کے لسان العصر مولوی بشیر الرحمن سلفی نے اپنے وہابیہ کو اس متعلق خوب تبرک دیا ہے۔ چند ایک جملے درج کئے جاتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ بعض مدعیان علم ضعیف حدیث کو تن مردہ سے تشبیہ دے کر اسے بالکل نظرانداز کرنے کے قائل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مردے بیس بھی جمع ہو جائیں تو ایک زندہ کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہ بات غلط ہے ضعیف حدیث کو مردہ نہیں کمزور کہنا چاہئے، یہی ضعیف کا مفہوم ہے۔ ضعیف اور موضوع حدیث میں زمین آسمان کا فرق ہے، حق یہ ہے کہ دو کمزور مرد ایک طاقتور کا مقابلہ کرنے کی سکت رکھتے ہیں۔"[264]

"کسی ضعیف حدیث کا ہر گز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ لازماً ناقابل عمل ہے۔"[265]

احادیث شریف کو ضعیف کہہ کر انہوں نے اپنے خبث باطن کا اظہار اور دل کا غبار اتار لیا ہے۔۔۔نہ جانے کس ملحد وزندیق نے ضعیف احادیث کے بارے میں یہ زہر افشانی کر کے دین کے اکثر و بیشتر حصے کو ناقابل اعتبار بنانے کی مذموم و نامشکور کوشش کی ہے۔ ضعیف احادیث اگر اس احمقانہ انداز سے ناقابل اعتبار ہو جائیں تو حافظ ابن حجر بلوغ المرام میں مسلکِ محدثین کے ثبوت میں بہت سے مقامات پر ضعیف احادیث سے استدلال نہ کرتے، امام بخاری اپنی مایہ ناز کتاب صحیح البخاری میں ضعیف احادیث کو ترجمہ الباب میں تائید کے لئے پیش نہ فرماتے۔"حق یہ ہے کہ تمام آئمہ ھدیٰ نے احادیث ضعاف کو معرض استدلال میں دلیل بنایا ہے۔"[266]

وہابیہ کے محدث زبیر علی زئی کے نزدیک بھی ضعیف حدیث شرائط کے ساتھ فضائل میں معتبر ہے۔[267]

ضعیف حدیث کی تقویت:

اہل علم کے عمل کی وجہ سے بھی حدیث ضعیف کو تقویت مل جاتی ہے۔

"محدثِ جلیل ملا علی قاری علیہ الرحمۃ ایک حدیث کی بابت لکھتے ہیں کہ امام نووی نے کہا کہ اس کی اسناد ضعیف ہیں اس کو میرک سے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی اہل علم کے عمل کی وجہ سے اس حدیث شریف کی تقویت کا ارادہ کرتے ہیں۔"[268]

امام حاکم صلوٰۃ التسبیح کی حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

---

[262](فتاویٰ نذیریہ ص ۳۰۳ ج ۱)

[263](رسالہ تراویح ص ۲۴)

[264](الدعا صفحہ ۲۴)

[265](الدعا صفحہ ۲۷، ۲۶)

[266](الدعا ص ۲۷)

[267](نماز نبوی ص ۲۹ حاشیہ)

[268](مرقاۃ المفاتیح ج ۳ ص ۹۸)

"جس بات سے اس حدیث کی صحت پر استدلال کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ تبع تابعین سے ہمارے دور تک ہمارے مقتدا دوام کے ساتھ اس پر عمل کرتے رہے۔ اور لوگوں کو اس پر عمل کی تلقین کرتے رہے، ان میں حضرت عبد اللہ بن مبارک (رحمۃ اللہ علیہ) بھی ہیں۔"[269]

حضرت علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ **مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح (صفحہ ۹۸ جلد ۳ مکتبہ امدادیہ، باب ما علی المأموم من المتابعت و حکم المسبوق، الفصل الثانی)** اول حدیث کی تشریح میں نقل فرمایا ہے: شیخ محی الدین ابن عربی نے کہا کہ مجھے حضور ﷺ کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ جس نے ستر ہزار مرتبہ **لا الہ الا اللہ** کہا اس کی بخشش کر دی جائے گی، اور جس کو اس کا ثواب بخش دیا جائے اس کی بھی مغفرت کر دی جائے گی۔ میں نے ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ لیا۔ اور میں نے کسی کو اس کا ثواب بخشنے کی نیت نہ کی تھی۔ اتفاقاً میں ایک دعوت میں شریک ہوا اس میں ایک نوجوان جس کو کشف کا درجہ حاصل تھا، شریک تھا۔ اچانک وہ کھانے کے درمیان میں رونے لگا۔ میں نے اس کے رونے کی وجہ دریافت کی، اس نے کہا کہ میں نے اپنی ماں کو عذاب میں گرفتار دیکھا ہے۔ میں نے دل ہی دل میں ستر ہزار کلمہ طیبہ کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا۔ وہ نوجوان ہنسنے لگا۔ اور کہنے لگا، کہ اب میں اپنی ماں کو اچھا حال میں دیکھ رہا ہوں۔ ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی صحت کو اس نوجوان کے کشف سے جان لیا اور اس کے کشف کو حدیث کی صحت سے جان لیا۔[270]

اس سے معلوم ہوا کہ اہل علم کے عمل کے ساتھ کشف سے بھی ضعیف حدیث کو تقویت مل جاتی ہے۔ محدثِ جلیل امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں": معتمد علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اہل علم کی موافقت حدیث شریف کی صحت کی دلیل بن جاتی ہے اگرچہ اس کے لئے کوئی سند قابل اعتماد نہ ہو۔"[271]

وہابی اکابر کی گواہی:

وہابیہ کے محدث نذیر حسین دہلوی نے لکھا ہے:"اس حدیث شریف میں اگرچہ قدرے ضعف ہے مگر تعامل اہل علم کا اس حدیث شریف کے ضعف کو رفع کرتا ہے جیسا کہ اصول حدیث میں ہے کہ تعامل اہل علم سے حدیث کا ضعف رفع ہوتا ہے۔"[272]

---

[269](التقریر والتحبیر ج ۲ ص ۲۴۹)

[270](مرقاۃ المفاتیح صفحہ ۹۸ جلد ۳)

[271](تعقبات علی الموضوعات ص ۱۲)

[272](فتاوی نذیریہ ص ۲۱۱ ج ۱)

وہابیہ کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امر تسری نے ایک حدیث شریف کے ضعیف ہونے کے جواب میں لکھا ہے: "امام بیہقی اور امام ابن منذر کا روایت کر کے اس سے استدلال کرنا اور پھر صدیوں سے محدثین کا اس پر تعامل قابل عمل ہے۔"[273]

دوسرا اصول:

امت کے تلقی یا قبول سے ضعیف حدیث بھی مقبول ہوتی ہے۔

امام سخاوی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: جب امت کسی ضعیف حدیث کو قبول کرلے تو صحیح یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے گا، اور وہ حدیث شریف بمنزل حدیث متواتر ہو گی، اور اس سے کسی قطعی حکم کو منسوخ کر دیا جائے گا اور اس طرح حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ یہ حدیث "وارث کے لئے وصیت نہیں" ائمہ حدیث کے نزدیک ثابت نہیں مگر اس حدیث پر سب نے عمل کیا ہے یہاں تک کہ اس حدیث سے ایک وصیت کو منسوخ قرار دیا ہے۔"[274]

امام سخاوی نے امام شافعی کا جو قول نقل کیا ہے وہ موجود ہے۔[275]

ابن کثیر لکھتے ہیں: "ہم نے ابن تیمیہ کی ایک عبارت دیکھی جس میں لکھا ہوا تھا: "جو حدیث شریف جماعات آئمہ سے نقل کی گئی ہو اور امت نے اسے قبول کر لیا ہو وہ حدیث بھی قطعی ہے۔۔۔ تمام محدثین کا یہی مذہب ہے۔"[276]

امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ کا بھی یہی قول ہے۔[277]

وہابی اکابر کی گواہی:

وہابیہ کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امر تسری لکھتے ہیں کہ: "ضعیف (حدیث) کے معنی یہ ہیں کہ جس میں صحیح کی شرائط نہ پائی جائیں، وہ کئی قسم کی ہوتی ہیں۔ اگر اس کے مقابل میں صحیح حدیث نہیں تو اس پر عمل کرنا جائز ہے جیسے نماز کے شروع میں "سبحنک اللھم" پڑھنے والی حدیث ضعیف ہے مگر عمل ساری امت کرتی ہے۔"[278]

وہابیہ کے محدث حسین بن محسن الانصاری الیمانی نے لکھا ہے کہ امام جلال الدین سیوطیؒ نے فرمایا: "مقبول وہ حدیث شریف ہے جسے علی نے قبول کر لیا ہو اگرچہ اس کی کوئی بھی سند صحیح نہ ہو۔"[279]

---

[273](فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۲۵)

[274](فتح المغیث ج ۱ ص ۳۳۳)

[275](الرسالہ، ص ۱۴۲)

[276] (اختصار علوم الحدیث ص ۳۰، ۲۹)

[277](التکست علی ابن صلاح صفحہ ۳۷۶ ج ۱)

[278](فتاویٰ ثنائیہ ص ۷۶ ج ۲)

[279](تحفۃ المرضیہ ج ۳ص ۱۷۸)

مزید لکھا ہے: "امام سخاوی نے شرح الالفیہ میں ذکر کیا ہے جب امت نے ضعیف حدیث شریف کو قبول کر لیا ہو تو صحیح مذہب کی بنیاد پر وہی ضعیف حدیث معمول بنالی جائے گی۔ یہاں تک کہ وہ بمنزلہ متواتر قرار پا کر نص قطعی کو بھی منسوخ کر سکے گی۔"

تیسرا اصول:

اگر ضعیف حدیث شریف کی اسناد متعدد ہوں تو متعدد طرق سے اس کو تقویت حاصل ہو جاتی ہے۔

خوفِ طوالت کی وجہ سے اب ہم صرف وہابیہ کے اکابر کے حوالہ جات پر ہی اکتفا کریں گے وہابیہ کے محدث ابو سعید شرف الدین دہلوی نے ایک ضعیف حدیث کی دو اسناد ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: "اگر چہ ان دنوں میں کچھ کلام ہے مگر دونوں روایتوں اور دو سندوں کے ملنے سے ہر ایک کو دوسری سے تقویت حاصل ہو گئی گویا ہر دادو حسن تفسیرہ کے حد میں ہے لہٰذا قابل عمل ہے۔"[280]

وہابیہ کے محدث عبد اللہ روپڑی کے نزدیک اگر ضعف تھوڑا ہو تو ضعیف حدیث نہ صرف حسن بلکہ صحیح کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے چنانچہ لکھا ہے کہ "اگر ضعف تھوڑا ہو تو مل کر حسن یا صحیح کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے۔"[281]

مزید لکھا ہے:

"اگر چہ یہ روایت بھی ضعیف ہے مگر مذکورہ بالا روایات کی مؤید ہے ہر صورت عمل میں کوئی حرج نہیں۔"[282]

وہابیہ کے محقق عبد اللہ عفیف نے لکھا ہے:

"واضح ہو کہ حدیث صلوٰۃ التسبیح کی اسنادی حیثیت ہی میں سخت اختلاف ہے، نہ صرف اس کی صحت و ضعف میں بلکہ بعض آئمہ نے اس حدیث کو موضوع تک کہا ہے۔۔۔۔ معلوم ہوا کہ اس حدیث کی اسنادی حیثیت سخت مخدوش ہے تاہم ہمارے نزدیک تعدد طرق کی وجہ سے یہ حدیث قابل عمل ہے۔"[283]

وہابیہ کے لسان العصر مولوی بشیر الرحمن سلفی نے امام ابن حجرؒ کے حوالہ سے لکھا ہے:

"طرق ضعیفہ باہم مل کر تقویت حاصل کر لیتے ہیں۔"[284]

وہابیہ کے مولوی غلام رسول آف قلعہ میاں سنگھ لکھتے ہیں:

"بلکہ متعدد طرق بمرتبہ حسن میرسد"[285]

"بلکہ تعدد طرق کی وجہ سے (ضعیف حدیث) حسن کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔"

وہابیہ کے شیخ الحدیث ثناء اللہ مدنی نے لکھا ہے:

---

[280] (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۲۵، فتاویٰ علمائے حدیث ج ۴ ص ۱۷۹)

[281] (فتاویٰ اہل حدیث ج ۲ ص ۱۳۷)

[282] (فتاویٰ اہل حدیث ج ۲ ص ۱۳۷)

[283] (صلوٰۃ التسبیح ص ۱۱)

[284] (الدعاء ص ۴۹)

[285] (رسالہ تراویح ص ۲۴)

"ان ضعیف احادیث کو آپس میں ملایا جائے تو وبرکاتہ کی زیادتی کو مشروعیت کو تقویت حاصل ہوتی ہے، مقصد یہ ہے کہ کچھ اس کا اصل موجود ہے جس کی بناء پر یہ روایت قابل عمل ہو سکتی ہے"۔[286]

وہابیہ کے مولوی عبد الوہاب دہلوی بھی ضعیف حدیث پر عمل جائز کرتا ہے۔[287]

ضعیف حدیث من گھڑت نہیں ہوتی اور اس سے ثابت مسائل بدعت نہیں ہوتے:

وہابیہ کا بات بات میں ضعیف کی رٹ لگانا اور پھر لوگوں کے سامنے یہ بار آور کرانے کی کوشش کرنا کہ یہ جعلی حدیث ہے سراسر جہالت وحماقت ہے حالانکہ اصول حدیث میں ہے کہ ضعیف حدیث موضوع نہیں ہوتی۔ اس سے ثابت شدہ مسائل بدعت نہیں ہوتے۔ وہابیہ کے اپنے اکابر کی زبانی سن لیجئے:

"حدیث ضعیف فضائل میں مقبول ہے اور اس کو موضوع نہیں کہنا چاہیئے"۔[288]

وہابیہ کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری نے ایک حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ:

"صحیح نہیں ہے مگر بناوٹی بھی نہیں ہے کیونکہ بناوٹی موضوع کو کہتے ہیں البتہ ضعیف ہے۔"[289]

مزید لکھا ہے:

"ضعیف حدیث کے ساتھ بھی جو فعل ثابت ہو وہ بدعت نہیں ہو گا۔[290] "

وہابی مولوی بشیر سلفی نے لکھا ہے:

"ضعیف اور موضوع حدیث میں زمین آسمان کا فرق ہے۔"[291]

ضعیف حدیث سے استحباب کا ثبوت ہے:

وہابیہ کے شیخ الکل مولوی نذیر حسین دہلوی نے لکھا ہے: "حدیث ضعیف سے جو موضوع نہ ہو استحباب و جواز ثابت ہوتا ہے۔[292]

اور امور شرعیہ پر طعن کرنے والا ہیجڑے کی طرح ہے کیونکہ وہ مناجات کے ذوق اور عبادات کی مٹھاس کو نہیں سمجھ سکتے۔

كما فى روح البيان: فلايلتفت الى قول من لا مذاق لهم من الطاعنين فانهم بمنزلة العنين لا يعرفون ذوق المناجاة و حلاوة الطاعات۔[293]

القول الصواب فی مسئلۃ ایصال ثواب میں ہے:

---

[286](ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۲۹ نومبر ۱۹۹۶ ء ص ۸)

[287](مکمل نماز ص ۵۶۶)

[288](فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۳۰۳)

[289](فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۲۲۴)

[290](فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۱۰)

[291](الدعاء ص ۲۴)

[292](فتاویٰ نذیریہ، ص ۵۶۴ ج ۱، فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۰۷)

[293](روح البیان، ج ۴ ص ۶۸۲)

بعض محدثین کچھ احادیث کو ضعیف کہتے ہیں لیکن اصول حدیث میں ہے کہ حدیث صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث موضوع ہی ہے۔

چنانچہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

لا یلزم من عدم صحّتہٖ وجود الوضع کما لا یخفیٰ۔

یعنی کھلی بات ہے کہ حدیث کے صحیح نہ ہونے سے اس کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔[294]

مزید فرماتے ہیں:

قلت لا یلزم من عدم صحتہ ثبوت وضعہ وغایتہ انّہ ضعیفٌ۔

میں کہتا ہوں کہ اس کے صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں غایت یہ کہ وہ ضعیف ہو۔[295]

علامہ زرکشی فرماتے ہیں:

قال الزرکشی۔ بین قولنا لم یصح وقولنا موضوعٌ بونٌ بیّن فانّ الوضع اثبات الکذب۔ وقولنا یصح انّما ھو اخبارٌ عن عدم الثّبوت ولا یلزم منہ اثبات العدم۔

یعنی علامہ زرکشی نے کہا ہے کہ ہم محدثین کا کسی حدیث کو یہ کہنا کہ یہ صحیح نہیں اور کسی کو یہ کہنا کہ یہ موضوع ہے اس میں بڑا فرق ہے۔ موضوع کہنے کے معنی یہ ہیں کہ یہ روایت جھوٹی بنائی ہوئی ہے اور جب ہم یہ کہیں کہ یہ صحیح نہیں (یعنی ضعیف) اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ حدیث جھوٹی بنائی ہوئی ہے بلکہ اس کا حال تو سلب ثبوت ہے۔[296]

ابو طالب محمد بن علی مکی فرماتے ہیں:

الاحادیث فی فضائل الاعمال وتفضیل الاصحاب متقبّلۃٌ محتملۃٌ علیٰ کل حالٍ مقاطیعھا ومراسیلھا لا تعارض ولا تردّ۔ کذٰلک کان السّلف یفعلون۔[297]

یعنی فضائل اعمال و تفضیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی حدیثیں کیسی ہی ہوں، ہر حال میں مقبول وماخوذ ہیں۔ مقطوع ہوں خواہ مرسل، نہ ان کی مخالفت کی جائے گی اور نہ انہیں ردّ کیا جائے گا، آئمہ سلف کا یہی طریقہ تھا۔

ابن عبد البر فرماتے ہیں:

وقد قال ابن عبد البر۔ انھم یتساھلون فی الحدیث اذا کان من فضائل الاعمال[298]

”اور تحقیق ابن عبد البر نے کہا جب حدیث فضائل اعمال کے بارے میں ہو تو علماء اس میں تساہل (نرمی) فرماتے ہیں۔“

امام احمد بن حنبل، امام ابن مہدی، امام ابن مبارک اور امام جلال الدین سیوطی:

ویجوز عند اھل الحدیث وغیرھم التّساھل فی الاسانید الضعیفۃ وروایۃ ماسوی الموضوع من الضعیف والعمل بہ۔

---

[294] (موضوعات الکبری ص ۴۴۳)
[295] (موضوعات الکبری ۴۷۴)
[296] (موضوعات الکبری ۴۷، بحوالہ القول الصواب ص ۷۷)
[297] (قوت القلوب فی معاملۃ محبوب ج ۱ ص ۱۷۸)
[298] (المقاصد الحسنۃ ص ۲۳۵)

"اور محدثین وغیر ہم علماء کے نزدیک ضعیف سندوں میں تساہل (نرمی) اور ہر قسم کی ضعیف حدیث کی روایت اور اس پر عمل فضائل اعمال وغیرہ امور میں جائز ہے جبکہ موضوع حدیث میں یہ جائز نہیں"۔[299]

اسی صفحہ پر ہے:

ابن حنبل و ابن مھدی و ابن المبارک۔ قالوا اذا روینا فی الحلال و الحرام شددنا و اذا روینا وفی الفضائل ونحوھا تساھلنا۔

یعنی امام احمد بن حنبل، امام ابن مہدی اور امام ابن مبارک وغیر ہم سے اس کی تصریح منقول ہے، وہ فرماتے ہیں جب ہم حلال و حرام میں حدیث روایت کرتے ہیں تو سختی کرتے ہیں اور جب فضائل میں روایت کرتے ہیں تو نرمی کرتے ہیں۔

فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے۔

امام ابوزکریا نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

قال العلماء من المحدثین و الفقھاء و غیرھم یجوز ویستحب العمل فی الفضائل و الترغیب و الترھیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعاً۔[300]

یعنی محدثین و فقہاء وغیر ہم علماء نے فرمایا کہ فضائل اور نیک باتوں کی ترغیب اور بری بات سے خوف دلانے میں حدیث ضعیف پر عمل جائز و مستحب ہے جبکہ موضوع نہ ہو۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

و الضعیف یعمل بہ فی فضائل الاعمال اتفاقاً۔ ولذا قال ائمّتنا۔ أن مسح الرّقبۃ مستحبٌ او سنّۃٌ۔[301]

یعنی اور ضعیف احادیث پر فضائل اعمال میں بالاتفاق عمل کیا جاتا ہے اسی لئے ہمارے ائمہ کرام نے فرمایا کہ وضو میں گردن کا مسح مستحب یا سنت ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

و ردفی فضائل رجب الاحادیث باسانید ضعیفۃ لا بأس بالعمل بھا فان و جدفی نفسہٖ قوّۃ فلیعمل بھا۔[302]

اور رجب کے مہینے کی فضیلتوں میں حدیثیں ضعیف سندوں سے آئی ہیں، ان پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں پس اگر اپنی جان میں قوت پائے تو ان پر عمل کرے۔

شارح شفا خفاجی فرماتے ہیں:

الذی یصلح للتّعویل علیہ ان یقال اذا و جد حدیث فی فضیلۃ عمل من الاعمال لا یحتمل الحرمۃ و الکراھیۃ یجوز العمل بہ و یستحب لانّہ مأمون الخطر و مرجوّ النّفع۔

---

[299] (تدریب الراوی ص ۲۹۸)

[300] (اذکار المنتخبۃ من کلام سید الابرار ﷺ، ص ۷)

[301] (الموضات الکبریٰ)

[302] (انتباہ فی سلاسل اولیاء ص ۲۹)

یعنی اعتماد کے قابل یہ بات ہے کہ جب کسی عمل کی فضیلت میں کوئی حدیث پائی جائے اور وہ حرمت وکراہت کے قابل نہ ہو تو اس حدیث پر عمل جائز و مستحب ہے کہ اندیشہ سے امان ہے اور نفع کی امید ہے۔[303]

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

من بلغه عن الله شیئٌ فیه فضیلةٌ فاخذ به ایماناً ورجاء ثوابه اعطاه الله ذالک وان لم یکن کذالک۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جسے اللہ تعالیٰ سے کسی بات میں کچھ فضیلت کی خبر پہنچے وہ اپنے یقین اور اس کے ثواب کی امید سے اس بات پر عمل کرے اللہ تعالیٰ اسے وہ فضیلت عطاء فرمائے گا اگرچہ وہ خبر ٹھیک نہ ہو۔[304]

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

ماجآء کم عنی من خیر قلته اولم اقله فانی اقوله وماجاء کم عنی من شرٍ فانی لا اقول الشر۔

یعنی تمہیں جس بھلائی کی خبر پہنچے خواہ وہ میں نے فرمائی ہو یا نہ فرمائی ہو میں اسے فرماتا ہوں اور جس بری بات کی خبر پہنچے تو میں بری بات نہیں فرماتا۔[305]

ابن ماجہ میں ہے:

ماقیل من قولٍ حسنٍ فانا قلته۔[306]

جو نیک بات میری طرف سے پہنچائی جائے وہ میں نے فرمائی ہے۔

وفی روایةٍ خذوا به حدثت به اولم احدث به۔

یعنی اس پر عمل کرو چاہے وہ میں نے فرمائی ہو یا نہ۔[307]

اہل علم کے عمل کرنے سے بھی ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے:

رواه الترمذی وقال هذا حدیث غریب والعمل علی هذا عند اهل العلم۔ قال النووی واسناده ضعیف نقله میرک فکان الترمذی یرید تقویة الحدیث بعمل اهل العلم۔ والعلم عندالله تعالیٰ کما قال الشیخ محی الدین ابن عربی انه بلغنی عن النبی صلی الله علیه وآله وسلم انه من قال لا اله الا الله سبعین الفا۔ غفر الله تعالیٰ۔ ومن قیل له غفر له ایضا فکنت ذکرت التهلیلة بالعدد المروی من غیر ان انوی لاحد بالخصوص فحضرت طعاما مع بعض الاصحاب وفیهم شاب مشهور بالکشف۔ فاذا هو فی اثناء الاکل اظهر البکاء۔ فسالته عن السبب۔ فقال اری امی فی العذاب فوهبت فی باطنی ثواب التهلیلة المذکورة له فضحک وقال انی اراها الان فی حسن الماب فقال الشیخ فعرفت صحة الحدیث بصحة کشفه وصحة کشفه بصحة الحدیث۔

یعنی امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے اور اہل علم کا اس پر عمل ہے سید میرک نے امام نووی سے نقل کیا کہ اس کی سند ضعیف ہے تو گویا امام ترمذی عمل اہل علم سے حدیث کو قوت دینا چاہتے ہیں، واللہ اعلم اس کی نظیر وہ ہے کہ سیدی شیخ اکبر امام محی

---

[303] (نسیم الریاض شرح شفا ج ۱ ص ۴۳)

[304] (کنز العمال ج ۱۵ ص ۷۹۱ رقم ۴۳۱۳۲)

[305] (احمد فی مسنده ج ۲ ص ۳۶۷ برقم ۸۷۸۷، وج ۲ ص ۴۸۳ برقم ۱۰۲۷۴)

[306] (ابن ماجه ۴)

[307] (کنزل عمال ج ۱۰ ص ۲۲۹ برقم ۲۹۲۱۰)

الدین ابن عربی رحمہ اللہ نے فرمایا مجھے حضور اقدس ﷺ سے حدیث پہنچی ہے کہ جو شخص ستر ہزار بار لا الہ الا اللہ کہے اس کی مغفرت ہو اور جس کے لئے پڑھا جائے اس کی مغفرت ہو۔ میں نے لا الہ الا اللہ اتنی بار پڑھا تھا اس میں کسی کے لئے خاص نیت نہ تھی اپنے بعض رفیقوں کے ساتھ ایک دعوت میں گیا ان میں ایک جوان جس کے کشف کا شہرہ تھا کھانا کھاتے کھاتے رونے لگا۔ میں نے سبب پوچھا کہا ماں کو عذاب میں دیکھتا ہوں۔ میں نے اپنے دل میں کلمہ کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا فوراً وہ جوان ہنسنے لگا اور کہا اب میں اسے اچھی جگہ دیکھتا ہوں۔ امام محی الدین قدس سرہ فرماتے ہیں تو میں نے حدیث کی صحت اس جوان کے کشف کی صحت سے پہچانی اور اس کے کشف کی صحت حدیث کی صحت سے جانی۔

امام سیوطی تعقبات میں امام بیہقیؒ سے نقل فرماتے ہیں: تداولها الصالحون بعضهم عن بعض وفی ذالک تقویة الحدیث المرفوع۔[308]

یعنی صالحین نے ایک دوسرے سے اخذ کیا اور ان کے اخذ میں حدیث مرفوع کی تقویت ہے۔ اسی میں فرمایا: قد صرح غیر واحدٍ بان من دلیل صحة الحدیث قول اهل العلم به وان لم یکن له اسناد یعتمد علی مثله۔[309]

یعنی معتمد علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اہل علم کی موافقت صحت حدیث کی دلیل ہوتی ہے اگرچہ اس کے لئے کوئی سند قابل اعتماد نہ ہو۔

یہ ارشاد علماء احادیث کے بارے میں ہے پھر احادیث فضائل تو احادیث فضائل ہیں۔[310]

عبد الستار غیر مقلد ایک سوال کے جواب میں کہتا ہے کہ ضعیف حدیث بھی قابل عمل ہوتی ہے۔ نبی علیہ السلام کا فرمان ہے:
من تمسک بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهید۔

یعنی سنت پر مضبوطی سے عمل کرتے رہنے کی حدیث میں تاکید ہے خصوصاً جب لوگ اس پر عمل نہ کرنے دیں بلکہ فساد کریں ایسے وقت تو ضرور ہی عمل کرنا چاہیئے۔[311]

امام یحییٰ بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

انهم قد یروون عنهم احادیث الترغیب والترهیب وفضائل الاعمال والقصص واحادیث الزهد ومکارم الاخلاق ونحو ذلک مما لا یتعلق بالحلال والحرام وسائر الاحکام وهذا الضرب من الحدیث یجوز عند اهل الحدیث وغیرهم التساهل فیه وروایة ماسوی الموضوع منه والعمل به لان اصول ذلک صحیحة مقررة فی الشرع معروفة عند اهله۔

"حضرات محدثین ضعیف راویوں سے ترغیب ترہیب، فضائل اعمال، قصہ جات، زہد، اور مکارم اخلاق میں احادیث روایت کرتے ہیں لیکن حلال و حرام کے احکام سے تعلق رکھنے والی احادیث ایسے راویوں سے بالکل روایت نہیں کرتے۔ اس قسم کی احادیث

[308](تعقبات علی الموضوعات ۱۳)

[309](تعقبات علی الموضوعات ص ۱۲)

[310](فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۴۷۷)

[311](فتاویٰ ستاریہ ۴/۷۳ کراچی)

ضعیف راویوں سے روایت کرنا اور ان پر عمل کرنا محدثین کے نزدیک جائز ہے کیونکہ یہ اصولِ شریعت میں صحیح و مقرر اور اہل شریعت کے ہاں معروف ہے۔"[312]

یہی امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی دوسری کتاب **الاذکار صفحہ ۷** پر لکھتے ہیں:

قال العلمآء من المحدثین و الفقہآء وغیرھم یجوز ویستحبّ العمل فی الفضائل و الترغیب و الترھیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعًا۔

محدثین، فقہاء اور دیگر علماء کرام فرماتے ہیں کہ فضائل اعمال ترغیب اور ترہیب کے باب میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز و مستحب ہے جبکہ وہ حدیث موضوع نہ ہو۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں: **ویجوز عند اھل الحدیث وغیرھم التساھل فی الاسانید الضعیفۃ وروایۃ ماسوی الموضوع من الضعیف و العمل بہ۔** یعنی اور محدثین و غیرہم علماء کے نزدیک ضعیف سندوں میں تساہل اور بے اظہارِ ضعف موضوع کے سوا ہر قسم کی حدیث کی روایت اور اس پر عمل فضائلِ اعمال وغیرہ امور میں جائز ہے۔[313]

امام ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

الذی اطبق علیہ ائمّتنا الفقھاء و الاصولیّون و الحفّاظ أنّ الحدیث الضعیف حجۃٌ فی المناقب کما أنّہ ثمّ بأجماع من یعتدبہ حجّۃٌ فی فضائل الاعمال۔

یعنی ہمارے ائمہ، فقہاء، اصولیین، اور حفاظ کا اس پر اتفاق ہے کہ مناقب میں بھی حدیثِ ضعیف حجت ہوتی ہے جس طرح قابل اعتماد علماء کا اس پر اجماع ہے کہ فضائل اعمال میں حدیثِ ضعیف حجت ہوتی ہے۔[314]

(۷) لاتقوم الساعۃ حتی تصیر السنۃ بدعۃ فاذا ترکت البدعۃ یقول الناس ترکت السنۃ

اس حدیث میں جاھل صوفیوں کا بھی رد ہے جو کہتے ہیں کہ باطن کا درست ہونا کافی ہے گو کہ ظاھر کیسا بھی ہو۔ جبکہ حدیثِ شریف انکے قول کے برعکس ہے۔

قال الامام عبدالوھاب الشعرانی قدس سرہ تحت ھذا الحدیث: و ذلک لتوارث الفروع البدع عن اصولھم فلما طال زمن العمل بالبدع ظن الناس انھا سنۃ مماسنۃ رسول اللہ ﷺ[315]

(۸) یخرج فی آخر زمان اقوام یحتالون ای یطلبون الدنیا بعمل الآخرۃ: ای الدنیا بالدین یلبسون جلود الضان من اللین السنتھم احلی من العسل وقلوبھم قلوب الذئاب یقول اللہ تعالیٰ: ابی یغترون ام علیّ یجترئون؟ فبی حلفت لابعثن علی اولئک فتنۃ تدع الحلیم فیھم حیران

بغیر علم کے زہد اختیار کرنے والے کا انجام:

امام العارفین حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

---

[312] (شرح مسلم نووی ص ۲۱، ج ۱)
[313] (تدریب الروی ص ۲۹۸)
[314] (تطھیر الجنان واللسان، ص ۱۳)
[315] تنبیہ المغترین، ص:22،21 دار الکتب العلمیۃ

(۹) اگر جہالت (علم کے بغیر) سے کوئی شخص خدا رسیدہ ہوتا تو ابوجہل کعبہ (مکہ مکرمہ) میں کافر نہ مرتا۔ یعنی اگر حضور ﷺ کی لائی ہوئی شریعت اور آپ کی سنت کے بغیر ہی کوئی خدا شناس ہوتا تو پھر ابوجہل مکہ مکرمہ میں حالت کفر میں نہ مرتا۔ پھر ایک حدیث نقل فرمائی۔

(۱۰) **حدیث: من تزھد بغیر علم فھو جن فی اخر عمرہ او مات کافر۔**

جس نے بغیر علم (بغیر اتباع رسول ﷺ) کے زہد اختیار کیا۔ آخری عمر میں اسے جنون ہو جاتا ہے۔ یا وہ کافر ہو کر مرتا ہے۔[316]

امام العارفین حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ اپنی تصنیف لطیف طرفۃ العین میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں:

(۱۱) **حدیث: اذا رأیت رجلا یطیر فی الھواء و یا کل النار و یمشی علی الماء فیہ ترک السنۃ فاضر بہ بالنعلین۔**

اگر تو کسی شخص کو ہوا میں اڑتا ہوا دیکھے یا آگ کھاتا ہوا دیکھے یا پانی پر چلتا ہوا پائے لیکن وہ تارک سنت ہو تو اسے جوتوں سے مار۔ (کیونکہ یہ سب شیطانی راہ یعنی استدراج ہے)[317]

(۱۲) **فقیہ واحد أشد علی الشیطان من ألف عابد**

ایک فقیہ شیطان پر ہزاروں عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔[318]

(۱۳) **عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ ﷺ انہ قال: انما مثلی و مثل ما بعثنی اللہ بہ کمثل رجل اتی قوما فقال: یا قومی انی رائت الجیش بعینی و انی النذیر العریان فالنجاء النجاء فاطاعہ طائفۃ من قو نۃ فادلجوا فانطلقوا علی مھلھم فنجوا و کذبت طائفۃ منھم فاصبحوا مکانھم فصبحھم الجیش فاھلکھم و اجتاحھم فذلک مثلی و مثل من اطاعنی فاتبع ما جئت بہ من الحق و مثل من عصانی و کذب بما جئت بہ من الحق۔**[319]

(۱۴) **عن عبادۃ بن الصامت قال: اخبرنی ابی عن ابیہ قال: بایعنا رسول اللہ ﷺ علی السمع و الطاعۃ فی العسر و الیسر و المنشط و المکرہ و ان لا ننازع الامر اھلہ و ان نقول بالحق حیث کنا و لا نخاف فی اللہ لومۃ لائم**[320]

(۱۵) **عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال: من اطاعنی فقد اطاع اللہ، و من عصانی فقد عصی اللہ۔ متفق علیہ**

"حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی، سو اس نے اللہ تعالیٰ کی عطاعت کی، اور جس نے میری نافرمانی کی، سو اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔" یہ حدیث متفق علیہ ہے۔[321]

---

[316] طرفۃ العین ص ۱۲، شبیر برادرز

[317] طرفۃ العین، ص ۱۷، شبیر برادرز

[318] رواہ الترمذی و ابن ماجہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

[319] الصحیح البخاری کتاب اعتصام بالکتاب و السنۃ، باب اقتداء بسنن الرسول رقم الحدیث: 6854

الصحیح المسلم کتاب الفضائل، باب شفقتہ ﷺ علی امتہ و مبالغتہ فی تحذیرھم مما یضرھم رقم الحدیث: 2283

[320] الصحیح البخاری کتاب الاحکام باب یبایع الامام الناس رقم الحدیث: 6774

الصحیح المسلم کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ و تحریمھا فی المعصیۃ، رقم الحدیث: 1709

سنن نسائی کتاب البیعۃ، باب البیعۃ علی السمع و الطاعۃ رقم الحدیث: 4149

سنن ابن ماجہ کتاب الجھاد باب البیعۃ رقم الحدیث: 2866

[321] الصحیح البخاری رقم الحدیث: 2797 الصحیح المسلم رقم الحدیث: 1835

(۱۶) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: دعونی ماترکتکم فانما ھلک من کان قبلکم بسوالھم واختلافھم علی انبیائھم فاذا نھیتکم عن شئی فاجتنبوہ واذا امرتکم بامر فاتوا منہ مااستطعتم۔ متفق علیہ

"حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس وقت تک چھوڑے رہو جب تک میں تمہیں چھوڑے رہوں، کیوں کہ تم سے پہلے لوگ زیادہ سوال کرنے اور اپنے انبیاء سے اختلاف کرنے کے باعث ہی ہلاک ہوئے، لہٰذا جب میں تمہیں کسی بات سے روکوں تو اس سے اجتناب کرو، اور جب میں تمہیں کسی کام کے کرنے کا حکم دوں تو حسبِ استطاعت اس کی تعمیل کرو۔" یہ حدیث متفق علیہ ہے۔[322]

(۱۷) عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنھما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ رواہ ابن ابی عاصم وفی روایۃ للبیھقی قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لن یستکمل مومن ایمانہ حتی یکون ھواہ تبعا لما جئتکم بہ۔
وقال الخطیب التبریزی: وقال النووی فی اربعینہ: ھذا حدیث صحیح رویناہ فی کتاب الحجۃ باسناد صحیح
وقال العسقلانی: اخرجہ الحسن بن سفیان وغیرہ ورجالہ ثقات وقد صححہ النووی فی آخر الاربعین

"حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشِ نفس میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔"

اسے امام ابن ابی عاصم نے روایت کیا ہے۔

امام بیہقی کی روایت میں ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "کسی مومن کا ایمان اس وقت تک درجۂ کمال کو نہیں پا سکتا جب تک کہ اس کی خواہشِ نفس تمہارے پاس میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔" خطیب تبریزی نے فرمایا: امام نووی نے اپنی "اَربعین" میں فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے۔ اسے ہم نے کتاب الحجۃ میں سندِ صحیح کے ساتھ بیان کیا ہے۔ امام ابن حجر عسقلانی نے فرمایا: اسے حسن بن سفیان اور ان کے علاوہ دیگر محدّثین نے بھی روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ اور امام نووی نے بھی اپنی اَربعین کے آخر میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔[323]

(۱۸) عن ابی موسی رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: انما مثلی ومثل ما بعثنی اللہ بہ کمثل رجل اتی قوما فقال: یا قوم انی رایت الجیش بعینی وانی انا النذیر العریان فالنجاءَ فاطاعۃ طائفۃ من قومہ فادلجوا فانطلقوا علی مھلھم فنجوا وکذبت طائفۃ منھم فاصبحوا مکانھم فصبھم الجیش فاھلکھم واجتاحھم فذالک مثل من اطاعنی فاتبع ما جئت بہ ومثل من عصانی وکذبت ماجئت بہ من الحق۔ متفق علیہ

"حضرت ابوموسیٰ (اشعری) رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک میری اور اس (دینِ حق) کی جس کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا ہے مثال اس شخص کی سی ہے جس نے اپنی قوم کے پاس آ کر کہا: اے میری قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے ایک فوج دیکھی ہے۔ میں تمہیں واضح طور پر اس سے ڈرانے والا ہوں لہٰذا اپنی حفاظت کا سامان کر لو۔ چنانچہ اس کی قوم سے ایک جماعت نے اس کی بات مانی، راتوں رات نکل کر اپنی پناہ گاہ میں جا چھپے اور بچ گئے جبکہ ایک جماعت نے اسے جھٹلایا اور صبح تک اپنے اپنے مقامات پر ہی (بے فکری سے پڑے) رہے۔ منہ اندھیرے ایک لشکر نے ان پر حملہ کر دیا انہیں ہلاک کر کے غارت

[322] الصحیح البخاری رقم الحدیث: 6858 الصحیح المسلم رقم الحدیث: 1337
[323] اخرجہ ابن ابی عاصم فی السنۃ: الرقم 15، والبیھقی فی المدخل: الرقم: 209، والخطیب فی مشکاۃ: الرقم: 167، والعسقلانی فی فتح الباری 289/13

گری کا بازار گرم کر دیا۔ سو یہ مثال ہے اس کی جس نے میری اطاعت کی اور جو (دین حق) میں لے کر آیا ہوں اس کی پیروی کی۔ اور (دوسری) اس شخص کی مثال ہے جس نے میری نافرمانی کی اور جو حق میں لے کت آیا ہوں اسے جھٹلایا۔"

یہ حدیث متفق علیہ ہے۔[324]

(۱۹) عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما قال: جائت ملائکۃ الی النبی ﷺ وھو نائم ۔۔۔۔قال بعضھم انہ نائم و قال بعضھم ان العین نائمۃ و القلب یقظان ، فقالو افالدار الجنۃ و الداعی محمد ﷺ فمن اطاع محمدا فقد اطاع اللہ و من عصی محمدا فقد عصی اللہ و محمد فرق بین الناس۔

"حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ کچھ فرشتے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے جبکہ آپ ﷺ سوئے ہوئے تھے۔۔۔ تو ان میں سے ایک نے کہا: یہ تو سو رہے ہیں۔ دوسرے نے کہا: (ان کی) آنکھ سوتی ہے مگر دل بیدار رہتا ہے۔ پھر انہوں نے کہا: حقیقی گھر جنت ہی ہے اور محمد ﷺ (حق کی طرف) بلانے والے ہیں۔ جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی ہی اطاعت کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، محمد ﷺ اچھے اور برے لوگوں میں فرق کرنے والے ہیں۔"

اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔[325]

(۲۰) "حضرت ابو ہریرہ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میری ساری امت جنت میں داخل ہو گی سوائے اس جس نے انکار کیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! انکار کون کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔[326]

(۲۱) "حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ بیمار ہوا تو حضور ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور اس کے سرہانے کے پاس تشریف فرما ہو کر اُس سے فرمایا: اسلام قبول کر لو۔ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اُس کے پاس بیٹھا تھا تو اس نے کہا: ابو القاسم ﷺ کی اطاعت کرو۔ وہ لڑکا مسلمان ہو گیا (اور پھر اسی وقت اس لڑکے کا انتقال ہو گیا) تو آپ ﷺ یہ فرماتے ہوئے باہر تشریف لائے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اسے جہنم سے بچا لیا۔"

اسے امام بخاری، ابو داود اور احمد نے روایت کیا ہے۔

(۲۲) "حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے سونے کی ایک انگوٹھی بنوائی تو لوگوں نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوا لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے سونے کی انگوٹھی بنوائی تھی۔ پھر آپ ﷺ نے اسے پھینک دیا اور فرمایا: اب میں اسے کبھی نہیں پہنوں گا تو لوگوں نے بھی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں۔"

یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

---

[324] الصحیح البخاری۔ الرقم الحدیث: 6854، الصحیح المسلم۔ الرقم الحدیث: 2283

[325] رواہ البخاری الصحیح البخاری۔ الرقم الحیث: 6851

[326] اسے امام بخاری، أحمد اور ابن حبان نے روایت کیا ھے۔

(۲۳) "حضرت عبداللہ بن عمر بیان فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو آپ ﷺ نے اسے اُتار کر پھینک دیا اور فرمایا: تم میں سے کوئی شخص آگ کے انگارے کا قصد کرتا ہے اور اسے اپنے ہاتھ میں رکھ لیتا ہے۔رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد اس شخص سے کہا گیا: جاؤ اپنی انگوٹھی اُٹھا لو اور (اسے فروخت کر کے) فائدہ اٹھاؤ، اس نے کہا: خدا کی قسم! جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے پھینک دیا ہو اس کو میں کبھی نہیں اُٹھاؤں گا۔" اسے امام مسلم، ابن حبان اور ابو عوانہ نے روایت کیا ہے۔

(۲۴) "حضرت انس سے روایت ہے کہ میں حضرت ابو طلحہ کے گھر پر لوگوں کو شراب پلا رہا تھا اور ان دنوں وہ کھجور کی شراب پیتے تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے منادی کو یہ اعلان کرنے کا حکم فرمایا: آگاہ ہو جاؤ! شراب حرام قرار دے دی گئی ہے۔ حضرت انس نے بیان کیا کہ حضرت ابو طلحہ نے مجھ سے کہا: باہر جا کر اسے بہا دو تو میں نے وہ بہا دی۔ وہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں بہہ رہی تھی۔ بعض لوگوں نے کہا: بعض مقتول لوگوں (شہیدوں) کے پیٹوں میں یہ (شراب) تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "اُن لوگوں پر جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ (حرمتِ خمر کے حکم سے پہلے) کھا پی چکے۔"

یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

(۲۵) "حضرت عابس بن ربیعہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر حجرِ اسود کے پاس آئے اور اسے بوسہ دے کر کہا: میں خوب جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے نہ تو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع۔ اگر میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں کبھی تجھے بوسہ نہ دیتا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"یہ وہ کام ہے جسے خود حضور ﷺ نے فرمایا ہے سو ہم بھی اسے ترک کرنا پسند نہیں کرتے"

یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

(۲۶) "حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا: حضور نبی اکرم ﷺ مسجد قباء میں ہر ہفتے کو پیدل اور سوار ہو کر تشریف لایا کرتے اور حضرت عبداللہ بن عمر بھی ایسا ہی کیا کرتے"

یہ روایت متفق علیہ ہے۔

(۲۷) "حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ جب سے میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو رکنِ یمانی اور حجرِ اَسود کی تعظیم کرتے دیکھا ہے تب سے میں نے ان دو رکنوں کی تعظیم کو کبھی نہیں چھوڑا، شدت میں نہ آسانی میں" یہ روایت متفق علیہ ہے مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

ایک روایت میں حضرت نافع کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے حجرِ اَسود کو ہاتھ لگایا پھر ہاتھ کو چوم لیا اور فرمایا: "جب سے میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے میں نے کبھی اس (عمل) کو ترک نہیں کیا"۔

اس روایت کو امام مسلم، اَحمد اور بن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔

(۲۸) "حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالحلیفہ کے مقام پر پتھریلی زمین میں اپنی اونٹنی بٹھائی اور نماز پڑھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر بھی ایسا ہی کیا کرتے" یہ روایت متفق علیہ ہے۔

(۲۹) "حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ مسجد قباء میں صبح کی نماز پڑھنے والوں کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ آج رات رسول اللہ ﷺ پر قرآن کریم نازل ہوا ہے اور اس میں حکم فرمایا گیا ہے کہ نماز میں کعبہ کی جانب رُخ کیا جائے پس اس کی جانب اپنا رخ کر لو۔ راوی کا بیان ہے کہ لوگوں کا رخ شام (بیت المقدس) کی طرف تھا لیکن انہوں نے اپنے منہ کعبہ کی جانب کر لیے"

یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

(۳۰) حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مہینے کے آخر میں سحری وافطاری کیے بغیر مسلسل روزے رکھنے شروع کر دیے تو بعض دیگر لوگ بھی وصال کے روزے رکھنے لگے۔ حضور نبی اکرم ﷺ تک جب یہ بات پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر یہ رمضان کا مہینہ میرے لیے اور لمبا ہو جاتا تو میں مزید وصال کے روزے رکھتا تاکہ میری برابری کرنے والے میری برابری کرنا چھوڑ دیتے۔ میں قطعاً تمہاری مثل نہیں ہوں، مجھے تو میرا ربّ کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے" یہ روایت متفق علیہ ہے۔

(۳۱) "حضرت عُروہ بن زُبیر اور سعید بن مسیّب سے روایت ہے کہ حضرت حکیم بن حزام نے بیان کیا کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے مانگا تو آپ ﷺ نے مجھے عطا فرمایا میں نے پھر مانگا آپ ﷺ نے پھر عطا فرمایا میں نے پھر مانگا آپ ﷺ نے پھر عطا فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے حکیم! یہ مال سرسبز اور شیریں ہے۔ جو اسے نفس کی بے رغبتی سے لیتا ہے تو اس میں اسے برکت دی جاتی ہے اور جو اسے دِلی لالچ سے لیتا ہے تو اس میں اسے برکت نہیں دی جاتی اور وہ اس شخص کی طرح ہے کہ کھائے اور سیر نہ ہو۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ حضرت حکیم کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! میں آپ کے بعد کسی سے کوئی چیز قبول نہیں کروں گا یہاں تک کہ دنیا کو خیرباد کہہ دوں۔ پھر حضرت ابو بکر نے (اپنے دورِ خلافت میں) حضرت حکیم کو مال دینے کے لیے بلایا تو انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر حضرت عمر نے انہیں مال دینے کے لیے بلایا تو بھی انہوں نے لینے سے انکار کر دیا تو حضرت عمر نے فرمایا: اے گروہ مسلمین! میں تم سب کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں اس مالِ غنیمت میں سے حضرت حکیم کو ان کا حق پیش کر رہا ہوں لیکن وہ اسے لینے سے انکار کر رہے ہیں۔ حضرت حکیم نے حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد کسی سے بھی مال لینا قبول نہیں کیا یہاں تک کہ (اسی حال میں) وفات پا گئے۔" یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

(۳۲) "حضرت نزال نے بیان کیا کہ حضرت علی کی خدمت میں پانی پیش کیا گیا جبکہ وہ باب الرحبہ کے پاس کھڑے تھے تو انہوں نے کھڑے کھڑے پانی نوش کیا اور فرمایا: اگر کوئی آدمی کھڑا ہو کر پانی پیے تو کچھ لوگ اسے مکروہ جانتے ہیں حالانکہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے جس طرح تم نے مجھے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔"

اس حدیث کو امام بخاری، ابو داود اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

(۳۳) "حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی سواری کی پیٹھ پر سر کے اشارے سے نوافل پڑھ لیا کرتے خواہ اس کا رخ کسی طرف ہوتا اور حضرت عبداللہ بن عمر بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔"

اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

(۳۴) "حضرت موسیٰ بن عقبہ سے روایت ہے کہ حضرت سالم بن اللہ کو میں نے دیکھا کہ راستے میں جو مقامات تھے انہیں تلاش کر کر کے ان میں نماز پڑھا کرتے اور بتایا کرتے کہ ان کے والد ماجد ان میں نماز پڑھا کرتے اور انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو ان مقامات میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ موسیٰ بن عقبہ نے کہا کہ مجھ سے نافع نے بیان کیا کہ حضرت ابن عمر ان مقامات میں نماز پڑھا کرتے تھے اور میں نے سالم سے پوچھا تو انہوں نے تمام مقامات کے بارے میں نافع سے موافقت کی البتہ دونوں کا شرفِ روحاء والی مسجد کے بارے میں اختلاف تھا۔"

اس حدیث کو امام بخاری اور ابو عوانہ نے روایت کیا ہے۔

(۳۵) "حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان سے روایت ہے، عروہ بن مسعود (جب بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں کفار کا وکیل بن کر آیا تو) صحابہ کرام کو بغور دیکھتا رہا۔ مسور بن مخرمہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی قسم! جب بھی رسول اللہ ﷺ اپنا لعاب دہن پھینکتے تو کوئی نہ کوئی صحابی اسے اپنے ہاتھ پر لے لیتا اور اسے اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا۔ اور جب آپ ﷺ کسی بات کا حکم دیتے تو اس کی فوراً تعمیل کرتے۔ جب آپ ﷺ وضو فرماتے تو لوگ آپ ﷺ کے استعمال شدہ پانی کو حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتے۔ جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو صحابہ اپنی آوازوں کو پست کر لیتے اور انتہائی تعظیم کے باعث آپ ﷺ کی طرف نظر جما کر بھی نہ دیکھتے۔ اس کے بعد عروہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ گیا اور ان سے کہنے لگا: اے میری قوم! اللہ کی قسم! میں بادشاہوں کے درباروں میں وفد لے کر گیا ہوں، میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے درباروں میں حاضر ہوا ہوں لیکن خدا کی قسم! میں نے کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا کہ اس کے درباری اس کی اس طرح تعظیم کرتے ہوں جیسے محمد ﷺ کے اصحاب ان کی تعظیم کرتے ہیں۔"

اسے امام بخاری، احمد اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔

(۳۶) "حضرت عبد اللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے وقت حضرت مقداد بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں یوں عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ! ہم آپ سے وہ بات ہر گز نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی: پس تم جاؤ اور تمہارا ربّ (ساتھ جائے) سو تم دونوں (ہی ان سے) جنگ کرو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔" بلکہ آپ تشریف لے چلیں، ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ ﷺ کو ان کے اس جواب سے بہت خوشی و مسرت ہوئی۔"

اس حدیث کو امام بخاری، نسائی اور اَحمد نے روایت کیا ہے۔

(۳۷) "حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو جب ابو سفیان کے تجارتی قافلہ کی آمد کا پتہ چلا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ تو (مہاجرین میں سے) حضرت ابو بکر نے کچھ کہنا چاہا، آپ ﷺ نے ان سے اِعراض فرمایا، حضرت عمر نے کچھ کہنا چاہا تو آپ ﷺ نے ان سے بھی اِعراض فرمایا، تب (انصار میں سے) حضرت سعد بن عبادہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ ہم لوگوں (یعنی انصار) سے رائے لینا چاہتے ہیں؟ تو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر آپ ہمیں اپنی سواریاں سمندر میں ڈالنے کا حکم دیں گے تو ہم انہیں سمندر میں ڈال کر رہیں گے اور اگر آپ ہمیں حکم دیں کہ اپنی اونٹنیوں کے سینے برک الغماد پہاڑ سے جا ٹکرائیں تو ہم ضرور اسی طرح کر کے رہیں گے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ (خوش ہوئے اور آپ ﷺ نے) لوگوں کو دعوتِ (جہاد) دی۔"

اس حدیث کو امام مسلم، اَحمد اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔

(۳۸) "حضرت عبد اللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت مقداد کا ایک ایسا منظر دیکھا کہ اس منظر کا مالک ہونا میرے لیے دینا کی ہر چیز سے بڑھ کر محبوب ہے (یعنی کاش اس وقت ان کی جگہ میں ہوتا) وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ (یعنی حضرت مقداد) حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ ایک بہادر شخص تھ، انہوں نے عرض کیا: یا نبی اللہ! آپ خوش ہو جائیں۔ خدا کی قسم! ہم آپ سے اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا: ﴿پس تم جاؤ اور تمہارا ربّ (ساتھ جائے) سو تم دونوں (ہی ان سے) جنگ کرو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ لیکن اس ذات کی قسم جس نے حق کے ساتھ آپ کو مبعوث فرمایا! ہم (جہاد میں) آپ کے سامنے، دائیں طرف اور بائیں طرف اور آپ کے پیچھے ہوں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کو فتح عطا فرما دے، پس میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کا چہرہ اقدس دیکھا کہ وہ خوشی سے چمک اٹھا اور آپ ﷺ کو ان کی اس بات نے بہت خوش کیا۔"

اس حدیث کو امام بخاری، اَحمد، بزار اور حاکم نے مذکورہ الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(۳۹) "حضرت عبد اللہ بن عمر نے بیان کیا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تمہاری عورتیں مسجد جانے کی اجازت مانگیں تو ان کو مسجدوں میں جانے سے منع نہ کرو۔ حضرت عبد اللہ بن عمر کے بیٹے بلال نے کہا: خدا کی قسم! ہم ان کو مسجد جانے سے ضرور منع کریں گے۔ راوی نے کہا کہ پھر حضرت عبد اللہ بن عمر (اپنے بیٹے) بلال سے ایسی سخت کلامی کی کہ ایسی انہوں نے کبھی نہ کی تھی اور فرمایا: میں تمہیں حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان بیان کرتا ہوں اور تم کہتے ہو کہ میں ضرور منع کروں گا۔

اس حدیث کو امام مسلم، احمد اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔

امام مسلم کی ایک روایت کے الفاظ ہیں: پھر حضرت عبد اللہ بن عمر نے اپنے بیٹے کو خوب ڈانٹا اور فرمایا: میں حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان بیان کرتا ہوں اور کہتے ہو کہ ہم اجازت نہیں دیں گے۔

امام مسلم کی ایک اور روایت کے الفاظ ہیں: حضرت عبد اللہ بن عمر نے اس کے سینے پر (زور سے ہاتھ) مارا اور فرمایا: میں حضور نبی اکرم ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تم انکار کرتے ہو۔ امام طبرانی اور طیالسی کے الفاظ ہیں: پھر حضرت عبد اللہ بن عمر نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اسے تھپڑ مار کر فرمایا: میں حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان بیان کر رہا ہوں اور تم ایسی بات کر رہے ہو۔

امام احمد بن حنبل نے بیان فرمایا: پھر حضرت عبد اللہ بن عمر نے مرتے دم تک اس (بیٹے) سے بات نہیں کی۔"

(۴۰) "حضرت عبد اللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور نبی اکرم ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے، ناگاہ نمازیوں میں سے ایک شخص نے کہا: اللہ اکبر کبیرا و الحمد للہ کثیرا و سبحان اللہ بکرۃ و اصیلا نماز کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ کلمات کہنے والا کون ہے؟ نمازیوں میں سے ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے تعجب ہوا کہ ان کلمات کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے گئے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں کہ جب سے میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے یہ بات سنی ہے ان کلمات کو کبھی نہیں چھوڑا۔"

اس حدیث کو امام مسلم، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

(۴۱) "جبیر بن نفیر بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت کے ساتھ سترہ یا اٹھارہ میل کی مسافت پر ایک بستی میں گیا تو آپ نے وہاں دو رکعت نماز پڑھی، میں نے ان سے وجہ پوچھی تو انہوں نے فرمایا: میں وہی کرتا ہوں جو میں نے حضور ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔"

اس حدیث کو امام مسلم، نسائی، اَحمد اور بزار نے روایت کیا ہے۔

(۴۲) "حضرت مقدام بن معدی کرب سے مروی ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سن لو! عنقریب ایک آدمی کے پاس میری حدیث پہنچے گی، وہ اپنی مسہری پر ٹیک لگائے بیٹھا ہوا کہے گا: ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کی کتاب (ہی کافی ہے)، ہم جو چیز اس میں حلال پائیں گے اسے حلال سمجھیں گے اور جو اس میں حرام پائیں گے اسے حرام سمجھیں گے، جبکہ (خبر دار جان لو!) رسول اللہ ﷺ کا کسی شے کو حرام قرار دینا بھی اللہ تعالیٰ کے حرام قرار دینے کی طرح ہی ہے۔"

اس حدیث کو امام ترمذی، ابن ماجہ، اَحمد، دارمی اور دار قطنی نے روایت کیا ہے۔

امام ترمذی نے فرمایا: "یہ حدیث حسن غریب ہے"۔

(۴۳) "حضرت زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے حضرت عمر بن خطاب کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمیں حضور نبی اکرم ﷺ نے صدقہ دینے کا حکم فرمایا۔ اس حکم کی تعمیل کے لیے میرے پاس مال تھا۔ میں نے (اپنے آپ سے) کہا: اگر میں ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کبھی سبقت لے جاسکا تو آج سبقت لے جاؤں گا۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں اپنا نصف مال لے کر حاضرِ خدمت ہوا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟ میں نے عرض کیا: اتنا مال اُن کے لیے چھوڑ آیا ہوں۔ (اتنے میں) حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کچھ اُن کے پاس تھا وہ سب کچھ لے کر حاضرِ خدمت ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو بکر! اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟ انہوں نے عرض کی: میں ان کے لیے اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول ﷺ چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے (دل میں) کہا: میں اِن سے کسی شے میں آگے نہیں بڑھ سکتا۔"

اس حدیث کو امام ترمذی، ابو داود اور دارمی نے روایت کیا ہے۔

امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۴۴) "حضور نبی اکرم ﷺ کی زوجہ مبارکہ حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ آپ نے بیان فرمایا: جب اہلِ مکہ نے اپنے قیدیوں کا فدیہ بھیجا تو رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب نے بھی (اپنے شوہر) ابو العاص بن ربیع کے فدیہ میں مال بھیجا جس میں حضرت خدیجہ کا وہ ہار بھی تھا جو حضرت خدیجہ نے انہیں شادی کے وقت دے کو ابو العاص کے پاس بھیجا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ نے وہ ہار دیکھا تو آپ ﷺ (کے قلبِ اقدس) پر شدید رقت طاری ہو گئی اور آپ ﷺ نے (صحابہ سے) فرمایا: اگر تم مناسب سمجھو تو اس (حضرت زینب) کے قیدی کو اس کے لیے چھوڑ دو اور اس کا مال بھی اسے واپس کر دو۔ تو انہوں نے اسی طرح کیا۔ صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں، یا رسول اللہ! سو انہوں نے اسے (ابو العاص کو) آزاد کر دیا اور حضرت زینب کو ان کا وہ ہار بھی لوٹا دیا۔"

اس حدیث کو امام ابو داود، احمد نے مذکورہ الفاظ میں اور طبرانی و حاکم نے روایت کیا اور فرمایا: یہ حدیث امام مسلم کی شرائط پر صحیح ہے۔

(۴۵) "حضرت یحییٰ بن ابی کثیر بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے دن مسلمانوں نے مشرکین کے ستّر افراد کو قید کر لیا۔ اور ان قیدیوں میں سے ایک حضور نبی اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس بھی تھے۔ انہیں (قید میں) باندھنے کی ذمہ داری حضرت عمر بن خطاب کو سونپی گئی۔ حضرت عباس نے کہا: بخدا اے عمر! مجھے سخت باندھنے پر تمہیں اس تھپڑ نے اُکسایا ہے جو میں نے رسول ﷺ کے معاملہ میں تمہیں مارا تھا۔ تو حضرت عمر نے کہا: اللہ کی قسم! اس تھپڑ نے تو میری عزت میں اضافہ ہی کیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا مجھے قیدیوں کو باندھنے کا حکم ہے۔ راوی نے بیان کیا کہ حضور نبی اکرم ﷺ حضرت عباس کے کراہنے کی آواز سنتے تو آپ ﷺ کو نیند نہیں آتی تھی، تو صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کون سی چیز آپ کی نیند میں حائل ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں کیسے سو سکتا ہوں اس حال میں کہ میں اپنے چچا جان کے کراہنے کی آواز سن رہا ہوں! راوی نے بیان کیا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ (آپ ﷺ کا یہ فرمان سن کر) انصار نے انہیں بندشوں سے آزاد کر دیا اور رات بھر ان کی حفاظت کرتے گزاری۔"

اسے امام متقی ہندی، ابن عساکر اور ابن سعد نے روایت کیا ہے۔

(۴۶) "حضرت اُمیہ بن عبد اللہ بن خالد بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے عبد اللہ بن عمر سے دریافت کیا کہ ہم قرآن میں حضر نماز اور نماز خوف کے اَحکام تو پاتے ہیں لیکن قصر نماز کے متعلق ہم قرآن میں حکم نہیں پاتے تو انہوں نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے حضور نبی اکرم ﷺ کو (ہادی بنا کر) مبعوث فرمایا اور ہم تو کچھ بھی نہ جانتے تھے، اور ہم تو صرف وہی کرتے ہیں جیسے ہم نے اپنے آقا حضرت محمد ﷺ کو کرتے دیکھا ہے۔"

اسے امام نسائی، ابن ماجہ، مالک اور اَحمد نے روایت کیا ہے۔

امام حاکم نے فرمایا: اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

(۴۷) "حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید دونوں کا بیان ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: اس ہستی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! (اس ہستی کی قسم جس کے میری جان ہے! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے!) آپ نے تین دفعہ فرمانے کے بعد سرِ اَقدس جھکا لیا، ہم سب بھی سرنگوں ہو کر رونے لگے۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ آپ ﷺ نے حلف کیوں اُٹھایا۔ پھر آپ ﷺ نے سرِ انور اٹھایا تو آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر رونق تھی اور آپ ﷺ کے چہرۂ اقدس پر خوشی کے آثار ہمیں سرخ اونٹوں سے بھی بڑھ کر پسندیدہ تھے۔ آپ ﷺ فرمانے لگے: جو شخص پانچ نمازیں پڑھے، رمضان المبارک کے روزے رکھے، زکوٰۃ ادا کرے اور سات کبیرہ گناہوں سے بچا رہے، اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور اسے کہا جائے گا کہ سلامتی سے داخل ہو جاؤ۔"

اس حدیث کو امام نسائی نے روایت کیا ہے۔

(۴۸) "حضرت ابو مجلز نے بیان کیا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان عشاء کے وقت دو رکعت نماز پڑھی پھر وہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے نماز وتر ادا کی جس میں سورہ نساء کہ سو (۱۰۰) آیات تلاوت کیں اور پھر فرمایا: میں نے

(حضور نبی اکرم ﷺ کی اتباع میں) اپنی پوری پوری کوشش کی ہے کہ میرے قدم وہیں پڑیں جہاں حضور نبی اکرم ﷺ کے قدم مبارک پڑتے تھے اور میں انہی آیات کی تلاوت کروں جن کی آپ ﷺ نے (اس مقام پر) تلاوت فرمائی تھی۔"

اس حدیث کو امام نسائی، احمد اور طیالسی نے روایت کیا ہے۔

(۴۹) "حضرت عمرو بن شعیب بواسطہ اپنے والد، اپنے دادا (حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان فرمایا: ایک دن حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہمارا گزر اذاخر کی گھاٹی میں سے ہوا۔ آپ ﷺ کی مجھ پر نظر پڑی، میں کسم میں رنگی ہوئی ایک باریک چادر اوڑھے ہوئے تھا۔ آپ ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا: یہ کیا ہے؟ میں آپ ﷺ کے پوچھنے (کے انداز) سے فوراً سمجھ گیا کہ آپ ﷺ نے اسے ناپسند فرمایا ہے لہٰذا میں فوراً گھر پہنچا اور پہنچتے ہی اسے جلتی ہوئی آگ میں ڈال دیا وہ جل کر راکھ ہو گیا دوسرے دن جب میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: اے عبد اللہ! تمہاری وہ چادر کیا ہوئی میں نے تمام واقعہ عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے اپنے گھر والوں میں سے کسی کو کیوں نہ پہنا دیا، یقیناً عورتوں کے لیے اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔"

اس حدیث کو امام ابن ماجہ، ابو داود، احمد اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔

(۵۰) "حضرت براء روایت بیان فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہم نے اٹھارہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف (رُخ کرکے) نماز پڑھی اور یہ (تبدیلی قبلہ کا) واقعہ رسول ﷺ کی مدینہ منورہ تشریف آوری کے دو ماہ بعد کا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ جب بیت المقدس کی جانب نماز پڑھتے تو اکثر اوقات اپنا چہرۂ اقدس آسمان کی جانب اٹھاتے اور اللہ تعالیٰ کو اپنے نبی کریم ﷺ کے قلبِ اطہر کا حال معلوم تھا کہ آپ ﷺ کی دلی خواہش کعبہ ہے۔ ایک بار جب حضرت جبرائیل اوپر چڑھے تو آپ ﷺ نے ان پر نگاہیں لگائے رکھیں جبکہ وہ آسمان وزمین کے درمیان چڑھ رہے تھے۔ آپ ﷺ انتظار میں تھے کہ کیا حکم لائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "(اے حبیب!) ہم بار بار آپ کے رُخِ انور کا آسمان کی طرف پلٹنا دیکھ رہے ہیں۔" (حضرت براء فرماتے ہیں کہ قبلہ کی تبدیلی کے بعد) ایک صاحب ہمارے پاس آئے اور کہا کہ قبلہ، کعبہ کی طرف منتقل کر دیا گیا ہے اس وقت ہم دو رکعتیں بیت المقدس کی طرف پڑھ چکے تھے اور رکوع میں تھے تو ہم (کعبہ کی طرف) پھر گئے اور جتنی نماز ہم پڑھ چکے تھے اس پر باقی نماز کی بناء کی (از سر نو نماز شروع نہیں کی) پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے جبرائیل ہماری ان نمازوں کا کیا ہو گا جو بیت المقدس کی طرف پڑھیں (یعنی وہ بے کار ہو جائیں گی یا اُن کا اجر ملے گا؟) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ تمہارا ایمان (یونہی) ضائع کر دے۔"

اس حدیث کو امام ابن ماجہ، طیاسی اور دار قطنی نے روایت کیا ہے۔ امام کنانی نے فرمایا: یہ اسناد صحیح اور رجال ثقات ہیں۔

(۵۱) "حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ ہم حضرت عبد اللہ بن عمر کے ساتھ کسی سفر میں تھے کہ وہ ایک جگہ کے پاس سے گزرے تو اس کے راستہ سے ہٹ کر چلے۔ پوچھا گیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ (آپ ﷺ اس راستہ سے گزرے تو) آپ ﷺ نے بھی اسی طرح کیا تھا۔ اس لیے میں نے بھی ایسا کیا ہے۔"

اسے امام احمد نے ثقہ رجال کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام منذری نے فرمایا: اس کی اسناد جید ہے۔

(۵۲) "امام ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ میں میدانِ عرفات میں حضرت عبد اللہ بن عمر کے ساتھ تھا جب کسی عمل کا وقت ہوتا ،وہ جو کرتے میں بھی ان کے ساتھ وہی کرتا حتیٰ کہ امام آگیا تو انہوں نے نمازِ ظہر و عصر اس کے ساتھ پڑھی۔ پھر آپ کے ساتھ ہی میں نے اور میرے ساتھیوں نے بھی وقوف کیا۔ یہاں تک کہ امام عرفات سے لوٹا تو ہم بھی لوٹ ئے جب "مازمین" (ایک جگہ کا نام) کے قریب ایک گھاٹی میں پہنچے تو آپ نے اپنی سواری کے اونٹ کو بٹھایا۔ ہم نے بھی اپنے اونٹ بٹھا دیے۔ ہمارا خیال تھا کہ آپ نماز پڑھنا چاہتے ہیں۔ تو آپ کے غلام نے جو ان کی سواری پکڑا کرتا تھا بتایا کہ آپ (اس جگہ) نماز پڑھنے کا ارادہ نہیں رکھتے بلکہ اس نے کہا کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ اس جگہ پہنچے تھے تو آپ ﷺ نے یہاں اپنا کوئی کام سرانجام دیا تھا تو (اسی وجہ سے اتباعِ رسول ﷺ میں) آپ بھی پسند کرتے ہیں کہ یہاں اپنا کوئی کام سرانجام دیں۔"

اس حدیث کو امام اَحمد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح حدیث میں حجت ہیں۔

(۵۳) "حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ وہ مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک درخت کے پاس آیا کرتے تو اس کے نیچے قیلولہ (دوپہر کو سونا، آرام کرنا) کرتے اور بتاتے کہ رسول اللہ ﷺ بھی (اس درخت کے نیچے) قیلولہ فرماتے تھے۔"

اسے امام طبرانی اور بزار نے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا جیسا کہ امام منذری نے کہا ہے۔

(۵۴) "حضرت اَسماء بنت عمیس سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ پر وحی نازل ہو رہی تھی اور آپ ﷺ کا سرِ اقدس حضرت علی کی گود میں تھا، وہ عصر کی نماز نہیں پڑھ سکے یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! علی تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا اس پر سورج واپس لوٹا دے۔ حضرت اَسماء فرماتی ہیں: میں نے اسے غروب ہوتے ہوئے بھی دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ وہ غروب ہونے کے بعد دوبارہ طلوع ہوا۔"

اسے امام طبرانی، طحاوی اور قاضی عیاض نے روایت کیا ہے۔ اس کے رجال صحیح حدیث کے رجال ہیں ماسوا ابراہیم بن حسن کے جو کہ ثقہ ہیں۔

(۵۵) "حضرت عبد اللہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، جبکہ لوگ حضور نبی اکرم ﷺ سے دور جا چکے تھے، تھے یہاں تک کہ بعض لوگ مدینہ کی ایک طرف ایک پہاڑ کے پاس بغیر ساز و سامان کے پہنچ گئے تھے۔ پھر وہ واپس حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس آگئے۔ اسی دوران حضرت حنظلہ بن ابی عامر کا سامنا ابو سفیان بن حرب سے ہو گیا پس جب حضرت حنظلہ اس پر حملہ آور ہو رہے تھے تو شداد بن اسود نے انہیں دیکھ لیا، اور ان پر تلوار کے ساتھ حملہ آور ہو کر انہیں شہید کر دیا ،اور اس وقت وہ ابو سفیان کو قتل کرنے ہی والے تھے۔ پس حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ تمہارا دوست حنظلہ ہے جسے ملائکہ غسل دے رہے ہیں، پس اس کی اہلیہ سے اس کی وجہ پوچھو۔ (صحابہ کے پوچھنے پر) آپ کی ہلیہ نے کہا کہ جب انہوں (حضرت حنظلہ) نے جنگ کی پکار سنی اس وقت وہ جنبی تھے (اور بغیر نہائے فوراً دربارِ مصطفیٰ ﷺ میں حاضر ہوگئے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہی وجہ ہے کہ ملائکہ نے انہیں غسل دیا۔"

اس حدیث کو امام ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے۔

(۵۶) "ایک روایت میں حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ ایک صحابی حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض گذار ہوئے کہ یا رسول اللہ! آپ مجھے میری جان، اہل و عیال اور اولاد سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ جب میں اپنے گھر میں ہوتا ہوں تو آپ کو ہی یاد کرتا ہوں اور اس وقت تک چین نہیں آتا جب تک حاضر ہو کر آپ کی زیارت نہ کر لوں۔ لیکن جب مجھے اپنی موت اور آپ کے وصال مبارک کا خیال آتا ہے تو سوچتا ہوں کہ آپ تو جنت میں انبیاء کرام کے ساتھ بلند ترین مقام پر جلوہ افروز ہوں گے اور جب میں جنت میں داخل ہوں گا تو خدشہ ہے کہ کہیں آپ کی زیارت سے محروم نہ ہو جاؤں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس صحابی کے جواب میں سکوت فرمایا یہاں تک کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اس آیت مبارکہ کو لے کر نازل ہوئے (اور جو کوئی اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرے تو یہی لوگ (روز قیامت) اُن (ہستیوں) کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے (خاص) انعام فرمایا ہے)۔ پس آپ ﷺ نے اس شخص کو بلایا اور اسے یہ آیت پڑھ کر سنائی۔"

اسے امام طبرانی اور ابو نعیم نے روایت کیا ہے۔ امام ہیثمی نے فرمایا: اس کے رجال صحیح حدیث کے رجال ہیں۔

(۵۷) "حضرت موسیٰ بن عقبہ سے طویل واقعہ میں مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عثمان بن عفان کو (صلح حدیبیہ کے موقع پر اپنا سفیر بنا کر) کفار کی طرف روانہ کیا (مذاکرات کے بعد) انہوں نے حضرت عثمان کو طواف کعبہ کی دعوت دی تو انہوں نے فوراً انکار کر دیا اور فرمایا: اللہ کی قسم! میں اس وقت تک طواف نہیں کروں گا جب تک رسول اللہ ﷺ طواف نہیں کر لیتے اور پھر (بغیر طواف کیے) حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں واپس آ گئے۔"

اسے امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔

(۵۸) "ایک روایت میں حضرت ابو اسود بیان کرتے ہیں کہ دو آدمی اپنا جھگڑا (تصفیہ کی عرض سے) لے کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کے درمیان فیصلہ فرما دیا۔ جس شخص کے خلاف فیصلہ ہوا اس نے کہا کہ ہمیں حضرت عمر کے پاس (برائے تصفیہ) بھیج دیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے، اسی کے پاس چلے جاؤ۔ جب وہ دونوں حجرت عمر کے پاس آئے تو ایک شخص نے (سارا قصہ بیان کرتے ہوئے) کہا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کے خلاف میرے حق میں فیصلہ فرمایا ہے۔ جس پر اس نے کہا کہ ہمیں عمر کے پاس بھیج دیں تو حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیں آپ کے پاس بھیج دیا ہے۔ حضرت عمر نے (دوسرے آدمی سے) پوچھا کیا ایسا ہی ہوا ہے؟ اس نے کہا: ہاں، حضرت عمر نے فرمایا: یہاں اپنی جگہ پر ہی رکے رہو، میں ابھی تمہارے پاس آکر تمہارے درمیان فیصلہ کر دیتا ہوں۔ جب حضرت عمر دوبارہ ان کے پاس تشریف لائے تو ان کے ہاتھ میں تلوار تھی آپ نے اس شخص کو قتل کر دیا جس نے کہا تھا کہ ہمیں حضرت عمر کے پاس بھیج دیں۔ (یہ حالات دیکھ کر) دوسرا شخص وہاں سے بھاگ نکلا اور بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا:

یا رسول اللہ، بخدا! عمر نے میرے ساتھی کو قتل کر دیا ہے اور اگر میں وہاں سے نہ بھاگتا تو وہ مجھے بھی قتل کر دیتے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میرا نہیں خیال کہ عمر کسی مومن کو قتل کرنے کی جرات کر سکتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

:پس (اے حبیب ﷺ) آپ کے ربّ کی قسم! یہ لوگ مسلمان نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ وہ (اپنے درمیان واقع ہونے والے ہر اختلاف میں) آپ کو حاکم بنالیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا: جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے پر راضی نہیں ہوتا اس کو درمیان میں اس طرح سے فیصلہ کرتا ہوں۔ حضرت جبریل (فوراً) بار گاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: یارسول اللہ! بے شک عمر نے (منافق) شخص کو قتل کیا ہے (جس کے نتیجے میں) اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان پر حق وباطل کے درمیان فرق کر دیا ہے۔

اس حدیث کو حافظ ابن کثیر، امام سیوطی اور حکیم ترمذی نے روایت کیا ہے۔

(۵۹) ایک روایت میں حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر نے نئی قمیص زیب تن فرمائی۔ پھر مجھے چھری لانے کا حکم دیا۔ پھر فرمایا: اے بیٹے! میری قمیص کی آستین کو اپنی طرف کھینچو اور میری انگلیوں کے پوروں تک آستین اپنے ہاتھ سے پکڑ کر زائد حصہ کاٹ دو۔ ابن عمر نے دونوں آستینوں کا بڑھا ہوا حصہ کاٹ دیا۔ حضرت ابن عمر نے عرض کیا: ابا جان! اگر آپ فرائیں تو میں قینچی کے ساتھ اس کو برابر کر دوں؟ فرمایا: چھوڑو بیٹے! میں نے نبی اکرم ﷺ یونہی دیکھا ہے۔ ابن عمر فرماتے ہیں: اس کے بعد وہ قمیص آپ کے بدن مبارک پر ہمیشہ رہی حتیٰ کہ پھٹ گئی اور بعض اوقات میں دیکھتا کہ اس کے دھاگے آپ کے قدموں پر گر رہے ہیں۔"

اس حدیث کو امام ابو نعیم نے روایت کیا ہے۔

(۶۰) ایک اور روایت میں حضرت عبد اللہ بن عمر کو ایک مقام پر اپنی اونٹنی کو گھوماتے ہوئے دیکھا گیا تو آپ سے اس بابت پوچھا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو (اس مقام پر) ایسا کرتے دیکھا لہٰذا میں نے بھی ایسا ہی کیا۔" اسے امام قاضی عیاض نے بیان کیا ہے۔[327]

(۶۱) **عن عائشة قالت: قال رسول اللہ ﷺ من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فھو رد**

سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس کسی نے شریعت میں ایسی چیز کا اضافہ کیا جو اس سے نہ تو وہ مردود ہے۔[328]

(۶۲) **ان رسول اللہ ﷺ قال: من عمل عملا لیس علیه امرنا فھو رد**[329]

قاضی عیاض فرماتے ہیں:

---

[327] طوالت کے خوف سے متن حدیث کو تحریر میں نہیں لایا گیا۔ اور یہ مجموعہ احادیث راقم کا رسالہ بنام (الاربعین فی اطاعة جد الحسنین ﷺ) ھے۔ متن حدیث کے لئے اسکا مطالعہ مفید ھے۔

[328] الصحیح المسلم باب نقض الاحکام الباطلة ورد محدثات الامور

عن عائشة قالت: قال رسول اللہ ﷺ من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فھو رد قال اھل العربیة الرد ھنا بمعنی المردود ومعناه فھو باطل غیر معتد به وھذا الحدیث قاعدة عظیمة من قواعد الاسلام وھو من جوامع کلمه ﷺ فانه صریح فی رد کل بدع والمختراعات

[329] الصحیح المسلم باب نقض الاحکام الباطلة ورد محدثات الامور

اعلم ان من اھب شیئا آثرہ و آثر موافقتہ و الا لم یکن صادقا فی حبہ و کان مدعیا فالصادق فی حب النبی ﷺ من تظھر علامۃ ذالک علیہ و اولھا: الاقتدائ بہ و استعمال سنتہ و اتباع اقوالہ و افعالہ و امتثال اوامرہ و اجتناب نواھیہ و التادب بآدابہ فی عسرہ ویسرہ و منشطہ و مکرھہ و شاھدہ ھذا قولہ تعالی: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (الشفائ)

اس بات کو خوب جان لو کہ جو شخص جس کی محبت رکھتا ہے وہ اسے سب پر ترجیح دیتا ہے اور اسی کی موافقت اختیار کرتا ہے بصورت دیگر وہ اس کی محبت میں سچا نہیں جس کی وہ محبت کا دھرم بھرتا ہے۔ لہٰذا حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت میں صرف وہ سچا ہے جس پر اس کی علامتیں ظاہر ہوں۔ محبت کی پہلی علامت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی پیروی کرے اوت آپ ﷺ کی سنت کا عامل ہو۔ آپ ﷺ کے افعال واقوال کی اتباع کرے، آپ ﷺ کے حکم کو بجالائے اور ممنوع اُمور سے اجتناب کرے تنگی و فراخی، خوشی و غمی ہر حال میں آپ ﷺ کے آداب سے موعظت و نصیحت حاصل کرے۔ اس علامت کی حجت و دلیل اس آیت کریمہ میں ہے کہ: (اے حبیب!) آپ فرمادیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنالے گا۔"

امام قسطلانی بیان کرتے ہیں کہ:

و لا یحبک الا اذا اتبعت حبیبہ ظاھرا و باطنا و صدقتہ خبرا و اطعتہ امرا و اجبتہ دعوۃ و آثرہ طوعا و فنیت عن حکم غیرہ بحکمہ و عن محبۃ غیرہ من الخلق و عن طاعۃ غیرہ بطاعۃ و ان لم تکن کذالک فلا تتعن فلست بشیئ

اللہ تعالیٰ تم سے محبت نہیں کرے گا مگر جب تم ظاہری و باطنی طور پر اس کے محبوب ﷺ کی اتباع کرو۔ ان کی خبر کی تصدیق کرو۔ ان کا حکم مانو، ان کی دعوت قبول کرو اور برضاو رغبت آپ ﷺ کو ترجیح دو۔ ان کے حکم کے مقابلے میں ان کے غیر کے حکم سے، ان کی محبت میں غیر کی محبت اور ان کی اطاعت میں غیر کی اطاعت کے مقابلہ میں اپنے آپ کو فنا کردو، اگر ایسا نہ ہو تو پھر تھکاوٹ اختیار کرنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ (بغیر اطاعت مصطفٰی ﷺ کے) تم کسی راہ پر نہیں ہو۔"

" امام قسطلانی بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی اتباع دلوں کی حیات، بصیرتوں کا نور، دلوں کی شفاء نفوس کے باغات، اَرواح کی لذت، وحشت زدہ لوگوں کا اُنس اور حیران لوگوں کی رہنما ہے۔ امام قسطلانی مزید بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی سنت پر عمل اور آپ ﷺ کی حدیث مبارک پڑھنے کی چاہت ہو، بے شک جس آدمی کے دل میں ایمان کی چاشنی داخل ہو جب وہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں سے کوئی کلمہ یا کوئی حدیث رسول ﷺ سنتا ہے تو وہ اس کی روح، دل اور نفس میں جاگزیں ہو جاتا ہے۔[330]

کتاب و سنت وصال الٰہیہ میں دو بازو کی مانند ہیں:

سردار سلسلہ عالیہ قادریہ حضور شیخ الانس والجان محبوب سبحان حضرت شیخ عبد القادر جیلانی نور اللہ مرقدہ غنیۃ الطالبین میں ارشاد فرماتے ہیں۔

فعلیہ بالتمسک بالکتاب و السنۃ و العمل بھا امرا و نھیا اصلاً و فرعًا، فیجعلھما جناحیہ یطیر بھما فی الطریق الواصل الی اللہ عزوجل۔

[330] (المواھب اللدنیۃ)

اوامر و مناھی، اصول و فروع دونوں میں قرآن مجید اور حدیث کی پابندی ضروری ہے۔ اللہ تک اڑ کر پہنچنے میں ان ہی کو دو بازو بنالینا چاہیئے۔[331]

حضور غوث الاعظم الشیخ السید عبد القادر شاہ جیلانی نور اللہ مرقدہ الفتح الربانی میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

یاغلام صحبتک للاشرار توقعک فی سوء الظن بالاخیار امش تحت ظل کتاب اللہ عزوجل و سنۃ رسول اللہ ﷺ و قد افلحت.

اے لڑکے! بروں کی صحبت تجھے اچھوں کی بدگمانی میں ڈال دے گی تو قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی سنت (قول و فعل) کے سایہ میں چل، تو نجات پائے گا۔[332]

شریعت و حقیقت:

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

الشریعۃ امر بالتزام العبودیۃ و الحقیقۃ مشاھدۃ الربوبیۃ فکل شریعۃ غیر مؤیدۃ بالحقیقۃ فغیر مقبول و کل حقیقۃ غیر مقیدۃ بالشریعۃ فغیر محصول۔ فالشریعۃ جاءت بتکلیف الخلق و الحقیقۃ انباء عن تصریف الحق۔ فالشریعۃ ان تعبدہ و الحقیقۃ ان تشھدہ۔ و الشریعۃ قیام بما امر و الحقیقۃ شھود لما قضی و قدّر و اخفی و اظھر۔

شریعت عبودیت (بندگی) پر قائم رہنے کا حکم اور حقیقت ربوبیت کے مشاہدے کو کہتے ہیں۔ پس جس شریعت کی تائید حقیقت سے نہ ہو وہ غیر مقبول اور جس حقیقت میں شریعت کی قید نہ ہو وہ حقیقت بھی غیر مقبول ہے۔ پس شریعت مخلوق کو مکلف بنانے کے لئے آئی اور حقیقت اس بات کی خبر دیتی ہے کہ اللہ عزوجل مخلوق میں کس طرح تصرف کرتا ہے۔ پس شرعیت یہ ہے کہ تم اس کی عبادت کرو اور حقیقت یہ ہے کہ تم اس کا مشاہدہ کرو۔ شریعت اس کے احکام کو بجالانے کا نام ہے اور حقیقت میں ان امور کا مشاہدہ ہوتا ہے جن کا فیصلہ تقدیر میں ہو چکا ہے اور وہ مخفی ہیں یا ظاہر۔[333]

حضور سیدی داتا صاحب مبارک قدس سرہ لکھتے ہیں:

شریعت و حقیقت، مشائخ طریقت کے دو اصطلاحی کلمے ہیں۔ جن میں سے ایک ظاہر حال کی صحت کو واضح کرتا ہے اور دوسرا باطن کے حال کی اقامت کو بیان کرتا ہے ان کی تعریف میں دو طبقے غلطی میں مبتلا ہیں۔ ایک علماء ظاہر ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ان میں فرق نہیں کرتے کیونکہ شریعت خود حقیقت ہے اور حقیقت خود شریعت ہے۔ دوسرا طبقہ ملحدوں و بے دینوں کا ہے جو ہر ایک کا قیام ایک دوسرے کے بغیر جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب حال حقیقت بن جائے تو شریعت اٹھ جاتی ہے۔ یہ نظریہ مشبہ، قرامط، مشبعہ اور موسان کا ہے۔ شریعت و حقیقت کے جدا ہونے پر دلیل یہ دیتے ہیں کہ محض تصدیق جو بغیر اقرار کے ہو اسے ایماندار نہیں بناتی۔ اور نہ صرف اقرار بغیر تصدیق کے اسے مومن بناتا ہے۔ قول و تصدیق کے درمیان فرق ظاہر ہے۔ لہٰذا حقیقت اسی معنی کی تعبیر ہے جس پر نسخ جائز نہیں ہے۔ حضرت آدم سے فنائے عالم تک اس کا حکم قائم و یکساں ہے۔ مثلاً معرفت حق، معاملہ میں خلوص نیت وغیرہ اور

---

[331] غنیۃ الطالبین ص ۲۷۷، قدیمی کتب خانہ

[332] الفتح الربانی ص ۱۱۳، فریدبک اسٹال

[333] الرسالۃ القشیریہ ص ۵۲، دار السلام

شریعت اس معنی کی تعبیر ہے جس پر نسخ و تبدیل جائز ہے مثلاً احکام واوامر وغیرہ۔ شریعت بندہ کا فعل ہے اور حقیقت حق تعالیٰ کی حفاظت اور اس کی عصمت تنزیہہ۔

معلوم ہوا کہ شریعت کا قیام حقیقت کے وجود کے بغیر محال ہے اور حقیقت کا قیام۔ شریعت کی حفاظت کے بغیر بھی محال ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی مانند ہے جو روح کے ساتھ زندہ ہو۔ جب روح اس سے جدا ہو جاتی ہے تو وہ شخص مردہ ہو جاتا ہے اور روح جب تک رہتی ہے تو اس کی قدر و قیمت ایک دوسرے کے ساتھ رہنے تک ہے۔ اسی طرح شریعت بغیر حقیقت کے ریا ہے۔ اور حقیقت بغیر شریعت کے نفاق۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

والذین جاھدوا فینا لنھدیھم سبلنا[334]

جن لوگوں نے ہماری راہ میں کوشش کی یقیناً ہم نے ان کو اپنا راستہ دکھایا۔ مجاہدہ شریعت ہے اور ہدایت اس کی حقیقت ایک بندہ کے ذمے ظاہری احکام کی حفاظت ہے دوسرے حق تعالیٰ کی حفاظت جو بندے کے باطنی احوال سے تعلق رکھتی ہے لہٰذا شریعت از قسم کسب ہے اور حقیقت از قسم عطائے ربانی ہے۔[335]

تفسیر إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (الفاتحہ ۵):

امام ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

سمعت الاستاذ اباعلی الدقاق رحمۃ اللہ علیہ یقول: قولہ ایاک نعبد حفظ الشریعۃ و ایاک نستعین اقرار بالحقیقۃ۔ و اعلم ان الشریعۃ حقیقۃ من حیث انھا وجبت بامرہ و الحقیقت ایضا شریعۃ من حیث ان المعارف بہ سبحانہ ایضا وجبت بامرہ۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ شیخ ابو علی دقاق نور اللہ مرقدہ سے سنا کہ آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ایاک نعبد سے مراد شریعت کی حفاظت اور ایاک نستعین سے مراد حقیقت کا اقرار ہے۔ اور جان لو کہ شریعت اس اعتبار سے حقیقت ہے کہ وہ اللہ کے حکم سے واجب ہے اور حقیقت اس اعتبار سے شریعت ہے کہ معرفت خداوندی بھی اللہ کے حکم سے واجب ہوتی ہے۔[336]

قرآن و سنت پر عمل کرنے کا انعام:

حضور غوث الاعظم الشیخ السید عبد القادر شاہ جیلانی نور اللہ مرقدہ الفتح الربانی میں لکھتے ہیں:

یاغلام العمل بالقرآن یوقفک علی منزلہ و العمل بالسنۃ یوقفک علی الرسول نبینا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اے لڑکے! تیرا قرآن پر عمل کرنا تجھ کو اس کے نازل کرنے والے کے پاس لے جاکر کھڑا کر دے گا اور تیرا احادیث و سنت پر عمل کرنا تجھ کو رسول اللہ ﷺ کے روبرو لے جاکر کھڑا کر دے گی۔[337]

---

[334] سورۃ العنکبوت، آیت: 69

[335] کشف المحجوب، ص ۵۴۵ زاویہ پبلیشرز

[336] الرسالۃ القشیریہ ص ۵۲، دار السلام

[337] الفتح الربانی ص ۱۹۵، فریدبک اسٹال

سیدی عارف باللہ ابو العباس احمد بن محمد بن سھل بن عطاء الادمی قدس سرہ نے فرماتے ہیں:

من ألزم نفسه آداب الشريعة نور الله قلبه بنور المعرفة و لا مقام اشرف من مقام متابعة الحبيب ﷺ في اوامره و افعاله و أخلاقه۔

جو شخص اپنے نفس پر آداب شرعیہ کو لازم کرلیتا ہے اللہ عزوجل اس کے دل کو معرفت کے نور سے منور فرمادیتا ہے۔ اور اللہ کے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکام آپ کے افعال اور آپ کے اخلاق کی اتباع سے زیادہ شرف والا کوئی مقام نہیں۔[338]

حضرت ابو عثمان مہری قدس سرہ نے فرمایا:

من امر السنة على نفسه قولا و فعلا نطق بالحكمة

جو شخص سنت کو اپنے اوپر حکمران بنالیتا ہے تو اسے حکمت فہم وادراک عطا کیا جاتا ہے۔[339]

سیدی ابو الفوارس شاہ بن شجاع الکرمانی قدس سرہ نے فرماتے ہیں:

من غض بصره عن المحارم و أمسك نفسه عن الشهوات و عمر باطنه بدوام المراقبة و ظاهره باتباع السنة و عود نفسه أكل الحلال لم تخطئ له فراسة۔

جو شخص حرام سے آنکھوں کو جھکالے اور اپنے نفس کو شہوات سے بچائے اور اپنے باطن کو دائمی مراقبہ اور ظاہر کو اتباع سنت سے آباد کرے اور اپنے نفس کو حلال کی عادت ڈالے تو اس کی فراست میں خطا نہیں ہوگی۔[340]

تفسیر قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى (الاعلیٰ ۱۴):

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى (الاعلیٰ ۱۴)

بے شک وہی بامراد ہوا جو (نفس کی آفتوں اور گناہوں کی آلودگی سے) پاک ہوگیا۔[341]

نجیب الطرفین کریم الابوین السید الشریف الشیخ محی الدین ابی محمد عبد القادر الجیلانی البغدادی الحسنی الحسینی قدس سرہ **(المتوفی: ۵۶۱ھ)** اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تفسیر الجیلانی میں لکھتے ہیں:

وتطهير عن ادناس الطبائع و اكدار الهيولى من الميل الى الدنيا و ما فيها من اللذات الفانية و الشهوات الغير الباقية و توجه نحو المولى بالعزيمة الخالصة۔

اور پاک ہو طبیعتوں کے میل کچیل سے اور مادہ کی کدورتوں سے یعنی دنیا کی طرف مائل ہونے سے اور جو اس میں لذات فانیہ ہیں ان سے اور فانی شہوات سے اور تو متوجہ ہوا اپنے مولیٰ کی طرف خالص عزیمت وارادے کے ساتھ (یعنی ہر چیز سے کٹ کر)۔[342]

اور علامہ اسماعیل حقی علیہ الرحمہ **قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى** کے تحت لکھتے ہیں:

وفي الأية اشارة الى تطهير النفس عن المخالفات الشرعية و تطهير القلب عن المحبة الدنيوية بل عن ملاحظة الغير

---

[338] الرسالة القشيرية، ابو العباس احمد بن محمد بن سهل بن عطاء الادمى، ص ۲۹، دار السلام

[339] رسالة المسترشدين ص ۳۳ دار ابشائر الاسلامية، عوارف المعارف ص: 36

[340] الرسالة القشيرية، ترجمه ابو الفوارس شاه بن شجاع الكرمانى ص ۲۸، دار السلام

[341] ﴿سورة الاعلى ۱۴﴾

[342] تفسير جيلانى جلد ۵ ص ۴۱۰ دار الكتب العلمية

و التوجه الی اللہ تعالی بقدر الاستعداد۔

اس آیت میں اشارہ ہے کہ نفس کو مخالفتِ شرعیہ سے پاک کرنے اور قلب کو حب دنیا سے اور غیر اللہ کی طرف دیکھنے سے پاک کیا جائے اور صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف بقدر استعداد متوجہ کرے۔[343]

اور قرآن مجید میں ایک اور تمام پر تزکیہ نفس سے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا (۹) وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ﴿(الشمس ۱۰)

بے شک وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اس (نفس) کو (رذائل سے) پاک کر لیا (اور اس میں نیکی کی نشو و نما کی) اور بے شک وہ نامراد ہو گیا جس نے اسے (گناہوں میں) ملوث کر لیا (اور نیکی کو دبا دیا)۔

حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: معناه قد افلح من زکی نفسه فاصلحها و حملها علی طاعة اللہ عز و جل۔

اس کا معنی یہ ہے بے شک وہ شخص کامیاب ہو گیا جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا اور اس کی اصلاح کر لی اور اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر آمادہ کر لیا۔[344]

تو تزکیہ نفس کرنے سے انسان کے دل میں نور پیدا ہو جاتا ہے جس کو صوفیانہ اصطلاح میں علم باطن کہتے ہیں

ہر بھلائی کی اصل:

حضور غوث الاعظم الشیخ السید عبد القادر شاہ جیلانی نور اللہ مرقدہ الفتح الربانی میں لکھتے ہیں:

یا غلام تعرض لمعرفة اللہ عز و جل فانها اصل کل خیر اذا اکثرت من طاعته اعطاک معرفته و لهذا قال النبی ﷺ اذا اطاع العبد ربهٗ عز و جل اعطاه معرفته و لهذا فقال النبی ﷺ فاذا ترک طاعته لم یسلبها منه بل یبقیها فی قلبه لیحتج بها علیه یوم القیامة یقول له میزتک بمعرفتی و تفضلت علیک بها لِمَ لَمْ تعمل بما علمت۔

اے غلام! تو معرفت خداوندی کی طرف متوجہ ہو جا کیوں کہ وہی ہر بھلائی کی جڑ ہے۔ جب اس کی اطاعت زیادہ کرے گا (شریعت پر استقامت پکڑ لے گا) تو وہ تجھے اپنی معرفت عطا فرما دے گا اور اسی واسطے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب بندہ اللہ عزوجل کی اطاعت کرنے لگتا ہے تو اللہ عزوجل اسے اپنی معرفت عطا فرما دیتا ہے۔ اور بھی اسی واسطے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ پس بندہ جب خدا کی اطاعت کو چھوڑ دیتا ہے۔ (یعنی شریعت کے احکام کی بجا آوری نہیں کرتا) تو وہ اس معرفت کو اس سے چھینتا نہیں بلکہ اس کو اس کے دل میں باقی رکھتا ہے تاکہ اس کے ذریعے قیامت کے دن اس پر حجت قائم کرے۔ اس سے فرمائے گا کہ میں نے تجھے اپنی معرفت سے ممتاز کیا تھا اور اس کے ذریعہ سے تجھے فضیلت دی تھی پھر تو نے اپنے اس علم پر عمل کیوں نہیں کیا۔[345]

حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ مبارک کا یہ قول مبارک ان جاہل صوفیوں کے لیے کافی ہے جو شریعت و طریقت کو الگ تصور کرتے ہیں۔

---

[343] روح البیان تفسیر القرآن جلد ۱۰ ص ۱۴۱۷ مکتبہ دار الکتب العلمیة بیروت لبنان

[344] تفسیر بغوی المسمی معالم التنزیل جلد ۴ ص ۴۶۰ دار الکتب العلمیة بیروت لبنان۔ تفسیر مظہری جلد ۷ ص ۴۶ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان

[345] الفتح الربانی ص ۵۶۳، ۵۶۴ فرید بک اسٹال

شریعت پر استقامت توفیق خداوندی ہے:

قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف لطیف (مفتاح العارفین) میں لکھتے ہیں:

پس جاننا چاہئے کہ ذکر (شریعت پر استقامت) توفیق خداوندی سے ملتا ہے۔ اور معصیت و بدعت و گمراہی سے علیحدہ کرتا ہے۔ اور مقام طریقت و حقیقت و معرفت کی خبر دیتا ہے۔

یہاں ذکر سے مراد شریعت ہے۔

اعتراض: قیل اگر یہاں ذکر سے مراد شریعت ہے تو حضرت نے خود اس کو تحریر کیوں نہیں فرمایا اور اگر نہیں تو آپ نے ذکر سے مراد شریعت کیوں لی۔

قلنا: یہاں ذکر سے مراد شریعت اس لئے ہے کہ حضرت نے آگے ہی فرمایا کہ ذکر مقام طریقت و حقیقت و معرفت کی خبر دیتا ہے۔ لہٰذا ذکر سے مراد شریعت اس لئے کہ شریعت ہی طریقت و حقیقت و معرفت کی خبر دیتی ہے۔[346]

جو شریعت کی اتباع نہیں کرتے انکی پیروی نہ کی جائے:

حضور غوث الاعظم الشیخ السید عبد القادر شاہ جیلانی نور اللہ مرقدہ الفتح الربانی میں لکھتے ہیں:

منع من اتباع الذین لا یحکمون الحکم لانہ شیء لا بد منہ و ھو اساس ھذا الامر۔

ان لوگوں کی پیروی کرنے سے منع کیا گیا جو شرعی احکام کی پابندی نہیں کرتے۔ اس لئے کہ اتباعِ شرع لازمی چیز اور معرفت الٰہی کی جڑ ہے۔[347]

سیدی سید الطائفۃ الامام ابو القاسم الجنید رضی اللہ عنہ یقول:

کتابنا ھذا یعنی القرآن سید الکتب و أجمعھا، و شریعتنا أوضح الشرائع و أدقھا، و طریقتنا یعنی طریق اھل التصوف مشیدۃ بالکتاب و السنۃ، فمن لم یقرأ القرآن، و یحفظ السنۃ، و یفھم معانیھما لا یصح الاقتداء بہ۔

ہماری کتاب قرآن شریف سب کتابوں کی سرادر اور جامع ہے۔ اور ہماری شریعت تمام شریعتوں سے واضح اور ادق ہے اور ہمارا راستہ یعنی اہل تصوف کا طریق قرآن و سنت کے ساتھ مضبوط کیا گیا ہے۔ جو شخص قرآن نہ پڑھتا ہو اور سنت کو حفظ (اس پر عمل نہ کرتا ہو) اور قرآن و سنت کے معنیٰ کو نہ سمجھتا ہو تو اس کی اقتداء (اس کو اپنا امام، اپنا رہبر بنانا) درست نہیں۔[348]

امام الاولیاء حضرت خواجہ سیف الرحمٰن فرماتے ہیں:

شیخ کے لیے سنت رسول کی اتباع ضروری ہے جو شیخ خلاف سنت کام کرے وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اس سے الگ ہو جانا ضروری ہے۔[349]

---

[346] مفتاح العارفین ص ۱۳۷، پروگریسو بکس

[347] الفتح الربانی ص ۲۰۹، فریدبک سٹال

[348] تنبیہ المغترین ص ۲۰ دار الکتب العلمیۃ

[349] مناقب امام خراسان ص ۲۱، السیف فاؤنڈیشن

حضور غوث الاعظم الشیخ السید عبد القادر شاہ جیلانی نور اللہ مرقدہ الفتح الربانی میں لکھتے ہیں:

للقوم اعمال من وراء ذالک من حیث قلوبھم یدورون مع القدر فی صحبته الحکم و حفظ حدودہ فی الظاھر و الباطن فی السِّرِ و العلانیۃ مع الخالق و الخلق

اللہ والوں کے عمل بحیثیت قلبی کچھ اور ہی ہوتے ہیں۔ وہ شریعت کے احکام کی معیت اور ظاہر و باطن اور سر و علانیہ میں حدود شرعیہ کی حفاظت کے ساتھ خالق و مخلوق کے ساتھ ہمیشہ گھومتے رہتے ہیں۔[350]

سیدی ابو الحسین احمد بن محمد نوری قدس سرہ نے فرمایا:

من رأیته یدعی مع اللہ حالۃ تخرجه عن حد العلم الشرعی فلا تقربن منه۔

جب تم ایسے شخص کو دیکھو جو اللہ کی معیت کا دعویٰ کرتا ہو اور حال یہ ہو کہ علم شرع (شریعت) اسے حد سے نکال دیتی ہے تو تم ہرگز اس کے قریب نہ جانا۔[351]

احکام عبودیت و تکلیفات شرعیہ ہرگز کبھی ساقط نہیں ہوسکتے:

حضرت شیخ ابو النجیب عبد القاھر السہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

احکام عبودیت اور فرائض و واجبات و تکلیفات شرعیہ کسی شخص سے چاہے وہ کیسا ہی مقرب بارگاہ اور ولی اللہ ہو اور کسی بھی مقام و مرتبہ تک پہنچ گیا ہو۔ ہرگز کبھی ساقط یا اس کے حق میں معاف نہیں ہوسکتے۔ (جیسا کہ بعض جاہل صوفیوں کا گمان ہے) بلکہ احکام العبودیۃ لازمۃ للعبد ما دام عاقلاً یعنی بندہ جب تک عقل و ہوش رکھتا ہے تکلیف شرعی سے وہ آزاد نہیں ہوسکتا۔ اور احکام عبودیت اس کے لئے ہر حالت میں لازم اور ان کی پابندی اس پر واجب ہے۔

کرامت اگرچہ اعلیٰ درجہ کی ہو۔ ہوا میں اڑتا ہو۔ دریا کو تڑپتا ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ کی محبت اور شریعت و طریقت پر استقامت اور حب فی اللہ و بغض فی اللہ اس سے زیادہ کمال ایمان کی دلیل ہے۔[352]

علم بے عمل اور عمل بے علم کی مثال:

حضرت شیخ ابو النجیب عبد القاھر السہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ارباب طریقت کے لیئے علوم شریعت کی تحصیل بہت ضروری ہے۔ (کیونکہ جس طرح عالم بے عمل گمراہ ہے۔ اسی طرح عامل بے علم یعنی جاہل فقیر مسخرہ شیطان ہے) اس موقع پر آپ تحریر فرماتے ہیں: اذا تجرد العلم عن العمل کان عقیما او اذا خل العمل عن العلم کا سقیما۔

علم بے عمل عقیم یعنی ایک بانجھ اور لاولد عورت کے بے نتیجہ ہے۔ اور عمل بے علم سقیم یعنی ایک کمزور و ضعیف بیمار کے مانند ہمیشہ اندیش ناک حالت میں ہے۔[353]

---

[350] الفتح الربانی ص ۲۲۶، فریدبک سٹال

[351] الرسالۃ القشیریۃ، ترجمہ سیدی ابو الحسین احمد بن محمد نوری ص ۲۵

[352] تذکرہ حضرت ابو النجیب عبد القاھر السھروردی ص ۱۰۳، مؤلف مولانا حسن میاں قادری چشتی

[353] تذکر حضرت ابو النجیب عبد القاھر ص ۹۶، مؤلف مولانا حسن میاں قادری چشتی

تصوف کی تعریف:

سیدی عارف باللہ امام التصوف عبد الوھاب الشعرانی نوراللہ مرقدہ نے فرمایا:

التصوف انماھو زبدۃ عمل العبد بأحکام الشریعۃ۔۔۔۔علم التصوف تفرع من عین الشریعۃ۔ اور دوسرے مقام پر فرمایا: علم التصوف من عین الشریعۃ

تصوف محض احکام شریعہ پر بندہ کے عمل کا خلاصہ ہے۔۔۔ علم تصوف شریعت کے چشمہ میں سے ایک نہر ہے۔ علم تصوف عین شریعت ہے۔[354]

سردارالاولیاء حضرت جنید بغدادی نوراللہ مرقدہٗ نے فرمایا:

تصوف نام ہے مخلوق سے خالق کی جانب رجوع ہونے اور قرآن و سنت کی اتباع کرنے اور مشغول عبادت رہنے کا۔

قال القاضی شیخ الاسلام زکریا الانصاری رحمہ اللہتعالیٰ: التصوف علم تعرف بہ احوال تزکیۃ النفوس و تصفیۃ الاخلاق و تعمیر الظاھر و الباطن لنیل السعادۃ الابدیۃ و یحصل بہ اصلاح النفس و المعرفۃ و رضاء الرب۔

یعنی تصوف وہ علم ہے جس کے ذریعہ انسان تزکیہ نفس، اخلاق کی صفائی، اور ظاہر و باطن کی تعمیر جان لیتا ہے تاکہ وہ ابدی سعادت سے ہمکنار ہو سکے اور اس کے نفس کی اصلاح ہو اور اپنے نفس کو پہچان کر اپنے رب کی معرفت اور رضا حاصل کر لے۔[355]

شیخ احمد زروق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: تصوف وہ علم ہے جس کا مقصد دلوں کی اصلاح کرنا، اور ان کو محض اللہ کیلئے خاص کر دینا ہے، اور فقہ، عمل کی اصلاح اور پورے نظام کی حفاظت اور احکام میں مضمر حکمتوں کو آشکارا کرنے کا نام ہے۔ اور علم توحید کا مقصد یہ ہے کہ مقدمات کو براہین و دلائل سے ثابت کیا جائے اور ایمان کو یقین کے زیور سے آراستہ کیا جائے۔ جیسا کہ طب کا مقصد اجسام کی حفاظت کرنا ہے اور علم نحو کا مقصد زبان کو اغلاط سے محفوظ کرنا ہے۔

شیخ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تصوف یہ ہے کہ ہر اچھی عادت اور طریقہ کو اپنایا جائے اور ہر برے طریقہ اور عادت کو ترک کیا جائے۔

کسی بزرگ کا فرمان ہے کہ تصوف سراپا اخلاق ہے۔ پس جس نے تیرے اخلاق میں اضافہ کیا، اس نے تجھے تصوف پر عمل پیرا کر دیا۔

حضرت ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "تصوف نفس کو عبودیت کے سانچے میں ڈھالنے، اور اسے احکام ربوبیت کی طرف لے جانے کا نام ہے"۔

ابن عجیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصوف وہ علم ہے جس کے ذریعہ بارگاہ خداوندی تک رسائی، باطن کی رزائل سے صفائی اور اس کو مختلف فضائل سے آراستہ کرنے کی کیفیت معلوم ہو۔ اس کی ابتداء علم، وسط علم اور انتہاء عنایت خداوندی ہے۔

---

[354] الطبقات الکبریٰ، مقدمۃ الکتاب ص ۱۰۹، دار الکتب العلمیۃ

[355] (علی ھامش "الرسالۃ القشیریۃ" ص ۷)۔

صاحب کشف الظنون فرماتے ہیں: یہ وہ علم ہے جس میں اہل کمال کی منازل سعادت میں ترقی کرنے کی کیفیت معلوم ہو۔ آپ فرماتے ہیں کہ علم تصوف وہ علم ہے جسے عقلمند اور صاحب حال ہی جان سکتا ہے، اسے وہی شخص جان سکتا ہے جسے اس کا مشاہدہ حاصل ہو۔ اور کور چشم سورج کی روشنی کا کیسے مشاہدہ کر سکتا ہے۔

شیخ زروق رحمۃ اللہ علیہ قواعد تصوف میں فرماتے ہیں کہ علم تصوف پر تقریباً دو ہزار تالیفات کی گئی ہیں اور ان تالیفات کا لب لباب صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا ہے اور اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

تصوف کا دارومدار مادی آلائشوں سے دل کو صاف کرنے پر ہے اور اس کی بنیاد خالق حقیقی سے بندے کے تعلق قائم کرنے پر ہے۔ پس صوفی وہ ہے جس کا دل پاک اور اللہ تعالیٰ سے معاملہ صاف ہو، اور اس کی بارگاہ سے اسے خاص انعام و اکرام حاصل ہو۔

لفظ تصوف کی وجہ تسمیہ: اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ماہرین علم روحانیت و معرفت کو صوفی کیوں کہا گیا۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ چونکہ ان کا نصب العین صفائے باطن تھا وہ صوفی کہلانے لگے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ چونکہ انبیاء علیہم السلام اور بیشتر صحابہ کرامؓ کے عمل کے مطابق وہ حضرات اکثر صوف یعنی اون کا کپڑا پہنتے تھے۔ اس نسبت سے بھی وہ صوفی مشہور ہو گئے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ان حضرات کا مسلک اصحاب صفہ کے مسلک کے مطابق تھا یعنی گوشہ نشینی اور ہمہ وقت یادِ خدا میں مشغول رہنا تھا اس نسبت سے بھی وہ صوفیاء کرام کے نام سے موسوم ہونے لگے۔

صوفی کی تعریف:

حضرت الشیخ سید احمد کبیر الرفاعی قدس سرہ نے فرمایا:

صوفی وہ ہے جو سرور کائنات ﷺ کے بتائے ہوئے راستے کے سوا کسی اور راستے پر نہ چلے اور نہ ہی کسی اور راستے کو دستور عمل بنائے۔ ایسے لوگوں کی صحبت نہ کر جو ہمیشہ اولیاء اللہ کے کلام کی تاویل اور ان کی نسبت طرح طرح کی حکایتیں گھڑ کر ان پر فخر کرتے ہیں، ان میں سے بہت سے قصے جھوٹے ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کی مخلوق پر عذاب ہے۔ کیونکہ جب وہ اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھ کر نیکی کے خواہش مند ہوتے ہیں تو اللہ نے انہیں نادانوں سے وابستہ کر دیا ہے۔ یہ لوگ سرور کائنات ﷺ کی حدیثوں میں ایسی باتیں داخل کر دیتے ہیں جو سراسر بہتان اور اختراع ہوتی ہے۔[356]

سیدی امام عبد الوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فأن حقيقة الصوفي هو عالم عمل بعلمه اى على وجه الاخلاص لا غير, فليس علم التصوف الا معرفة طريق الوصول الى العمل بالاخلاص لاغير۔ فلو عمل العالم بعلمه على وجه الاخلاص كان هو الصوفى حقا۔

صوفی کی حقیقت یہ ہے کہ وہ عالم ہوتا ہے جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے یعنی اخلاص کے طریقے پر نہ کسی اور طریقے پر۔ پس علم تصوف اخلاص کے ساتھ عمل تک پہنچنے کے راستے کی معرفت کا نام ہے اس کے علاوہ نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی عالم اخلاص کے ساتھ اپنے علم

---

[356] انوار رفاعی، ص ۲۱

پر عمل کرے تو سچا صوفی وہی ہے۔[357]

سردارالاولیاء حضرت جنید بغدادی نوراللہ مرقدہٗ نے فرمایا:

صوفی وہ ہے جو خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت اس طرح کرے کہ ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں حدیث۔

مرید کو پکڑ اس سے پہلے کہ وہ دانا ہو جائے:

قطب ربانی سید شیخ عبدالقادر جیلانی نوراللہ مرقدہٗ نے الفتح الربانی میں ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

السوال: مامعنی قول بعض المشائخ خذالمرید قبل ان یفطن

الجواب: قال رضی اللہ عنہ ای خذہ فی العبادۃ و الاجتھاد فی الصلوٰۃ و الصیام قبل ان یفطن لقربہ و لطفہ فاذا قربہ و الطفہ فترعن عملہ قبل ان یفطن بشربک و مرادک یطلب ذالک الطریق و یدعک۔

سوال: بعض مشائخ کے اس قول سے کیا مراد ہے کہ مرید کو اس سے پہلے پکڑ کہ وہ دانا ہو جائے۔

جواب: آپ رضی اللہ عنہ فرمایا کہ اس کے معنٰی یہ ہیں کہ تو مرید کو عبادت اور نماز روزہ (شریعت) کے مجاہدہ میں اس سے پہلے متوجہ کردے کہ وہ قرب و لطف الٰہی سے واقف ہو جائے۔ پس جب کہ رب تعالیٰ اس کو اپنا قرب عطا فرمائے گا اور اس پر لطف فرمانے لگے گا (اگر وہ شریعت پر عمل نہیں کرے گا) تو وہ اپنے عمل (اللہ تعالیٰ کے قرب) سے سست پڑ جائے گا۔ اس سے پہلے کہ وہ تیری شراب و مراد کا مزہ چکھے اس راستے کو تلاش کرنے لگے گا اور تجھے چھوڑ دے گا۔[358]

آداب شریعت کی حفاظت لازمی امر ہے:

امام التصوف سیدی امام عبدالوھاب الشعرانی نوراللہ مرقدہٗ الانوارالقدسیہ میں فرماتے ہیں:

و من شأنہ ان یحافظ علیٰ آداب الشریعۃ و المشی علیٰ ظاھرھا ما امکن فان الترقی کلہ فی امتثال أمر الشارع علیہ الصلوٰۃ و السلام۔

مرید کے آداب میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ آداب شریعت کی حفاظت کرے اور جس قدر ممکن ہو اس کے ظاہر پر عمل کرے کیونکہ تمام ترقی کا دارومدار شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کی تعمیل میں ہے۔[359]

آپ رضی اللہ عنہ دوسرے مقام پر صوفیاء سے مخاطب ہوتے ہوئے فرماتے ہیں۔

و من شأن القوم ان لا یتعدوا اعلوم الشرعیۃ النبی الصریحۃ و لا یقدینو الرأی لا یشھد لہ ظاھر الشریعۃ۔

صوفیاء کرام کی شان یہ ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی شریعت کے صریح علوم سے تجاوز نہ کریں اور ایسی رائے نہ اپنائیں جس کے لئے ظاہر شریعت کی شہادت نہ ہو۔[360]

سیدی ابوعثمان سعید بن اسماعیل الحیری قدس سرہ نے فرماتے ہیں:

الصحبۃ مع الرسول ﷺ باتباع سنۃ و لزوم ظاھر العلم۔

---

[357] الانوار القدسیۃ فی معرفۃ قواعد الصوفیۃ ص ۲۰، دار الکتب العلمیۃ

[358] الفتح الربانی ص ۶۵۹، فریدبک سٹال

[359] الانوار القدسیہ فی معرفۃ قواعد الصوفیہ، ص ۴۸، دار الکتب العلمیۃ

[360] الانوار القدسیہ فی معرفۃ قواعد الصوفیہ، ص ۲۱۶

رسول اکرم ﷺ کے ساتھ صحبت آپ ﷺ کی سنت کی اتباع اور ظاہری علم کو لازم پکڑنے کے ساتھ ہے۔[361]

حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ فرماتے ہیں:

قال ابو یزید لو نظرتھم الی رجل اعطی من الکرامات حتی یرتقی فی الھواء فلا تغتروا بہ حتی تنظروا کیف تجدونہ عند الامر و النھی و حفظ الحدود واداء الشریعۃ۔

کسی شخص میں کرامات دیکھو یہاں تک کہ وہ ہوا میں اڑتا نظر آئے تو اس پر فریفتہ نہ ہو جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ وہ امر و نہی و اتباع شریعت میں کیسا ہے۔[362]

امام عبد الوھاب الشعرانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

من اخلاق السلف الصالح رضی اللہ عنھم، ملازمۃ الکتاب و السنۃ کلزوم الظل للشاخص۔

سلف صالحین رحمہم اللہ کے اخلاق میں سے یہ بھی ہے کہ وہ حضرات قدسیہ کتاب و سنت پر اس قدر ملازمت اختیار کرتے جیسا کہ لوگوں کے لیے سائے کا ہونا لازم ہے۔[363]

صاحب ممدوح قدس سرہ لکھتے ہیں:

و من اخلاقھم رضی اللہ عنھم: توقفھم عن کل فعل او قول حتی یعرفوا میزانہ علی الکتاب و السنۃ۔

اور سلف صالحین کے اخلاق میں سے یہ بھی ہے کہ وہ حضرات قدسیہ پر فعل و قول میں توقفت اختیار کرتے جب تک کہ اس (فعل و قول) کو کتاب و سنت کے ترازو پر نہ رکھ لیتے۔[364]

حضرت خواجہ سید امیر کلاں رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

شریعت اور حدود کی حفاظت تمام کاموں کی اصل ہے۔[365]

امام عبد الوہاب الشعرانی نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا:

و من شأنھم حفظ آداب الشریعۃ لا سیما اواخر اعمارھم، و لا یقدمون علی فعل شیء حتی یعرفوا انہ موافق للشریعۃ و اذا شکوا فی أمر سألوا عنہ العلماء و عملوا بما یفتونھم بہ من التشدید او الرخصۃ شرطھا۔ و قد ألف سیدی الشیخ محمد بن عنان رضی اللہ عنہ رسالۃ من أولھا الی أخرھا فی العث علیٰ اتباع الشریعۃ و سؤال العلماء عن ما فیہ شک۔

حضرات صوفیاء کی شان سے یہ بات بھی ہے کہ وہ آداب شریعت کی حفاظت کریں خاص طور پر اپنی عمر کے آخری حصے میں اور کسی عمل کی طرف اس وقت تک قدم نہ اٹھائیں جب تک جان نہ لیں کہ وہ شریعت کے مطابق ہے۔ اور جب انہیں کسی بات میں شک ہو تو اس کے بارے میں علماء کرام سے پوچھیں اور ان کے فتویٰ پر عمل کریں اس میں سخت حکم ہو یا رخصت اپنی شرائط کے ساتھ ہو۔

مزید فرمایا:

سیدی شیخ محمد بن عنان رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ لکھا جس میں اول تا آخر اتباع شریعت اور شک والی بات کے بارے میں

---

[361] الرسالۃ القشیریہ، ترجمہ ابو عثمان سعید بن اسماعیل الحیر ص ۲۵

[362] الرسالۃ القشیریۃ ص۔18، دار السلام

[363] تنبہ المغترین ص ۲۰ دار الکتب العلمیۃ

[364] تنبہ المغترین ص ۲۱ دار الکتب العلمیۃ

[365] تاریخ مشائخ نقشبندیہ، ص ۲۵۱ زاویہ پبلشرز

علماء کرام سے پوچھنے کی ترغیب ہے۔

حضرت سیدنا علی الخواص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

کان یقول (سیدی علی الخواص رحمة اللہ علیه) من خان فی آداب الشریعة الظاهرة, فأحدی أن یخون فی علم الحقیقة و الاسرار الٰهیة و معلوم ان الحق تعالیٰ لا یهب أسراره الا للأمناء من عباده, و کل من ابتدع فی الشریعة شیأ فقد أثر هواه علی شرع ربه و الذی اختاره اللہ و رسوله للأمة۔ و اللہ اعلم۔

جو شخص شریعت کے ظاہری آداب میں خیانت کرتا ہے تو وہ حقیقت اور اسرارِ الٰہیہ کے علم میں زیادہ خیانت کرے گا۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسرار اپنے بندوں میں صرف امانت دار لوگوں کو ہبہ کرتا ہے اور جو شخص شریعت میں کوئی بدعت نکالتا ہے وہ اپنے رب کی اس شریعت پر جیسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے امت کے لئے پسند کیا۔ اپنی خواہش کو ترجیح دیتا ہے۔ و اللہ اعلم۔[366]

حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ نے لوازمات سلوک کے حوالے سے فرمایا:

تقویٰ و ورع کا طریقہ اور محمد مصطفیٰ ﷺ کی متابعت اختیار کرنی چاہیے۔ اپنا احوال باطنی کتاب و سنت کی کسوٹی پر پرکھنا چاہیئے، اگر موافق ہو تو قابلِ قبول اگر مخالف ہے تو مردود جاننا چاہیئے۔[367]

خواجہ شمس الدین امیر کلال قدس سرہ کے ارشادات:

۱) حضرت امیر اپنے معارف میں اپنے یاروں سے ہمیشہ فرمایا کرتے تھے۔ اگر عبادت میں تمہاری پیٹھ کبڑی ہو جائے اور ریاضت میں تمہارا جسم کمان کے چلے کی طرح باریک ہو جائے تو خدائے خالق کے جلال و عظمت کی قسم کہ تم ہرگز مقصود تک نہ پہنچو گے جب تک کہ اپنے لقمہ اور خرقہ کو پاک نہ رکھو اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شریعت کی پیروی نہ کرو۔ کیونکہ تمام کاموں کی اصل اسی پر ہے۔

۲) تمام کاموں میں اصل شریعت اور ان حدود کی حفاظت ہے جو حق تعالیٰ نے مقرر کر دی ہیں۔[368]

بغیر فقہ تصوف نہیں:

شیخ احمد زروق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

لا تصوف إلا بفقه, إذ لا تعرف أحکام اللہ الظاهرة إلا منه, و لا فقه إلا بتصوف, إذ لا عمل إلا بصدق و توجه, و لا هما التصوف و الفقه إلا بإیمان

فقہ کہ بغیر تصوف نہیں کہ فقہ کے بغیر احکام الٰہی پہنچانے نہیں جاسکتے اور تصوف کے بغیر فقہ نہیں کیونکہ کوئی عمل سچائی اور توجہ الی اللہ کے بغیر معتبر نہیں اور یہ دونوں (تصوف اور فقہ) بغیر ایمان درست نہیں۔[369]

امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

من تصوف و لم یتفقه فقد تزندق, و من تفقه و لم یتصوف فقد تفسق, و من جمع بینهما فقد تحقق۔

---

[366] الانوار القدسیه ص ۱۴۰، دار الکتب العلمیة
[367] تاریخ مشائخ نقشبندیه ص ۴۵۲، زاویه پبلیشرز
[368] تذکرہ مشائخ نقشبندیه، علامه نور بخش ے توکلی، ص 130۔132
[369] حقائق عن التصوف ص ۳۸۳، مکتبة السیفیة

جس نے تصوف بغیر فقہ کے اختیار کیا وہ زندیق بن گیا اور جس نے فقہ حاصل کیا مگر تصوف کو اختیار نہیں کیا وہ فاسق ہو گیا اور جس نے دونوں کو جمع کیا وہ حقیقت تک پہنچ گیا۔[370]

(پہلا شخص زندیق اس لئے ہوا کہ اس نے حقیقت کو شریعت سے جدا تصور کیا۔ اور احکام شریعہ پر عمل کرنا چھوڑ دیا۔ اور دوسرا شخص فاسق اس لئے ہوا کہ اس کے دل میں تقویٰ کا نور اور اخلاص داخل نہ ہوا۔ اور تیسرے شخص نے حقیقت تک رسائی اس لئے حاصل کرلی کہ اس نے دین کے تمام ارکان یعنی ایمان، اسلام اور احسان کو جمع کیا۔ جیسا کہ حدیثِ جبریل میں مذکور ہے)

اصل الاصول کتاب و سنت ہے:

حجۃ الاسلام ابو حامد امام غزالی قدس سرہ اپنے شاگردِ رشید کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ینبغی لک ان یکون قولک و فعلک موافقا للشرع اذ العلم و العمل بلا اقتداء الشرع ضلالة و ینبغی الا تغتر بالشطح و طامات الصوفية لان سلوک هذا الطريق يكون بالمجاهدة و قطع شهوة النفس و قتل هواها بسيف الرياضة, لا بالطامات و الترهات۔

تیرا قول و فعل شریعتِ مطہرہ کے موافق ہونا چاہئے کیونکہ علم ہو یا عمل جو نبی کریم علیہ الصلاۃ السلام کی اقتداء کے علاوہ ہو گا ضلالت و گمراہی ہے۔ تیرے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ تو جادہ شریعت سے پھسلے ہوئے صوفیاء کی شطحیات اور ان کی گمراہ کن باتوں کے پیچھے نہ پڑنا۔ اس لئے کہ اس راستہ میں مجاھدہ ہے اور خواہشاتِ نفس کو قطع کرنا۔ اور ھوائے نفس کو بالکل ختم کرنا ریاضت کی تلوار سے نہ کہ طامات و ترھات سے۔[371]

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اعتبار فرع باصل و قاعدہ است، و اصل و قاعدہ کتاب و سنت است۔ پس ہر قولے کہ بود و از ہر قائلے کہ باشد فقیہ یا متکلم یا صوفی اگر موافق اصل و قاعدہ است قبول نمایند۔

فرع کا اعتبار اصل اور قاعدہ سے ہے اور اصل اور قاعدہ کتاب و سنت ہے۔ پس جو قول (و فعل) بھی اور جس قائل (و فاعل) سے بھی ہو خواہ وہ فقیہ سے ہو، متکلم سے ہو یا صوفی سے ہو اصل اور قاعدہ ہے اس کو قبول کرے۔

صاحب ممدوح دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

ثبوت مزیت و کمال موجب رفع احکام تکلیفیہ و سقوط حدود شرعیہ نیست

زیادتی اور کمال کا ثابت ہو جانا احکام تکلیفیہ کے رفع ہونے اور حدود شرعیہ کو ساقط کرنے کا نام نہیں ہے۔[372]

سیدی سید ابراہیم الدسوقی قدس سرہ نے فرماتے ہیں:

اعلم یا ولدی أن اللہ تعالیٰ ما أمرک الا باتباع نبیہ ﷺ۔

---

[370] حقائق عن التصوف ص ۳۸۳، اشعۃاللمعات ص 205 تجلیات سیفیہ ص ۴۶

[371] المنقد من الضلال و معہ ایہا الولد ص۔ 165، المکتبۃ العصریۃ بیروت

[372] مرج البحرین ص 61،59 کوچہ چیلان دریا گنج نئی دھلی

جان لو اے میرے لڑکے اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی ﷺ کی اتباع کے علاوہ کسی بھی چیز کا حکم نہیں فرمایا۔[373]

مکتوب شریف:

اے فرزند آنچہ فردابکار خواہد آمد متابعت صاحب شریعت است علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ احوال و مواجید و علوم و معارف واشارات و رموز اگر بآں متابعت جمع شوند فبہا و نعمت والا جز خرابی واستدراج ہیچ نیست سید الطائفہ جنید رابعہ از فوت شخصے بخواب دید از حالش پرسید جنید در جواب او گفت:

طاحت العبارات و فنیت الاشارات و مانفعنا الار کیعات رکعناھا فی جوف الیل

اے فرزند! جو کچھ کل کام آئے گا وہ صاحب شریعت ﷺ کی متابعت ہے۔ احوال و مواجید علوم و معارف اور اشارات و رموز کو اگر اس متابعت کے ساتھ جمع فرمادیں تو بہت اچھا ہے ورنہ بجز خرابی اور استدراج کے کچھ نہیں ہے سید الطائفہ جنید بغدادی قدس سرہ العزیز کو وفات کے بعد کسی شخص نے خواب میں دیکھا اور ان کا حال دریافت کیا تو حضرت جنید نے اسے جواب فرمایا: جملہ عبادات اکارت گئیں اور اشارات فنا ہوگئے۔ مگر ہمیں تو ان رکعتوں نے ہی فائدہ دیا جو ہم رات کے پچھلے پہر ادا کیا کرتے تھے۔

علامہ محمد سعید احمد اس متن کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

زیر نظر مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز متابعت نبوی اعلیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات پر کاربند اور اسباق طریقت کا پابند رہنے کی نصیحت فرمارہے ہیں دراصل دوران سلوک سالکین طریقت پر سنت و شریعت اور اوراد وظائف کی بدولت حقائق و معارف کا انکشاف اور کیفیات و احوال کا ورود ہوتا ہے جو ان کی معلومات میں مزید اضافے کا باعث ہوتے ہیں جن کو اہل اللہ یاران طریقت میں بیان کرتے اور کتب میں تحریر بھی فرمادیتے ہیں بسا اوقات سالکین ان اسرار و اشارات میں اسقدر مشغول ہوجاتے ہیں کہ منزل مقصود سے توجہ ہٹ جاتی ہے جو ان کے لئے خسارے کا باعث بنتی ہے۔ چونکہ اس قسم کے اسرار و حقائق اطفال طریقت کیلئے کھولونوں کی حیثیت رکھتے ہیں، بنابریں طالبان طریقت کو انہیں ناقابل اعتبار و اعتماد سمجھ کر شریعت مطہرہ اور سنت نبویہ کی پابندی کرنا چاہئے۔ بقول شاعر

کار کن بگزر از گفتار
کاندریں راہ کار دارد کار

بینہ نمبر ا:

واضح رہے کہ اگر دوران سلوک احوال و مواجید میسر نہ بھی ہوں، محض سنت و شریعت کی پابندی اور اپنے مرشد و مربی کی محبت ہی سالک کے قلب میں موجزن رہے تو ایسا سالک مبارکباد کا مستحق ہے۔ انشاءاللہ وفاداری بشرط استواری کے زریں اصول کے تحت وہ بالآخر واصل باللہ ہوجاتا ہے۔ **فھو المقصود**

بینہ نمبر ۲:

[373] الطبقات الکبریٰ للشعرانی، ترجمہ سید ابراھیم الدسونی، ص ۲۴۱، دار الکتب العلمیة

سلطان طریقت، سید الطائفہ حضرت شیخ جنید بغدادی قدس سرہ العزیز جو عمر بھر جلیل القدر مشائخ کی تربیت فرماتے رہے اور اسرار طریقت کی گتھیاں سلجھاتے رہے، ان کے لئے بھی نوافل تہجد ہی سود مند ثابت ہوئے جو اتباع سنت ہونے کی بنا پر باعث قربت ہیں جیسا کہ ارشادات نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات میں ہے۔

اَفضَلُ الصَّلٰوۃِ بَعدَ المفروضۃ صلوٰۃ فی جوف اللیل

یعنی فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نمازرات کے آخری حصہ میں ادائے نماز (نوافل تہجد) ہے۔

دوسری روایت میں ہے:

اَقرَبُ مَایَکُونُ الرَّبُ مِنَ العَبدِ فِی جَوفِ اللَّیلِ الآخِرِ

یعنی بندہ مومن کو رب تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب، رات کے آخری حصہ میں نصیب ہوتا ہے۔[374]

عارف ربانی حضرت مولانا فتح اللہ ابن شیخ ابو بکر النافی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

اصل ھذہ الطرائق من الکتاب و السنۃ و لا یجوز الانکار علیھا بالاتفاق۔

ان راستوں (حقیقت، طریقت و معرفت) کی اصل کتاب و سنت ہے اور صوفیاء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اصل کا انکار کرنا جائز نہیں۔[375]

امام التصوف سیدی سید عبد الوہاب الشعرانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

فعلیک یا أخی باتباع السنۃ المحمدیۃ فی جمیع أفعالک و اقولک و عقائدک، و لا تقدم علی فعل شیء حتی تعلم موافقہ للکتاب و السنۃ۔

اے میرے بھائی! تجھ پر لازم ہے کہ تو سنت محمدیہ ﷺ کی اتباع کرے اپنے تمام افعال و اقوال اور عقائد میں۔ اور کسی بھی کام کو اس وقت تک نہ کر جب تک کہ تجھے اس کا کتاب و سنت سے ہونا معلوم نہ ہو جائے۔[376]

ہر باطن جو ظاہر شریعت کے مخالف ہو باطل ہے:

حضرت ابو سعید خزار نے فرمایا:

کل باطن یخالفہ ظاھر فھو باطل

ہر باطن جو ظاہر کے مخالف ہو وہ باطل ہے۔ (یعنی ہر وہ حقیقت (باطنی احوال) جو شریعت کے مخالف ہو باطل ہے باطل ہے باطل ہے۔[377]

امام العارفین حضرت سلطان باہو قدس سرہ لکھتے ہیں:

کل باطن مخالف لظاھر فھو باطل۔

ہر وہ باطنی معاملہ جو ظاہر شریعت کے مخالف ہو وہ باطل ہے۔[378]

---

[374] البینات شرح مکتوبات جلد 4، ص 333 تنظیم الاسلام پبلی کیشنز
[375] تحفۃ اھل الفتوحات و الاذواق ص ۶۲
[376] تنبیہ المغترین ص ۲۳، دار الکتب العلمیۃ
[377] عوارف المعارف ص: 36، حقائق عن التصوف ص ۳۹۰
[378] حق نمائے، (نور الھدیٰ) ص ۵۱

اتباع شریعت کے بغیر وصول الی اللہ ناممکن ہے:

حضرت ابو الحسن وراق فرماتے ہیں۔

لا یصل العبد الی اللہ الا باللہ و بموافقۃ حبیبہ ﷺ فی شرائعہ، ومن جعل الطریق الی الوصول فی غیر الاقتداء یضل من حیث یظن انہ مھتد۔

بندہ اللہ تک صرف اللہ کے ذریعے اور شریعت میں رسول اللہ ﷺ کی موافقت کے ذریعے پہنچتا ہے جس کسی نے بھی رسول اللہ ﷺ کی پیروی کے بغیر وصول الی اللہ کا راستہ اختیار کیا وہ گمراہ ہو گیا خواہ وہ اپنے آپ کو ہدایت پر سمجھتا رہے۔(جیسا کہ اس زمانے کے متصوفین کا گمان فاسد ہے)[379]

شیخ عبد اللہ بن ابی بکر قدس سرہ نے فرماتے ہیں:

ماعندنا طریق الی اللہ تعالیٰ الا الشریعۃ وھی الاصل و الفرع

ہمارے نزدیک شریعت کے علاوہ وصول الی اللہ کا کوئی راستہ نہیں اس لئے کہ یہی اصل اور یہی فرع ہے۔[380]

شیخ احمد زروق نے فرمایا:

و کل شیخ لم یظھر بالسنۃ فلا یصح اتباعہ لعدم تحقق حالہ و ان صح فی نفسہ و ظھر علیہ ألف ألف کرامۃ من امرہ

ہر وہ شیخ جو ظاہر میں سنت کو نہ اپنا سکا اسکی تابعداری درست نہیں اور حال یہ ہے کہ وہ اپنے گمان میں خود کو درست تصور کرتا ہو اور خواہ وہ ہزارہا کرامتیں دکھائے۔[381]

اور کہا گیا ہے کہ تصوف شریعت سے کوئی الگ راستہ نہیں بلکہ تصوف شریعت پر عمل پیرا ہونے کا ہی نام ہے۔اس لئے پہلے شریعت پر کاربند ہونا ضروری ہے پھر تصوف کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ اور طریقت و حقیقت اصل میں شریعت ہی کو بام عروج تک پہنچانے کا نام ہے۔ تصوف کی باتیں ص ۴۳

امام ربانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

فان ریاضات اھل الباطل (المتصوفین) و مجاھداتھم التی لا توافق الشریعۃ الغراء (وھو اظھر من الشمس) الا یحصل منھا شیء غیر الخسارہ۔

پس بے شک اہل باطل (جاہل صوفی) کی وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو شریعت (جو کہ روشن ہے) کے موافق نہ ہو سوائے خسارے کے کچھ فائدہ نہیں۔[382]

کتب تصوف کے ساتھ کتب فقہ کا مطالعہ بھی ضروری ہے:

امام ربانی مجدد الف ثانی نوراللہ مرقدہٗ نے شیخ نظام الدین القانیسری کی طرف خط لکھا جس میں آپ نے فقہ کی کتب کا ذکر و مطالعہ کی تلقین کی ہے۔

---

[379] حقائق عن التصوف، ص ۳۹۰

[380] عقائد السنیہ مصنف عثمان بن عیسیٰ الصدیقی الحنفی ص ۱۰ میر محمد کتب فروش پشاور

[381] حقائق عن التصوف، ص ۳۹۲، ۳۹۳

[382] مکتوب ۲۰۶، ص ۳۷۸، جلد 01، دار الکتب العلمیہ بیروت

فکما انہ یذکر فی مجلسہ الشریف من کتب التصوف، کذالک ینبغی ان یذکر فیہ من الکتب الفقیھۃ، و الکتب الفقھیۃ بالعبارۃ الفارسیۃ کثیرۃ مثل مجموعۃ خانی و عمدۃ الاسلام و الکنز الفارسی بل لا ضرر اصلاان لم یذکر من کتب التصوف فانہ یتعلق بالاحوال لا دخل لہ فی القال و عدم مذاکرۃ الکتب الفقھیۃ محتمل للضرر، و زیادۃ الاطناب موجبۃ للملال، القلیل یدل علی الکثیر۔ (شعر)

و بثثت عندکمن خفی ضمائر

نبذاو خفت سامۃمن کثرۃ

پس جس طرح آپ کی مجلس میں کتب تصوف کا ذکر و مطالعہ ہوتا ہے اسی طرح کتب فقہ کا بھی ذکر و مطالعہ ہو۔ اور زبان فارسی میں فقہ کی بے شمار کتب موجود ہیں جیسے مجموعہ خانی عمدۃ الاسلام اور کنز فارسی بلکہ اگر آپ کی مجلس میں کتب تصوف کا ذکر و مطالعہ نہ بھی ہو تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ تصوف کا احوال سے تعلق ہے وہ قال میں نہیں۔ لیکن کتب فقہ کے زیر مطالعہ نہ ہونے سے ضرور نقصان کا احتمال ہے۔ زیادہ لمبی بات ملال کی موجب ہو گی۔ تھوڑی چیز زیادہ پر دلالت کرتی ہے۔

تیرے سامنے میں نے بہت تھوڑا غمِ دل بیان کیا ہے

مجھے ڈر محسوس ہوا کہ تودل آرزدہ ہوگیا ورنہ باتیں تو بہت[383]

شریعت کے تین اجزاء:

امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اعلم ان للشریعۃ ثلاثۃ اجزاء العلم و العمل و الاخلاص۔ و ما لم یتحقق کل من ھذہ الاجزاء الثلاثۃ لا تتحقق الشریعۃ۔ و متیٰ تحققت الشریعۃ فقد تحقق رضا الحق سبحانہ و تعالیٰ الذی ھو فوق جمیع السعادات الدنیویۃ و الاخرویۃ و رضوان من اللہ اکبر فکانت الشریعۃ متکلفۃ بجمیع السعادات الدنیویہ و الاخرویہ، و لم یبق مطلب یقع فیہ الاحتیا ج الی ما وراء الشریعۃ۔

و الطریقۃ و الحقیقۃ اللتان امتازت بھما الصوفیۃ خادمتان للشریعۃ فی تکمیل جزئھا الثالث الذی ھو الاخلاص فالمقصود من تحصیل کل منھما تکمیل الشریعۃ لا امر اخر وراء الشریعۃ۔

جان لو کہ شریعت کے تین جزء ہیں:

(۱) علم (۲) عمل (۳) اخلاص

جب تک یہ تینوں اجزاء نہ پائے جائیں شریعت متحقق نہیں پاتی اور جب شریعت متحقق ہو گئی تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا جو تمام دنیاوی و اخروی سعادتوں سے اعلیٰ ہے بھی متحقق ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کی تھوڑی رضامندی بھی بہت ہے۔ اس لئے شریعت تمام دنیوی اور اخروی سعادتوں کی ضامن و کفیل ہے۔ اور کوئی ایسا مطلب و مقصود نہیں جو شریعت سے الگ ہو اور انسان کو اس کی حاجت ہو۔ طریقت و حقیقت جس کے ساتھ صوفیاء کرام ممتاز ہیں دونوں شریعت کے خادم ہیں ان دونوں سے شریعت کے تیسرے جزء جو کہ اخلاص ہے کی تکمیل ہوتی ان دونوں (طریقت و حقیقت) سے مقصود بھی شریعت کی تکمیل ہے نہ کہ کوئی اور امر جو شریعت کے علاوہ ہو۔[384]

---

[383] المکتوبات الربانیۃ مکتوب 19، ص ۸۴، دار الکتب العلمیۃ

[384] مکتوب ج ۳۶، ص ۱۰۸، دار الکتب العلمیۃ بیروت

امام ربانی قدس سرہ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

وھذا الاخلاص جزء من اجزاء الشریعة فان للشریعة ثلاثه اجزاء العلم و العمل و الاخلاص فالطریقة و الحقیقة خادمتان للشریعةفی تکمیل جزء الاخلاص و ھذاھو حقیقة الامر و لکن لا یدرک فھم کل احد ذالک و اکثر خلق العالم قد اطمانوا بالمنام و الخیال و اکتفوا بالجوز و الموز، فما ذا یدرکون من کمالات الشریعة و انا یصلون الی حقیقة الطریقة و الحقیقةفیزعمون الشریعةقشرا و الحقیقةلبا و لا یدرون ماحقیقة المعاملةبل یغترون بترھات الصوفیه ویفتتنون بالاحوال و المقامات السفلیه۔

اور یہ اخلاص شریعت کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔اس لئے کہ شریعت کے تین جز ہیں:

(۱)علم (۲) عمل (۳)اخلاص

پس طریقت و حقیقت دونوں اس جزءیعنی اخلاص کو کمال تک پہنچانے میں شریعت کے خادم ہیں اور یہی حقیقت ہے لیکن ہر شخص اس چیز کا فہم و ادراک نہیں رکھتا۔اکثر مخلوق خواب وخیال میں آرام کر رہی ہے۔اور اکھروٹ وناریل (معمولی چیزوں) پر کفایت کر چکی ہے۔شریعت کے کمالات کو کیا جانے اور طریقت و حقیقت کی ماہیت کو کیا پائے۔اکثر لوگ شریعت کو پوست اور حقیقت کو معزز خیال کرتے ہیں مگر جانتے نہیں کہ اصل معاملہ کیا ہے۔بلکہ صوفیاء کی (بحالت سکر میں نکلی ہوئی) باتوں میں آگئے اور احوال و مقامات سے فتنہ میں آگئے ہیں۔[385]

معلوم ہوا کہ شریعت علاوہ جس بھی چیز کو انسان اپنی حاجت سمجھتاہے دراصل وہ اسکی نفسانی خواہش ہے جیسے وہ شریعت پر مقدم رکھتاہے اور اپنے گمان باطل میں اسے عین شریعت سمجھتاہے۔ فتدبر و ایھا الجھلاءلعلکم تھتدون۔

شریعت کی مخالفت حقیقت کے عدم وصول کی علامت ہے:

امام ربانی قدس سرہ مکتوب ۸۴ میں لکھتے ہیں:

ان مخالفة الشریعةعلامةعدم الوصول الی حقیقة الامر

بے شک شریعت کی مخالفت حقیقت کے عدم وصول کی علامت ہے۔[386]

شریعت وطریقت ایک دوسرے کا عین ہیں:

امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ فرید رحمہ اللہ کی طرف خط صادر فرمایا:

فان الطریقة و الشریعة کل منھما عین الاخر لا مخالفة بینھما مقدار شعرة و انما الفرق بینھما بالاجمال و التفصیل و الاستدلال و الکشف و کلما ھو مخالف للشریعة فھو مردود و کل حقیقة ردته الشریعة فھو زندیقة و طلب الحقیقة مع الاستقامةفی الشریعةحال اھل الکمال من الرجال۔

طریقت اور شریعت ایک دوسرے کا عین ہیں،ان کے درمیان بال برابر بھی مخالفت نہیں۔فرق صرف اجمال وتفصیل اور استدلال و کشف کا ہے۔جو چیز بھی شریعت کے خلاف ہو وہ مردود ہے اور ہر حقیقت جیسے شریعت رد کر دے وہ زندقہ (باطل) ہے۔

---

[385] مکتوب ۴۰ ص 116،جلد 01،دارالکتب العلمیةبیروت

[386] مکتوب ۸۴،ص 206،جلد 01،دارالکتب العلمیةبیروت

شریعت پر استقامت کے ساتھ حقیقت کو طلب کرنا اہل کمال مردوں کا کام ہے۔[387]

مذکورہ بالا مکتوب میں آپ علیہ الرحمہ نے بالکل واضح جاہل صوفیوں کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ شریعت کو قائم رکھتے ہو حقیقت کو طلب کرنا مردوں کا کام ہے۔

سیدی افضل الدین قدس سرہ نے فرماتے ہیں:

کل حقیقة شریعة و عکسه۔

تمام حقیقت شریعت اور اس کا عکس (تمام شریعت حقیقت) ہے۔[388]

استدراج:

آپ علیہ رحمہ نے مکتوب ۷۸ میں لکھتے ہیں:

فان حصلت له الاحوال و المواجید فرضاًمع وجود مخالفة الشریعة و لو مقدار شعرة فھی داخلة فی الاستدراج

پس اگر حاصل ہو جائے احوال و مواجید شریعت کی مخالفت کے باوجود اگرچہ بال برابر ہی کیوں نہ ہو تو وہ استدراج میں داخل ہے۔[389]

امام العارفین حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

اے دوست! شریعت میں محکم ہو جا کہ اس راہ میں نعوذ باللہ استدراج نہیں۔[390]

سراج السالکین مفتاح العارفین حضرت اشرف جہانگیر سمنانی نوراللہ مرقدہ نے فرماتے ہیں:

خارق عادات، معجزہ، استدراج اور سحر ایک ہی امر ہے جب کسی پیغمبر یا مدعی نبوت سے زمانہ جواز نبوت میں کوئی خلاف عادات امر ظاہر ہو تو اس کو معجزہ کہیں گے اور اگر ولی سے جو اوصاف ولایت سے متصف ہو اس کا ظہور ہو یعنی کوئی امر خلاف عادت ظہور میں آئے تو کرامت ہے اور اگر کسی مخالف شریعت سے ایسا عمل صدور میں آئے تو استدراج ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو اس سے محفوظ رکھے۔ (آمین)[391]

حصول تصوف سے قبل عقائد کا درست ہونا لازمی ہے:

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

و لا بد اولا من تصحیح الاعتقاد و تصدیق ما علم من الدین بالضرورة۔ ثم العلم و العمل بما تکفل ببیانه علم الفقه ایضا ضروری ثم سلوک طریق الصوفیه ایضا مطلوب۔

اور ضروری ہے اولا عقائد کا درست ہونا اور اس امر کی تصدیق سے جو تواتر و ضرورت دین کے طور پر معلوم ہو (اس کے بغیر)

---

[387] مکتوب ۴۳، ص ۱۲۵، جلد 01، دارالکتب العلمیہ بیروت
[388] المیزان الکبریٰ، ص ۵۲، دارالکتب العلمیة
[389] مکتوب ۷۸، ص ۱۹۴، جلد 01، دارالکتب العلمیة بیروت
[390] طرفة العین، ص ۱۹، شبیر برادرز
[391] ملفوظات محبوب یزدان حضرت سید اشرف جہانگیر سخنانی نوراللہ مرقدہ حصہ اول، لطیفہ پنجم، ص ۱۷۳

چارہ نہیں پھر علم و عمل ضروری ہے جن کا متکفل علم فقہ ہے اور پھر طریقہ صوفیہ کا سلوک بھی مطلوب (ضروری) ہے۔[392]

عارف باللہ احمد عرب الشرنوی قدس سرہ لکھتے ہیں:

یجب علی المرید قبل الاشتغال بالذکر و الریاضہ ان یحصل من علم التوحید ما یصح بہ اعتقادہ علی مذھب اھل السنۃ و الجماعۃ۔

مرید پر واجب ہے کہ ذکر اور ریاضت میں مشغول ہونے سے پہلے علم التوحید حاصل کرے جس کے ذریعے اس کے عقائد درست ہوں جو کہ مذہب اہل السنۃ والجماعۃ کے موافق ہے۔[393]

طریقت و حقیقت علوم شرعیہ کے خادم ہیں:

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

یقین ھذا الفقیر ان طریق الصوفیۃ خادم للعلوم الشرعیہ لانہ امر مباین لھا و قد حققت ھذا فی کتبی و رسائلی۔

اس فقیر کا یقین (کامل) ہے کہ صوفیہ کا طریقہ (طریقت و حقیقت) علوم شرعیہ کے خادم ہیں نہ کہ اس کے علاوہ کچھ اور امر اور فقیر نے اپنی کتابوں اور رسائل میں اس معنیٰ کی تحقیق کی ہے۔[394]

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

الاحوال المواجید تابعۃ للاحکام الشرعیۃ و اعتقدوا ان الاذواق و المعارف خادمۃ للعلوم لا یعوضون الجواھر النفیسۃ الشرعیۃ بجوز الوجد و موز الحال مثل الاطفال

اور اس طرح طریقہ علیہ کے بزرگواروں نے احوال و مواجید کو احکام شریعہ کے تابع کیا ہے اور اذواق معارف کو علوم دینیہ کا خادم بنایا ہے۔ احکام شرعیہ کے قیمتی موتیوں کو بچوں کی طرح وجد و حال کے اخروٹ وضقہ کے عوض ہاتھ سے نہیں دیتے۔[395]

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

الا یرون ان الفقیر قد کتب فی کتبہ و رسائلہ ان الطریقہ و الحقیقۃ خادمتان للشریعۃ۔

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے کہ طریقت و حقیقت دونوں شریعت کے خادم ہیں۔[396]

ظاہر کو ظاہر شریعت اور باطن کو باطن شریعت سے مزین کرنا:

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ شیخ محمد یوسف کو نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اعنی تحلیہ الظاھر بظاھر الشریعۃ و تزیین الباطن بباطنھا الذی ھو عبارۃ عن الحقیقۃ فان الطریقۃ و الحقیقۃ عبارتان

---

[392] مکتوب ۲۱۰، ص ۳۹۲، جلد 01، دار الکتب العلمیۃ بیروت
[393] تائیۃ السلوک الی ملک الملوک ص ۷۶، دار الکتب العلمیۃ
[394] مکتوب ۲۱۰، ص ۳۹۲، جلد 01، دار الکتب العلمیۃ بیروت
[395] المکتوبات الربانیۃ ج ۱ مکتوب ۲۲۱، ص 421 دار الکتب العلمیۃ
[396] مکتوب ۲۶۱، ج ۲ ص ۱ 4، دار الکتب العلمیۃ

عن حقیقۃ الشریعۃ۔ و الطریقۃ ھی نفس تلک الحقیقۃ الشریعۃ امر و الطریقۃ و الحقیقۃ امر ان آخر ان مغایر ان لھا، فان اعتقاد ذالک الحاد و زندقۃ۔

میری مراد یہ ہے کہ ظاہر کو ظاہر شریعت کے ساتھ اور باطن کو باطن شریعت کے ساتھ جو حقیقت شریعت سے عبارت ہیں۔ آراستہ اور مزین رکھیں کیونکہ طریقت و حقیقت، حقیقت شریعت سے عبارت ہیں اور یہ بات نہیں کہ شریعت اور چیز اور طریقت و حقیقت اور چیز وامر دیگر ہیں اس لئے کہ یہ تو الحاد اور زندقہ ہے۔[397]

شریعت درخت تو حقیقت اسکا پھل:

سیدی ابراہیم الدسوقی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فالشریعۃ ھی الشجرۃ، و الحقیقۃ ھی الثمرۃ۔

پس شریعت درخت ہے اور حقیقت (اس کا) پھل۔[398]

اور دوسرے مقام پر فرمایا: الشریعۃ کاشجرۃ و الحقیقۃ ثمرتھا، فلابد لکل و احدۃ من الاخریٰ۔ شریعت درخت کی مانند ہے اور حقیقت اس کا پھل ہے پس ضروری ہے ہر ایک کے لئے دوسرا۔ یعنی شریعت و طریقت ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔[399]

کشف کب صحیح ہو گا؟

سیدی عارف باللہ عبد الوہاب الشعرانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

الکشف الصحیح لا یأتی دائمًا الا موافقا للشریعۃ۔

کشف کبھی صحیح نہیں ہوتا مگر شریعت مطہرہ کے موافق۔[400]

سیدی ممدوح قدس سرہ لکھتے ہیں:

ان اللہ تعالیٰ قد اقدر ابلیس کما قال الغزالی و غیرہ علی أن یقیم و لمکاشف صورۃ المعل الذی یأخذ علمہ منہ من سماء او عرش او کرسی لو قلم او لوح، فربما ظن المکاشف أن ذالک العلم عن اللہ فأخذ بہ ضل و اضل، فمن ھنا او جبوا علی المکاشف انہ یعرض ما أخذہ من العلم من طریق کشفہ علی الکتاب و السنۃ قبل العمل بہ فان و افق فذاک و الا حرم علیہ العمل بہ۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے ابلیس مردود کو قدرت دی ہے جیسے امام غزالی وغیرہ (اکابر صوفیاء) نے فرمایا کہ صاحب کشف آسمان، عرش، کرسی، قلم، لوح، سے علوم حاصل کرتا ہے اور گمان یہ کرتا ہے کہ اسے یہ علوم اللہ کی طرف سے حاصل ہوئے ہیں۔ خود بھی گمراہ ہوا دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اسی لیئے ائمہ اولیاء نے صاحب کشف پر یہ واجب کیا کہ جو علم بذریعہ کشف حاصل ہو اس پر عمل کرنے سے پہلے اسے کتاب و سنت پر پیش کرو اگر موافق ہو تو بہتر ورنہ اس پر عمل کرنا حرام ہے۔[401]

---

[397] مکتوب ۵۷، ص ۱۵۲ جلد 01، دار الکتب العلمیہ بیروت
[398] الطبقات الکبریٰ: ترجمہ سیدی ابراھیم الدسوقی، ص ۲۳۹، دار الکتب العلمیۃ
[399] الاجوبہ المرضیۃ ص ۱۵٦ دار البیروتی
[400] المیزان الکبریٰ للشعرانی، فصل ان قال قائل ان امرا ص ۱۷ دار الکتب العلمیۃ
[401] المیزان الکبریٰ، فصل ان قال قائل ان احدًا ص ۱۷، دار الکتب العلمیۃ

شریعت وطریقت وحقیقت کی مثال:

الشریعۃان تعبدہ و الطریقۃان تقصدہٗ و الحقیقۃان تشہدہ

شریعت یہ ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور طریقت یہ ہے کہ اس کا مقصد حاصل کیا جائے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کا مشاہدہ کیا جائے۔[402]

قیوم الزمان حضرت اخوندزادہ سیف الرحمٰن پیر ارچی مبارک شریعت وطریقت کا باہمی تعلق بیان فرماتے ہیں:

شریعت کی مثال درخت کے تنے کی طرح ہے جبکہ طریقت کی مثال شاخوں کی سی ہے۔اگر کسی درخت کی شاخیں کاٹ دی جائیں تواس پر پھل کیسے آئے گا۔طریقت اور شریعت ایک ہی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔

صاحب ممدوح قدس سرہ شریعت، طریقت اور حقیقت کو مثال کے ذریعے واضح فرماتے ہیں کہ:

جیسے جھوٹ بولنا منع ہے اگر کوئی شخص کوشش کرے کہ اس کی زبان پر جھوٹ جاری نہ ہو تو یہ شریعت ہے اگر دل سے جھوٹ کا خیال نکل جائے تو یہ طریقت ہے۔اگر زبان ودل دونوں سے یہ بات نکل جائے تو یہ حقیقت ہے۔[403]

کیا حقیقت شریعت کی مخالفت کا نام ہے؟

سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

من ظن ان الحقیقۃ تخالف الشریعۃ او عکسہ فقد جھل, لانہ لیس عندالمحققین شریعۃ تخالف حقیقہ ابدا حتی قالوا, شریعۃ بلاحقیقۃ عاطلۃ, و حقیقۃ بلاشریعۃ باطلۃ۔

جس نے گمان کیا کہ حقیقت شریعت کے مخالف ہے یا اس کا عکس (شریعت حقیقت کی مخالفت کا نام ہے) پس یقیناً اس نے جہالت کی (جاہلوں والی بات کی) بیشک محققین کے نزدیک ہمیشہ سے شریعت حقیقت کی مخالف نہیں ہے۔یہاں تک کہ محققین نے کہا: شریعت بغیر حقیقت کے عاطل ہے (عامل کا بغیر عمل کے عمل کے لئے رونا) اور حقیقت بغیر شریعت کے باطل (مردود) ہے۔[404]

امام عبد الوھاب الشعرانی قدس سرہ نے لکھتے ہیں:

من نظر الی کون الحقیقۃ تخالف الشریعۃ اوعکسہ فھو اعور فان الشریعۃ ھی اساس علم الحقیقۃ التی یترقی السالک منھاالی درج الحقیقۃفلایصح طلب الحقیقۃمن غیر معرفۃالشریعۃلانہ لایدخل الی الحقیقہ الا من باب الشریعۃ۔

جو شخص دیکھے کہ حقیقت شریعت کے مخالف ہے یا اسکا عکس (شریعت حقیقت کے مخالف ہے) تو یہ شخص اندھا ہے اس لئے کہ شریعت علمِ حقیقت کی اساس ہے جس پر سالک حقیقت کے درجات کی طرف ترقی کرتا ہے۔پس شریعت کی معرفت کے بغیر حقیقت کو طلب کرنا درست نہیں اس لئے کہ شریعت کے دروازے کے بغیر حقیقت میں داخل ہوا نہیں جاسکتا۔[405]

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ اور اتباع سنت:

---

[402] الاجوبۃالمرضیۃ ص ۱۵۶ دارالبیروتی

[403] مناقب امام خراسان ص، 27،26 السیف فاؤ نڈیشن

[404] الاجوبۃالمرضیۃ ص ۱۵۵ دارالبیروتی

[405] الاجوبۃالمرضیۃ ص 152، دارالبیروتی

امام ربانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

آخر ماہ رمضان بعد از تراویح کسلے در خود یافتم رفتم بر فراش خود تکیہ کنم وقت اضطجاع از علیہ کسل فراموشم شد کہ پہلوی راست خود درااول بر زمین نھم چنانچہ مسنون است بر پہلوی چپ تکیہ نمودم بعد از دراز کشیدن بیادم آمد کہ ترک سنت شد نفس از کاھلی چناں معقول ساخت کہ از روی سھو ونسیان شدہ لیکن سدا خوف ترک سنت شدی جزم تمام برخواستہ بہ پہلوی راست اضطجاع نمودم متابعت آن عمل از کرم الہی فیوضیات انوار ناقتنامی لظھور رسید و ندارد دادند بایں قدر کہ رعایت نمودی ترا در آخرت از ھیچ وجہ عذاب نکنم وبسبب ایں رعایت خادم کہ پائی تومی مالید آن رانیز آمرزیدم

یعنی کہ رمضان المبارک کا مہینہ گزر رہا تھا اور آخری عشرہ تھا تو اس میں تھکاوٹ ہو جاتی ہے سارا مہینہ گزر چکا ہوتا ہے کہتے ہیں کہ تھکا ہوا تھا تراویح پڑھ کے آیا تو کیا ہوا۔ جس وقت تراویح پڑھ کے آیا تھا تھکا ہوا تھا بستر پر سوناتھا تو خیال نہ رہا۔

سنت یہ تھی کہ پہلے دایاں کندھا بستر پر رکھنا تھا لیکن میرا بایاں کندھا بستر پر لگ گیا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تھکا ہوا تھا خیال نہ رہا اور یوں لیٹ گیا کہ پہلے بایاں کندھا بستر پر لگا پھر دایاں کندھا بستر پر لگا تو مجھے خیال آیا کہ آج پہلی مرتبہ خلاف سنت کام کیا ہے۔ سونے کے لحاظ سے شریعت کا یہ تقاضا تو نہیں تھا۔ تو کہتے ہیں کہ میں لیٹا تھا تو میرا نفس مجھے تاویلیں بیان کرنے لگا کہ اب جی بھر کے سو گئے ہو اور بائیں سے پلٹ کر دائیں کندھے کی طرف ہو جاؤ۔ تو ایسا ہو جاتا ہے اس طرح کی باتیں میرے نفس میں آنے لگیں۔

بالآخر میں نے اپنے نفس کی وہ کیفیت جو تھی اس کو چھوڑا میں نے کہا کہ جب تک سیدھا کھڑا ہو کے پھر نہ لیٹوں کہ دایاں کندھا پہلے لگے اور بایاں بعد میں اس وقت تک میرے دل کو اطمینان نہیں آئیگا۔[406]

سب سے بڑی دولت:

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ فرماتے ہیں:

درست عقیدہ احکام شریعت کی رعایت، اخلاص اور حق تعالیٰ کی طرف دائمی توجہ سب سے بڑی دولت ہے، کوئی ذوق وجدان اس بڑی نعمت کے برابر نہیں۔[407]

حضرت پیر سائیں روزے دھنی بادشاہ قدس سرہ فرماتے ہیں:

شریعت بڑی دولت ہے۔ شریعت اللہ کی بڑی نعمتوں میں سے ایسی ایک نعمت ہے۔ جس کی تعریف سے زبان قاصر ہے۔ مگر موجودہ زمانے کے اندھے صوفیوں پر تعجب ہے جو کہا کرتے ہیں کہ شریعت اور طریقت میں اختلاف ہے اور بڑا فرق ہے۔ مثلاً اگر کوئی چھوٹا سانا سمجھ بچہ راستے سے ہٹ کر ایسے مقام پر چلا جارہا ہو کہ آگے کنواں ہو اور دوسرا کوئی شخص اس کا ہاتھ پکڑ کر اس غلط راہ سے ہٹا کر سچے راستہ پر لے آئے۔ تو اس کو اختلاف کیونکر کہا جاسکتا ہے۔ بلکہ اس بچہ کی مخالفت تو یہ ہو گی کہ اس کو اس کے حال پر رہنے دیا

---

[406] عمدۃ المقامات

[407] تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۳۹۲، زاویہ پبلیشرز

جائے کہ بھلے کنویں میں جا گرے۔ شریعت بھی گمراہوں کو سیدھے راستہ پر لگانے والی ہے۔ پھر شریعت کو طریقت سے مختلف کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے۔[408]

تین اصناف کی صحبت سے بچو، غافل علماء، مداہنت والے فقراء اور جاہل صوفی:

حضرت خواجہ محمد معصوم نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

اے بھائی صحبت ناجنس سے پرہیز کر۔ یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تین اصناف کی صحبت سے بچو، غافل علماء، مداہنت والے فقراء اور جاہل صوفی۔ جو شخص مسند شخصی پر بیٹھا ہے مگر اس کا عمل سنت رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے مطابق نہیں تو اس سے دور بھاگ بلکہ اس شہر میں بھی نہ رہ مبادا اس کی طرف کبھی دل مائل ہو جائے۔ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی سنت کے تارک کو کبھی عارف نہ سمجھو اور اس کی کرامات (یعنی استدراج) وزہد توکل پر فریفتہ نہ ہو کیونکہ ایسی باتیں یہود و نصاریٰ وجوگیہ سے بھی ظاہر ہو سکتی ہیں۔ خوارق کا انحصار ریاضت پر ہے اور معرفت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمہ اللہ سے کسی نے کہا کہ فلاں آدمی پانی پہ چلتا ہے فرمایا: آسان بات ہے، تنکا بھی پانی پر چلتا ہے۔ کسی نے کہا فلاں آدمی ہوا میں اڑتا ہے فرمایا: مکھی بھی ہوا میں اڑتی ہے۔ کسی نے کہا کہ فلاں آدمی ایک لحظہ میں ایک شہر سے دوسرے شہر میں چلا جاتا ہے فرمایا: شیطان ایک لحظہ میں مشرق سے مغرب تک چلا جاتا ہے۔ ان چیزوں کی کوئی قیمت نہیں۔ مرد وہ ہے جو لوگوں کی مجلس میں رہتا ہے، لین دین کرتا ہے۔ اہل وعیال رکھتا ہے لیکن ایک لحظہ کے لئے بھی خدا سے غافل نہیں ہوتا۔[409]

طریقت بلا شریعت ممکن نہیں:

حضرت صوفی حافظ غلام نبی رحمۃ اللہ علیہ نے متابعت شریعت کے بارے میں فرمایا:

(۱) طریقت بلا شریعت ممکن نہیں۔

(۲) حضرت خواجہ نقشبند نے فرمایا کہ میرا طریقہ بالکل شریعت وسنت ہے۔

(۳) مدار کار دو چیزوں پر ہے۔ ایک توجہ مرشد دوسری اتباع سنت۔[410]

حقائق ومعانی کے دروازے کب کھلتے ہیں:

حضرت یوسف ھمدانی قدس سرہ نے اپنے رسالہ در آداب طریقت میں فرمایا:

چوں ارباب مذاہب وعلماء سلف صالح رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین از وسواس شیطان حذر کردہ اندواز معاصی و مخالفت خود رامنزہ داشتہ پندیں ھزاد در حقائق ومعانی وشرح بر ایشاں کشادہ شد۔

جب ارباب مذاہب اور علماء وسلف صالحین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے شیطانی وسوسوں سے اپنے آپ کو بچایا، گناہوں

---

[408] مخزن فیضان ملفوظات شریف (اردو)، ص ۲۸۴، سکندریہ پبلیکیشنز

[409] مکتوب ۱۱۰ جلد دوم، تاریخ مشائخ نقشبندیہ، ص ۴۱۷، ۴۱۸، زاویہ پبلشر

[410] تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۵۴۶، زاویہ پبلیشرز

اور مخالفت شریعت سے خود کو پاک کر لیا تو ان پر حقائق و معانی اور ان کی شرح کے دروازے کھل گئے۔[411]

حضرت خواجہ عبد الخالق قدس سرہ کو اپنے شیخ مکرم امام العصر حضرت خواجہ یوسف ہمدانی قدس سرہ کی نصیحت:

چوں خواجہ احمد یسوی بولایت ترکستان سفر کند خلیفہ تو خواہی بودن، زنھار بر جادہ شرع حضرت محمد رسول اللہ (ﷺ) باشی و از حد شرع ذرہ ای تجاوز نکنی وہر کرا بینی کہ مخالفت شرع میکند منع کنی واللہ تعالیٰ اعلم۔ جب خواجہ احمد یسوی ولایت ترکستان کی طرف سفر کر جائیں تو تم خلیفہ ہو گئے۔ خبر دار! حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے جادہ شریعت پر قائم رہنا اور شرعی حدود سے ذرہ بھر بھی تجاوز نہ کرنا۔ جس شخص کو تو دیکھے کہ وہ شریعت کی مخالفت کر رہا ہے، اسے منع کرنا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ یاد رہے کہ دین ایک ہی ہے، شریعت، طریقت اور حقیقت جدا جدا تین دین نہیں بلکہ یہ اس ایک ہی کی شاخیں ہیں۔[412]

صوفیاء کے نزدیک شریعت سر کا تاج ہے:

امام العارفین پیر سائیں سید محمد راشد روزہ دھنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اہل ظاہر کہتے ہیں کہ شریعت ازار (پاجامہ) اور طریقت کرتہ اور حقیقت چادر اور معرفت دستار کی طرح سمجھنا چاہیئے۔ لیکن ہمارا مذھب اور طریقہ یہ ہے کہ شریعت جس کو اہل ظاہر ازار (پاجامہ) سمجھتے ہیں یہ ہمارے لیئے دستار اور سر کا تاج ہے۔ (یعنی شریعت)[413]

تصوف کا تاء:

امام الشریعت والطریقت والحقیقت سیدی سید شیخ عبد القادر جیلانی نور اللہ مرقدہ سر الاسرار میں لفظ تصوف کے ت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

فالتاء: من التوبة وهي على وجهين: توبة الظاهر و توبة الباطن فتوبة الظاهر ان يرجع بجميع اعضائه الظاهرة من الذنوب الذمائم الى الطاعات و من المخالفات الى الموافقات قولا و فعلا

وتوبة الباطن: ان يرجع بجميع اطوار الباطن عن المخالفات الباطنة الى الموافقات بتصفية القلب اذا حصل تبديل الذميمه الى الحميدة فقد تم مقام التاء ويسمونه تائبا

پس تاء سے مراد توبہ ہے اور توبہ دو قسم پر ہے ظاھری توبہ اور باطنی توبہ پس ظاھری توبہ یہ ہے کہ (سالک) اپنے قول و فعل سے تمام اعضائے ظاھری کو ہر قسم کے گناہوں سے طاعات کی طرف اور مخالفت شریعت سے موافقت شریعت کی طرف رجوع کرے اور باطنی توبہ یہ ہے کہ (سالک) رجوع کرے تمام باطنی احوال کے ساتھ مخالفت باطنی احوال (شریعت) سے موافقت تصفیۂ قلب کی طرف یہاں تک کہ باطنی احوال اخلاق ذمیمہ سے تبدیل ہو کر حمیدہ بن جائیں۔ تب جا کر مقام تاء مکمل ہو گا اور اسی کو تائب کہیں گے۔[414]

---

[411] رسائلِ مشائخ نقشبندیہ، ص ۱۴۳، تنظیم اسلامی پبلیشرز

[412] رسائل مشائخ نقشبندیہ، (رسالہ صاحبیہ مصنف خواجہ عبد الخالق غجدوانی قدس سرہ) ص ۱۵۱، تنظیم اسلامی پبلشرز

[413] مخزن فیضان ملفوظات شریف (اردو) ص ۲۸۲، سکندریہ پبلیکیشنز

[414] سر الاسرار ص: 77

مبتدی و منتہی کے اخلاق:

قطب ربانی شیخ محی الدین عبد القادر الجیلانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

قال رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ: البدایہ ھی الخروج من المعھود الی المشروع ثم المقدور ثم الرجوع الی المعھود ویشترط حفظ الحدود فتخرج من معھودک من الماکول والمشروب ولملبوس ولمنکوح والمسکون والطبع والعادۃ الی امر الشرع ونھیہ فتتبع کتاب اللہ وسنۃ رسولہ ﷺ کما قال اللہ تعالیٰ: (وما آتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا) وقال تعالیٰ: (قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ) فتفنی عن ھواک ونفسک ورعونتھا فی ظاھرک وباطنک فلا یکون فی باطنک غیر توحیدک لہ وفی ظاھرک غیر طاعۃ اللہ و عبادتہ ومما امر و نھی فیکون ھذا دابک و شعارک ودثارک فی حرکتک سکونک فی لیلک ونھارک وسفرک وحضرتک وشدتک ورخائک وضحتک وسقمک واحوالک کلھا ثم تحمل الی وادی القدر فیتصرف فیک القدر فتفنی عن جدک واجتھادک وحولک وقوتک فتساق الیک الاقسام التی جف بھا القلم وسبق بھا العلم فتلبس بھا وتعطی منھا الحفظ والسلامۃ فتحفظ فیھا الحدود ویحصل فیھا الموافقۃ لفعل المولی ولا تتخرق قاعدۃ الشرع الی الزندقۃ واباحۃ المحرم قال تعالیٰ (انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون) وقال تعالی (کذلک لنصرف عنہ السوء والفحشاء انہ من عبادنا المخلصین) فتصحب الحفظ والحمیۃ وانما ھی اقساما معدۃ لک فحبسھا عنک فی حال سیرک وطریقک وسلوکک فیافی الطبع ومفاوز الھوی المعھود, لانھا اثقال احمال مازیحت عنک لئلا یثقلک فتضعفک الی حین الوصول الی عتبۃ الفناء وھو الوصول الی قرب الحق عزوجل والمعرفۃ بہ والاختصاص بالاسرار والعلوم الدینیۃ والدخول فی بحار الانوار حیث لا تضر ظلمۃ الطبائع والانوار فالطبع باق الی ان تفارق الروح الجسد لاستیفاء الاقسام اذ لو زال الطبع من الآدمی لالتحق بالملائکۃ وبطلت الحکمۃ فبقی الطبع یستوفی الاقسام والحظوظ فیکون ذلک وظائفا لا اصلیا کما قال النبی ﷺ (حبب الی من دنیاکم ثلاث الطیب والنساء وجعلت قرۃ عینی فی الصلاۃ) فلما فنی النبی ﷺ عن الدنیا ومافیھا ردت الیہ اقسامہ المحبوسۃ عنہ فی حال سیرہ الی ربہ عزوجل فاستوفاھا موافقۃ لربہ تعالیٰ والرضا بفعلہ ممتثلا لامرہ قدست اسمائہ عمت رحمتہ شمل فضلہ الاولیائہ وانبیائہ علیھم الصلاۃ والسلام فھکذا ولی فی ھذا الباب ترد الیہ اقسامہ وحظوظہ مع حظ الحدود فھو الرجوع من النھایہ الی البدایہ واللہ اعلم۔

سلوک کی ابتداء طبعی مرغوبات اور معہود سے احکام شرع کی طرف نکلنا ہے پھر قضاء قدر کی طرف اس کے بعد معہود طبعیت کی طرف دوبارہ واپسی و رجوع بشرط حفاظت حدود ہے، پس مقتضائے طبیعت سے باہر نکلو یعنی کھانے، پینے لباس نکاح مکان اور طبعی عادت سے حکم شرع اور اس کی نہی کی طرف آؤ اور کتاب اللہ وست رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وما آتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا) یعنی یہ رسول جو دیں اسے لازم کرلو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو، اور فرمایا (قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ) اے محبوب فرمادیجئے اگر تم اللہ کے محبوب بننا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو تاکہ اللہ تمہیں محبوب بنالے۔ پس تم اپنی ہوا و نفس اور رعونت سے اپنے ظاہر وباطن میں فنا حاصل کرو اور تمہارے باطن میں بجز توحید الٰہی کے اور تمہارے ظاہر میں بجز طاعت و عبادت الٰہی کے جس کا امر و نہی فرمایا کچھ نہ ہو۔ پس یہ تمہارا طریقہ اور تمہارا اشعار و پوشش تمہارے حرکات و سکنات میں اور تمہارے دن ورات میں اور سفر حضر سختی وخوشی، صحت و بیماری اور تمہاری تمام حالتوں میں ہو جائیگا، پھر تمہیں مقام قدرت کی طرف لیجایا جائے گا۔ اور قدر تم میں تصرف کرے گی اس وقت تم اپنی کوشش و مشقت طاقت و توانائی سے فنا حاصل

کرلوگے۔ پھر تمہارے طرف وہ قسمتیں لائی جائیں گی جن سے قلم خشک ہو گیا اور علم الٰہی نے چیز سبقت کی۔ پس تم ان قسمتوں سے فائدہ اٹھاوگے اور اس میں حفظ و سلامتی عطا فرمائی جائے گی۔ اور ان میں حدود شرع کی حفاظت کی جائے گی اور فعل الٰہی سے موافقت حاصل ہو گی۔ اور ان میں حدود شرع کی حفاظت کی جائے گی اور اور فعل الٰہی سے موافقت حاول ہو گی۔ اور شرع کا قاعدہ نہ ٹوٹے گا جس سے زندقہ اور محرمات میں اباحت اور احکام شرع کی حقارت سے لازم آئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (انانحن نزلناالذکر و اناله لحافظون) ہم نے ہی ذکر کو اتارا اور ہم ہی اس کے محافظ و نگہبان ہیں۔ اور فرمایا (کذلک لنصرف عنه السوء و الفحشاء انه من عبادنا المخلصین) اسی طرح ہے تاکہ ہم ان سے برائی وبی حیائی کو پھیر دیں۔

ان من عبادنا لمخلصین بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہے۔ لہذا وہ حفظ و اجتناب کے مصاحب و ملازم رحمت الٰہی کے ساتھ موت کے وقت تک رہیں گے۔ اور یہ جو مقتضات ہیں یہ تمہاری قسمتیں ہیں جو تمہارے لیے ہی تیار کی گئی ہیں پس طریقت میں سیر کرنے اور طبع جنگل میں چلنے اور ہواؤ معہود یعنی مفتضیات طبع کے بیابانوں میں قطع مسافت کرنے کی حالت میں تمہیں انسے باز رکھا گیا ہے اس لیے کہ یہ مفتضیات طبع بوجھ اور بار ہیں۔ لہذا تم سے انہیں دور کر دیا گیا تاکہ تمہیں بوجھل نہ کریں اور تمہیں کمزور کریں اور اپنے مقصود و مطلوب سے تمہیں روکے رکھیں اس وقت تک تم فنا کے دروازے تک پہنچو اور یہ فناوہ ہے جو قرب حق تک پہنچے۔ اور یہ فناوہ ہے جو قرب حق تک پہنچتے اور اسرار و علوم لدنیہ سے خاص ہونے اور معرفت الٰہی پانے اور انوار کے دریا میں داخل ہونے کا وسیلہ وذریعہ ہے، اس طرپر کہ طبع کی تاریکی انوار کی ضرر نہ پہنچائے پس طبع اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک کہ جسم سے روح جدا نہ ہو۔ تاکہ قسمتوں کو پورا کرے اس لیے کہ اگر آدمی سے طبع زائل ہو جائے تو وہ فرشتوں سے جا ملے گا۔ اور نظام ٹوٹ جائے گا، اور حکمت باطل ہو جائے گی، لہذا تم میں طبع باقی ہے تاکہ تم قسمتوں کو اور حظوظ کو پورا کرو۔ پس یہ وظائف یعنی روزمرہ کا حال ہے نہ یہ کہ بقائے طبع بالذات اصل و مقصود ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میری طرف تمہاری دنیا کی تین دوست بنائی گئی ہیں۔ خوشبوبی بیاں اور نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈ بنائی گئی پھر جب نبی کریم ﷺ دنیاومافیہا سے مرتبہ فنا کو پہنچے تو آپ کی طرف ان قسمتوں کو لوٹا دیا گیا جن کو آپ سے اپنے رب کی طرف سیر و سلوک کی وقت روک دیا گیا تھا تو آپ نے انہیں اپنے رب کی موافقت اور فعل الٰہی سے رضا میں امتثال امر ربی کے لئے پورا فرمایا پاک ہیں اس کے نام اور عام ہے اس کی رحمت اور شامل ہے اس کا فضل اس کے ہر ولی و نبی کی پس ولی بھی اس باب میں اسی طرح ہے چناچہ اس کی طرف بھی اس کی قسمتیں اس کے حظوظ (لذتیں) فنا کے بعد حدود شرع کی حفاظت کراتے ہوئے پھیری جاتی ہیں۔ پس یہ جو رجوع ہے وہ نہایت سے ہدایت کی طرف ہے۔ یعنی جس طرح ابتداء میں طبعی مقتضیات اور اس کی لذتوں میں بندہ شامل تھا انتہا میں بھی اسی طرح ہے خلاصہ یہ کہ ابتداء میں طبعت اور نفس کے خواہش کے حکم سے وہ کرتا تھا اور انتہا میں وہ کیفیت بطریق عبودیت اور فعل حق سے موافقت میں کرتا ہے۔[415]

امام عبدالوہاب الشعرانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

ومن اخلاقهم ان یتقید احدهم بظاهر الکتاب والسنة ولا یتزین برای لم یجد له دلیلا۔

---

[415] فتوح الغیب مقالۃالستون

مرید کے اخلاق میں سے ایک خلق یہ بھی ہے کہ وہ کتاب وسنت کے ظاہری احکام کا پابند ہوتا ہے اور ایسی رائے سے آراستہ نہیں ہوتا جس کی دلیل (کتاب وسنت) میں موجود نہ ہو۔[416]

بدعتی کون؟

امام عبدالوہاب الشعرانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

فلاینبغی لاحدمزاحمۃالشارع فی التشریح فیکون بتدعاً۔

کسی بھی شخص کے لیئے یہ درست نہیں کہ وہ امر شریعت میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ٹکرائے اور مزاحمت کرے ورنہ بارگاہ رسالت ﷺ میں بدعتی شمار ہو گا۔[417]

قرب حضرت الہیہ کیسے نصیب ہو گا:

قدوۃ السالکین حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ہر کہ خواہ ایں مراتب اعلیٰ قرب دیدار حق تعالیٰ شب و روز شریع بکوشد و بر تن لباس شریعت بپوشد ایک موئی خلاف از شریعت نکنہ ہر آنکس عارف باللہ گردد در معرفت۔

جو شخص قرب دیدار الٰہی کے یہ اعلیٰ مراتب چاہتا ہے اسے دن رات شریعت کی کوشش کرنی چاہیئے اور شریعت کا ہی لباس پہننا چاہئے اور ذرہ بھر بھی خلاف شرع نہیں ہونا چاہیئے۔ ایسا شخص ضرور بالضرور عارف باللہ ہو جاتا ہے۔[418]

شیخ طریقت کیسا ہونا چاہیئے:

اے اللہ کے طالب یہ بات جان لو کہ شیخ یا پیر و مرشد کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ شیخ کامل مکمل　　۲۔ شیخ ناقص　　۳۔ شیخ مقلد

شیخ کامل: شیخ کامل مکمل وہ مبارک ہستی ہے جن میں یہ دس شروط ضرور موجود ہونگی:

اول اعظم شرط یہ ہے: کہ ان کا ظاہر متابعتِ رسول اکرم ﷺ سے مزین ہو گا اور ان کا باطن ماسوائے اللہ سے آزاد ہو گا۔ علم ظاہر ولایت کے لئے شرط نہیں۔ بلکہ شرط ارشاد ہے بقدر مفروض کے۔

دوم شرط دوام ذکر (ہمیشہ ذکر) ہے: اور شغل اللہ سبحانہ ہے اور اللہ سبحانہ سے صبر، توکل، قناعت، رضا اور تسلیم کے ساتھ امید رکھنا۔ اور لوگوں سے اعراض اور ناامیدی باطن میں رکھنا اور نہ ظاہر میں۔ اس لئے کہ غفلت ظاہری حضور باطن میں اثر نہیں رکھتا۔ اور ان کے ظاہر سے باطن کو دنیاوی کام سرائت نہیں کرتا جب ان کا باطن آگاہ ہو۔ اگر ان کا ظاہر غافل ہو جس طرح روغن بادام کو روغن کنجد

---

[416] الکوکب الشاھق فی الفرق بین المرید الصادق و غیر الصادق، ص ۹۳ دار المعارف
[417] الکوکب الشاھق فی الفرق بین المرید الصادق و غیر الصادق، ص ۹۳ دار المعارف
[418] فضل اللقاء ص ۱۵۴ پروگریسو بکس

(تیل) کے ساتھ ملایا جائے دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ اور جب یہ روغن الگ الگ ہوں تو پھر ہر ایک کے احکام الگ الگ ہیں۔ ان میں فرق بھی ہے اور نام بھی الگ الگ لئے جاتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس شخص پر معرفتِ الٰہی کی خوشبو حرام ہے جس کے باطن میں رائی کے دانے کے برابر دنیا کی محبت موجود ہو۔ اس لئے کہ اس کا ظاہر اس کے باطن سے کئی مرحلوں میں الگ واقع ہوتا ہے۔ اور آخرت سے دنیا میں آیا ہے۔ اور لوگوں سے میل جول پیدا رکھا ہے۔ اور مناسبت کے حصول کے لئے جو مشروط ہے افادہ اور استفادہ میں اور اگر وہ دنیا کے متعلق باتیں کرتا ہو اور اس کی مناسبت اسباب دنیوی سے ہو تو گنجائش رکھتی ہے۔

اور یہ کوئی مذموم بات نہیں ہے بلکہ اچھی بات ہے اس لئے حقوق العباد معطل نہ ہو جائے اور استفادے اور افادے کا طریقہ بند نہ ہو جائے۔ پس اس شخص کا باطن بہتر ہے اس کے ظاہر سے اور اس کا حکم جو نما گندم فروش کے مترادف ہے۔

اندروں شو آشنا واز برو بیگانہ باش　　　　　این چنین زیبا روش کم تر بود اندر جہان

یعنی اپنے باطن سے آشنا ہو جاؤ اور ظاہر سے بیگانہ ہو جاؤ۔ ایسی راہ اختیار کرنے والے دنیا میں کم تر ہوتے ہیں۔

تیسری شرط شیخ کامل مکمل کی یہ ہے: کہ سلسلہ رسول اللہ ﷺ سے بواسطہ پیران کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اس تک پہنچ چکا ہو۔

چوتھی شرط یہ ہے: کہ کسی پیر کامل مکمل کی اجازت اور سند ارشاد ان کو حاصل ہو۔

پانچویں شرط یہ ہے: کہ فنائے نفس اور فنائے قلب کے مدارج حاصل ہوئے ہوں۔

چھٹی شرط یہ ہے: کہ علمِ سلوک میں ولایتِ کبریٰ تک مدارج طے کر چکا ہو۔ اور اس وقت انہیں ارشاد کرنے میں کامل مکمل مختار گردانا گیا ہو۔ اور طریقت کے اعلیٰ مدارج ولایت علیا سے لاتعین تک کے مقامات سے ان پر فیض جاری و ساری ہو۔

ساتویں شرط یہ ہے: کہ جو کوئی کسی پیر کامل مکمل کی صحبت میں بیٹھ جاتا ہے، تو اس پر رقتِ قلب طاری ہو، کہ اس کا طبعی میلان اور رجحان حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ بلکہ پیر کامل مکمل کی نظر سے بشرِ عقیدت و مناسبت باطنی ماسویٰ اللہ تعالیٰ کے باقی تمام اشیاء معدوم ہو جاتے ہیں۔

اور ملاقاتی کے دل میں محبتِ الٰہی ٹھاٹھیں مارنا شروع کر دیتی ہے۔ اور اگر اس کا عقیدہ نہ ہو اور مناسبتِ باطن نہ رکھتا ہو تو بندہ فیوضات و برکاتِ باطنی سے محض محرومِ مطلق ہی رہے گا۔

ہر کہ روی بہ بہود نداشت　　　　　دیدن روی نبی سود نداشت

آٹھویں شرط یہ ہے: جان لو، کہا گیا ہے کہ شیخ کامل مکمل زندہ بھی کرا سکتا ہے اور یہ لازم ہے کہ شیخ یہ کام کرے۔ اس لئے کہ موت و حیات سے مراد جسمانی موت و حیات نہیں ہے بلکہ اس سے مراد نفس کی موت و فنا ہے اور باطن کی بقا اور حیات ہے۔ جبکہ ولایت کے یہی مقامات اور کمالاتِ باطن شیخ کامل مکمل کی توجہ ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں، جس کے لئے شیخ مقتدیٰ اور کامل مکمل بہ اذنِ الٰہی ذمہ دار ہے۔ جسمانی فناء و بقاء کے ساتھ شیخ کا کوئی واسطہ نہیں۔

نویں شرط یہ ہے: کہ شیخ جذب اور سلوک کی دولت سے مالا مال ہوا ہوتا ہے۔ اور فناء اور بقاء کی سعادت سے مستعد کیا ہوا ہوتا ہے۔ اور بطریقہ کمال سیر الی اللہ، سیر فی اللہ، اور سیر عن اللہ باللہ اور سیر فی الاشیاء کے مدارج تک پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ اور ان کا جذبہ ان کے

سلوک میں مقدم ہو اور ان کی تربیت ہوئی ہو۔ تو ان کی مثال کبریت احمر کی ہے۔ ان کی باتیں دوا ہوتی ہیں اور ان کی نظریں شفاء ہوتی ہیں۔

ان کے لئے جن کے قلوب مر گئے ہوں اور یہ توجہ سے متعلق ہے، اور پریشان دلوں کے لئے ان کے التفات سے تازگی ملتی ہے۔

دسویں شرط یہ ہے: کہ شیخ کا اعتقاد اہل سنت والجماعت کے اعتقاد کے ساتھ راسخ ہو اور گمراہ اعتقادات سے اپنے آپ کو بچانے والا ہو۔ جیسے شیعہ، روافض، معتزلہ، وہابیہ، اور پنج پیریہ وغیرہ۔ اور ان کی بیان شدہ روایات پر بھی عمل نہ کرتا ہو۔

یہ جملہ بیان شدہ مسائل **حجۃ السالکین صفحہ ۱۲۰** اور **مکتوبات امام ربانی** شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ دفتر اول حصہ دوم **مکتوب نمبر ۱۶۹، صفحہ ۳۸** میں بیان کئے گئے ہیں۔

صاحبِ **روح البیان** حضرت اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو مرشدِ کامل کی علامات بیان کی ہیں، انہیں نقل کرتے ہیں:

(۱) جب تو اس کی مجلس میں بیٹھے تو ایمان کی تازگی اور روحانی کیف و سرور محسوس کرے۔ اس کی گفتگو اللہ کے لئے ہو۔ کلمات خیر کے سوا کچھ نہ بولے۔ وعظ و نصیحت کے علاوہ کچھ گفتگو نہ کرے۔ اس کی کلام کی طرح اس کی صحبت بھی نفع رساں ہو۔ اس کا قرب و بعد دونوں حالتیں نفع سے خالی نہ ہوں۔ اور اس کے الفاظ کی طرح اشارات بھی فائدہ مند ہوں۔

(۲) اس کے متبعین اور مریدین میں ایمان، اخلاص، اور تواضع پائی جائے جب ان سے ملاقات ہو تو وہ محبت صدق ایثار اور خالص اخوت کا اعلیٰ پیکر دکھائی دیں۔ ماہر طبیب کی پہچان، اس کے آثار اس کی محنت کے نتائج سے ہوتی ہے۔ یعنی اس سے شفایاب ہونے والے مریض قوی اور صحت مند ہوتے ہیں۔

نوٹ: اکثر اوقات مرشدِ کامل اپنے مریدین سے دنیاوی معاملات پر بھی گفتگو فرماتے ہیں، اور اس بات کا سنت ہونا احادیثِ کثیرہ سے بھی ثابت ہے۔ گفتگو جس موضوع پر بھی ہو، مرشدِ کامل کے سینہ سے فیض و انوارِ الٰہی مسلسل مریدین و سامعین کے سینوں میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ لہٰذا مرید کو اعتراض و انکار سے ہر حال میں بچنا چاہیئے تاکہ محروم نہ رہے۔

(البینات شرح مکتوبات میں شیخ کامل کی مختصر طور پر علامات بیان کی گئی ہیں)

- شیخ کامل (شیخ کامل وہ ہوتا ہے) جو عالم ربانی ہو اور اہل سنت کے معتقدات پر یقین رکھتا ہو
- متبع سنت اور پابند شریعت ہو
- صاحب اجازت و خلافت ہو۔
- اس کا شیخ طریقت مستند و متصل ہو۔
- مرتبۂ احسان پر فائز ہو اور صاحب مشاہدہ ہو۔
- اپنے سلسلہ طریقت کا سلوک طے کر چکا ہو۔
- خود بھی کامل ہو اور دوسروں کو بھی کامل بنا سکے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

علم بہ تفصیل احوال و مقامات و معرفت بہ حقیقت مشاہدات و تجلیات و حصول کشوف و الہامات و ظہور تعبیرات واقعات از لوازم این مقام عالی است (و بدو نھا خرط القتاد)[419]

یعنی احوال و مقامات کا تفصیلی علم و معرفت، مشاہدات و تجلیات کی حقیقت جاننا اور کشف و الہامات کا حصول اور واقعات کی تعبیرات کا ظہور اس بلند مقام کے لوازمات سے ہے۔[420]

شیخ ناقص: شیخ ناقص وہ ہے جس نے سلوک اور جذبہ کے مراحل طے نہیں کئے ہوں اور اپنے پیر و مرشد کے مسند پر بیٹھا ہوا ہو۔ پس طریقت کے طالب کو اس قسم کے شیخ ناقص کی صحبت میں بیٹھنا زہر قاتل ہے۔ اور اس کی تابعداری ایک ایسا مرض ہے جو طالبِ طریقت (کی عاقبت) کے لئے موت کا باعث ہے۔ اگر کسی طالب میں کافی استعداد ہو تو اس قسم کے پیر ناقص سے اس کو بہت بڑا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ باطنی قوت کو کم کر دیتا ہے، بلندی کے بجائے پستی کی طرف لے جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی مریض ناقص طبیب کے پاس بغرض علاج چلا جائے تو گویا اس مریض نے اپنی بیماری کو بڑھانے میں کوشش کی ہے۔ ناقص طبیب کی دوا جتنی مقدار میں بھی کھائی جائے، فوری طور پر مرض میں افاقہ ہو جائے گا۔ لیکن در حقیقت اس کا مرض بڑھتا جائے گا۔ یا مخالف دوا دے دیں تو ایک بیماری کی جگہ دوسری بیماری جنم لے گی۔

بس یہی مثال ناقص پیر کی ہے۔ مشائخ عظام فرماتے ہیں کہ ناقص پیر سے ایسا بھاگو جس طرح چیتے سے اپنے آپ کو بچاتے ہو۔ اس لئے کہ وہ باطنی امراض میں اور بھی اضافہ کر دیتا ہے۔ استعداد کم کر دیتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہلاکت تک پہنچا دے۔

اور ناقص پیر کے بارے میں امام ربانی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: فرّ منہ کما تفرّ من الاسد۔ (ناقص سے اس طرح بھاگو جس طرح تم شیر سے بھاگتے ہیں)۔ اور یہ بھی فرماتے ہیں: دستِ ناقص دستِ شیطان است و دیو۔ (ناقص کا ہاتھ شیطان اور دیو کا ہاتھ ہے)۔

نور العقائد فی بیان عقائد اھلسنت و الجماعۃ میں صفحہ ۳۵۰ پر حضرت ملا صالح محمد القاضی سابقا بقالات قندھار افغانستان لکھتے ہیں:

فصحبۃ الشیخ الناقص الذی لم یتم امرہ بالسلوک و الجذبۃ۔ سم قاتل و الانابۃ الیہ مرض مھلک۔ یضیع استعداد المرید الرفیع۔ ویفسدہ مثل فساد البیضۃ۔ فلا یجوز اخذ الطریق الی اللہ تعالی من الناقص لمامر۔ و لا من المقلد بآبائہ الکاملین المکملین غیر سالک مسلکھم۔ و غیر واصل مبلغھم۔ لان الارادۃ لا تصح الا بالتعلیم و التعلم۔ و حصول درجۃ التکمیل۔ و لیس فیہ شیء من ذالک۔ و ایضا الشیخ الناقص مثل الزانی۔ و مریدہ ولد الزانی۔ و الشیخ الناقص مثل الصنم۔ و مریدہ مثل عابد الصنم۔ ویفتضح ھو و مریدہ علی رؤس الاشھاد یوم القیامۃ۔ و الشیخ الناقص مثل الطبیب الجاھل۔ یعل الصحیح۔ ویقتل المریض۔ و الشیخ الناقص اشرار الاشرار۔ و افجر الافجار۔ و الشیخ الناقص مثل المنافق۔ ینطفیء نور فقرہ عند الموت۔ و احاطت بہ ظلمات المتراقمۃ۔ مثل ظلمات اللیلۃ المظلمۃ المتغیمۃ المطیرۃ و ادرکتہ اللعنۃ۔ و الغضب و الخزلان۔ کما ینطفیء نور کلمۃ المنافق عند الموت۔ و احاطت بہ ظلمات الکفر۔ و وصل الی درک الاسفل من النار۔

---

[419] دفتر اول مکتوب ۲۲۴

[420] البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۳۴۲

والشیخ الناقص مثل الدجال۔ ومثل الفرق الضالۃ۔ ومثل الرافضیۃ والوھابیۃ۔ ویکون بینہ وبین مریدہ مخاصمۃ والتبری یوم القیامۃ۔ کما بین التابع والمتبوع من الفریق الضالۃ الکفرۃ۔ والی غیر ذالک من انواع العذاب والنکال۔ فینبغی للمرید ان یجتھد فی معرفۃ من یصلح شیخا۔ ویجوز الاقتداء بہ۔ لان ھلاک اکثر الطالبین۔ بل عموم الناس بالاقتداء بالائمۃ المضلین۔ وافتراق الامۃ الی ثلث وسبعین فرقۃ نشاء من الصوفیۃ الذین ما کانوا علی ما جاء بہ النبی ﷺ۔ ھذہ الجملۃ منقولۃ من قطب الارشاد۔ وروح البیان۔ والمکتوبات۔ وفتوح الغیب۔ والفتوحات۔ والابریز۔ وجامع الکرامات۔ ولطائف المنن۔ وعھود۔ وبحر مورود۔ وانیس الوحید۔ والفتاویٰ الحدیثیۃ۔

وہ شیخ ناقص جس کا کام سلوک اور جذبہ سے تام نہ ہوا ہو اس کی صحبت زہرِ قاتل ہے اور اس کی طرف رجوع کرنا مہلک مرض ہے جو کہ بلند درجہ مرید کے استعداد کو بھی ضائع کر دینے والی ہے اور مرید کو اس طرح فاسد کرتا ہے جس طرح گندہ انڈہ۔ تو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے راستے میں ناقص سے استفادہ جائز نہیں ہے ما قبل بیان کی وجہ سے۔ اور نہ اس شخص سے استفادہ جائز ہے جو اپنے کاملین مکملین باپ دادا کا مقلّد ہو لیکن ان کے راستے پر جانے والا نہ ہو اور ان کے مقام تک پہنچنے والا نہ ہو، کیونکہ پیری مریدی تعلیم و تعلم (افادہ واستفادہ) کے بغیر صحیح نہیں اور کمال کے درجے تک پہنچنے کے بغیر بھی پیری مریدی صحیح نہیں اور ان (ناقص سجادہ گان) میں یہ چیزیں نہیں ہیں۔ اور اسی طرح ناقص پیر زناکار کی طرح ہے اور اسکا مرید ولدِ زنا کی طرح ہے۔ اور ناقص پیر بت کی طرح ہے اور اس کا مرید بت پرست کی طرح ہے اور رسوا ہو گا، یہ ناقص اور اسکا مرید قیامت کے دن لوگوں کے سامنے شیخ ناقص جاہل طبیب کی طرح ہے جو تندرست کو بیمار کر دیتا ہے اور بیمار کو مار دیتا ہے۔ شیخ ناقص بدتر سے بدتر ہے اور فاجروں سے بڑا فاجر ہے۔ شیخ ناقص منافق کی طرح ہے جس کی فقر کی روشنی موت کے وقت بجھ جائیگی اور اس پر تہہ در تہہ تاریکیاں چھاجائیں گی اس رات کی تاریکیوں کی طرح جو اندھیری ہو ااور بادل والی ہو اور بارش برسنے والی ہو۔ یہ (ناقص پیر) لعنت میں، قہر میں اور رسوائی میں مبتلا ہو جائے گا۔ جس طرح منافق کے کاموں کی نورانیت موت کے وقت ختم ہو جائے گی اور اس کو ظلماتِ کفر گھیر لیں گی اور جہنم کے نیچے والے طبقے میں پہنچ جائے گا۔ شیخ ناقص دجال کی طرح ہے، گمراہ فرقوں کی طرح ہے، رافضیہ اور وہابیہ کی طرح ہے۔ شیخ ناقص اور اسکے مرید کے درمیان بروز محشر جھگڑا ہو گا اور ایک دوسرے سے بیزاری ہو گی، جس طرح گمراہ کافر فرقوں کے تابع اور متبوع کے درمیان جھگڑا اور ایک دوسرے سے بیزاری ہو گی اور اسکے علاوہ عذاب اور عبرت ہو گی۔"

شیخ مقلد: شیخ مقلد اس مرشد کو کہتے ہیں جب کوئی شیخ اس دنیا سے رحلت فرما جائے اور وہ اپنی جگہ خلیفہ کامل مکمل مقرر نہ کرے اور اس کا کوئی وارث اپنے آپ سے خود اس کا خلیفہ بنائے۔ اور ان کی گدی پر قبضہ کرے صرف اسلئے کہ اس کی عزت اور مرتبہ سمجھی جائے۔ یعنی اس کا مطلب صرف دنیا کا حصول ہے۔ مشائخ عظام فرماتے ہیں کہ شیخ مقلد کی صحبت سے ایسا بھاگو جیسے چیتے سے بھاگا جاتا ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "مرشد کے لئے چار شرائط ہیں جس شخص میں یہ چار شرائط نہ ہوں اس کی بیعت کرنا جائز نہیں:

۱۔ مسلمان ہو اور صحیح العقیدہ ہو (بدعقیدہ وبدمذہب نہ ہو)۔

۲۔ عقائد کے دلائل, تمام احکام شرعیہ کا عالم ہو حتیٰ کہ ہر پیش آمدہ مسئلہ کا حل بیان کر سکتا ہو

۳۔ علم کے مطابق عمل کرتا ہو، فرائض وواجبات، سنن اور مستحبات پر دائمی عمل کرتا ہو اور تمام مکروہات و ممنوعات سے بچتا ہو۔

۴- رسول اللہ ﷺ تک اس کی نسبت متصل ہو یعنی اس کے مشائخ کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچتا ہو۔[421]

مفتی محمد خلیل خان قادری برکاتی علیہ الرحمۃ نے مرشد کی چوتھی شرط زائد یوں بتائی ہے کہ: "فاسق معلن نہ ہو، یعنی اعلانیہ کسی گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ ہو اور نہ کسی گناہ صغیرہ پر مصر کہ باوجود علم و تنبیہ اسی گناہ پر اڑا رہے۔"[422]

مفتی صاحب کے اس قول کو باآسانی یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ اس شرط کا اگرچہ اتصال سے تعلق نہیں کیونکہ مجرو فاسق باعث فسخ نہیں، مگر پیر کی تعظیم لازمی ہے اور فاسق کی توہین واجب، اور دونوں کا ایک جگہ میں پایا جانا باطل ہے۔ اس لئے پیر کا فسق سے بچنا لازم ہے۔

پیر بابا قدس سرہ کی نظر میں پیر طریقت وہی ہے۔ جو جملہ اقوال وافعال میں سنتِ نبوی ﷺ سے ذرا بھی متجاوز نہ ہو۔ اور کلی طور پر اتباعِ رسول ﷺ کا پابند ہو اسے پیر بابا کی نظر میں پیرِ طریقت کہتے ہیں۔[423]

سیدی میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ نے اپنے رسالہ سبع سنابل میں پیر کے اوصاف بیان کرتے ہوئے دوسری شرط کا ذکر کرتے ہیں کہ:

شرط دوم: پیری آنست کہ عالم و عامل باشد بر جملہ عبادات و درادائے احکام قاصر و متہاون بنود و اگر بر انواع عبادت عالم نبود عامل نتواند شد و از حد شرع بیفتد پس پیری رانشاید زیرا کہ ہر کہ از مقام حقیقت بیفتد بر طریقت قرار گیرد، و ہر کہ از طریقت بیفتد بہ شریعت قرار گیرد، و ہر کہ از شریعت بیفتد گمراہ گردد و گمراہ پیری رانشاید اما درویشے کہ مرجع خلائق بود اور احتیاد اور جزئیات شریعت فرض لازم ست باید کہ یک دقیقہ از دقائق شرع از وخوت نشود کہ وسیلہ گمراہی مریدان ست بہ محبت آنکہ گویند کہ پیر ما ایں چنیں کار کردہ است پس او ضال و مضل گردد۔

پیری کی دوسری شرط یہ ہے کہ پیر عالم و عامل ہو، جملہ عبادات کا۔ فرائض اور واجبات اور سنتوں اور نفلوں اور مستحبات کا۔ اور ان احکام کی پابندی میں کوتاہ اور سست نہ ہو۔ ہر وضو کے لئے مسدات کرے۔ داڑھی میں کنگا کرے کہ یہ دونوں سنتیں ہیں۔ پانچوں نمازیں، اذان اقامت اور جماعت کے ساتھ ادا کرے تعدیل ارکان کا خیال رکھے اور اسی قسم کی دوسری باتیں نگاہ میں رکھے اور اگر وہ ان عبادتوں کا عالم نہ ہو گا تو ان پر عمل نہ کرسکے گا تو حد شرع سے گر جائے گا۔ لہذا پیر نہیں بن سکتا۔ اس لئے کہ جو شخص حقیقت کے مقام سے گر جاتا ہے وہ طریقت پر آکر رک جاتا ہے اور جو طریقت سے گر جاتا ہے وہ شریعت پر ٹھر جاتا ہے اور جو شریعت سے گرے، گمراہ ہوا اور گمراہ شخص پیر بننے کے لائق نہیں۔ اور وہ درویش جس کی جانب اکثر مخلوق جھکی پڑتی ہو۔ مثلاً اکثر مخلوق اسکی بیعت اور ارادت پر رجوع رکھتی ہے اس پر تو شریعت کے جزئیات میں بھی احتیاط فرض و لازم ہے۔ اسے چاہیے کہ شریعت کے دقائق میں سے ایک شمہ بھی فوت نہ ہونے دے کہ یہ چیز اس کے مریدوں کی گمراہی کا ذریعہ بنے گی۔ ظاہر ہے کہ وہ ایسے فعل سے حجت لاتے اور کہتے

---

[421] فتاویٰ افریقہ بحوالہ شرح صحیح مسلم ج۴ ص ۸۶۹

[422] سنی بہشتی زیور، ص ۱۰۸، ۸۶۲

[423] تذکرہ ساداتِ ترمذی، ص 115، الواثق اردو بازار لاہور

ہیں کہ ہمارے پیر نے ایسا کام کیا ہے لہٰذا وہ گمراہ اور گمراہ کن ہو جاتے ہیں۔[424]

امام العارفین حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ شیخ کی شان بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یحی الروح ویحی الشریعت ویمیت النفس ویمیت البدعۃ ویمیت الشھوۃ۔

فرمایا شیخ ایسا ہو کہ طالب کے دل، روح اور شریعت کو زندہ کرے اور نفس، بدعت اور شہوت کو مردہ کرے۔[425]

سیدوں کو نصیحت:

صاحب ممدوح قدس سرہ نے سیدوں کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اے سید اگر تو صحیح معنوں میں سید اور سردار بننا چاہتا ہے تو اپنے جد امجد کے قدموں پر چلا جا۔[426]

سچا مرید کون؟

امام عبدالوھاب الشعرانی نوراللہ مرقدہ لکھتے ہیں:

ومن اخلاقھم ان لا یترک احدھم درجۃفی جنۃ الاعمال الاوله فیھا نصیب، و ذالک بان لا یدع شیئا من فعل المامورات الشرعیه الافعله، ویفعل ولو مرۃ۔

سچے مرید کی شان یہ ہے کہ وہ جنتی اعمال کے کسی درجہ کو ترک نہیں کرتا بلکہ اس میں اس کا حصہ ہوتا ہے وہ اس طرح کہ احکام شرعیہ میں سے کوئی چیز نہیں چھوڑتا مگر اس پر عمل کرتا ہے خواہ ایک بار عمل کرے۔[427]

حضرت ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرماتے ہیں:

قال لی استاذی: انظر یا ولدی ان خطر ببالک من الجمعۃ الی الجمعۃ غیر اللہ تعالیٰ فلاتعدتأتینا فانه لایرجی منک ان تکون تلمیذا۔

میرے شیخ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ! اے میرے لڑکے دیکھ! اگر ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک تمہارے دل میں خدا تعالیٰ کے سوا کسی غیر کا خطرہ بھی آیا تو پھر کبھی ہمارے پاس نہ آنا کیونکہ پھر تم سے امید نہیں کی جاسکتی کہ تم سچے مرید بن سکو گے۔[428]

غور کریں جن مشائخ کے مریدوں کا یہ حال تھا تو خود ان پیران عظام کی حالت کیا کچھ ہو گی

علم ظاہری (شریعت) کے بغیر فقیری (تصوف) میں قدم رکھنا گمراہی ہے:

صوفی خواجہ توکل شاہ انبالوی قدس سرہٗ نے فرمایا:

علم ظاہری کے بغیر فقیری میں قدم رکھنا گمراہی ہے۔ کیونکہ نماز، روزہ اور دیگر ارکان اسلام کا ادا کرنا اور ان کے حقائق کا وارد ہو کر ان میں سیر کرتے ہوئے دیدار الٰہی میں مستغرق ہونا۔ اسی کا نام تو فقر ہے۔ رہا علم لدنی سو وہ خدا تعالیٰ کا انعام و فضل ہے۔ اور فضل و

---

[424] سبع سنابل، سنبل دوم: ص ۴۲، النوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی

[425] حق نمائے ص ۲۴۶

[426] حق نمائے (نورالھدیٰ) ص ۲۴۶

[427] الکوکب الشاھق فی الفرق بین مرید الصادق وغیر الصادق ص ۱۳۱، دارالمعارف

[428] الانوار القدسیه فی بیان آداب العبودیۃ، ص ۳۹، دارالکتب العلمیۃ

انعام اس پر ہوتا ہے جس پر خدا راضی ہو۔ مگر وہ نافرمان پر راضی نہیں ہوتا۔ بس جس نے ان ارکان کو ترک کیا اس پر وہ راضی نہیں۔ تو اسے علم لدنی جو فضل و انعام ہے کیونکر حاصل ہو۔ پس پہلے ارکان اسلام کے مسائل مثلا حلت و حرمت جائز و ناجائز، سنت، مکروہ، مستحب، واجب، فرض سے خوب واقفیت حاصل کر۔ پھر فقیری میں قدم رکھ۔[429]

حضرت خواجہ باقی باللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مشائخ جو لوگوں کے ارشاد و تربیت میں مشغول ہوتے ہیں اس کا باعث ان تین چیزوں میں سے ایک ہوا کرتی ہے۔ حق سبحانہٗ کا الہام یا پیر کا حکم و امر، یا بندگان خدا پر شفقت یعنی جب وہ لوگوں کو گمراہی میں دیکھتے ہیں اور گمراہی کو ان کے عذاب و ضرر کا سبب جانتے ہیں تو نہایت نرمی سے ان کے عذاب کا دفعیہ چاہے ہیں۔ پس شفقت کا متقضایہ ہے کہ شریعت کے رواج دینے کو اپنے اوپر لازم کرکے لوگوں کو وعظ و نصیحت سے حفظ آداب اور اقامت شرائع کا حکم دیں۔ مثلاً فقہ و حدیث کا پڑھنا و پڑھانا اور اس کے مطابق عمل کرنا۔[430]

معلوم ہوا کہ سالک کے لئے اولا علم شریعت حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ جو شخص علم شریعت نہ جانتا ہو اس کے گمراہ ہونے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے۔

تین چیزیں:

حضرت خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار قدس سرہٗ کا فرمان:

شریعت طریقت حقیقت تین چیزیں ہیں ظاہر پر احکام کا جاری کرنا شریعت ہے۔ جمعیت باطن میں تعمل و تکلف طریقت ہے اور اس جمعیت میں رسوخ حقیقت ہے۔[431]

بے علم صوفی مسخرہ شیطان است:

اعلیٰ حضرت ولی کامل صوفی باصفا مجدد فی عصرہ مولانا الامام احمد رضا خان المختار نور اللہ مرقدہ نے فرمایا:

صوفیائے کرام فرماتے ہیں صوفی بے علم مسخرہ شیطان است (بے علم صوفی شیطان کا مسخرہ ہے)۔ وہ جانتا ہی نہیں شیطان اپنی باگ ڈور پر لگا دیتا ہے حدیث میں ارشاد ہوا **المتعبد بغیر فقه کالحمار فی الطاحون**[432] (بغیر فقہ کے عابد بننے والا (عابد نہ فرمایا بلکہ عابد بننے والا فرمایا یعنی بغیر فقہ کے عبادت ہو ہی نہیں سکتی) عابد بنتا ہے وہ ایسا ہے جیسے چکی میں گدھا) کہ محسنت شاقہ کرے اور حاصل کچھ نہیں۔ ایک صاحب اولیائے کرام میں سے تھے قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہ انہوں نے ایک صاحب ریاضت و مجاہدہ کا شہرہ سنا ان کے بڑے

---

[429] تذکرہ مشائخ نقشبندیہ، ص ۵۸۹، مشتاق بک کارنر

[430] تذکرہ مشائخ نقشبندیہ ص ۲۹۲

[431] تذکرہ مشائخ نقشبندیہ ص ۲۰۶، مشتاق بک کارنر

[432] المقاصد الحسنة، حدیث: 1147، جلد: 1، صفحه: 656

بڑے دعوے سننے میں آئے ان کو بلایا اور فرمایا یہ کیا دعوے ہیں جو میں نے سنے۔ عرض کی مجھے دیدار الٰہی روز ہوتا ہے ان آنکھوں سے سمندر پر خدا کا عرش بچھتا ہے اور اس پر خدا جلوہ فرما ہوتا ہے اب اگر ان کو علم ہوتا تو پہلے ہی سمجھ لیتے کہ دیدار الٰہی دنیا میں بحالت بیداری ان آنکھوں سے محال ہے سوائے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضور کو بھی فوق السمٰوٰات والعرش دیدار ہوا۔ دنیا نام ہے سماوات وارض کا۔ خیر اس بزرگ نے ایک عالم صاحب کو بلایا ان سے فرمایا کہ وہ حدیث پڑھو جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شیطان اپنا تخت سمندر پر بچھاتا ہے انہوں نے عرض کی بے شک سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ **ان ابلیس لیضع عرشہ علیٰ البحر**[433] (شیطان اپنا تخت سمندر پر بچھاتا ہے) انہوں نے جب یہ سنا تو سمجھے کہ اب تک میں شیطان کو خدا سمجھتا رہا اسی کی عبادت کرتا رہا اسی کو سجدے کرتا رہا کپڑے پھاڑے اور جنگل کو چلے گئے پھر ان کا پتہ نہ چلا۔ سیدی ابو الحسن جوسقی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہیں حضرت سیدی ابو الحسن علی بن ہیتی رضی اللہ عنہ کے اور آپ خلیفہ ہیں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے آپ نے اپنے ایک مرید کو رمضان شریف میں چلے میں بٹھایا۔ ایک دن انہوں نے رونا شروع کیا آپ تشریف لائے اور فرمایا کیوں روتے ہو؟ عرض کیا حضرت شب قدر میری نظروں میں ہے شجر و حجر اور دیوار و در سجدہ میں ہیں نور پھیلا ہوا ہے میں سجدہ کرنا چاہتا ہوں ایک لوہے کی سلاخ حلق سے سینے تک ہے جس سے میں سجدہ نہیں کر سکتا اس وجہ سے روتا ہوں فرمایا: اے فرزند وہ سلاخ نہیں وہ تیر ہے جو میں نے تیرے سینے میں رکھا ہے اور یہ سب شیطان کا کرشمہ ہے شب قدر وغیرہ کچھ نہیں عرض کی حضور میری تشفی کے لئے کوئی دلیل ارشاد ہو۔ فرمایا: اچھا دونوں ہاتھ پھیلا کر تدریجا سمیٹو سمٹنا شروع کیا جتنا سمیٹتے تھے اتنی ہی روشنی مبدل بہ ظلمت ہوتی جاتی تھی یہاں تک کہ دونوں ہاتھ مل گئے بالکل اندھیرا ہو گیا۔ آپ کے ہاتھوں میں سے شور وغل ہونے لگا حضرت مجھے چھوڑیئے میں جاتا ہوں تب اس مرید کی تشفی ہوئی۔ (پھر فرمایا) بغیر علم کے صوفی کو شیطان کچے دھاگے کی لگام ڈالتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے بعد نماز عصر شیاطین سمندر پر جمع ہوتے ہیں۔ ابلیس کا تخت بچھتا ہے شیاطین کی کارگذاری پیش ہوتی ہے۔ کوئی کہتا ہے اس نے اتنی شرابیں پلائیں کوئی کہتا ہے اس نے اتنے زنا کرائے۔ سب کی سنیں کسی نے کہا اس نے آج فلاں طالب کو پڑھنے سے باز رکھا۔ سنتے ہی تخت پر سے اچھل پڑا اور اس کو گلے سے لگالیا اور کہا انت انت تونے کام کیا اور شیاطین یہ کیفیت دیکھ کر جل گئے کہ انہوں نے اتنے بڑے بڑے کام کئے ان کو کچھ نہ کہا اور اس کو اتنی شاباش دی۔ ابلیس بولا تمہیں نہیں معلوم جو کچھ تم نے کیا سب اسی کا صدقہ ہے۔ اگر علم ہوتا تو وہ گناہ نہ کرتے بتاؤ وہ کون سی جگہ ہے جہاں سب سے بڑا عابد رہتا ہے مگر وہ عالم نہیں اور وہاں ایک عالم بھی رہتا ہو انہوں نے ایک مقام کا نام لیا صبح کو قبل طلوع آفتاب شیاطین کو لئے ہوئے اس مقام پر پہنچا اور شیاطین مخفی رہے اور یہ انسان کی شکل بن کر رستہ پر کھڑا ہو گیا عابد صاحب تہجد کی نماز کے بعد نماز فجر کے واسطے مسجد کی طرف تشریف لائے راستہ میں ابلیس کھڑا ہی تھا السلام علیکم وعلیکم السلام، حضرت مجھے ایک مسئلہ پوچھنا ہے؟ عابد صاحب نے فرمایا: جلد پوچھو مجھے نماز کو جانا ہے۔ اس نے اپنی جیب سے ایک شیشی نکال کر پوچھا اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ ان سماوات وارض کو اس چھوٹی سی شیشی میں داخل کر دے۔ عابد صاحب نے سوچا اور کہا کہاں آسمان وزمین اور کہاں یہ چھوٹی سی شیشی۔ بولا بس یہی پوچھنا تھا تشریف لے جایئے اور شیاطین سے کہا دیکھو اس کی راہ مار دی اس کو اللہ کی قدرت ہی پر ایمان نہیں عبادت کس کام کی۔ طلوع آفتاب کے قریب عالم صاحب جلدی کرتے ہوئے تشریف لائے اس نے کہا السلام علیکم وعلیکم السلام مجھے ایک مسئلہ پوچھنا ہے

---

[433] کنز العمال، حدیث:1290، جلد:1، صفحہ:257

انہوں نے فرمایا: پوچھو جلدی پوچھو نماز کا وقت کم ہے اس نے وہی سوال کیا ملعون تو ابلیس معلوم ہوتا ہے ارے وہ قادر ہے کہ یہ شیشی تو بہت بڑی ہے ایک سوئی کے ناکے کے اندر اگر چاہے تو کروڑوں آسمان وزمین داخل کردے ان اللہ علیٰ کل شی قدیر عالم صاحب کے تشریف لے جانے کے بعد شیاطین سے بولا دیکھا یہ علم ہی کی برکت ہے۔[434]

شیخ غلام علی دہلوی قدس سرہ کی نصیحت:

مندرجہ اش واضح شد و در راہ خدا کمر جان وھمت محکم بستہ او قات بیاد حق اتباع حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم مستحکم دارند وبحال مستفیدان توجہات بلیغہ بکنند اللہ تعالیٰ شمارا بواسطہ پیران کبار سبب افادہ نسبت ھای این خاندان شریفہ بفرماید صبر وتوکل وقناعت ورضاوتسلیم ودوام التجا بجناب کبریاویأس از خود وماسوا طریقہ دوستان خدا است بندہ رانیز در دعا یاد دارند والسلام۔

اللہ تعالیٰ کے راستے میں جان وہمت کی کمر مضبوط باندھ کر اللہ تعالیٰ کی یاد اور حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں لگے رہیں اور استفادہ کرنے والوں کے حال پر بلند توجہات ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے پیران کبار کے وسیلہ سے اس خاندان شریف کی نسبتوں کے افادہ کا ذریعہ بنائے۔ صبر توکل وقناعت، رضاوتسلیم، جناب کبریا(اللہ تعالیٰ کی بارگاہ) میں ہمیشہ التجا کرنا خود اور ماسویٰ(اللہ) سے ناامید رہنا اللہ تعالیٰ کے دوستوں کا طریقہ ہے۔ بندہ کو بھی دعا میں یاد رکھیں۔ والسلام[435]

شہود عینی:

مرتبہ احسان آن اکابر گویا شہود عینی بود و اولیارا آن مرتبہ کہ آنرا شہود ومشاھدہ وحضور ویاد داشت وآگاھی گویند خیال است تا فضل اصحاب رسول خدا ﷺ ثابت گردد بلکہ در نسبت فوقانی توجہ وحضور کم میگردد وحضور مثل حضور نفس وذات خود میشود وسعت انوار بی کیف واتباع ھویٰ لما جاءبہ المصطفی ﷺ نقد وقت میگردد۔

ان اکابر کا مرتبہ احسان گویا شہود عینی تھا۔ اولیاء کو وہ مرتبہ جسے شہود ومشاہدہ، حضور ویادداشت اور آگاہی کہتے ہیں، خیال ہے، تاکہ رسول خدا ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت ثابت ہو جائے، بلکہ نسبت فوقانی(اوپر کی نسبت) میں توجہ وحضور کم ہو جاتا ہے۔ حضور سانس کی حاضری اور اپنی ذات کی طرح ہو جاتا ہے۔ بے کیف انوار کی وسعت اور جو کچھ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ لائے ہیں، کی اتباع شاملِ وقت بن جاتی ہے۔[436]

صوفی شرک خفی کو مٹاتا ہے:

صوفی در تصفیہ ظاھر وباطن وازالہ شرک خفیٰ ھمت می گمارد ظاھر موافق شرع مصطفیٰ ﷺ وباطن از دید ماسوا واز خواطر وآرزو مصفی باشد اینست حال صوفی۔

صوفی ظاہر وباطن کو پاکیزہ بنانے اور شرک خفی کو مٹانے کے لیے ہمت کرتا ہے۔ ظاہر موافق شرع مصطفیٰ ﷺ ہو اور باطن

---

[434] ملفوظاتِ اعلی حضرت، ص 277، 276، 275، نشانِ منزل
[435] مکتوب پنحاہ و ھشتم ص ٦٤ مکتبہ سیفیہ
[436] مکتوب ھشتادم ص 103، مکتبۃ السیفیۃ

ماسواءاللہ اور جمیع خواطر سے مصفی ہو یہی حالِ صوفی ہے۔[437]

کس کا طریقہ درست ہے کیسے معلوم ہو:

وأدای حقوق خدا اور سول خدا ﷺ تعظیم سادات کبار واحترام علما و فقرا لازم واصل کار تقوی واتباع حبیب خدا است ﷺ اعتقاداً و اخلاقاً و اعمالاً و احوالاً سعی باید نمود تا تقوی در ھر أمر و شرف متابعت مصطفیٰ ﷺ در ترک و تجرید و توکل و تسلیم و رضا ملکہ و عادت گردد آمین و دلیل صدقت طریقہ ایشان ھمین کافی کہ ہر کہ طریقہ ایشان ورزد توفیق اتباع سنت می یابد و از اتباع سنت نسبت باطن قوی میگردد

خدااور رسول ﷺ کے حقوق ادائیگی، سادات کبار کی تعظیم، علماء و فقراء کا احترام لازم پکڑنا، خود کو چھوڑنا اور دوسرے کا حق ادا کرنا، ترک دنیا اور آخرت کی طرف اصل کام تقویٰ اور حبیب خدا ﷺ کی اتباع ہے۔ واخلاق اور اعمال واحوال کے لحاظ سے اس کی کوشش کرنی چاہیے، تاکہ ہر کام میں تقویٰ اور (حضرت محمد) ﷺ کی پیروی کا شرف اور ترک و تجرید توکل اور تسلیم ورضا کا ملکہ اور خوگری نصیب ہو جائے۔ آمین آپ کے طریقہ کے صحیح ہونے کی یہی دلیل کافی ہے کہ جو شخص بھی آپ کے طریقہ میں داخل ہوتا ہے، اسے اتباع سنت مبارک کی توفیق مل جاتی ہے اور اتباع سنت سے باطن کی نسبت قوی ہو جاتی ہے۔[438]

غور فرمائیں کہ یہ خدااور رسول ﷺ کے حقوق کی ادائیگی کی تلقین اور ہر طریقہ کے درست ہونے کی دلیل بھی اتباع رسول ﷺ کو قرار دیتے ہیں۔

یہ مبارکین تھے اصل صوفیاء جو ہر لحظہ اتباع شریعت کو مد نظر رکھا کرتے تھے نہ کہ ان جاہل صوفیوں کی طرح جو شریعت وطریقت میں فرق کرتے ہوئے اور اپنی من مانی تعبیرات پیش کرکے لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔

جس سلسلہ میں اتباع شریعت نہیں اسکو رواج نہ دیا جائے:

وھر یک ازین طیق کسب کمالات آلھیۂ محمدیہ ﷺ شاہ راہ ھست کشادہ برای تحصیل مقصود آمادہ از محبت وتوحید ومعرفت وصراط مستقیم محمدی ﷺ بااین ھمہ معیار قبول حضرت حق سبحانہ اتبّاع نبی معصوم است ﷺ اھل ھر خاندان را در عقائد خود و اخلاق حسنہ واعمال مرضیہ واحوال سنیہ اگر متابعت حبیب خدا ﷺ درین عزیزان یافتہ نشود ھیچ طریقہ رواجی نیابد۔

ان سلاسل میں سے ہر ایک سلسلہ کمالات الٰہیہ محمد ﷺ کو کسب کرنے کے لیے کشادہ اور مقصود کو حاصل کرنے کے لیے آمادہ شاہراہ ہے۔ محبت وتوحید، معرفت اور صراط مستقیم محمدی ﷺ اس کامل معیار کے ساتھ ذات حق سبحانہ کے ہاں قبول (ہے)۔ ہر سلسلہ کے اہل کو اپنے عقائد، اخلاق حسنہ ،پسندیدہ اعمال اور بلند احوال میں نبی معصوم ﷺ کی پیروی نصیب ہے۔ اگر حبیب خدا ﷺ کی اطاعت ان عزیزوں میں نہ پائی جائے تو کسی سلسلہ کو بھی کوئی رواج نہیں ملتا۔[439]

نبوت اور ولایت کا باہمی تعلق:

---

[437] مکتوب ھفتادھم ص:99 مکتبۃ السیفیۃ

[438] مکتوب نو روھشتم، ص ۱۷۷، مکتبہ سیفیہ

[439] مکتوب ھفتادو پنجم ص ۹۴، مکتبہ سیفیہ

مولانا سعید احمد مجددی امام ربانی قدس سرہٗ کے مکتوب ۲۱ دفتر اول کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "واضح رہے کہ سرور کائنات ﷺ تمام کمالات حقیہ وخلقیہ کے مظہر ہیں اور بمطابق حکم **فاتبعونی یحببکم اللہ** کمالات انسانی کا انحصار بھی آپ کی اتباع پر موقوف ہے جیسا کہ صحابہ کرام اہل بیت عظام واولیائے فخام کو تمام کمالات ظاہری و باطنی آپ کی اتباع ہی کے ذریعے میسر آئے اور آپ ہی کے مشکوۃ نبوت سے فیض یاب ہوئے"۔

اتباع:

اتباع کی دو قسمیں ہیں متابعت ظاہری اور متابعت باطنی، متابعت ظاہری مرتبہ نبوت سے متعلق ہے، اور متابعت باطنی مرتبہ ولایت سے مرتبہ نبوت سے ان احکام شرعیہ کی طرف اشارہ ہے جو عالم وجوب سے بواسطہ جبریل علیہ السلام سرور عالم ﷺ پر نازل ہوئے اور آپ نے خلق خدا تک پہنچادیے مرتبہ ولایت سے وہ اسرار توحید و معرفت مراد ہیں جو سرور کائنات ﷺ نے مقام لی مع اللہ سے بلاواسطہ جبریل علیہ السلام (براہ راست) حق سبحانہ وتعالیٰ سے حاصل کرکے خاصان امت کو سکھادیے

نبوت کا ظاہر وباطن:

واضح رہے کہ نبوت کا ظاہر شریعت ہے اور نبوت کا باطن ولایت ہے ظاہر کو باطن سے اور باطن کو ظاہر سے ایک خاص تعلق کی بناپر امداد اور پرورش ملتی رہتی ہے۔

نبوت کا باطنی پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کامل استغراق وفنائیت کا قوی تعلق قائم ہو جائے اسی کا نام ولایت ہے نبوت کا ظاہری پہلو یہ ہے کہ اسی باطنی تعلق کی بناء پر عالم قدس سے کو کچھ حاصل ہو، وہ خلق خدا تک بطریق مناسب پہنچادیا جائے تاکہ بیک وقت خالق اور مخلوق دونوں کے ساتھ تعلقات استوار ہیں یہی نبوت ہے لہذا ہر نبی ولی ہوتا ہے لیکن ہر ولی نبی نہیں ہوتا جبکہ ولایت عروج الی الحق کا نام ہے اور نبوت نزول الی الخلق کو کہا جاتا ہے۔[440]

متابعت نبوی ﷺ کے درجات سبعہ:

متن مکتوب: 20: سَبَبُ عدم الوصول الی تلک الولایۃ القصور فی کمال متابعتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وللقصور درجات فلاجرم حصل التفاوت فی درجات الولایۃ ولو تیسر کمال الاتباع لامکن الوصول الی تلک الولایۃ

اس ولایت (خاصہ محمدیہ) تک نہ پہنچنے کا سبب آپ ﷺ کی کمال متابعت میں کمی ہے اور اس کمی کے بہت سے درجات ہیں اس لیے ولایت کے درجات میں تفاوت ہو جاتا ہے اور اگر آپ کی کمال اتباع میسر ہو جائے تو آپ کی ولایت تک پہنچنا ممکن ہے۔

علامہ سعید احمد شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

سطور بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ ولایت خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات التسلیمات تک وصول نہ ہونے کی وجہ حضور اکرم ﷺ کی کامل اتباع میں کمی کو قرار دے رہے ہیں چونکہ متابعت کے مختلف درجے ہیں اس لیے سالکین کو حاصل ہونے والے درجات ولایت میں تفاوت ہو جاتا ہے۔ حضرت امام ربانی قدس سرہ ایک مکتوب میں حضور اکرم ﷺ کی متابعت کے سات مراتب و

---

[440] البینات شرح مکتوبات ص ۵۵۸، جلد:01 تنظیم الاسلام پبلی کیشنز

درجات اور ہر درجے کی دوسرے درجے پر فضیلت کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

متابعت نبوی ﷺ کے درجات سبعہ:

آنسرور ﷺ کی متابعت جو دینی اور دنیاوی سعادتوں کا سرمایہ ہے کئی درجات و مراتب رکھتی ہیں۔

درجہ اول: عوام اہل اسلام کا ہے یہ تصدیق قلبی کے بعد اطمینان نفس سے قبل جو کہ درجہ ولایت سے مربوط ہے احکام شرعیہ کی بجا آوری اور سنت سنیہ کی اتباع ہے علمائے ظواہر، عابد اور زاہد حضرات جن کا معاملہ ابھی تک اطمینان نفس تک نہیں پہنچا سب اس درجہ میں مشترک ہیں۔ اس متابعت صوری کے حصول میں سب برابر ہیں۔ چونکہ نفس اس مقام میں کفر و انکار سے آزاد نہیں ہوتا تو لازمی طور پر یہ خاص درجہ صرف متابعت کی صورت رکھتا ہے متابعت کی یہ صورت حقیقی متابعت کی مانند آخرت کی فلاح اور خلاصی کا موجب عذاب نار سے نجات دلانے والی اور دخول جنت کی بشارت سنانے والی ہے۔ حق تعالیٰ نے کمال کرم سے انکارِ نفس کا اعتبار نہ کر کے صرف تصدیق قلبی پر کفایت فرمائی ہے۔ اور نجات کو اس تصدیق کے ساتھ مربوط فرما دیا ہے۔

درجہ دوم: میں آنسرور ﷺ کے ان اقوال و اعمال کی متابعت ہے جو باطن سے تعلق رکھتے ہیں جیسے اخلاق کی تہذیب، صفاتِ رذیلہ کی مدافعت، باطنی امراض اور اندرونی بیماریوں کا ازالہ کرنا ہے۔ متابعت کا یہ درجہ مقام طریقت سے متعلق اور ان ارباب سلوک سے مخصوص ہے جو طریقہ صوفیاء شیخ مقتدا سے اخذ کر کے سیر الی اللہ کی وادیوں اور بیابانوں کو قطع کرتے ہیں۔

درجہ سوم: آن سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلاۃ والسلام کے احوال اذواق اور مواجید کی متابعت ہے جو ولایت خاص کے مقام سے تعلق رکھتا ہے اور یہ درجہ ان ارباب ولایت کے ساتھ مخصوص ہے جو مجذوب سالک یا سالک مجذوب ہوں۔

درجہ چہارم: متابعت کا یہ وہ درجہ ہے کہ پہلے درجے میں اس متعابعت کی صورت تھی یہاں اس متابعت کی حقیقت ہے متابعت کا یہ درجہ علمائے راسخین شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے ساتھ مخصوص ہے جو اطمینان نفس کے بعد حقیقت متابعت کی دولت سے متحقق ہیں اولیاء قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم کو تمکین قلب کے بعد اگرچہ ایک طرح کا اطمینان نفس حاصل ہو جاتا ہے لیکن نفس کو کمال درجہ اطمینان کمالات نبوت کے حصول کے بعد حاصل ہوتا ہے یہ کمالات علمائے راسخین کو بطریق وراثت حاصل ہوتے ہیں اس مرتبہ میں عارف مقطعات قرآنیہ کے اسرار کے فہم اور کتاب و سنت کے متشابہات کی تاویل سے فائز المرام ہوتا ہے یہ خیال نہ کریں کہ یہ تاویل ید (ہاتھ) کی قدرت اور وجہ (چہرہ) کی تاویل ذات سے کرنے کی مانند ہے کیونکہ یہ تاویل علم ظاہر سے پیدا ہوتی ہے، ان کا اسرار سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ اسرار خاصہ ہیں جو بالاصالت انبیائے کرام علیہم السلام کا حصہ ہیں اور وراثتہ صدیقین اور اولیا کو عطا کئے جاتے ہیں، اس دولت عظمیٰ تک پہنچنا دوسرے راستوں کی نسبت ولایت کی راہ سے زیادہ آسان اور اقرب ہے اور وہ سنت سنیہ کا التزام اور بدعت نامرضیہ کا اسم و رسم سے اجتناب ہے آج یہ بات مشکل معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ سارا جہاں دریائے بدعت میں غرق اور سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات سے دور ہیں۔

درجہ پنجم: آنسرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے صرف ان کمالات کی اتباع ہے جن کے حصول میں علم و عمل کا کوئی دخل نہیں بلکہ ان کمالات کا حصول محض فضل ربانی اور احسان رحمانی پر موقوف ہے یہ درجہ اس قدر بلند ہے کہ سابقہ درجات کو اس درجہ سے ادنیٰ نسبت بھی نہیں ہے۔ یہ کمالات بلاصالت اولوالعزم انبیائے عظام علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہیں ان کے طفیل بعض

اولیائے کرام کو ان کمالات سے مشرف فرمادیتے ہیں۔

درجہ ششم: آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلاۃ والسلام کے ان کمالات کا اتباع ہے جو آنسرور علیہ وعلیٰ الہ الصلاۃ والسلام کے مقام محبوبیت کے ساتھ مخصوص ہیں جس طرح درجہ پنجم میں کمالات کا فیضان محض فضل واحسان پر تھا اسی طرح اس درجہ ششم میں ان کمالات کا فیضان محض محبت پر موقوف ہے، جو کہ تفضل و احسان سے فوق ہے یہ درجہ اگرچہ بالاصالت حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے لیکن حضور اکرم ﷺ کی تبعیت میں اولیائے صدیقین میں اقل قلیل کو نصیب ہوتا ہے۔پہلے درجہ کے علاوہ متابعت کے یہ پانچ درجات مقامات عروج کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور ان کا حصول بھی صعور (عروج) سے ہی مربوط ہے،

درجہ ہفتم: متابعت کا یہ درجہ ہبوط و نزول سے متعلق ہے اور یہ درجہ سابقہ درجات کا جامع ہے کیونکہ اس مقام نزول میں تصدیق قلبی بھی ہے۔اور تمکین قلبی بھی، نفس کا اطمینان بھی اور اجزائے قالب کا اعتدال بھی ہے جو طغیان و سرکشی سے باز آگئے ہیں، سابقہ درجات گویا اس درجہ متابعت کے اجزا تھے اور یہ درجہ ان اجزا کے کل کی مانند ہے،اس درجہ میں پہنچ کر تابع متبوع کے اس قدر مشابہ ہوجاتا ہے کہ دور سے دیکھنے والا خیال کرتا ہے کہ یہ دونوں (تابع و متبوع) متحد ہوگئے ہیں اور دونون کے درمیان امتیاز ختم ہوگیا ہے کامل تابعدار وہ شخص ہے جو ان سات درجات سے آراستہ ہو۔

(رزقنا اللہ سبحانہ بحقیقتہ المتابعۃ المرضیتہ المصطوفیہ علیٰ صاحبہا الصلواۃ ولسلام والبرکۃ والتحیتہ)[441]

کیا صرف مرشد کی نظر ہی کافی ہے:

سیدی امام عبد الوھاب الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ومن شأنہ ان لا یقنع بمجرد اعتقادہ فی الشیخ ویتساھل فیما یأمرہ فیہ او ینھاہ عنہ ویقول: نظر سیدی یکفینی، فأن ذلک جھل بالطریق و قد قال بعض الصحابۃ لرسول اللہ ﷺ، أسالک مرافقتک فی الجنۃ فقال لہ ﷺ: أعنی علی نفسک بکثرۃ السجود، فلم یجبہ ﷺ الی اتکالہ علیہ دون العمل۔

مرید کی شان سے یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنے مرشد کے بارے میں محض اعتقاد پر قناعت نہ کرے کہ اس نے جس بات کا حکم دیا یا جس کام سے روکا اس میں سستی کرے اور کہے میرے آقا کی نظر ہی میرے لئے کافی ہے کیونکہ یہ بات طریقت سے جہالت ہے۔ ایک صحابی (حضرت ربیعہ بن کعب) نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا میں جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں آپ ﷺ نے ان سے فرمایا اپنے نفس پر سجدوں کی کثرت کے ساتھ میری مدد کرو۔

نبی اکرم ﷺ نے ان کو ایسا جواب نہ دیا کہ وہ اسی پر بھروسہ کرکے بیٹھ جائیں اور عمل نہ کریں۔

(یعنی حضور ﷺ کی رفاقت شریعت کے احکام کی بجاآوری سے ہے نہ کہ محض باطل اعتقاد کی بنیاد پر)[442]

دینی معاملات میں علماء سے سوال کرنا:

سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ نے فرماتے ہیں:

علیکم بسؤال العلماء عن امر دینکم، ولا تعملوا شیئا الا بعد علمکم بأنہ موافق الشریعۃ۔

---

[441] البینات شرح مکتوبات ص 478 تا 481، جلد:02، تنظیم الاسلام پبلی کیشنز

[442] الانوار القدسیہ فی معرفۃ قواعد الصوفیۃ ص ۱۹، دار الکتب العلمیۃ

تم پر لازم ہے کہ دینی معاملات میں علماء کرام سے سوال کرو اور کسی بھی بات پر اس وقت عمل کرو جب تم جان لو کہ یہ شریعت کے موافق ہے۔[443]

علم پر عمل کرنا ولایت کا سبب ہے:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علی نبیناوعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

من عمل بما علم کان ولیا حقا۔

جس نے عمل کیا اس پر جس چیز کا اسے علم تھا تو وہ سچا ولی بن گیا۔[444]

گویا علم پر عمل کرنے سے ہی ولایت نصیب ہوگی نہ کہ بغیر علم کے عمل پر اس لیے اسے اعمال کا معلوم ہی نہیں کہ قبول ہوں کہ مردود اور ظن غالب مردود کی طرف ہے اس لیئے کہ علم ہوتا تو ہی معلوم ہوتا کہ یہ عمل کس انداز ے کیا جائے گا۔

امام التصوف سیدی عبدالوھاب الشعرانی نے فرمایا:

لمن سلک طریق العارفین أن یتوب من ترک السنة کما یتوب من ترک الواجب۔

جو شخص عارفین کے طریقہ پر چلنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ سنت کے چھوٹنے پر بھی ویسی توبہ کرے جیسی کسی واجب کے چھوٹنے پر کرتا ہے۔یعنی عارفین کے طریقہ میں اتنی باریکی ہے اور وہ لوگ جو جاہل صوفی ہیں سنت تو سنت تارک فرض ہونے باوجود گمان کرتے ہیں کہ ان کا رب ان سے راضی ہے۔[445]

کامل اولیاء کی میزانیں کبھی شریعت سے خطا نہیں کرتیں:

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے فتوحات میں لکھتے ہیں:

اعلم ان موازین الاولیاء الکاملین لا تخطی الشریعة ابدا فھم محفظون من مخالفه الشریعة۔ .... اعلم أن میزان الشرع الموضوعة فی الأرض ھی ما بأیدی العلماء من الشریعة فمھما خرج ولی عن میزان الشرع المذکورة مع وجود عقل التکلیف وجب الانکار علیه۔

جان لو کہ کامل اولیاء کی میزانیں کبھی شریعت سے خطا نہیں کرتیں،وہ مخالفت شرع سے محفوظ ہیں۔ جان لو کہ میزان شرع جو اللہ عزوجل نے زمین میں مقرر فرمائی ہے وہ یہی ہے جو علمائے شریعت کے ہاتھ میں ہے تو جب کبھی کوئی ولی اس میزان شرع سے باہر نکلے اور اس کی عقل کہ مدار احکام شرعیہ میں باقی ہو،تو اس پر انکار واجب ہے۔[446]

کیا وصال حضرت الہیہ کے بعد تکالیفِ شرعیہ ساقط ہو جاتی ہیں؟

وقد سئل القاسم الجنید رضی اللہ عنه: عن قوم یقولون: بإسقاط التکالیف ویزعمون أن التکالیف انما کانت وسیلة إلی الوصول وقد وصلنا فقال رضی اللہ عنه صدقوا فی الوصول ولکن إلی سقر والذی یسرق ویزنی خیر سمن یعتقد ذالک ولو أنی بقیت ألف عام ما نقصت من اورادی شیئا الا بعذر شرعی۔

---

[443] الانوار القدسیة فی معرفة قواعد الصوفیه ص ۱۴۰، دار الکتب العلمیة

[444] تنبیة المغترین ص ۲۴، دار الکتب العلمیة

[445] الانوار القدسیه فی بیان آداب العبودیه ص 36، مکتبه الازھریة

[446] الیواقیت والجواھر فی بیان عقائد الاکابر ص 34,35 دار الکتب العلمیة

حضرت جنید رضی اللہ عنہ سے ایک قوم (جاہل صوفیوں) کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم پر سے شرعیت کی تکالیف ساقط ہوگئی ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ شرعی تکالیف محض وصول الی اللہ تک وسیلہ ہوتی ہیں کہ شرعی تکالیف الی اللہ نصیب ہوگیا۔ آپ نے فرمایاوہ سچ کہتے ہیں پہنچنے میں مگر جہنم تک۔ چور اور زانی بہتر ہیں ایسے اعتقاد سے اور اگر میں ہزار برس بھی جیوں تو کمی نہ کروں اپنے اوراد میں سے کسی چیز کی مگر عذر شرعی کی بناء پر۔[447]

بے علم مجاہدہ والوں کو شیطان انگلیوں پر نچاتا ہے:

شیخ الاسلام والمسلمین امام اہل السنۃ والجماعۃ الشاہ امام احمد رضا افغانی ثم بریلوی قدس سرہ نے فرمایا: "اولیائے کرام فرماتے ہیں جاہل صوفی شیطان کا مسخرہ ہے اسی لیئے حدیث میں آیا ہے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: "فقيه واحد أشد على الشيطان من ألف عابد" ایک فقیہ شیطان پر ہزاروں عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ بے علم مجاہدہ والوں کو شیطان انگلیوں پر نچاتا ہے منہ میں لگام، ناک میں نکیل ڈال کر جدھر اسے کھینچے پھرتا ہے۔ "وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا" اور وہ اپنے جی میں سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا کام کررہے ہیں"۔[448]

الحب فی اللہ و البغض فی اللہ:

حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اذا وجدت فی قلبک بغض شخص او حبہ فاعرض افعالہ علی الکتاب و السنۃ فان کانت محبوبۃ فیھما فأحبہ و إن کانت مکروھۃ فاکرھہ لئلا تحبہ بھواک, و تبغضہ بھواک قال تعالیٰ: "و لا تتبع الھویٰ فیضلک عن سبیل اللہ:

جب تو اپنے دل میں کسی کا بغض یا کسی کی محبت پائے تو اسے قرآن و سنت پر پیش کر۔ اگر ان میں (قرآن و سنت میں) پسندیدہ ہوں تو اس سے صحبت رکھ اور اگر ان میں (قرآن و سنت میں) ناپسند ہوں تو تو بھی اسے ناپسند جان۔ تاکہ اپنی خواہش سے نہ کسی کو دوست رکھ نہ دشمن۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: خواہش کی پیروی نہ کر کہ تجھے بہکادے گی خدا کی راہ۔[449]

تمام علوم کا مرکز:

سیدی عارف باللہ ابراہیم الدسوقی القرشی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الشریعۃ اصل و الحقیقۃ فرع فالشریعۃ جامعۃ لکل علم مشروع۔

شریعت اصل ہے اور حقیقت فرع ہے پس شریعت تمام علوم کا مرکز ہے۔[450]

ہر صوفی فقیہ ہوتا ہے:

عارف باللہ امام التصوف سیدی عبد الوہاب الشعرانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

قد أجمع القوم علی أنہ لا یصلح للتصور فی طریق اللہ عز و جل الا من تبحر فی علم الشریعۃ و علم منطوقھا و مفھومھا

---

[447] الیواقیت و الجواھر فی بیان عقائد الاکابر ص ۲۰۶، دار الکتب العلمیۃ
عوارف المعارف ص: 52 دار الکتب العلمیۃ
[448] فتاویٰ رضویہ جلد ۱۷ ص ۱۳۶ دار اہل السنۃ
[449] الطبقات الکبریٰ للشعرانی، ترجمہ سید عبد القادر الحنبلی ص ۱۸۸، ۱۸۷ دار الکتب العلمیۃ
[450] الطبقات الکبریٰ للشعرانی، حضرت ابراھیم الدسوقی، ص ۲۳۵، دار الکتب العلمیۃ

و خاصها، و عامها ناسفها و نسوفها و تبحر فی لغۃ العرب حتیٰ عرف مجازات و استعاراتها، و غیر ذالک فکل صوفی فقیه و لا عکس۔

یقیناً صوفیاء کرام کی جماعت کا اس بات پر اجماع ہے کہ وہ شخص طریقت میں صدر بننے کے لائق نہیں مگر وہ جو علم شریعت کا سمندر ہو اور اس کے منطوق، مفہوم، خاص، عام، ناسخ، منسوخ کا علم رکھتا ہو اور لغۃ العرب کا ماہر ہو یہاں تک کہ اس کے مجازات اور استعارات وغیرہ جانتا ہو پس ہر صوفی فقیہ ہوتا اور اس کا عکس نہیں۔ (ہر فقیہ صوفی نہیں ہوتا)[451]

اللہ سے محبت کرنے والے کی علامت:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی

حضرت ذوالنون مصری قدس سرہ نے فرماتے ہیں:

علامات المحب للہ عز و جل متابعۃ حبیب اللہ ﷺ فی اخلاقہ و افعالہ و اومرہ و سننہ

اللہ سے محبت کرنے والے کی علامات میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ اللہ کے حبیب ﷺ کے اخلاق مبارکہ افعال حکم اور سنتوں میں آپ ﷺ کی اتباع کرے۔[452]

ظاہر میں خلاف سنت باطن میں ریا کی علامت ہے:

سیدی ابو عثمان سعید بن اسماعیل الحبری قدس سرہ فرماتے ہیں:

خلاف السنۃ یا بنی فی الظاھر علامۃ، ریاء فی الباطن

اے میرے بیٹے ظاہر میں خلاف سنت باطن میں ریا کی علامت ہے۔[453]

جو شریعت کا امین نہیں وہ طریقت کا بھی امین نہیں ہو سکتا:

حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ ایک شخص سے ملاقات کے لیئے گئے جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ کامل اللہ کا ولی ہے آپ اس کی مسجد میں اس کے آنے کا انتظار فرماتے رہے جب وہ آیا تو اس نے مسجد میں ہی گلا صاف کرکے بلغم مسجد میں پھینک دیا۔ جس پر آپ مبارک نے اس سے سلام تک نہ کیا اور فرمایا: **ھذا رجل غیر مأمون علی ادب من آداب الشریعۃ، فکیف یکون أمینا علی اسرار الحق۔** یعنی یہ شخص تو آداب شریعہ میں کسی ایک ادب کا بھی امین نہیں تو یہ کیسے حق کے اسرار کا امین ہو سکتا ہے۔[454]

شریعت و طریقت دو راہیں متبائن نہیں:

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اھل السنۃ امام احمد رضا خان افغانی ثم بریلوی المختار قدس سرہ لکھتے ہیں: شریعت و طریقت دو راہیں متبائن نہیں (کہ ایک دوسرے سے جدا اور ایک دوسرے کے خلاف ہوں) بلکہ بے اتباع شریعت خدا تک وھو محال۔ شریعت تمام احکام جسم و جان و روح و قلب و جملہ علوم الٰہیہ و معارف نامتناہیہ کو جامع ہے، ولہذا باجماع قطعی جملہ اولیائے کرام کے تمام حقائق کو

---

[451] الطبقات الکبریٰ، مقدمۃ الکتاب، ص ۱۰، دار الکتب العلمیۃ
[452] الرسالۃ القشیریۃ ترجمہ ابو الفیض ذو النون المصری ص ۱۱، دار الاسلام
[453] الرسالۃ القشیریہ ترجمہ ابو عثمان سعید بن اسماعیل الجبری ص ۲۴، دار السلام
[454] الرسالۃ القشیریۃ، باب ولایۃ ص ۱۶۱، دار السلام۔ عوارف المعارف ص: 37

شریعت مطہرہ پر غرض کرنا فرض ہے، اگر شریعت کے مطابق ہوں حق و قبول ہیں ورنہ مردود۔[455]

طریق صوفیہ دو اصولوں پر ہے:

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے میر محمد نعمان کی طرف خط ارسال فرمایا:

هذا الطريق على اصلين الاستقامة على الشريعة على حد لا ينبغى ان يرضى بترك ادنى آدبها و رسوخ محبة شيخ الطريقة و الثبات عليها و الاخلاص على نهج لا يبقى مجال الاعتراض عليه اصلا بل يكون جميع و حركاته و سكناته مستحسنة و محبوبة فى نظر المريد۔

یہ طریق دو اصولوں پر ہے۔ ایک شریعت پر اس حد تک استقامت اختیار کرنی چاہیئے کہ اس کے چھوٹے سے چھوٹے آداب کو بھی ترک کرنے پر راضی نہ ہوں، اور دوسرا شیخ طریقت کی محبت اور اخلاص پر اس طرح راسخ اور ثابت قدم ہوں کہ اس پر کسی قسم کا اعتراض نہ کریں۔ بلکہ اس کے تمام حرکات و سکنات مرید کی نظر میں مستحسن اور محبوب ہوں۔[456]

شرعی احکام میں مبتدی و منتہی مساوی ہیں:

سیدی ممدوح قدس سرہ نے شیخ بدیع الدین رحمہ اللہ کی طرف خط ارسال فرمایا جس میں آپ نے قرآن کریم کے محکمات اور متشبہات اور علماء راسخین کے کمالات کو بیان فرمایا:

فان كل حكم شرعى ثابت للمبتدى فهو ثابت ايضا للمنتهى و عامة المؤمنين و اخص الخواص من العارفين سواسية فى هذا المعنى متساوية الاقدام فيه لا فرق بين شخص و شخص و المتصوفة القاصرون و الملاحدة الخائبون فى صدد اخراج رقابهم من ربقة الشريعة متخيلين بان الحكام الشريعة مخصوصة بالعوام و اما الخواص فهم مكلفون بالمعرفة فقط كما انهم يعتقدون من جهلهم ان الامراء و السلاطين ليسوا مكلفين بغير العدل و الانصاف و يقولون ان المقصود من اتيان الشريعة حصول المعرفة فاذا حصلت المعرفة سقطت التكاليف الشرعية و يستشهدون فى اثبات مدعاهم بقوله تعالىٰ و اعبد ربك حتى ياتيك اليقين اى بالله كما قال سهل التسترى يعنى انتهاء العبادة حصول معرفة الحق سبحانه۔ و الظاهر ان مراد من فسر اليقين بكونه بالله هو كون انتهاء الكلفة فى العبادة حصول معرفة الحق، جل و علا، لا انتهاء نفس العبادة فان ذالك مفض الى الالحاد و الزندقة و هم يزعمون ايضًا ان عبادة العارفين، ريائية فانهم يعلمون مايعلمون من الطاعة و العبادة ليقتدئ بهم فى ذالك المبتدؤن و اتباعهم لا لكونهم محتاجين اليها و ينقلون فى تاييد هذا القول اقوالا عن المشائخ حيث قالوا ما لم يكن الشيخ منافقًا و مرائيًا لا ينتفع به المريد خذلهم الله سبحانه ما اجهلهم و احتياج العارفين الى العبادة على نهج ليس فى المريدين عشرة فان عروجاتهم مربوطة بالعبادة و ترقياتهم منوطة باتيان الاحكام الشرعية و مايتوقع للعلوم غداً من ثمرات العبادة فهو حاصل للعارفين اليوم فهم اذا احقاء بالعبادة و احوج الى ايتان الاحكام الشرعية عن غيرهم ينبغى ان يعلم ان الشريعة عبارة عن مجموع الصورة و الحقيقة فالصورة ظاهر الشريعة و الحقيقة باطن الشريعة فالقشر و اللب كلاهما من اجزاء الشريعة۔

پس بے شک تمام حکم شرعی جو ثابت ہیں مبتدی پر وہی ثابت ہیں منتہی پر عام مؤمنین اور اخص الخواص عارفین اس حکم میں مساوی اور برابر ہیں اور (جاہل) صوفی اور بے سروسامان ملحد اس چیز کے درپے ہیں کہ اپنی گردنوں کو شریعت کی اطاعت سے نکال لیں۔ اور احکام شرعیہ کو عوام کے ساتھ ہی مخصوص رکھیں۔ یہ لوگ خیال رکھتے ہیں کہ خواص صرف معرفت ہی کے مکلف ہیں۔ جیسے کہ اپنی

---

[455] اعتقاد الاحباب فى الجميل و المصطفىٰ و لآل و الاصحاب، ص ۱۶۵، مكتبة المدينة دعوت اسلامى

[456] المكتوبات الربانية مكتوب ۲۲۸، ج ۱ ص ۳۳۴ دار الكتب العلمية

جہالت کے باعث امیروں اور بادشاہوں کو عدل و انصاف کے سوا اور کسی چیز کے ساتھ مکلف نہیں جانتے اور کہتے ہیں کہ شریعت کے احکام بجالانے سے مقصود یہ ہے کہ معرفت حاصل ہو جائے۔ اور جب معرفت حاصل ہو جائے تو پھر شرعی تکالیف ساقط ہو جاتی ہیں۔ اور اس آیت کو بطریق شہادت پیش کرتے ہیں۔ وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَأْتِیَکَ الْیَقِینُ (الحجر ۹۹) اپنے رب کی عبادت کر حتیٰ کہ تجھے یقین حاصل ہو جائے اور یقین کے معنیٰ "اللہ" مراد ہیں۔ جیسے کہ سہل تستری رحمہ اللہ نے کہا۔ یعنی عبادت کی انتہا خدا کی معرفت حاصل ہونے تک وہی ہے۔ بظاہر جس شخص نے یقین کے معنیٰ اللہ سبحانہ کے کئے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہو گی کہ عبادت کی تکلیف کی انتہا حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جانے تک پہنچانے والا ہے۔ اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ عارفوں کی عبادت رہائی ہے۔ یعنی عارف اس وجہ سے عبادت کرتے ہیں کہ ان کے مقتدی اور متبعین ان کی اقتداء کریں۔ نہ یہ کہ عارف عبادت کے محتاج ہیں۔ اور اس قول کی تائید میں مشائخ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ جب تک شیخ منافق اور ریاکار نہ ہو مرید اس سے نفع حاصل نہیں کر سکتے۔

"اللہ تعالیٰ ان کو خوار کرے یہ لوگ کیسے جاہل ہیں" عارفوں کو عبادت کی اس قدر حاجت ہے کہ اس کا دسواں حصہ بھی مبتدیوں کو حاصل نہیں کیونکہ ان کے عروج عبادات پر ہی منحصر ہیں۔ اور ان کی ترقیاں شرائع اور احکام کے بجالانے پر منحصر ہیں۔ عبادات کے ثمرے اور فائدے جن کی توقع عوام کو کل قیامت کے دن ہے عارفوں کو وہ ثمرات آج ہی حاصل ہیں۔ پس یہ عبادت کے زیادہ مستحق ہیں اور ان کو شریعت کی بہت زیادہ حاجت ہے۔ جاننا چاہیئے کہ شریعت صورت اور حقیقت کے مجموعہ سے مراد ہے۔ صورت ظاہر شریعت اور حقیقت باطن شریعت پس قشر ولب یعنی پوست و مغز دونوں شریعت کے اجزاء ہیں۔

صاحب ممدوح رحمہ اللہ نے اسی مکتوب شریف میں دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

وبالجملة ان الكمالات الصورية والمعنوية منحصرة عند هؤلاء الاكابر فى الكمالات الشرعية۔

مجملہ تمام ظاہری و باطنی کمالات ان بزرگواروں کے نزدیک کمالات شرعیہ میں منحصر ہیں۔[457]

از ابتداء تا انتہاء بغیر شریعت چارہ نہیں:

امام ربانی قدس سرہ نے مرزا شمس الدین کی طرف خط ارسال فرمایا کہ اس بیان میں کہ از ابتداء تا انتہاء شریعت کے بغیر چارہ نہیں۔

ولا يغلطن هنا شخص فيقول انه قد حصل فى هذا الموطن الاستغناء عن صورة الشريعة وحقيقتها ولم يبق الاحتياج الى اتيان الاحكام الشرعية لانا نقول ان الشريعة اصل هذا الامر وأساس هذه المعاملة وكل مايتعالى الشجر او يتطاول البنيان ويبنى فوقه القصور والايوان لا يستغنيان عن الاصل والاساس ولا يزول عنهما الاحتياج الذاتى فان البيت العلو مثلا كل ما كان أرفع وأعلىٰ لا يكون له بد من البيت السفل ولا يزول احتياجه عنه اصلا فان طرأ الخلل فى السفل فرضاً يؤثر ذالك الخلل فى العلو ايضا ويستلزم زوال السفل زوال العلو فالشريعة لازمة فى جميع الحال وجميع الوقت وكل شخص محتاج الى اتيان احكامها۔

یہاں کوئی شخص غلطی نہ کھائے اور کہے کہ اس مقام میں صورت شریعت اور حقیقت شریعت سے بے نیازی حاصل ہو جاتی

---

[457] المکتوب نمبر 276، جلد 02، ص 111، ۱۱۰ دار الکتب العلمیة

ہے۔ اور احکام شرعیہ کے بجالانے کی ضرورت باقی نہیں۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ شریعت اس کام کی اصل اور اس معاملہ کی بنیاد ہے۔ درخت چاہیے کتنا ہی اونچا اور بلندی میں چلا جائے اور دیوار چاہے کتنی ہی بلندی میں چلی جائے اور محلات بلند اس پر تعمیر کئے جائیں۔ اصل اور بنیاد سے بے نیازی نہیں ہو سکتی اور اس کی ضرورت سے وہ بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ مثلاً ایک بلند مقام چاہے کتنی بھی بلندی پیدا کرے اور پستی سے دور چلا جائے۔ نیچے والے مکان سے بے نیاز نہیں ہو سکتا اور نیچے والے مکان سے اس کی محتاجی زائل نہیں ہو سکتی اور اگر نیچے والے مکان میں خرابی پیدا ہو تو وہ خرابی اوپر کے مکان میں بھی اثر کرے گی اور نیچے والے کا زوال اوپر والے زوال کا باعث بنے گا۔ بس شریعت ہر وقت اور ہر حال میں درکار ہے اور اس کے احکام کی بجا آوری کے سب محتاج ہیں۔ (کہ شریعت ہی اصل الاصول ہے)[458]

امام شافعی قدس سرہ کی نصیحت:

فقیھا و صوفیا فکن لیس واحدا   فانی و حق اللہ ایاک انصح
فذالک قاس لم یذق قلبہ تقی   و ھذا جھول کیف ذو الجھل یصلح

فقیہ اور صوفی دونوں بن ان میں سے ایک نہ بن میں تمہیں اللہ کے لیئے یہ نصیحت کرتا ہوں۔ (اس لیے کہ) فقیہ سخت گیر، اس کا قلب تقویٰ کی حلاوت سے نا آشنا اور جاہل صوفی یہ جہالت والا کیسے اصلاح کرے گا۔[459]

کیا سند خلافت ہی کافی ہے؟

بعض لوگ جو صرف سند طریقت پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور شریعت کی رسی کو چھوڑ دیتے ہیں۔ بحر العلوم سید عبد الحق شاہ الحنفی الترمذی السیفی ایسے لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ارشاد خط یا سند اجازت تو مشائخ کرام کی عادات میں سے ہیں، اگرچہ مفید و باعث برکت ہے مگر کمال کا حصول اس کے ساتھ وابستہ نہیں۔ کمال و تکمیل سنت مصطفیٰ ﷺ کی ظاہرا و باطنا کامل پیروی شیخ کامل و مکمل کی محبت، اخلاص محبت و رابطہ قلبی اور تزکیہ نفس پر اپنی اپنی استعداد و قابلیت کے مطابق موقوف ہے۔[460]

مجالس صوفیاء:

حضرت عطاء خراسانی قدس سرہ نے مجالس صوفیاء کے بارے میں فرمایا:

مجالس الذکر مجالس الحلال و الحرام کیف تشتری و کیف تبیع و تصلی و تصوم و تنکح و تطلق و تحج۔

صوفی کا حلقہ وہ ہوتا ہے جہاں حلال و حرام کو بیان کیا جاتا ہے۔ یہ بتایا جاتا ہے کہ کونسا سودا جائز اور کونسا سودا ناجائز۔ اور کسے نماز پڑھنی ہے اور کیسے روزہ رکھنا ہے۔ نکاح کے مسائل کیا ہے اور طلاق کے مسائل کیا ہیں۔ اور حج کیسے کرنا ہے۔[461]

یعنی صوفی کی مجلس شرعی احکام سے خالی نہیں ہوتی اور نہ ہی شریعت سے ماوراء کوئی اور مجلس منعقد ہوتی ہے۔ بلکہ اس میں تو

---

[458] المکتوب 363 جلد ۲ ص ۷۴۴ دار الکتب العلمیة

[459] دیوان امام شافعی ص ۲۲

[460] الفیض العام فی تربیة سیدنا و قدو تنا سیف الرحمن علیہ رحمة الرحمن ص ۴۲

[461] رسالہ المسترشدین ص 117، دار البشائر

بیان شریعت ہی ہوتا ہے اس لئے کہ اصل یہی ہے۔

چار گواہ:

امام العارفین حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

علم تصوف چار سلک پر منسلک ہے:

پہلا گواہ: سلک سلوک تصوف میں حقائق نکات سے ہے جس کا تعلق شریعت سے ہے۔

دوسرا گواہ: سلک سلوک تصوف میں بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے۔اس کا مقام مقامِ طریقت سے ہے۔

تیسرا گواہ: سلک سلوک تصوف میں حقائق سے ہے جس کا تعلق مقامِ حقیقت سے ہے۔

چوتھا گواہ: سلک تصوف میں توحید سے ہے۔جس کا تعلق مقامِ معرفت سے ہے۔[462]

متصوفین:

شیخ شہاب الدین السہروردی قدس سرہ لکھتے ہیں:

فقوم من المفتونین لبسوا لبسة الصوفیة لینتسبوا بھا الی الصوفیة وماھم من الصوفیة بشئ بل ھم فی غرور غلط یزعمون ان ضمائرھم خلصت الی اللہ تعالیٰ ویقولون ھذا ھو الظفر بالمراد والارتسام بمراسم الشریعة رتب العوام۔

شریعت کے فطری اعتدال سے نکلے ہوئے کچھ لوگ صوفیاء کرام کی وضع قطع اختیار کر کے صوفیت کی طرف خود کی منسوب کرتے ہیں جبکہ در حقیقت صوفیاء کے ساتھ ان کا کوئی واسطہ نہیں بلکہ وہ اس گھمنڈ میں مبتلا ہیں کہ ہمارے دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ بلاواسطہ مربوط ہو چکے ہیں جو اصل مقصد کی کامیابی ہے اور شرعی احکام کی پابندی عوام کا درجہ ہے۔[463]

سیدی شیخ التصوف الامام عبد الوھاب الشعرانی نوراللہ مرقدہ لکھتے ہیں:

واعلم ان طریق القوم علیٰ وفق الکتاب والسنة من خالفھما خرج عن الصراط المستقیم، کما قال سید الطائفة ابو القاسم الجنید رضی اللہ عنہ فلاتظن أنھم کانوا کحال غالب المنسوبین الی التصوف فی ھذاالزمان فتسئ الظن بھم، انھم کانوا رضی اللہ عنھم عالمین بأسرار الشریعة صائمین قائمین زاھدین ورعین خائفین وجلین کما یعلم ذالک من تراجمھم وطبقاتھم وانما انکر من انکر علی المتشبھین بالمتشبھین بالمتشبھین بالمتشبھین بالمتشبھین بالمتشبھین۔ست مرات منھم، فکل قرن بالنسبة لمن قبلہ یصح علیہ الانکار اذاادعی أنہ علی طریقة من کان قبلہ لأن الناس لمیزالوا راجعین القھقری والیہ الاشارة بقولہ ﷺ "خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم" الحدیث

اور جان لو کہ قوم صوفیہ کا طریقہ کتاب وسنت پر ہے پس جو کوئی بھی کتاب وسنت کی مخالفت کرے وہ اس سیدھے راستے سے نکل گیا جیسا کہ سید الطائفہ حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پس تم یہ گمان کبھی نہ کرنا کہ حضرات صوفیہ کی حالت آج کل کے مدعیان تصوف جیسی تھی بلکہ وہ حضرات رضی اللہ عنہم اسرار شریعت کے جاننے والے روزہ رکھنے والے، راتوں کو جاگنے والے، زاہد متقی، خوف وخشیت رکھنے والے تھے جیسا کہ ان کی سوانح اور تواریخ سے معلوم ہوتا ہے اور جو لوگ (ان حضرات قدسیہ پر) انکار کرتے ہیں وہ ان

---

[462] فضل اللقآء، ص 123، پروگریسو بکس

[463] عوارف المعارف، ص 51، دار الکتب العلمیة

لوگوں پر انکار کر رہے ہیں جو کہ چھوٹے درجہ میں ان کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ کیونکہ ہر قرن کو پہلے قرن کے ساتھ نسبت کر کے اس پر انکار کرنا درست ہے (اس لیئے کہ دونوں کی حالت میں زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا) جب کہ وہ یہ دعوے کرے کہ میں بالکل پہلے قرن کے طریقہ پر ہوں کیونکہ لوگ ہمیشہ پہلی حالت سے پیچھے ہی ہٹتے رہتے ہیں اور حضور ﷺ کا ارشاد مبارک "تمام قرون میں بہترین قرن میرا ہے پھر اس کے بعد والا پھر اس کے بعد والا" میں اسی طرف اشارہ ہے۔[464]

سنتِ نبوی ﷺ کی اہمیت:

عن بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ من احیی سنۃ من سنتی قد امیتت بعدی فان لہ من الاجور مثل اجور من عمل بھا من غیر ان ینقص من اجورھم شیئا۔

حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جس نے زندہ کیا میری سنتوں میں سے کسی ایک سنت کو جو کہ ختم ہو چکی ہو میرے بعد، بے شک ہر اس شخص جتنا ثواب جو اس پر عمل کرتا ہے، کم ہوئے بغیر اس کو بھی عطا ہو گا۔[465]

عن انس رضی اللہ عنہ قال: قال لی رسول اللہ ﷺ یا نبی ان قدرت ان تصبح و تمسی و لیس فی قلبک غش لاحد فافعل ثم قال: یابنی و ذلک من سنتی و من احب سنتی فقد احبنی و من احبنی کان معی فی الجنۃ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے میرے بیٹے! اگر تیرے بس اور طاقت میں ہو کہ جب تو صبح و شام کرے اور تیرے دل میں کسی کے لئے کینہ نہ ہو، تو یہ کام کر۔ پھر فرمایا اے میرے بیٹے، یہ میری سنتوں میں سے ہے۔ اور جو میری سنتوں سے محبت کرتا ہے، تحقیق اس نے مجھ سے محبت کی، اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہو گا۔[466]

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شھید۔

جس نے میری سنت کو پکڑ لیا میری امت کے فساد کے وقت، تو اس کے لئے سو (۱۰۰) شہداء جتنا ثواب ہے۔[467]

عن کثیر بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف بن زید بن ملحۃ عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ عنھم عن النبی ﷺ انہ قال: ان الدین بدأ غریبا و یرجع غریبا فطوبا للغرباء الذین یصلحون ما افسد الناس من بعدی من سنتی۔

---

[464] الانوار القدسیۃ فی بیان آداب العبودیۃ ص ۳۹، دار الکتب العلمیۃ

[465] (الاعتصام للشاطبی ۳۰-۱، ۶۷، ۷۹، ۱۸۳، ۱۸۳، تفسیر الثعالبی ۴۲-۲، سنن ابن ماجہ ۱۶۳-۱، مسند البزار ۳۱۲-۸ رقم الحدیث ۳۳۸۵، المعجم الکبیر للطبرانی ۱۱-۲۰۳۵، رقم ۱۳۶۸۸، تحفۃ الاحوذی ۶۷۶-۴ رقم ۲۴۰۱، شرح السنۃ للامام البغوی ۲۳۳۵-۱ رقم ۲۳۳، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ۱۳-۲ رقم ۱۱۹۵، کنز العمال ۱۷۹-۱ رقم ۹۰۷، الزواجر عن اقتراف الکبائر ۲۵۱-۱، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ ۱۲۵-۲، مشکوۃ شریف ۴۷-۱، رواہ الترمذی)

[466] (مشکوۃ شریف ۴۹-۱، الاعتصام للشاطبی ۱۵-۱، مجمع الزوائد ۳۳۸-۱ رقم ۱۶۷۰، کنز العمال ۹۱۶-۱۵ رقم ۶۳۵۷۵، الاحکام الکبریٰ ۳۰۴-۱، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ ۲۵-۲، سبل الھدی و الرشاد فی سیرۃ خیر العباد ﷺ ۲۲۳-۱۱)

[467] (الابانۃ الکبریٰ ۳۰۹-۱، الزھد الکبری للبیھقی ۲۲۱-۱، الکامل فی ضعفاء الرجال ۳۲۷-۲، الترغیب و الترھیب ۴۱-۱، الانوار فی شمائل النبی المختار ﷺ ۲۱۳-۱، تاریخ الاسلام للذھبی ۱۱۸-۱۵، مشکوۃ شریف ۴۹-۱)

کثیر بن عبد اللہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک دین غریب شروع ہوا تھا، اور دوبارہ غریب ہو جائے گا، خوشحالی ہو غرباء کے لئے جو اصلاح کریں میری ان سنتوں کی جو میرے بعد لوگوں نے فاسد کر دی ہوں۔[468]

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ ﷺ ما من نبی بعثہ اللہ فی امتہ قبلی الا کان لہ من امتہ حواریون واصحاب یأخذون بسنتہ ویقتدون بامرہ ثم انہا تخلف من بعدہم خلوف یقولون ما لا یفعلون ویفعلون مالا یؤمرون فمن جاھدھم بیدہ فھو مؤمن ومن جاھدھم بقلبہ فھو مؤمن ولیس وراء ذلک من الایمان حبۃ خردل۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نہیں کوئی نبی جو اللہ نے بھیجا ہو اپنی امت میں مجھ سے قبل، مگر ان کی امت میں ان کے لئے مددگار اور دوست تھے جنہوں نے پکڑ کے رکھا ان کے طریقے اور ان کی اقتداء کو، پھر اس کے بعد پیدا ہوئے نااہل لوگ جو کہتے تھے وہ باتیں جن پر خود عمل نہیں کرتے تھے۔ پس جس نے جہاد کیا ہاتھوں کے ساتھ ان لوگوں کے خلاف، تو وہ مؤمن ہے۔ اور جس نے جہاد کیا زبان کے ساتھ وہ بھی مؤمن ہے۔ اور جس نے جہاد کیا ان کے خلاف قلب کے ساتھ، تو وہ بھی مؤمن ہے۔ اس کے علاوہ رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں۔[469]

حضرت امامِ ربّانی مجدّد الفِ ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سنتِ نبوی ﷺ کی پیروی کی اہمیت پر مکتوب تحریر فرماتے ہیں: "حق سبحانہ وتعالیٰ ہم بے سروسامان مفلسوں کو حضرت سید المرسلین اولین وآخرین علیہ الصلوۃ والسلام کی متابعت کی دولت سے مشرف فرمائے اور اس پر استقامت نصیب کرے۔ **آنحضرت علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلمات اکملہا۔** (ایسی عظیم المرتبت ہستی ہیں کہ ان) کی دوستی کے طفیل حق تعالیٰ اپنے اَسمائی وصفاتی کمالات کو ظہور میں لایا اور آپ (ﷺ) کو بہترین مخلوق بنا کر پیدا کیا۔ آپ ﷺ کی پسندیدہ متابعت کا ایک ذرہ تمام دنیاوی لذات اور اخروی تنعمات سے مرتبہ میں کہیں بڑھ کر ہے۔ تمام فضیلت آنحضرت ﷺ کی روشن سنت کی تابعداری پر وابستہ ہے اور تمام بزرگی احکام شریعت کی بجا آوری پر منحصر ہے۔ مثلاً دوپہر کا سونا (قیلولہ) اگر اتباع سنت کی نیت سے ہو تو کروڑوں شب بیداریوں سے جو آنحضرت ﷺ کی متابعت میں نہ ہوں، اولیٰ وافضل ہے۔ اسی طرح عید الفطر کے دن میں کھانا (یعنی روزہ نہ رکھنا) جس کا شریعت مصطفوی میں حکم ہے، خلاف شریعت تمام عمر روزے رکھنے سے افضل ہے اور شارع علیہ السلام کے حکم کے مطابق ایک چیتل (دام، پیسہ) دینا اپنی خواہش سے سونے کے پہاڑ خرچ کرنے سے بہتر وافضل ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز صبح کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد صحابہ کی طرف دیکھا تو ان میں سے ایک شخص کو حاضر نہ پایا۔ دریافت کرنے پر حاضرین نے عرض کی کہ وہ تمام رات عبادت کرتا رہا شاید اس وقت آنکھ لگ گئی ہو۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر وہ شخص تمام رات سوتا رہتا اور صبح کی نماز باجماعت ادا کر لیتا تو بہتر تھا۔

گمراہ لوگوں نے اگرچہ ریاضتیں اور مجاہدے بہت کئے ہیں لیکن چونکہ وہ شریعتِ حقہ کے موافق نہیں ہیں، اس لئے بے اعتبار اور بے حیثیت ہیں۔ اگر ان اعمال شاقہ پر کچھ اجر ثابت بھی ہو تو وہ صرف بعض دنیوی منافع پر منحصر ہے، جب پوری دنیا ہی کچھ حیثیت

---

[468] (مشکوۃ شریف ٦٤-١، حدیقۃ الندیۃ ١٠٩-١، الاعتصام للشاطبی ١٨-١، تفسیر ابن ابی حاتم ٢٩٩٠-٩، سورۃ قصص، تفسیر قرطبی ١٦٠-١٦ سورۃ الدخان تفسیر ابن کثیر ٢٤-٣، صحیح مسلم ٩٠-١، مسند احمد ٣٩٨-١، صحیح ابن حبان ٩٩-١، مسند البزار ٣٢٣-٣، مسند ابی یعلی ٩٩-٢، المعجم الکبیر للطبرانی ٤٤٨-٥)

[469] (مشکوۃ شریف ٤-١، ایضا رواہ مسلم فی صحیح ٥٠-١، مسند البزار ٢٨١-٥، السنن الکبری للبیھقی ٩٠-١٠، مسند ابی عوانۃ ٦٣-١، الدیباج علی مسلم ٤٥-١، کنز العمال ٤٩-٣ رقم ٥٥٣٢، حجۃ اللہ البالغۃ ٣٤٢-١، مختصر تاریخ دمشق ٣٠-٥، تفسیر روح البیان ٢٤٦-٥، صحیح ابن حبان ٢٠٣-١)

نہیں رکھتی تو اس کے کسی منافع کا کوئی کیا اعتبار کرے۔ ان کی مثال ایسا خاکروب کی طرح ہے جس کی محنت سب سے زیادہ اور مزدوری بہت کم ہے اور شریعت کے تابعداروں کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو قیمتی جواہرات اور عمدہ عمدہ ہیروں کے ساتھ کام کرتے ہیں کہ ان کا کام بہت تھوڑا اور مزدوری بہت زیادہ ہے۔ سنت کے موافق ایک ساعت کا عمل ہو سکتا ہے کہ اجر میں ایک لاکھ برس کے نیک عمل کے برابر ہو۔ اس میں راز یہ ہے کہ جو عمل شریعت کے موافق ہوتا ہے وہ حق تعالیٰ کا پسندیدہ ہوتا ہے اور جو خلافِ شریعت ہوتا ہے وہ (حق تعالیٰ کا) ناپسندیدہ۔ پس ناپسندیدہ اعمال کی صورت میں ثواب کی کہاں گنجائش ہے بلکہ عذاب متوقع ہے۔ اس حقیقت کی عالم مجاز میں نظیر موجود ہے جو تھوڑی سی توجہ سے واضح طور پر سمجھ میں آجاتی ہے۔ بیت:

ہر چہ گیرد علتی علت شود　　　　کفر گیرد کاملے ملت شود

ہر چیز ہے مضر جو کبھی ساتھ دے مریض　کافرولی ہے اس کو پکڑلے اگر ولی

پس تمام سعادتوں کا سرمایا سنت کی پیروی ہے اور تمام فسادات کی جڑ شریعت کی مخالفت کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو سید المرسلین علیہ و علیہم آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت پر ثابت قدم رکھے۔ والسلام۔[470]

ترک سنت پر وعید:

قال اللہ تعالیٰ: فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم (نور ۶۳) ضرور ڈریں وہ لوگ جو مخالفت کرتے ہیں (نبی کریم ﷺ کے) امر کی، یا تو انہیں فتنہ پہنچے گا، یا دردناک عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے۔

قال النبی ﷺ یجئ قوم یمیتون سنۃ ویدغلون فی الدین فعلی اولئک لعنۃ اللہ و لعنۃ اللاعنین و الملائکۃ و الناس اجمعین۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک قوم آئے گی جو میری سنتوں کو ختم کریں گے۔ اور دین میں دھوکے کریں گے تو ایسے لوگوں پر اللہ کی لعنت ہو اور لعنت کرنے والوں کی اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔[471]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو سنتِ نبوی ﷺ سے عشق:

یہ فقیر اپنی موجودہ حالت کے متعلق لکھتا ہے کہ بہت مدت تک علوم و معارف اور احوال و مقامات برسات کی بارشوں کی طرح مجھ پر وارد ہوتے رہے ہیں اور جو کام کرنا چاہیئے تھا وہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ہو گیا۔ اب اس کے سوا اور کوئی آرزو باقی نہیں رہی کہ حضور نبی کریم ﷺ کی سنتوں میں سے کوئی سنت زندہ کی جائے اور احوال و مواجید اہل ذوق کے سپرد ہیں، آپ کو چاہیئے کہ باطن کو خواجگان قدس سرہم کی نسبت سے معمور رکھیں اور ظاہر کو نبی کریم ﷺ کی تابعداری سے پوری طرح آراستہ و پیراستہ رکیں۔

کار این ست و غیر ایں ہمہ ہیچ

---

[470] (مکتوب ۱۱۴، جلد اول)

[471] تفسیر روح البیان ۶ -۳-۷

نمازِ پنجگانہ اول وقت میں ادا کریں سوائے موسمِ سرما کی نمازِ عشا کے کہ اس میں رات کے تیسرے حصے تک تاخیر کرنا مستحب ہے، فقیر اس امر میں بے اختیار ہے نہیں چاہتا کہ نماز کے ادا کرنے میں سرِ مو تاخیر ہو اور بشریت کا عجز اس سے مستثنیٰ ہے۔[472]

مستحبات کی اہمیت:[473]

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوْا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ O

(اے مسلمانو!) تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنھوں نے اللہ (کے احکام) سے بے پروائی کی (یعنی عمل بالاحکام کو ترک کر دیا اس طرح کہ اوامر کے خلاف کیا اور نواہی کا ارتکاب کیا، سو اس کا اثر یہ ہوا کہ) اللہ تعالیٰ نے خود ان کی جان سے ان کو بے پرواہ بنادیا (یعنی ان کی ایسی عقل ماری گئی کہ خود اپنے نفع حقیقی کو نہ سمجھا اور نہ حاصل کیا) یہی لوگ نافرمان ہیں (اور نافرمانی کی سزا بھگتیں گے)۔[474]

ضروری تمہیدی باتیں: یہ ایک مختصر سی آیت ہے سورۂ حشر کے اخیر کی، اس کے اندر دوسری آیتوں کی طرح ایک نہایت ضروری مضمون بیان فرمایا گیا ہے۔

مستحبات کی اہمیت: قرآن پاک کا تو ہر ہر جز ضروری ہے۔ اس میں غیر ضروری کوئی بات ہے ہی نہیں حتیٰ کہ جن آیات میں واجبات اور فرائض کا بھی ذکر نہیں، محض مستحبات ہی کا ذکر ہے ان کا مضمون بھی ضروری ہے۔ گو آج کل مستحبات کو ضروری نہیں سمجھا جاتا، یہ صحیح ہے کہ عمل کے درجہ میں وہ واجبات اور فرائض کے برابر ضروری نہیں، مگر تعلیم ان کی بھی ضروری ہے، ایک تو اس لئے کہ جب لوگوں کو ان کا مستحب ہونا معلوم ہو گا تو کوئی ان کو ناجائز نہ سمجھے گا، یا فرض و واجب کے درجہ کا خیال نہ کرے گا یہ تو اصلاحِ اعتقاد کے لحاظ سے ضروری ہے۔ دوسرے اس لئے بھی ضروری ہے کہ ان کے برکات و ثمرات بے شمار ہیں جن کے معلوم نہ ہونے سے ان سے بے رغبتی رہتی ہے، اگر ان برکات و ثمرات کا علم ہو جائے جو ادنیٰ ادنیٰ مستحبات سے حاصل ہوتے ہیں تو آپ خود کہیں گے کہ افسوس ہم اب تک بڑے خسارے میں رہے کہ ایسے قیمتی جواہرات سے بے خبری رہی، یہ ضرورت، تکمیلِ عمل کے درجہ میں ہے۔

غرض مستحبات کا ذکر بھی قرآن پاک میں بے ضرورت نہیں، ان کا ذکر بھی ضروری اور بہت ضروری ہے، اگر محبت ہو تو اس کی قدر معلوم ہو، کیونکہ عاشق صادق کا مذاق ہی جدا ہوتا ہے وہ تو محبوب کی خوشی کی ذرا ذرا سی بات کی تلاش میں رہتا ہے، اور جب معلوم ہو جاتا ہے کہ محبوب فلاں فلاں بات سے خوش ہوتا ہے تو وہ کوشش کرتا ہے کہ میں یہ بھی کروں اور وہ بھی کروں، کوئی بھی بات اس کے خوش کرنے کی مجھ سے نہ رہ جائے، اگر ہم کو بھی یہی عاشقانہ مزاج نصیب ہو جائے تو اس وقت ان مستحبات کی قدر معلوم ہو، اور ان

---

[472] دفتر اول: مکتوب ۳۷

[473] (مستحب وہ عمل ہے جس پر آنحضرتﷺ نے ساری عمر میں بطریقۂ عبادت ایک دفعہ عمل کیا ہو یا اسے قول فرمایا ہو اور دوسری دفعہ اس قول یا فعل کو ترک کر دیا ہو یا پھر ساری عمر ترک کئے بغیر بطریقۂ عادت کیا ہو، یا پھر اری مر میں بطریقۂ عبادت کیا ہو مگر تین دفعہ اسے ترک کیا ہو اور اس فعل کو بھی مستحب کہا جاتا ہے جسے آنحضرت ﷺ کے اسلاف نے محبوب سمجھا ہو اور اس مستحب کا حکم یہ ہے کہ اس کے ادا کرنے پر ثواب ہے اور اسے (مستحب) کو ترک کرنے پر عتاب (ملامتی) نہیں ۔ مندرجہ بالا تشریح میں اسلاف کا ذکر آیا ہے ۔ یہاں اسلاف اور اس کے علاوہ علماء متقدمین خَلف اور علماء متأخرین کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ان میں کون لوگ شامل ہیں ۔ اسلاف و علماء و متقدمین: (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین تا محمد بن ال حسن الشیبانی رحمہم اللہ اجمعین) خلف : (محمد بن حسن زیاد رحمۃ اللہ علیہ سے شمس الأمۃ والحافظ البخاریؒ) علماء متأخرین: (محمد بن الحسن الشیبانیؒ تا حضرت شیخ عبد القادر جیلای رحمۃ اللہ علیہ و حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ الی ۵۰۰ھ ۔بحوالہ سیف رحمانی شرح خلاصہ کیدانی

[474] (بیان القرآن)

کے بیان کو خدا تعالیٰ کی رحمت اور رسول اللہ ﷺ کی شفقت سمجھیں کہ واقعی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کس تفصیل سے ان ساری باتوں کو بتلا دیا جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے والی ہیں۔

مستحبات عشّاق کا سرمایۂ تسکین ہیں:

اگر شریعت میں صرف ضروریات (فرائض و واجبات) ہی کا بیان ہوتا، مستحبات کا ذکر نہ ہوتا تو عشاق کو سخت بے چینی ہوتی کیونکہ عاشق، محض ضروریات پر اکتفا نہیں کرتا، ان کو تو وہ فرضِ منصبی سمجھتا ہے بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ فرضِ منصبی کے علاوہ بھی میں کوئی ایسا کام کروں جس سے محبوب کی توجہ مجھ پر زیادہ سے زیادہ ہو۔

ہمارا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ ہمارے خیالِ فاسد میں محض قانونی رہ گیا ہے اس لئے ہم فرائض و واجبات کے علاوہ مستحبات کو غیر ضروری سمجھتے ہیں اگر ہمارا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ محبت و جاں نثاری کا ہوتا تو فرائض و واجبات پر ہم کبھی قناعت نہ کرتے، بلکہ خود ہی مستحبات کی تلاش میں لگ جاتے اور جس بات کے متعلق بھی یہ معلوم ہو جاتا کہ حق تعالیٰ کو یہ پسند ہے وہ اس سے خوش ہوتا ہے تو اس کی طرف شوق سے سبقت کرتے اور جس بات کے متعلق یہ معلوم ہو جاتا کہ یہ حق تعالیٰ کو ناپسند ہے تو اس سے کوسوں دور بھاگتے اور اس کی یہ تحقیق نہ کرتے کہ یہ زیادہ ناپسند ہے یا کم، عاشق کو تو اتنا جان لینا ہی کسی کام سے رکنے کے لئے کافی ہے کہ یہ محبوب کو ناپسند ہے، ہ اس تفصیل میں نہیں جاتا کہ یہ کس درجہ کا ناپسند ہے، آیا ایسا ناپسند ہے کہ اس کی سزا ضرب اور حبس کی دی جاتی ہے، یا ایسا ناپسند ہے کہ محبوب کسی قدر کبیدہ خاطر ہو جاتا ہے اور رخ پھیر لیتا ہے، اس کے نزدیک تو یہ دونوں صورتیں برابر ہیں، عاشق تو اس کو بھی ہرگز گوارا نہیں کر سکتا کہ محبوب اس سے کچھ بھی کبیدہ خاطر یا بے رخ ہو جائے، چہ جائیکہ کبیدگی کے علاوہ ضرب و حبس بھی ہو تو اس کو بھلا کیوں گوارا کرنے لگا۔

ہمارے تو **تعلق مع اللہ** میں ضعف آ گیا ہے: اب ہماری حالت یہ ہے کہ اگر کسی کام کی نسبت یہ معلوم ہو جائے کہ یہ گناہ ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ صغیرہ ہے یا کبیرہ؟ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر چھوٹا گناہ ہوا تو کر لیں گے اور بڑا ہوا تو چھوڑ دیں گے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ بہت ضعیف ہو گیا ہے گو پوری بے تعلقی بھی نہیں، کیونکہ یہ سوال بھی تعلق کی دلیل ہے۔ ان کو اتنا تعلق تو ہے کہ وہ حق تعالیٰ کو زیادہ ناراض کرنا پسند نہیں کرتے، اگر اتنا بھی تعلق نہ ہوتا تو اس سوال ہی کی کیا ضرورت تھی؟ کہ بڑا ہے یا چھوٹا؟ معلوم ہوا کہ بڑے گناہ سے ڈرتے ہیں کیونکہ اس سے خدا تعالیٰ بہت ناراض ہوتا ہے۔ مگر چونکہ زیادہ تعلق نہیں اس لئے تھوڑا سا ناراض کر دینا گوارا ہے۔ غرض یہی سوال کہ کیا یہ بڑا گناہ ہے، تعلق کی بھی دلیل ہے اور ضعفِ تعلق کی بھی۔ اس تقریر سے وہ لوگ خوش ہوئے ہوں گے جو گناہ کے متعلق بڑا چھوٹا ہونے کا سوال کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے ساتھ ہمارا تعلق بھی ثابت ہو گیا، اور ایک درجہ میں خوش ہونے کی بات بھی ہے کیونکہ:

بلا بودے اگر ایں ہم نہ بودے

نفسِ تعلق کافی نہیں، کمالِ تعلق مقصود ہے:

مگر یہ بات بھی غور کرنے، سوچنے اور یاد رکھنے کی ہے کہ نفسِ تعلق پر قناعت نہیں ہو سکتی، آخر ہم آپس میں جو ایک دوسرے سے تعلقات رکھتے ہیں۔ کیا ان میں کوئی شخص نفسِ تعلق پر قناعت کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ ہر درجہ تعلق کمال کے ساتھ مطلوب

ہے، چنانچہ بیوی کے ساتھ جو تعلق ہے وہ ایک نہایت ضعیف تعلق ہے جو صرف دو لفظوں (ایجاب و قبول) سے جڑ جاتا ہے اور ایک لفظ (طلاق) سے ٹوٹ جاتا ہے، مگر باوجود اس کے بیوی کے ساتھ نفسِ تعلق پر کوئی قناعت نہیں کرتا۔ بلکہ ہر شخص کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ بیوی کو میرے ساتھ کمال تعلق ہو، اسی لئے محض ضروری حقوق پر ہی اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ اس کو خوش کرنے کے لئے قسم قسم کے زیور، اور لباس تیار کرائے جاتے ہیں جو اس کا حق واجب نہیں محض اپنے مصالح کی وجہ سے ان کاموں کو کیا جاتا ہے تا کہ تعلق بڑھے اور مستحکم ہو۔ اگر شوہر بیوی کے ساتھ قانونی علاقہ رکھے اور ضروری حقوق سے زیادہ کچھ نہ کرے تو گو اس میں بھی نفسِ تعلق باقی رہ سکتا ہے مگر تعلق کا لطف باقی نہیں رہ سکتا بلکہ اس صورت میں قطع تعلق کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔ تعلق کو بقاء جب ہی ہوتا ہے کہ اس کے استحکام کی تدبیر کی جائے، کیونکہ یہ تعلق نہایت ہی ضعیف ہے مگر باوجود اس ضعف کے اس کا منقطع ہو جانا ہر شخص کو ناگوار ہے، اگر کبھی منقطع ہو جاتا ہے تو کتنا رنج ہوتا ہے۔ اس انقطاع سے بچنے، تعلق کو باقی رکھنے اور اس کے استحکام کے لئے کیسے کیسے اسباب اختیار کئے جاتے ہیں، پھر کس قدر حیرت کی بات ہے کہ ہم کو ایک ضعیف تعلق میں تو نفسِ تعلق پر قناعت نہ ہو بلکہ اندیشہ انقطاع سے اس کے استحکام کی فکر ہو اور حق تعالیٰ کے ساتھ نفسِ تعلق پر اکتفا گوارا؟ حالانکہ خدا تعالیٰ سے ہمارا ایسا قوی علاقہ ہے کہ اس کے برابر کوئی علاقہ ہو ہی نہیں سکتا، پھر کیا وجہ ہے کہ اس کے استحکام کی فکر ہم کو نہیں اور محض نفسِ تعلق کو کافی سمجھ رکھا ہے۔ یہاں یہ خیال کیوں نہیں ہوتا کہ تعلق کا بقا استحکام پر موقوف ہے۔ نفسِ تعلق بقاء کے لئے کافی نہیں بلکہ اس میں زوال اور انقطاع کا خطرہ لگا ہوا ہے، کیا کوئی اس بات کو گوارا کر سکتا ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ جو اس کو علاقہ ہے وہ منقطع ہو جائے؟ ہرگز نہیں پھر اس کے استحکام کی کیوں نہیں فکر ہوتی؟

مولانا رومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اے کہ صبرت نیست از فرزند وزن　　　صبر چوں داری زربّ ذوالجلال

اے وہ شخص کہ جس کو اپنی بیوی بچوں کو خوش رکھنے کی فکر سے کبھی بھی فراغت نہیں ہے، تجھے اپنے سب سے بڑے محسن پروردگار کی رضاجوئی سے کیسے فراغت حاصل ہے؟

اور فرماتے ہیں:

اے کہ صبرت نیست از دنیائے دوں　　　صبر چوں داری ز نعم الماہدوں

تجھ کو اس حقیر دنیا کی سدھار کی طرف سے تو پل بھر فرصت نہیں اور جس خدا نے کہ ساری نعمتیں فراہم فرمائیں اس کی رضاجوئی سے کیسی بے فکری ہے؟

آہ، ہم سے چھوٹی چھوٹی چیزوں میں تو صبر ہو نہیں سکتا، مگر نہ معلوم خدا تعالیٰ سے کیسے صبر آ گیا، ادنیٰ ادنیٰ چیزوں کے ساتھ ضعف تعلق ہم کو گوارا نہیں اور خدا تعالیٰ کے ساتھ ضعف تعلق ہونے پر ذرا جی نہیں دکھتا، گو حق تعالیٰ کے ساتھ نفس تعلق بھی ایک نعمت ہے مگر ضعف تعلق پر قناعت کر لینا بڑا ظلم ہے، یوں بعض لوگ تو بے تعلقی ہی پر راضی ہیں، مگر یہ کفار ہیں جن سے اس وقت خطاب نہیں۔

مستحبات کی ناقدری ضعف تعلق کی علامت ہے:

اور بعض لوگ ضعفِ تعلق پر راضی ہیں، یہ ہم آج کل کے مسلمان ہیں، اسی کا یہ اثر ہے کہ آج کل ہم کو مستحبات کی قدر نہیں۔ ایک صاحب کہتے ہیں کہ بچپن میں میں بہت سی نوافل کا پابند تھا مگر منیۃ المصلی پڑھتے ہی جب معلوم ہوا کہ یہ تو مستحبات ہیں، جن کے نہ کرنے میں کچھ گناہ نہیں، اسی وقت نوافل کو چھوڑ دیا، اس وقت تو تنبہ نہ ہوا کہ میں کیا کر رہا ہوں، مگر اب معلوم ہوتا ہے کہ وہ حالت بہت بری تھی۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم حق تعالیٰ کے ساتھ ضابطہ کا تعلق رکھنا چاہتے ہیں کہ بس ضروریات فرائض وواجبات کو بجالائیں اور ان کے علاوہ جو باتیں خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کی ہیں ان کو چھوڑ دیں۔

شرعی مصلحت سے مستحب کا وقتی ترک الگ چیز ہے:

یہ اور بات ہے کہ کسی وقت مستحب کو کسی مصلحت شرعی کی بنا پر ترک کر دیا جائے، مثلاً لوگوں کو یہ بتانے کے لئے کہ یہ فعل واجب نہیں، یا سفر میں رفقاء کی رعایت سے نوافل وغیرہ کو چھوڑ دیا جائے تا کہ وہ انتظار کی تکلیف سے پریشان نہ ہوں یا کسی امر ضروری میں حرج کا اندیشہ ہو یا کسی وقت تعب کی وجہ سے اپنی راحت کے سبب ترک کر دیا جائے، تو اس قسم کے ترک پر کوئی الزام نہیں۔ نیز حدیث شریف میں بھی ارشاد ہے:

اِنَّ لِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقًّا کہ تجھ پر تیرے نفس کا بھی حق ہے۔

اور محض سستی سے بلاوجہ ترک کرنا اس سے حدیث میں پناہ آئی ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعِجْزِ وَالْکَسْلِ۔

اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں عجز اور سستی سے۔

یاد رکھیئے طلبِ راحت کا تو حضور ﷺ نے امر فرمایا ہے اور اس کے لئے بعض صحابہ کو مستحبات کے ترک کرنے اور تقلیلِ نوافل کی ترغیب بھی دی ہے بخلاف سستی کے کہ آپ ﷺ نے اس سے پناہ مانگی ہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ طلبِ راحت اس وقت ہوا کرتی ہے کہ جب آدمی اپنی طاقت کے موافق کام کر چکا ہو، اور تعب ومشقت معلوم ہونے لگے، اس وقت حکم یہ ہے کہ طاقت سے زیادہ کام نہ کرے، جا کر آرام کرے اور اگر اپنی طاقت وہمت کے موافق بھی کام نہ کرے، تھوڑا سا کام کر کے عمل کو چھوڑ دے، تو یہ سستی ہے، اور اس سے حضور ﷺ نے پناہ مانگی ہے۔

تفسیر عزیزی میں ہے:

من تهاون بالآداب عوقب بحرمان السنة ومن تهاون بالسنة عقوب بحرمان الواجبات ومن تهاون بالواجبات عوقب بحرمان الفرائض ومن تهاون بالفرائض عوقب بحرمان المعرفة او كما قال۔

یعنی جس نے مستحبات میں سستی کی اسے سنت سے محرومی کی سزا ملے گی۔ اور جس نے سنت میں سستی کی اسے واجبات سے محرومی کی سزا ملے گی اور جس نے واجبات میں سستی کی اسے فرائض سے محرومی کی سزا ملے گی، اور جس نے فرائض میں سستی کی۔۔۔۔ یا جیسا آپ نے فرمایا۔

خلاصۃ الفتاویٰ جلد ۱ صفحہ ۶۴ پر ہے:

من ترک السنة بعذر فهو معذور ولو ترک بغير عذر تهاونا لا يقبل فرضه ويسأل عن ترکها۔

یعنی جس نے عذر کی وجہ سے سنت کو ترک کیا وہ معذور ہے، اور جس نے بغیر عذر کے سنت کو ترک کیا تو سزا کے طور پر اس کے فرائض بھی قبول نہ کئے جائیں گے اور اس سے (سنت) ترک کرنے کے بارے میں (مرنے کے بعد) سوال ہو گا۔

مستحبات کو قبیح جاننا کفر ہے:

مستحبات پر عمل نہ کرنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا، مثلاً سنتوں کے بعد اجتماعی دعا نہ کرنا، اسی طرح جنازے کے بعد دعا نہ کرنا، اور میلاد شریف نہ منانا، اور حضور ﷺ کے نام مبارک کو سن کر انگوٹھے نہ چومنا، جتنے بھی معمولاتِ اہل سنت والجماعت ہیں، ان کے ترک سے آدمی کافر نہیں ہوتا، لیکن ان اعمال کو قبیح جاننا، یہ کفر ہے۔

اسی وجہ سے صاحب عصام نے فرمایا:

واستقباح ماجعل اللہ مندوباً ایضاً کفر۔

یعنی جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مندوب کیا ہو اس کو برا کہنا بھی کفر ہے۔[475]

ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کے لئے سفر کو حرام کہنے کی وجہ سے شیخ ابن تیمیہ کی تکفیر کی گئی ہے اور یہ تکفیر صحت اور صواب کے زیادہ قریب ہے کیونکہ جس چیز کی اباحت پر اتفاق ہو اس کو حرام کہنا بھی کفر ہے، تو جس چیز کے مستحب ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے اس کو حرام کہنا بطریق اولیٰ کفر ہو گا۔[476]

مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی لکھتے ہیں:

کہ ضروریات دین میں بہت سے امور شرعاً مستحب اور مباح بھی ہوتے ہیں (ظاہر ہے کہ ان پر عمل کرنا فرض نہیں ہو سکتا) مگر ان کے مستحب یا مباح ہونے پر ایمان لانا یقیناً فرض اور داخل ایمان ہے اور بطور عناد ان کا انکار کرنا موجب کفر ہے۔[477]

ہم اہل سنت وجماعت وہابی بدمذہبوں کو مستحبت ترک کرنے کی وجہ سے کافر نہیں کہتے بلکہ مستحبات کو قبیح جاننے کی وجہ سے کافر کہتے ہیں۔

مستحبات کی برکات:

خدا تعالیٰ کے ساتھ ہمارا بڑا گہرا تعلق ہے۔ اس لحاظ سے مستحبات بھی ضروری ہیں۔ یہ بات اس پر چلی تھی کہ خدا تعالیٰ کے کلام کا ہر ہر جز ضروری ہے، اور اسی سلسلہ میں عرض کیا تھا کہ قرآن پاک میں مستحبات کا بھی ذکر ہے، اور ان کو غیر ضروری سمجھا جاتا ہے، تعلیم ان کی بھی ضروری ہے کیونکہ ان کے برکات و ثمرات بیشمار ہیں۔

مثلاً ایک برکت تو یہ ہے کہ بعض اوقات مستحبات، معصیت سے مانع ہو جاتے ہیں، کیونکہ جو شخص تہجد، اشراق، چاشت، اوابین کا پابند ہو گا وہ بہ نسبت اس شخص کے معاصی سے زیادہ بچے گا جو محض پانچ وقت کے فرائض کا پابند ہو گا اور علاوہ اس خاصیت کے ایک طبعی راز

[475] (حاشیہ بیضاوی ص ۴۸)

[476] (شرح الشفاء ج۳ ص ۱۶۰-۱۶۱، مطبوعہ دارلفکر بیروت)

[477] (اکفار الملحدین ص ۶۴ مکتبہ لدھیانوی)

یہ بھی ہے کہ مستحبات کی پابندی سے یہ شخص تہجد گزار، دیندار مشہور ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے گناہوں کے ارتکاب سے وہ خود بھی شرمانے لگتا ہے۔

دوسری برکت یہ ہے کہ بعض وقت کوئی فعلِ مستحب حق تعالیٰ کو ایسا پسند آجاتا ہے کہ وہی نجات کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

سیبویہ کی حکایت: چنانچہ سیبویہ نحوی کو جو عقیدے کے لحاظ سے معتزلہ تھا، مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کہا مجھے بخش دیا، پوچھا کس بات پر؟ کہا کہ ایک نحو کے مسئلے پر، اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ معرفہ کی بحث میں علماء نحو نے اختلاف کیا ہے کہ ضمائر کے اندر اعرف المعارف کون سی ضمیر ہے؟ کسی نے متکلم کی ضمیر کو اور کسی نے مخاطب کی ضمیر کو بتلایا، اور میں نے لفظِ اللہ کو **اعراف المعارف** کہا کہ اس سے بڑھ کر کوئی معرفہ نہیں، کیونکہ لفظ اللہ میں بجز ذاتِ حق کے کسی اور چیز کا احتمال ہی نہیں، بس حق تعالیٰ کو یہ بات پسند آگئی، اور فرمایا تم نے ہمارے نام کی بہت تعظیم کی، جاؤ تم کو بخش دیا۔ دیکھئے اس نحوی عالم کی مغفرت ایسے عمل پر ہوگئی جو اس نے ثواب کی نیت سے بھی نہ کیا تھا، صرف مسئلہ کے طور پر ایک بات کہی تھی مگر اسی پر فضل ہو گیا۔

ایک اور حکایت: اسی طرح ایک بزرگ جاڑے کی رات میں چلے جارہے تھے، راستے میں ایک بلّی کے بچے کو دیکھا کہ سردی کی وجہ سے ٹھٹھر رہا ہے۔ ان کو اس پر رحم آگیا اور گود میں اٹھا کر گھر لے گئے، اور لحاف میں چھپالیا۔ جب ان بزرگ کا انتقال ہو گیا تو ان سے سوال ہوا کہ بتلاؤ ہمارے واسطے کیا لائے ہو؟ انہوں نے سوچا کہ اعمال تو میرے کسی قابل نہیں ہیں، کہ ان کو پیش کردوں، لیکن الحمدللہ مجھے ایمان کی دولت حاصل ہے، ان میں ریا (دکھاوا) وغیرہ بھی کچھ نہیں ہو سکتا، ایمان کو پیش کرنا چاہیئے۔ اس لئے عرض کیا کہ "میں توحید لایا ہوں"۔ اس پر ارشاد ہوا: **اتذکرو لیلۃ اللبن۔** کیا دودھ والی رات بھی یاد ہے؟ تم نے ایک دن دودھ پینے کے بعد پیٹ میں درد ہو جانے پر کہا تھا کہ دودھ نے پیٹ میں درد کر دیا۔ کیا یہی توحید ہے؟ کہ درد کے فعل کو اس کی طرف منسوب کیا، ہم کو چھوڑ کر دودھ کو مؤثر قرار دیا۔ حالانکہ مؤثر حقیقی تو ہم ہیں۔ اب تو یہ بیچارے تھرّا اُٹھے، ارشاد ہوا تم نے اپنے دعوے کی حقیقت تو دیکھ لی، اب ہم تم کو ایسے عمل پر بخشتے ہیں جس کے متعلق تمہیں یہ وہم بھی نہ تھا کہ یہ موجبِ نجات ہو جائے گا۔ تم نے ایک رات ایک بلی کے بچے پر جو سردی میں ٹھٹھر رہا تھا، رحم کھا کر اپنے لحاف میں سلایا تھا، تم نے ہماری مخلوق پر رحم کیا، ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم پر رحم کریں، جاؤ ہم نے تم کو بخش دیا۔

مستحبات میں یہ عنایات وبرکات ہوتی ہیں، احادیث میں ایسے بہت سے لوگوں کے واقعات آئے ہیں کہ جنکی ادنیٰ ادنیٰ فعل پر مغفرت ہو گئی۔

ایک فاحشہ عورت کی حکایت: چنانچہ ایک فاحشہ عورت کا واقعہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس نے دوپہر کے وقت ایک کُتے کو دیکھا جو پیاس کے مارے زمین کی تری چاٹ رہا تھا، اس کو رحم آگیا، پاس ہی ایک کنواں تھا، مگر اس پر ڈول رسی نہ تھے کہ اس سے نکال کر پانی پلائے۔ اس نے اپنے دوپٹہ کو رسی بنایا اور چمڑے کے موزے کو ڈول بنایا، اس طرح پانی نکال کر کتے کو پلایا، کچھ دنوں بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کی مغفرت اسی پر ہو گئی۔ واقعی سچ ہے کہ

رحمتِ حق بہانہ می جوید　　　رحمتِ حق بہانمی جوید

"اللہ کی رحمت کسی قیمت کی طلب گار نہیں ہے، اللہ کی رحمت بہانہ تلاش کرتی ہے"

میرے دوستو! کسی عمل کو حقیر اور چھوٹا نہ سمجھو، نہ معلوم کون سا کام اللہ کو پسند آجائے، آج کل اس مذاق کے بھی لوگ ہیں کہ رحمت کے واقعات سن کر عمل کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے۔

جسے شریعت رد کرے وہ زندیقیت ہے:

حضرت الشیخ سید احمد کبیر الرفاعی قدس سرہ نے اپنے مریدین کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

اے بھائی تجھے تقویٰ و سنت نبوی ﷺ کے اتباع کی وصیت کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تو اس نصیحت پر عمل کر۔ آخر اس کا مالک لے لیتا ہے۔ علم دنیا میں شرف اور آخرت میں عزت کا باعث ہے۔ جو بات شریعت کے مخالف ہو اس کے کرنے سے آدمی زندیق ہو جاتا ہے۔[478]

شیخ شہاب الدین السہروردی قدس سرہ لکھتے ہیں:

وھذاھو عین الالحاد و الزندقة و الابعاد فکل حقیقة ردتھا الشریعة فھی زندقة۔

ان گمراہوں کا یہ کردار عین کجی اور زندیقیت ہے اور خلق خدا کو شریعت و طریقت سے دور کرنیکا طریقہ ہے۔ کیونکہ حقیقت کے نام سے کیا جانے والا ہر وہ عمل جسے شریعت رد کرے زندیقیت ہی ہوتا ہے۔[479]

پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ ساری عمر ملحد پیروں اور پیری مریدی کی گمراہیوں کے فتنوں کے مقابلے میں بر سرِ پیکار رہے اس لئے آپ رحمۃ اللہ علیہ بیعتِ طریقت میں نہایت احتیاط سے کام لیتے تھے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید زیادہ تر عالم یا حفاظ کرام تھے کیونکہ اگر کسی کے پاس علم نہ ہو تو شیطان کے بہکاوے میں آکر سب کام خراب کر دیتا ہے۔ اسلئے حضرت پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ کے تمام عمر مرید ان طریقت کی تعداد بیس سے تجاوز نہ کر سکی اور عام لوگوں کو شریعت پر بیعت کرتے تھے اور وہاں ایک مدرسہ اس لئے کھول رکھا تھا تاکہ لوگ شرعی احکام سے آگاہ ہو سکیں۔ جو بھی مرید مکمل طور پر شریعت کا پابند نہ ہوتا اور اس میں پہلے سے تقویٰ نہ ہوتا نیز شریعت کے رموز سے آگاہ نہ ہوتا اس کو طریقت پر بیعت نہ فرماتے تھے۔

حضرت پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ خود بھی پابندِ شریعت تھے اور مکمل اتباعِ سنت میں اپنی زندگی گزاری[480]

سعادت دارین کی متاع سید کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی پر موقوف ہے:

امام معصوم نور اللہ مرقدہ نے خواجہ دینار کے نام سرور کائنات خیر مخلوقات کی نعت اور آپ کی اتباع پر ترغیب کے بارے میں تحریر فرمایا۔

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

(سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) دونوں جہاں کے سعادت کی متاع سید

---

[478] انوار رفاعی ص ۷۳ رفاعیہ ٹرسٹ

[479] عوارف المعارف، ص 51، دار الکتب العلمیة

[480] تذکرہ ساداتِ ترمذی، ص 113، الواثق اردو بازار لاھور

کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی پر موقوف ہے۔ اگر دوزخ سے نجات مقصود ہے تو وہ بھی سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے وابستہ ہے اور اگر دارالقرار یعنی جنت میں داخل ہونا ہے تو وہ بھی پیشوائے صالحین کے اتباع پر منحصر ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کا حاصل ہونا ہے تو وہ بھی رسولِ مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کے ساتھ مشروط ہے۔

توبہ وزہد وتوکل اور دنیا سے قطع تعلق آپ کی متابعت کے بغیر مقبول نہیں ہے۔ اور آپ کے توسل کے بغیر اذکار وافکار و اشواق واذواق کی امید نہیں کی جاسکتی انبیاء علیہم السلام آپ کے سرچشمہ آب حیات کے ایک پیالہ سے سیر اب ومستفید ہیں اور اولیاء اللہ آپ کے بے پایاں سمندر کے ایک گھونٹ پر قانع اور متنفع ہیں، فرشتے ان کے طفیلی اور آسمان ان کی حویلی ہے، وجود کا رشتہ ان کے ساتھ منسلک اور ایجاد کا سلسلہ ان کے ساتھ مربوط اور ربوبیت کا ظہور ان کے ساتھ وابستہ ہے، جملہ کائنات ان ہی کے پیچھے ہے اور کائنات کا بنانے والا (اللہ تعالیٰ) ان کی رضا کا طالب ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے **انا اطلب رضاک یا محمد** (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں تیری رضا چاہتا ہوں، بیت:

نماند بعصیاں کسے در گرو
کہ دار چنیں سیدے پیش رو
(جسکا امام ایسا سردار ہو تو وہ شخص گناہوں کے بدلے میں گروی نہ رہے گا۔)

بیت

فان رسول اللہ نور یستضاء
مھندمن سیوف اللہ مسلول

(پس بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسا نور ہیں کہ جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے میان سے نکلی ہوئی ایک ہندی (عمدہ) تلوار ہیں)

صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ وتحیاتہ سبحانہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ کلما ذکرہ الذاکرون وکلما غفل عن ذکرہ الغافلون صلوۃ تکون لک رضاء ولحقہ اداء۔

(اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں اور سلامتیاں اور نوازشات آپ پر اور آپ کی آل واصحاب پر ہوں جب تک کہ ذکر کرنے والے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہیں اور جبتک ذکر سے غافل لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل رہیں ایسی رحمتیں جو اس کے لئے رضا کا باعث ہوں اور اس کے حق کی ادائیگی کا ذریعہ ہوں،) پس سعادت مند جوانوں اور ہوشمند طالبوں پر لازم ہے کہ ظاہر و باطن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع میں کوشش کریں اور جو چیز اس دولت (اتباع رسول) کے منافی ہے اس سے ظاہر اور باطن کی آنکھ بند کرلیں اور یقینی طور پر جان لیں گے کہ اگر کوئی شخص ہزارہا فضائل وخوارق رکھتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت میں سستی کرتا ہو تو اس شخص کی صحبت ومحبت زہر قاتل ہے اور جو شخص ان خوارق وفضائل میں سے کچھ بھی نہ رکھتا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع میں ثابت قدم ہو، اس کی صحبت ومحبت نفع دینے والی تریاق ہے۔ بیت

محال است سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز درپے مصطفیٰ

(اے سعدی! حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کی بغیر پرہیز گاری کے راستہ پر چلنا محال ہے) **علیہ و آلہ الصلوات والتسلیمات والبرکات العلیٰ** [481]

من احیا سنتی بعد ما امیتت فلہ اجر مائۃ شہید:

صاحبِ ممدوح قدس سرہ نے مولانا محمد حنیف کے نام سنت کو زندہ کرنے اور فقر و ورع و تقوی پر رہنمائی کرنے کے بارے میں تحریر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور تسلیمات بھیجنے کے بعد عرض ہے کہ اس حدود کے فقرا کے احوال و اطوار حمد کے لائق ہیں، ایک مدت ہوگئی ہے کہ آپ کا کوئی خط نہیں پہنچا دل منتظر رہتا ہے، اللہ تعالیٰ ظاہری عافیت اور باطنی جمعیت کے ساتھ رکھے اور تفرقہ ڈالنے والے لشکروں (اسباب) کے تفرقہ سے مامون و محفوظ فرمائے، پیغمبر صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ والتحیۃ کی سنت کو زندہ کرنے میں کمر ہمت باندھیں، بدعت کے اندھیروں میں کہ جنہوں نے دنیا کو گھیرا ہوا ہے خاص طور پر ایسے وقت میں سنت کو زندہ کرنا ایک بہت بڑا کام ہے، **من احیا سنتی بعد ما امیتت فلہ اجر مائۃ شہید** (جس نے میری کسی سنت کو جو مردہ ہو چکی ہے زندہ کیا تو اس کے لئے سو شہیدوں کا اجر ہے) آپ نے سنا ہو گا اور مالداروں کی صحبت کی طرف راغب نہ ہوں اور فقر و نامرادی کو عزیز جانیں اور ورع و تقویٰ (پرہیز گاری) کو جان کے ساتھ طلب کریں اور گناہ کو تھوڑا نہ جانیں اور اس دور افتادہ کو دعائے خیر سے نہ بھلائیں۔

ایں کارِ دولت است کنون تا کرا دہند

(یہ نصیب کی بات ہی دیکھئے اب کس کو عنایت کرتے ہیں) والسلام علیکم [482]

کامیابی کا مدار:

صاحبِ ممدوح قدس سرہ نے حاجی محمد افغان کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ کامیابی کا مدار شیخ کامل کی محبت اور روشن سنت کی پیروی میں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جو خط کہ برادر عزیز وارشد میاں حاجی محمد نے بھیجا تھا موصول ہو کر باعث مسرت ہوا، آپنے اپنے اور اپنے مریدوں کے لئے توجہات کی درخواست کی تھی کبھی کبھی توجہ کی جاتی ہے انشاء اللہ تعالیٰ مزید بھی توجہ کی جائے گی، لیکن یہ جان لیں کہ کامیابی کا مدار باطنی رابطہ پر ہے جو مرید کی اپنے پیر سے محبت، عقیدت اس کا گرویدہ ہونے اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے عبارت ہے، یہ رابطہ جس قدر قوی ہو گا اس (پیر) کے باطن سے فیوض و برکات اسی قدر زیادہ اخذ کرے گا کامل و مکمل قطب کے باطن سے فیوض و برکات اخذ کرنے کے لئے محض محبت اور باطنی رابطہ کا ہونا کافی ہے اگرچہ توجہ نہ بھی ہو، او محبت و رابطہ باطنی کے بغیر محض توجہ بہت کم اثر کرتی ہے توجہ کی تاثیر کے لئے توجہ حاصل کرنے والے میں صلاحیتِ قبول ضروری ہے ہاں جو توجہ کرے رابطہ مذکورہ کے ساتھ جمع ہو جائے وہ نور علی نور ہو گی (غرضکہ) کامیابی کا مدار رابطہ کی قوت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے اتباع پر ہے اگر ان دونوں باتوں میں رسوخ (پختگی) رکھتا ہے تو کچھ غم نہیں ہے انجام کار اس کو رائیگاں نہ جانے دیا جائے گا اور کابر کے

---

[481] مکتوب: 10، ص: 37، دفتر اول، ادارہ مجددیہ ناظم آباد: 03، کراچی
[482] مکتوب: 25، ص: 56، دفتر دوم، ادارہ مجددیہ ناظم آباد: 03، کراچی

کمالات سے محروم نہ کیا جائے گا اگر ان دونون چیزوں میں سے کسی ایک میں خلل آگیا تو خطرہ ہی خطرہ ہے اگر بہت زیادہ ریاضت کرے والسلام۔[483]

سنت سنیہ اور شیخ کامل کی اتباع کی ترغیب:

صاحب ممدوح قدس سرہ نے میر مغل کے نام، سنت منورہ کے اتباع پر ترغیب دینے اور شیخ کی محبت پر پختگی کے بارے میں تحریر فرمایا۔

الحمدللہ و سلام علیٰ عبادہ الذین المصطفیٰ برادر گرامی میر مغل! ان دور افتادہ فقراء کی جانب سے عافیت کے انجام والا سلام قبول فرمائیں۔ اگر چہ آپ سے ظاہری ملاقات لاحاصل نہیں ہے لیکن باطنی نسبت و کشش اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ دو محبت آمیز کلمے لکھے جائیں، میرے مخدوم جب آپ نے فقراء کے ساتھ اخلاص کا رابطہ قائم کر لیا ہے تو فقرا کے طریقہ رعایت کرتے ہوئے اس کی نگاہداشت و لحاظ ضروری ہے شریعت عالیہ اور سنت نبوی کی پیروی ہاتھ سے نہیں دینی چاہیے اور حضرت بیچون حقیقی (اللہ تعالیٰ) کی بارگاہ میں نیستی کی صفت کے ساتھ ہمیشہ متوجہ رہنے کو غنیمت جاننا چاہتے ہیں۔

ایں کار دولت ست کنون تا کرا دہند

(یہ نصیب کی بات ہی دیکھئے اب کس کو عنایت کرتے ہیں) والسلام[484]

شریعت تمام کمالات کی اصل ہے:

صاحب ممدوح قدس سرہ نے خواجہ محمد فاروق کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ شریعت کے تمام کمالات کی اصل ہے خواہ وہ کمالات نبوت ہوں یا کمالات ولایت ہوں

الحمدللہ و سلام علے عبادہ الذین اصطفے

از ہر چہ می رود سخن دوست خوشتر است

(دوست کی جو بات بیان کی جائے پسندیدہ ہے)

میرے مخدوم! کمالات ولایت شریعت کی صورت (ظاہر) کا نتیجہ ہیں اور کمالت نبوت شریعت کی حقیقت (باطن) کا پھل ہیں پس ولایت و نبوت کی کمالات سے کوئی کمال ایسا نہیں ہے جو کہ شریعت کے دائرہ سے باہر وہ اور وہ اس (شریعت) سے بے نیاز ہوں، ہاں بعض معاملات جو کہ مذکورہ کمالات کے علاوہ ہیں کہ جن کے حاصل ہونے میں اعتقاد عمل کی کوئی تاثیر نہیں ہے ان کا فاضہ ہونا تفضل و احسان کی راہ سے ہے اور وہ معاملات اصالتاً انبیائے مرسل علی نبینا و علیہم و علی جمیع الانبیاء الصلوات والبرکات کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں اور ان سے گزرنے کے بعد وہ معاملات ہیں کہ جن کا فیضان محبت کی راہ سے ہے جو کہ تفضل و احسان سے اوپر ہے کہ بالاصالت حبیب و کلیم علیہما الصلوۃ والسلام کا حصہ ہے اور جو معاملات کہ محبوب ذاتیہ سے تعلق رکھتے ہیں حضرت حبیب علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے لئے خاص ہیں۔ یہ معاملات اگر چہ شریعت غرا (روشن) کے دائرہ سے باہر ہیں لیکن چونکہ شریعت اصل و بنیاد ہے (اس

---

[483] مکتوب:33، ص:126، 125، دفتر اول، ادارہ مجددیہ ناظم آباد:03، کراچی

[484] مکتوب:46، ص:138، 137، دفتر اول، ادارہ مجددیہ ناظم آباد:03، کراچی

لئے)اس سے کسی قسم کا استغنا نہیں رکھتے جان لیں کہ یہ مذکورہ معاملات اگرچہ اصالت کے طور پر ان اکابر کے ساتھ مخصوص ہی لیکن جائز ہے کہ ان کے کامل تابعداروں کو (بھی) وراثت کے طور پر ان سے حصہ مل جائے اور متبوع کی طرح اس کے طفیل میں اس کی خاص دولت سے ہم آغوش ہو جائے (حاصل کرلے)

دمد صبح از گریبانم گر آں مہ در کنا آید

(اگر وہ ماہ (محبوب) گود میں آجائے تو میرے گیربان سے صبح طلوع ہو جائے)

چونکہ تابع ہمیشہ طفیلی اور اس کے دستر خوان سے کھانے والا ہے (اس لئے) متبوع کے ہمسروں کی بہ نسبت اس کے مساوی اور افضل ہونے کا تو ہم لازم نہیں آتا ہے، یہ معارف حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کے خاص اسرار میں سے ہیں، اور تابع کامل سے مراد وہ (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ) خود ہیں یا جو ان کے مثل ہے ہم جیسے بوالہوسوں کو ان امور کا بیان کرنا اور سننا بھی حسن قبول کی شرط کے ساتے غنیمت ہے اور اس کا ایمان رکھنا داخل کمال ہے ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا انک علیٰ کل شیءقدیر ۔والسلام[485]

شیخ الاسلام والمسلمین امام اہل السنۃ والجماعۃ الشاہ امام احمد رضا افغانی ثم بریلوی قدس سرہ لکھتے ہیں:

طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے شریعت ہی کی اتباع کا صدقہ ہے ورنہ بے اتباع شرع بڑے بڑے کشف راہبوں، جوگیوں، سپاسیوں کو ہوتے ہیں، پھر وہ کہاں تک لے جاتے ہیں اسی نار جہیم و عذاب الیم تک پہنچاتے ہیں۔[486]

کمال دو چیزوں پر موقوف ہے:

امام معصوم قدس سرہ نے مرزا محمد صادق کے نام اس بارے میں کہ معاملہ دو چیزوں یعنی صاحب شریعت ﷺ کے اتباع اور شیخ مقتدا کی محبت پر موقوف ہے اور قضا و قدر کے مسئلہ کی تشریح میں تحریر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد عرض کرتا ہے کہ مکتوبِ مرغوب جو آپ نے قاصد کے ہمراہ ارسال کیا تھا پہنچا چونکہ دوستوں کی عافیت و سلامتی پر مشتمل تھا مسرت و شادمانی کا باعث ہوا، اللہ تعالیٰ شریعتِ عالیہ اور سنت منورہ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے راستہ پر استقامت و مداومت نصیب فرمائے پس بلاشبہ یہی کام کی اصل ہے اور اسی پر نجات کا مدار ہے اور اس کے علاوہ بے فائدہ زحمت اٹھانا ہے۔ میرے مخدوم! اگر دو چیزوں یعنی صاحب شریعت (ﷺ) کا اتباع اور شیخ مقتدا (پیر) کی محبت میں استقامت و استحکام ہے اور احوال و مواجید (کیفیات) میں سے کچھ بھی نہیں ہے تو غم نہیں ہے، آخر کار اس کو سب کچھ دیدیں گے اور اکابر کے احوال و مواجید سے اس کو محروم نہیں چھوڑیں گے، اور اگر ان دو چیزوں میں سے کسی ایک میں خلل ہے اور اس کو احوال و مواجید حاصل ہیں تو خرابی کے سوا کچھ نہیں ہے اور وہ جو کچھ رکھتا ہے استدراج کی قسم سے ہے اس مقصد کو اچھی طرح ملحوظ رکھنا چاہئے، ملاقات حاصل ہونے تک ذکر و فکر میں مشغول رہیں، اور غیر جنس اور طریقہ کے مخالف کی صحبت سے بچتے رہیں فر منهم اكثر ماتفر

[485] مکتوب:60، ص:161،162، دفتر اول، ادارہ مجددیہ ناظم آباد:03، کراچی

[486] فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۷، ص ۱۳۳، دار اھل السنۃ

من الاسد (جتنا تو شیر سے بھاگتا ہے اس سے زیادہ ان سے بھاگ)[487]

شریعت کی مخالفت مغز کے سوائے چھلکا:

صاحب ممدوح قدس سرہ نے سیادت پناہ میر محمد نعمان کے نام اس بارہ میں تحریر فرمایا کہ صوفیائے کرام کی نسبت کے حصول کا مصداق احکام شریعت کے ساتھ آراستگی ہے۔

بسم اللہ حامدا و مصلیا علی رسولہ الکریم: اللہ تعالیٰ (آپ کی) ذات بابرکات کو اپنے الطاف میں شامل رکھ کر ارشاد (ہدایت) کی مسند پر جلوہ فرمار کھے اور ہستی موہوم (انانیت) سے آزاد کر کے ہمیشہ کی نیتی (فنائیت) کے ساتھ موصوف کرے تاکہ حقیقی ہستی (بقاباللہ) جلوہ گر ہو اور خود اپنے ساتھ حاضر رہے یہ معنی ذوقی اور وجدانی ہیں کہنے اور سننے میں صحیح طرح پر نہیں آتے اور نظر و فکر سے یہ معما نہیں کھلتا کہ آسانی (فطرع) تکالیف کے باوجود نہ ہونے کے کیا معنی ہیں اور ہونا اور نہ ہونا ایک ہی وقت میں کسی طرح ہوگا عرفت ربی بجمع الاضداد (میں نے اپنے رب کو ضدوں کے جمع ہونے سے پہچانا) ایک بزرگ نے کہا ہے کہ ہر چیز میں رحمت ہے سوائے عشق کے کہ قتل کرتے ہیں اور مقتول سے خون بہا مانگتے ہیں۔ یعنی گم شدہ (فانی) سے احکام بندگی معاف نہیں کرتے اور اس نسبت کا مصداق شرعی احکام کے ساتھ آراستہ ہونا ہے کیونکہ اس کا کمال فنا اور اطمینان نفس تک پہنچاتا ہے اور نفس مطمئنہ سے موافقت کے سوا اور کچھ نہیں آتا شریعت کا مخالف اور اس میں سستی کرنے والا جو شخص بھی اس نسبت کا دعوی کرتا ہے مغز سے سوائے چھلکے کے اور کچھ حاصل نہیں رکھتا اور جو کچھ رکھتا ہے وہ استدراج کے راستہ سے ہے۔ وَمَنۡ يَّبۡتَغِ غَيۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِيۡنًا فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡهُ‌ۚ وَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ (آل عمران ۸۵) اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ والوں میں سے ہوگا۔

امید ہے کہ اس ناکارہ کو دعائے خیر سے نہیں بھلائیں گے اور قبولیت کے اوقات میں اس کیلئے استقامت کی دعا کرتے رہیں گے پس بیشک استقامت کرامت سے افضل ہے۔ والسلام[488]

یقینی نجات شریعت کی بجا آوری میں ہے:

صاحبِ ممدوح قدس سرہ نے مرزا عبید اللہ کے نام بلند ہمتی پر ترغیب اور دوسرے مشاہدات پر اس شہود کی فضیلت کے بارے میں جو کہ احکام شرعیہ میں رونما ہوتا ہے تحریر فرمایا۔

الحمدللہ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ: برادر اعزار شداد ارجمند کا مکتوب عزیز میر دوست محمد نے پہنچا کر خوشوقت کیا، اللہ تعالیٰ عافیت اور ترقیات کے ساتھ رکھے۔ آپ نے لکھا تھا کہ غیر و غیرت کے شہود کی اس حد تک کامل نفی ہو گئی ہے کہ کسی ظلی اور اعتباری مغائرت کو بھی پسند نہیں کرتا بلکہ کوئی دوسرا وجود ثابت کرنا کفر معلوم ہوتا ہے اس کے باوجود بندگی اور عبادت کی رعایت اپنی جگہ پر قائم ہے اور آپ ظاہری شرع کے طریقوں سے حتیٰ الامکان ایک دقیقہ بھی ترک نہیں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کا شکر بجالائیں کہ باطن اس قسم کے حال سے پوری طرح مغلوب ہوا اور ظاہر آداب شرعیہ پر قائم رہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ دن بدن

---

[487] مکتوب: 83، ص 147، دفتر دوم، ادارہ مجددیہ ناظم آباد: 03، کراچی
[488] مکتوب: 101، ص 238، 237، دفتر اول، ادارہ مجددیہ ناظم آباد: 03، کراچی

استقامت کو زیادہ کرے کیونکہ یقینی نجات اس میں ہے اور اس کے ماسوا میں خطرہ ہے ہمت کو بلند رکھیں اور ان احوال کو وصول کے لئے سازوسامان جانیں اور ترقی کے زینے تصور کریں اور مطلوب کو وراء الوراء طلب کریں اور شہود و مشاہدہ سے باہر تلاش کریں۔ ایک بزرگ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا عرض کیا یارسول اللہ توحید کیا چیز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ تیرے دل میں وسوسہ گزرے یا تیرے خیال میں آئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس سے ماوراء ہے۔

آپ نے لکھا تھا حضرت خاتمیت علیہ من الصلوات اور مہاو من التسلیمات اتمہا کی حقیقت کے ساتھ محبت کرنا ایک کامل ترین مقام سے ہے اور احکام شرعیہ کے غوامض (باریکیاں) خاص شکلوں میں کیفیت کے بغیر متجلی ہوتے ہیں اور مقصود کے چہرہ کو دوسرے آئینوں سے زیادہ صاف انکشاف بخشتے ہیں۔ میرے مخدوم! اس شہود کہ جو کہ احکام شرعیہ کے آئینوں میں ظاہر ہوتا ہے ان شہودات کے ساتھ جو اس عالم فانی کے آئینوں میں ظاہر ہوتے ہیں کیا نسبت؟ اس لئے کہ احکام شرعیہ کو عالم آخرت کے موجودات کے ساتھ مشابہت ہے کیونکہ اس عالم میں ممکن کے وجود کی جانب کو ترجیح دیکر صفات کے حسن وجمال کا مظہر بنادیں گے جو کہ ان کے وجود میں ثابت ہیں بخلاف اس عالم فانی کی موجودات کے کہ ممکن کے عدم کی جانب کو تربیت دیکر اس حسن وجمال کا مظہر بنایا گیا ہے جو عدم صفات کے احتمال کی جانب میں نمودار ہوا ہے اس لئے کہ صفات واجبی کے لئے کہ ہر دو عالم (عالم فانی وعالم آخرت) موجودات جن کے مظاہر ہیں جس طرح ان کے وجود کی جانب میں حسن وجمال موجود ہے (اسی طرح) ان کے عدم کے احتمال کی جانب میں بھی حسن وجمال ثابت ہے لیکن جو حسن کہ عدم میں نمودار ہوتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ حنظل کو شکر کے غلاف کردیں اور شیریں محسوس کرادیں اس لئے آخرت کی لذتیں اور نعمتیں سب پسندیدہ مقبول اور ترقی بخش ہوئیں اور آخرت رضا کا گھر ہوا اور دنیا غضب کا گھر ہوئی اور اس کی فانی نعمتوں میں مشغول ہونا ناپسندیدہ ہوا کیونکہ اس مقام کا حسن وجمال عدم کے زہر آب کے ساتھ مخلوط ہے اس معاملہ کی تحقیق ہمارے حضرت عالی قدس سرہ کے مکتوبات کی جلد ثالث کے مکتوب صدم میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے وہاں سے طلب کریں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ احکام شرعیہ جو کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر وتواہی ہیں (یہ سب) خطاب ازلی ہیں جو کہ صفت کلام سے تعلق رکھتے ہیں پس اس جگہ نفس اسم کا ظہور عدم کے آئینوں کے بغیر ہوگا اور ان تمام ظہورات کو جو کہ عدم کے آئینوں میں اسماء کے ظلال کے ساتھ وابستہ ہیں اس ظہور سے کیا مساوات اور کونسی نسبت ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ اس وقت میں لوگ طریقہ کے لئے بہت زیادہ مجبور کرتے ہیں الخ۔ میرے مخدوم! جس جگہ طالب صادق دیکھیں اور استخارہ موافق آجائے اور دل بے تکلف متوجہ ہوجائے تو طریقہ بتادیں ورنہ مجبوری نہیں ہے لیکن اگر بعض وسوسے اور اندیشے اس کام میں پیش آئیں اور تو ان سے استغفار ضروری ہے آپ نے ولایت کبریٰ کے کمالات اور نبوت کے خصائص اور قدوۃ المحققین ہمارے حضرت عالی قدسنا اللہ بسرہ الاقدس کی ولایت کے خواص میں سے بعض کے بارے میں دریافت کیا تھا میرے مخدوم ان امور میں سے اکثر حضرت عالی (قدس سرہ) کے مکتوبات میں واضح اور مشرح ہیں (ان کو) مطالعہ فرمائیں۔[489]

تمام کمالات شریعت غرا میں مندرج ہیں:

---

[489] مکتوب:123، ص276، 275، دفتر اول، ادارہ مجددیہ ناظم آباد:03، کراچی

ولی کامل صاحبِ ممدوح نور اللہ مرقدہ نے شاہ خواجہ ترمذی کے نام آیت کریمہ اسۡتَجِیۡبُوۡا لِرَبِّکُمۡ (الشوریٰ ۴۷) میں ذکر کی ہوئی استجابت کے بیان میں اور اس بارے میں تحریر فرمایا کہ بیشک تمام کمالات شریعت غرا میں مندرج ہیں۔

اسۡتَجِیۡبُوۡا لِرَبِّکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَہٗ مِنَ اللّٰہِ ؕ مَا لَکُمۡ مِّنۡ مَّلۡجَاٍ یَّوۡمَئِذٍ وَّ مَا لَکُمۡ مِّنۡ نَّکِیۡرٍ (الشوریٰ ۴۷) (قبل اس کے کہ ایسا دن آپہنچے جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لوٹانے والا نہیں ہے، تم اپنے رب کا حکم مانو، اس روز نہ تمہارے لئے کوئی جائے پناہ ہو گی اور نہ تمہارے لئے کوئی (اللہ سے) روک ٹوک کرنے والا ہو گا) ظاہری استجابت (ماننا) احکام شریعت کے ساتھ آراستہ ہونا اور سنن مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے ساتھ جو کہ ظاہر کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں زینت حاصل کرنا ہے اور باطنی استجابت حق تعالیٰ و تقدس کے ماسوا سے انقطاع و بے تعلقی پیدا کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ان اسرار و معارف کے ساتھ جن کا تعلق باطن سے ہے آراستگی حاصل کرنا ہے۔ پہلی بات (ظاہری استجابت) شریعت کی صورت ہے اور دوسری بات (باطنی استجابت) شریعت کی حقیقت ہے، پس ظاہری و باطنی کمالات شریعت حقہ کے دائرہ میں داخل ہیں، لہذا شریعت کی صورت اصل ہے اور اس کی حقیقت اس پر مرتب ہونے والا پھل ہے پس یہ (شریعت) کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصۡلُہَا ثَابِتٌ وَّ فَرۡعُہَا فِی السَّمَآءِ (ابراھیم ۲۴) (اس پاکیزہ درخت کی مانند ہے جس کی اصل (جڑ) ثابت (قائم و مضبوط) ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں) پس اصل (جڑ) کی قوت کے مطابق پھل اور شاخیں اکثر و اعلیٰ ہوں گی پس کمال وصول کی علامت کمال تقویٰ و کمال اتباع شریعت غرّا، دارالغرور (دنیا) سے کنارہ کشی اور دارالقرار (آخرت) کے لئے تیار رہنا ہے۔ اور نبی مشتار ﷺ اور آپ کی آل ابرار اور تمام انبیاءِ کرام و ملائکہ عظام اور تمام صالحین پر صلوٰۃ و سلام ہو جبتک رات اندھیری اور دن روشن ہوتا ہے (یعنی ہمیشہ ہو) آمین۔[490]

تمام کمالات سرور کائنات ﷺ کی اتباع میں منحصر ہیں:

صاحِب ممدوح رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ محمد حکیم ولد قاضی اسلم کے نام اس بارے میں تحریر فرمایا کہ تمام کمالات سرور کائنات علیہ الصلواۃ والسلام کے اتباع میں منحصر ہیں اور اس بات کے بیان میں کہ مرشد کے باطن سے فیض حاصل کرنا مرید کی محبت کے اندازے کے مطابق ہے۔

حمد و صلواۃ و تبلیغ دعوت کے بعد شفقت شعار کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اس حدود کے فقرا کے احوال و اطوار احمد کے لائق ہیں اور اللہ سبحانہ سے آپ کی سلامتی اور شریعت پسندیدہ و سنت منورہ مصطفویہ علی مصدرہا الصلواۃ والسلام والتحتیہ کے راستہ پر آپ کی استقامت کے لئے دعا کی گئی ہے۔ پس بیشک ظاہری و باطنی کمالات شریعت منورہ کے دائرے میں مندرج اور خاتم الانبیاء علیہ و علیہم الصلوات والبرکات العلیٰ کے اتباع میں منحصر ہیں پس جذبہ و سلوک (کی) آنحضرت (ﷺ) کے آثار سے امید رکھی جاتی ہے اور فنا و بقا (دونوں) آنحضرت کے طریقوں (سنتوں) میں موجود ہیں اور تینوں ولایتیں یعنی صغریٰ و کبریٰ و علیہا آپ کے سمندروں کے قطرے ہیں اور نبوت و رسالت (دونوں) آنحضرت کے انوار سے ماخوذ ہیں اور مقطعات قرآنیہ آنحضرت کے اسرار کے رموز ہیں ﷺ

گرامی نامہ نے جو کہ آپ نے اس دور افتادہ ناکارہ کے نام موسوم فرمایا تھا پہنچکر مسرور کیا امید ہے کہ آپ اس طریقہ کی

---

[490] مکتوب:126، ص279، دفتر اول، ادارہ مجددیہ ناظم آباد:03، کراچی

نگہداشت رکھیں گے باطنی تعلق کے سلسلہ کو جاری رکھیں گے جو کہ دعا اور غائبانہ توجہ کا سبب ہے اور اس بات کی کوشش کرتے رہیں گے کہ یہ سلسلہ اور زیادہ قوی ہو جائے اور کمال کو پہنچ جائے کیونکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ فیض پہنچانے والے کے باطن سے برکات جاری ہونا اس تعلق کی مطابق ہے۔

طالب کا باطن ان انوار سے جس قدر زیادہ روشن ہو گا فیض پہچانے والے کے باطن سے صورت فیضیہ کا ظہور اسی قدر زیادہ ہو گا کسی نے خوب کہاہے مصرع

بقدر آئینہ حسن تومی نماید روے (تیرا حسن بقدر آئینہ رونما ہوتا ہے)

دوستوں سے سلامتی خاتمہ کی دعا کی امید کی گئی ہے۔[491]

تمام ترکیفیات میں بھی شریعت کی پابندی لازمی ہے:

صاحبِ ممدوح قدس سرہ نے خواجہ محمد ماہ پسر خواجہ عبدالرحمٰن نقشبندی کے نام تعزیت و نصیحت کرنے اور شریعت عالیہ و سنت منورہ اور دوام ذکر پر ترغیب دینے کے بارے میں تحریر فرمایا:

حمد و صلوٰۃ و ارسال تسلیمات کے بعد عرض ہے کہ کیا لکھا جائے کہ ہولناک واقعہ اور وحشت انگیز نمبر کے سننے پر دوستوں کو کس قسم کی مصیبت پہنچی اور کتنا رنج و غم پیش آیا انا للہ و انا الیہ راجعون (بیشک ہم اللہ کے ہیں اور بیشک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں) لیکن چونکہ مولائے حقیقی جل شانہٗ کی تقدیر و ارادہ سے صبر و رضا کے سوا چارہ و مفر نہیں ہے۔

من از توروئے نہ پیچم گرم بیازاری
کہ خوش بود زعزیزان تحمل خواری

(اگر تو مجھے آزار پہنچائے تب بھی میں تجھ سے روگردانی نہیں کرونگا کیونکہ عزیزوں کی طرف سے ذلت کو برداشت کرنا اچھا ہوتا ہے۔) آپ کو چاہئے کہ شریعت و طریقت کے راستہ پر قائم رہیں تاکہ حقیقت تک راہ پائیں اور اپنے بزرگوں کے طریقے اور روش کو نہ چھوڑیں تاکہ ان کے فیوض و برکات سے بہرہ مند ہوں، دنیاوی زندگی بہت تھوڑی ہے اور آخرت کا معاملہ دائمی و ابدی ہے ایسا کام کرنا چاہئے کہ نجات اخروی حاصل ہو جاے اور مالک حقیقی سے سرخروئی نصیب ہو جائے، حق سبحانہٗ نے آدمی کو بیکار پیدا نہیں کیا ہے اور اس کی مرضی پر نہیں چھوڑا ہے کہ وہ جو کچھ سمجھ میں آئے کرے اور جس طرح چاہے زندگی بسر کرے اس کو اوامر و نواہی کا پابند بنایا ہے، انسان اس کے سوا چارہ نہیں رکھتا کہ اس (اللہ تعالیٰ) کے اوامر و نواہی کے مطابق زندگی بسر کرے جس چیز کا اس کو امر کیا گیا ہے اس کو بجالائے اور جس چیز سے منع کیا گیا ہے اس سے کنارہ کش ہو جائے اگر وہ ایسا نہ کرے تو وہ سرکش بندہ ہو گا اور طرح طرح کی سزاؤں کا مستحق ہو گا۔ ذکر و فکر میں مشغول رہیں اور اگر ذکر کہنے میں دل کو بیزاری پیدا ہوا اور وہ ذکر کہنے سے باز رکھے تو محض وقوف قلبی یا بے کیف توجہ میں مشغول ہو جائیں اور یہ جو آپ نے لکھاہے کہ "آرام و جمعیت اس میں ہے کہ دل کی حرکت جس طرح کی ہو اور دل میں کوئی خیال نہ گزرے یہاں تک کہ اسم ذات کے تلفظ کا خیال بھی نہ گزرے جس وقت یہ صفت ظاہر ہوتی ہے تمام چیزوں سے

---

[491] مکتوب:130، ص284،283، دفتر اول، ادارہ مجددیہ ناظم آباد:03، کراچی

روک دیتی ہے، اس حال میں آرام وجمعیت زیادہ سے زیادہ مشاہدہ کرتا ہے۔"میرے مخدوم! یہ حال عمدہ ہے اور دل کو ماسوا سے جس قدر بھی قطع تعلق حاصل ہو جائے نعمت ہے لیکن بشرطیکہ فرائض وواجبات میں خلل واقع نہ ہو ورنہ خطرہ ہی خطرہ ہے جیسا کہ آپ نے خود لکھا ہے لیکن صفت مذکورہ کو ہاتھ سے نہ دیں اور ڈرتے اور کانپتے رہیں اور سنت پیغمبر ﷺ پر مضبوطی سے قائم رہیں راہِ نجات یہی ہے اور اس کے علاوہ بیکار محنت کرنا ہی آپ کی استقامت کیلئے دعا کی گئی ہے۔ثبتنا اللہ سبحانہ و ایاکم علی جادۃ الشریعۃ العلیۃ (اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو شریعت عالیہ کے طریقہ پر ثابت قدم رکھے)۔[492]

تلک خیالات تربی بہا اطفال الطریقۃ

صاحبِ ممدوح قدس سرہ نے مولانا حسن علی کے نام علوم شرعیہ کے حاصل کرنے اور حضرت محمد مصطفے ﷺ کی سنت کو زندہ کرنے پر ترغیب دینے اور دیگر نصیحتوں کے بیان میں تحریر فرمایا۔

حمد وصلوٰۃ اور دعائیں دینے کے بعد سعادت آثار برادر عزیز مولانا حسن علی اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس کے حال کو اچھا کرے اور اس کی امیدیں پوری فرمائے کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ (اس طرف کے) احوال حمد کے مستحق ہیں اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد واحسان ہے اللہ تعالیٰ سے اکارب کے طریقہ پر ثابت قدمی اور استقامت کی دعا کی گئی ہے پس بیشک یہی کام کا سرمایہ اور نجات کا مدار ہے اور اس کے بغیر بے فائدہ رنج اٹھانا ہے، اے بھائی! چونکہ آخری زمانہ کے اوقات ہیں دین کے معاملہ می سستی آگئی ہے اور سنت متروک ہو گئی اور بدعت پھیل گئی ہے (اس لئے) علوم کا حاصل کرنا اور ان کو پھیلانا اس طرح کی ظلمانی دور میں اہم کاموں میں سے ہے، اور سنت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کو زندہ کرنا اعظم مقاصد میں سے ہے علوم شرعیہ کے حاصل کرنے اور ان کی نشر واشاعت اور سنت مصطفوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے زندہ کرنے میں کمر ہمت مضبوط باندھیں اور نامرادی کے گوشے اور جازی و نیستی کی صفت کے ساتھ بارگاہ الٰہی عزّبراہانہ میں دائی نگرانی (حضوری) کو ترک نہ کریں اور احوال ومواجید کی کچھ فکر نہ کریں کیونکہ ان کا کمال آخرت کے ساتھ وابستہ ہے اور وہ امور جن کے ساتھ صوفیائے وقت خوش ہیں یا وہ کَسَراب بقیعۃ یحسبہا الظمان ماء (جیسا کہ چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت جس کو پیاسا آدمی (دور سے) پانی سمجھتا ہے) کی قسم سے ہیں یا ان کی تسلی کے لئے ہیں، ہزاروں میں سے کسی ایک کے لئے ظاہر کرتے ہیں جس کسی نے بھی یہ کہا ہے خوب کہا ہے: تلک خیالات تربی بہا اطفال الطریقۃ (یہ وہ خیالات ہیں جن سے طریقت کے بچوں کی پرورش کی جاتی ہے) (یہ گھر دنیا) عمل کا گھر ہے، طاعات کی ادائیگی میں مردوں کی طرح رہیں اور خلوت و گوشہ نشینی کو غنیمت جانیں، ظاہری معاش کے کاموں کو حضرت الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ (الذّٰریٰت ۵۸) (نہایت مضبوط قوت والے رزاق یعنی اللہ تعالیٰ) کے سپرد کر دیں اور جمعیت (اطمینان) کو اس کی تدبیر کے ترک میں جانیں کیونکہ تدبیر اور اسباب جمع کرنے کا معاملہ دور وتسلسل کی طرف لے جاتا ہے اور اس سے کامل جمعیت (اطمینان) کا حاصل ہونا عادۃً محال ہے۔ دیگر یہ کہ آپ کے والد بزرگوار کے لئے فاتحہ پڑھی گئی، انا اللہ و انا الیہ رجعون (بیشک ہم سب اللہ تعالیٰ کے ہیں اور ہم سب اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں) حق

[492] مکتوب:129، ص206، 205، دفتر سوم، ادارہ مجددیہ ناظم آباد:03، کراچی

سبحانہ و تعالیٰ اپنی رحمت میں شامل فرمائے اور پسماندگان کو اپنی قضا پر رضا نصیب فرمائے (ان کے ایصال ثواب کیلئے) فاتحہ وصدقہ اور (ان کی مغفرت طلب کرنے کے لئے) استغفار سے ہمیشہ ان کو یاد کرتے ہیں۔[493]

الاستقامت فوق الکرامۃ:

صاحبِ ممدوح قدس سرہ نے خواجہ محمد صدیق کے نام شریعت پر استقامت چاہنے اور مرشد کی محبت پر رہنمائی کرنے کے متعلق اور اس بارے میں حصولِ نسبت اور چیز ہے اور اس کا علم ہونا اور چیز ہے اور اس چیز کی وضاحت میں کہ حال ہو اور اس حال کا علم نہ ہو، تحریر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد عرض کرتا ہے کہ مکتوب پسندیدہ کچھ نیاز (ہدیہ) کے ساتھ یکے بعد دیگرے پہنچا اور اس کے لمبے چوڑے مقدمات واضح ہوئے۔ میرے مخدوم! اس طرف سے کمال صفائی ہے کوئی غبار اپنے دل پر نہ لائیں، مایوسی دشمنوں کو نصیب ہو، اپنے کام میں کوشش کرتے رہیں اور جس حال میں بھی ہوں نیستی کی صفت کی طرف دائمی توجہ کو ہاتھ سے نہ دیں اور حضرت حق سبحانہ سے استقامت طلب کریں۔ الاستقامۃ فوق الکرامۃ (استقامت کرامت سے افضل ہے) آپ نے سنا ہوگا، فقیر بھی آپ کی استقامت کے لئے دعا گو ہے، امید ہے کہ اس کے آثار ظاہر ہوں گے، اگر احوال و مواجید سے کچھ بھی ظاہر نہ ہو اور شریعت پر اور حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) اور ان کے درویشوں کی محبت پر استقامت حاصل ہو تو کوئی خوف نہیں ہے اور حقیقت سے بے نصیب نہیں ہے اور اگر معاملہ برعکس ہے تو استدراج کے سوا کچھ نہیں جاننا چاہئے، اس تعلق کو مضبوط رکھنا چاہئے۔ ہمارے بزرگوں کی نسبت بہت بلند اور عقل کے دائرے سے باہر ہے، مشکل ہے کہ ادراک (سمجھ) کا ہاتھ یکایک (یکدم) اس کے دامن تک پہنچے اگرچہ (یہ نسبت) حاصل ہو کیونکہ حصول اور چیز ہے اور اس (حصول) کا علم دوسری چیز ہے یعنی نسبت کے حصول کا علم باطن کے لئے ہے کیونکہ علم التذ ذ اسی کے نصیب ہے اگرچہ ظاہر کے ساتھ ملا ہوا ہے چنانچہ باطن کا علم والتذاذ ابتدا میں ہمسائیگی کی وجہ سے ظاہر میں بھی سرایت کرتا ہے اور ظاہر بھی واجد و لذت یافتہ ہو جاتا ہے اور جب کام انتہا کو پہنچ جاتا ہے (اور) باطن ظاہر سے حصہ لیتا ہے اور اپنے آپ کو خالی اور بے نسبت پاتا ہے بلکہ کبھی (ایسا) ہوتا ہے کہ باطن کے ساتھ کمال بے مناسبتی کی وجہ سے ہدایت یافتہ مبتدی کو جس نے کہ اندراج النہایۃ فی البدایۃ (ابتدا کا انتہا میں درج ہونا) کے حکم کے مطابق انتہا کی چاشنی پائی ہے اور قلب سے جو کہ جذبہ کا مقام ہے نہیں نکلا ہے۔ اس اس کے مقلب (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ نہیں ملا اور ظاہر میں ذوق و وجد کے ساتھ موصوف ہے اپنے آپ سے زیادہ کامل جانتا ہے اور اپنے آپ سے نسبت کی نفی کرکے اس کو صاحبِ نسبت جانتا ہے یہی وجہ ہے کہ طالب اس قسم کے مبتدی اور متوسط کی صحبت میں بظاہر زیادہ رشد و ہدایت سمجھتا ہے اور وجد والتذاذ زیادہ دیکھتا ہے چونکہ اس کا مرشد شوق و وجد کے ساتھ لذت پا رہا ہے اس لئے مرید میں بھی یہ کیفیت پرتو (عکس) ڈالتی ہے۔ شیخ الاسلام (قدس سرہٗ) کے پاس، کیونکہ وہ تمہارے لئے خرقانی سے زیادہ فائدہ مند ہوتے یعنی خرقانی منتہی تھے مرید ان سے کم فائدہ حاصل کرتا۔ راقم کہتا ہے یعنی وہ فائدہ جو کہ وجد و دانش سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ مطلقاً فائدہ کیونکہ کامل فائدہ وہ ہے جو کہ منتہی کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے، پہلے فائدہ کو اس فائدے کے ساتھ کیا نسبت ہے وہ فائدہ کی صورت ہے اور یہ فائدہ کی حقیقت ہے لیکن چونکہ نہایت بلندی کی وجہ سے اس کی نسبت معروف ادراک سے باہر ہے طالب میں بھی

---

[493] مکتوب: 178، ص 347، 346، دفتر اول، ادارہ مجددیہ ناظم آباد: 03، کراچی

اسی کیفیت کے ساتھ ظہور کرتا ہے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی نسبت یہی تھی۔ فَلَا تَکُنْ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ (آل عمران ٦٠) (پس تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو) والسلام۔[494]

احیائے سنت:

صاحب ممدوح قدس سرہ نے مولانا محمد صدیق کے نام سنت کو زندہ کرنے اور بدعت کو مٹانے پر ترغیب دینے اور الہام کے ظنی ہونے اور بندگی کے پسندیدہ طریقے کے بیان میں تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم حامداً للہ العظیم مصلیا علیٰ رسولہ الکریم

اس وقت میں عہد نبوت کے بعد اور قیامت کے قرب کی وجہ سے بدعت شائع ہوگئی ہے اور اس کی ظلمتوں نے دنیا کا احاطہ کر لیا ہے اور سنت اجنبی (ان جانی) ہو گئی ہے اور اس کے انوار پوشیدہ ہو گئے ہیں، متروکہ سنتوں کو زندہ کرنے اور شرعی علوم کو شائع کرنے میں کمر ہمت کو خوب مضبوط باندھیں اور اس امر کو بارگاہ خداوندی جل سلطانہ کی کمال رضامندی کا وسیلہ بنائیں اور بارگاہ محمدی (ﷺ) کے قرب کو اس عمل کے ذریعہ تلاش کریں، حدیث شریف کا مضمون ہے کہ جو شخص میری ایسی سنت کو زندہ کرے گا کہ جس پر عمل متروک ہو چکا ہے تو اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔ احیائے سنت کا پہلا درجہ یہ ہے کہ اس پر خود عمل کرے اور اس سنت کے زندہ کرنے کا اعلیٰ درجہ اس کو رواج دینا اور دوسروں سے اس پر عمل کرانے میں کوشش کرنا ہے۔ خاتمہ کے مبہم ہونے کے درد و غم کا اظہار جو آپ ہمیشہ کرتے رہتے ہیں بجا ہے، یہ ابہام کمر شکن ہے آج اس درد سے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ کوئی شخص خالی نہیں ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ "اپنے بارے میں قبولیت کا کچھ اثر یقین و خرم کے ساتھ مشاہدہ نہیں کرتا ہے۔" میرے مخدوم! اس قسم کے امور میں جزم و یقین نزول وحی کے زمانہ میں (حاصل رہا ہے اور اس زمانہ کے علاوہ اور وقت میں علامات و آثار و بشارات جو کہ طمانیت قلب کا سبب ہوں ہوتی رہتی ہیں اور چونکہ ابہام (ذو معنیٰ ہونے) کا وہم درمیان میں ہے (اس لئے) درد و اضطراب دامنگیر ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ "اپنی عبادات و طاعات کو قبولیت کے لائق نہیں جانتا اس بنا پر بعض اوقات ان کے ادا کرنے سے سستی برتتا ہے۔" میرے مخدوم! اس عالم (دنیا) میں عمل (مطلوب اور ضروری ہے خواہ قبولیت کے قابل جانیں یا نہ جانیں عمل کرنا چاہیے اور اس سے استغفار کرنا چاہئیے گریہ وزاری کے ساتھ اس کی قبولیت طلب کرنی چاہئے تا کہ قبولیت کے لائق ہو جائے اور نورانیت پیدا کر لے اعمل و استغفر (عمل کر اور استغفار کر) بندگی کا طریقہ یہی ہے اور اس کے علاوہ شیطانِ لعین کا بہکانا ہے۔ دیگر جو محبت و دلی توجہ کہ فقیر کو آپ کی جانب ہے اس کا کیا اظہار کرے جو محبت کہ آپ کو ہمارے ساتھ ہے وہ اسی کا اثر ہے فرع میں جو کچھ ہے وہ اصل کی طرف سے آیا ہے، شروع سے اسی طرح ہوتا آیا ہے، آیت کریمہ یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ (المائدة ٥٤) (وہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں) اور آیت کریمہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ (البینة ٨) (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے) میں اپنی محبت و رضا کو ان کی محبت و رضا پر مقدم رکھا ہو اور حدیث قدسی و أنا الیهم لَاَشَدُّ شَوقاً (یقیناً میں ان کی طرف زیادہ شدت کا شوق رکھتا ہوں) میں اپنے اشد شوق کو ثابت کیا ہے۔[495]

---

[494] مکتوب:179، ص 348،347، دفتر اول، ادارہ مجددیہ ناظم آباد:03، کراچی

[495] مکتوب:228، ص 422،421، دفتر اول، ادارہ مجددیہ ناظم آباد:03، کراچی

تمام خیر سنت نبویہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم میں ہی ہے:

امام عبد الوہاب الشعرانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

فاعمل یا اخی بالسنۃ فان الخیر کلہ فیھا واللہ یتولی ھداک۔

اے میرے بھائی سنتوں کے مطابق زندگی گزار کہ تمام خیر اسی میں ہے[496]

شریعت وطریقت سیدی اعلیحضرت قدس سرہ العزیز کی نظر میں:

شریعت و طریقت، دوراہیں مُتَبایَن نہیں (کہ ایک دوسرے سے جدا اور ایک دوسرے کے خلاف ہوں) بلکہ بے اِتباعِ شریعت خدا تک وُصول محال۔ شریعت تمام اَحکامِ جسم وجان وروح و قلب وجملہ عُلُوْمِ اِلٰھِیَہ ومَعارِفِ نامُتَنَاھِیَہ کو جامع ہے جن میں سے ایک ایک ٹکڑے کا نام طریقت و معرفت ہے، ولہٰذا باجماعِ قطعی جملہ اولیائے کرام کے تمام حقائق کو شریعتِ مطہرہ پر عرض کرنا فرض ہے، اگر شریعت کے مطابق ہوں حق ومقبول ہیں ورنہ مردود و مخذول (مطرود و نامقبول)، (تو یقیناً قطعاً شریعت ہی اصل کار ہے، شریعت ہی مناط و مدار ہے، شریعت ہی مُحِک و معیار ہے اور حق وباطل کے پرکھنے کی کسوٹی۔

شریعت "راہ" کو کہتے ہیں اور شریعتِ محمدیہ عَلٰی صَاحِبِھَا الصَّلاۃُ وَالتَّحِیَّۃُ کا ترجمہ ہے: "محمد رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی راہ۔" اور یہ قطعاً عام و مطلق ہے نہ کہ صرف چند احکامِ جسمانی سے خاص، یہی وہ راہ ہے کہ پانچوں وقت ہر نماز بلکہ ہر رکعت میں اس کا مانگنا اور اس پر صبر و استقامت کی دُعا کرنا ہر مسلمان پر واجب فرمایا ہے کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیمَ (الفاتحہ ٦) (ہم کو سیدھا راستہ چلا) ہم کو محمد صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کی راہ پر چلا، ان کی شریعت پر ثابت قدم رکھ۔

یونہی طریق، طریقہ، طریقت راہ کو کہتے ہیں نہ کہ پہنچ جانے کو، تو یقیناً طریقت بھی راہ ہی کا نام ہے، اب اگر وہ شریعت سے جدا ہو تو بشہادتِ قرآنِ عظیم خدا تک نہ پہنچائے گی بلکہ شیطان تک، جنت تک نہ لے جائے گی بلکہ جہنم میں، کہ شریعت کے سوا سب راہوں کو قرآنِ عظیم باطل و مردود فرما چکا۔

لاجرم ضرور ہوا کہ طریقت یہی شریعت ہے اسی راہِ روشن کا ٹکڑا ہے، اس کا اس سے جدا ہونا محال و ناسزا ہے، جو اسے شریعت سے جدا مانتا ہے اسے راہِ خدا سے توڑ کر راہِ ابلیس مانتا ہے، مگر حاشا، طریقتِ حقّہ راہِ ابلیس نہیں قطعاً راہِ خدا ہے) نہ بندہ کسی وقت کیسی ہی ریاضات و مجاہدات بجالائے (کیسی ہی ریاضتوں، مجاہدوں اور چِلّہ کشیوں میں وقت گزارا جائے) اس رُتبہ تک پہنچے کہ تکالیفِ شرع (شریعتِ مطہرہ کے فرامین واحکامِ امرونہی) اس سے ساقط ہو جائیں اور اسے اَسْپِ بے لگام وشُتُرِ بے زمام کرکے چھوڑ دیا جائے۔

(قرآن عظیم میں فرمایا: اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (ھود ٥٦) "بے شک اسی سیدھی راہ پر میرا رب ملتا ہے۔" اور فرمایا وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ (الانعام ١٥٣)

[496] لواقح الانوار القدسیۃ فی بیان العهود المحمدیۃ۔ ص:650دار الکتب العلمیۃ

شروع رکوع سے احکامِ شریعت بیان کر کے فرماتا ہے: ''اور اے محبوب! تم فرمادو کہ یہ شریعت میری سیدھی راہ ہے تو اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا اور راستوں کے پیچھے نہ لگ جاؤ کہ وہ تمہیں خدا کی راہ سے جدا کر دیں گے۔'' دیکھو! قرآنِ عظیم نے صاف فرمادیا کہ شریعت ہی صرف وہ راہ ہے جس کا مُنْتَهَا اللہ ہے، اور جس سے وصول الی اللہ ہے، اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا اللہ کی راہ سے دُور پڑے گا۔

طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے شریعت ہی کے اتباع کا صدقہ ہے ورنہ بے اتباعِ شرع بڑے بڑے کشف راہبوں، جوگیوں، سَنْیَاسیوں کو دیئے جاتے ہیں پھر وہ کہاں تک لے جاتے ہیں، اسی نارِ جحیم وعذابِ اَلیم تک پہنچاتے ہیں۔ (مقالِ عرفاء)

صوفی وہ ہے کہ اپنے ہَوا (اپنی خواہشوں، اپنی مرادوں) کو تابعِ شرع کرے (بے اتباعِ شرع کسی خواہش پر نہ لگے) نہ وہ کہ ہَوا (وہوس اور نفسانی خواہشوں) کی خاطر شرع سے دستبردار ہو (اور اتباعِ شریعت سے آزاد)۔

شریعت غذا ہے اور طریقت قوت، جب غذا ترک کی جائے گی قوت آپ زَوَال پائے گی۔ شریعت آنکھ ہے اور طریقت نظر (اور) آنکھ پھوٹ کر نظر (کا باقی رہنا) غیر مُتَصَوَّر، (عقل سلیم قبول نہیں کرتی تو شریعتِ مطہرہ میں کب مقبول و معتبر)۔

بعد اَز وصولِ (منزل) اگر اتباعِ شریعت سے بے پروائی ہوتی (اور احکامِ شرع کا اتباع لازم وضرور نہ رہتا یا بندہ اس میں مختار ہوتا) تو سیّد العالمین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور امام الواصلین علی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہٗ اس کے ساتھ احق ہوتے (اور ترکِ بندگی و اتباعِ شرع کے باب میں سب سے مقدم و پیش رَفت)

نہیں (یہ بات نہیں اور ہرگز نہیں) بلکہ جس قدر قربِ (حق) زیادہ ہوتا ہے شرع کی باگیں اور زیادہ سخت ہوتی جاتی ہیں (کہ) حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ (ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے لیے عیب ہوتی ہیں)

نزدیکاں رابیش بود حیرانی

(قریب والوں کو حیرت زیادہ ہوتی ہے۔)

اور

جن کے رُتبے ہیں سِوا، ان کو سوا مشکل ہے۔

آخر نہ دیکھا کہ سیّد المعصومین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم رات رات بھر عبادات و نوافل میں مشغول اور کارِ اُمّت کے لیے گریاں و ملول رہتے، نمازِ پنجگانہ تو حضور پر فرض تھی ہی، نمازِ تہجّد کا ادا کرنا بھی حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر لازم بلکہ فرض قرار دیا گیا، جب کہ اُمّت کے لیے وہی سنت کی سنت ہے۔

حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے عرض کیا گیا کہ کچھ لوگ زُعم کرتے ہیں کہ احکامِ شریعت تو وصول کا ذریعہ تھے اور ہم واصل ہوگئے یعنی اب ہمیں شریعت کی کیا حاجت! فرمایا: ''وہ سچ کہتے ہیں، واصل ضرور ہوئے مگر کہاں تک؟ جہنم تک۔ چور اور زانی ایسے عقیدے والوں سے بہتر ہیں اگر ہزار برس جیوں تو فرائض و واجبات تو بڑی چیز ہیں جو نوافل و مستحبّات مقرر کر دیئے ہیں بے عذرِ شرعی ان میں کچھ کم نہ کروں۔''

تو خلق پر تمام راستے بند ہیں مگر وہ جو رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی نشانِ قدم کی پیروی کرے

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید　　　　　کہ ہر گز بمنزل نہ خواہد رسید

(جس کسی نے پیغمبر ﷺ کے خلاف راستہ اختیار کیا ہر گز منزلِ مقصود پر نہ پہنچے گا۔)

توہینِ شریعت کفر (اور علمائے دینِ متین کو سب و شتم، آخرت میں فضیحت و رسوائی کا موجب) اور اس کے دائرہ سے خُروج فِسق (و نافرمانی)۔

صوفی (تقویٰ شعار) صادق (العمل) عالمِ سُنّی صحیح العقیدہ خدا و رسول کے فرمان (واجب الاذعان کے مطابق) پر ہمیشہ یہ عقیدت رکھتا ہے کہ (یہاں اصل میں بیاض ہے)، (علمائے شرع مبین وَارثانِ خاتم النبیین ہیں اور علومِ شریعت کے نگہبان و علمبر دار، تو ان کی تعظیم و تکریم صاحبِ شریعت ﷺ کی تعظیم و تکریم ہے اور اس پر دین کا مدار) اور عالمِ مُتَدَیِّن خدا طلب (خدا پرست، خدا ترس، خدا آگاہ) ہمیشہ صوفی سے (یہاں اصل میں بیاض ہے)، (بتواضع و انکسار پیش آئے گا کہ وہ حق آگاہ اور حق کی پناہ میں ہے) اور اسے اپنے سے افضل و اکمل جانے گا (کہ وہ دنیاوی آلائشوں سے پاک ہے) جو اعمال اس (صوفی صافی حق پرست و حق آگاہ) کے اس کی نظر میں قانونِ تقویٰ سے باہر نظر آئیں گے (ان سے صرفِ نظر کر کے معاملہ عالم الغیب والشہادۃ(5) پر چھوڑے گا بمصداق:

ایکہ حمّالِ عیبِ خویشتنید　　　　　طعنہ بر عیبِ دیگراں مکنید

(اے اپنے عیبوں کو اُٹھانے والو! دوسروں کے عیب پر طعنہ زنی مت کرو۔)

اے اللہ! سب کو ہدایت اور اس پر ثبات و استقامت (ثابت قدمی) اور اپنے محبوبوں اور سچے پکے عقیدوں پر جہانِ گُزرَان سے اُٹھا۔ اٰمِیْن یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْن!

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَاِلَیْکَ الْمُشْتَکٰی وَ اَنْتَ الْمُسْتَعَانُ ط وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی [497]

کیا حصول تصوف فرض عین ہے؟

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے فرمایا: علم تصوف جسے علم اخلاق و علم القلب کہا جاتا ہے، اس کا سیکھنا ضروری لازم ہے تا کہ رذائل باطنیہ جو باطن کی بیماریاں ہیں، عجب، حسد یا غضب، عداوت، بغض، تکبر، لالچ، بخل، طمع، مداہنت وغیرہ سے اجتناب ہو سکے۔ [498]

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صوفیاء کرام جس علم کا ذکر کرتے ہیں اس کا حصول ضروری ہے۔ اس کا ثمرہ اور نتیجہ صفائی قلب اور تزکیۂ نفس ہے۔ [499]

امام بلخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(الی ان قال بعد ذالک فی صفحۃ ۱۱) واما العلم اللدني في الذي يسمون أهلها بالصوفية الكرام فهو فرض عين لأن ثمراتها تصفيه القلب عن الاشتغال بغير اللہ تعالی و اتصافه بدوام الحضور و تزكية النفس عن رذائل الأخلاق من العجب و الكبر و الحسد و حب الدنيا و الكسل فی الطاعات و غیرها۔ (قال به القاضی ثناء اللہ الفانی فتی رحمہ اللہ فی تفسیر المظهری و ارشاد الطالبین و تصانیفه الاخریٰ قال به الغزالی رحمہ اللہ ایضا۔ و قال به المجدد رحمہ اللہ و الشیخ عبد الحق رحمہ اللہ ایضا۔

---

[497] اِعْتِقَادُ الْاَحْبَابِ فِي الْجَمِيلِ وَالمُصْطَفٰی وَالْآلِ وَالْاَصْحَابِ

[498] (ردالمحتار شامی ۴۰:۱)

[499] (مظهری، ۳۲۴:۴)

اس کے بعد صفحہ ۱۱ پر رقم طراز ہیں کہ علم لدنی جس کے حاملین صوفیاء کرام کے نام سے موسوم ہیں، تو ہر مسلمان پر فرض عین ہے کیونکہ اس کے نتیجہ میں قلب ماسویٰ اللہ سے صاف ہو جاتا ہے اور دوام حضور سے متصف ہو جاتا ہے اور نفس اخلاق رذیلہ سے صاف ہو تا ہے جیسا کہ عجب تکبر، حسد، محبت دنیا، طاعات میں سستی وغیرہا۔ تصوف کی فرضیت پر حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے تفسیر مظہری اور ارشاد الطالبین وغیرہما کتابوں میں تصریح فرمائی ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ، امام ربانی مجدد الف ثانی اور شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمہم اللہ تعالیٰ کے بھی اس پر اقوال موجود ہیں۔

وقال قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ : ومن ھھنا یظھر فریضۃ اخذ الطریقۃ الصوفیۃ والتثبت باذیال الفقراء کفرضیۃ قرأۃ کتاب اللہ تعالیٰ وتعلم احکامہ۔ [500]

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے واضح ہوا کہ علم باطن فرضِ عین ہے اس کی طلب بھی ہر مسلمان پر فرض عین ہے۔

قدوۃ المحققین محبوب سبحانی حضرت امام ربانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رضی اللہ عنہ **مکتوبات شریف، جلد ۱ مکتوب ۲۱۹ (صفحہ ۱۲۷-۸)** پر فرماتے ہیں کہ علم باطن کے حکیم حاذق (کامل مکمل مشائخ) کی صحبت برائے کسب کمالات باطنیہ حاضر ہونا فرض عین ہے۔

علامہ سید احمد طحطاوی رحمہ اللہ فرضیتِ علم تصوف کے بارے میں لکھتے ہیں: **وکذالک یفترض علیہ علم احوال القلب من التوکل والانابۃ والخشیۃ والرضیٰ فانہ واقع فی جمیع الاحوال وشرف ھذا العلم لا یخفی علی احد۔** [501]

علامہ عبد الغنی النابلیسی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: **وکذالک یفترض علیہ ای علی المسلم علم احوال القلب وما یعتریہ من الاخلاق الجمیلۃ التحرز عن ضدھا بتعلیمھا من التوکل علی اللہ تعالیٰ والانابۃ ای الرجوع الیہ سبحانہ والخشیۃ منہ سبحانہ والرضاء عنہ تعالیٰ فی کل افعالہ واحکامہ فانہ ای ذالک المسلم واقع مدۃ عمرہ فی جمیع الاحوال القلبیۃ المذکورۃ وقال بعد اسطر فان الکبر والبخل والجبن والاسراف حرام بلا خلاف ولا یمکن التحرز عنھا بطریق الاکتساب الا بعلمھا وعلم مایضادھا انتھی بلفظہ۔**

اور اسی طرح فرض ہے مسلمان پر علم احوال قلب اور علم اس چیز کا جو شامل ہو قلب کی طرف اخلاق جمیلہ سے اور اپنے آپ کو بچانا اخلاق رذیلہ سے اور ان سب کے حصول کا سبب توکل علی اللہ اور انابت اور رجوع الی اللہ اور خوف اور خشیت اور رضا اللہ جل شانہ سے تمام افعال واحکام میں اس لئے کہ مؤمن تمام عمر انہی احوال قلبی میں گرفتار ہوتا ہے۔ حدیقۃ الندیۃ کے مؤلف چند سطور بعد لکھتے ہیں: کبر اور بخل اور بزدلی اور اسراف علماء کے اتفاق سے حرام ہیں مگر اپنے آپ کو بچانا ان سب سے، کسب کے ذریعے ممکن نہیں سوائے علم احوال قلب کے حصول کے۔ [502]

---

[500] (تفسیر مظہری جلد ۱ صفحہ ۲۴۳)

[501] (حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار ۱:۳۱)

[502] (الحدیقۃ الندیۃ، ج ۱ ص ۲۳۲)

سراج العارفین میں لکھا ہے: واما حکمه فهو الوجوب العینی علی کل مکلف و ذالک لانه کما یجب علم ما یصلح الظاهر کذالک یجب علم ما یصلح الباطن۔

ترجمہ: شارع کی طرف سے تصوف کا حصول وجوب عینی ہے، جیسے کہ مکلف پر علم اصلاح ظاہر واجب ہے، اسی طرح علم اصلاح باطن بھی واجب ہے۔[503]

ایقاظ الھمم میں ہے: وحکم شارع فیه فقال الغزالی علیہ السلام انه فرض عین اذ لا یخلو احد من عیب او مرض الا الانبیاء علیهم السلام قال الشاذلی من لم یتشغل فی علمنا هذا مات مصراً علی الکبائر وهو لا یشعر وحیث کان فرض عین یجب السفر الی من یأخذه عنه۔ اذا عرف بالتربیة و اشتهر الدواء علی یده۔

شارع کا حکم امام غزالیؒ کی تحقیق کے مطابق فرض عین ہے، اس لئے کہ کوئی بھی فرد انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ عیوب و امراض باطنیہ سے خالی نہیں ہے۔ امام شاذلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو ہمارے علم میں کوشش نہ کرے اور وہ باطنی امراض اور گناہوں پہ اصرار اور استمرار رکھے اور بغیر توبہ کے دنیا سے چلا جائے گا، تو یہ گناہ کبیرہ میں سے ہے۔ اور اسے خبر بھی نہیں ہوگی۔ پس جب علم تصوف فرض عین ہوا تو اس کے حصول کے لئے کوشش کرنا انسان پر واجب ہے۔ اور سفر اس شیخ کی طرف واجب ہے جو کہ تربیت میں اور امراض باطن کے دفع کرنے میں مشہور ہو۔[504]

الحاج فقیر اللہ صاحب نے قطب الارشاد میں لکھا ہے:

ولا شک ان علم عیوب النفس و ازالتها الداخل فی علم الاخلاق و التصوف فرض عین فیکون اهم۔

اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ نفس کے عیوب کا علم رکھنا اور انہیں دور کرنا، یہ داخل ہے علم الاخلاق اور تصوف میں جو کہ فرض عین ہے اور یہ مسئلہ بہت اہم ہے۔[505]

اسی طرح علامہ سید مرتضیٰ زبیدی شارح احیاء العلوم فرماتے ہیں: واعلم ان الفرض بعد التوحید نوعان احدهما ما یکون فرضاً علی العبد بحکم الاسلام و هو علم المعاملة القلبیة و اصلاح الباطن لازدیاد انوار النفسیة و ازالة الاخلاق الردیة و اثبات الشمائل المرضیة وثانیهما فیهما ماهو فرض علیه عند تجدد الحادثة کدخول وقت الصلوة والصوم والحج والزکوة وغیرها واما العبد اذا اسلم فی وقت لم تجب علیه فیه هذه الاشیاء فلیس علیه ان یعلمها بفرض ادراک لانه لم یدرک وقتها وانما یکون الفرض علیه حینئذ علم المعاملات القلبیة فلو وجد برهة ای وقتاً من الزمان بعد الاسلام و فراغاً ولم یشتغل فی تحصیل علم المعاملة القلبیة کان تارکاً للفرض مسئولاً عنه یوم القیامة۔

آگاہ ہو جاؤ، توحید کے بعد فرض دو قسم کے ہیں۔ پہلا فرض مؤمن پر اسلام کے بعد جو فرض ہے وہ عبارت ہے علم معاملات قلبی اور اصلاح باطن سے تاکہ انوار نفسانی زیادہ ہو جائیں اور اخلاق ردیہ دور ہو جائیں اور شمائل مرضیہ حاصل ہو جائیں۔ دوسرا فرض وہ ہے جو وقت کے تجدد کے ساتھ انسان کے اوپر فرض ہو جاتا ہے، مثلاً نماز کے وقت کا داخل ہونا، رمضان المبارک کے مہینے کا داخل ہونا، یا حج کے مہینوں کا داخل ہونا، وغیرہ۔ اگر ایک شخص ایسے وقت اسلام سے مشرف ہوا اور اس کے اوپر یہ چیزیں واجب نہیں تھیں تو اس

---

[503] (سراج العارفین شرح منهاج العابدین، ص ۱)
[504] (الفتوحات الالٰهیه، شرح مباحث اصلیه مشهور به ایقاظ الهمم، ص ۱۲۶، ج ۲)
[505] (قطب الارشاد، ص ۲۱۷)

پر لازم نہیں ہے کہ اس فرض کو حاصل کرلے اس لئے کہ اس نے اس وقت کو پایا نہیں، لیکن اس پر اس وقت فرض یہ ہے کہ یہ علم معاملاتِ قلبی حاصل کرلے۔ اگر اس کو اسلام لانے کے بعد تھوڑا سا وقت ملا اور فراغت ملی لیکن اس نے اپنے آپ کو مشغول نہ رکھا حصولِ علمِ معاملاتِ قلبی (تصوف) میں، تو یہ آدمی فرض کا تارک ہوا اور روزِ قیامت اس سے پوچھا جائے گا۔[506]

علامہ شیخ اسمٰعیل الحقی فرماتے ہیں:

والنوع الثانی علم السروهو مایتعلق بالقلب ومساعیه فیفترض علی المؤمن علم احوال القلب من التوکل والانابت والخشیة والرضی فانه واقع فی جمیع الاحوال واجتناب الحرص والغضب والکبر والحسد والعجب والریاء وغیر ذالک۔

علم کی دوسری قسم کو علمِ سِر کہا جاتا ہے جو کہ قلب اور اس کے احوال کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، اور یہ علم فرض ہے ہر مؤمن مسلمان پر، جو کہ عبارت ہے توکل، انابت، خشیت، رضا قضا پر، اور اپنے آپ کو بچانا ہے حرص، غصہ، تکبر، حسد، عجب اور ریاکاری وغیرہ سے۔[507]

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ دل کا علم اور اس کے امراض یعنی حسد، خود پسندی اور ریاء وغیرہ کی معرفت حاصل کرنا امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کے مطابق فرض عین ہے۔[508]

مامور بہ اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱): فرض عین (۲): فرض کفایہ

فرض عین وہ ہوتا ہے جو مکلف کے بذاتِ خود ادا کرنے سے اس سے ساقط ہوتا ہے۔ مکلف پر فرض عین علوم کو ذکر کرنے سے پہلے اس موضوع کے متعلق بعض بنیادی قواعد ذکر کرتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱: وہ چیز جس کے بغیر واجب کی تکمیل نہ ہو پس وہ بھی واجب ہو جاتی ہے۔

قاعدہ نمبر ۲: علم معلوم کے تابع ہوتا ہے۔ لہٰذا جو علم کسی فرض کی ادائیگی کا وسیلہ اور سبب ہو، وہ فرض ہو گا۔ اور جو واجب کی ادائیگی کا وسیلہ ہو، واجب اور جو سنت کی ادائیگی کا وسیلہ ہو گا وہ سنت ہو گا۔

ان قواعد کو بنیاد بناتے ہوئے ہم بعض ان علوم کو بیان کرتے ہیں جو ہر مکلف پر فرض ہیں۔

(۱) عقائد اہلسنت اور اس کے اجمالی دلائل کو جاننا، تاکہ انسان ملحدین کی تشکیک اور گمراہ کن لوگوں کے مغالطوں سے ایمان کی حفاظت کر سکے۔

(۲) ان مسائل کو جاننا جن کے ذریعہ مکلف فرضی عبادات مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کو ادا کر سکے۔

(۳) اور جس شخص کا واسطہ معاملات یعنی خرید و فروخت وغیرہ کے ساتھ ہو اس پر ان احکام کا سیکھنا فرض ہے جن کے ذریعہ حرام سے بچ سکے اور شرعی حدود کا التزام کر سکے۔

---

[506] (اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء علوم الدین ص ۱۳۵، جلد ۱)

[507] (تفسیر روح البیان، ص ۵۳۶، ج ۳، تفسیر سورۃ توبہ آیۃ ۲۲)

[508] (الاشباہ والنظائر، للسیوطی ص ۵۰۴)

(۴) احوال قلب یعنی توکل، خشیت اور رضا وغیرہ کو جاننا کیونکہ مسلمان کو اپنی زندگی میں ان تمام احوال سے واسطہ پڑتا ہے۔
(۵) تمام اخلاقِ حسنہ اور سیئہ کو جاننا، تاکہ اخلاقِ حسنہ سے اپنے آپ کو آراستہ کرے اور اخلاقِ سیئہ سے اجتناب کرے۔ اور ان اخلاق کو ترک کرنے کیلئے مجاہدۂ نفس کرے کیونکہ مجاہدہ ہر مکلف پر فرض ہے۔ اور اس کا حصول اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب سالک تمام اخلاقِ حسنہ اور سیئہ کو جاننے کے ساتھ ساتھ مجاہدات کے ان تمام طریقوں کو بھی جان لے جن میں صوفیائے کرام مشغول رہے۔
حضور غوث پاک علیہ الرحمۃ کا فرمان ہے: "مشائخ کرام ہی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ ہیں اور رہنما ہیں، اور یہی وہ دروازہ ہے جس سے داخل ہو کر انسان خدا تک پہنچتا ہے، لہٰذا ہر مرید کے لئے ایک شیخ کا ہونا ضروری ہے۔"[509]
علم حاصل کرنے کے متعلق حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة و واضع العلم عند غیر اهله کمقلد الخنازیر الجوهر و اللؤلؤ و الذهب رواه المشکوٰة۔ یعنی ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر علم کی طلب کرنا فرض ہے اور نااہل کو علم سکھانا خنزیر کو جواہر سونے اور موتیوں کا ہار پہنانے کے برابر ہے۔"

علماء و مشائخ نے اعمال صالحہ کی دو اقسام بیان کی ہیں:

(۱) جن کا تعلق اعضائے جسمانی سے ہے جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ، اور
(۲) وہ جن کا تعلق قلب و نفس سے ہے۔ دونوں اقسام پر عمل کرنا ضروری اور مامور بہ ہے، نصوص قرآنی سے ثابت ہے۔

اور اسی طرح اعمال سیئہ کی بھی دو اقسام ہیں:

(۱) جن کا تعلق جسمانی اعضاء سے ہے مثلاً چوری، قتل، زنا، وغیرہ... اور
(۲) جن کا تعلق قلب و نفس سے ہے جیسے عجب، حسد، حقد، حبِ دنیا، حبِ جاہ، شہوت، ریاء کاری، وغیرہ۔ قرآن و احادیث نے دونوں اقسام کے اعمال کی تشریح کی ہے جو حرام و ناجائز ہیں۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نیا صول اربعین میں اخلاق (حسنہ و سیئہ) کی تفصیل تحریر کی ہے، امام قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے تفسیر مظہری میں (وغیر ذالک) کی تشریح میں اخلاق کی طرف اشارہ کیا ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ مکتوب ۶۳ (دفتر دوم صفحہ ۱۷۵) میں لکھتے ہیں: "جان لو کہ مقصد اصلی سلاسل سے اللہ تعالیٰ ہے اور شیخ وصول الی اللہ کا ایک وسیلہ ہے۔ اگر کوئی شخص ایک مرشد سے مرید ہے مگر اپنی کامیابی کسی دوسرے پیر سے دیکھتا ہے جب اس کی صحبت میں جاتا ہے تو اس کا قلب جاری و ذاکر ہو جاتا ہے، تو اس کے لئے بالکل جائز ہے کہ اس پیر سے مرید ہو جائے اور اپنے پیر کی اجازت کے بغیر ہو جائے، اگر چہ وہ پیر حیات ہو البتہ مرشد اول کا انکار نہ کرے اور بے ادبی سے بچے۔ یہ تو اس صورت میں ہے کہ مرشد اول حیات ہو اور اگر مرشد وفات پا جائیں تو اب کسی دوسرے کامل و مکمل سے بیعت بالکل لازمی ہے اور بہت ضروری ہے تاکہ تربیت جاری رہ سکے۔"

---

[509] (غنیة الطالبین، ص ۲۲۷)

حضرت علامہ محمد بن سلیمان بغدادی حنفی نقشبندی رحمہ اللہ "الحديقة الندية في الطريقة النقشبندية" میں لکھتے ہیں:
وتعلم علم الظاهر لا يغني عن استفادته كما ثبت ذلک عن كثير من العلماء الاكابر المتقدمين۔ یعنی صرف ظاہری علم (علمِ دین) علم باطن کے حاصل کرنے سے انسان کو مستغنی نہیں کرتا، اکثر متقدمین ومتأخرین علماء سے مذکورہ بات ہے: کہ صرف علم ظاہر نجات لئے بغیر علم باطن کافی نہیں)۔[510]

حضرت علامہ محمد بن سلیمان بغدادی حنفی نقشبندی رحمہ اللہ حدیقۃ الندیہ میں لکھتے ہیں:
وقد شهد بوجوب تعلم علم البطان من الكتب المعتمدة كتحفة المحتاج للشيخ المحقق المتبحر الشهاب ابن حجر الهيتمي المكي رحمه الله تعالىٰ فانه قال في كتاب السير منها ويجب على من لم يرزق قلبا سليما ان يتعلم ادوية امراض القلب من كبر وعجب، ورياء ونحوها كما يجب لكن كفاية تعلم علم الطب انتهى قلت والمفهوم من هذا النص ان تعلم ادوية امراض القلب من الفروض العينية۔

شیخ شہاب الدین ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ الحدیقۃ الندیہ میں فرماتے ہیں: بہت ساری معتبر کتابوں میں علم باطن کے حاصل کرنے کو واجب قرار دیا مثلاً "تحفه المحتاج" میرے شیخ محقق متبحر شیخ شہاب ابن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو قلب سلیم کی دولت عطا نہیں ہوئی اس پر واجب ہے کہ دل کی بیماریوں کی دوائیوں کا علم حاصل کرے۔ جیسے علم طب کا حاصل کرنا واجب ہے لیکن فرق اتنا ہے کہ علم طب کا وجوب علی الكفايه ہے جب کہ علم باطن ایسا نہیں۔ میں کہتا ہوں صاحب کتاب کے مذکورہ عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ دل کی بیماریوں کی ادویات کا علم فرض عین ہے۔[511]

حضرت علامہ محمدن سلیمان بغدادی فرماتے ہیں:
وقال الخطيب الشربيني من الشافعية في شرح الغاية وتنقسم الطهارة الى واجب ومسنون ثم الواجب نقسم الى واجب وقلبي فالقبلي كالحسد والعجب والرياء والكبر قال الغزالي رحمه الله تعالىٰ معرفة حدودها واسبابها وطبها وعلاجها فرض انتهى۔ وقال شارح المحرر خاتمة المتأخرين الشيخ ابو بكر رحمه الله فيه واما علم الباطن كالعلم بامراض القلب من الحسد والحرص والعجب والرياء والكبر والحقد والبخل وما يتولد منها والعلم بحدودها وعلاجها والعلم بتحصيل اضدادها من الرضاء بالقضاء والقناعة وتحقير النفس والاخلاص والتواضع والصفاء والسخاء فقد قال الامام الغزالي والمتولي والبغوي وشيخه القاضي حسين وغيرهم من كبار اصحابنا انه فروض الاعيان انتهى۔

خطیب شربنی شافعی رحمہ اللہ شرح الغایئہ میں فرماتے ہیں: طہارت کی دو اقسام ہیں۔ واجب ومسنون (سنت) پھر واجب کی دو قسمیں ہیں۔ واجب بدنی اور واجب قلبی واجب طہارت، حسد، عجب، ریاء، کبر، دنیا کی محبت، عبادت میں سستی، جیسی بیماریوں سے پاکی حاصل کرنا ہے۔

خاتمۃ المتاخرین شیخ ابو بکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علم باطن جیسے دل کی بیماریوں یعنی حسد، حرص، عجب، ریاء، کبر، حقد، بخل اور وہ بیماریاں جو ان سے پیدا ہوتی ہیں ان کی حدود کو جاننا اور اس کے علاج کو جاننا اور ان بیماریوں کی ضدوں کا علم جیسے رضا بالقضاء، قناعت،

---

[510](الحديقة الندية، المكتبة الحقيقة، استانبول، تركية)
[511](الحديقة الندية، ص ۲٦، المكتبة الحقيقة، استانبول، تركيه)

تحقیر نفس، اخلاص، عاجزی، صفا، سخاوت، امام غزالی اور امام بغوی قاضی حسین وغیرہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ان بیماریوں اور ان کی ضدوں کا علم فرض عین ہے۔ انتہیٰ۔[512]

حضرت علامہ محمد بن سلیمان بغدادی حنفی نقشبندی لکھتے ہیں:

قلت ای التبحر فی علم القلب کما یستفاد من العطف و اما اصل علم القلب فهو فرض عین وقال الشیخ العالم المحقق طاهر ابن سلام ابن قاسم الانصاری الخوارزمی رحمه الله تعالیٰ فی جواهر الفقه و اما علم القلب فهو علم ذوقی ووجدانی لا یمضع تحت السنة الاقلام و لا تحیط به الدفاتر و الاوهام وهو بمقابلة العلم الظاهر بمنزلة الثمر للشجر و الشرف للشجر لکن لا انتفاع الا بثمره انتهی وقال العلامة محمد افندی البر کلی الحنفی فی الطریقة المحمدیة و اقبح العجب العجب بالرأی الخطأ فیفرح به ویصر علیه ولا یسمع نصح ناصح بل ینظر الی غیره بعین الاستجهال قال الله تعالیٰ افمن زین له سوء عمله فراه حسنا وهم یحسبون انهم یحسنون صنعا و جمیع اهل البدع و الضلال انما اصروا علیها لعجبهم بآرائهم وعلاج هذا العجب اعسر و اصعب، اذ صاحبه یظنه علما لا جهلا و نعمة لا نقمة وصحة لا مرضا فلا یطلب العلاج و لا یصغی الی الاطباء وهم علماء اهل السنة و الجماعة انتهی قلت و المراد بقوله وهم علماء اهل السنة و الجماعة فی معرض بیان اطباء القلوب علماء الاخرة الذین اذا رؤا ذکر الله و لا یشقی جلیسهم وهم الاولیاء الجامعون للعلم الظاهر و الباطن و الشریعة و الحقیقة اکابر الشیوخ من اهل المعرفة و الرسوخ و الا فالعلم باعلم الظاهر فقط وهو من اهل السنة و الجماعة لا یقدر فی الا غلب علی علاج قلبه فکیف لغیره وقد قیل طیب یداوی الناس وهو علیل وهذا امر وصل الی حد البداهة بالتجربة و المشاهدة و الله الموفق وقال خاتمة المتأخرین العلامة الشیخ حسن الشرنبلالی الحنفی رحمه الله فی شرحه الکبیر علی امداد الفتاح المسمی بنور الایضاح و مراقی الفلاح شرطت الطهارة الشرعیة لیصیر العبد اهلا للعبودیة و القیام بخدمة الربوبیة و لا ینفعه ذلک حقیقتا الا باخلاص الطویة و تطهیرها عن الادناس المعنویة اذهی اضر من النجاسة الحقیقة کالغل و الغش و الحقد و البغض و الحسد ویصلح قلبه لیصلح به سائر الجسد فیطهر قلبه عما سوی الله تعالیٰ الکونین کون الدنیا و الآخرة بقطع العلائق عن جملة الخلائق و ما تطمح الیه النفوس فلا یقصد الا الله تعالیٰ بعبده لاستحقاقه العبادة لذاته تعالیٰ و امتثال امره ملاحظا جلالته و کبریائه لا رغبة فی جنة و لا رهبة من نار بل لانه تعالیٰ من حقه ان یعبد کما قال سبحانه و ما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون فیخلص الطاعة له ثم یسأله حاجته الدینیة و الدنیویة اظهار اللفاقة و الاضطرار الی المولی الغنی عن کل شیء بعد تطهیر لسانه من اللغو فضلا عن الکذب و الغیبة و النمیمة و البهتان و تربیته بالتقدیس و التهلیل و التسبیح و تلاوة القرآن لعله ان یتصف ببعض صفات العبودیة اذ هی الوفاء بالعهود و الحفظ للحدود و الرضاء بالموجود و الصبر علی المفقود فتکون فردا الفرد و لا یسترقک شیء من الدنیا و لا یملیک شیء من الهویٰ قال الحسن البصری رحمه الله تعالیٰ و نفعنا ببر کته رب مستور سبه شهوة قد عری من ستره و الهتکا صاحب الشهوة عبد فاذا ملک الشهوة اضحی ملکا انتهی بحروفه۔

میں کہتا ہوں (مؤلف کتاب) وسعت علم سے مراد قلب ہے اور یہ بات شیخ کی عبارت میں عطف سے مستفاد و معلوم ہے (اس لئے کہ آپ اس کے بعد فرماتے ہیں) اور علم قلب پس وہ فرض عین ہے۔ عالم محقق شیخ طاہر خوارزمی رحمہ اللہ "**جواهر فقه**" میں فرماتے ہیں: لیکن علم قلب پس وہ ذوقی و وجدانی علم ہے جو قلموں کی زبانوں سے لکھا نہیں جاتا اور نہ ہی دفاتر اور اوہام کا احاطہ کر سکتی ہیں، علم باطن، علم ظاہر کے مقابلے میں بمنزلہ میوہ مقابلہ درخت کے ہے اہمیت درخت کو ہے لیکن میوہ کے بغیر اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ انتہی۔

---

[512](الحدیقة الندیة، ص ۲۷، ۲٦، المکتبة الحقیقة، استانبول، ترکیه)

علامہ محمد آفندی برکلی حنفی رحمہ اللہ طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں: غرور میں سب سے بڑا غرور و کبر اپنی خطاء اور رائے پر غرور کرنا اور پھر اس پر خوش ہونا اور اس پر اصرار کرنا اور کسی نصیحت کرنے والے کی نصیحت ورہنمائی کو نہ سننا بلکہ غیر کو جاہل سمجھنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمام بدعتیوں اور گمراہ لوگوں نے اپنے برے عمل پر اصرار کیا اور یہ اصرار ان کا اپنی رائے کے تکبر و غرور کی وجہ سے تھا اور اس غرور کا علاج انتہائید شوار و سخت ہے۔ اس لئے کہ ایسا مغرور اپنے آپ کو عالم سمجھتا ہے اور اپنے غرور کو مکروہ سمجھنے کے بجائے نعمت، اور بیماری کی بجائے صحت سمجھتا ہے تو وہ اس بیماری کا علاج نہیں کرتا نہ ہی طبیبوں کی بات سنتا ہے۔ طبیب علماء اہلسنت و جماعت ہیں۔ انتہیٰ۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کی مراد دلوں کے طبیب و علماء آخرت علماء ہیں کہ جب انہیں دیکھا جائے تو اللہ عزوجل یاد آجائے اور ان کے ہم نشین کبھی بدبخت نہیں ہوتے اور یہ علماء ظاہر و باطن حقیقت و شریعت کے جامع ہوتے ہیں نہ کہ صرف علم ظاہر کا عالم جو اکثر اپنے دل کے علاج پر قادر نہیں ہوتا، تو دوسروں کے لئے کیسے معالج بن سکتا ہے۔ یہ مشائخ (رحمہم اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں کہ یہ بات مشاہدہ و تجربہ سے ثابت ہے کہ بسا اوقات لوگوں کا علاج کرتے ہیں لیکن خود بیمار ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ حسن شرنبلالی رحمہ اللہ تعالیٰ "نور الایضاح" کی شرح "مراقی الفلاح" میں فرماتے ہیں: کہ طہارت شرعیہ شرط ہے، تاکہ بندہ عبادت کرنے کا اہل ہو جائے اور عبادت کا فائدہ اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اخلاص نصیب نہ ہو اور جب تک پوشیدہ نجاستوں، مثلاً کینہ، فریب، بغض، حسد، ریاکاری وغیرہ سے پاکی حاصل نہ ہو۔ طریقت میں پہلے دل کی اصلاح ہوتی ہے تاکہ تمام جسم کی اصلاح ہو جائے تو خدا تعالیٰ کے سوا تمام چیزوں (کی محبت) سے دل پاک ہو جاتا ہے اور (کیفیت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب) تمام مخلوق اور جس چیز کی طرف نفس میلان و خواہش کرتا ہے، اس سے تعلق قطع ہو جائے۔ تو پھر انسان صرف خدا تعالیٰ کا قصد کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی عبادت اسی کے لئے کرتا ہے، وہ ذات مستحق عبادت ہے اور خدا تعالیٰ کے جلال و بڑائی کی رعایت کرتے ہوئے اس کا حکم بجالاتا ہے، وہ شخص عبادت اس لئے نہیں کرتا کہ اس کو جنت ملے اور نہ ہی جہنم کی آگ کے خوف کی وجہ سے عبادت کرتا ہے (بلکہ اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ) خدا تعالیٰ بہت بلند و بالا ذات والا ہے، اس خالق کی عبادت کرنا اس کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریت، آیت ۵۶) (میں نے جن و انس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے)۔ اس لئے وہ عبادت اخلاص نیت کے ساتھ کرتا ہے اور پھر جب وہ خدا تعالیٰ سے دنیوی یا دینی حاجت کے بارے میں سوال کرتا ہے تو اپنی محتاجی کے اظہار اور اپنے مولیٰ کے قرب کی طرف بے چینی کا اظہار کرنے کی غرض سے کرتا ہے اور یہ کیفیت اس وقت حاصل ہو گی جب زبان فضول باتوں سے پاک ہو جائے چہ جائے کہ جھوٹ و غیبت و بہتان سے پاک ہو اس کی تربیت، تسبیح و تہلیل اور قرآن پاک کی تلاوت پر مرتب ہو، ممکن ہے کہ مذکور شخص عبدیت کی بعض صفات کے ساتھ متصف ہو جائے، اس لئے کہ عبدیت، عہد و پیمان کے وفا اور حدود اللہ کی حفاظت کرنے، راضی رہنے، جو پاس نہ ہو اس پر صبر کرنے کا نام ہے تو فرد الفرد ولی بن جائے گا کوئی شے پوشیدہ وہ مجہول نہیں ہو گی اور پھر تمہیں نفس کی خواہش کی طرف کوئی شئے مائل نہ کر سکے گی۔

حضرت امام عبد الوہاب شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول:

وقد قال الامام العارف المتضلع من علوم الشريعة و الحقيقة الشيخ عبد الوهاب الشعراني في كتابه مشارق الانوار القدسية في العهود المحمدية وقد اجمع اهل الطريق علي وجوب اتخاذ الانسان له شيخا يرشده الى زوال تلك الصفات

التی تمنعه حضرۃ اللہ تعالیٰ بقلبه لتصح صلوته من باب ما لا یتم الواجب الا به فهو واجب و لا شک ان علاج امراض الباطن من حب الدنیا و الکبر و العجب و الریاء و الحقد و الحسد و الغل و النفاق کله واجب کما تشهد له الاحادیث الواردۃ فی تحریم هذه الامور و التوعد بالعقاب علیها فعلم ان کل من لم یتخذ له شیخا یرشده الی الخروج عن هذه الصفات فهو عاص للہ تعالیٰ و لرسوله ﷺ لانه لا یهتدی لطریق العلاج بغیر شیخ و لو حفظ الف کتاب فی العلم فهو کمن یحفظ کتابا فی الطب و لا یعرف تنزل الدواء علی الداء فکل من سمعه و هو یدرس فی الکتاب یقول انه طبیب عظیم و من راه حین یسئل عن اسم المرض و کیفیة ازالته قال انه جاهل فاتخذ لک یا اخی شیخا و اقبل نصحی و ایاک ان تقول طرق الصوفیة لم یات بها کتاب و لا سنة فانه کفر فانها کلها اخلاق محمدیة سداها و لحمتها منها انتهیٰ۔

امام عبد الوہاب شعرانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "انوار قدسیه فی العهود المحمدیه" میں فرمایا ہے کہ اس بات پر اہل طریقت کا اجماع و اتفاق ہے کہ انسان پر واجب ہے کہ وہ ایسے شیخ کی بیعت کرے جو اس کی تربیت کرتا رہے یہاں تک کہ اس سے وہ تمام صفات زائل ہو جائیں جو خدا تعالیٰ کے قلبی ذکر میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں تا کہ انسان کی نماز درست ہو جائے۔

قاعدہ کلیہ: جس چیز کے بغیر واجب مکمل نہ ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ باطنی بیماریاں مثلاً دنیا کی محبت تکبر، ریاکاری حسد، وغیرہ کا علاج کرانا واجب اور ان بیماریوں کے حرام ہونے اور ان کے ارتکاب کرنے والے کو عذاب ہونے پر بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ جس نے بھی کوئی شیخ نہ پکڑا (تا کہ وہ اس کو ان بیماریوں سے نکلنے کی رہنمائی کرے) وہ خدا اور اس کے رسول (ﷺ) کا نافرمان ہوا اس لئے کہ شیخ کے بغیر کوئی ان بیماریوں کے علاج کے درست طریقے تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا، اگر کسی نے اس علم میں ہزار کتابیں یاد کر لیں تو وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے علم طب میں ایک کتاب یاد کی ہو لیکن دوا کے بیماری پر اثر انداز ہونے کو نہیں جانتا، اس نے جو کچھ کتاب میں پڑھا ہے، اس کا ہی درس دیتا ہے اور اپنے آپ کو بہت بڑا طبیب سمجھتا ہے، اگر کوئی اس سے بیماری کا نام اور علاج پوچھ لے تو وہ اس کو جاہل کہہ دے گا۔ طریقت کا انکار کفر ہے: اور یہ بات کہنے سے بچو کہ صوفیاء کے طریقے قرآن و سنت سے ثابت نہیں (بلکہ من گھڑت ہے)، کیونکہ یہ بات کہنا کفر ہے اس لئے کہ صوفیاء کے تمام کے تمام اخلاق محمدیہ (ﷺ) ہی تو ہیں۔ انتہیٰ۔

و قال العارف المذکور فی کتاب آخر له مسمی بالجواهر و الدرر الصغریٰ و سئلت عن الدواء الذی اذا استعمله العبد زال عنه الریاء و الاعجاب باعماله فقلت دوائه الاکثار من ذکر اللہ تعالیٰ حتی یتجلی فی قلبه التوحید الحقیقی و یری اعماله خلقا للہ تعالیٰ وحده جملة واحدۃ لیس للعبد فیها غیر النسبة فهناک لا یصیر عنده ریاء و لا اعجاب و لا تکبر علی احد من العصاۃ لان العبد لا یرائی قط بعمل غیره و لا یعجب فیه بنفسه و لا یحص عنده دعوی فقیل فهل له دواء غیر التوحید من الاعمال فقلت لا اعلم له دواء اسرع من التوحید و هو الذی وضعه جمیع اهل الطریقة للمریدین فطووا به الطریق و قد اخطأ ذلک طائفة العباد الذین اشغلوا انفوسهم بتلاوۃ القرآن و الصلوۃ و الصیام و ماتوا علی ریائهم و رؤیة اعمالهم و لم یخلصوا فی شیء منها کما یشهد لذلک حدیث العابد الذی یقول له الحق سبحانه و تعالیٰ ادخل الجنة برحمتی فیقول یا رب بل بعملی و ذلک لعدم فهمهم للقرآن فان الفهم یتوقف علی جلاء القلب فحکم الذکر کالحصی للنحاس المصدی و حکم غیره کالصابون فافهم انتهیٰ۔

امام علامہ عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "جواهر و الدرر الصغری" میں ہے کہ مجھ سے کسی نے یہ سوال کیا وہ کون سی دوا ہے جس کے استعمال کرنے سے انسان سے ریاکاری، نیک عمل پر فخر کرنا زائل ہو جائے۔

میں نے جواباً کہا اس کی دوا خدا تعالیٰ کا کثرت کے ساتھ ذکر کرنا ہے تا کہ دل حقیقی توحید کے ساتھ منوّر ہو جائے اور اپنے نیک عمل کو خدا تعالیٰ کا پیدا کردہ سمجھے۔ اپنا ان اعمال میں کوئی عمل دخل نہ سمجھے تو پھر اس کے اندر ریاکاری اور عمل پر فخر کرنا، اپنے آپ کو گناہ گاروں سے افضل سمجھنا باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ (اس وقت) بندہ نیک عمل صرف خدا تعالیٰ کیلئے کرتا ہے اور غیر خدا اس کا مقصد نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی اس عمل میں اپنی بڑائی سمجھتا ہے اور نہ ہی اس کے ہاں (عمل نیک پر) کوئی دعویٰ باقی رہتا ہے پھر اس نے مجھ سے کہا (کہ ان بیماریوں کا) توحید حقیقی کے علاوہ بھی کوئی علاج ہے میں نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ توحید کے علاوہ بھی ریاکاری کی کوئی زیادہ تیز دوا ہو اور کثرت ذکر قلبی کے ساتھ ریا کو ختم کرنے کا طریقہ تمام صوفیا اکرام کا مریدوں کے لیے وضع کیا ہوا طریقہ ہے اور انہوں نے ذکرِ قلبی کے ساتھ ہی راستے کو طے کیا ہے۔ عابدوں کا وہ گروہ خطا پر ہے جنہوں نے اپنے آپ کو قرآن پاک کی تلاوت نماز روزہ میں مشغول رکھا اور اپنے اعمال کی ریاکاری کرتے ہوئے دنیا سے چلے گئے انہوں نے عبادت میں ذرہ بھر بھی اخلاص نہیں کیا۔

حدیث اس بات پر بھی گواہ ہے حضور علیہ الصوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

حدیث: العابد الذی فیقولُ تعالی أدخِلوا عبديَ الجنَّةَ برَحمتي فيقولُ يا ربِّ بل بعملي۔[513]

ایک عبادت کرنے والے کیلئے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میری رحمت کے ساتھ جنت میں داخل کر دو تو وہ عابد کہے گا اے اللہ (میں تیری رحمت کے سبب جنت میں داخل نہیں ہوتا بلکہ) اپنے عمل کے ذریعے داخل ہوں۔

یہ بات اس سے قرآن پاک کو نہ سمجھنے کی بنا پر صادر ہو گی کیونکہ قرآن کا سمجھنا دل کے منور ہونے پر موقوف ہے تو ذکر کی مثال (قوت میں) پتھر کی اس شدید ضرب کی ہے جس سے چنگاریاں پیدا ہوتی ہیں اور ذکر قلبی کے علاوہ دوسرے اور اد و تلاوت کی مثال صابن کی ہے اس مثال سے تو سمجھ جا۔ انتہیٰ (علامہ امام شعرانی کی عبارت اختتام پذیر ہوئی۔

وقال العارف المذکور فی کتاب آخر لہ مسمی بالاجوبۃ المرضیۃ عن الفقھاء والصوفیۃ وقد کان الشیخ عز الدین ابن عبد السلام، یقول قبل ان یجتمع بالشیخ ابی الحسن الشاذلی وھل ثم طریق یقرب الی اللہ تعالیٰ غیر ما بایدینا من الفقہ فلما اجتمع بالشیخ ابی الحسن الشاذلی اقر لطریق القوم بقولہ من ادل دلیل علی صحۃ طریق القوم وان اھلھا قعدوا علی القواعد وقعد غیرھم علی الرسوم ما یقع علی ایدی القوم من الکرامات والخوارق ولم یقع علی ید فقیہ کرامۃ ولو بلغ فی العلم ما بلغ الا ان یتبع، طریقھم انتھی۔

امام عبد الوہاب شعرانی کی ایک اور کتاب (جس کا نام) "الاجوبۃ المرضیۃ عن الفقھاء والصوفیۃ" ہے۔ اس کتاب میں آپ فرماتے ہیں حضرت شیخ عزیز الدین ابن عبد السلام شیخ ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صحبت اختیار کرنے سے پہلے کہتے تھے کہ فقہ کے علاوہ (جو ہمارے پاس ہے) کوئی طریقہ بھی قرب الٰہی کا ذریعہ نہیں ہے لیکن آپ نے جب حضرت شیخ ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس اختیار کی تو انہوں صوفیہ کے طریقوں کا اقرار کرتے ہوئے فرمایا کہ طریقت اور اہل طریقت کے ضوابط (شریعت) پر مبنی ہونے اور غیروں کا محض رسوم پر ہونے کی بڑی دلیل صوفیہ کے ہاتھوں پر خوارق و کرامات کا واقع ہونا ہے جب تک کسی فقیہ نے

---

[513] ابن القیم (ت ٧٥١)، شفاء العلیل ١/٣٤٦ • إسناده صحيح۔

صوفیہ کے طریقوں کی پیروی نہیں کی اس وقت تک اس کے ہاتھ سے کبھی بھی کرامت واقع نہیں ہوئی اگرچہ وہ علم میں بہت بڑے درجہ پر فائز ہو۔ انتہیٰ۔

حضرت امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رضی اللہ عنہما کا ارشاد:

وقال فیہ ایضا وکان امام احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہ یا ولدی علیک بالحدیث وایاک ومجالسۃ ھؤلاء الذین سموا انفسھم صوفیۃ فانھم ربما کان احدھم جاھلا باحکام دینہ فلما صحب ابا حمزۃ البغدادی وعرف احوال القوم کان یقول لو لدہ یا ولدی علیک بمجالسۃ ھؤلاء القوم فانھم زادوا علینا بکثرۃ العلم والمراقبۃ والخشیۃ والزھد وعلو الھمۃ انتھی وفیہ ایضا بعد عبارۃ یسیرۃ وبلغنا ان الامام الشافعی رضی اللہ عنہ کان یجالس الصوفیۃ کثیرا ویقول یحتاج الفقیہ الی معرفۃ اصلاح الصوفیۃ لیفیدوہ من العلم مالم یکن عندہ انتھی وقال ایضا فیہ فلا یقال لو کان علاج ھذہ الامراض الباطنۃ واجبا لوضع الائمۃ الصحابۃ والتابعین والمجتھدین فی ذلک کتبا ولم نر لھم کتابا فی مثل ذلک لانا نقول ان ھذہ الامراض التی حدیث فینا لم تکن فی اھل عصرھم ولو کانت فیھم لاستنبط المجتھدون فی ذلک ادویۃ وکتبا وخلصوا الناس من الریاء والنفاق کما فعلوا ذلک فی مسائل الفقہ بل ذلک کان اولی لما ھم علیہ من کثرۃ الخشیۃ والخوف من اللہ تعالیٰ ولا یقول عاقل قط ان احدا من الائمۃ یری فی احد کبرا او عجبا او ریائا او حسدا او نفاقا یقرہ علیہ ابدا بل کان یستنبط لہ الدوائ من الکتاب والسنۃ لیخرجہ من اثم تلک الکبائر فقد بان لک انہ یجب علی کل من غلب علیہ مرض من امراض الباطنۃ من عجب او کبر او ریاء او غیر ذلک ان یطلب لہ شیخا یخرجہ من تلک الورطۃ وان لم یجدہ فی بلدہ او اقلیمہ وجب علیہ السفر الیہ وان من رزقہ اللہ تعالیٰ سلامۃ الباطن من الامراض کالائمۃ المجتھدین وکمل اتباعھم لایحتاج الی شیخ لان ھذا قد عمل بما علم علی وجہ الاخلاص وذلک ھو حقیقۃ الصوفی قال الامام القشیری واول ما حدث ظھور الامرض الباطنۃ او اخر ??? من الھجر لقولہ ﷺ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم فمن شھد لہ رسول اللہ ﷺ بالخیریۃ فقد حاز رتبۃ الکمال انتھی ملخصا۔

حضرت امام عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ اسی کتاب میں فرماتے ہیں کہ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے عبد اللہ کو فرمایا کرتے تھے کہ تم حدیث کا علم حاصل کرنا ضروری اور تم پر ان لوگوں کی مجلس اختیار کرنا ضروری ہے جن کو صوفیہ کہا جاتا ہے کیونکہ ان لوگوں میں سے کوئی نہ کوئی جاہل ضرور ہوتے ہیں لیکن جب انہوں ابو حمزہ بغدادی کی مجلس اختیار کی اور صوفیہ کرام کے احوال کو پہچانا تو اپنے بیٹے کو کہتے تھے اے بیٹے! تم پر ان لوگوں کی مجلس اختیار کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ لوگ ہم سے علم میں، مراقبہ میں، خدا تعالیٰ سے خوف دنیا سے بے پرواہ ہونے میں، اور بلند ہمت ہونے میں زیادہ ہیں۔ انتہی

اور اسی کتاب میں کچھ آگے جا کر فرماتے ہیں کہ حضرت امام شافعی صوفیہ کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے ساتھ بہت زیادہ بیٹھتے تھے اور فرماتے تھے کہ فقیہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ صوفیہ کرام کی اصلاح کو جانے تاکہ وہ علم حاصل ہو جو اس کے پاس نہیں۔ انتہی۔

اعتراض: کوئی شخص یہ اعتراض نہ کرے کہ اگر باطنی بیماری کا علاج ضروری ہوتا تو صحابہ کرام تابعین اور مجتہدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کوئی اس موضوع پر کوئی کتاب لکھتے، حالانکہ ہم نے اس قسم کی انکی کوئی کتاب نہیں دیکھی۔

جواب: میں کہتا ہوں (صاحب کتاب) کہ یہ بیماریاں ہم میں پیدا ہوئی ہیں۔ صحابہ کرام، تابعین کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں یہ بیماریاں نہیں تھیں اگر تھیں بھی تو مجتہدین نے ان کی دواؤں کو اور اس موضوع پر کتابوں کو مہیا کیا اور لوگوں کو ریا، نفاق سے خلاصی عطا کی بلکہ یہ حضرات تو سب سے زیادہ صوفیہ تھے اسلئے کہ ان لوگوں میں۔اللہ تعالیٰ کی خشیت وخوف سب سے زیادہ تھا اور اپنی

جانوں میں خدا تعالیٰ کی زیادہ مراعت کرتے تھے کوئی عقلمند شخص یہ ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ صحابہ یا تابعین یا مجتہدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے فلاں متکبر تھا یا ریاکار یا حسد کرنے والا یا نفاق والا تھا اور نہ ہی انہوں نے اس چیز کا اقرار کیا بلکہ انہوں نے تو ان بیماریوں کی دوا قرآن و سنت سے حاصل کی تھی تاکہ وہ ان کبیرہ گناہوں سے بچ نکل سکیں۔ بس صرف اتنی بات ہے کہ جس شخص پر باطنی بیماریوں میں سے کوئی بیماری غالب آجائے تو اس پر واجب ہے کہ وہ کسی شیخ کامل کو تلاش کرے کہ وہ شیخ اُس کو اِس سخت کیچڑے سے باہر نکالے۔ ایسا شخص اگر شیخ کامل کو اپنے شہر یا صوبے میں نہ پائے تو اس شخص پر شیخ کی طرف سفر کرنا واجب ہے اور جس شخص کو خدا تعالیٰ نے باطنی بیماریوں سے سلامتی عطا کی ہو اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی مکمل پیروی کرتا ہو جیسے ائمہ مجتہدین تو وہ شخص شیخ کا محتاج نہیں اس لئے کہ اس نے اپنے علم پر علی وجہ الاخلاص عمل کیا اور یہی صوفی کی حقیقت ہے (جو اس میں موجود ہے)۔

امام قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، باطنی بیماریاں تیسری صدی ہجری کے بعد پیدا ہوئیں کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

خيرُ القرونِ قرْني، ثمَّ الَّذين يلونَهم، ثمَّ الَّذين يلونَهم، [514]

بہترین زمانوں یا صدیوں میں میرا زمانہ یا صدی ہے پھر ان لوگوں کا جو میرے زمانے کے لوگوں کے قریب زمانے کے ہوں۔ (تابعین) پھر ان لوگوں کا جن کا زمانہ ان کے (تابعین) زمانے کے قریب ہو (تبع تابعین)

تو جس شخص کے خیر پر ہونے کی خود حضور ﷺ گواہی دیں بے شک اس نے رتبہ کمال کو حاصل کیا۔ انتھیٰ ملخصًا۔

وفی الاجوبة المرضية ما نصه وكان الامام الشافعي والامام احمد رضی اللہ عنهما يترددان الى مجالس الصوفية ويحضران معهم فی مجالس ذكرهم فقيل لهما ما لكما تترددان الى مثل هؤلاء الجهال فقالا ان هؤلاء عندهم رأس الامر كله وهو تقوى الله عز وجل، ومعرفته ذكره ابن ايمن فی رسالته انتهى۔

اور "اجوبة المرضية" میں ہے کہ امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کثرت سے صوفیہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی مجالس کو اختیار کرتے تھے اور ان کے ذکر کی مجلسوں میں حاضر ہوتے تھے تو ان دونوں اماموں سے کسی نے سوال کیا کہ تمہیں کیا ہوا کہ ان جاہلوں کی مجلسوں کو اختیار کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ تمام کا تمام معاملہ ان لوگوں کے پاس ہے اور وہ معاملہ خدا تعالیٰ کا تقویٰ اور اس کی معرفت ہے۔ یہ بات ابن ایمن نے اپنے رسالہ میں ذکر کی ہے۔ انتہیٰ۔

وفی مشارق الانوار القدسية فی العهود المحمدية للامام العارف الشعرانی قدس سره النورانی اخذ علينا العهد العام من رسول الله ﷺ ان لا يغتر بحفظ العلم الذی يطلب منا العمل من غير عمل كما عليه غالب الناس اليوم وما هكذا كان السلف الصالح رضی الله عنهم ثم قال ويحتاج من يريد العمل هذا العهد الى سلوك على يد شيخ ليرقيه الى درجات المراقبة لله تعالىٰ والخوف من عذابه كما كان عليه العلماء العاملون وسمعت شيخنا شيخ الاسلام زكريا رحمه الله تعالى يقول كل فقيه لا يجتمع بالقوم فهو كالخبز الجاف بلا ادام وسمعت سيدی عليا الخواص رحمه الله تعالى يقول لا يكمل طالب العلم الا باجتماع على احد من اشياخ الطريق ليخرجه عن رعونات النفوس ومن حضرات تلبيس النفس ومن لم يجتمع على اهل الطريق فمن لازمه هذا فليجرب فاسلک يا اخی على يد شيخ والزم خدمته واصبر على جفائه لک وتغرباته عليک فان الذی يريد ان يطلعک عليه امر نفيس لا يقابل بالاعراض الدنيوية فان للعلم رياسة عظيمة وللنفس فيه دسائس فربما خفيت على

[514] ابن رجب (ت٧٩٥)، جامع العلوم والحكم ٢/٤٧٧ • صحيح •

مشائخ العلم فضلا عن الطلبة و الله یھدی من یشاء الی صراط مستقیم روی مسلم وغیرہ ان رسول اللہ ﷺ کان یقول فی دعائہ اللھم انی اعذبک من الناس عذابا یوم القیامۃ عالم لم ینفعہ اللہ تعالی بعلمہ انتھی ملخصا۔

حضرت امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "**مشارق الانوار القدسیۃ فی العھود المحمدیۃ**" میں ہے کہ ہم نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی اس عہد عام کی خلاف ورزی کی ہے کہ ہم اس علم کے درپے نہ ہونگے جو ہم سے عمل کا مطالبہ کرے اور ہم اس پر عمل نہ کریں اور آج اکثر لوگوں کا یہی حال ہے (کہ اپنے علم پر عمل نہیں کرتے) پھر فرماتے ہیں کہ جو حضور ﷺ کے اس عہد پر عمل کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ وہ کسی شیخ کامل کے ہاتھ پر منازل سلوک طے کرے تاکہ اسے خدا کی طرف توجہ کرنے اور اس کے عذاب سے ڈرنے کے مراتب حاصل ہو سکیں جیسے کہ عمل کرنے والے علماء تھے۔ میں نے شیخ الاسلام زکریا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے، ہر فقیہ (علم فقہ کا عالم) جو سلوک کو حاصل نہیں کرتا اس خشک روٹی کی طرح ہے جس میں کوئی سالن نہ ہو ۔میں نے ہمارے سردار علی خواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ طالب علم، علم حاصل کرنے میں اس وقت تک کامل طالب علم نہیں ہو سکتا جب تک کسی شیخ طریقت کی صحبت اختیار نہیں کرتا، تاکہ وہ نفس کی رعونت وفریب سے نکل سکے اور جو طالب علم ،علم کے ساتھ اہل طریقت میں سے کسی شیخ کی صحبت اختیار نہیں کرتا وہ بسا اوقات نفس کی تاریکیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اپنے علم پر عمل کرنے کا دعویدار ہو جاتا ہے اور۔خود کو بہت کم بے عمل سمجھتا ہے اور اس کے ذہن میں ایسے دلائل قائم ہو جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے میں رکاوٹ بن جاتے ہیں اور جس کو میری اس بات میں شک ہو وہ تجربہ کر کے دیکھ لے ،تو اے میرے بھائی! کسی شیخ کامل کے ہاتھ پر بیعت کر اور اس کی خدمت کو لازم پکڑ اس کے جفا پر صبر کر اس لئے کہ جو شخص تجھے کسی بہترین شے پر مطلع (خبردار) کرنا چاہتا ہو تو وہ تجھے دنیاوی اغراض و مقاصد کی طرف متوجہ نہیں کرے گا کیونکہ علم ایک بہت بڑی برتری ہے۔

اور نفس کا اس میں مکر و فریب کے ساتھ عمل دخل ہوتا ہے اور بسا اوقات مشائخ پر بھی علم پوشیدہ رہتا ہے، طلباء کی تو بات ہی کیا اور خدا ہی جس کو چاہے سیدھی راہ کی ہدایت کرتا ہے۔ مسلم شریف کی روایت اور دیگر کتب احادیث میں یہ حدیث روایت کی گئی ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام اپنی دعا میں فرماتے تھے :

اللّٰھمّ إنّي أعوذُبِکَ مِن نَفْسٍ لاتشبَعُ و مِن عِلمٍ لا ینفَعُ۔[515]

اے اللہ عزوجل میں اس نفس سے پناہ مانگتا ہوں جو سیر نہ ہو اور اس علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نفع مند نہ ہو۔

طبرانی نے اس حدیث کو مرفوعاًروایت کیا:

وَ کُلُّ عِلمٍ وبالٌ علی صاحِبِہٖ إلّا مَن عملَ بِہٖ[516]

ہر علم اس کے صاحب پر وبال ہے مگر وہ علم جس پر اس نے عمل کیا

ایک اور مرفوع حدیث میں ہے:

---

[515] شعیب الأرنؤوط (ت١٤٣٨)، تخریج شرح السنة١٣٥٩•

[516] الهیتمي المکي (ت٩٧٤)، الزواجر١/٢٥٧•له شواهد•أخرجه الطبراني (٢٢/٥٥) (١٣١)، وفي «مسند الشامیین» (٣٣٨٠)

أشدُّ النّاسِ عذابًا يومَ القيامةِ عالمٌ لم ينفعْهُ علمُهُ۔[517]

قیامت کے دن لوگوں میں سے سب سے سخت عذاب (اس عالم کو ہو گا جس نے اپنے علم سے فائدہ نہیں اٹھایا (عمل نہ کیا)۔انتہیٰ

وقال فیه لم یفرح احد من اھل اللہ تعالیٰ بشیء من امور الدنیاء والآخرۃ وتساوی عندھم نسبة ذلک الیھم وسلبه عنھم لان احدا منھم لا یشھد له ملکا مع اللہ تعالی فی الدارین وھذا الامر لا تذوقه یا اخی الا بالسلوک علی ید شیخ ناصح وان اردت العمل بذلک المشھد النفیس فاطلب لک شیخا یرشدک الیه والا فلا سبیل لک الی ذلک ولو عبدت اللہ تعالی بعبادة الثقلین ومن ھنا افترق السالکون والعابدون فربما مکث العابد یعبد ربه علی علة خمس مائة سنة والسالک یخرج عن العلة من اول قدیم یضعه فی الطریق لان بدایة الطریقة التوحید للہ تعالیٰ فی الملک ثم الفعل ثم الوجود والعابد لا یذوق لھذہ الثلاث طعما فو اللہ فاز من کان له شیخ وخسر من لم یتخذ له شیخا او اتخذوہ ولم یسمع لنصحه انتھی ملخصا۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی کتاب میں فرماتے ہیں اولیاء اللہ میں سے کبھی کوئی ولی دنیاوی واخروی نعمتوں پر خوش نہیں ہووے انکا ہونا نہ ہونا ان کے ہاں برابر ہے اس لئے وہ اپنے آپ کو دنیاو آخرت میں کسی شئے کا مالک نہیں سمجھتے تو اے میرے بھائی !تو اس نفیس وعمدہ شہد کو (کسی شیخ کامل سے تعلیم سلوک حاصل کئے بغیر) نہیں چکھ سکتا۔اگر تو اس کو حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو کوئی ایسا شیخ تلاش کر جو تجھے اس کی طرف رہنمائی کر تا ہے ورنہ تیرے لئے اس نفیس شہد تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں اگر چہ جن وانس کی عبادت بھی کرلے اور یہاں سے سالک اور عابد میں فرق واضح ہوا،عابد ایک بیماری کو دور کرنے کیلئے پانچ سو سال عبادت میں مشغول رہنے کے باوجود اس سے نکل نہیں سکتا،جبکہ بسا اوقات سالک طریقت میں پہلا قدم رکھتے ہی اس بیماری سے نکل جاتا ہے یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا طریقہ پہلے ملک سے شروع ہوتا ہے پھر فعل سے اور پھر وجود سے اور عابد ان تینوں میں سے کسی سے بھی کچھ مزہ نہیں چکھ سکتا۔

تو خدا کی قسم وہ شخص کامیاب ہوا جس کا کوئی شیخ ہے اور وہ نقصان وخسارے میں رہا جس نے کوئی شیخ نہیں پکڑا یا شیخ کو تو پکڑا لیکن اس کی نصیحت کو نہ سنا۔انتہیٰ

”حکم عطائیہ“ کی شرح کرتے ہوئے بعض بزرگان دین فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدّس سرہ فرماتے ہیں کہ ”ہمارے ہاں قربِ خداوندی کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اپنے وجود کی نفی کی جائے اگر چہ نماز روزے بھی خدا تعالیٰ تک پہنچنے کے ذرائع وطریقے ہیں لیکن ان کے ساتھ رسائی مکمل نہیں ہوتی۔مکمل رسائی اپنے وجود کی نفی کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور طریقت کے ذریعے سالک کے وجود کی نفی اور طریقت کے زریعے سالک اپنے اوصاف میں کمزوری محسوس کر تا رہتا ہے اور اپنے مولیٰ کا بندہ خالص بن جاتا ہے خدا تعالیٰ اس وقت پوری طرح لطف وکرم فرماتا ہے۔

---

[517] المنذري (ت ٦٥٦)، الترغيب والترهيب ١٠٣/١] • لا يتطرق إليه احتمال التحسين • [أخرجه الطبراني في «المعجم الصغير» (٥٠٧) واللفظ له، وابن عدي في «الكامل في الضعفاء» (١٥٨/٥)، والبيهقي في «شعب الإيمان» (١٧٧٨) باختلاف يسير.

اے سالک ! اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے قیامت کے دن کیلئے ایک بہترین سامان مہیا کیا ہے (مراد طریقت ہے)اور خدا تعالیٰ کے دیدار اسے مشرف ہونے کا بہترین ساتھی و معاون ہے ،اور طریقت میں اپنے تمام اوراد (طریقت کے اوراد کے علاوہ) کی طرف التفات نہ کر۔انتہیٰ(یہاں تک عبارت اختتام پذیر ہوئی)

وقال الشیخ الاکبر قدس سرہ نور فی کتابہ الامر المحکم المربوط ویجب علی الشیخ اذا رای شیخا آخر فوقہ ان ینصح نفسہ ویلزم خدمۃ ذلک الشیخ الآخر ھو وتلامذتہ فانہ صلاح فی حقہ وحق اصحابہ ومتی لم یفعل ھذا فلیس بمنصف ولا ناصح نفسہ ولا صاحب ھمۃ بل ھو ساقط الھمۃ ضعیفھا بل ربما ھو محب فی الریاسۃ والتقدم وھذا فی طریق اللہ تعالیٰ نقص الاتری محمداﷺ قال لو کان موسی حیا ما وسعہ الا ان یتبعنی والیاس وعیسی تحت حکم شریعۃ محمد ﷺفھکذا ینبغی ان یکون شیوخ ھذہ الطریقۃ انتھی وقال الشیخ الشعرانی قدس سرہ فی المنن الکبری ثم انی اذا رایت احدھم اعرف منی بالطریق تلمذت لہ ولو کنت مأذونا لی قبل ذلک من شیخ آخر لان المقامات لیس لھا حد یقف علیہ العبد انتھی۔

شیخ اکبر نے اپنی کتاب ”الامر المحکم المربوط“میں فرمایا: شیخ اور اس کے تمام شاگردوں پر واجب ہے کہ جب کسی دوسرے ایسے شیخ کو دیکھ لے جو اس سے مرتبہ میں فوق ہو یہ کہ اس کی خدمت کو لازم پکڑے کیونکہ یہ شیخ اور اس کے شاگردوں کے حق میں اصلاح ہے اور اگر اس کی خدمت و بیعت کو لازم نہ پکڑے تو وہ منصف (انصاف ور) نہیں اور نہ ہی وہ ہمت والا ہے بلکہ بزدل ہے اور خدا تعالیٰ کے راستے میں ناقص ہے کیا تو نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں دیکھا کہ آپ نے فرمایا اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو وہ بھی میری اتباع کرتے اور اگر حضرت الیاس و عیسیٰ علیہم السلام ہوتے تو شریعت محمدی کے احکام پر عمل پیرا ہوتے تو اسی طرح طریقت کے مشائخ کیلئے بھی ضروری ہے (کہ اپنے سے مرتبہ میں اگر کوئی فوق شیخ ہو تو اس کی خدمت کو لازم پکڑے اور اس سے طلب فیض کرے)۔انتہیٰ۔

منن کبریٰ میں امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں پھر جب بھی میں نے طریقت میں اپنے سے طریقت کو زیادہ جاننے والا دیکھا تو میں نے اس کی شاگردی اختیار کی اگرچہ مجھے دوسرے شیخ سے خلافت و اجازت بھی حاصل کیوں نہ ہو کیونکہ معرفت کے مقامات میں کوئی ایسی حد وانتہا نہیں کہ بندہ وہاں رک جائے۔(اور آگے نہ بڑھ سکے)انتہیٰ۔

قلت اذا وجب علی الشیخ لزوم خدمۃ الشیخ الاکمل منہ وکان حال الشیوخ ھو اعرف منھم بالطریق ولو کانوا ماذونین من شیخ آخر فما تقول فیمن لم یشم رائحۃ من اسرار الطریق او شم وھو ناقص منحط عن ذروۃ التحقیق فاذعن یا اخیو سلم نفسک لھؤلاء الفریق لتفوز بالتصدیق والذوق الصافی الانیق واللہ والی التوفیق واعلم ان اللہ سبحانہ وتعالی انما خلق الخلق لطاعتہ وعبادتہ کما قال تعالی وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات ۵۶) وافضل العبادات مایوصل الی اللہ تعالی وھو السلوک فی طریق التوحید ولا بدلذلک من مرشد کامل واستاذ فاضل لما انہ طریق غیب غیر محسوس مبنی علی مخالفات النفوس الا تری ان کثیرا من الاطباۓ یعجزون عن تمرضھم عن علاج نفوسھم لخفاۓ دسائسھا علی صاحبھا وھی اعدی اعدائہ فی ثیاب اصدق اصدقائہ ولھذا ورد المؤمن مرآت المؤمن فباستعانتہ بنافذ نظر اخیہ المؤمن الحاذق یتسلط علی دسائسھا لکن مع التسلیم الصادق ولھذا قال اھل اللہ الکمل من لم یکن لہ شیخ فشیخہ الشیطان فان طریق اللہ سبحانہ وتعالی لما کان فی غایۃ الشرف والعزۃ لکونہ موصلا الی اعز المطالب خف بالقواطع والمھلکات من کل جانب فاذا عرفت ھذہ الورطات المھلکۃ لا جرم ان لسالک یحتاج الی المرشد الکامل والشیخ الفاضل یحفظ المریدین

عن المهالک ویرشدھم الی المسالک فلا یسلکه الا مرید مقدم صادق بارشاد دلیل کامل و استاذ حاذق فاذا صح توجه المرید الی اللہ تعالی و صدق فی قصدہ فاللہ سبحانه وتعالی یوصله الی شیخ ناصح ینهضه حاله ولحظه وینفعه مقاله ولفظه کما ھو حال سیدی و استاذی القطب الربانی و العالم الصمدانی و سلالة نسل العثمانی سلطان العارفین ضیاء الدین الراکع الساجد المجاھد ابی البھاء حضرة مولانا الشیخ خالد النقشبندی اطال اللہ بقاءہ و جعله له و صرف عما سواہ و جمع شملنا برؤیاہ و نعمه بالنظر الیه حین یلقاہ و عامل بفضله و الاہ بعدله و من من عاداہ آمین۔

میں کہتا ہوں (صاحب کتاب) کہ جب ایک شیخ پر دوسرے (اس سے کامل) شیخ کی خدمت واجب ہے اور مشائخ عظام کا طریقہ بھی یہی تھا تو اس شخص کے بارے میں تم کیا کہو گے جس نے طریقت کے اسرار کی ہوا بھی نہیں پائی یا پائی تو ہے لیکن وہ ناقص اور تحقیق کی رفعت (بلندی) سے گری ہوئی ہو، تو اے میرے بھائی! تو اسرارِ طریقت کا قصد کر اور اپنے نفس کو اصحابِ طریقت کے سپرد کردے تاکہ تو تصدیق اور خالص ذوق کے مرتبہ پر فائز ہو جائے اور یہ بھی جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو صرف اپنی ہی طاعت و عبادت کیلئے پیدا فرمایا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔(الذاریات ٥٦)

میں نے جن وانس کو صرف اپنی ہی عبادت کے لئے پیدا کیا۔

تمام عبادات میں سے وہ عبادت افضل و اعلیٰ ہے جو اللہ تعالیٰ کے قریب کردے اور وہ توحید کی دنیا میں سلوک و طریقت ہے۔سلوک کے لئے مرشدِ کامل اور استاذ فاضل کا ہونا ضروری ہے کیونکہ طریقت غیب کا ایک راستہ ہے اور غیر محسوس چیز ہے اور اس کی بنیاد نفس کی مخالفت پر ہے۔کیا تو نہیں دیکھتا کہ بہت سارے طبیب نفس کی بیماری کے علاج سے عاجز ہوتے ہیں، کیونکہ نفس کے خفیہ فریب اس کے صاحب پر مخفی ہوتے ہیں اور نفس ہی دشمنوں میں سب سے بڑا دشمن بھی ہے اور سب سے بڑا دوست بھی۔اسی لئے وارد ہوا ہے کہ مومن، مومن کا (آئینہ) شیشہ ہے جس کی مدد سے مومن کامل دوسرے مومن کے نفس کے خفیہ فریب پر تسلط کرتا ہے لیکن یہ سب کچھ کسی مرد کامل کی طرف تسلیم ہونے کے بعد حاصل ہو گا۔اسی لئے بزرگانِ دین اور اہل اللہ حضرات نے کہا کہ جس کا پیر نہ ہو اس کا پیر شیطان ہوتا ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کے قرب کا راستہ انتہائی شرافت اور عزت والا ہے۔اس لئے کہ یہ راستہ انتہائی اہم مقاصد و مطالب تک پہنچاتا ہے تو یہ راستہ رکاوٹوں اور ہلاک کرنے والی چیزوں کے ساتھ پوشیدہ اور بند ہے جب تم نے ہلاکت کے اس گڑھے کا علم حاصل کر لیا تو یہ بات یقینی وضروری ہے کہ سالک مرشدِ کامل فاضل کا محتاج ہے شیخ کامل اپنے مریدین کو ہلاکت کے راستے سے بچاتا ہے تو مرید صادق جب شیخ کامل کی دلیل پر سلوک طے کرتا ہے اس کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف صحیح ہو جائے اور اپنے قصد و ارادہ میں سچا ہو جائے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی حالت کا لحاظ فرماتا ہے پھر اللہ تعالیٰ شیخ کی گفتگو اور لفظ سے اس کو فیض پہنچاتا ہے یہی کیفیت ہمارے سردار و مرشد قطب ربانی، عالم صمدانی، چشم و چراغِ خاندانِ عثمانی سلطان العارفین ضیاؤالدین حضرت مولانا شیخ خالد نقشبندی (اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز فرمائے) کی ہے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ، لکھتے ہیں :

یعنی قرآن کی ہر آیت کی ظاہری مراد بھی ہے اور باطنی بھی، ظاہری مراد اس کا لفظی ترجمہ ہے باطنی مراد اس کا منشاء اور مقصد، یاظاہر شریعت ہے اور باطن طریقت یا ظاہر احکام ہیں اور باطن اسرار یا ظاہر وہ جس پر سب علماء مطلع ہیں اور باطن وہ جس سے صوفیائے کرام خبر دار ہیں

یاظاہر وہ جو نقل سے معلوم ہو باطن وہ جو کشف سے معلوم ہو جیسے:

يَاأَيُّهَاالَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ۔ (سورۃ التوبہ ۱۲۳)

اس کے ظاری معنی یہ ہیں کہ اپنے قریبی کافروں پر لوہے کی تلوار وغیرہ سے جہاد کرو۔

باطن یہ ہے کہ قریبی کافر اپنے نفس امارہ پر مجاہدے کی تلوار اور اعانت یار سے جہاد کرو۔ نیز فرماتے ہیں قرآن کے ظاہر و باطن معلوم کرنے کے علیحدہ مقامات ہیں چنانچہ اس کا ظاہر علماء سے اور باطن مشائخ سے معلوم ہو تا ہے یا ظاہر قال سے اور باطن حال سے یا ظاہر نحو سے باطن فنا اور محو سے یا ظاہر کتابوں سے اور باطن کسی کی نظر سے۔[518]

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي، شافعی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۵۰۵ھ لکھتے ہیں: اعلم أن الكبر من المهلكات ولا يخلو أحد من الخلق عن شيء منه وَإِزَالَتُهُ فَرْضُ عَيْنٍ وَلَا يَزُولُ بِمُجَرَّدِ التَّمَنِّي بل بالمعالجة واستعمال الأدوية القامعة له۔ یعنی "جاننا چاہیے کہ تکبر ہلاک کرنے والے کاموں میں سے ہے اور مخلوق میں سے کوئی بھی اس سے خالی نہیں اور اس کا ازالہ فرض عین اور یہ محض تمنا کرنے سے زائل نہیں ہو تا بلکہ علاج کرنے اور ایسی دوائیاں استعمال کرنے سے زائل ہو تا ہے جو اس کا قلع قمع کر دیتی ہیں۔[519]"

عن انس رضی اللہ تعالی عنہ قال: قال: رسول اللہ ﷺ طلب العلم فريضة على كل مسلم (وفی روایة: ومسلمة)

یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: طلب علم ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔[520]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں علامہ علی بن سلطان محمد القاری، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ، متوفی، ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

قال الشراح: المراد بالعلم ما لا مندوحة للعبد من تعلمه كمعرفة الصانع والعلم بوحدانيته ونبوة رسوله وكيفية الصلاة، فإن تعلمه فرض عينٍ، وأما بلوغ رتبة الاجتهاد والفتيا ففرض كفايةٍ. قال الأبهري: واختلف في العلم الذي هو فرضٌ وتحزبوا فيه أكثر من عشرين فرقةً، فكان فريقٌ نزل الوجوب على العلم الذي بصدده اهـ. قال الشيخ العارف الرباني السهروردي: اختلف في هذا العلم الذي هو فريضةٌ. قيل: هو علم الإخلاص ومعرفة آفات النفس وما يفسد الأعمال لأن الإخلاص مأمورٌ به، فصار علمه فرضًا آخر، وقيل: معرفة الخواطر وتفصيلها فريضةٌ لأن الخواطر هي منشأ الفعل، وبذلك يعلم الفرق بين لمة الشيطان ولمة الملك، وقيل: هو طلب علم الحلال حيث كان أكل الحلال واجبًا، وقيل: علم البيع والشراء والنكاح إذا أراد الدخول في شيءٍ منها، وقيام علم الفرائض الخمس، وقيل: هو طلب علم التوحيد بالنظر

---

[518] (مرآۃ المناجیح، ج، ا، ص، ۲۱۰، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاھور)

[519] (احیاء علوم الدین، کتاب ذم الکبر والعجب، بیان الطریق فی معالجۃ الکبر واکتساب التوضع لہ، ج۳، ص ۴۸۸، المکتبۃ التوفیقیۃ، القاھرۃ، مصر)

[520] (رواہ؛ بیہقی فی شعب الایمان، وسنن ابن ماجہ، مشکوٰۃ المصابیح کتاب العلم، ومسند امام اعظم، سر الاسرار فیمایحتاج الیہ الابرار، ص، ۸۷، مطبوعہ غوثیہ کتب خانہ شاہ عالم گیٹ لاھور، اشعۃ اللمعات، ج، ا، ص، ۴۹۹، مطبوعہ فرید بک سٹال لاھور، طریقہ محمدیہ، ج، ا، ص، ۸۹، مطبوعہ مکتبہ حنفیہ کانسی روڈ، کوئٹہ)

والاستدلال والنقل، وقيل: هو طلب علم الباطن وهو ما يزداد به العبد يقينًا، وهو الذي يكتسب بصحبة الصالحين والزهاد المقربين، فهم وراث الأنبياء صلوات الله وسلامه عليهم أجمعين اهـ. فإن قيل: ما الفرض قبل الفرض؟ فقل: العلم قبل العمل، وإن قيل: ما الفرض في الفرض؟ فقل: الإخلاص في العلم والعمل، وإن قيل: ما الفرض بعد العمل؟ فقل: الخوف والرجاء.

شراح نے فرمایا: بندہ کے لیے جس علم کا سیکھنا مراد ہے، جیسے صانع کی معرفت اور اس کی واحدانیت کا علم اور نبوت اور اس کے رسول کا علم اور نماز کا طریقہ، پس ان کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے، اور اجتہاد اور فتویٰ کے مرتبہ کو پہنچنا فرض کفایہ ہے۔ ابہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ علم کہ جس کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، اس کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ علماء ۲۰ سے زیادہ جماعتوں میں بٹ گئے، ہر فریق نے اسی علم کا حاصل کرنا فرض قرار دیا جس علم میں وہ فریق خود مشغول تھا۔ اھ۔ شیخ عارف ربانی شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس علم کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہے: کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اخلاص کا علم، اور نفس کی آفتوں اور اعمال کو مفسد کرنے والے امور کی معرفت مراد ہے۔ چونکہ اخلاص امور بہ ہے، چنانچہ اس کا علم ایک دوسرا (مستقل) فرض ہے۔ کہا گیا ہے کہ خواطر کی معرفت، اور اس کی تفصیل فرض ہے۔ چونکہ خواطر ہی فعل کا منشاء ہے۔ اور اسی سے شیطانی وسوسہ اور فرشتہ کے الہام میں فرق ہوتا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس سے مراد طلب علم حلال ہے، چونکہ حلال کھانا واجب ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس سے مراد بیع و شراء اور نکاح کا علم ہے، جب کہ یہ کام سر انجام دینے کا ارادہ ہو۔ بعض کا کہنا ہے کہ علم میراث کا پانچواں حصہ ہے۔ بعض کا کہنا ہے اس سے مراد علم توحید کو نظر و استدلال اور نقل کے ساتھ طلب کرنا ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس سے مراد علم باطن کا طلب کرنا ہے یعنی وہ علم کہ جس کے ذریعے بندہ کا اللہ کی ذات پر یقین بڑھتا ہے، یہ وہ علم ہے جو صالحین اور زھاد کی صحبت میں حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ یہی لوگ انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے وارث ہیں۔ اھ۔ گر یہ سوال کیا جائے کہ فرض سے پہلے کونسا فریضہ ہے؟ تو اس کا جواب ہے کہ اپنے عمل سے پہلے علم۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ فرض میں کیا فرض ہے؟ تو اس کا جواب ہے علم و عمل میں اخلاص۔ اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ عمل کے بعد کیا فرض ہے؟ تو اس کا جواب ہے، خوف ورجاء۔ [521]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں علامہ محمد عبد الرءوف مناوی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۰۳۱ھ، لکھتے ہیں:

اختلف في العلم الذي هو فريضة قيل هو علم الإخلاص ومعرفة آفات النفس وما يفسد العمل لأن الإخلاص مأمور به كما أن العمل مأمور به وخدع النفس وغرورها وشهواتها يخرب مباني الإخلاص فصير علمه فرضا وقيل معرفة الخواطر وتفصيل عللها منشأ الفعل وذلك يفرق بين لمة الملك ولمة الشيطان. وقيل علم نحو البيع والشراء وقيل علم التوحيد بالنظر والاستدلال والنقل علم الباطن وهو ما يزداد به العبد يقينا وهو الذي يكتسب لصحبة الأولياء فهم وراث المصطفى صلى الله عليه وسلم.

علماء نے اس سلسلہ میں اختلاف کیا ہے کہ وہ کونسا علم ہے جس کا حاصل کرنا فرض ہے۔ بعض اصحاب نے فرمایا ہے کہ وہ علم اخلاص، علم معرفت آفات نفس اور مفسدات اعمال کا ہے۔ کیونکہ کہ اخلاص کے لئے حکم دیا گیا ہے، اور جس اخلاص کا حکم دیا گیا ہے اس کو نفس کا مکر وغرور، اس کے مکائد اور پوشیدہ خواہشیں تباہ برباد کرتی ہیں، اس لئے اس کے تحفظ کے لئے اس کا جاننا ضروری ہو گیا۔ پس جس طرح اخلاص فرض ہے اسی طرح اس کا علم بھی فرض ہو گیا۔ اور کہا گیا ہے کہ معرفت خواطر اور اس کی تفصیلات کا جاننا فرض

[521] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب العلم، ج ۱، ص ۴۳۴، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

ہے اس لئے کہ خواطر ہی کسی فعل کی اصل اور اس کا مبداء ہے! اور محل نشوونما ہے اور اس کے ذریعہ فرشتے کے الہام اور شیطان کے وسوسہ کے درمیان فرق معلوم ہوتا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ خرید و فروخت کا علم ہے اور کہا گیا ہے کہ غور فکر اور استدلال کے ذریعے توحید کا علم ہے اور باطنی علم کو منتقل کرنا اور یہ وہ علم ہے جس کے ذریعے بندہ کا یقین زیادہ ہوتا ہے اور یہ علم وہ ہے جس کو اولیاء کی صحبت سے حاصل کیا جاتا ہے، پس وہ مصطفیٰ ﷺ کے وارث ہیں۔[522]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں علامہ علی بن سلطان محمد القاری، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ، متوفی، ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں: قيل هو علم الإخلاص بمعرفته آفات النفوس، و ما يفسد الأعمال، لأن الإخلاص مأمور به، و قيل: معرفة الخواطر، إذ به يعرف الفرق بين لمة الملک، و لمة الشيطان۔

یعنی کہا گیا ہے کہ وہ علم اخلاص، علم معرفت آفات نفس اور مفسدات اعمال کا ہے۔ کیونکہ کہ اخلاص کے لئے حکم دیا گیا ہے، اور کہا گیا ہے کہ خواطر کی معرفت، کیونکہ اس سے فرشتے کے الہام اور شیطان کے وسوسہ کے درمیان فرق کی پہچان ہوتی ہے۔[523]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں محقق علی الاطلاق، شیخ عبد الحق حنفی، نقشبندی محدث دہلوی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۱۰۵۲ھ، لکھتے ہیں:

وصوفیہ گویند کہ مراد علم اخلاص و معرفت آفات نفوس و خواطر و تفاصیل آنست۔

یعنی اور صوفیاء کرام فرماتے ہیں یہاں علم سے مراد اخلاص، نفس کی آفات کی معرفت اور خواطر اور رذائل نفس کی تفصیلات کا علم ہے۔[524]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں شیخ المشائخ امام شہاب الدین ابی حفص عمر بن محمد بن عبد اللہ سہروردی بغدادی شافعی قدس سرہ، متوفی ۶۳۲ھ لکھتے ہیں: واختلف في العلماء فى العلم الذي هو فريضة۔ قال بعضهم: هو طلب علم الإخلاص و معرفة آفات النفس و ما يفسد الاعمال، لأن الإخلاص مأمور به كما أن العمل مأمور به۔ قال الله تعالى: (وَمَا أُمِرُوا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ) (سورة البينة: ۵) فالاخلاص مأمور به، و خدع النفس و غرورها و دسائسها و شهواتها الخفية يخرب مباني الإخلاص المأمور به، فصار علم ذلک فرضاً حيث كان الاخلاص فرضاً، و ما لا يصل العبد الى الفرض الا به، فصار فرضاً۔ و قال بعضهم: معرفة الخواطر و تفصيلها فريضة، لان الخواطر هى اصل الفعل مبدؤه و منشؤه، و بذلک يعلم فرق بين لمة الملک و لمة الشيطان، فلا يصح الفعل الا بصحتها، فصار علم ذلک فرضاً حتى يصح الفعل من العبد لله۔ و قال بعضهم: هو طلب الوقت۔ و قال سهل بن عبد الله: هو طلب علم الحال يعنى حكم خاله الذى بينه و بين الله تعالى فى دنياه و آخرته۔ و قيل: هو طلب علم الباطن و هو ما يزداد به العبد يقيناً، و هذا العلم الذى يكتسب بالصحبة و مجالسة الصالحين من العلماء الموقنين و الزهاد المقربين الذين جعلهم الله تعالى من جنوده يسوق الطالبين اليهم و يقويهم بطريقهم و يرشدهم بهم، فهم وارث علم النبى عليه السلام و منهم من يتعلم علم اليقين۔

علماء نے اس سلسلہ میں اختلاف کیا ہے کہ وہ کونسا علم ہے جس کا حاصل کرنا فرض ہے۔ بعض اصحاب نے کہا ہے کہ وہ علم اخلاص، علم معرفت آفات نفس اور مفسدات اعمال کا ہے۔ کہ اخلاص کے لئے حکم دیا گیا ہے جیسا کہ عمل کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

---

[522] (فیض القدیر، ج۴، ص۳۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[523] (شرح مسند ابی حنیفۃ، ص۵۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[524] (اشعۃ اللمعات، کتاب العلم، ج۱، ص۱۷۳، مکتبہ رشدیہ، کوئٹہ)

ارشاد فرمایا: (وَمَا اُمِرُوا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِینَ لَہُ الدِّینَ) (سورۃ البینۃ: ۵) ”اور ان لوگوں کو تو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی بندگی کریں نرے اسی پر عقیدہ لاتے“ اور جس اخلاص کا حکم دیا گیا ہے اس کو نفس کا مکر و غرور، اس کے مکائد اور پوشیدہ خواہشیں تباہ و برباد کرتی ہیں، اس لئے اس کے تحفظ کے لئے اس کا جاننا ضروری ہو گیا۔ پس جس طرح اخلاص فرض ہے اسی طرح اس کا علم بھی فرض ہو گیا۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ معرفت خواطر اور اس کی تفصیلات کا جاننا فرض ہے اس لئے کہ خواطر ہی کسی فعل کی اصل اور اس کا مبداء ہے! اور محل نشو و نما ہے اور اس کے ذریعہ فرشتے کے الہام اور شیطان کے وسوسہ کے درمیان فرق معلوم ہوتا ہے اور فعل کی صحت بغیر اس کی صحت کے نہیں ہو سکتی، پس ایسا علم حاصل کرنا فرض ہو گیا جو بندے کے افعال کو اللہ کے لیے درست کر سکے۔ بعض اصحاب فرماتے ہیں کہ وہ علم، علم الوقت ہے جس کی صراحت اس قول سے ہو گی کہ حضرت سہیل بن عبداللہ تستری رحمۃ علیہ اللہ نے فرمایا کہ علم الوقت یہ ہے کہ علم حال کی طلب کی جائے، یعنی اس سے وہ حکم حال مراد ہے جو دنیا و آخرت میں اس کے اور بندے کے مابین وقوع پذیر ہوتا ہے۔ بعض اصحاب کا ارشاد ہے کہ جس علم کے حاصل کرنے کا حکم ہے وہ علم باطن کا طلب کرنا ہے کہ اس سے بندے کے یقین میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ علم بھی صالحین کی مجالست اور صحبت میں حاصل کیا جا سکتا ہے، یہ صالحین وہ ہیں جو علمائے موقنیں اور زہاد مقربین ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا لشکر بتایا ہے اور طالبین ان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کے طریقے پر گامزن ہو کر قوت حاصل کرتے ہیں۔ اور ان سے رشد و ہدایت پاتے ہیں اور یہی لوگ علم رسول اللہ ﷺ کے وارث ہیں جن سے علم الیقین کو حاصل کیا جا سکتا ہے (علم الیقین کی تعلیم دیتے ہیں)۔“[525]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں سیدنا شیخ الجن والانس حضرت ابو محمد عبدالقادر جیلانی، حنبلی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی، ۵۶۱ھ، لکھتے ہیں:

والمراد منه علم المعرفة و القربة۔

”اور اس سے مراد علم معرفت اور قرب الٰہی ہے۔“[526]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی مکی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۸۶ھ لکھتے ہیں:

قال عالمنا أبو محمد سهل رحمه الله: أراد بذلک علم حال يعني علم حال العبد من مقامه الذي أقيم فيه بأن يعلم أحدكم حاله الذي بينه و بين الله عزّ و جلّ في دنياه و آخرته خاصة فيقوم بأحكام الله تعالى عليه في ذلک۔

ہمارے عالم ابو محمد سہل نے فرمایا: نبی کریم ﷺ کے اس فرمان میں طلب علم سے مراد علمِ حال ہے یعنی بندہ جس مقام پر ہے اس کے حال کا علم کہ تم میں سے ایک آدمی خاص کر کے اس حالت کا علم رکھے جو کہ دنیا و آخرت میں اس کے اور اللہ عزوجل کے درمیان ہے، چنانچہ وہ اس میں ہی احکام الٰہی پر چلتا ہے۔[527]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی مکی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی، ۳۸۶ھ، لکھتے ہیں: وقال بعض العارفين (العراقين): معناه طلب علم المعرفة و قيام العبد بحكم ساعته و ما يقتضي منه في كل ساعة من نهاره، یعنی عارفین

---

[525] (عوارف المعارف، الباب الثالث، ص، ۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[526] (سر الاسرار و مظہر الانوار فیمایحتاج الیہ الابرار، الفصل الخامس، ص، ۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[527] (قوت القلوب، الفصل الحادی و الثلاثون، ج، ۱، ص، ۲۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، و عوارف المعارف، الباب الثالث، ص، ۲۳، و اتحاف السادۃ المتقین، کتاب العلم، بیان علم الذی ہو فرض عین، ج، ۱، ص، ۲۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(عراقین) فرماتے ہیں: اس حدیث پاک کا مطلب ہے علمِ معرفت طلب کرنا اور بندے کا اس کی ساعت کے حکم پر قائم رہنا اور دن کی ہر گھڑی میں جو بھی تقاضا ہو، اسے پورا کرنا ہے۔[528]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی مکی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۸۶ھ، لکھتے ہیں:

وقال بعض علماء الشام إنما عنى به طلب علم الإخلاص ومعرفة آفات النفس ووساوسها ومعرفة مكايد العدو وخدعه وغروره وما يصلح الأعمال ويفسدها فريضة كله من حيث كان الإخلاص في الأعمال فريضة ومن حيث أعلم بعداوة إبليس ثم أمر بمعاداته وذهب إلى هذا القول عبد الرحيم ابن يحيى الأرموي ومن تابعه۔

علمائے شام فرماتے ہیں: آپ ﷺ کی اس سے مراد علم اخلاص طلب کرنا ہے، نفسانی آفات و وسوسوں کو پہچاننا، دشمن کی مکاریوں اور دھوکہ دہی سے آگاہ ہونا اور اعمال کو فاسد کرنے والے اور خراب کرنے والے امور سے واقف ہونا، ان کی طلب فرض ہے اس لیے کہ اعمال میں اخلاص اختیار کرنا بھی فرض ہے۔ اور آپ ﷺ ابلیس کی دشمنی کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے، اس لیے اس کی عداوت کا حکم دیا۔ عبد الرحیم ابن یحیٰ ارموی اور ان کے تابعین کا یہ فرمان ہے۔[529]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں کاشف الاسرار شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی مکی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۸۶ھ، لکھتے ہیں:

وقال بعض البصريين في معناه: طلب علم القلوب ومعرفة الخواطر وتفصيلها فريضة لأنها رسل الله تعالى إلى العبد ووسواس العدوّ والنفس فيستجيب لله تعالى بتنفيذ ما منه إليه ومنها ابتلاء الله تعالى للعبد واختبار تقتضيه مجاهدة نفسه في نفيها ولأنها أول النية التي هي أول كل عمل وعنها تظهر الأفعال وعلى قدرها تضاعف الأعمال فيحتاج أن يفرق بين لمة الملك ولمة العدوّ وبين خاطر الروح ووسوسة النفس وبين علم اليقين وقوادح العقل ليميز بذلك الأحكام، وهذا عند هؤلاء فريضة وهو مذهب مالك بن دينار وفرقد السنجي وعبد الواحد بن زيد وأتباعهم من النساك وقد كان أستاذهم الحسن البصري يتكلم في ذلك وعنه حملوا علوم القلوب۔

علمائے بصری عالم اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ "علم قلوب کا حصول مراد ہے، اس لیے کہ دل میں پیدا ہونے والے خیالات اور ان کی تفاصیل سے آگاہ ہونا فرض ہے کیونکہ یہ خیالات بندے کے پاس اللہ کی جانب سے آئیں تو پیغام رساں ہوتے ہیں اور شیطان اور نفس کی طرف جانب سے ہوں تو وسواسہ کہلاتے ہیں۔ پس بندے کو چاہیے کہ کہ اللہ کی جانب سے پیدا ہونے والے خیالات پر لبیک کہے کہ انہی خیلات کے سبب اللہ تعالیٰ بندے کو آزماتا ہے اور اس کا امتحان لیتا ہے اور جو اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ بندہ شیطانی وسوسوں کو دل سے جھٹک دے، کیونکہ یہ خیالات اس نیت کی ابتدا کا باعث بنتے ہیں جو ہر عمل کے شروع میں ہوتی ہے، پھر اس نیت کے مطابق اعمال ظاہر ہوتے ہیں اور اسی کے مطابق اعمال کا اجر بڑھتا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ بندہ اچھے اور برے خیالات کے درمیان فرق کرے اور شیطانی، روحانی اور نفسانی خیالات کو پہچانے، علم یقین اور عقلی دلاءل میں فرق کرے تا کہ ان سب کے احکام میں فرق کر سکے کیونکہ ایسا کرنا بندے پر فرض ہے۔ یہ مذہب حضرت سیدنا مالک بن دینار، حضرت سیدنا عبد واحد بن زید اور

[528] (قوت القلوب،الفصل الحادی والثلاثون ،ج۱،ص۲۲۴،دارالکتب العلمیہ ، بیروت،واتحاف السادۃ المتقین ،کتاب العلم ،بیان علم الذی ھو فرض عین ،ج۱،ص۲۰۳،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

[529] (قوت القلوب،الفصل الحادی والثلاثون ،ج۱،ص۲۲۴،دارالکتب العلمیہ ، بیروت،واتحاف السادۃ المتقین ،کتاب العلم ،بیان علم الذی ھو فرض عین ،ج۱،ص۲۰۱،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

ان کے ماننے والوں کا ہے۔ ان سب کے استاد حضرت سیدنا حسن بصری ہیں جو اس معاملے میں گفتگو فرمایا کرتے تھے اور ان سب نے انہی سے علوم قلوب حاصل کئے۔"[530]

شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی مکی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی، ۳۸۶ھ، لکھتے ہیں:

ولعمري أن الظاهر والباطن علمان لا يستغني أحدهما عن صاحبه بمنزلة الإسلام والإيمان مرتبط كل واحد بالآخر كالجسم والقلب لا ينفك أحدهما عن صاحبه۔

میری عمر کی قسم! (حقیقت یہ ہے کہ) ظاہر وباطن دو علم ہیں اور جیسے کہ اسلام اور ایمان دونوں لازمی ہیں ان دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے سے مستغنی نہیں ہو سکتا، بلکہ ایک کا دوسرے کے ساتھ وہی تعلق ہے جس طرح جسم اور دل کا باہم ربط ہے کیونکہ ان میں سے کوئی بھی دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتا۔[531]

لکل مقام رجال:

امام عبد الوہاب الشعرانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

فربما ان بعض الناس لا يحس بظلمة القلب الا عند ارتكاب الكبائر دون الصغائر وربما ان بعضهم لا يحس بظلمة القلب الا عند ارتكاب الصغائر دون المكروهات وربما ان بعضهم لا يحس بظلمة القلب الا عند ارتكاب المكروهات دون خلاف الاولى ولكل مقام رجال فكلما صفا القلب كلما ظهر فيه الظلمة وادركها بصر صاحبها كاحبر على الورق وكلما تكدر القلب خفي فيه الظلمة ولم يدركها بصر صاحبها كالحبر على الفحم۔[532]

اصول التصوف:

اب ہم ان بعض مقامات کی وضاحت کرتے ہیں جن کو سالک وصول الی اللہ کے سفر میں طے کرتے ہیں۔ ان میں سب سے پہلا مقام توبہ ہے کیونکہ جس کی توبہ نہ ہو اسے اس سفر کا کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ وصول الی اللہ کے سفر کی پہلی سیڑھی ہے۔

توبہ:

توبہ سے مراد یہ ہے کہ سالک شرعی طور پر مذموم امور سے رجوع کر کے محمود امور کو اپنا لے۔ یہ سالکین کے راستہ کی ابتدا مریدین کی سعادت کی کلید اور منازلِ سلوک کے سفر کی شرط اول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کثیر مقامات پر اس کا حکم دیا ہے۔ اور اسے دنیا وآخرت کی فلاح کا سبب قرار دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ٥ (نور: ۳۱)

اور رجوع کرو اللہ کی طرف سب کے سب اے ایمان والو تاکہ تم (دونوں جہانوں میں) بامراد ہو جاؤ۔

(۲) اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ۔ (ہود: ۵۲)

مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر (دل وجان سے) رجوع کرو اس کی طرف۔

---

[530] (قوت القلوب،الفصل الحادى والثلاثون ،ج،۱،ص،۲۲۴،دارالكتب العلميه ، بيروت،واتحاف السادة المتقين، كتاب العلم ،بيان علم الذى هو فرض عين ،ج،۱،ص،۲۰۱،دارالكتب العلميه،بيروت)

[531] (قوت القلوب،الفصل الحادى والثلاثون،ج،۱،ص،۲۲٦،دارالكتب العلميه،بيروت)

[532] لواقح الانوار القدسية فى بيان العهود المحمدية۔ص(633)دار الكتب العلمية

(۳)”یاأَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا إِلَی اللہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا“ (تحریم:۸)

اے ایمان والو اللہ کی جناب میں سچے دل سے توبہ کرو۔

رسول اللہ ﷺ گناہوں سے معصوم ہونے کے باوجود کثرت سے توبہ واستغفار کرتے۔اس کا مقصد تعلیمِ امت ہوتا تھا۔

ارشادِ نبوی ہے:

عن الاغر بن یسار المزنی رضی اللہ تعالی عنہ قال:قال رسول اللہ ﷺ یا ایھا الناس توبوا الی اللہ واستغفروہ فانی اتوب الیہ فی الیوم مائۃ مرۃ۔

”حضرت اغر بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا!اے لوگو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو اور اس سے مغفرت طلب کرو۔میں دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔“[533]

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

”التوبۃ واجبۃ من کل ذنب“(ہر گناہ سے توبہ کرنا واجب ہے)۔

پھر اگر معصیت ایسی ہو جس کا تعلق بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہو اور کسی آدمی کے حق کے متعلق نہ ہو تو اس سے توبہ کیلئے تین شرائط ہیں۔

(۱): اس معصیت کو ترک کرے۔

(۲): یہ پختہ عزم کرے کہ وہ دوبارہ اس غلطی کا ارتکاب نہیں کرے گا۔

(۳): اس پر ندامت کا اظہار کرے۔

اگر تین شرطوں سے ایک شرط بھی مفقود ہوئی تو اس کی توبہ صحیح نہیں ہوگی اور اگر وہ معصیت کسی آدمی کے حق کے متعلق ہے تو اس کیلئے چار شرطیں ہیں۔تین یہی مذکورہ شرطیں ہیں اور چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ صاحب حق سے برأت حاصل کرے۔اگر تو وہ مال وغیرہ ہے جس کو اس نے غصب یا چوری کیا ہے تو اسے واپس کرے۔اور اگر اس نے کسی پر تہمت وغیرہ لگائی ہے تو اس سے بھی معافی طلب کرے اور اگر غیبت کی ہے تو اس سے بھی معافی کا خواستگار ہو۔الغرض تمام گناہوں سے توبہ کرنا واجب ہے۔[534]

توبہ کی یہ بھی شرط ہے کہ وہ برے اور فاسق لوگوں کی صحبت کو ترک کرے جو اس کیلئے معصیت کو مزین کرتے ہیں اور عبادت سے نفرت دلاتے ہیں۔پھر نیک اور مخلص لوگوں کی صحبت کو اختیار کرے تاکہ ان کی صحبت معافی اور گناہوں کی زندگی کی طرف لوٹنے میں رکاوٹ بن جائے۔ہمارے لئے وہ صحیح اور مشہور حدیث بڑی سبق آموز ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کا قصہ بیان کیا ہے جس نے سو افراد کو قتل کر دیا تھا تو اس زمانہ کے ایک عالم ربانی نے اسے آگاہ کیا کہ اللہ توبہ قبول کرتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ تم اس برے ماحول کو ترک کر دو جس کی وجہ سے تم نے ان جرائم کا ارتکاب کیا ہے اور اسے ایک اچھے ماحول اور علاقہ کی طرف

---

[533](رواہ مسلم فی صحیحہ فی کتاب الذکر)

[534](ریاض الصالحین، ص ۱۰)

جانے کا حکم دیا جس میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندے بستے تھے تاکہ وہ ان لوگوں سے محبت کرے اور ان کے نقش قدم پر چل کر اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر سکے۔[535]

صوفیائے کرام کسی گناہ کے چھوٹا یا حقیر ہونے کی طرف نہیں دیکھتے بلکہ وہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پیروی کرتے ہوئے اپنے رب کی عظمت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

انکم لتعلمون اعمالا ھی ادق فی اعینکم من الشعر انا کنا نعدھا علی عھد رسول اللہ ﷺ من المھلکات۔

''تم ایسے اعمال کرتے ہو جو تمہارے نزدیک بال سے بھی زیادہ باریک ہیں حالانکہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ان کو مہلکات میں سے شمار کرتے تھے۔''[536]

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ صرف معاصی سے توبہ پر اکتفاء نہیں کرتے کیونکہ یہ عوام کی توبہ ہے بلکہ وہ ہر اس چیز سے توبہ کرتے ہیں جو ان کو اپنے رب کی یاد سے غافل کر دے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے جب توبہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: **توبۃ العوام من الذنوب وتوبۃ الخواص من الغفلۃ۔** ''عوام الناس گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور خواص غفلت سے۔''[537]

حضرت عبد اللہ تمیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں! توبہ کرنے والوں کے بھی کئی درجے ہوتے ہیں۔ بعض لوگ تو گناہوں اور سیئات سے توبہ کرتے ہیں اور بعض لوگ غفلت اور لغزشات سے اور بعض لوگ تو صرف اس لئے توبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی عبادات اور نیکیوں کو زیادہ نہ سمجھنے لگیں۔

سالک کو جب عرفانِ الٰہی حاصل ہوتا ہے تو اعمال کی کثرت سے اس کی توبہ میں دقت پیدا ہو جاتی ہے اور جس کا دل گناہوں کی آلودگی سے پاک ہو جاتا ہے اور اس پر انوار و تجلیات کی بارش ہو جاتی ہے۔ تو اس پر دل کی پوشیدہ بیماریاں مخفی نہیں رہتیں۔ اس لئے جب بھی اس کا دل کسی لغزش کی طرف مائل ہوتا ہے تو فوراً اپنے پروردگار سے حیاء کرتے ہوئے توبہ کر لیتا ہے۔ توبہ کے بعد سالک دن رات کثرت سے استغفار میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اس طرح اسے حقیقی عبودیت کا شعور حاصل ہوتا ہے۔ پھر وہ اپنے مولیٰ کے حق میں اپنی تقصیر اور کوتاہی محسوس کرتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی عبودیت کا اعتراف اور اپنے مولیٰ کی ربوبیت کا اعتراف کرتا ہے۔

پھر جب وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنتا ہے:

(ا) **فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا (١٠) يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا (١١) وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا (نوح ١٢)**

---

[535] (رواہ مسلم فی صحیحہ کتاب التوبۃ وعن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

[536] (رواہ البخاری فی صحیحہ فی کتاب الرقاق عن أنس)

[537] (رسالہ قشیریہ، باب توبہ، ص ۴۷)

پس میں نے کہا معافی مانگ لو اپنے رب سے بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے۔ وہ برسائے گا آسمان سے موسلا دھار بارش اور وہ مدد فرمائے گا تمہاری اموال اور فرزندوں سے اور بنادے گا تمہارے لئے باغات اور بنادے گا تمہارے لئے نہریں۔

(۲) إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ o اٰخِذِيْنَ مَا اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ o كَانُوْا قَلِيْلاً مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ o وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (ذاریات:۱۵۔۱۸)

"البتہ اللہ سے ڈرنے والے (اس روز) باغات اور چشموں میں ہوں گے۔ (بصد شکر) لے رہے ہوں گے جو ان کا رب انہیں بخشے گا۔ بے شک یہ لوگ اس سے پہلے بھی نیکو کار تھے یہ لوگ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے اور سحری کے وقت (اپنی خطاؤں کی) بخشش طلب کرتے تھے۔"

جب وہ یہ آیات پڑھتا ہے تو اپنی کوتاہیوں اور احکامِ الٰہیہ کی خلاف ورزی کے افسوس اور حسرت میں اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے عیوب کی طرف متوجہ ہو کر ان کی اصلاح اور اپنی کوتاہیوں کی تلافی کرتا ہے۔ پھر تزکیۂ نفس میں مصروف ہو جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پر عمل کرتے ہوئے نیکیوں کی کثرت کرتا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"وأتبِعِ السَّيِّئةَ الحَسَنَةَ تَمْحُها" [538]

برائی کے بعد نیکی کر یہ نیکی اس برائی کو مٹادے گی۔

شیخ احمد ذروق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی مدعی کے دعوی کا دارومدار اس کے نتیجہ پر ہوتا ہے۔ اگر اس کا کوئی نتیجہ ظاہر ہو جائے تو اس کا دعویٰ صحیح ہو جاتا ہے ورنہ وہ جھوٹا ہوتا ہے۔ پس ایسی توبہ جس کے نتیجہ میں تقویٰ حاصل نہ ہو وہ باطل ہے اور ایسا تقویٰ جس سے استقامت حاصل نہ ہو وہ بناوٹی ہے۔ اسی طرح اگر استقامت سے ورع حاصل نہ ہو تو وہ نامکمل ہوتی ہے اور اگر ورع سے زہد میسر نہ آئے تو وہ بھی قاصر ہے اور وہ زہد جو توکل کا سبب نہ بنے تو وہ محض خشک زہد ہے اور وہ توکل جس سے یکسوئی حاصل نہ ہو اس کی حقیقت نہیں۔

توبہ کے صحیح ہونے کی علامت یہ ہے کہ انسان محرمات سے اجتناب کرے اور کامل تقویٰ یہ ہے کہ وہ یہ تصور کرے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اس کے احوال سے مطلع ہے اور استقامت کی نشانی یہ ہے کہ وہ بدعات سے بچ کر اپنے اوراد کی پابندی کرے اور ورع کی علامت یہ ہے کہ جب اس پر کوئی چیز مشتبہ ہو جائے اگر تو وہ اسے ترک کر دے تو وہ صاحبِ ورع ہے ورنہ ورع سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ [539]

محاسبہ:

محاسبہ سے مراد ذہن میں ایسا شعور پیدا کرنا ہے جو اس کو برائیوں سے روکے اور اس کی اس طرح تربیت کرنا ہے کہ اس میں ملامت کی صفت اجاگر ہو جائے جو اس کو ان تمام معاصی سے روک دے جو محبت ایثار اور اخلاص کی راہ میں حائل ہوتی ہیں۔ صوفیائے

---

[538] •أخرجه الترمذي (١٩٨٧)، وأحمد (٢١٣٥٤) مطولاً•

[539] (قواعدِ تصوف، شیخ احمد زروق علیہ الرحمہ، ص ۷۴)

کاملین کو اس میں کافی درک حاصل ہوتا ہے۔ حقیقت میں وہ نبی کریم ﷺ کے نقشِ قدم کی پیروی کرتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الکیس من دان نفسہ وعمل لما بعد الموت والعاجز من اتبع نفسہ ھو اھا وتمنی علی اللہ الامانی "عقلمند اور دانا وہ ہے جس نے اپنے نفس کا محاسبہ کیا اور آخرت کیلئے عمل کیا اور عاجز وہ ہے جس نے خواہشاتِ نفسانیہ کی پیروی کی (اور عمل کی بجائے) تمنا اور آرزو پر اکتفا کیا۔" (رواہ الترمذی فی کتاب صفة القیامة عن شداد بن أوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقال: حدیث حسن۔ الکیس: العاقل دان نفسہ: حاسبھا)

جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے وہ اسے لہو ولعب میں مشغول ہونے کا موقع نہیں دیتا بلکہ اسے عبادت اور طاعت میں مصروف رکھتا ہے۔ جب وہ کوئی سستی یا کوتاہی کرتا ہے تو خوفِ خدا کی وجہ سے فوراً اس کو ملامت کرتا ہے۔ اس طرح اس کے نفس کو لہو ولعب میں مشغول ہونے کا موقع کیسے مل سکتا ہے؟

شیخ احمد رفاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ محاسبہ خشیتِ الٰہی سے پیدا ہوتا ہے اور محاسبہ سے مقامِ مراقبہ حاصل ہوتا ہے۔ اور مراقبہ سے سالک دائمی ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جاتا ہے۔[540] محاسبہ میں صوفیائے کرام نبی کریم ﷺ کی اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ بھی اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روحانی تربیت کرنے کیلئے انہیں باطنی ملامت کی تربیت دیا کرتے تھے۔

مروی ہے کہ ایک دن حضور پاک ﷺ اپنے کاشانہ اقدس سے باہر تشریف لائے۔ آپ کو سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔ اسی اثناء میں حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے نورِ نبوت سے یہ جان لیا کہ ان دونوں کی بھی یہی حالت ہے اور ان کے پاس بھی پیٹ بھرنے کیلئے کوئی چیز نہیں۔ اسی اثناء میں ایک انصاری صحابی آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ اور مؤمنانہ فراست سے اس معاملہ کو جان لیا اور عرض کی میں آپ کی ضیافت کرنا چاہتا ہوں۔ جب رسول اللہ ﷺ اپنے دونوں اصحاب کے ساتھ انصاری کے گھر پہنچے اور کھجوریں اور ٹھنڈا پانی نوش فرمایا۔ تو آپ نے فرمایا اس نعمت کے بارے میں آپ سے سوال کیا جائے گا۔[541]

ان چند کھجوروں اور ٹھڈے پانی کے چند گھونٹ کی کیا حیثیت ہے؟ لیکن اس کے باوجود بھی نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب کی توجہ مبذول کرانے کیلئے ارشاد فرمایا کہ اس نعمت کے متعلق تم سے سوال کیا جائے گا تا کہ وہ کسی حالت میں بھی اپنے نفس کے محاسبہ سے غافل نہ ہوں۔

محاسبہ خالق و مخلوق کے بارے میں ذمہ داری کا احساس پیدا کرتا ہے۔ اور اسی طرح نفس انسانی میں بھی شعور پیدا کرتا ہے جس کو احکام شرعیہ کا پابند کیا گیا ہے۔ محاسبہ سے انسان میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ اس کی تخلیق عبث نہیں بلکہ ضرور ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ہم کلام

---

[540] (البرھان المؤید، ص ٥٦)
[541] (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۴۵ موجزاً)

ہو گا حتیٰ کہ بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہو گا۔ پس جب وہ اپنے دائیں طرف متوجہ ہو گا تو اسے اپنے اعمال صالحہ نظر آئیں گے اور بائیں طرف اپنے برے اعمال دیکھے گا اور اس کے منہ کے سامنے بھڑکتی ہوئی آگ ہو گی۔ آپ نے ارشاد فرمایا! آگ سے بچو، اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے سے۔ اور اگر یہ بھی میسر نہ ہو پھر پاکیزہ کلام سے۔[542]

محاسبہ سے سالک کے دل میں توبۃ النصوح کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح وہ خالق سے دور کرنے والی ہر فانی شیٔ کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاصر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"فَفِرُّوْا إِلَى اللهِ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيْرٌ مُبِيْنٌ" (ذاریات: ۵۰)

پس دوڑو اللہ کی طرف (اور اس کی پناہ لے لو) بے شک میں تمہیں اس (کے غضب) سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔

سالک یہ ارشاد باری تعالیٰ سن کر صوفیائے کرام کے مقدس گروہ میں شامل ہو کر منازلِ سلوک طے کرنے لگتا ہے۔ کیونکہ اس کے پیشِ نظر یہ ارشاد باری تعالیٰ بھی ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (توبہ: ۱۱۹)

اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہو جاؤ سچے لوگوں کے ساتھ۔

وانما القوم مسافرون لحضرة الحق و ظاعنون

یہ لوگ راہِ حق کے مسافر ہیں اور ابھی کوچ کرنے والے ہیں

یہ مسافر منازل طے کرتے ہوئے حریم قدس میں پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں ان پر قرب ووصال کی وہ نوازشات ہوتی ہیں۔ جس کا ہر محب طالب ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُقْتَدِرٍ (قمر: ۵۵)

"بڑی پسندیدہ جگہ میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے پاس (بیٹھے) ہوں گے۔"

شیخ احمد ذروق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ محاسبہ سے غفلت نفس کی بربادی کا باعث ہے۔ کیونکہ جب انسان اپنے نفس پر نرمی کرتا ہے تو وہ اس سے خوش رہتا ہے۔ اور جب اس پر تنگی کرتا ہے تو اس سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفس پر نرمی کرنا اس کو خراب کرنے کے مترادف ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ انسان واضح امور کو ترک نہ کرے۔ مخفی اور پوشیدہ امور کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو ہمیشہ مدِ نظر رکھے: "من لم یکن یومہ خیرا من امسہ فھو مغبون ومن لم یکن فی زیادۃ فھو فی نقصان" یعنی جس کا آج کا دن کل کے دن سے بہتر نہ ہو وہ فریب خوردہ ہے اور جو ترقی نہ کرے وہ گھاٹے میں ہے۔ اپنے معمولات پر ثابت قدم رہنا ہی ترقی کا باعث ہے۔ اسی وجہ سے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص وصول الی اللہ کی منازل ایک سال تک طے کرتا رہے اور پھر ایک لمحہ کیلئے بھی اس سے اعراض کرے تو اس سال بھر کی محبت ضائع ہو جاتی ہے۔[543]

خوف:

---

[542] (رواہ مسلم فی کتاب الزکاۃ عن عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، والترمذی فی کتاب صفۃ القیامۃ)

[543] (قواعد التصوف للشیخ أحمد زروق، ص ۷۵)

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مستقبل میں کسی ناپسندیدہ چیز کی توقع کی وجہ سے دل میں جو الم وحزن اور جلن پیدا ہوتی ہے اسے "خوف" کہتے ہیں اور یہ خوف کبھی تو گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کی ان صفات کی معرفت سے جو خوف کا سبب بنتی ہیں۔ خوف کی یہ قسم اکمل واتم ہے کیونکہ جس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جائے تو یقیناً اس میں خوف کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ (فاطر:۲۸)

"اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی (پوری طرح) اس سے ڈرتے ہیں۔"[544]

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ صرف اسی سے ڈریں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ إِيَّایَ فَارْهَبُوْنَ (بقرہ:۴۰)

اور صرف مجھ ہی سے ڈرا کرو۔"

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی مدح فرمائی ہے اور انہیں خوف کے ساتھ متصف فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا:

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِم۔ (نحل:۵۰) ڈرتے ہیں اپنے رب کی قدرت سے۔

وَ خَافُوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْن۔ (ال عمران:۱۷۵) مجھ سے ہی ڈرا کرو اگر تم مؤمن ہو۔

اور اس شخص کو دو جنتیں عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے یعنی دنیا میں علوم ومعارف اور آخرت میں ابدی نعمتوں کی جنت۔ ارشاد فرمایا:

وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَان۔ (رحمان:۴۶)

اور جو ڈرتا ہے اپنے رب کے روبرو کھڑا ہونے سے تو اس کو دو باغ ملیں گے۔

اور اسی طرح اس کیلئے جنت الماویٰ کا وعدہ بھی فرمایا جیسا کہ یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَ أَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى (نازعات:۴۰) "اور جو ڈرتا ہو گا اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے اور (اپنے) نفس کو روکتا رہا ہو گا (ہر بری) خواہش سے یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہو گا۔"

شیخ احمد زروق فرماتے ہیں کہ خشیتِ الٰہی کا وجود عمل پر برانگیختہ کرتا ہے اور خشیتِ الٰہی سے مراد دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت ووقار کا پیدا ہونا ہے اور خدا کے انتقام سے دل کے سہم جانے کو خوف کہتے ہیں۔[545]

خوف اس شخص میں پیدا ہوتا ہے جو آئندہ پیش آنے والے خطرات کو بھانپ لیتا ہے۔ پھر احکام الٰہیہ کی پابندی کرتا ہے اور کسی حالت میں بھی فرائض کی بجا آوری میں کوتاہی نہیں کرتا بلکہ اس کیلئے اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ اس وقت خوف ظاہری جسم سے روح کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں عارف پر آہ وبکا کی جو کیفیت ہوتی ہے۔ اس کا ادراک اہلِ صفا ہی کر سکتے ہیں۔

---

[544] (الأربعين في أصول الدين ص ۱۹۶)
[545] (قواعد التصوف ص ۷۴)

شیخ عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کو یہ مقام حاصل تھا کیونکہ ان پر اکثر آہ وبکا اور حزن کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ آپ جب بھی نارِ جہنم کا ذکر سنتیں تو پہروں آپ پر غشی طاری رہتی۔ آپ کی سجدہ گاہ آنسوؤں کی کثرت کی وجہ سے چھوٹے سے حوض کی شکل اختیار کر گئی تھی اور ایسے معلوم ہوتا تھا کہ نارِ جہنم کی تخلیق صرف آپ کیلئے ہے، در حقیقت آپ پر یہ کیفیت خشیتِ الٰہی کی وجہ سے طاری رہتی۔ اور آپ کو یہ پختہ یقین تھا کہ نارِ جہنم کے علاوہ ہر چیز آسان ہے اور اللہ تعالیٰ سے بعد اور دوری کے علاوہ ہر مصیبت سہل ہے۔

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ محب کو جامِ محبت اسی وقت پلایا جاتا ہے۔ جب اس کا دل خوف کی بھٹی سے گزر کر پختہ ہو جائے اور جس کو یہ کیفیت حاصل نہ ہو وہ آہ وبکا کی قدر و قیمت نہیں جان سکتا۔ جس نے جمال یوسف علیہ السلام کا مشاہدہ نہ کیا ہو، وہ یعقوب علیہ السلام کے غم و حزن کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔

بزرگ فرماتے ہیں کہ خائف وہ نہیں جو رونے کے بعد اپنے آنسوؤں کو صاف کرلے بلکہ حقیقت میں خائف وہ ہے جو ہر چیز کو ترک کر دے جس سے عذاب کا خوف ہو۔

حضرت ابو سلیمان درانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ما فارق الخوف قلبا الا خرب۔ (خوف جونہی دل سے جدا ہو تو وہ برباد ہو جاتا ہے۔)[546]

تمام خائفین کا ایک ہی مرتبہ نہیں ہوتا بلکہ وہ خوف کے مختلف مراتب پر فائز ہوتے ہیں۔ ابن عجیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے تین مراتب بیان فرماتے ہیں۔:

(۱) عوام کا خوف: جو عقاب و عذاب اور ثواب سے محرومی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

(۲) خواص کا خوف: یہ عتاب الٰہی اور قرب کی سعادت سے محروم ہونے سے ڈرتے ہیں۔

(۳) خاص الخواص کا خوف: یہ صرف اس لئے ڈرتے ہیں کہ سوءادب کی وجہ سے دیدار کی لذتوں سے محروم نہ ہو جائیں۔[547]

رجاء: شیخ احمد ذروق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان پر اعتماد کرنے سے دل میں جو سکون کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اسے رجاء کہتے ہیں لیکن رجاء کے ساتھ ساتھ عمل بھی ضروری ہے کیونکہ عمل کے بغیر رجاء خود فریبی ہے۔[548]

اللہ تعالیٰ نے ہمیں رجاء کی ترغیب دی ہے اور مایوسی سے روکا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوْا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ إِنَّ اللهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (زمر: ۵۳) "آپ فرمائیے اے میرے بندو! جنھوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنے نفسوں پر مایوس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے یقینًا اللہ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو بلاشبہ وہی بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔"

---

[546] (رسالہ قشیریہ ص ۲۰)

[547] (معراج التشوف إلىٰ حقائق التصوف ص ۶)

[548] (قواعد تصوف ص ۴۷)

اور اپنی وسعت رحمت کی بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيئٍ۔(اعراف: ۱۵۶) میری رحمت کشادہ ہے ہر چیز پر اور اس کی بارگاہ سے رحمت کی امید رکھنے والوں کے بارے میں فرمایا:

إنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ أُوْلٰئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللهِ"
(بقرة:۲۱۸)

(بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کی اللہ کی راہ میں تو یہی لوگ امید رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی۔)

احادیث طیبہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت کا بیان ہوا ہے:

(۱) "عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ والذی نفسی بیدہ لولم تذنبوا الذہب اللہ بکم وجاء بقوم یذنبون فیستغفرون اللہ تعالی فیغفر لھم"[549]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر تم گناہوں کا ارتکاب نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں ختم کرکے ایک نئی قوم لے آئے جو گناہ کریں اور پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمادے۔

(۲) "عن ابی موسی اشعری رضی اللہ تعالی عنہ عن النبی ﷺ قال یجیئنی یوم القیامۃ ناس من المسلمین بذنوب امثال الجبال یغفرھا اللہ لھم ویضعھا علی الیھود والنصاری"
(أخرجہ مسلم فی کتاب التوبۃ)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن بعض مسلمان پہاڑوں کی مثل گناہ لے کر آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ اور ان گناہوں کو یہود و نصاری پر رکھ دے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک بندہ کو اپنے انتہائی قریب کرے گا اور اس کے گناہوں کا اقرار کروائے گا۔ اسے کہے گا کہ تم اپنے فلاں فلاں گناہ کو جانتے ہو تو بندہ کہے گا۔ ہاں، یارب۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ میں نے دنیا میں تیرے گناہوں کی پردہ پوشی کی اور آج تیرے ان گناہوں کو معاف کرتا ہوں۔ پھر اس کو نیکیوں کا نامۂ اعمال عطا کر دیا جائے گا۔[550]

رجاء اور تمنا میں بہت فرق ہے کیونکہ راجی راضائے الٰہی کا خواہشمند ہونے کے ساتھ ساتھ عبادات اور طاعات کو ترک نہیں کرتا۔ جبکہ تمنا کرنے والا عبادات اور مجاہدات کو ترک کرکے اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کا منتظر ہوتا ہے۔

---

[549] (أخرجہ مسلم فی کتاب التوبۃ)

[550] (أخرجہ مسلم فی کتاب التوبۃ، والبخاری فی صحیحہ فی کتاب الرقاق۔ کنفہ: سترہ ورحمتہ)

اسی کے بارے میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایاہے کہ جس نے اپنے نفس کی پیروی کی اور اللہ تعالیٰ سے تمنااور آرزو پر اکتفا کیا وہ عاجز ہے۔[551]

کیونکہ جو بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے رجاء کا طالب ہو اسے چاہئے کہ اخلاص کے ساتھ محنت اور کوشش کرے یہاں تک کہ وہ اپنے مقصود کو پالے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ کیاہے :

فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْ لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا یُشْرِکْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔ (کہف: ۱۱۰)

"پس جو شخص امید رکھتا ہے اپنے رب سے ملنے کی تو اسے چاہئے کہ وہ نیک عمل کرے اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو۔"

جب بندہ عروج شباب میں گناہوں میں مستغرق، نفسانی خواہشات میں گھرا ہوا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ جانب خوف کو رجاء پر غالب رکھے۔ لیکن بڑھاپے میں جانب رجاء ہی غالب ہونے چاہئے کیونکہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں بندہ کے ساتھ ایساہی سلوک کرتاہوں جیسا کہ وہ میرے متعلق گمان رکھتاہے۔[552]

اس طرح حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے روایت کرتے ہیں: لا یموتن احدکم الا وھو یحسن الظن باللہ عزوجل۔

"آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا! تم میں سے کوئی نہ مرے مگر اس حالت میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں حسنِ ظن رکھتاہو۔"
553

سالک جب قربِ الٰہی کے حصول کیلئے راہِ سلوک کی منازل طے کر رہاہو۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ خوف ورجاء دونوں کو مدِ نظر رکھے۔ نہ خوف، رجاء پر غالب ہو کہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جائے۔ اور نہ ہی رجاء، خوف پر غالب ہو کہ وہ معاصی اور گناہوں میں مستغرق ہو جائے۔ بلکہ اسے چاہئے کہ ان دونوں کے درمیان محوِ پرواز رہے۔ حتیٰ کہ قربِ الٰہی کی سعادتوں سے لطف اندوز ہو سکے۔ اسی کیفیت کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اشارہ کیاہے:

تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ (سجدہ:۱۶)

دور رہتے ہیں ان کے پہلو (اپنے) بستروں سے پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور امید کرتے ہوئے۔

یعنی وہ اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں جہنم کے خوف سے اور جنت کے طمع میں اس سے دوری کے خوف سے اور اس کے قرب کی خواہش میں اس کی بے رخی کے خوف سے اور اس کی رجا کی خواہش میں۔

[551] (رواہ الترمذی فی کتاب صفۃ القیامۃ وقال: حدیث حسن، وابن ماجہ فی کتاب الزھد۔ کلاھما عن شداد بن أوس)

[552] (بخاری کتاب التوحید)

[553] (مسلم کتاب الجنۃ باب الأمر بحسن الظن باللہ تعالیٰ)

اہلِ رجاء کے مختلف مراتب ہیں جس طرح کہ ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں! عوام کی رجاء یہ ہے کہ وہ حصولِ ثواب کے ساتھ حسنِ خاتمہ کے امیدوار ہوتے ہیں اور خواص، رضاء الٰہی اور اس کے قرب کے طالب ہوتے ہیں اور خاص الخواص مشاہدہ حق میں تمکین اور اسرارِ خداوندی میں ترقی کے طلبگار ہوتے ہیں۔[554]

صدق:

وصول الی اللہ اور راہِ نجات پر گامزن سالک کا تین اوصاف سے متصف ہونا ضروری ہے۔

(۱): صدق (۲): اخلاص (۳): صبر

کیونکہ انسان تمام صفاتِ کمال سے اسی طرح آراستہ ہو سکتا ہے جب وہ ان تین صفات سے متصف ہو گا اور اسی طرح تمام اعمال کی قبولیت انہیں پر موقوف ہے اور جب اعمال ان صفات سے خالی ہوں تو وہ درجۂ مقبولیت تک نہیں پہنچ سکتے کیونکہ صدق مدارج کمال میں ترقی اور اعمال صالحہ کا باعث ہے۔ اس لئے ابتداءً اس کے متعلق گفتگو کریں گے۔ پھر اخلاص اور پھر اس کے بعد صبر۔

علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے صدق کی مختلف اقسام بیان فرمائی ہیں۔ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ لفظ صدق چھ معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) گفتگو اور کلام میں صدق: اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی کلام اور گفتگو میں سچ کو اختیار کرے۔ ایفائے عہد اور وعدہ خلافی اسی میں داخل ہے۔

(۲) ارادہ اور نیت میں صدق: اس کا تعلق اخلاق سے ہے، یعنی اس کی تمام حرکات وسکنات خالص اللہ تعالیٰ کیلئے ہونی چاہئے۔

(۳) عزم میں صدق: اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے تمام اعمال صالحہ کرنے کا پختہ ارادہ رکھتا ہو۔

(۴) عزم کی تکمیل میں صدق: اس سے مراد ہے کہ اس راہ میں آنے والی مشکلات کو آسانیوں میں بدلنے کا عزم مصمم کرے۔

(۵) عمل میں صدق: ظاہری اور باطنی اعمال میں مخلص ہو۔

(۶) تمام مقامات دین میں صدق: مقاماتِ دین سے مراد خوف، رجاء، تعظیم، زہد، رضا، توکل اور حبِ الٰہی ہے۔[555]

قاضی زکریا انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ صدق سے مراد وہ حکم ہے جو واقع کے مطابق ہو اور اس کے تین مقام ہیں۔ زبان، قلب اور افعال۔

(۱) زبان: اس سے مراد یہ ہے کہ انسان واقع کی صحیح خبر بیان کرے۔

(۲) قلب: اس سے مراد یہ ہے کہ وہ خبر کو پختہ ارادہ سے بیان کرے۔

(۳) افعال: اس سے مراد یہ ہے کہ وہ خبر بیان کرنے میں سستی نہ کرے۔

---

[554] (معراج التشوف ص ٦)

[555] (إحياء علوم الدين، ج ۴ ص ۳۳۴)

صدق کا سبب یہ ہے کہ صادق کو خبر پر مکمل اعتماد ہوتا ہے۔ اور اس کا ثمرہ یہ ہے کہ سچ بولنے والا خدا اور اس کی مخلوق کے نزدیک قابلِ ستائش ہوتا ہے۔[556]

عوام الناس کا صدق صرف زبان تک ہی محدود ہوتا ہے لیکن صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا مقام صدق اس سے کہیں بلند ہوتا ہے کیونکہ ان کا صدق زبان کے علاوہ دل، افعال اور احوال کو بھی شامل ہوتا ہے۔

علامہ ابن ابی شریف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدق سے مراد یہ ہے کہ ان کا ظاہر اور باطن یکساں ہو۔ یعنی سالک کے احوال اس کے اعمال کے برخلاف نہ ہوں اور اس کے اعمال اس کے احوال کے برعکس نہ ہوں۔[557]

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدق وہ صفت ہے جس کی وجہ سے مدارج کمال میں ترقی کا عزم وہمت اور حوصلہ پیدا ہوتا ہے اور اسی سے سالک صفاتِ مذمومہ سے دور ہو جاتا ہے۔ اس اعتبار سے صدق سالک کے ہاتھ میں اللہ کی تلوار ہے جس سے راہِ سلوک میں حائل ہونے والی تمام رکاوٹوں کو قطع کر دیتا ہے۔ اگر اس کے ہاتھ میں یہ تلوار نہ ہوتی تو کمالات کے مراتب میں ترقی نہ کر سکتا بلکہ ہمیشہ مختلف قسم کے خطرات سے دوچار رہتا۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ لقاء الٰہی کی تیاری میں صدق تمام اعمال صالحہ، ایمانی احوال، مقامات سالکین اور منازلِ سلوک کی چابی ہے۔ ان مقامات کی ابتداء خواب غفلت سے بیداری سے ہوتی ہے۔ پھر اس کے بعد توبہ، انابت، محبت، رجاء، خشیت تسلیم ورضا وغیرہ کی منازل ہیں۔ ان سب کی چابی لقاء الٰہی کی تیاری میں سالک کا صادق ہونا ہے اور یہ چابی اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے جس کے سوا نہ تو کوئی معبود ہے اور نہ ہی پروردگار۔

جب سالک اپنے آپ کو صفتِ صدق سے آراستہ کر لیتا ہے تو ایمان کی بلند منازل کو حاصل کرنے میں اس کی رفتار میں تیزی آ جاتی ہے کیونکہ صدق وہ قوت ہے جو اس کو آگے کی طرف دھکیلتی ہے اور تمام منازلِ سلوک میں سالک سے متصف رہتی ہے۔ منازل سلوک میں پہلا مرحلہ یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کی بارگاہ میں توبہ میں صادق ہو اور سچی توبہ ہی اعمال صالحہ کی بنیاد اور مراتب کمال کا پہلا مرتبہ ہے۔[558]

صدق، نفس امارہ کو مہذب بنانے اور اس کی امراض سے چھٹکارا حاصل کرنے میں بڑا ممد ومعاون ہے۔ یہ دل کو خباثتوں سے پاک کر دیتا ہے۔ حتیٰ کہ اسے وہ کیفیت ذوق حاصل ہو جاتی ہے جس کا ذکر نبی پاک ﷺ نے اس حدیث پاک میں کیا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

" ذاقَ طَعمَ الإيمانِ مَن رضيَ باللهِ رَبًّا، وبالإسلامِ دينًا، وبمُحمدٍ نَبيًّا۔"[559]

---

[556] (رسالہ قشیریہ ص ۹۷)

[557] (شرح ریاض الصالحین، لابن علان الصدیقی ج ۱ ص ۲۸۲)

[558] (طریق الهجرتین، ص ۲۲۳)

[559] الترمذي (ت ٢٧٩)، سنن الترمذي ٢٦٢٣•حسن صحيح•أخرجه مسلم (٣٤) باختلاف يسير، والترمذي (٢٦٢٣)، وأحمد (١٧٧٩)

اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا جس نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور محمد ﷺ کو اپنا نبی تسلیم کر لیا۔[560]

صدق کے ذریعہ ہی انسان شیطان کے مقابلہ اور اس کے وساوس سے چھٹکارا حاصل کر سکتا ہے اور اسی کی وجہ سے انسان شیطان کے مکر و فریب اور شر سے نجات حاصل کر لیتا ہے اور شیطان اس کو گمراہ کرنے سے مایوس ہو جاتا ہے۔

صدق ہی انسان کے دل سے دنیا کی محبت نکالنے کا اہم ذریعہ ہے۔ یہ انسان کو باہمی تعاون اور ایثار اور مسلسل مجاہدہ پر برانگیختہ کرتا ہے حتیٰ کہ وہ دنیا کی محبت سے چھٹکارا اور دل پر اس کے غلبہ سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔

صدق، حصولِ علم اور جہالت سے چھٹکارے کیلئے بھی مدد و معاون ہے۔ یہ انسان کو طلب علم میں استقامت، لگاتار جدوجہد، مصائب و مشکلات کو برداشت کرنے اور شب بیداری پر ابھارتا ہے تاکہ وہ علم کثیر سے بہرہ ور ہو سکے۔ علمائے متقدمین نے اپنے صدق، اخلاص اور صبر کی وجہ سے ہی بلند مقام حاصل کیا۔

عمل کے میدان میں صدق، علم کا ثمرہ اور اس کی غایت ہے کیونکہ یہ انسان کی دائمی ترقی اور کمال تک پہنچنے کا سبب ہے لیکن اس میں از حد اخلاص کی ضرورت ہے ورنہ سالک میں حبِ شہرت ریا اور اس جیسی دوسرے امراض پیدا ہو جاتے ہیں جو اس کے مطلوب و مقصود تک پہنچنے میں رکاوٹ بن جاتے ہیں لیکن اخلاص اس کے مقصود میں حائل ہونے والے تمام تر امراض کو زائل کر دیتا ہے اور اس طرح انسان اپنا مقصود یعنی رضائے الٰہی اور اس کی معرفت و محبت پالیتا ہے۔

اس بحث سے صدق کی اہمیت اور اس کے فوائد واضح ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ نبوت اور رسالت کے بعد صدق ہی سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔

شیخ ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ صدق پر تصوف کا دارومدار اور اسی کے ساتھ اس کا نظام اور تکمیل وابستہ ہے۔ اور نبوت کے بعد اسی کا درجہ ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يُطِعِ اللهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِکَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِکَ رَفِيقًا (النساء: ٦٩)

اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور صالحین اور شہداء اور کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی۔[561]

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو اہلِ صدق کی صحبت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ وہ ان کے حال سے استفادہ اور ان کے صدق سے نفع حاصل کریں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ۔“ (توبہ: ١١٩)

اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہو جاؤ سچے لوگوں کے ساتھ۔

---

[560] (أخرجه مسلم في كتاب الإيمان عن أبي هريرة ص و الإمام أحمد و الترمذي عن العباس بن عبد المطلب رضي الله تعالىٰ عنه)

[561] (رسالہ قشیریہ ص ٩٧)

درج ذیل آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صادقین کی قلت کی طرف اشارہ کیا ہے اور انہیں مسلمانوں کا ممتاز گروہ قرار دیا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

"مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ"(احزاب:۲۳)

اہلِ ایمان میں سے ایسے جو اں مرد ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا جو وعدہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں!صالحین تو کثیر ہیں لیکن ان میں صادقین کی تعداد انتہائی کم ہے۔[562]

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مذمت کی ہے جو اپنے ایمان اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وعدہ میں صادق نہیں تھے۔ فرمایا!

"فَلَوْ صَدَقُوا اللهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ۔ (محمد:۲۱)

تو اگر وہ سچے رہتے اللہ تعالیٰ سے تو ان کیلئے بہتر ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے اہلِ صدوق کے بارے میں خبر دی ہے کہ قیامت کے دن ان کا صدق ثمر بار ہوگا اور اسی کے سبب انہیں نفع اور نجات حاصل ہوگی،جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

"هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّادِقِيْنَ صِدْقُهُمْ"(مائدہ:۱۱۹)

یہ ہے وہ دن جس میں فائدہ پہنچائے گا سچوں کو ان کا سچ۔

نبی کریم ﷺ نے صدق کو نیکی تک پہنچانے والا راستہ قرار دیا ہے اور اس نیکی سے مراد وہ تمام کمالات و فضائل ہیں جو بندہ کو جنت میں داخل ہونے کا اہل بنادیتے ہیں،جیسا کہ آپ ﷺ نے مرتبہ صدیقیت کے حصول کیلئے دائمی صدق کو کلید قرار دیا ہے۔ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

ان الصدق یھدی الی البر وان البر یھدی الی الجنۃ ان الرجل لیصدق حتی یکتب عند اللہ صدیقا وان الکذب یھدی الی الفجور وان الفجور یھدی الی النار وان الرجل لیکذب حتی یکتب عند اللہ کذابا۔

"بے شک صدق نیکی کی طرف لے جاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف اور بے شک آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔بے شک جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ نارِ جہنم کی طرف۔بے شک بندہ جھوٹ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔"[563]

تمام صادقین کا ایک ہی مرتبہ نہیں ہوتا بلکہ صدیق کا مرتبہ صادق سے اعلیٰ ہوتا ہے۔شیخ ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ صدق کا سب سے کم مرتبہ یہ ہے کہ انسان کا ظاہر اور باطن یکساں ہو اور صادق وہ ہے جو اپنے اقوال میں سچا ہو اور صدیق وہ ہے جو اپنے تمام اقوال وافعال اور احوال میں سچا ہو۔

---

[562] (طبقات الصوفیہ للسلمی، ص ۸۷)

[563] (أخرجہ البخاری فی صحیحہ فی کتاب الأدب، ومسلم فی کتاب البر عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

پھر صدیقیت کے بھی مختلف مراتب ہیں ان میں سے بعض اعلیٰ اور بعض درجہ کے لحاظ سے کم ہیں۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صدیقیت کا سب سے اعلیٰ درجہ حاصل تھا، جس کی شہادت تو قرآن پاک نے بھی دی ہے۔ آپ کے بارے میں ہی ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ۔ (زمر: ۳۳)

"اور وہ ہستی جو اس سچ کو لے کر آئی اور جنہوں نے اس سچائی کی تصدیق کی۔"

مقامِ صدیقیت سے اوپر مقامِ نبوت ہے اور مقامِ صدیقیت ہی ولایت کبریٰ اور خلافت عظمیٰ کا مقام ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں انوار و تجلیات کی بارش ہوتی ہے اور نفس کے کامل اور شفاف ہونے کی وجہ سے مشاہدات و مکاشفات حاصل ہوتے ہیں۔

خلاصہ: جو شخص اپنے باطن کو صدق اور اخلاص کے ساتھ معمور کر لیتا ہے۔ اس کی تمام حرکات و سکنات اس کے قلب کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔ پھر اس کے اقوال و اعمال اور احوال میں صدق ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ جب انسان نیک کام کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ راہِ حق پر چلنے والے کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اقوال میں صدق اور اعمال میں اخلاص اور احوال میں صفا کو لازم پکڑے اور جس میں یہ تمام صفات پائی جائیں وہ ابرار کی صف میں شامل ہو کر رضائے الٰہی کو پا لیتا ہے۔[564]

اے سالک! تجھے چاہئے کہ تو اپنے تمام اقوال میں صدق اختیار کرے کیونکہ کذب، منافقین کی صفت ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

آیة المنافق ثلاث، اذا حدث کذب، و اذا وعد اخلف، اذا اؤتمن خان۔" (أخرجه البخاری فی صحیحه فی کتاب الإیمان, ومسلم فی کتاب الإیمان عن أبی هریرة رضی الله عنه۔ قال المناوی فی شرح هذا الحدیث: (النفاق ضربان: شرعی: وهو إبطان الکفر وإظهار الإیمان، وعرفی: وهو أن یکون سره خلاف علانیته، وهو المراد هنا) فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج ۱ ص ۶۳)

منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب وہ گفتگو کرے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وہ وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے، اور جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت کرتا ہے۔

اے سالک! وصول الی اللہ کی طلب میں صادق ہو جا۔ کیونکہ بلند مقاصد کو صرف خواہشات سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ وہ شخص وصال تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا جس کے دل میں صرف اس کی خواہش ہو بلکہ محنت اور کوشش کے بغیر اس کا حصول ممکن نہیں، اپنے دل کو صدق کے ساتھ معمور کر لے تا کہ اس میں منزل مقصود تک پہنچنے کیلئے ہمت اور نشاط پیدا ہو سکے۔ اور جب تو یا اللہ کہے تو سچے دل سے کہہ۔ کیونکہ صدق اس کی بارگاہ میں مقبول ہے۔ اور اپنے مرشد اور ہادی کے ساتھ کئے وعدے پر صدق کے ساتھ قائم رہ۔ کیونکہ یہ تیری ترقی اور منزل مقصود تک جلدی پہنچنے میں مددگار ہے۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا

[564] (شرح ریاض الصالحین، لابن علان ج ۱ ص ۲۸۴)

آوری اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی میں صدق کا مظاہرہ کر۔ تا کہ تجھے مقامِ عبدیت حاصل ہو جائے۔ یہ وہ مقام ہے جو تمام مراتب میں سالک کی آرزو ہوتا ہے۔

اخلاص:

تعریف: شیخ ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اخلاص، طاعت اور عبادت کو قصداً اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کر دینے کا نام ہے۔ یعنی عبادت کا مقصد صرف قربِ الٰہی کا حصول ہو۔ مخلوقِ خدا کیلئے تصنع، لوگوں کی تعریف حاصل کرنے یا اس کے علاوہ کوئی اور مقصد پیشِ نظر نہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس کو یوں بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ اخلاص، عمل کو مخلوق کے ملاحظہ سے پاک رکھنے کا نام ہے۔

حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اخلاص، مخلوق کے ملاحظہ سے بچنے کا نام ہے۔ مخلص میں ریا کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: **ترک العمل من اجل الناس ریاء و العمل من اجل الناس شرک و الاخلاص ان یعافیک اللہ منہما۔** یعنی لوگوں کی وجہ سے کسی عمل کو ترک کرنا ریا کہلاتا ہے اور لوگوں کی خاطر عمل کرنا شرک کہلاتا ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ان دونوں چیزوں سے بچا لے۔

امام جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اخلاص اللہ اور بندے کے درمیان ایک راز ہے جس کو نہ تو کوئی فرشتہ جانتا ہے کہ وہ اس کو لکھ لے اور نہ ہی شیطان کی اس تک رسائی ہوتی ہے کہ اس کو فاسد کر دے اور نہ ہی خواہشِ نفس اس کو پا سکتی ہے کہ اس کو اپنی طرف مائل کر لے۔

شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مخلص کا حق یہ ہے کہ وہ نہ تو اپنے اخلاص کی طرف توجہ دے اور نہ ہی اس پر مطمئن ہو کیونکہ اگر اس نے ایسا کیا تو اس کا اخلاص مکمل نہیں ہو گا، بلکہ بعض نے تو اس کو ریا کا نام دیا ہے۔[565]

اخلاص کے بارے میں ان مختلف اقوال کا مقصد صرف ایک ہی ہے کہ اعمال تعبدیہ میں نفس کا کوئی دخل نہ ہو، خواہ یہ اعمال جسم کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں یا دل اور مال کے ساتھ۔ مخلص کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے اخلاص کی طرف متوجہ نہ ہو۔

کتاب و سنت میں اخلاص کی اہمیت:

چونکہ اعمال کی قبولیت اخلاص پر موقوف ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے تعلیم امت کیلئے نبی علیہ السلام کو عبادت میں اخلاص کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے!

(۱) قُلْ إِنِّيٓ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ۔ (زمر: ۱۱)

---

[565] (رسالہ قشیریہ ص ۹۶-۹۵)

ترجمہ: ”فرمایئے، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں خالص کرتے ہوئے اس کیلئے (طاعت کو)۔“

(۲)”قُلِ اللہَ أَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهُ دِيْنِي“ (زمر:۱۴)

فرمایئے، اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کرتا ہوں خالص کرتے ہوئے اس کیلئے اپنے دین کو۔

(۳) فَاعْبُدِ اللہَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ۔ أَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ۔ (زمر:۲)

پس آپ عبادت کریں اللہ کی خالص کرتے ہوئے اس کیلئے اطاعت کو، خبردار اللہ کیلئے ہے دینِ خالص۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو تمام عبادات قولیہ، فعلیہ اور مالیہ میں اخلاص کا حکم فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے!

وَ مَا أُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللہَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔ (البینہ:۵)

حالانکہ نہیں حکم دیا گیا تھا انہیں مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی دین کو اس کیلئے خالص کرتے ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے واضح بیان فرمادیا ہے کہ قیامت کے دن لقاء الٰہی کا راستہ صرف وہ عمل صالح ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کیا گیا ہو اور مخلوق کے ملاحظہ سے سالم ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ أَحَدًا۔ (کھف:۱۱۰)

(پس جو شخص امید رکھتا ہے اپنے رب سے ملنے کی تو اسے چاہئے کہ وہ نیک عمل کرے اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو۔)

احادیث طیبہ بھی بندہ کو اپنے تمام اعمال میں اخلاص کا درس دیتی ہیں اور اس کو تنبیہ کرتی ہیں کہ اس کی عبادت کا مقصد لوگوں کی تعریف و توصیف حاصل کرنا نہیں ہونا چاہئے۔ اور ان میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہر وہ عمل جو خالص اللہ کیلئے نہ ہو وہ قابلِ قبول نہیں ہوتا۔ اور احادیث طیبہ یہ بھی واضح کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے ظاہری اعمال کی طرف نہیں دیکھتا ہے کیونکہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ریا کو شرک اصغر اور پوشیدہ شرک کا نام دیا ہے۔ اور آپ ﷺ نے یہ بھی خبر دی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ریاکار سے بری ہو جائے گا۔ اور اس کو ان لوگوں کے سپرد کر دے گا جن کو انہوں نے اپنے رب کی عبادت میں شریک بنایا تھا۔

اب ہم بعض احادیث بیان کرتے ہیں جو اخلاص کی اہمیت کو واضح کرتی ہیں۔

”عن ابی امامة قال: جاء رجل الی رسول اللہ ﷺ فقال: ارأیت رجلا غزا یلتمس الاجر و الذکر ماله؟ فقال رسول اللہ ﷺ لا شئ له فاعادها ثلاث مرات ویقول رسول اللہ ﷺ لا شئ له ثم قال ان اللہ عز و جل لا یقبل من العمل الا ما کان له خالصا و ابتغی به وجهه“

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھے اس شخص کے بارے میں بتایئے جو اجر اور شہرت کیلئے جنگ میں شریک ہوا، اسے کیا ملے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے کچھ نہیں ملے

گا۔اس آدمی نے تین دفعہ اس بات کا اعادہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا! اسے کچھ نہیں ملے گا۔ پھر فرمایا! اللہ عزوجل اسی عمل کو قبول کرتا ہے جو خالص اسی کیلئے ہو اور جس سے اس کی رضا مقصود ہو۔[566]

(۲) ”عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ان اللہ لا ینظر لی اجسامکم ولا الی صورکم ولکن ینظر الی قلوبکم“[567] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ تمہارے جسم اور صورتوں کی طرف نہیں دیکھتا، بلکہ تمہارے دلوں کی طرف دیکھتا ہے۔

(۳) ”عن شداد بن اوس رضی اللہ تعالی عنہ انہ سمع النبی ﷺ یقول: من صام یرائی فقد اشرک ومن صلی یرائی فقد اشرک ومن تصدق یرائی فقد اشرک۔“[568]

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے ریا کاری کیلئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے ریاکاری کیلئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا اور جس نے ریاکاری کیلئے صدقہ کیا اس نے بھی شرک کیا۔

(۴) ”عن محمود بن لبید قال: خرج النبی ﷺ فقال: یا ایھا الناس ایاکم وشرک السرائر۔ قالوا: یا رسول اللہ ﷺ وما شرک السرائر؟ قال: یقوم الرجل فیصلی فیزین صلاتہ جاھدا لما یری من نظر الناس الیہ فذلک شرک السرائر“۔[569]

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک دن اپنے کاشانۂ انوار سے باہر تشریف لائے اور فرمایا، اے لوگو! سرائر کے شرک سے بچو۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی، سرائر کا شرک کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے اور نماز کو خوبصورت انداز میں ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو دکھائے اور یہی سرائر کا شرک ہے۔

(۵) حضرت محمود بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! تمہارے متعلق سب سے زیادہ جس چیز کا مجھے خوف ہے وہ شرک اصغر ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی۔ یارسول اللہ ﷺ یہ شرک اصغر کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا! اس سے مراد ریا ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جب لوگوں کو ان کے اعمال کی سزا دے گا تو ریاکاروں کو حکم دے گا ان لوگوں کی طرف جاؤ جن کیلئے تم دنیا میں ریاکاری کرتے تھے اور دیکھو کیا تمہیں ان کے پاس سے جزا ملتی ہے۔[570]

(۶) حضرت ابوسعید ص سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ اولین وآخرین کو جمع فرمائے گا تو ایک ندا دینے والا ندا دے گا۔ جس نے اپنے عمل میں کسی کو شریک ٹھہرایا۔ وہ اسی سے ثواب طلب کرے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان شرکاء سے مستغنی ہے۔

(رواہ الترمذی فی کتاب التفسیر، سورۃ الکھف)

---

[566] (رواہ أبو داود والنسائی بإسناد جید)

[567] (مسلم، کتاب البر والصلۃ)

[568] (بیہقی، الترغیب والترھیب: ج:۲: ص:۳۱)

[569] (رواہ ابن خزیمہ فی صحیحہ)

[570] (رواہ الإمام أحمد بإسناد جید)

اخلاص کی اہمیت میں اقوالِ علماء:

حضرت مکحول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص چالیس دن تک اخلاص پر عمل پیرا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کی زبان سے حکمت ودانائی کے چشمے جاری کر دے گا۔[571]

حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی گئی کہ کون سی چیز نفس کیلئے سخت ترین ہے؟ آپ نے فرمایا، اخلاص کیونکہ اس میں نفس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔[572]

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اذا اخلص العبد انقطعت عنہ کثرۃ الوساوس والریاء۔

یعنی "جب بندہ مخلص ہو جاتاہے تو اس سے وساوس کی کثرت اور ریاء ختم ہو جاتے ہیں۔"[573]

ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اعمال خالی ڈھانچوں کی مثل ہیں اور ان کی روح اخلاص ہے۔ ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ تمام اعمال خالی ڈھانچوں اور جسموں کی مانند ہیں۔ اور ان میں اخلاص کا پایا جانا روح کی حیثیت رکھتاہے۔ جس طرح ڈھانچے روح کے ساتھ ہی قائم ہوتے ہیں اگر روح نہ ہو تو ان پر موت طاری ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بدنی اور قلبی اعمال کا قیام اخلاص کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر ان میں اخلاص نہ ہو تو یہ صرف خیالی تصویر کی مانند ہوتے ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔[574]

اخلاص کے بارے میں علماء وعارفین کے اقوال شمار سے باہر ہیں۔

اخلاص کے مراتب:

ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اخلاص کے تین درجے ہیں

1): عوام کا اخلاص (۲): خواص کا اخلاص (۳): خاص الخواص کا اخلاص

عوام کا اخلاص:

یہ ہے کہ یہ اخروی اور دنیوی دونوں نعمتوں کے طالب ہوتے ہیں جیسے صحت، مال، وسعتِ رزق اور حور وقصور۔

خواص کا اخلاص:

ان کا اخلاص یہ ہے کہ یہ صرف اخروی نعمتوں کے طالب ہوتے ہیں۔

خاص الخواص کا اخلاص:

یہ کلیۃً دونوں نعمتوں سے اعراض کرتے ہیں۔ ان کی عبادت خالص اللہ تعالیٰ اور اس کے حکم کی بجا آوری اور اس کے دیدار کے شوق میں ہوتی ہے۔ جس طرح کہ ابن فارض فرماتے ہیں:

---

[571](رسالہ قشیریہ ص ۹۶-۹۵)

[572](رسالہ قشیریہ ص ۹۶-۹۵)

[573](رسالہ قشیریہ ص ۹۶-۹۵)

[574](ایقاظ الھمم فی شرح الحکم لابن عجیبۃ ج ۱ ص ۲۵)

لیس سوالی من الجنان نعیما غیر انی احبھا لاراکا

جنت کی نعمتیں مجھے مطلوب نہیں، مگر میں ان سے صرف اس لئے محبت کرتاہوں تاکہ تیرے دیدار سے بہرہ ور ہو سکوں۔

کلھم یعبدون من خوف نار ویرون النجاۃ حظاجزیلا

اوبان یسکنوا الجنان فیضحوا فی ریاض ویشربوا سلسبیلا

لیس لی فی الجنان والنار رای انا لا ابتغی بحبی بدیلا

(۱) سب لوگ نارِ جہنم کے خوف سے اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس سے نجات کو بہت عظیم گمان کرتے ہیں۔

(۲) یا اس لئے عبادت کرتے ہیں کہ جنتوں میں سکونت اختیار کریں اور باغوں میں سیر کریں اور سلسبیل نوشِ جان کریں۔

(۳) لیکن مجھے جنت اور دوزخ کا کوئی خیال نہیں اور نہ ہی میں اپنی محبت کا کوئی بدل چاہتاہوں۔

آپ فرماتے ہیں کہ شیخِ کامل کے بغیر نفس کی شہوات اور ریاکاری کے دقائق سے چھٹکارا حاصل نہیں کیا جاسکتا۔[575]

صوفیائے کرام کا سب سے اعلیٰ مقصد اپنے اخلاص کے ساتھ بلند درجات میں ترقی کرنا اور ثواب کی خواہش کے بغیر خالص اللہ تعالیٰ کی رضاکیلئے عبادت کرنا ہے۔

فمامقصودھم جنات عدن ولا الحور الحسان ولا الخیام

سوی نظر الجلیل وذامناھم وھذامقصدالقوم الکرام

(۱) جنت عدن ان کا مقصود نہیں نہ ہی خوبصورت حوریں اور خیام۔

(۲) وہ صرف اللہ تعالیٰ کی نظرِ کرم کے طالب ہیں اور یہ ان کی آرزو ہے اور یہی ان کریم لوگوں کا مقصد ہے۔

”قالت رابعۃ رحمھا اللہ تعالی ماعبدتک خوفامن نارک ولا طمعافی جنتک وانماعبدتک لذاتک“

حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا فرماتی ہیں اے اللہ! میں تیری عبادت تیری آگ کے خوف سے نہیں کی۔ اور نہ ہی تیری جنت کے لالچ میں کی ہے۔ بلکہ میں نے تیری عبادت محض تیری ذات کیلئے کی ہے۔

اگر ثواب وعقاب اور جنت ودوزخ کا وجود نہ ہوتا تب بھی اللہ کے محبوب بندے اس کی عبادت سے پیچھے نہ ہٹتے اور نہ ہی اس کی اطاعت سے منہ پھیرتے کیونکہ وہ اللہ کی عبادت صرف اللہ کیلئے کرتے ہیں اور کیونکہ ان کے اعمال ایسے دل سے صادر ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی محبت سے معمور ہے اور وہ اس کے قرب اور رضا کے طالب ہوتے ہیں کیونکہ انہیں اس کی نعمتوں اور انعامات کا ادراک ہوتا ہے اور انہوں نے اس کے احسانات کا ذائقہ چکھ لیا ہوتا ہے۔

اس کا مقصد یہ نہیں کہ وہ جنت میں داخل ہونے کو پسند نہیں کرتے اور نہ ہی آگ سے دور ہونے میں رغبت رکھتے ہیں۔ جس طرح کہ بعض احمقوں نے یہ سمجھ لیا ہے بلکہ وہ آگ کو ناپسند کرتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، غضب اور انتقام کا مظہر ہے اور وہ جنت کو پسند کرتے ہیں اور اس کو طلب کرتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت، رضا اور قرب کا مظہر ہے۔ جس طرح کہ حضرت آسیہ (زوجہ فرعون) نے فرمایا:

رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًافِي الْجَنَّةِ (تحریم: ۱۱)

---

[575] (ایقاظ الھمم فی شرح الحکم ج ۱ ص ۲۶-۲۵)

اے میرے رب! بنادے میرے لئے اپنے پاس ایک گھر جنت میں۔

انہوں نے جنت کو طلب کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے قرب اور عندیت کو طلب فرمایا۔ اور گھر سے پہلے پڑوس کو طلب فرمایا۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

و ما حب الدیار شغفن قلبی   و لکن حب من سکن الدیار

دیار کی محبت نے میرے دل کو مائل ہیں کیا لیکن اس کی محبت نے جو ان دیار میں سکونت پذیر ہے۔

یعنی جنت میں ان کی رغبت اللہ تعالیٰ کی رضا، قرب اور محبت کا باعث تھی۔ اسی طرح جب بندہ کہ ہمت بلند اور اس کا مقصد اعلیٰ ہوتا ہے تو وہ بدنی لذائذ اور ذاتی نفع سے کنارہ کش ہو جاتا ہے خواہ یہ نفع دنیوی ہو یا اخروی۔ پھر بندہ اپنی تمام عبادات میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور قرب کا طالب ہوتا ہے اور خالص عبودیت سے متصف ہو جاتا ہے۔ بندہ کی ہمت کے مطابق ہی اس کا مطلوب و مقصود ہوتا ہے۔

ہمارا یہ مقصد نہیں ہے کہ جو شخص اپنی طاعت اور عبادت سے اخروی نعمتوں کا طالب ہو اور جنت کی لذات سے لطف اندوز ہونے اور نارِ جہنم سے چھٹکارا حاصل کرنے کا خواہشمند ہو، وہ گمراہ ہے۔ اور نہ ہی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں سے محروم ہے بلکہ وہ تو اطاعت گزار صالح مؤمن ہے۔ مگر اس کا مرتبہ ان لوگوں سے کم ہے جن کی نیتیں صاف اور ہمتیں بلند ہوں۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص ثواب و عقاب سے بالاتر ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کیلئے اس کے احکام کی پیروی کرتا ہے۔ اس کی عبادت خالص اللہ تعالیٰ کیلئے ہوتی ہے بر خلاف اس شخص کے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت حصولِ ثواب اور عقاب کے خوف سے کرتا ہے، لہٰذا اس کی عبادت میں اس کے نفس کا حصہ بھی شامل ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہوتا ہے لیکن اس کا شمار ابرار میں ہوتا ہے جبکہ پہلے شخص کو مقربین کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔[576]

شیخ احمد ذروق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معظم چیزوں کی تعظیم ضروری ہے اور ان کو حقیر جاننا کفر کی حد تک پہنچ جاتا ہے اس لئے صوفیائے کرام کے اس ارشاد "ماعبدنا خوفا من نارہ و لا طمعا فی جنتہ" (ہم نے اس کی عبادت آتشِ جہنم کے خوف اور اس کی جنت کے لالچ سے نہیں کی) کو اپنے اطلاق پر نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ اس قول کے دو ہی مفہوم ہو سکتے ہیں یا تو انہیں (جنت و دوزخ) حقیر جانا گیا حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابلِ تعظیم ہیں اس لئے عام مسلمان سے بھی اس کی حقارت کا گمان نہیں کیا جا سکتا یا ان سے مستغنی ہونے کی بنا پر یوں کہا گیا حالانکہ مؤمن کسی حالت میں بھی اپنے مولیٰ کی برکت سے مستغنی نہیں ہو سکتا تو اس سے معلوم ہوا کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ مفہوم مراد نہیں لیا بلکہ انہوں نے عبادت خالص اللہ تعالیٰ کیلئے کی اور اس عبادت کے بدلے میں جنت کا مطالبہ اور آتشِ جہنم سے نجات کا مطالبہ نہیں کیا اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

"إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللهِ" (الدھر: ۹)

ہم تمہیں کھلاتے ہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے۔

---

[576] (تأييد الحقيقة العلية للإمام السيوطي، ص ٦١)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو عمل کی علت بنایا گیا ہے۔[577]

بعض اوقات سالک کے عمل میں بہت سی آفات داخل ہو جاتی ہیں جو اس کے اخلاص کو عیب دار کر دیتی ہیں۔ اور منزلِ مقصود تک پہنچنے میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ اس لئے ان آفات کی وضاحت اور سالکین کو ان کے خطرات سے آگاہ اور ان سے چھٹکارے کا طریقہ بیان کرنا ضروری ہے تاکہ سالک کے تمام اعمال خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ہوں۔

حجاب اول:

بعض اوقات سالک اپنے عمل پر نازاں ہوتا ہے اور یہ چیز اس کیلئے حجاب کا باعث ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنی عبادت میں گم ہو کر محبوب سے دور ہو جاتا ہے۔ اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ سالک کو چاہئے کہ یہ ذہن میں رکھے کہ وہ اور اس کا عمل سب کچھ اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَ اللهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْن" (الصافّات: ۹۶)

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور جو کچھ تم کرتے ہو۔

یعنی تمام اعمال توفیقِ الٰہی سے سرانجام پاتے ہیں۔ بندہ کی طرف صرف کسب کی نسبت ہوتی ہے۔ جب انسان اپنے نفس کی صفات میں دقتِ نظر سے غور وفکر کرے اور اسے معلوم ہو جائے کہ اس کے نفس کی وہی حالت ہے جیسا کہ اس کے خالق ومالک نے بیان کی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ۔ (یوسف: ۵۳)

بے شک نفس تو حکم دیتا ہے برائی کا۔

تو وہ جان لے گا کہ اس سے جو بھی نیکی کا کام ہوتا ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے ہی ہوتا ہے۔ اس وقت اس پر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد:

"وَلَوْ لَا فَضْلُ اللهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا" (نور: ۲۱)

اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت، تو تم میں سے کوئی بھی کبھی ستھرا نہ ہو سکتا تھا) کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ حاصلِ کلام یہی ہے کہ انسان اپنے عمل پر فخر واعجاب سے اسی وقت بچ سکتا ہے جب اسے اپنے نفس کی رعونات سے مکمل آگاہی ہو۔ لہٰذا انسان کو اس کی معرفت کے حصول کیلئے کوشاں رہنا چاہئے۔

حجاب ثانی:

سالک کیلئے دوسرا حجاب یہ ہے کہ اپنے عمل پر عوض کا مطالبہ کرے۔ خواہ وہ عوض دنیاوی ہو یا اخروی۔ دنیاوی عوض سے مراد یہ ہے کہ وہ مختلف قسم کی خواہشات کا طالب ہو جیسے شہرت ورفعتِ مرتبہ کی خواہش وغیرہ۔ احوال، مقامات اور مکاشفات اور معارف کی طلب بھی اس میں داخل ہے۔ اسی لئے عارفِ کبیر شیخ ارسلان رحمہ اللہ ایسے سالک کو نصیحت فرماتے ہیں جو اپنے مطلوب

---

[577](قواعد التصوف للشیخ أحمد زروق ص ۷۶)

ومقصود کو چھوڑ کر کسی دوسری چیز کی طرف متوجہ ہوتا ہے:"اے خواہشات اور عبادات کے اسیر !اے مقامات ومکاشفات کے اسیر !تو دھوکے میں ہے"۔

اسے ان اشیاء کا اسیر اس لئے کہا گیا ہے، کیونکہ یہ تمام اشیاء غیر اللہ اور عالم خلق سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کی طرف متوجہ ہونا، خالق کی معرفت میں رکاوٹ کا باعث ہوتا ہے، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَأَنَّ إِلَى رَبِّكَ الْمُنْتَهَى (النجم: ۴۲) (آپ کے رب تک اس کی انتہا ہے۔)

شیخ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر تو اپنی طلب میں صادق ہوتا تو کسی خواہش، عبادت، مقام یا مکاشفہ کی طرف متوجہ نہ ہوتا، بلکہ تیرا مقصود حقیقی صرف اور صرف اللہ کی ذات ہوتا۔ تیرا عزم وحوصلہ خالص اللہ کیلئے ہوتا اور ماسوی اللہ سے تو اعراض کرتا۔ پھر فرماتے ہیں کہ ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "التنویر في اسقاط التدبیر" میں اپنے شیخ ومرشد ابو العباس مرسی سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ولی اس وقت تک وصال کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا، جب تک اس کے دل سے وصال کی خواہش ختم نہ ہو جائے۔

کسی بزرگ کا فرمان ہے کہ اگر میں ترقی کرتے ہوئے لامکان تک پہنچ جاؤں، اور پھر ایک لحہ بھی کسی دوسری شئ میں مشغول ہو جاؤں۔ تو میں عقلمند نہیں کہلا سکتا۔

ابن فارض فرماتے ہیں:

قال لی حسن کل شئ تجلی   بی تمل فقلت قصدی وراک

حسن نے مجھے کہا ہر شی کا ظہور مجھ سے ہے، تھوڑی دیر مجھ سے لطف اندوز ہو جا۔ میں نے اس سے کہا۔ میرا مقصود تجھ سے آگے ہے۔

مخلوق کے حسن کی طرف متوجہ ہونا اور وہاں ٹھہرنا اپنے آپ کو خود فریبی میں مبتلا کرنے کے مترادف ہے۔[578]

ماسوی اللہ کی طرف متوجہ ہونے والوں کو نصیحت کرتے ہوئے کسی بزرگ نے فرمایا:

و مهماترى كل المراتب تجتلى   عليك فحل عنها فعن مثلها حلنا

جو مراتب بھی تجھ پر ظاہر ہوں تو ان سے آگے گزر جا، ہم بھی اس قسم کے مراتب سے گزر کر آئے ہیں۔

ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ سالک کی ہمت جب مکاشفہ پر اکتفا کرنے کا ارادہ کرتی ہے تو غیب سے ندا آتی ہے کہ اے سالک! تیرا مقصود تو اس سے آگے ہے۔[579]

سالک کا ان مقامات کو طلب کرنا اس کے نفس کی پوشیدہ خواہش ہے۔ کیونکہ وہ یا تو ان مقامات کو پالے گا اور اس پر مطمئن ہو کر اپنے اصل مقصد سے محجوب ہو جائے گا یا ان کو حاصل نہیں کر سکے گا مگر ان کے حصول کو اپنا مقصد اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ بنا

---

[578](خمرة الحان ورنة الألحان ص ۲۹)

[579](ایقاظ الهمم فی شرح الحكم ج ۱ ص ۵۱)

لے گا۔ پھر ان کے حصول کیلئے محنت کرے گا، اور جب ان تک نہ پہنچ سکے گا تو اس کا عزم کمزور اور وہ خود مایوس ہو جائے گا۔ اس وقت وہ الٹے پاؤں پستی کی طرف لوٹے گا۔ ہاں اگر کسی مرشد کامل کی توجہ میسر آجائے تو اس مشکل سے چھٹکارا حاصل کر سکتا ہے ورنہ منزل مقصود سے دور ہی دور ہوتا چلا جائے گا۔

اخروی عوض طلب کرنے سے مراد جنت میں داخل ہونے اور نار جہنم سے نجات کی خواہش کرنا ہے۔ اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے یقین ہو، جنت میں داخلہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہو گا نہ کہ اس کے عمل سے۔ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے:

"لن یدخل احد کم الجنة بعمله قالوا: ولا انت یا رسول اللہ ﷺ قال: ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ برحمته" تم میں سے کوئی بھی اپنے عمل سے جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ صحابہ نے عرض کی، آپ بھی نہیں؟ یارسول اللہ ﷺ فرمایا ہاں میں بھی نہیں مگر جب اللہ تعالیٰ کی رحمت مجھ پر سایہ فگن ہو جائے۔[580]

سالک کو اپنے عمل پر عوض طلب کرنے سے یہی چیز بچا سکتی ہے کہ وہ یقین کرے کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کے بغیر جنت میں داخل ہونے اور نارِ جہنم سے نجات کا مستحق نہیں۔ کیونکہ غلام اپنے آقا کی کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔ اس کی ساری عبادت، حق عبودیت کو ادا کرنے کیلئے ہیں۔ اور دنیا اور آخرت میں جو اسے اجر و ثواب ملے گا۔ یہ محض اس کا فضل واحسان ہے۔ اسی طرح عبادت کی توفیق بھی اسی کا فضل ہے۔ جب سالک جان لے گا کہ یہ توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے ہے تو پھر اس کی نعمتوں کے شکر میں مصروف ہو جائے گا۔ اور اس طرح اپنے عمل پر عوض طلب کرنے سے بچ جائے گا۔

حجاب ثالث: اپنے اعمال کی وجہ سے دھوکہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس سے نجات کے دو طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ: اپنے اعمال میں پائے جانے والے عیوب سے مطلع ہونا۔ کیونکہ بہت ہی قلیل اعمال ایسے ہوتے ہیں جو شیطان اور نفس کے حظ سے خالی ہوں۔ حظ شیطان کے بارے میں تو نبی کریم ﷺ نے ہماری راہنمائی فرمائی ہے۔ جب آپ سے نماز میں ادھر ادھر متوجہ ہونے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا! بندہ کی نماز کا یہ وہ حصہ ہے جو شیطان اس کی نماز سے چھین لیتا ہے۔[581]

ابن قیم نے کہا کہ جب نماز میں ایک لمحہ کے التفات کا یہ حال ہے تو دل کے ماسوی اللہ کی طرف التفات کرنے کا کیا حال ہو گا، یعنی اس میں تو حظ شیطان اس سے بھی بڑھ کر ہے۔[582]

جہاں تک حظ نفس کا تعلق ہے تو اس کو اہلِ بصیرت اور عارفین ہی جان سکتے ہیں۔

دوسرا طریقہ:

یہ ہے کہ سالک حقوق عبودیت اور اس کے ظاہری و باطنی آداب اور شرائط کی معرفت حاصل کرے۔ دن رات عبادت میں مشغول ہونے کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسرِ نفسی کا اظہار کرے۔ ایک عاجز اور ضعیف بندہ خالق کائنات کی عبودیت کے حقوق کما حقہ کیسے ادا کر سکتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقصیر کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

---

[580] (رواہ البخاری کتاب المرضیٰ، مسلم کتاب صفات المنافقین)

[581] (رواہ البخاری فی کتاب أبواب صفة الصلاة عن عائشة رضی اللہ عنها والترمذی فی کتاب أبواب الصلاة وقال: حسن صحیح)

[582] (مدارج السالکین ج ۲ ص ۵۱)

وَمَاقَدَرُوا اللہ حَقَّ قَدْرِہٖ۔(زمر:٦٧)

اور نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جس طرح قدر پہچاننے کا حق تھا۔

خلاصہ کلام:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اخلاص، عمل کو علل واسباب اور شوائب سے پاک کرنے کا نام ہے خواہ ان اشیاء کا تعلق مخلوق سے ہو جیسے مخلوق کی مدح وتعریف کو پسند کرنا اور ان کی مذمت سے خوف کھانا یا اس کا تعلق عمل سے ہو۔ جیسے اپنے عمل کی وجہ سے دھوکہ میں مبتلا ہو جانا اور اس کے بدلے میں عوض طلب کرنا وغیرہ۔

اسی وجہ سے بلند ہمت عارفین اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کیلئے خالص کر دیتے ہیں اور اپنے دلوں میں جب اللہ تعالیٰ کی یہ ندا "ففروا الی اللہ" پاتے ہیں، تو اس پر لبیک کہتے ہوئے اس کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتے ہیں، جس طرح کہ کسی بزرگ کا فرمان ہے! اے مولا! میں تمام لوگوں کو پیچھے چھوڑ کر تیری بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔

صبر:

علمائے کرام نے صبر کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ ان میں سب سے اہم ترین تین تعریفیں ہیں۔

(۱) حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ صبر احکامِ الٰہیہ کی مخالفت سے دور ہونا، مصیبت کے رنج والم سہتے ہوئے پر سکون ہونے اور حالت فقر میں غنا کے ظاہر کرنے کا نام ہے۔

(۲) امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہین کہ صبر یہ ہے کہ نفس کو پابند کیا جائے اس چیز پر جس کا تقاضا عقل یا شرع کرتی ہے۔ یا صبر، نفس کو ہر اس چیز سے روکنے کا نام ہے جس سے رکنے کا تقاضا عقل یا شرع کرتی ہے۔

(۳) سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ غیر اللہ سے مصائب کی تکلیف کا شکوہ نہ کرے کا نام صبر ہے۔ اس تعریف سے یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکوہ صبر کے منافی نہیں۔ بلکہ غیر اللہ سے شکایت صبر کے منافی ہے۔[583]

کسی بزرگ نے دیکھا کہ کوئی شخص اپنے فاقے اور حاجت کی شکایت کسی دوسرے شخص سے کر رہا ہے تو فرمایا! اے شخص تو اس ذات کی شکایت کر رہا ہے جو تجھ پر رحم کرنے والی ہے۔ ایسے شخص سے جو تجھ پر رحم نہیں کرنے والا ہے۔ پھر یہ اشعار پڑھے:

و اذا عرتک بلیۃ فاصبر لھا   صبر الکریم فانہ بک اعلم

و اذا شکوت الی ابن آدم انما   تشکو الرحیم الی الذی لا یرحم

(۱) جب تجھ پر کوئی مصیبت نازل ہو تو اس پر کریم لوگوں کی طرح صبر کر کیونکہ اللہ تعالیٰ تجھ سے بہتر جاننے والا ہے۔

(۲) اور جب تو ابنِ آدم سے شکوہ کرے گا تو تو رحیم کا شکوہ کرے گا اس سے جو رحم کرنا نہیں جانتا۔

صبر کی اقسام:

علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے صبر کی مختلف اقسام بیان کی ہیں لیکن ان تمام تعریفوں کا مرجع درج ذیل تین تعریفات ہیں۔

(۱) "الصبر علی الطاعۃ" (یعنی طاعت پر صبر کرنا)

---

[583] (شرح ریاض الصالحین لابن علان ج ۱ ص ۱۹۴)

اور اس سے مراد شریعت پر استقامت، مالی، بدنی اور قلبی عبادات پر دائمی پابندی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر دوام اختیار کرنا ہے۔ اور اس ضمن میں پیش آنے والے مصائب و مشکلات پر صبر کرنا ہے۔ کیونکہ جو شخص بھی رسول اللہ ﷺ کا نائب ہونے کی حیثیت سے دین کی تبلیغ اور جہاد کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ اس کیلئے اس قسم کے مصائب و مشکلات کا پیش آنا ضروری ہے۔ حضرت لقمان اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلٰوةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا أَصَابَكَ" (لقمان:۱۷)

(اے بیٹے نماز قائم کرو نیکی کا حکم دیا کرو اور برائی سے روکتے رہو اور صبر کیا کرو ہر مصیبت پر جو تمہیں پہنچے۔)

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں قسم اٹھائی ہے کہ چار صفات کے حاملین ہی نجات پانے والے ہیں۔

(۱): ایمان (۲): عمل صالح (۳): امت کو نصیحت کرنا (۴): صبر کرنا

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَالْعَصْرِ o إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ o إِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" (سورۃ عصر: پ ۳۰)

قسم ہے زمانہ کی، یقیناً انسان خسارہ میں ہے بجز ان خوش نصیبوں کے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے نیز ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے۔

(۲) "الصبر عن المعاصی" (گناہوں سے صبر کرنا)

اس سے مراد نفس کی خواہشات سے مجاہدہ اور اس کی بے راہ روی کا مقابلہ اور اس کی کجی کی اصلاح اور شر اور فساد کے ان اسباب کا قلع قمع کرنا ہے جن کو شیطان مشتعل کرتا ہے۔ جب انسان اپنے نفس کا مجاہدہ کرکے اس کو پاک کر دیتا ہے۔ اور اس کو اس کی گمراہیوں سے روک دیتا ہے۔ تو وہ ہدایت کاملہ تک پہنچ جاتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" (عنکبوت: ۶۹)

"اور جو مصروف جہاد رہتے ہیں ہمیں راضی کرنے کیلئے ہم ضرور دکھا دیں گے انہیں اپنے راستے۔"

اور پھر اس کا شمار مفلحین (کامیاب لوگوں) میں ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى o وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (اعلیٰ: ۱۵، ۱۴)

"بے شک مراد کو پہنچا جو ستھرا ہوا اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھی۔"

ارشاد ہے:

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى o فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى

(نازعات: ۴۱، ۴۰)

"اور جو ڈرتا ہوگا اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے اور اپنے نفس کو روکتا رہا ہوگا ہر بری خواہش سے، یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہوگا۔"

(۳) "الصبر علی المصائب" (مصیبتوں پر صبر کرنا)۔

کیونکہ یہ دنیا امتحان اور آزمائش کی جگہ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مختلف قسم کے مصائب کے ذریعہ آزماتا ہے۔ اور خصوصاً مؤمنوں کو مختلف آزمائشوں میں مبتلا کرتا ہے۔ تاکہ مؤمن، منافق اور طیب اور خبیث کے درمیان فرق واضح ہو جائے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

الٓمّٓ o أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوْا أَنْ يَقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (عنکبوت: ۱-۲)

"کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہیں ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا۔"

برابر ہے کہ یہ مصائب نماز میں ہوں یا بدن میں یا اہل وعیال میں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَتُبْلَوُنَّ فِيْ أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ۔ (آل عمران: ۱۸۶)

"یقیناً تم آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے۔"

ارشاد فرمایا:

"وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ o الَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ o أُوْلٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ" (بقرہ: ۱۵۶-۱۵۷)

اور ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں کسی ایک چیز کے ساتھ یعنی خوف اور بھوک اور کمی کرنے سے تمہارے مالوں اور جانوں اور پھلوں میں اور خوشخبری سنایئے ان صبر کرنے والوں کو جب پہنچتی ہے انہیں مصیبت تو کہتے ہیں بے شک ہم صرف اللہ ہی کے ہیں اور یقیناً ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہی وہ خوش نصیب ہیں جن پر ان کے رب کی طرح طرح کی نوازشیں اور رحمت ہے، اور یہی لوگ راہ پر ہیں۔

بے شک مؤمنِ صادق ان مصائب کو صبر وتسلیم بلکہ رضا وخوشی کے ساتھ برداشت کرتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے خالق کی طرف سے نازل کردہ مصائب اس کے گناہوں کا کفارہ اور اس کی سیئات کو مٹانے کا سبب ہیں۔

جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ مؤمن کو جو تھکاوٹ، مرض، غم وحزن اور تکلیف حتیٰ کہ جو کانٹا بھی اسے چبھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کی گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔

(رواہ البخاری فی صحیحہ فی کتاب المرض، ومسلم عن أبی سعید وابی ہریرۃ رضی اللہ عنہما)

اسی طرح اسے یہ بھی معلوم ہے کہ یہ مصائب ومشکلات اللہ کے نزدیک صبر کرنے والے مؤمنوں کے درجات ومنازل کو بلند کرتے ہیں۔ جب کہ وہ ان مصائب کر برضا وتسلیم قبول کرے۔ جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ بندہ جب کسی منزل کو اپنے عمل کے ساتھ نہیں پا سکتا، تو اللہ تعالیٰ اس کو جان، مال اور اہل کی آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے اور پھر اس کو صبر کی توفیق عطا کر دیتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس منزل کو حاصل کر لیتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے مقدر میں لکھی ہوتی ہے۔[584]

[584](رواہ أبو داؤد فی سننہ فی کتاب الجنائز باب الأمراض المکفرۃ للذنوب رقم (۳۰۷۴) عن محمد بن خالد السلمی رضی اللہ عنہ)

صبر کی فضیلت اور اہمیت:

صبر نصف ایمان ہے، انسان کی سعادت کا راز، آزمائش سے عافیت کا مصدر و منبع، مصائب و مشکلات سے بچنے کا ذریعہ اور مجاہدہ نفس کیلئے بہترین ہتھیار ہیں۔ یہ جنس کو شرعی احکام پر استقامت اختیار کرنے پر ابھارتا ہے اور اس کو گمراہی اور فساد کی اتھاہ گہرائیوں میں گرنے سے بچاتا ہے اسی اہمیت اور بلند مرتبہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ستر مقامات پر اس کا ذکر کیا ہے، کبھی تو اللہ تعالیٰ صبر کرنے کا حکم دیتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اسْتَعِينُوا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوا (اعراف ۱۲۸)

"اللہ سے مدد طلب کرو اور صبر کرو۔"

اور کہیں صبر کرنے والوں کی تعریف کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ" (بقرہ:۱۷۷)

صبر کرتے ہیں مصیبت میں اور سختی میں اور جہاد کے وقت یہی لوگ ہیں جو راست باز ہیں اور یہی لوگ حقیقی پرہیز گار ہیں۔)

اور کہیں خبر فرماتا ہے کہ وہ صابرین سے محبت کرتا ہے:

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ (آل عمران:۱۴۶)

اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اور کہیں صابرین کیلئے اپنی معیت کو اختیار کرتا ہے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِينَ۔ "اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

اور ایک مقام پر فرماتا ہے کہ صبر کرنے والوں کو بغیر حساب کے اجر دے گا۔

اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ (زمر:۱۰)

"صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔"

ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ ہدایت دینے والے مرشدین نے یہ مقام صبر کی ہی بدولت حاصل کیا ہے:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا۔ (سجدہ:۲۴)

اور ہم نے بنادیا ان میں سے بعض کو پیشوا، وہ راہبری کرتے رہے ہمارے حکم سے جب تک وہ صابر رہے۔

احادیثِ طیبہ میں بھی صبر کی فضیلت کو بڑے حسین پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ ان میں یہ واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے کہ زندگی کی مشکلات اور حوادثات پر صبر کرنا مؤمن کی زندگی میں گہرے نقوش چھوڑتا ہے بلکہ نبی کریم ﷺ کی تمام زندگی صبر، جہاد اور قربانی کا بہترین نمونہ ہے۔ آپ ﷺ نے مصائب و مشکلات میں صبر کر کے ہمارے لئے بہترین اسوۂ حسنہ چھوڑا ہے۔

احادیثِ طیبہ:

(۱) "عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالی عنہ ان النبی ﷺ قال! ما اعطی احد من عطاء خیرا و اوسع من الصبر" (بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! کہ صبر سے بہتر اور وسیع عطیہ کسی کو نہیں دیا گیا۔

(۲) "وعن صھیب بن سنان ص قال: قال رسول اللہ ﷺ عجبا لامر المؤمن ان امرہ کلہ لہ خیر و لیس ذلک لاحد الا للمؤمن ان اصابتہ سراء شکر فکان خیر الہ و ان اصابتہ ضراء صبر فکان خیر لہ"۔

حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ مؤمن کا معاملہ بھی قابلِ تعجب ہے۔ اس کا ہر معاملہ بھلائی پر مبنی ہے اور یہ سعادت صرف مؤمن کو ہی حاصل ہے۔ اگر اسے خوشحالی کی نعمت نصیب ہو تو وہ اس کا شکریہ ادا کرتا ہے اور یہ اس کیلئے خیر ہے۔ اور اگر کسی مصیبت میں مبتلا ہو تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کیلئے خیر ہے۔[585]

(۳) "قال رسول اللہ ﷺ المسلم الذی یخالط الناس ویصبر علی اذاھم خیر من الذی لا یخالطھم و لا یصبر علی اذاھم"

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور ان کی اذیتوں پر صبر کرتا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو لوگوں کے ساتھ مل جل کر نہیں رہتا اور ان کی اذیتوں پر صبر نہیں کرتا۔

(ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ)

(۴) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک نبی کا واقعہ بیان کیا کہ ان کی قوم نے انہیں مار مار کر لہولہان کر دیا وہ اپنے منہ سے خون صاف کرتے اور فرماتے: "اللّٰھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون" یعنی اے اللہ! میری قوم کو معاف فرما دے یہ مجھے نہیں جانتے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں اب بھی نبی کریم ﷺ کو یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔

(بخاری فی صحیح، کتاب أحادیث الأنبیاء، و مسلم فی کتاب الجہاد و السیرۃ)

(۵) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اذیت پر صبر کرنے والا کوئی نہیں، کیونکہ اس کے ساتھ غیر کو شریک ٹھہرایا جاتا ہے۔ اور اس کیلئے بیٹا بنا دیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی انہیں معاف فرما دیتا ہے اور انہیں رزق دیتا ہے۔

(بخاری فی صحیح، کتاب التوھید، و مسلم فی کتاب صفات المنافقین و أحکامھم)

صالحین کا صبر کو اختیار کرنا اور اس کی دعوت دینا:

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کی اسوۂ حسنہ کی پیروی کی ہے اور انہیں صبر نبی کریم ﷺ سے وراثت میں ملا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اسلام کی اشاعت میں سر توڑ کوشش کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے ایمان سے نوازا جس میں مایوسی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اور ایسا عزم و حوصلہ اور ثابت قدمی عطا فرمائی جس میں ضعف اور کمزوری نہ تھی۔

---

[585](رواہ مسلم فی کتاب الزھد و الرقاق)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تابعین نے روحانی فیض حاصل کیا۔ اور پھر اسی طرح یہ فیض مختلف ادوار طے کرتا ہوا ہم تک پہنچا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"لا یزال طائفۃ من امتی ظاھرین حتی یاتی امر اللہ وھم ظاھرون"

(بخاری فی صحیح، کتاب الاعتصام، ومسلم عن مغیرۃ بن شعبۃ)

میری امت کا ایک گروہ حق پر غالب رہے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا حکم (قیامت) آجائے گا۔ اور وہ غالب ہی ہوں گے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جب بیٹا وفات پا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی روح قبض کرنے کا ارادہ فرمایا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ایسی محبت سے جو اللہ کے ارادہ کے مخالف ہو۔

صبر کے بارے میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا واقعہ بڑا سبق آموز ہے۔ آپ ایک دن حدیث پاک کا درس دے رہے تھے کہ آپ کو بچھو نے سولہ بار ڈنگ مارا جس کی وجہ سے آپ کا رنگ متغیر ہو گیا لیکن آپ نے حدیث پاک کی تعظیم کی وجہ سے اپنی کلام کو قطع نہ کیا۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مریض کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے۔ دورانِ گفتگو اس مریض کی چیخ نکلی تو حضرت ذوالنون نے فرمایا: "لیس بصادق فی حبہ من لم یصبر علی ضربہ" (جو اس کی ضرب پر صبر نہ کرے وہ محب صادق نہیں)۔ تو اس مریض نے جواب دیا۔ "بل، لیس بصادق فی حبہ من لم یتلذذ بضربہ" (بلکہ جو اس کی ضرب سے لطف اندوز نہ ہو وہ محب صادق نہیں)۔[586]

ابن شبرمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر جب کوئی مصیبت نازل ہوتی تو فرماتے، یہ تو بادل ہے تھوڑی دیر بعد چھٹ جائے گا۔

صبر کے بارے میں صوفیائے کرام نے بڑا عمدہ اور تعجب خیز کلام فرمایا ہے۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے صبر کے متعلق پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا!

صابر الصبر فاستغاث بہ الصبر فصاح المحب بالصبر صبرا

وہ صبر پر غالب آگیا اور صبر نے اس سے مدد کی درخواست کی تو محب نے صبر سے کہا صبر کرو۔

صوفیائے کرام کو اللہ تعالیٰ نے عظیم محاسن اور خوبیوں سے نوازا ہے یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبر کے سائے میں اللہ تعالیٰ کی بھرپور خوشنودی حاصل کی، اور ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد صادق آتا ہے :

"اَلَّذِیْنَ إِذَا أَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْا إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا إِلَیْہِ رَاجِعُوْن" (بقرہ: ۱۵۶)

جو کہ جب پہنچے انہیں کوئی مصیبت تو کہتے ہیں بے شک ہم اللہ ہی کے ہیں اور یقینا ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

ان کا صبر اللہ تعالیٰ کیلئے ہوتا ہے اور وہ اسی کی بارگاہ میں رجوع کرتے ہیں۔ اس لئے وہ اس بات کے سزاوار ہیں کہ انہیں ان کا پروردگار بغیر حساب وکتاب کے اجر وثواب عطا فرمائے۔ اور صابرین کیلئے اجر بھی کیا خوب ہے! ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

" أُوْلٰئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰاتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ" (بقرہ: ۱۵۷)

---

[586] (اللمع للسیوطی علیہ الرحمہ ص۷۷)

یہی وہ خوش نصیب ہیں جن پر ان کے رب کی طرح طرح کی نوازشیں اور رحمت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی ذات صبر میں صوفیائے کرام کیلئے بہترین نمونہ ہے۔ آپ جب بھی کسی آزمائش سے گزرتے آپ کے صبر اور ثابت قدمی میں مزید اضافہ ہو جاتا کیونکہ یہی انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

"فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُوْلُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ" (احقاف: ۳۵)

پس اے محبوب آپ صبر کیجئے جس طرح اولوا العزم رسولوں نے صبر کیا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو دین کی دعوت میں مشکلات برداشت کرنے اور مشرکین کی اذیتوں پر صبر کرنے کا حکم فرمایا۔ ارشاد فرمایا:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ (نحل: ۱۲۷)

"اور آپ صبر فرمایئے اور نہیں ہے آپ کا صبر مگر اللہ کی توفیق سے اور رنجیدہ نہ ہوا کریں ان پر اور نہ غمزدہ ہوا کریں ان کی فریب کاریوں پر۔"

خلاصہ کلام:

یہ ہے کہ صبر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صفت اصفیاء کا زیور نیکیوں کی کلید اور قربِ الٰہی کا راستہ ہے۔ سالک کسی مرحلہ میں بھی اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہر مقام کیلئے صبر ہوتا ہے جو اس کے مناسب ہوتا ہے۔

ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"الصبر حبس القلب علی حکم الرب"

صبر پروردگار کے حکم پر دل کو پابند کرنے کا نام ہے۔

عام لوگوں کا صبر احکامِ الٰہیہ کی مخالفت کو ترک کرنا اور طاعت کی مشقتوں پر دل کو پابند کرنا ہے۔ اور خاص لوگوں کا صبر، مجاہدہ اور ریاضت پر نفس کو پابند کرنا اور حجابات کو اٹھانے کا مطالبہ کرنا اور دائمی حضور میں مراقبہ قلب کے ساتھ راہ سلوک کے مصائب کو برداشت کرنا ہے۔

خاص الخواص کا صبر، مشاہدہ حق میں روح اور سر کو پابند کرنے کا نام ہے یا حریم ناز میں حاضری اور دائمی دیدار پر روح کو پابند کرنے کا نام ہے۔[587]

صدق، اخلاص اور صبر یہ تینوں صفات راہِ سلوک کے بنیادی ارکان ہیں۔ اور جس شخص نے اپنے سلوک کی بنیاد ان صفات پر نہ رکھی وہ اس قافلہ کے ساتھ ہے جو راستہ میں ہی رک جاتا ہے۔ اگرچہ وہ اپنے گمان کے مطابق منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہوتا ہے۔

---

[587] (معراج التشوف إلی حقائق التصوف ص ٦)

اخلاص کی حقیقت توحید مطلوب ہے جس طرح کہ صدق کی حقیقت توحید طلب ہے۔ اور ان چیزوں پر صبر کرنا عین کمال ہے۔

ورع:

ورع کی تعریف اور اس کے مراتب:

سید جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: **هو اجتناب الشبهات خوفا من الوقوع في المحرمات۔** "محرمات میں واقع ہونے کے خوف سے شبہات سے اجتناب کرنا ورع کہلاتا ہے۔"[588]

علامہ محمد بن علان صدیقی فرماتے ہیں کہ ایسی چیز کو ترک کر دینا جس میں کوئی حرج نہ ہو، اس چیز سے بچنے کیلئے جس میں حرج ہو، ورع کہلاتا ہے۔[589]

ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ورع سے مراد نفس کو ایسی چیز کے ارتکاب سے روکنا ہے جس کا انجام ناپسندیدہ ہو۔[590]

ورع کی وضاحت کیلئے ہم اس کے وہ مراتب بیان کرتے ہیں جن کو حاصل کرنے کیلئے سالک کوشاں رہتا ہے۔

عوام کا ورع:

شبہات کو ترک کر دینا ہے تاکہ وہ احکامِ الٰہیہ کی مخالفت میں مبتلا نہ ہو جائیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ امور ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔ پس جو شخص شبہات سے بچا، اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا اور جو شبہات میں واقع ہوا وہ حرام میں واقع ہو جاتا ہے اس چرواہے کی طرح جو چراگاہ کے ارد گرد اپنے جانور چراتا ہے ممکن ہے کہ وہ اس چراگاہ میں چرنے لگیں۔ خبردار! بے شک ہر بادشاہ کیلئے خاص چراگاہ ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی چراگاہ اس کے محارم ہیں۔

(رواه البخاری فی صحیحه فی کتاب الإیمان و مسلم فی کتاب المساقاة عن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنهما)

خواص کا ورع:

ہر اس چیز کو ترک کر دینا ہے جو دل کو مکدر کرے۔ اور اس کی پریشانی کا باعث ہو۔ یہ لوگ دل میں کھٹکنے والے خواطر اور سینے میں پیدا ہونے والے وساوس سے بھی احتراز کرتے ہیں۔ ان کے دل اتنے پاکیزہ اور صاف ہوتے ہیں کہ جب بھی وہ کسی امر میں متردد ہوتے ہیں یا کسی حکم کے بارے میں شک میں مبتلا ہوتے ہیں تو یہ انہیں فوراً تنبیہ کر دیتے ہیں۔

---

[588] (تعریفات السید ص ۱۷۰)

[589] (دلیل الفالحین شرح ریاض الصالحین ج۵ ص ۲۶)

[590] (معراج التشوف ص۷)

اور اسی کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ کیا ہے کہ اس چیز کو ترک کر دو جو تمہیں شک میں ڈال دے اور اس کو اختیار کرو جو تمہیں شک میں نہ ڈالے۔

(رواہ الترمذی فی کتاب صفة القیامة وقال: حدیث حسن صحیح)

مزید ارشاد فرمایا:

البر حسن الخلق والاثم ماحاک فی نفسک وکرھت ان یطلع علیه الناس۔

یعنی "نیکی حسنِ خلق کا نام ہے اور گناہ وہ چیز ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو ناپسند کرے کہ لوگ اس پر مطلع ہوں۔"[591]

اسی کے بارے میں حضرت امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں!

"مارأیت اسھل من الورع ماحاک فی نفسک فاترکه"

یعنی "میں نے ورع سے آسان ترین چیز نہیں دیکھی پس جو چیز تمہارے دل میں کھٹکے اسے ترک کر دو۔"[592]

خاص الخواص کا ورع:

یہ ہے کہ وہ غیر اللہ سے تعلق منقطع کر لیتے ہیں اور غیر سے طمع ولالچ کا دروازہ بند کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ کسی چیز کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ یہ ان عارفین کا ورع ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ ہر جو شیٔ اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے وہ بدبختی کی علامت ہے۔

شیخ شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ورع یہ ہے تو اللہ کے سوا ہر چیز سے کنارہ کش ہو جائے۔[593]

ورع کی فضیلت:

مذکورہ بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ورع تمام صفات کمالیہ کیلئے جامع صفت ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکہ شریف میں داخل ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولادِ اطہار میں سے ایک نوجوان کعبہ شریف سے ٹیک لگائے وعظ کر رہا تھا۔ آپ اسی مجلس میں ٹھہر گئے اور پوچھا کہ دینِ اسلام کا خلاصہ اور جوہر کیا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ پھر سوال کیا کہ دین میں آفت کیا ہے؟ اس نے جواب دیا، طمع۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس جواب سے بڑے متعجب ہوئے اور فرمایا، ایک ذرہ ورع ہزارہا نماز روزے سے بہتر ہے۔[594]

---

[591](رواہ مسلم فی کتاب البر والصلة عن النواس بن سمعان رضی اللہ عنہ۔ حاک: أی جال وتردد)

[592](رسالہ قشیریہ ص ۵۴)

[593](رسالہ قشیریہ ص ۵۴)

[594](رسالہ قشیریہ ص ۵۴)

حضرت ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بندہ کے فہم پر اس کا کثیر علم اور اپنے اوراد پر ہیشگی دلالت نہیں کرتے بلکہ اس کے فہم اور نورِ قلب پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ وہ اپنے رب کے ساتھ غیر سے مستغنی ہو جائے اور اس کا دل اسی کی طرف مائل ہو اور حرص وخواہش کی غلامی سے آزاد ہو اور ورع کے زیور سے آراستہ ہو۔[595]

ورع کی عظمت اس سے بڑھ کر کیا ہو گی کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کو عبادت کا سب سے اعلیٰ درجہ قرار دیا ہے۔ آپ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا، اے ابوہریرہ! صاحبِ ورع بن جا، تو تمام لوگوں سے زیادہ عباد گزر بن جائے گا۔

(رواہ ابن ماجہ عن أبی ھریرۃ ص فی کتاب الزھد باب الورع والتقوی بإسناد حسن)

یہ وجہ ہے کہ ورع اللہ تعالیٰ کی عطا اور اس سے حصول فیض کا راستہ ہے جس طرح کہ حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو ورع کی باریکیوں میں غور و فکر نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی عطائے عظیم تک نہیں پہنچ سکتا۔[596]

ورع کی اہمیت، بلند رتبہ، رفعتِ شان اور اس کے عظیم آثار کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے کثیر احادیث میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ان میں بعض احادیث یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) ”عن عطیۃ بن عروۃ السعدی الصحابی ص قال: قال رسول اللہ ﷺ: لا یبلغ العبد أن یکون من المتقین، حتیٰ یدع مالا بأس بہ حذراً مما بہ بأس۔“

”حضرت عطیہ بن عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ متقین کا درجہ حاصل نہیں کر سکتا حتیٰ کہ نا قابل اعتراض چیز کو ترک کر دے قابل اعتراض چیز سے بچنے کیلئے۔“

(رواہ الترمذی فی کتاب صفۃ القیامۃ، وقال: حدیث حسن غریب)

(۲) عن حذیفۃ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ فضل العلم خیر من فضل العبادۃ و خیر دینکم الورعہ

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ علم کی فضیلت، عبادت کی فضیلت سے بہتر ہے۔ اور تمہارے دین میں بہترین چیز ورع ہے۔

(رواہ طبرانی فی الأوسط والبزار بإسناد حسن)

(۳) عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ ثلاث من کن فیہ استوجب الثواب واستکمل الایمان خلق یعیش بہ فی الناس وورع یحجزہ عن محارم اللہ وحلم یردبہ جھل الجاھل۔

”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ تین چیزیں جس میں پائی جائیں وہ ثواب کا مستحق ہو تا ہے اور اس نے ایمان کو مکمل کر لیا: ایسا اخلاق جس کے ساتھ لوگوں میں زندگی گزارے، ایسا ورع جو اس کو اللہ تعالیٰ کی محارم سے روک دے، ایسا علم جس کے ساتھ جاہل کی جہالت کو روک دے۔“

---

[595](معراج تصوف ص ۷)
[596](رسالہ قشیریہ ص ۵۴)

(رواہ البزار کمافی الترغیب والترھیب)

(۴) عن انس ص وجد تمرہ فی الطریق فقال لو لا انی اخاف ان تکون من الصدقۃ لاکلتھا۔

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے راستہ میں پڑی ہوئی ایک کھجور پائی۔ تو آپ نے فرمایا۔ اگر مجھے یہ خوف نہ ہو کہ کہیں یہ صدقے کی نہ ہو۔ تو میں اسے کھالیتا۔"

(صحیح بخاری کتاب الزکاۃ، مسلم کتاب الزکاۃ)

(۵) عن أبی ھریرۃ ص قال: أخذ الحسن بن علی رضی اللہ عنھما تمرۃ من تمر الصدقۃ، فجعلھا فی فیہ۔ فقال النبی ﷺ: کخ کخ ارم بھا أما علمت انّا لا نأکل الصدقۃ، أو انّا لا تحل لنا الصدقۃ۔

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے صدقے کی کھجوروں میں سے ایک کھجور لی اور اسے اپنے منہ میں ڈال لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسے منہ سے نکال اور پھینک دو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے، یا یہ فرمایا، کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ ہمارے لئے صدقہ حلال نہیں۔"

(صحیح بخاری کتاب الزکاۃ، مسلم کتاب الزکاۃ)

صوفیائے کرام کو جب ہم ورع کے اعلیٰ مراتب پر متمکن دیکھتے ہیں تو صحابہؓ کرامث اور تابعین عظامؒ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ مروی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تھوڑا سا کھانا کھالیا جو ان کے غلام نے پیش کیا تھا پھر جب غلام نے بتایا کہ اس کھانے میں شبہ تھا تو آپ نے اپنے ہاتھ کو منہ میں ڈالا اور قے کر کے پیٹ کو صاف کر دیا۔

(رواہ البخاری فی صحیح باب ایام الجاھلیۃ)

آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہم ستر حلال اشیاء کو چھوڑ دیا کرتے تھے اس خوف سے کہ کہیں ہم کسی حرام چیز میں نہ پڑ جائیں۔ [597]

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں جب مالِ غنیمت میں کستوری پیش کی گئی تو آپ نے اپنے ناک کو ہاتھ سے بند کر دیا اور فرمایا کہ اس کی خوشبو سے ہی نفع حاصل کیا جاتا ہے اور میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ میں مسلمانوں کے بغیر اس کی خوشبو سے نفع حاصل کروں۔ [598]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے کچھ اونٹ خریدے اور ان کو بیت المال کی چراگاہ میں بھیج دیا۔ جب وہ اونٹ موٹے ہو گئے تو ان کو بیچنے کیلئے واپس منگوا لیا۔ ان ہی ایام میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گزر بازار سے ہوا۔ جب انہوں نے یہ موٹے تازے اونٹ دیکھے تو انہوں نے پوچھا کہ یہ اونٹ کس کے ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ آپ کے بیٹے عبد اللہ کے۔ تو آپ نے بیٹے سے پوچھا کہ یہ اونٹ کہاں سے آئے؟ تو انہوں نے عرض کی کہ یہ کمزور اونٹ میں نے خریدے تھے اور ان کو چراگاہ میں بھیج دیا اور ان کو میں نے کہا کہ یہ امیر المؤمنین کے بیٹے کے اونٹ ہیں۔ ان کی دیکھ بھال کرو اور کھلاؤ پلاؤ۔ جب حضرت عمر

---

[597] (رسالہ قشیریہ ص ۵۳)

[598] (رسالہ قشیریہ، ص ۵۵)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سنا تو آپ نے فرمایا: اے عبد اللہ ان کی اصل قیمت تم رکھ لو اور ان کا نفع مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کرا دو۔[599]

حضرت حذیمہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ جب بھی کسی کو کسی صوبے کا گورنر مقرر کرتے تو اس سے ایک عہد نامہ لکھوالیتے اور اس پر لوگوں کو گواہ بنا لیتے۔ اور اس پر یہ شرط لگاتے کہ وہ خچر پر سوار نہیں ہو گا اور نہ ہی چھنا ہوا آٹا کھائے گا۔ اور نہ ہی باریک لباس پہنے گا اور ضرورت مند کیلئے اپنے دروازے کو بند نہیں کرے گا۔ اگر اس نے ایسا کیا تو سزا کا مستحق ہو گا۔[600]

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ روزمرہ کے خرچہ سے کچھ پیسے حلوہ خریدنے کیلئے بچاتی رہیں۔ پھر جب کچھ پیسے جمع ہو گئے تو انہوں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حلوہ خریدنے کیلئے کہا۔ آپ ص نے پوچھا کہ یہ حلوہ کیلئے تمہارے پاس پیسے کہاں سے آئے تو انہوں نے عرض کی کہ میں روزانہ کے خرچہ سے کچھ پیسے بچاتی رہی۔ تو آپ ص نے فرمایا کہ ان کو بیت المال میں جمع کرادو۔ کیونکہ یہ تمہاری ضرورت سے زائد ہیں۔ آپ ص کا یہ حال تھا کہ خود بھوکے رہتے تاکہ آپ کی رعایا پیٹ بھر لے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک خادم وضو کیلئے گرم پانی کا ایک کوزہ پیش کیا کرتا تھا۔ ایک دن آپ نے خادم کو فرمایا کہیں یہ پانی تم بیت المال کے مطبخ سے تو گرم نہیں کرتے۔ اس نے عرض کی جی ہاں۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم نے یہ بہت برا کیا۔ پھر اپنے غلام مزاحم کو حکم دیا کہ وہ اس کوزے کو گرم کرے اور پھر دیکھے کہ اس میں کتنی لکڑیاں صرف ہوتی ہیں۔ پھر گزشتہ ایام کا حساب لگا کر لکڑیوں کو بیت المال کے مطبخ میں جمع کرائے۔[601]

علامہ مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مبارک خراسان سے شام واپس آئے تاکہ عاریہ لیا ہوا قلم واپس کریں۔ اس کے بعد آپ صوفیائے کرام کے ورع کے متعلق مختلف واقعات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر تم سعادت اور خوش بختی کے طالب ہو، تو ان لوگوں کی اتباع کرو۔[602]

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو کسی نے کھانے کی دعوت پر مدعو کیا۔ جب کھانا آپ کے سامنے رکھا گیا تو آپ نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا تو وہ کھانے کی طرف نہ بڑھ سکا۔ آپ نے تین دفعہ کوشش کی لیکن تینوں دفعہ آپ کا ہاتھ کھانے کی طرف نہ بڑھ سکا۔ وہاں آپ کو جاننے والا ایک شخص موجود تھا۔ اس نے یہ کہا کہ آپ کا ہاتھ حرام کھانے اور ایسے کھانے کی طرف نہیں بڑھتا جس میں شبہ ہو۔[603]

---

[599] (الریاض النضرۃ ج ۲ ص ۴۷)

[600] (البدایۃ والنہایۃ لإبن کثیر ج ۷ ص ۳۴)

[601] (سیرۃ عمر بن عبد العزیز، ص ۳۷)

[602] (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج ۵ ص ۵۲)

[603] (اللمع للطوسی ص ۷۱)

صوفیائے کرام ورع میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کی اتباع کرتے ہیں۔ اور یہ ان کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور اس کے دین پر مضبوطی سے عمل پیرا ہونے کا نتیجہ ہے۔ اور اسی طرح یہ ان کے شدید خوف کا نتیجہ ہے کہ کہیں وہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت میں مبتلانہ ہو جائیں کیونکہ جو شخص ایمان کا ذائقہ چکھ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو تقویٰ سے نوازتا ہے۔ اور جس شخص کو تقویٰ حاصل ہو جاتا ہے وہ شبہات سے احتراز کرتا ہے اور ہمیشہ اللہ سے خائف اور اس کے فضل واحسان کا امیدوار رہتا ہے جس طرح کہ حضرت شاہ کرمانی فرماتے ہیں کہ تقویٰ کی علامت ورع ہے اور ورع کی علامت شبہات سے اجتناب کرنا ہے۔ خوف کی علامت حزن ہے اور رجاء کی علامت حسن طاعت۔[604]

اے قاری! محنت کر تاکہ تو بھی باہمت لوگوں کے ساتھ مل جائے اور ان کی سنگت اختیار کر تاکہ تو بھی ان کی مثل ہو جائے۔ کیونکہ جو کسی کی سنگت اختیار کرتا ہے وہ اسی کی مثل ہو جاتا ہے۔

زہد:

تعریف: حضرت ابن جلاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ زہد دنیا کو زوال کی نظر سے دیکھنے کا نام ہے تاکہ دنیا تیری نظر میں حقیر ہو جائے اور اس سے اعراض کرنا تیرے لئے آسان ہو جائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ زہد دنیا سے بلا تکلف کنارہ کشی کرنے کا نام ہے۔[605]

امام جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "الزهد استصغار الدنيا و محو آثارها من القلب۔" زہد دنیا کو حقیر جاننے اور دل سے اس کے اثرات کو مٹانے کا نام ہے۔[606]

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ زہد دل کو دنیا کی محبت سے خالی کرنے کا نام ہے۔ نہ کہ صرف ہاتھوں کو خالی کرنے کا نام ہے۔ اور یہ عارفین کا زہد ہے۔ اور اس سے اعلیٰ مرتبہ مقربین کے زہد کا ہے کیونکہ یہ لوگ ماسوی اللہ ہر چیز حتیٰ کہ جنت وغیرہ سے بھی زہد اختیار کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ صرف اللہ تعالیٰ کے قرب اور وصال کے متمنی ہوتے ہیں۔[607]

پس زہد دل کو دنیا کی محبت سے خالی کرنے اور اسے اللہ تعالیٰ کی محبت و معرفت سے بھر دینے کا نام ہے۔ دل دنیا کے مشاغل اور اس کی زیب وآرائش سے جتنا خالی ہو گا اتنی ہی دل میں اس کی محبت اور معرفت زیادہ ہو گی اسی وجہ سے عارفین نے زہد کو قرب ووصال کا وسیلہ اور اس کی محبت ورضاء کے حصول کی شرط قرار دیا ہے۔ زہد وسیلہ اور شرط تو ہے لیکن وہ بالذات غایت مقصودہ نہیں۔

زہد کا شرعی ثبوت:

بعض لوگوں نے اسلام میں زہد کے وجود کی قطعًا نفی کر دی ہے اور انہوں نے زہد کو بدعت اور دین میں اجنبی چیز قرار دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ دین میں نصرانی رہبانیت اور عجمی لوگوں کی پوجاپاٹ کے ذریعے سے داخل ہوا ہے۔ اس میں قطعًا شک نہیں کہ ان کا

---

[604] (طبقات الصوفیۃ للسلمی ص ۱۹۳)

[605] (رسالہ قشیریہ، ص ۵۶)

[606] (رسالہ قشیریہ ص ۵۶)

[607] (الفتوحات الوهبية بشرح الأربعين حديث النووية للشيخ إبراهيم الشبرخيتي)

نقطۂ نظر حقیقت اسلام سے جہالت کی بنا پر ہے۔ کیونکہ اگر یہ منکرین احادیثِ رسول ﷺ کی طرف رجوع کرتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ نے صراحتاً زہد کی دعوت دی ہے اور اسے محبتِ الٰہی کے حصول کیلئے وسیلہ قرار دیا ہے۔ حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: **یا رسول اللہ ﷺ! دلنی علی عمل اذا عملتہ احبنی اللہ و احبنی الناس قال لہ ازھد فی الدنیا یحبک اللہ و ازھد فیما فی ایدی الناس یحبوک۔** یعنی یا رسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے کہ جب میں اسے کروں تو اللہ تعالیٰ اور لوگ مجھ سے محبت کرنے لگیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "دنیا سے زہد اختیار کر، تو اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرے گا۔ اور جو کچھ لوگوں کے ہاتھ میں ہے اس سے زہد اختیار کرے گا تو لوگ تجھ سے محبت کرنے لگیں گے۔" **(رواہ ابن ماجہ فی کتاب الزھد)**

اس کے علاوہ جب مؤمن قرآن پاک کی آیات میں غور وفکر کرتا ہے اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کون کونسی آیات ہیں جو دنیا کی شان کی حقارت کو واضح طور پر بیان کرتی ہیں اور اس کے جلد زوال پذیر ہونے اور اس کی نعمتوں کے عارضی ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بیان کرتی ہیں کہ یہ دنیا دار غرور اور غافلین کیلئے فتنہ ہے۔

دنیا کی یہ تمام صفات بیان کرنے کا مقصد یہی ہے کہ لوگ دلوں سے اس کی محبت کو نکال دیں تاکہ یہ دنیا اللہ تعالیٰ کی معرفت اور دینی احکام کو سرانجام دینے میں حائل نہ ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) **یَآأَیُّهَا النَّاس إِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَ لَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْر**

(فاطر:۵)

"اے لوگو! یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ پس دھوکہ میں نہ ڈال دے تمہیں یہ دنیوی زندگی اور نہ فریب میں مبتلا کر دے تمہیں اللہ کے بارے میں وہ بڑا فریبی۔"

(۲) **وَ مَا ھٰذِہِ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا إِلَّا لَھْوٌ وَّ لَعِبٌ وَ إِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ**

(عنکبوت:۶۴)

"اور نہیں یہ دنیوی زندگی مگر لہو ولعب۔ اور دارِ آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے (جسے موت نہیں) کاش! وہ اس حقیقت کو جانتے۔"

(۳) **اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ الْبَاقِیَاتُ الصَّالِحَاتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّ خَیْرٌ اَمَلًا (کھف:۴۶)**

مال اور فرزند (تو صرف) دنیوی زندگی کی زیب وزینت ہیں اور (در حقیقت) باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں تیرے رب کے ہاں ثواب کے اعتبار سے اور بہتر ہیں جن سے امید وابستہ کی جاتی ہے۔

اور اسی طرح دیگر کثیر آیات اسی معنی ومفہوم کو بیان کرتی ہیں کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ میں غور وفکر کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے صحابۂ کرام کو دنیا سے کنارہ کشی اور اس کی زیب وآرائش سے منہ موڑنے کی نصیحت فرماتے ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ دنیا کی شان کی حقارت اور اس کی فتنہ انگیزیوں کو واضح کرتے ہیں۔ اور اس سے آپ کا مقصود یہی ہے کہ دنیا انہیں ان کے مقصودِ حقیقی جس کیلئے ان کی تخلیق ہوئی ہے سے غافل نہ کر دے۔ اور ان کو اس عظیم مقدس پیغام سے دور نہ کر دے جس کی نشر واشاعت کی ذمہ داری ان کے کندھوں پر پڑنے والی ہے۔ اس لئے آپ ان پر واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس

دنیا کو ہمارے لئے امتحان اور آزمائش بنایا ہے تاکہ وہ دیکھے کہ ہم اس کی رضا کے حصول کیلئے اعمال سرانجام دیتے ہیں یا اس کے بر خلاف۔

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

ان الدنیا حلوہ خضرہ وان اللہ تعالی مستخلفکم فیھا فینظر کیف تعلمون فاتقوا الدنیا واتقوا النساء۔

"بے شک دنیا میٹھی اور سرسبز و شاداب ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس میں نائب بنایا ہے تاکہ دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو پس دنیا سے بچو اور عورتوں سے بچو۔"

(أخرجه مسلم فی کتاب الذکر والدعاء)

کبھی آپ اپنے صحابہ کرام کو یہ تنبیہ فرماتے ہیں کہ یہ دنیا ڈھلتی چھاؤں اور عارضی ٹھکانہ ہے تاکہ وہ اس دنیا کی طرف مائل نہ ہو جائیں اور وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے راستہ سے دور کر دے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دستِ اقدس کو میرے کندھے پر رکھا اور ارشاد فرمایا: کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل۔ "دنیا میں اس طرح رہو گویا کہ تم پردیسی ہو یا مسافر۔" حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کی وضاحت میں فرمایا کرتے تھے کہ جب تو شام کرے تو صبح کا انتظار نہ کر۔ اور جب صبح کرے تو شام کا انتظار نہ کر۔ اپنی صحت کی حالت میں حالتِ مرض کیلئے اور زندگی میں موت کیلئے کچھ عمل کر لے۔ (أخرجه البخاری فی کتاب الرقاق)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چٹائی پر استراحت فرمائی، جب آپ بیدار ہوئے تو آپ کے پہلو مبارک پر چٹائی کے نشان واضح تھے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ! اگر آپ اجازت دیں تو آپ کیلئے نرم بچھونا تیار کر لیں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا: و مالی وللدنیا ما انا فی الدنیا الا کراکب استظل تحت شجرۃ ثم راح وترکھا۔ یعنی میرا اس دنیا کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ میں دنیا میں اس مسافر کی طرح ہوں جو کسی درخت کے سائے کے نیچے آرام کرتا ہے اور پھر کوچ کر جاتا ہے۔ اور اس کو وہیں چھوڑ جاتا ہے۔

(أخرجه الترمذی فی کتاب الزھد وقال حدیث صحیح)

اور کبھی رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی حقارت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں: لو کانت الدنیا تعدل عند اللہ جناح بعوضہ ما سقی کافر امنھا شربہ ماء۔

(ترمذی فی کتاب الزھد عن سھل بن سعد الساعدی وقال: حدیث حسن صحیح)

اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو ایک ایک گھونٹ پانی بھی عطا نہ کرتا۔

یہ وہ بہترین راہ ہے جس پر رسول اللہ ﷺ آپ کے خلفاء اور صحابہ کرام گامزن رہے۔ اس کی وجہ سے ان کے دل دنیا سے کنارہ کش ہو گئے۔ اور انہوں نے اس دنیا میں زہد کو اختیار کیا۔ ان کی زندگی میں فقر و فاقہ اور مصائب و آزمائش کے مراحل بھی آئے لیکن حکمِ الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے صبر و رضا کے پیکر بن گئے۔ پھر دنیا ذلیل ہو کر ان کی بارگاہ میں آ گئی۔ اور اپنے خزانوں

اور ان کی چابیوں کو ان کے سامنے ڈال دیا لیکن انہوں نے اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا کا وسیلہ اور آخرت کا ذریعہ بنا دیا۔ دنیا نے ان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے مشغول نہیں کیا اور ان کو تکبر غرور اور عیاشی یا بخل اور کنجوسی میں مبتلا نہیں کیا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا تمام مال پیش کر دیا۔ اور جب رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: **"ما ترکت لاھلک؟ قال ترکت اللہ ورسولہ"** (اپنے گھر والوں کیلئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ عرض کی ان کیلئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ آیا ہوں)۔

(أبو داؤد فی کتاب الزکاۃ والترمذی فی کتاب المناقب، وقال: حدیث حسن صحیح)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تو اس میدان میں خاص مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے اور زہد میں آپ کا نام بطور ضرب المثل لیا جاتا ہے۔

اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ ذات ہیں جنہوں نے جیشِ عسرہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اور اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اپنے اموال کی پرواہ کئے بغیر اس کی راہ میں مال خرچ کیا۔ آپ کی اس قربانی ایثار اور دنیاوی مال سے بے رغبتی دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے آپ کے بارے میں فرمایا: **"ماضر عثمان ماعمل بعد الیوم" (ترمذی)** "آج کے بعد کوئی عمل بھی عثمان کو نقصان نہیں پہنچائے گا"

(ترمذی، کتاب المناقب)

سیرت کی کتب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کے زہد کے واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ صرف چند واقعات ذکر کرنے پر اکتفا کریں گے۔

حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تین کپڑے نہ اپنے گھر میں استعمال کئے اور نہ گھر سے باہر۔ اور یہی حال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا۔ اور جب وہ احرام باندھتے تو ان کے پاس ایک تہبند اور ایک چادر ہوتی۔ اور شاید ان کی قیمت تمہاری ایک قمیض کے برابر ہو۔ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے اپنے دست مبارک سے کپڑوں کو پیوند لگائے اور میں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی عبا کو کانٹوں سے سیا ہوا تھا۔ اور میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے جبہ کو چمڑے کا پیوند لگاتے تھے۔ حالانکہ وہ اس وقت امیر المؤمنین تھے۔ لیکن آج کل یہ دور ہے کہ میں تم میں سے بہت سے اشخاص کو جانتا ہوں کہ وہ سو درہم انعام میں دے دیتے ہیں اور اگر میں ہزار کہوں تو یہ بھی مبالغہ نہ ہو گا۔[608]

حضرت حفصہ بنت خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی اے امیر المؤمنین! کاش آپ اپنے اس کپڑے سے نرم کپڑا پہنتے اور کاش اپنے اس کھانے سے عمدہ کھانا کھاتے اللہ تعالیٰ نے آپ کو رزق میں وسعت دی ہے۔ اور بہت مال عطا فرمایا ہے۔ تو آپ نے فرمایا تم خود ہی فیصلہ کرو کہ رسول اللہ ﷺ کتنی سخت زندگی گزارا کرتے

---

[608] (سیرت عمر ابن الخطاب، ص ۱۰۲)

تھے۔ آپ انہیں وہ حالات یاد کراتے رہے، حتیٰ کہ انہیں رلا دیا۔ پھر آپ نے انہیں فرمایا، قسم بخدا! اگر میں نے رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی سخت زندگی گزاری تو پھر شاید ان کی خوش حال زندگی کو پاسکوں گا۔[609]

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن خطبہ جمعہ کیلئے دیر سے تشریف لائے، تو پھر اپنی تاخیر کی معذرت کی۔ فرمایا میں اپنے ان کپڑوں کو دھونے میں مشغول ہو گیا جس کی وجہ سے مجھے دیر ہو گئی۔ آپ وہی کپڑے دھو کر پہن لیا کرتے تھے۔ کیونکہ آپ کے پاس دوسرے کپڑے نہ تھے۔[610]

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حیات طیبہ وہ کامل عملی نمونہ ہے جس پر اولیائے کرام عمل پیرا ہوئے۔ اسی وجہ سے وہ زہد، عفت، پاکیزگی اور استقامت میں اپنی مثال آپ تھے۔

زہد کا صحیح مفہوم:

زہد کی سابقہ تعریفات اور س کے شرعی جواز سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زہد ایک قلبی مرتبہ ہے۔ کیونکہ اس سے مراد دل سے دنیا کی محبت کو نکالنا ہے۔ اس حیثیت سے کہ زاہد اپنے دل کے ساتھ دنیا کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اور نہ ہی اس مقصد سے دور ہو جس کی خاطر اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ زہد کا یہ معنی نہیں ہے کہ مؤمن دنیا کو خیر باد کہہ کر مال سے اپنے ہاتھ کو خالی کرلے۔ اور کسبِ حلال کو ترک کر کے دوسروں پر بوجھ بن جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے زہد کے مقصودِ حقیقی کو واضح کیا ہے۔ جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میں زہد حلال کو حرام کرنے اور مال کو ضائع کرنے میں نہیں ہے بلکہ زہد یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس پر تیرا اور زیادہ یقین اور اعتماد ہو اس چیز سے جو تیرے ہاتھ میں ہے۔ اور تو مصیبت کے ثواب میں زیادہ رغبت رکھنے والا ہو۔[611]

علامہ مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ مال سے مکمل اجتناب کرنا زہد نہیں کہلاتا۔ بلکہ زہد یہ ہے کہ اس کا ہونا یا نہ ہونا تیرے نزدیک دونوں برابر ہوں۔ اور تیرا دل مال کی طرف مائل نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ زاہدوں کے سردار ہونے کے باوجود گوشت، حلوہ اور شہد تناول فرماتے تھے۔ عورتیں، خوشبو اور اچھے کپڑے سے محبت فرماتے تھے۔ اس لئے اے سالک! اس پاکیزہ رزق کو بغیر اسراف اور تکبر کے استعمال کر۔ اور راہبوں کے زہد سے بچ۔[612]

اس طرح صوفیائے کرام کی زہد کے بارے میں یہی رائے ہے کہ قلبی مرتبہ ہے۔

حضرت عمرو بن عثمان مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ زہد کی بنیاد اور اساس دل میں ہے۔ اور اس سے مراد دنیا کو حقیر جاننا اور قلب کی نظر کے ساتھ اسے دیکھنا ہے۔ اور یہی زہد کی حقیقت اور اصل ہے۔[613]

---

[609] (سیرت عمر ابن الخطاب، ص ۱۰۴)

[610] (سیرۃ عمر بن خطاب، ص ۱۰۲)

[611] (أخرجه الترمذی فی کتاب الزهد عن أبی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنه)

[612] (فیض القدیر شرح جامع للصغیر للمناوی ج ۴ ص ۷۲)

[613] (طبقات الصوفیة للسلمی ص ۲۰۳)

غوث الثقلین شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زہد کے مفہوم کو بڑے جامع الفاظ میں بیان کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: "اخرج الدنیامن قلبک دعھافی یدک او فی جیبک فانھالاتضرک" یعنی دنیا کو اپنے دل سے نکال دو اور اس کو اپنے ہاتھ یا جیب میں رکھ لو تو یہ تمہیں نقصان نہیں دے گی۔" (الفتح الرّبّانی)

کسی عارف نے اس مفہوم کو اس طرح بیان کیا ہے۔ زہد یہ نہیں کہ تو دنیا کو اپنے ہاتھ سے تو ترک کر دے لیکن وہ تیرے دل میں موجود رہے۔ بلکہ زہد یہ ہے کہ تو دنیا کو اپنے دل سے نکال دے۔ خواہ وہ تیرے ہاتھ میں موجود رہے۔

اسی وجہ سے ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے زہد کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے :

"ھو خلو القلب من التعلق بغیر الرب"

یعنی زہد رب کے علاوہ ہر تعلق سے دل کو خالی کرنے کا نام ہے۔ [614]

امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ زہد کا معنی بیان فرماتے ہیں کہ زہد حقیقی یہ ہے کہ تو رزق حلال پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور طلب حرام سے اپنے نفس کو روکے اس رزق پر قناعت کرتے ہوئے جو رب نے تیرے مقدر میں لکھ دیا ہے۔ جب آپ سے مؤمن کے زہد کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کا زہد یہ ہے کہ رزق حلال اس سے شکر پر غالب نہ ہو اور نہ ہی حرام اس کے صبر پر۔ (النھایۃ فی غریب الحدیث)

علمائے کرام نے واضح طور پر بیان کیا ہے کہ آیاتِ کریمہ اور احادیث شریفہ میں جو دنیا کی مذمت کی گئی ہے اس سے مقصود اس کی ذاتی مذمت نہیں ہے بلکہ یہ تو دل کو دنیا کے ساتھ لگا لینے سے بچانے کیلئے تنبیہہ و تحذیر کی گئی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مؤمن اس کو اپنا مقصودِ اصلی بنا لے اور اپنے مقصودِ حقیقی یعنی رضائے الٰہی کو بھول جائے۔ وہ دنیا بہت اچھی ہے جو مؤمن کیلئے قربِ الٰہی کے حصول کا وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ وہ دنیا کتنی بری ہے جس کی عبادت کی جائے۔ اسی مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ دنیا کی مذمت اس کی ذات کی وجہ سے نہیں کی جاتی کیونکہ یہ آخرت کی کھیتی ہے۔ جس نے شرعی قوانین کا لحاظ کرتے ہوئے دنیا سے کچھ اخذ کیا، تو یہ اس کی آخرت کیلئے معاون ہو گی۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ دنیا کی طرف مائل نہ ہو کیونکہ اسے کسی پر ترس نہیں آتا۔ اور نہ ہی اس کو بالکل چھوڑ دے کیونکہ آخرت کا حصول اس کے بغیر ممکن نہیں۔ [615]

زہد تک رسائی کا طریقہ:

کیونکہ زہد ایک عظیم الشان قلبی مقام ہے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کے سوا ہر مقام کو خالی کیا جاتا ہے۔ اس لئے اس تک رسائی حاصل کرنا بڑی اہمیت کا حامل ہے اور اس کیلئے بڑی محنت اور وسائل کی ضرورت ہے۔ اور ان میں سب سے اہم مرشد کامل کی صحبت ہے جو سالک کو اس کے ہاتھ سے پکڑ لیتا ہے۔ اور اس کیلئے صراطِ مستقیم کی نشاندہی کرتا ہے۔ اور بڑی حکمت و دانائی سے اس کو ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ کی طرف منتقل کرتا رہتا ہے۔ اور اس کے پاؤں کو پھسلنے سے بچاتا رہتا ہے۔

---

[614] (معراج التشوف ص ۷)

[615] (فیض القدیر ج ۳ ص ۵۴۵)

بعض لوگ اس سلسلہ میں خطا کا شکار ہو گئے۔ انہوں نے زہد کو اپنا مقصود اور غایت بنالیا۔ پیوند شدہ کپڑے پہنے ناقص غذا استعمال کی کسبِ حلال کو ترک کر دیا اور مالداروں پر حسد کرنے لگے۔ حالانکہ ان کے اپنے دل دنیا کی محبت سے لبریز تھے۔ اور انہوں نے گمان کیا کہ وہ ایسا کرنے سے زاہد بن گئے۔ اور اس خطا میں واقع ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ بغیر مرشد کامل کی صحبت کے اس راہ پر نکلے تھے۔ اسی قسم کے لوگوں کے بارے میں امام مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ زہد، دل کو دنیاوی محبت سے خالی کر دینے کا نام ہے کہ نہ صرف ہاتھ خالی کرنے کا نام ہے۔ بعض جاہل لوگوں نے کسبِ حلال سے اجتناب کو زہد سمجھ لیا۔ اور لوگوں سے کنارہ کشی کر کے ان کے حقوق کو ضائع کیا اور قطع رحمی کے مرتکب ہوئے۔ اغنیاء سے نفرت کی، حالانکہ خود ان کے دل غنا کی خواہش سے لبریز تھے۔ اور ان جاہلوں نے یہ نہ جانا کہ زہد کا تعلق دل سے ہے اور اصل زہد دلی خواہشات کو مارنا ہے۔ لیکن جب انہوں نے ظاہری اعضاء کے ساتھ دنیا سے کنارہ کشی کر لی تو انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ وہ کامل زاہد بن گئے ہیں۔ اور اپنے اس خشک زہد کی وجہ سے بہت سے ائمہ کرام کے خلاف زبان طعن دراز کی۔[616]

اور اس کے مقابلہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو دنیا اور اس کی لذات میں مستغرق ہیں۔ ان کے دل اس کی محبت سے معمور ہیں۔ اور اپنا تمام وقت دنیاوی مال جمع کرنے میں صرف کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود بھی گمان کرتے ہیں کہ ان کو قلبی زہد حاصل ہے۔ اور صرف وہی زہد کے حقیقی معنی کو سمجھتے ہیں۔ کاش کہ ان لوگوں کو کسی مرشد کامل کی صحبت میسر آتی تو وہ انہیں زہد کی حقیقت سے آگاہ کرتا۔ اور حقیقت زہد تک رسائی کا راستہ بتاتا۔

یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ بعض شیوخ اپنے مریدین کے دلوں سے دنیاوی محبت نکالنے کیلئے بعض خاص مجاہدات کا حکم دیتے ہیں۔ اور اس سے ان کا مقصد مریدین کی بعض روحانی بیماریوں کا علاج کرنا ہوتا ہے۔ وہ انہیں کم کھانے اور سادہ کپڑے پہننے کا حکم دیتے ہیں۔ تا کہ دنیا کی محبت ان کے دل سے نکل جائے اور اس کے ساتھ ساتھ جود وسخا کا بھی حکم دیتے ہیں تا کہ بخل اور دنیاوی مال کی محبت ان کے دل سے نکل جائے۔ یہ بعض ضروری روحانی علاج ہیں جو شیخ کامل کی راہنمائی میں فائدہ مند ہوتے ہیں۔ یہ چیزیں ذاتی طور پر مقصود نہیں ہوتیں بلکہ حقیقی قلبی زہد تک رسائی کا ذریعہ ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا سادہ غذا استعمال کرنا اور بھوک کی وجہ سے پیٹ مبارک پر پتھر باندھنا صرف ان اعمال کے جواز کو بیان کرنے کیلئے تھا۔ حالانکہ جبریل علیہ السلام نے آپ کی خدمت میں عرض کی تھی کہ اگر آپ حکم فرمائیں تو یہ پہاڑ سونا بن جائیں۔

شیخ الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایسی ہستی ہیں جن کے زیرِ سایہ بڑے بڑے علماء کرام نے تربیت حاصل کی۔ آپ اس مفہوم کو بڑے خوبصورت الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہم نے تصوف قیل و قال سے حاصل نہیں کیا، بلکہ بھوک، دنیا سے قطع تعلقی، پسندیدہ اور محبوب چیزوں کو ترک کرنے سے حاصل کیا ہے۔ کیونکہ تصوف اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو

---

[616] فیض القدیر ص ۷۳

جوڑنے کا نام ہے۔ اور اس کی بنیاد دنیا سے کنارہ کشی پر ہے۔ جس طرح کہ حضرت حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا، میرا دل، دنیا سے دور ہو گیا ہے۔ رات جاگ کر گزارتا ہوں اور دن میں روزہ رکھتا ہوں۔[617]

سیدی شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا پنے مریدوں کو ابتداء سلوک میں مجاہدہ کا حکم فرماتے تھے۔ اور ان کو صبر اور سخت زندگی گزارنے کی تلقین فرماتے۔ اس کے بعد ان کو آہستہ آہستہ قلبی زہد کے مراتب کی طرف لے جاتے۔ حتیٰ کہ ان کے نزدیک اخذ و عطا اور فقر و غنا برابر ہو جاتا، اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے ان کا دل خالی ہو جاتا۔

صوفیائے کرام نے ان امور کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے جو مقامِ زہد تک پہنچنے کیلئے معاون و مدد گار ہیں۔

(۱) اس بات کا یقین کر لینا کہ دنیا ڈھلتی چھاؤں اور عارضی خیال کی طرح ہے اور یقیناً ایک دن اس سے دار البقاء کی طرف کوچ کرنا ہے۔ وہاں انسان اپنے اعمال کا نتیجہ پالے گا۔ اگر اس کے اعمال اچھے ہوں گے تو جنت کی دائمی نعمتوں میں مقیم ہو جائے گا۔ اور اگر برے ہوں گے تو اس کا ٹھکانا نارِ جہنم ہو گا۔

حضرت عبد اللہ بن شخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ "(سورہ) الهکم التکاثر" پڑھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا ابن آدم کہتا ہے میرا مال میرا مال۔ اے ابن آدم! تیرا مال تو وہی ہے جو تونے کھایا اور فنا کر دیا۔ یا پہنا اور بوسیدہ کر دیا یا صدقہ کیا اور اس کو آگے بھیج دیا۔ (مسلم، کتاب الزھد)

حضرت ابو المواہب شاذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی محبت کے ساتھ مرید کی عبادت دل کو مشغول کرنے اور جسم کو تھکانے کے سوا کچھ نہیں۔ یہ عبادت اگرچہ کثیر ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک قلیل ہوتی ہے۔

(۲) یہ یقین کر لینا کہ اس دنیا کے علاوہ بھی ایک جہاں (دار آخرت) ہے جو اس سے زیادہ قدر و عظمت والا ہے اسے دار البقا کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلۡ مَتَاعُ الدُّنۡیَا قَلِیۡلٌ وَّ الۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی۔ (نساء:۷۷)

"اے (ترجمانِ حقیقت! انہیں) کہو دنیا کا سامان بڑا قلیل ہے اور آخرت زیادہ بہتر ہے اس کیلئے جو تقویٰ اختیار کئے ہوئے ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام اپنے مریدین کو دنیا سے اعراض کرنے اخروی زندگی یعنی جنت اور اس کی نعمتوں کی طرف توجہ دینے اور ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف رغبت دینے کی تلقین فرماتے ہیں۔ اس طرح وہ ایثار، قربانی، مجاہدۂ نفس اور خواہشاتِ نفسانیہ پر غلبہ حاصل کرنے میں صحابہ کرام اور سلف صالحین کی سیرت طیبہ پر عمل پیرا ہوئے تو اس عارضی زندگی کی رنگارنگی ان کو اپنی طرف مائل نہ کر سکی۔ دنیا کی رونق اور دلکشی دیکھ کر وہ نعرہ مستانہ لگاتے تھے۔

لا تنظرن الی القصور العامرہ　　واذکر عظامک حین تمسی ناخرہ
واذا ذکرت زخارف الدنیا فقل　　لبیک ان العیش عیش الآخرہ

(۱) آباد محلات کی طرف نہ دیکھ۔ اپنی ہڈیوں کی طرف دیکھ جب یہ بوسیدہ ہو جائیں گی۔

---

[617] (طبقات الصوفیۃ للسلمی ص ۱۵۸)

(۲) اور جب تجھے دنیا کی زیب وزینت یاد آئے تو کہہ، لبیک، یقینا حقیقی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔

(۳) یہ یقین کر لینا کہ دنیا میں مؤمن کا زہد اس سے وہ چیز نہیں روک سکتا جو اس کے مقدر میں لکھی جاچکی ہے اور دنیا پر حریص ہونا ان کو وہ عطا نہیں کر سکتا جو اس کے مقدر میں نہیں لکھا گیا۔ پس جو چیز اس کی مقدر میں لکھی جاچکی ہے وہ اس کو مل کر رہے گی۔ اور جو چیز اس کے مقدر میں نہیں ہے وہ اس کو نہیں مل سکتی۔

خلاصہ کلام:

یہ ہے کہ زہد کا مقام ارفع واعلیٰ ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا سبب ہے۔ اسی وجہ سے کتاب وسنت نے اس کی دعوت، اور ائمہ کرام نے اس کی تعریف کی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "زہد کو لازم پکڑو، کیونکہ زہد، زاہد کیلئے خوبصورت عورت پر زیور سے بھی زیادہ حسین ہے۔"[618]

یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام نے مقامِ زہد تک رسائی حاصل کر کے اس کے مختلف مدارج کو طے کیا ہے۔ شیخ ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے زہد کے تین مدارج کو بیان فرمایا ہے۔

(۱): عوام الناس کا زہد (۲): خواص کا زہد (۳): خاص الخواص کا زہد

(۱) عوام الناس کا زہد۔ یہ ہے کہ وہ اپنی ضرورت سے زائد چیز کو ترک کر دیں۔

(۲) خواص کا زہد۔ یہ ہے کہ وہ ہر اس چیز کو ترک کر دیں جو انہیں قربِ الٰہی سے دور کرنے والی ہو۔

(۳) خاص الخواص کا زہد۔ یہ ہے کہ وہ اپنے تمام اوقات میں ماسوی اللہ سے اعراض کرتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ زہد، راہِ سلوک پر گامزن ہونے اور وصالِ الٰہی کا سبب ہے۔ اور دل کو یہ منزل اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی، جب تک اس کا تعلق محبوب کے سوا کسی اور چیز سے ہوتا ہے۔[619]

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صوفیائے کرام اور صالحین کی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان للہ عبادا فطنا — طلقوا الدنیا و خافوا الفتنا
نظروا فیھا فلما علموا — انھا لیست لحی سکنا
جعلوھا لجۃ و اتخذوا — صالح الاعمال فیھا سفنا

(۱) اللہ تعالیٰ کے کچھ ہوشیار بندے ہیں جنھوں نے دنیا کو طلاق دے دی۔ اور اس کے فتنہ سے ڈر گئے۔

(۲) انہوں نے اس میں غور و فکر کیا اور جب انہوں نے جان لیا کہ یہ کسی زندہ کی جائے سکونت نہیں ہے۔

(۳) تو انہوں نے اس کو ایک سمندر گمان کیا۔ اور اپنے نیک اعمال کو اس میں کشتی بنالیا۔[620]

رضاء:

---

[618] (فیض القدیر ج ۴ ص ۷۳)

[619] (معراج التشوف ص ۸-۷)

[620] (ریاض الصالحین للامام النووی ص ۳)

تعریف:

علمائے کرام نے رضا کی متعدد تعریفات کی ہیں۔ ہر ایک نے اپنے مشرب اور مقام کے مطابق تعریف کی ہے۔ ان میں سب سے اہم تعریف سید میر جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں: "الرضا سرور القلب بمر القضاء" یعنی قضاء کی تلخی میں دل کا سرور رضا کہلاتا ہے [621] ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مسکراتے ہوئے مصائب کا استقبال کرنا رضا ہے۔ یا نزول قضا کے وقت دل کے سرور کو رضا کہتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر میں ترک اختیار کو رضا کا نام دیا جاتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارد ہونے والے امور پر انکار نہ کرنے اور ان پر شرح صدر کا مظاہرہ کرنے کو رضا کہتے ہیں۔[622]

علامہ برکوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی چیز کے ملنے یا نہ ملنے دونوں حالتوں میں دل کے خوش رہنے کو رضا کہتے ہیں۔
[623]

حضرت ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ دل کا ان اختیارات کی طرف دیکھنا جو اللہ تعالیٰ نے بندہ کو عطا فرمائے ہیں یعنی کسی امر پر ناراضگی کا اظہار نہ کرنا رضا ہے۔ شیخ محاسبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ احکامِ الٰہیہ کے اجراء کے وقت سکون قلب کا نام رضا ہے [624]۔

رضا ایک قلبی مقام ہے جب مؤمن اس مقام پر فائز ہوتا ہے تو مصائب اور حادثات کا استقبال ایمان راسخ، سکونِ قلب اور اطمینانِ نفس کے ساتھ کرتا ہے۔ بلکہ کبھی تو اس سے بھی ارفع واعلیٰ مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے یعنی وہ قضا کی تلخی میں فرحت و سرور محسوس کرتا ہے۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس سے سچی محبت کا نتیجہ ہوتا ہے۔

رضا کی فضیلت:

رضا، صبر سے اعلیٰ مقام اور ارفع مرتبہ ہے۔ کیونکہ رضا روحانی طور پر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کا نام ہے۔ اس سے عارف اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ کائنات میں ہر اس چیز سے محبت کرنے لگتا ہے جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہو حتیٰ کہ مصائب و آلام کو بھی رحمت اور خیر شمار کرتا ہے۔ ان کو بھی اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان سمجھ کر رضا کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نزع کے عالم میں فرماتے تھے: "وافرحتاه! غدا القی الا حبه محمدا و صحبه!" (کتنی خوشی کا موقع ہے کل محبوبوں یعنی محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب سے ملاقات ہوگی!)۔[625]

---

[621] (تعریفات السید، ص ۵۷)
[622] (معراج التشوف، ص ۸)
[623] (شرح الطریقۃ المحمدیۃ ج ۲ ص ۱۰۵۹)
[624] (رسالہ قشیریہ ص ۸۹)
[625] (السیرۃ النبویۃ لأحمد زینی دحلان ص ۲۴۲)

رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایاہے کہ اللہ تعالی کی رضا پر راضی ہونے والا تمام لوگوں سے غنی ہوتا ہے۔ کیونکہ اسے لوگوں سے زیادہ سرور اور اطمینان حاصل ہوتا ہے اور اسی طرح غم وحزن اور پریشانی سے بھی بہت دور ہوتا ہے۔ کیونکہ غنا صرف کثرتِ مال سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ ایمان ورضا کے ساتھ دل کے غنی ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

"اتق المحارم تكن اعبد الناس وارض بما قسم الله لک تکن اغنی الناس واحسن الی جارک تکن مؤمنا واحب للناس ماتحب لنفسک تکن مسلما لا تکثر الضحک فان کثرة الضحک تمیت القلب"

(محرمات سے بچ۔ تو تمام لوگوں سے زیادہ غنی ہو جائے گا۔ اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان کر، تو تو حقیقی مؤمن بن جائے گا۔ لوگوں کیلئے وہ چیز پسند کر جو تو اپنے لئے پسند کرتا ہے تو تو حقیقی مسلمان بن جائے گا۔ کثیر ہنسنے سے اجتناب کر، کیونکہ یہ دل کو مردہ کر دیتا ہے۔)

(ترمذی، کتاب الزھد)

رسول اللہ ﷺ نے بڑے خوبصورت انداز میں واضح کیا کہ رضا، مؤمن کی دنیوی واخروی سعادت کا بہترین سبب ہے، جس طرح کہ عدمِ رضا دنیا وآخرت میں بد بختی کا سبب ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ابن آدم کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قضا پر راضی رہے اور اس کی بد بختی کی علامت یہ ہے کہ وہ اس چیز کو ترک کر دے جو اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے پسند کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی قضا پر ناراضگی کا اظہار کرے۔[626]

رضا کی نعمت کی برکت سے ہی عارفین کے دل مطمئن اور پر سکون ہوتے ہیں اور رضا ہی اس مایوسی اور قنوط کی کیفیت کو ختم کرنے کا سبب ہے دنیاوی زندگی کی لذات کے عدمِ حصول میں غور وفکر کرنے سے پیدا ہوتی ہے جو کہ انسان کیلئے اضطراب وپریشانی کا باعث بنتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دلوں میں رضا کی اہمیت کو اجاگر کیا کرتے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: جس نے صبح شام یہ کہا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور اسلام کو اپنا دین اور محمد ﷺ کو اپنا رسول تسلیم کر لیا تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر واجب ہے کہ وہ اس کو راضی کر دے۔[627]

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس ورد کو پڑھنے پر بڑے حریص تھے اس طرح وہ اپنے دل میں پوشیدہ تسلیم ورضا کے جذبات کا اظہار کیا کرتے تھے۔

آج کل بہت سے لوگ اپنی زبان سے اس کلمہ کا ورد تو کرتے ہیں لیکن ان کے دل مطمئن نہیں ہوتے اور نہ ہی اس کے گرانقدر معانی اور اس کے ارفع واعلیٰ مقاصد کو سمجھتے ہیں۔ خصوصاً جب وہ مصائب ومشکلات میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ان پر غم وحزن کے گہرے بادل سایہ فگن ہو جاتے ہیں۔ لیکن صرف زبان کے ساتھ ورد ان کو فائدہ نہیں دیتا، جب تک اس کی صدا دل کی گہرائیوں

---

[626](ترمذی، کتاب القدر)

[627](ابو داؤد، باب مایقول اذا أصبح، ترمذی کتاب الدعوات)

سے نہ نکلے، کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کرلیتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اس کے مخلوق سے متعلقہ تمام امور پر راضی ہو جائے۔ یعنی اسے ہر حال میں راضی ہونا چاہئے خواہ اللہ تعالیٰ اسے عطا کرے یا محروم۔ اسے بلند کرے یا پست۔ اسے نفع دے یا نقصان۔ اسے وصال اور قربت سے نوازے یا اپنے در سے دور کر دے۔ اسی طرح اسلام کو اپنا دین تسلیم کر لینے کے بعد یہ بات لازم ہے کہ وہ اس کے اوامر کو بجالائے اور نواہی سے اجتناب کرے اور اس کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرے، اگرچہ اسے اپنے نفس کی خواہش اور اپنی خاص مصلحت کی مخالفت کرنا پڑے۔ اور جو شخص محمد ﷺ کو اپنا نبی اور رسول تسلیم کر لیتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ آپ کی شخصیت کو اپنے لئے بہترین نمونہ قرار دے۔ آپ کے آثار کی پیروی کرے اور آپ کی سنت سے اپنے آپ کو آراستہ کرے اور اپنی نفسانی خواہش سے مجاہدہ کرے تا کہ وہ اسلامی احکام کے تابع ہو جائے اور اسے چاہئے کہ اس کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی ذات، والد، بیٹے، اپنی جان اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین" (تم میں سے کوئی بھی کامل مؤمن نہیں سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، بیٹے اور تمام لوگوں سے محبوب نہ ہو جاؤں۔)[628]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ ارشاد سنا تو نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی: "لانت یا رسول اللہ احب الی من کل شئ الا من نفسی" (یارسول اللہ ﷺ آپ میرے نزدیک میرے ذات کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں)۔ تو آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: نہیں اے عمر، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدر میں مری جان ہے حتیٰ کہ میں تیرے نزدیک تیری ذات سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤں۔ حضرت عمر ضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی، ہاں۔ اب مجھے یہ کیفیت حاصل ہو گئی ہے۔ قسم بخدا! آپ میرے نزدیک میری ذات سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اے عمر! اب ٹھیک ہے۔[629]

جس نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور حضرت محمد ﷺ کو اپنا نبی اور رسول تسلیم کر لیا۔ اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا اور یقین کی حلاوت پالی اور ابدی سعادت سے سرفراز ہوا۔ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: "ذاق طعم الایمان من رضی باللہ ربا وبالاسلام دینا وبحمد نبیا" (اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا جو اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اسلام کو اپنا دین اور محمد ﷺ کو اپنا نبی ماننے پر راضی ہوا۔)[630]

مگر وہ شخص جو ایمان کی لذت اور رضا کی نعمت سے محروم ہو، وہ ہمیشہ اضطراب و پریشانی میں مبتلا رہتا ہے۔ خصوصاً جب وہ کسی مصیبت سے دوچار رہتا ہے تو دنیا اس کیلئے تاریک اور زمین اپنی کشادگی کے باوجود تنگ ہو جاتی ہے۔ شیطان اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ خودکشی کے علاوہ ان غموں سے چھٹکارے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ اسی وجہ سے خودکشی کے حادثات واقع ہوتے ہیں اور دن بدن ان

---

[628] (رواہ البخاری فی صحیحہ فی کتاب الایمان باب حب الرسول من الایمان)

[629] (رواہ البخاری فی صحیحہ فی کتاب الایمان والنذور باب کیف کانت یمین النبی ﷺ ج۸ ص ۱۶۰، ورواہ أحمد فی المسند ج۴ ص ۲۳۳)

[630] (رواہ مسلم والترمذی فی کتاب الایمان)

کی نسبت بڑھتی جارہی ہے، خصوصاً غیر مسلم ممالک اور بے دین معاشرے میں جہاں اسلام کی روشنی نہیں پہنچ سکی، خودکشی کی شرح بہت زیادہ ہے۔اسی قسم کے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ (طٰهٰ: ۱۲۴)

"اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کیلئے زندگی (کے جامہ) کو تنگ کر دیا جائے گا اور ہم اسے اٹھائیں گے قیامت کے دن اندھا کر کے۔"

رضا کے بارے میں کچھ شبہات اور ان کے جوابات:

بعض جہلاء نے مقامِ رضا کے بارے میں کچھ شبہات کا اظہار کیا ہے۔اس کا بنیادی سبب ان کی جہالت اور اس ارفع مقام تک ان کی عدم رسائی ہے۔ اور انسان ہمیشہ سے ہی اس چیز کا دشمن ہوتا ہے جس کو نہیں جانتا۔ یا ان شبہات کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے تصوف کے کچھ جھوٹے دعویدار دیکھے اور ان کے غلط طریقہ کار کو تصوف سمجھ لیا۔بجائے اس کے کہ وہ ان جھوٹے دعویداروں اور حقیقی صوفیائے کرام کے درمیان جو ایمان واسلام کے ساتھ ساتھ احسان کے مرتبہ پر فائز تھے، فرق کرتے۔

(۱) بعض لوگوں نے تو سرے سے ہی رضا کا انکار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ خواہشاتِ نفس کے مخالف رضا کو تصور ہی نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس چیز کو صبر کا نام دیا جاسکتا ہے۔کیونکہ ایسا ممکن نہیں ہے کہ انسان مصائب وآلام کو محسوس نہ کرے۔

جواب: مقامِ رضا پر فائز فطرتی طور پر مصائب وآلام کو تو محسوس کرتا ہے لیکن اپنے ایمان کامل اور عقلِ سلیم کی وجہ سے قضا پر راضی رہتا ہے۔کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اس پر عظیم اجر وثواب کا امیدوار رہتا ہے۔اس لئے وہ نہ تو کوئی اعتراض کرتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کی اکتاہٹ کا اظہار کرتا ہے۔حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :

"لیس الرضا ان لا تحس بالبلاء انما الرضا لا تعترض علی الحکم و القضا۔"

رضا یہ نہیں ہے کہ تو مصیبت کو محسوس نہ کرے بلکہ رضا یہ ہے کہ تو حکمِ الٰہی اور اس کی قضا پر اعتراض نہ کرے۔[631]

اس کو آپ اس مثال کے ذریعہ سمجھ سکتے ہیں کہ مریض انجکشن لگوانے کی تکلیف کو تو محسوس کرتا ہے لیکن حصولِ شفا کیلئے وہ اس تکلیف پر راضی رہتا ہے بلکہ اس شخص پر بہت خوش ہوتا ہے جو اسے دوائی دیتا ہے اگرچہ یہ دوائی بہت کڑوی ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بھی میں کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہوں اس میں مجھ پر چار نوازشات ہوتی ہیں :

(۱) کہ یہ آزمائش میرے دین کے متعلق نہ تھی۔

(۲) میں اس میں رضا سے محروم نہ رہا۔

(۳) یہ آزمائش اتنی بڑی نہ تھی۔

---

[631] (رسالہ قشیریہ ص ۸۹)

(۴) میں اس پر اجر و ثواب کا امید وار ہوں۔[632]

دوسری وجہ یہ ہے کہ مقامِ رضا پر فائز فطرتی طور پر مصائب وآلام کو محسوس تو کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے لطف واحسان اور اس کی حکمتوں پر کامل یقین ہونے کی وجہ سے ان پر راضی رہتا ہے۔ کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر فعل کے پسِ پردہ کوئی نہ کوئی حکمت مضمر ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"فَعَسٰی أَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّیَجْعَلُ اللہُ فِیْهِ خَیْرًا کَثِیْرًا"(نساء:۱۹)

اس وجہ سے اس کا غم مضمحل اور تعجب زائل ہو جاتا ہے۔ اور وہ جان لیتا ہے کہ اس کا تعجب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعجب کی مثل ہے کہ انہوں نے یتیموں کی کشتی کو عیب دار کرنے، بچے کو قتل کرنے اور دیوار تعمیر کرنے کی وجہ سے حضرت خضر علیہ السلام پر تعجب کا اظہار کیا، لیکن جب حضرت خضر علیہ السلام نے ان حکمتوں سے آگاہ کر دیا۔ تو ان کا تعجب زائل ہو گیا۔ کیونکہ ان کا تعجب صرف اس بنا پر تھا کہ یہ حکمتیں ان پر مخفی تھیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے افعال کی حکمتیں بھی ہم پر مخفی ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ مؤمن کا دل جب اللہ تعالیٰ کی محبت سے معمور ہوتا ہے۔ اور وہ اس کی محبت میں دنیا ومافیہا سے بے خبر ہوتا ہے تو وہ نہ تو مصیبت کے واقع ہونے کو محسوس کرتا ہے۔ اور نہ ہی اس پر درد وآلام۔ اور یہ حقیقت ہے کہ محبت کو وہی محسوس کر سکتا ہے جس نے کبھی محبت کا ذائقہ چکھا ہو۔

لا یعرف الوجد الا من یکابدہ و لا الصبابة الا من یعانیها

غم کو وہی محسوس کرتا ہے جو اس کو برداشت کر رہا ہو اور عشق کو وہی محسوس کرتا ہے جو اس میں مبتلا ہو۔

اسی وجہ سے اس کا انکار وہی لوگ کرتے ہیں جن کی رسائی اس تک نہیں ہو سکتی۔

"قال عامر بن قیس! احببت اللہ حبا ھون علی کل مصیبة ورضانی بکل بلیة فلا ابالی مع حبی ایاہ علیٰ ما اصبحت وعلیٰ ما امسیت"

عامر بن قیس نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے ایسی محبت کی ہے جس نے مجھ پر ہر مصیبت آسان کر دی۔ اور ہر آزمائش پر مجھے راضی کر دیا۔ محبت کی وجہ سے مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے کہ میں نے کس حالت میں صبح کی اور کس حالت میں شام کی۔

(۲) اعتراض: بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ مؤمن رضا کی وجہ سے فاسقین کے اعمال اور برے لوگوں کے احوال کو اچھا گمان کرنے لگتا ہے اور یہ چیز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ترک کا سبب ہے۔

جواب: یہ اعتراض ان کی واضح جہالت کا ثبوت ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ مؤمن اپنے رب کے احکام میں سے ایک اہم حکم اور دینِ اسلام کے اہم ستون یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو گرا دے۔ حالانکہ اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر اسی وقت راضی ہو گا جب وہ دینی احکام کو بجالائے گا اور اس کی شریعت کی اتباع کرے گا۔ مؤمن کے بارے میں یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ کافر کے افعال پر راضی ہو جائے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ اس پر راضی نہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے!

"وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِهِ الْکُفْرَ"(زمر:۷)

اور وہ پسند نہیں کرتا اپنے بندوں سے ناشکری کو۔

---

[632](شرح الطریقة المحمدیة ج ۲ ص ۱۰۵)

اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر راضی ہونے اور برے کام کو ناپسند کرنے میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ مؤمن اللہ تعالیٰ کے افعال پر اس حیثیت سے راضی ہوتا ہے کہ ان کا صدور اس ذات سے ہوا ہے جو بڑی علیم و حکیم ہے اور ان کا تعلق اس کی قضا اور مشیت سے ہے، اور وہ برے لوگوں کے افعال سے اس حیثیت سے راضی نہیں ہوتا کہ ان میں ان کی صفت کسب کا دخل ہے۔ اور ان کے یہ افعال اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں۔

(۳)اعتراض: بعض لوگوں نے یہ غلط تصور قائم کیا ہے کہ رضا کی وجہ سے انسان دعا اور عاجزی کو ترک کر دیتا ہے اور اسی طرح خیر کے حصول اور مصیبت کو دور کرنے کے اسباب کو بھی ترک کر دیتا ہے۔ اور بیماری کے وقت دوا سے دور بھاگتا ہے۔

جواب: ان کا یہ تصور صحیح نہیں ہے کیونکہ در حقیقت یہ چیز بھی رضا میں شامل ہے کہ مؤمن ایسے اعمال کو سر انجام دے جو اس کے محبوب حقیقی کی رضا کا ذریعہ ہوں اور ہر اس کام کو ترک کر دے جو اس کے حکم اور رضا کے مخالف ہو۔

اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرنا بھی اس کی رضا کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمن کو دعا کا حکم دیا ہے کہ گویا اس حکم کی پیروی کرنا بھی رضا میں شامل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"أُدْعُوْنِیْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ" (مؤمن: ٦٠)

مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

دعا مخ عبادت ہے یہ دل میں صفائی، خشوع اور رقت پیدا کر کے اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کو اخذ کرنے کے قابل بنا دیتا ہے پھر اسباب کو ترک کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم کے مخالف اور اس کی رضا کے منافی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مؤمن کو عمل کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے!

وَ قُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ (توبه: ١٠٥)

"اور فرمائیے عمل کرتے رہو پس دیکھے گا اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کو اور (دیکھے گا) اس کا رسول اور مؤمن۔"

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رزق حلال کی تلاش کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُوْلاً فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ۔ (ملک: ١٥)

"وہی تو ہے جس نے نرم کر دیا ہے تمہارے لئے زمین کو پس (اطمینان سے) چلو اس کے راستوں پر اور کھاؤ اس کے (دیئے ہوئے) رزق سے۔"

یہ رضا نہیں ہے کہ پیاسا پانی کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ پیاس پر راضی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی قضا ہے۔ یہ محض اس کا گمان اور جہالت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قضا اور حکم یہ ہے کہ پیاس کو پانی کے ساتھ دور کیا جائے۔

جب حضرت عمر بن خطاب ص نے طاعون سے بچنے کیلئے مسلمانوں کے لشکر کو ملک شام میں داخل ہونے سے منع کیا تو حضرت ابو عبیدہ بن جراح ص نے انہیں کہا کہ تم اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے بھاگتے ہو تو حضرت عمر ص نے انہیں جواب دیا۔ اے ابو عبیدہ! کاش کہ یہ جملہ تمہارے علاوہ کوئی اور کہتا، ہاں، ہم اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے اسی کی قضا و قدر کی طرف فرار اختیار کر رہے ہیں۔[633]

---

[633] (بخاری، کتاب الطب، باب ما یذکر فی الطاعون)

رضا بالقضاء شرعی حدود سے خارج ہونے کو مستلزم نہیں۔ بلکہ رضا بالقضاء کا مفہوم یہ ہے کہ انسان ظاہراً اور باطناً اللہ تعالیٰ پر اعتراض کو ترک کر دے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا و محبت کے حصول کیلئے اپنی پوری کوشش صرف کرے یعنی اس کے اوامر کو بجالائے اور نواہی سے اجتناب کرے۔

اختتامیہ:

رسول اللہ ﷺ، آپ کے خلفاء اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے علاوہ تابعین کی حیات طیبہ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہیں جو دلالت کرتے ہیں کہ یہ رضا کے اعلیٰ درجات پر فائز تھے۔ ان تمام واقعات کو ضبط تحریر میں لانا ممکن نہیں۔

طائف میں رسول اللہ ﷺ پر پتھروں کی بارش کی گئی حتیٰ کہ آپ کے پاؤں مبارک خون آلود ہو گئے لیکن اس کے باوجود آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی۔ اے پروردگار! اگر تو مجھ پر ناراض نہیں ہے تو مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مکہ میں طرح طرح کی تکلیفیں دی جاتیں۔ لیکن وہ یہ تمام تکلیفیں اس طرح برداشت کرتے کہ ان کے دل راضی ہوتے، چہروں پر مسکراہٹ ہوتی اور زبانیں ذکر میں مصروف رہتیں۔

مروی ہے کہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹانگ کاٹ دی گئی اور اسی رات ان کا عزیز ترین بیٹا انتقال کر گیا۔ آپ کے ساتھی افسوس کیلئے حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: اللّٰھم لک الحمد کان او لادی سبعة فاخذت واحدا و ابقیت ستة و کان لی اطراف اربعة فاخذت واحدا و ابقیت ثلاثة فلان کنت قد اخذت فلقد اعطیت و لان کنت قد ابتلیت فقد عافیت۔ یعنی "اے اللہ! ساری تعریفیں تیرے لئے ہیں۔ میرے سات بچے تھے تو نے ان میں سے ایک لے لیا اور چھ کو باقی رکھا۔ میری چار اطراف تھیں ان میں سے تو نے ایک لے لی اور تین کو باقی رکھا۔ اگر تو نے آج مجھ سے کچھ لیا ہے تو یہ سب کچھ تو نے ہی تو عطا کیا تھا۔ اگر تو نے مجھے آج آزمائش میں مبتلا کیا ہے تو تو نے مجھے عافیت بھی بخشی تھی۔"

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا! میرے لئے خوشی کا کوئی موقع نہیں سوائے قدر کے واقع ہونے کے وقت۔ آپ سے عرض کی گئی کہ آپ کیا چیز پسند کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قضا۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندہ سے اسی وقت راضی ہوتا ہے جب بندہ اپنے تمام اقوال و افعال میں اپنے رب سے راضی ہو جائے پھر اس وقت طرفین سے رضا کا تبادلہ ہوتا ہے۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

"رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ" (بینہ:۸)

اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی۔

صوفیائے کرام نے رضا کی ان دونوں قسموں میں باہمی ربط اور تعلق کے راز کو پالیا تھا۔ حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن رابعہ عرویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا، اے اللہ! تو مجھ سے راضی ہو جا۔ تو انہوں نے فرمایا!

اے ابو سفیان! تجھے اللہ سے حیا نہیں آتی کہ تم اس سے رضا کا سوال کرتے ہو، حالانکہ تم اس سے راضی نہیں ہو۔ تو حضرت سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے، استغفر اللہ۔[634]

بندے سے اللہ تعالیٰ کی رضا یہ بڑا ہی بلند اور ارفع و اعلیٰ مرتبہ اور بڑا عظیم عطیہ ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللهِ أَكْبَرُ" (توبہ: ۷۲)

نیز (وعدہ کیا ہے) پاکیزہ مکانات کا سدابہار باغوں میں اور رضائے خداوندی ان سب نعمتوں سے بڑی ہے۔

یقیناً جنت کے رب کی رضا جنت سے اعلیٰ ہے۔ بلکہ یہی تو اہلِ جنت کا مطلوب و مقصود ہے جس طرح کہ حدیث پاک میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل جنت کو ارشاد فرمائے گا۔ اے اہلِ جنت! اور وہ کہیں گے۔ اے ہمارے پروردگار! ہم حاضر ہیں۔ وہ ارشاد فرمائے گا، کیا تم مجھ پر راضی ہو؟ تو اہلِ جنت عرض کریں گے۔ یارب! ہم تجھ پر کیوں نہ راضی ہوں تو نے ہمیں ان انعامات سے نوازا ہے جو تو نے اپنی مخلوق میں کسی پر نہیں فرمائے۔ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا، میں تمہیں اس سے بھی افضل انعام عطا فرمانے والا ہوں۔ تو عرض کریں گے۔ اے پروردگار! اس سے افضل کون سا انعام ہے؟ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔ میں تم پر اپنی رضا کو حلال کرتا ہوں اس کے بعد میں کبھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا۔[635]

توکل:

تعریف: سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

التوکل هو الثقة بما عند الله و الیأس عما فی ایدی الناس۔

(جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس پر اعتماد کرنے اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے مایوسی کا نام توکل ہے۔)[636]

عارف باللہ ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"التوکل ثقة القلب بالله حتی لا یعتمد علی شئ سواه"

(اللہ تعالیٰ پر دل کے اعتماد کرنے اور اس کے سوا کسی چیز پر اعتماد نہ کرنے کا نام توکل ہے۔)[637]

یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق جوڑنے اور ہر شئی میں اس کے ساتھ تعلق جوڑنے کا نام توکل ہے۔ یہ یقین کرتے ہوئے کہ وہ ہر شئ کو جاننے والا ہے۔

اور تمہیں اس بات کا یقین ہو جائے جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ تیرے ہاتھ میں پائی جانے والی چیز سے زیادہ بہتر ہے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا ہے غیر سے دل کے تعلق کو توڑ کر اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد اور تمام امور میں اسی کی طرف رجوع کرنے کا نام توکل ہے۔[638]

---

[634] (احیاء علوم ۲ ۳۳۲:۴)

[635] (بخاری، کتاب الرقاق باب صفة الجنة)

[636] (تعریفات السید ص ۴۸)

[637] (معراج التشوف ص ۸)

[638] (دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین ۲:۲)

حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: توکل، اللہ تعالیٰ کی تصدیق، اس پر اعتماد، اسی کی ذات کے ساتھ اپنے سکون واطمینان کو وابستہ کرنے اور اپنے دل سے امورِ دنیا، رزق وغیرہ کا خیال نکالنے کو کہتے ہیں۔[639]

توکل اپنے تمام امور کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے اور تمام احوال میں اسی کی طرف رجوع کرنے اور اپنی قوت وطاقت سے دستبردار ہونے کا نام ہے۔

سابقہ تعریفات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ توکل قلبی مقام ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے اور وسائل واسباب کو بروئے کار لا کر کام کو سر انجام دینے میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ توکل کا محل دل ہے اور اسباب ووسائل کا محل بدن ہے۔ ایک کامل مؤمن عمل کو کیسے ترک کر سکتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کثیر آیات کریمہ میں اور رسول اللہ ﷺ نے احادیث طیبہ میں اس کا حکم فرمایا ہے۔

ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی، یارسول اللہ ﷺ میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اپنی اونٹنی کو کھلا نہ چھوڑ دوں۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اعقلھاوتوکل" (اس کے پاؤں کو باندھ دو اور پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کرو)۔[640]

اسی لئے علمائے کرام نے اسباب وذرائع کو ترک کرنے اور طلبِ رزقِ حلال میں کوشش نہ کرنے کو سستی اور کاہلی شمار کیا ہے۔ جس کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اسی طرح صوفیائے کرام نے غلط افکار کی تصحیح اور شبہات کو دور کرنے کیلئے واضح طور پر فرمایا ہے کہ تصوف، اسلام کو حقیقی طور پر سمجھنے کا نام ہے۔

امام قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ توکل کا محل دل ہے۔ اور ظاہری حرکت توکل کے منافی نہیں۔ خصوصاً جب بندہ اس بات پر یقین کر لیتا ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے۔ اگر کسی چیز کا حصول مشکل ہو تو یہ بھی اسی کے حکم سے ہے اور اگر کوئی چیز آسانی سے حاصل ہو جائے تو یہ بھی اسی کے فضل واحسان سے ہے۔[641]

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: بعض جہلاء یہ گمان کرتے ہیں کہ کسبِ حلال کو ترک کرنا اور بیماری کا علاج نہ کرنا اور اپنے آپ کو ہلاکت کے سپرد کرنا توکل کی شرائط میں سے ہے۔ لیکن یہ محض خطا ہے۔ کیونکہ یہ چیز شرعاً حرام ہے۔ شرع نے توکل کی تعریف کی ہے اور اس کو اپنانے کی دعوت دی ہے تو یہ چیز حرام کے ارتکاب سے کیونکر حاصل ہو گی۔[642]

صوفیائے کرام نے بھی اس انتہائی دقیق نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مؤمن کیلئے ضروری ہے کہ وہ تمام اعمال میں اسباب ووسائل کو بروئے کار لائے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دلی طور پر اس پر کامل اعتماد نہ کرے۔

---

[639] (الطریق الی اللہ لأبی سعید الخراز ص ٥٦)

[640] (رواہ الترمذی فی کتاب صفة القیامه)

[641] (رسالہ قشیریہ ص ٧٦)

[642] (لأربعین فی أصول الدین للغزالی رحمۃ اللہ علیہ ص ٢٤٦)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ محققین صوفیائے کرام کے نزدیک اپنی ضروریات کے حصول کیلئے کوشش کرنا واجب ہے۔ اور یہ توکل کے منافی نہیں۔ لیکن کلی طور پر اسباب پر اعتماد اور دل کا ان کی طرف متوجہ ہونا توکل کے منافی ہے۔ کیونکہ اسباب کو بروئے کار لانا اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کی حکمت ہے۔ اور مؤمن کو کامل یقین ہونا چاہئے کہ یہ اسباب نفع و نقصان کا باعث نہیں ہیں بلکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔[643]

توکل کی فضیلت اور اس کے آثار:

توکل ایمان کامل کا نتیجہ اور معرفتِ الٰہی کا ثمر ہے اور جس قدر بندے کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی معرفت حاصل ہو گی اسی قدر اس کا توکل مضبوط ہو گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر حقیقی توکل اسے ہی حاصل ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو فاعل نہ سمجھے۔ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والا اسی کی وجہ سے سربلند ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے سامنے نہیں جھکتا۔ اسے اپنے مولیٰ پر کامل اعتماد ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے علاوہ کسی اور سے سوال نہیں کرتا۔ بزرگوں کا قول ہے کہ مرید کیلئے مناسب نہیں ہے کہ وہ بندوں کے سامنے دامنِ طلب دراز کرے۔ حالانکہ اس کی ہر ضرورت اس کا مولیٰ پوری کرتا رہتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے توکل کو ایمان کے ساتھ ملایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) ''وَعَلَى اللهِ فَتَوَكَّلُوْا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ''(مائدہ:۲۳)

اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر ہو تم ایماندار۔

(۲) ''وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْن''(ابراھیم:۱۱)

اور مؤمنوں کو فقط اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے۔

جو بندہ اللہ تعالیٰ پر مکمل توکل اور صدق دل سے اس کی بارگاہ میں رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی محبت سے نوازتا ہے۔ اور اس کے تمام مصائب و تکالیف کو دور کرکے اس کے دل کو غنا اور یقین سے بھر دیتا ہے۔ اور اس کے ظاہر کو عفت اور جود و کرم سے آراستہ کر دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَاللهُ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْن''(آل عمران:۱۵۹)

بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے توکل کرنے والوں سے۔

''وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ''(طلاق:۳)

اور جو (خوش نصیب) اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے تو اس کیلئے وہ کافی ہے۔

توکل دل میں سکون و اطمینان پیدا کرتا ہے خصوصاً مصائب و آلام کے وقت صاحبِ توکل کا دل انتہائی پرسکون اور مطمئن رہتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آپ نے یہ وظیفہ ''حسبنا اللہ و نعم الوکیل'' پڑھا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی وظیفہ پڑھا جب لوگوں نے کہا: إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيْمَاناً وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (آل عمران:۱۷۳)''بلاشبہ کافروں نے جمع کر رکھا ہے تمہارے لئے (بڑا

[643](دلیل الفالحین ج۲ ص۳)

سامان اور لشکر) سوڈور ان سے تو (اس دھمکی نے) بڑھا دیا ان کے جوشِ ایمان کو اور انہوں نے کہا! کافی ہے ہمیں اللہ تعالیٰ اور وہ بہترین کاساز ہے۔"[644]

اللہ تعالیٰ پر حقیقی توکل کرنے والا اس کی قضا پر راضی ہوتا ہے۔ اور اس کے حکم کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔ اور اسے اطمینان قلب کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی کہتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا تو وہ اکثر اوقات اپنے اس قول میں جھوٹا ہوتا ہے کیونکہ وہ اگر اللہ تعالیٰ پر حقیقی توکل کرتا تو اللہ تعالیٰ کے ہر فعل پر راضی رہتا۔[645]

رسول اللہ ﷺ نے توکل کی تعریف فرمائی ہے اور مؤمن کی زندگی میں اس کی اہمیت اور قدر و قیمت کو بیان فرمایا ہے۔ توکل ہی مؤمن کے دل میں اطمینان و سکون پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لو توکلتم علی اللہ حق توکلہ لرزقکم کما یرزق الطیر تغدو خماصا و تروح بطانا" اگر تم اللہ تعالیٰ پر حقیقی توکل کرتے تو وہ تمہیں رزق دیتا جس طرح پرندوں کو رزق دیتا ہے کہ وہ صبح خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں۔[646]

اس حدیث پاک میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ توکل اسباب کے منافی نہیں ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ پرندے توکل کر کے گھونسلوں میں بیٹھے رہتے ہیں بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ پرندے اپنے رب پر توکل واعتماد کر کے رزق کی تلاش میں نکل جاتے ہیں یعنی وہ تلاش رزق میں سستی نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے وہ غم و حزن سے مامون رہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے امت اسلامیہ کو ہر حال میں توکل کرنے پر رغبت دلائی ہے خصوصًا جب انسان اپنے گھر سے نکلتا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا، جب انسان اپنے گھر سے نکلتے ہوئے یہ کلمات "بسم اللہ توکلت علی اللہ و لا حول و لا قوۃ الا باللہ" پڑھتا ہے تو اسے ندا دی جاتی ہے کہ تو ہدایت یافتہ ہو گیا اور تجھے ہر غم سے نجات مل گئی اور تجھے ہر قسم کے شر سے محفوظ کر لیا گیا۔ اور شیطان اس سے دور بھاگ جاتا ہے۔ اور دوسرے شیطان سے کہتا ہے کہ تو اس شخص پر کیسے غلبہ حاصل کر سکتا ہے جو ہدایت یافتہ ہو اور جسے ہر غم سے نجات اور ہر شر سے اس کی حفاظت کر دی گئی ہو۔[647]

مراتب توکل:

توکل میں لوگوں کے مختلف مراتب ہیں۔ کیونکہ توکل بھی دوسرے مقامات سلوک کی طرح ہے۔ مؤمن اپنی معرفت کے مطابق اس کے مراتب میں ترقی کرتا جاتا ہے۔ اس لئے امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسے عارفین نے توکل کے تین مراتب بیان کئے ہیں:

---

[644] (اخرجہ البخاری فی صحیحہ فی کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ آل عمران)
[645] (رسالہ قشیریہ ص ۷۶)
[646] (رواہ الترمذی فی کتاب الزھد، وأخرجہ الحاکم فی المستدرک ج ۴ ص ۳۱۸)
[647] (أبو داؤد نسائی ترمذی فی کتاب الدعوات)

(۱) اس کا سب سے ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تیرا تعلق اس طرح ہو جس طرح کہ موکل اپنے شفیق اور مہربان وکیل کے ساتھ۔

(۲) اس کا درمیانی مرتبہ یہ ہے کہ تیرا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس طرح ہو کہ جس طرح بچہ اپنی ماں کے ساتھ کہ وہ اپنے تمام امور میں اپنی ماں کی طرف رجوع کرتا ہے۔

(۳) اس کا سب سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ تیرا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس طرح ہو کہ جس طرح مریض کا ڈاکٹر کے ساتھ ہوتا ہے۔

ان تینوں مراتب میں فرق یہ ہے کہ پہلے مرتبہ میں تہمت کا خطرہ ہوتا ہے۔ دوسرے مرتبہ میں تہمت کا خطرہ نہیں ہوتا لیکن وہ ضرورت کے وقت اپنی ماں کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جبکہ تیسرے مرتبہ میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی ذات سے بے خبر ہر لحظہ یہ دیکھ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ کیا سلوک کر رہا ہے۔[648]

خلاصہ: خلاصہ کلام یہ ہے کہ توکل، ایمان و معرفت کے عظیم ثمرات اور اطمینان و سکون کے اہم اسباب میں سے ہے۔

صوفیائے کرام نے ہی اس کے صحیح مفہوم کو سمجھا ہے۔ اور لوگوں کو آگاہ کیا ہے کہ توکل اسباب و وسائل کو ترک کرنے کا نام نہیں، بلکہ توکل اپنی امید کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ کرنے، اس کی تدبیر و حکمت پر مکمل اعتماد کرنے اور دل کو اسباب سے لاتعلق کرنے کا نام ہے۔ کیونکہ صرف اسباب اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی فائدہ نہیں دے سکتے۔

صوفیائے کرام توکل کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوتے ہیں۔ ان کے دل اللہ تعالیٰ پر مطمئن اور اس پر اطمینان اور مکمل اعتماد کرتے ہیں۔ اور اسی کی بارگاہ میں متوجہ ہو کر اس سے مدد طلب کرتے ہیں۔ کیونکہ انہیں کامل یقین ہوتا ہے کہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی فاعل حقیقی نہیں۔ یہ تو ان کے قلوب کی کیفیت ہے مگر ان کے ابدان، اللہ تعالیٰ کے حکم، نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اتباع و پیروی میں اسباب و وسائل کو بروئے کار لانے میں مصروف ہوتے ہیں۔

شکر:

تعریف: علماء نے شکر کی کثیر تعریفات کی ہیں۔ ان میں سے بعض اہم کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

"**الشکر ھو عکوف القلب علی مھبۃ المنعم و الجوارح علی طاعتہ و جریان اللسان بذکرہ و الثناء علیہ**" یعنی شکر یہ ہے کہ دل محسن کی محبت کی طرف متوجہ ہو اعضاء اس کی طاعت و فرمانبرداری میں مصروف ہوں۔ اور زبان اس کے ذکر اور حمد و ثنا میں مشغول ہو۔[649]

---

[648] (معراج التشوف ص ۸)

[649] (مدارج السالکین ج ۲ ص ۱۳۶)

ابن عجیبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ”هو فرح القلب بحصول النعمة مع صرف الجوارح فی طاعة المنعم والاعتراف بنعمة المنعم علی وجه الخضوع“یعنی محسن کی اطاعت میں اعضاء وجوارح کو مصروف کرنے کے ساتھ ساتھ حصولِ نعمت پر دل کے خوش ہونے اور عاجزی وانکساری کے طور پر محسن کی نعمت کے اعتراف کرنے کو شکر کہتے ہیں۔[650]

سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بندے کا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ سمع وبصر وغیرہ تمام نعمتوں کا رب کی منشا کے مطابق صرف کرنے کا نام شکر ہے۔[651]

علامہ ابن علان صدیقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ شکر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اعتراف کرنے اور اس کی خدمت کے سر انجام دینے کو کہتے ہیں۔ اور جس میں یہ وصف کثرت سے پائی جائے اسے شکور کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْرُ“(سبا:۱۳)

اور بہت کم ہیں میرے بندوں سے جو شکر گزار ہیں۔[652]

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ان گنت اور بے شمار ہونا کسی پر مخفی نہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”وَإِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا“(ابراھیم:۳۴)

اور اگر تم گننا چاہو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو تم ان کا شمار نہیں کرسکتے۔

ان نعمتوں کو تین اہم اقسام میں منقسم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) دنیاوی نعمتیں: جیسے صحت وعافیت اور مالِ حلال وغیرہ۔

(۲) دینی نعمتیں: جیسے علم وعمل، تقویٰ اور معرفتِ الٰہی وغیرہ۔

(۳) اخروی نعمتیں: جیسے عملِ قلیل پر عطائے کثیر۔

دینی نعمتوں میں سب سے عظیم ترین نعمت جس پر شکر کرنا ضروری ہے وہ ایمان واسلام اور معرفتِ الٰہی کی نعمت ہے۔ اور اس کا شکر یہ ہے کہ مؤمن کو چاہئے کہ یہ عقیدہ رکھے کہ یہ تمام نعمتیں بغیر کسی واسطہ کے اللہ تعالیٰ کا خاص فضل واحسان ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) ”وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ“(حجرات:۷)

لیکن اللہ تعالیٰ نے محبوب بنادیا ہے تمہارے نزدیک ایمان کو اور آراستہ کردیا ہے اسے تمہارے دلوں میں۔

(۲) وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ۔ (نور:۲۱)

اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تو نہ بچ سکتا تم میں سے کوئی بھی ہرگز۔

مؤمن جب اس عظیم کائنات اور اس میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانیوں میں غور وفکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مزید نعمتوں سے مطلع ہوتا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہے۔ اور یہ چیز اللہ تعالیٰ سے محبت کا سبب بنتی ہے۔

---

[650] (معراج التشوف ص۷)

[651] (تعریفات السید ص ۷۶)

[652] (دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین ج ۲ ص ۵۷)

اللہ تعالیٰ کی بعض نعمتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ ہم پر اپنے نیک بندوں کے واسطہ سے کرتا ہے۔ جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ کے ذریعے ہم پر اپنا فضل واحسان کیا ہے اور اسی طرح ہمارے والدین اور ہمارے شیوخ ومربین کے ذریعے احسان فرماتا ہے۔ پس مؤمن کیلئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ کیونکہ وہی منعم حقیقی ہے۔ جس نے ہمارے لئے لوگوں کے ذریعے نیکی کے راستوں کو آسان کیا۔ یہ لوگ صرف واسطہ ہیں اور منعم حقیقی وہی ذات ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"مَابِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللهِ" (نحل:۵۳)

اور تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں وہ سب اللہ کی دی ہوئی ہیں۔

اسی طرح مؤمن کیلئے ضروری ہے کہ وہ اس کا شکریہ ادا کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے نعمت کا سبب بنایا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: "لا یشکر اللہ من لا یشکر الناس" یعنی جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر نہیں کر سکتا۔[653]

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر کے ساتھ ساتھ والدین کا شکریہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے جن کو ہماری پیدائش کا ذریعہ اور بہت سی نعمتوں کا واسطہ بنایا۔ ارشاد فرمایا:

"أَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيْرُ" (لقمان:۱۴)

کہ شکر ادا کرو میرا اور اپنے ماں باپ کا (آخر کار) میری طرف ہی لوٹنا ہے۔

مخلوق کا شکریہ ادا کرنا آسان ہے اور جو مخلوق کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر رہا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے زیادہ قاصر رہے گا۔

شکر کی اقسام:

سابقہ تعریفات سے واضح ہوتا ہے کہ شکر کی تین قسمیں ہیں۔

(۱): زبان کا شکر (۲): ارکان کا شکر (۳): دل کا شکر۔

(۱) زبان کا شکر: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا چرچا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول "واما بنعمة ربک فحدث" کی اتباع کرتے ہوئے۔ اور نبی کریم ﷺ کے اس قول "التحدث بنعمة اللہ شکر" (اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا چرچا کرنا شکر ہے) کی اتباع کرتے ہوئے[654]۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس نے نعمت کو چھپایا اس نے اس کی ناشکری کی۔ اور جس نے اظہارِ نعمت کیا اور اس کو عام کیا تو اس نے اس کا شکریہ ادا کر لیا۔

اسی لئے رسول اللہ ﷺ کی شخصیت شکر اور حمد وثنا میں مثالی شخصیت تھی۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "عرض علی ربی لیجعل لی بطحاء مکة ذھبا قلت: لا یا رب ولکن اشبع یوما واجوع یوما وقال ثلاثا او نحو ھذا فاذا فعلت تصرعت الیک وذکرتک واذا شبعت شکرتک وحمدتک" یعنی: اللہ تعالیٰ نے مجھے پیشکش کی کہ وہ میرے لئے بطحاء مکہ کو

---

[653] (أخرجه أبو داؤد فی سننه فی باب شکر المعروف عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه)

[654] (رواہ امام احمد فی مسندہ عن انعمان بن بشیر رحمة اللہ تعالیٰ علیه ج ۴ ص ۳۷۵)

سونا بنا دے گا۔ میں نے عرض کی، نہیں، اے میرے پروردگار! لیکن میں ایک دن سیر ہو کر کھاؤں گا۔ اور ایک دن بھوکا رہوں گا۔ آپ نے تین دفعہ فرمایا۔ اور فرمایا، جب میں بھوکا ہوں گا تو تیری بارگاہ میں عجز وانکساری کروں گا اور تیرا ذکر کروں گا۔ اور جب میں سیر ہوں گا تو تیرا شکر اور حمد وثنا بجالاؤں گا۔[655]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی رغبت دلائی گئی ہے جس طرح حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ایک بندہ نے کہا، اے پروردگار! تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں جیسے تیرے مرتبہ وجلال اور عظیم قدرت کے مناسب ہے۔ ان کلمات نے فرشتوں کو مشکل میں ڈال دیا۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ وہ انہیں کیسے لکھیں۔ وہ آسمان کی طرف پرواز کر گئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی، اے پروردگار تیرے ایک بندہ نے کچھ کلمات کہے ہیں۔ ہمیں معلوم نہیں کہ ہم انہیں کیسے لکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بندہ نے کیا کہا ہے؟ حالانکہ وہ بہتر جاننے والا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ بندہ نے کہا ہے: "یارب، لک الحمد کماینبغی لجلال وجھک ولعظیم سلطانک" تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا، ان کلمات کو اسی طرح لکھ دو، جس طرح میرے بندہ نے کہا ہے۔ حتیٰ کہ جب وہ مجھ سے ملے گا تو میں خود اسے ان کلمات کا اجر وثواب عطا فرماؤں گا۔ (رواہ ابن ماجہ فی کتاب الأدب)

(۲) ارکان کا شکر: اس سے مراد یہ ہے کہ بندے کا عمل خالص اللہ تعالیٰ کیلئے ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد "اعملوا اٰل داود شکرا" (سبا:۱۳) میں ارشاد فرمایا ہے۔ کہ شکر ہی عمل ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے عملی طور پر اس کی وضاحت فرمادی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا: "کان النبی ﷺ یقوم من اللیل حتی تنفطر قدماہ فقلت لہ لم تصنع ھذا یا رسول اللہ! وقد غفر لک ماتقدم من ذنبک وماتاخر۔ قال، افلا اکون عبدا شکورا" یعنی نبی کریم ﷺ قیام اللیل فرمایا کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کے پاؤں مبارک متورم ہو گئے میں نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ حالانکہ آپ ﷺ کی امت کے اگلے اور پچھلوں کے بھی گناہ معاف فرمادیئے گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟[656]

(۳) دل کا شکر: اس سے مراد یہ ہے کہ تجھے یقین ہو کہ تجھ پر اور مخلوق خدا پر تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"مَابِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ" (نحل:۵۳)

اور تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں وہ تو اللہ کی دی ہوئی ہیں۔

یہ نعمتیں کہیں تجھے محسن ومنعم سے دور نہ کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے بچنے کا یہ طریقہ ارشاد فرمایا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا، جس نے صبح کے وقت یہ کلمات کہے، اس نے پورے دن کا شکر ادا کر دیا۔ "اللّٰھم ما اصبح لی من نعمة او باحد من

---

[655] (رواہ الترمذی فی کتاب الزھد عن أبی امامة رحمة اللہ تعالیٰ علیہ)

[656] (بخاری، کتاب الرقاق، مسلم کتاب صفات المنافقین، ترمذی ابواب الصلاة)

خلقک فمنک وحدک لا شریک لک فلک الحمد ولک الشکر" اور جس نے یہی کلمات شام کے وقت کہے اس نے اپنی رات کا شکر ادا کر دیا۔[657]

مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی، اے اللہ! تو نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا پھر اس میں تو نے اپنی خاص روح پھونکی اور اپنے فرشتوں سے سجدہ کرایا اور اسے تمام اشیاء کا علم عطا فرمایا اور بہت سی نعمتوں سے نوازا تو اس نے تیرا شکریہ کیسے ادا کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، اس نے جان لیا کہ یہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ تو اس کا یہ جان لینا بھی شکر کرنے کے مترادف ہے۔[658]

مؤمن کو یہ خیال کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے شکر اور اس کی حمد و ثنا کی توفیق اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ جس طرح کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ اے پروردگار! میں تیرا شکریہ کیسے ادا کر سکتا ہوں حالانکہ میرا شکر ادا کرنا بھی تو تیری ایک نعمت ہے جس پر شکریہ واجب ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، اے داؤد! اب تو نے میرا شکریہ ادا کیا ہے۔[659]

شکر کرنے والوں کے مراتب:

شکر کرنے والوں کے مراتب درج ذیل ہیں:

(۱) عوام کا شکر: عوام فقط نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

(۲) خواص کا شکر: خواص نعمتوں اور آزمائشوں وابتلاء میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اور اپنے تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کی تعریف کی ہے جس پر جب کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ اس کا سامنا اپنی زبان سے حمد وثنا اور دل سے رضا کے ساتھ کرتا ہے اور شیطان کو موقع نہیں دیتا کہ وہ دل میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی کو ڈال دے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اذا مات ولد العبد قال اللہ لملائکته قبضتم ولد عبدی، فیقولون نعم۔ فیقول فماذا قال عبدی؟ فیقولون: حمدک واسترجع، فیقول اللہ تعالی ابنوا لعبدی بیتا فی الجنة وسموه بیت الحمد" (ترمذی، کتاب الجنائز)

جب کسی بندے کا بچہ فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو فرماتا ہے کیا تم نے میرے بندہ کے بچے کی روح کو قبض کر لیا، فرشتے عرض کرتے ہیں، ہاں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ میرے بندے نے کیا کہا۔ وہ عرض کرتے ہیں، اس نے تیری حمد وثنا بیان کی۔ اور کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ تو اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ میرے بندے کیلئے جنت میں ایک گھر تعمیر کر دو۔ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔

---

[657] (ابو داؤد فی سننه فی باب مایقول اذا أصبح، و نسائی اللفظ له)
[658] (مدارج السالکین ج ۲ ص ۱۳۷)
[659] (مدارج السالکین ج ۲ ص ۱۳۷)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے کیلئے ان لوگوں کو بلایا جائے گا جو تنگی اور خوشحالی دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتے ہوں۔[660]

(۳) خاص الخواص کا شکر: یہ لوگ منعم اور محسن کی ذات میں اس طرح فنا ہوتے ہیں کہ انہیں نعمت اور آزمائش کا خیال ہی نہیں رہتا۔ اسی مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: "الشکر رویۃ المنعم لا رویۃ النعمۃ" یعنی شکر، منعم کا خیال کرنا ہے نہ کہ نعمت کا۔[661]

شکر کی فضیلت:

شکر تمام مقامات سے اعلیٰ وارفع مقام ہے کیونکہ یہ دل، زبان اور اعضاء وجوارح کو شامل ہوتا ہے اور اسی طرح صبر، رضا، حمد اور ان کے علاوہ بہت سی بدنی اور قلبی عبادات اس میں داخل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں شکر کا حکم دیا ہے۔ اور اس کی ضد یعنی کفر وناشکری سے منع کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَاشْکُرُوْا لِی وَلَاتَکْفُرُوْنَ" (بقرہ:۱۵۲)

اور شکر ادا کیا کرو میرا اور میری ناشکری نہ کیا کرو۔

شکر رسل کرام علیہم السلام کی عظیم صفات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کو اس صفت سے متصف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا!

"اِنَّ اِبْرَاهِیْم کَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِیْفًا ط وَلَمْ یَکُ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ شَاکِرًا لِاَنْعُمِهٖ
(نحل:۱۲۱-۱۲۰)

"بلاشبہ ابراہیم (علیہ السلام) ایک مرد کامل تھے اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے۔ یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھے اور وہ (بالکل) مشرکوں سے نہ تھے وہ (ہر لحہ) شکر گزر تھے اللہ کی نعمتوں کیلئے۔"

نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو فرمایا:

اِنَّهٗ کَانَ عَبْدًا شَکُوْرًا (اسراء:۳)

"بے شک وہ (نوح علیہ السلام) ایک شکر گزار بندے تھے۔"

محبوبِ خدا ہمارے آقا ومولا رسول اللہ ﷺ عبادت اور قیام اللیل میں انتہائی کوشش کرتے اور مشقت برداشت فرماتے۔ اور بڑے خشوع وخضوع سے اور تمام دنیا سے کٹ کر اس کی بارگاہ میں حاضر ہوتے۔ اور جب آپ کو اس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا، کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ سائل نے یہ گمان کیا تھا کہ آپ کی عبادت طلبِ مغفرت کیلئے تھی لیکن رسول اللہ ﷺ کے جواب نے سائل کی توجہ مقام شکر کی طرف دلائی جو مقاماتِ عبدیت میں سب سے اعلیٰ مقام ہے۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ خود شکر کے مقام رفیع پر فائز تھے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دیگر مؤمنین کو اس مقام تک رسائی حاصل

---

[660] (المستدرک ج ا ص ۵۰۲)

[661] (رسالہ قشیریہ ص ۸۱)

کرنے کی دعوت دیا کرتے تھے۔ آپ نے انہیں حکم فرمایا کہ ہر نماز کے بعد دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ذکر و شکر کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

اوصیک یا معاذ لا تدعن فی دبر کل صلوۃ تقول: اللّٰھم اعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک۔ اے معاذ! میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد اس دعا کو ترک نہ کرنا۔ اے اللہ! اپنے ذکر، شکر اور حسنِ عبادت پر میری اعانت فرما۔[662]

مقامِ شکر اعلیٰ وارفع مقام ہے اس کا حصول انتہائی مشکل اور کٹھن ہے۔ اس کے حصول کیلئے مجاہدات اور مراقبات کے ساتھ ساتھ صدق، صبر اور استقامت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاکرین کی تعداد انتہائی قلیل ہے۔ کیونکہ کریم لوگ قلیل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن کریم میں شاکرین کی قلت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا:

”وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْر“ (سبا:۱۳)

بہت کم ہیں میرے بندوں سے جو شکر گزار ہیں۔

اور اسی طرح فرمایا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان اور انعام واکرام کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَإِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ (نمل:۷۳)

”اور بے شک آپ کا رب بہت فضل وکرم فرمانے والا ہے لوگوں پر لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اپنی عظیم نعمتوں اور احسانات کا ذکر فرماتا ہے، اور ہمیں کائنات میں غور وفکر کرنے کی دعوت دیتا ہے، تاکہ ہم ان عظیم نعمتوں کا ادراک کر سکیں جو ہمارے ارد گرد پھیلی ہوئی ہیں اور جن کو شمار کرنے اور احاطہ کرنے سے انسان عاجز ہے۔ اس کا مقصد صرف یہی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں جس طرح کہ اس کا شکر کرنے کا حق ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اللهُ أَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (نحل:۷۸) ”اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں نکالا ہے تمہاری ماؤں کے شکموں سے اس حال میں کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور بنائے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل تاکہ تم شکر ادا کرو۔“

چالیس سال کی عمر میں انسان کا شعور پختہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ جب انسان اس عمر کو پہنچتا ہے اور اپنے ارد گرد پھیلی ہوئی نعمتوں میں غور وفکر کرتا ہے اور اس کے فضل واحسان کا مشاہدہ کرتا ہے تو اپنا دامن طلب دراز کر کے اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتا ہے کہ مولا! مجھے ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”حَتّٰى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۔ قَالَ أَوْزِعْنِيْ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ“ (احقاف:۱۵)

---

[662] (ابوداؤد، نسائی، مستدرک: ج:۱: ص:۴۹۹)

حتیٰ کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہو گیا تو اس نے عرض کی اے میرے رب! مجھے والہانہ توفیق عطا فرما کہ میں شکر ادا کرتا رہوں تیری اس نعمت کا جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائی ہے اور میں ایسے نیک کام کروں جن کو تو پسند فرمائے۔

رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو کر اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے والے کو عبادات کی مشقت پر صبر کرنے والے کے قائم مقام قرار دیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا!

"الطاعم الشاکر بمنزلة الصائم الصابر" (ترمذی، کتاب صفة القیامة)

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو کھا کر شکر ادا کرنے والا صابر روزہ دار کے قائم مقام ہے۔

شکر نعمتوں کی بقا اور دوام کا بہترین وسیلہ ہے۔ کہتے ہیں کہ شکر نعمتوں کو اس طرح قابو کر لیتا ہے جس طرح رسی اونٹ کے پاؤں کو۔

حضرت ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: من لم یشکر النعم فقد تعرض لزوالھا و من شکرھا فقد قید بعقالھا۔ یعنی جس نے نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا وہ اس کے زوال سے دوچار ہوا۔ اور جس نے اس کا شکر ادا کیا اس نے اس کو رسی کے ساتھ مقید کر لیا۔ [663]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کرنا اور نعمتوں کے مقابلے میں ناشکری اور نافرمانی کرنا اللہ تعالیٰ کے غضب و عقاب کو دعوت دینا ہے۔ وہ ذات جس نے نعمتیں عطا کی ہیں وہ ان کو سلب کرنے کی بھی قدرت رکھتی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ۝ (نحل:۱۱۲)

ترجمہ: "اور بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال وہ یہ ہے کہ ایک بستی تھی جو امن اور چین سے آباد تھی۔ آتا تھا اس کے پاس اس کا رزق بکثرت ہر طرف سے، پس اس (کے باشندوں) نے ناشکری کی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی۔ پس چکھایا انہیں اللہ تعالیٰ نے (یہ عذاب کہ پہنا دیا انہیں) بھوک اور خوف کا لباس، ان کارستانیوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔"

اللہ تعالیٰ نے مؤمنین سے وعدہ فرمایا ہے کہ اگر وہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کریں گے وہ انہیں مزید عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ" (ابراھیم:۷) اگر تم پہلے احسانات پر شکر ادا کرو تو میں مزید اضافہ کر دوں گا۔ [664]

در حقیقت شاکر کا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنا اس کی اپنی ذات کیلئے فائدہ مند ہوتا ہے۔ کیونکہ شکر کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کی مزید نعمتوں اور اس کے فضل و احسان، اس کی عظیم محبت، عمدہ تعریف و توصیف کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ (نمل:۴۰)

---

[663] (ایقاظ الھمم فی شرح الحکم لابن عجیبہ ج ۱ ص ۱۰۰)

[664] (طبقات الصوفیة للسلمی ص ۲۹۸)

ترجمہ: "اور جس نے شکر کیا تو وہ شکر کرتا ہے اپنے بھلے کیلئے اور جو ناشکری کرتا ہے (وہ اپنا نقصان کرتا ہے) بلاشبہ میرا رب غنی بھی ہے اور کریم بھی۔"

صوفیائے کرام مقامِ شکر پر فائز ہو کر جب اس مقام کی عظمت وشان اور فضیلت کو جانتے ہیں تو دوسرے لوگوں کو اس کی دعوت دیتے ہیں اور جس کو بھی اللہ تعالیٰ کسی دنیاوی یا اخروی نعمت سے نوازتا ہے تو اس کی راہنمائی کرتے ہیں کہ وہ اس نعمت میں ہی مشغول نہ ہو جائے بلکہ اسے چاہیئے کہ وہ شکر کا طریقہ اختیار کرے تاکہ وہ مزید نعمتوں اور دائمی توفیق کا سبب بنے۔ حضرت ابو حمزہ بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ بھلائی کے راستوں میں سے کوئی راستہ تیرے لئے کھول دے تو اس کو لازم پکڑ لو۔ اس راستہ کی طرف دیکھنے اور اس پر فخر کرنے سے بچو۔ بلکہ اس ذات کے شکر میں مشغول ہو جاؤ جس نے تجھے یہ توفیق عطا فرمائی ہے۔ کیونکہ تمہارا اس راستہ کی طرف دیکھنا تمہیں اپنے مقام سے گرا دے گا۔ لیکن اس کے شکر میں مشغول ہونا تمہارے لئے مزید انعامات کا سبب ہو گا۔

اگر تم پہلے احسانات پر شکر ادا کرو تو میں مزید اضافہ کر دوں گا۔

اسی وجہ سے صوفیائے کرام نے اپنے تمام احوال میں درِ شکر کو لازم پکڑا اور اپنے تمام امور میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں مشغول رہے۔ اور اسی کو ہی فاعلِ مطلق، منعم حقیقی اور شکور وکریم تصور کرتے ہوئے عاجزی وانکساری سے اس کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہو گئے۔ اور اس کی جناب میں دعا گو ہوئے کہ وہ ان کے دلوں کو معرفت کے نور سے منور کر دے اور ان کی زبانوں کو اپنی حمد وثنا میں مشغول کر دے اور ان کے اعمال کو شریعت کے احکام کے تابع کر دے۔ اس میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کرام تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے طریقہ کی پیروی کی۔

تنبیہہ:

یہاں ایک بات کی طرف بھی اشارہ کرنا ضروری ہے کہ ہم نے جو مقامات اس کتاب میں ذکر کئے ہیں وہ تمام کے تمام مقامات نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ اور بھی مقامات ہیں جن کی تفصیل ہمارے شیخ ومرشد محمد ہاشمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان فرمائی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ یہ سو مقامات ہیں شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبد اللہ بن محمد انصاری ہروی فقیہ حنبلی مفسر قرآن صوفی باصفا متوفی (۴۸۱ھ) نے ایک رسالہ تالیف فرمایا ہے جس میں آپ نے سو منازل کو ذکر کیا ہے اور آپ نے بڑی عمدہ تقسیم اور وضاحت فرمائی ہے اور راہِ حق کی خواہش رکھنے والوں کیلئے بہت مفید بتایا ہے اور اس کا نام "**منازل السائرین الی الحق عز شانہ**" رکھا ہے۔[665]

موافقت شریعت اور بدعت سے اجتناب:

امام عبد الوہاب الشعرانی قدس سرہ لکھتے ہیں:

اخذ علینا العهد العام من رسول اللہ ﷺ ان لا نتدین بفعل شئی من البدع المذمومة التی لا یشهد لها ظاهر کتاب و لا

[665] (شرح شطرنج العارفین ص ۱۲)

سنةوان نجتنب العمل بکل رای لم یظهر لنا وجه موافقة للکتاب والسنة الا ان اجمع علیه فتبحر یا اخی فی علوم الشریعة واعط الجد من نفسک فی المطالعة والحفظ لاحادیث الشریعة وکتب شراحها وحفظ مقالاتهم

وسمعت سیدی علیا الخواص رحمہ اللہ تعالیٰ یقول: یحتاج من یرید التقید علی العمل بالکتاب والسنة ویجتنب العمل بالرای الی التبحر فی علم العربیة وعلم المعانی والبیان والنحو فی لغة العرب حتی یعرف مواطن طرق الاستنباط ویعرف اقوال العرب ومجازاتها واستعاراتها ویعرف مایقبل التاویل من الادلة وما لا یقبلها

وقد کان الامام ابو القاسم الجنید رحمہ اللہ تعالیٰ یقول: لا یکمل الرجل عندنا فی طریق اللہ عزوجل حتی یکون اماما فی الفقة والحدیث والتصوف۔[666]

اساس التصوف:

شیخ شہاب الدین السہروردی قدس سرہ المتوفی 632 لکھتے ہیں:

وعلم ان الفقر اساس التصوف وبه قوامه علی معنی ان الوصول الی رتب التصوف طریقه الفقر لا علی معنی انه یلزم ممن وجود التصوف وجود الفقر

قال ذی النون مصری رحمہ اللہ تعالیٰ: الصوفی من لا یتبعه طلب ولا یزعجه سلب[667]

وسئل بعضهم عن التصوف فقال: تصفیة القلب عن موافقة البریة ومفارقة الاخلاق الطبیعة واخماد صفات البشریة ومجانبة الدواعی النفسانیة ومنازلة الروحانیة والتعلق بعلوم الحقیقة واتباع الرسول فی الشریعة[668]

التصوف کلہ آداب:

امام ابو الحفص قدس سرہ فرماتے ہیں:

قال ابو حفص رحمہ اللہ: التصوف کله آداب لکل وقت ادب ولکل حال ادب ولکل مقام ادب فمن لزم آداب لاوقات بلغ الرجال ومن ضیع الآداب فهو بعید من حیث یظن القرب ومردود من حیث یرجو القبول وقال یضا: حسن ادب الظاهر عنوان حسن ادب الباطن لان النبی ﷺ قال: لو خشع قلبه لخشت جوارحه۔[669]

وقال عبد اللہ بن مبارک: من تهاون بالادب عوقب بحرمان السنن ومن رهاون بالسنن عوقب بحرمان الفرائض وم،ن رهاون بالفرائض عوقب بحرمان المعرفة۔[670]

وقد کان یونس بن عبید رحمہ اللہ یقول: من استخف بالنوافل استخف بالفرائض۔[671]

وقال الجلال البصری: التوحید یوجب الایمان فمن لا ایمان له لا توحید له والایمان یوجب الشریعة فمن لا شریعة له لا ایمان له ولا توحید له والشریعة توجب الادب فمن لا ادب له لا شریفة له ولا ایمان له ولا توحید له۔[672]

---

[666] لواقح الانوار القدسیة فی بیان العهود المحمدیة۔ص(488۔489) دار الکتب العلمیة
[667] عوارف المعارف ص۔39 دار الکتب العلمیة
[668] عوارف المعارف ص۔40 دار الکتب العلمیة
[669] عوارف المعارف ص۔38 دار الکتب العلمیة
[670] عوارف المعارف ص۔166 دار الکتب العلمیة
[671] تنبیہ المغترین ص۔196 دار الکتب العلمیة
[672] عوارف المعارف ص۔166 دار الکتب العلمیة

وقال انس بن مالک رضی اللہ عنہ: الادب فی العمل علامۃ قبول العمل۔[673]

کیا وصال کے بعد کوئی نیکی نہیں؟

امام التصوف شیخ شہاب الدین السہروردی قدس سرہ لکھتے ہیں:

اخبرنا شیخنا ضیاء الدین ابو نجیب السہروردی اجازۃ عن عمر بن احمد عن ابن خلف عن السلمی قال سمعیت ابا بکر الرازی یقول: سمعت ابا محمد الجریری یقول: سمعت الجنید یقول لرجل ذکر المعرفۃ فقال الرجل: اھل المعرفۃ باللہ یصلون الی ترک الحرکات من باب البر و التقوی الی اللہ تعالیٰ فقال الجنید: ان ھذا قول قوم تکلموا باسقاط الاعمال و ھذہ وندی عظیمۃ و الذی یسرق و یزنی احسن حالا من الذی یقول ھذا و ان العارفین باللہ اخذوا الاعمال عن اللہ و الیہ یرجون فیھا و لو بقیت الف عام لم انقص من اعمال البر ذرۃ۔[674]

موت کے بعد بھی شریعت کا احترام:

حضرت ابو مدین شعیب محمد بن احمد عمران عیاشی یمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی وفات کے بعد آپ کو قبرستان کی طرف لے جا رہے تھے کہ نماز کا وقت آ گیا اور مؤذن نے آذان دینا شروع کی اٹھانے والوں کی قوت برداشت سے آپکا بوجھ بڑھ گیا انہوں نے آپکی چارپائی زمین پر رکھ دی۔ جب اذان کا اختتام ہوا تو اٹھانے والوں نے آپکی چارپائی کو حرکت دی تو وہ پہلے کی طرح ہلکی ہو چکی تھی۔ لوگوں نے چارپائی اٹھائی اور آپکو قبرستان لے گئے مگر حیران و پریشان تھے کہ ایسا کیا ہوا اور کیوں ہوا؟ آپکے کسی ساتھی نے لوگوں کو بتایا کہ جب حضرت مؤذن کی آواز سنتے تو فوراً رک جاتے اور مؤذن کا جواب دیتے تھے اور اذان ختم ہونے تک کھڑے رہتے تھے۔[675]

تَذْكِرَةُ اَسْمَآء مُبَارَكَةٍ لِمَشَائِخِ عَظَّامِ السِّلْسِلَةِ الْعَالِيَةِ الطَّرِيْقَةِ الصِّدِّيْقِيَّةِ النَّقْشَبَنْدِيَةِ الْمُجَدِّدِيَةِ الْمَعْصُوْمِيَّةِ الشَّمْسِيَّةِ الْمَوْلَوِيَّةِ الْهَاشِمِيَّةِ السَّيْفِيَةِ بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ مِنْ شَيْخِنَا الْاَمْجَدِ اِلَى النَّبِيِّ الْاَكْرَمِ ﷺ مَعَ الْاَدْعِيَةِ الْمُبَارَكَةِ بِالتَّوَسُّلِ بِهِمْ لِلتَّبَرُّكِ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُ اللهَ تَعَالٰى وَنُثْنِيْ عَلَيْهِ كَمَا هُوَ اَهْلُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

(۱) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا لِذَاتِكَ الْعَظِيْمِ وَنَبِيِّكَ الْكَرِيْمِ وَانْشُرْ عَلَيْنَا رَحْمَةً مِّنْ رَّحْمَةِ مَنْ مَّا اَرْسِلَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ الَّذِيْ ذِكْرُهٗ ذِكْرُكَ وَطَاعَتُهٗ طَاعَتُكَ وَهُوَ اَحْمَدُ الَّذِيْ مَا حَمِدَكَ اَحَدٌ مِّنَ الْخَلْقِ كَمَا حَمِدَكَ وَهُوَ مُحَمَّدٌ نِ الَّذِيْ يُحْمَدُ حَمْدًا بَعْدَ حَمْدٍ لَا يَخْتِمُ حَمْدُهٗ اَبَدًا لِاَنَّ رَبَّهٗ يَحْمَدُهٗ اَبَدًا بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْكَوْنَيْنِ رَسُوْلِ الثَّقْلَيْنِ صَاحِبِ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى مُحَمَّدَنِ الْمُصْطَفٰى ﷺ۔

(۲) اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا صِدْقًا وَّاِيْثَارًا وَّسِرًّا مِّنْ اَسْرَارِ الْعِشْقِ وَرَمْزًا مِّنْ رُّمُوْزِ الصِّدِّيْقِيَّةِ وَعِتْقًا مِّنَ النَّارِ وَهِمَّةً تَبْكِيْرٍ لِحُصُوْلِ صَالِحِ الْاَعْمَالِ بِحُرْمَةِ اَفْضَلِ الْبَشَرِ بَعْدَ الْاَنْبِيَاءِ بِتَحْقِيْقِ الْاَئِمَّةِ وَالْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ عَلَى التَّحْقِيْقِ خَلِيْفَةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَزِيْرِهِ الْمُكَرَّمِ سَيِّدِنَا اَبِيْ بَكْرِنِ الصِّدِّيْقِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۳) اَللّٰهُمَّ اَفْرِغْ عَلَيْنَا حُبَّ اَهْلِ الْبَيْتِ الْعِظَامِ وَاَدْخِلْنَا فِيْ زُمْرَةِ خُدَّامِ الْعِتْرَةِ وَارْزُقْنَا سِلْمًا فِي الدِّيْنِ بِحُرْمَةِ الصَّحَابِيِّ (الْغَرِيْبِ الْمَعْدُوْدِ) مِنْ اٰلِ بَيْتِ الرَّسُوْلِ ﷺ سَيِّدِنَا سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ الْمُكَرَّمِ الْمَقْبُوْلِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

---

[673] عوارف المعارف ص۔167 دار الکتب العلمیۃ
[674] عوارف المعارف ص۔52 دار الکتب العلمیۃ
[675] جامع کرامات اولیاء جلد:1

(۴) اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لَنَا قِسْمَةً وَّحَظًّا مِّنْ حُظُوْظِ الْوَلَایَةِ وَبَارِکْ عَلَیْنَا مِنْ بَرَکَاتِ اٰلِ اَبِیْ بَکْرٍ رضی اللہ عنہ وَقَسِّمْ لَنَا اسْتِقَامَةً عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَارْزُقْنَا لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاِقْسَامِ بِحُرْمَةِ اَحَدِ الْفُقَهَاءِ السَّبْعَةِ الْاِمَامِ الْهُمَامِ الْمُؤَیِّدِ بِالتَّوْفِیْقِ سَیِّدِنَا قَاسِمِ ابْنِ مُحَمَّدِ ابْنِ اَبِیْ بَکْرِنِ الصِّدِّیْقِ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

(۵) اَللّٰھُمَّ اَفِضْ عَلَیْنَا فَیْضًا مِّنْ فُیُوْضَاتِ وَلَایَةِ اٰلِ عَلِیٍ رضی اللہ عنہ وَفَاطِمَةَ رضی اللہ عنہا وَسُلَالَةِ الْحَسَنَیْنِ الْکَرِیْمَیْنِ رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْهُمْ وَطَهِّرْ قُلُوْبَنَا بِطَهَارَةِ اٰلِ النَّبِیِّ تَطْهِیْرًا کَامِلًا بِحُرْمَةِ اِمَامِ الْاَئِمَّةِ الَّذِیْ هُوَ بِالْحَقِّ نَاطِقٌ اَلْاِمَامِ سَیِّدِنَا جَعْفَرِ الصَّادِقِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۶) اَللّٰھُمَّ اَوْصِلْنَا اِلٰی مَنَازِلِ اَهْلِ الْقُلُوْبِ وَاَدْخِلْنَا مُدْخَلَ صِدْقِ الْعَارِفِیْنَ وَحَصِّلْ مَا فِیْ صُدُوْرِنَا وَخَصِّصْنَا بِفَقْرِ اَهْلِ الْعِفَّةِ وَالْعَافِیَةِ وَاُولِی الْوِجْدَانِ بِحُرْمَةِ الْمُؤَیِّدِ بِالتَّاییْدِ الْاِلٰهِیِّ صَاحِبِ الْفَیْضِ الْاِلٰهَامِیْ سَیِّدِنَا سُلْطَانِ الْعَارِفِیْنَ اَبِیْ یَزِیْدِ الْبُسْطَامِیْ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۷) اَللّٰھُمَّ اهْدِنَا صِرَاطَکَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ مَنْ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ وَاجْعَلْنَا مِمَّنْ اَنَابَ اِلَیْکَ وَمِنَ الَّذِیْنَ یَجِدُوْنَ الْفَیْضَ مِنْ اَهْلِ الْبَرَازِخِ وَاکْشِفْ عَلَیْنَا اَحْوَالَ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ بِحُرْمَةِ الْمَحْبُوْبِ السُّبْحَانِیْ غَوْثِ السَّالِکِیْنَ سَیِّدِنَا الشَّیْخِ اَبِی الْحَسَنِ الْخَرْقَانِیْ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۸) اَللّٰھُمَّ یَا عَالِمَ السَّرَائِرِ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا هِیَ لِنَعْمَلَ حَسْبَ حِکْمَةِ الْعِلْمِیِّ وَالْعَمَلِیِّ فِیْ سِجْنِ الدُّنْیَا عَلٰی مَا یَشَاءُ رَبُّنَا لرَّحْمٰنُ وَیَرْضٰی عَنَّا رَسُوْلُهٗ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَنَرَاهُمَا فِیْ رُؤْیَانَا بِحُرْمَةِ النَّشْوَانِ مِنْ رَحِیْقِ الْحُبِّ السَّرْمَدِیِّ قُطْبِ الْوَاصِلِیْنَ سَیِّدِنَا الشَّیْخِ اَبِی الْحَسَنِ عَلِیِّنِ الْفَارْمِدِیْ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۹) اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مُنْبَسِطِیْنَ بِعِبَادَتِکَ وَاتِّبَاعِ رَسُوْلِکَ الْاَمِیْنِ وَوَفِّقْنَا لِاَدَاءِ مَا لَزِمْنَا مِنَ الْعَهْدِ وَالْمِیْثَاقِ وَاجْعَلْنَا مِنَ الْمَقْبُوْلِیْنَ عِنْدَ الْخَلَائِقِ بِحُرْمَةِ غَوْثِ الصَّمْدَانِیْ سَیِّدِنَا الشَّیْخِ اَبِیْ یُوْسُفَ الْهَمْدَانِیْ رَحِمَهُ اللہ تَعَالٰی۔

(۱۰) اَللّٰھُمَّ یَا وَهَّابُ هَبْ لَنَا نِعْمَةَ الْعِرْفَانِ وَاعْطِنَا نُوْرَ الْاِیْقَانِ وَعَرِّفْنَا حُقُوْقَنَا وَحُقُوْقَ اِخْوَانِنَا الْمُسْلِمِیْنَ وَوَفِّقْنَا اَنْ نُّؤَدِیَ فَرَائِضَنَا کَمَا یَنْبَغِیْ بِحُرْمَةِ قُطْبِ الرَّبَّانِیْ غَوْثِ الْخَلَائِقِ سَیِّدِنَا الشَّیْخِ عَبْدِ الْخَالِقِ الْغَجْدَوَانِیْ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۱) اَللّٰھُمَّ یَا حَمِیْدُ اجْعَلْنَا مِنَ الْحَامِدِیْنَ وَالسَّالِکِیْنَ لِنَیْلِ مَرَاتِبِ السُّلُوْکِ وَیَسِّرْ عَلَیْنَا عَمَلَ الصَّعَالِیْکِ وَاَدْرِجْنَا فِیْ مَدَارِجِ السَّابِقِیْنَ اِلَی الْمَنَازِلِ الْعَالِیْ بِحُرْمَةِ الْمُسْتَلِقِ عَنِ الْحِجَابِ الْبَشَرِیْ قُطْبِ الْاَصْفِیَاءِ سَیِّدِنَا الشَّیْخِ الْعَارِفِ الرِّیْوُگَرِیْ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۲) اَللّٰھُمَّ یَا عَزِیْزُ مِنْ کُلِّ عَزِیْزٍ تَعَزَّزْتَ بِالْعِزَّةِ اَعِزَّنَا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَنَجِّنَا مِنْ خِزْیِ الدَّارَیْنِ لِاَنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ بِحُرْمَةِ الْمُعَرِّضِ عَنِ الْمُرَادِ الدُّنْیَوِیِّ وَالْاُخْرَوِیِّ شَیْخِ الْمَشَائِخِ سَیِّدِنَا الشَّیْخِ مَحْمُوْدِ الْاِنْجِیْرِیِّ الْفَغْنَوِی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۳) اَللّٰھُمَّ یَا نُوْرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَزِلْ عَنْ قُلُوْبِنَا نُقَطَ السَّوْدَاءِ مِنَ السَّیِّاٰتِ وَاجْعَلْ لَطَائِفَنَا مُشْرِقَةً بِنُوْرِ الذِّکْرِ کَمَا اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا بِحُرْمَةِ الْوَالِهِ فِیْ مَحَبَّةِ مَوْلَاهُ الْغَنِیِّ الْمَعْرُوْفِ بِحَضْرَةِ سَیِّدِنَا عَزِیْزَانِ عَلِیِّ الرَّامِتَنِیْ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۴) اَللّٰھُمَّ یَا رَبَّ الْاِصْبَاحِ وَالْفَلَقِ اِکْشِفْ عَنْ فُؤَادِنَا حِجَابَ الْغَفْلَةِ وَضَعْ عَنْ اَجْسَامِنَا کَلَالَ الرِّیَاضَةِ وَثِقْلَ وَطْءِ اللَّیَالِیْ وَسَهِّلْ عَلَیْنَا تَحَمُّلَ اَعْمَالِ الْمَسْنُوْنَةِ وَاجْعَلْنَا مَسْرُوْرِیْنَ بِالنَّوَالِ بِحُرْمَةِ الْمُقْبِلِ عَلَی اللہ وَلِمَا سِوَاهُ نَاسٍ قُطْبِ الْاَتْقِیَاءِ سَیِّدِنَا الشَّیْخِ بَابَا سَمَاسِی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۵) اَللّٰھُمَّ یَا خَالِقَ کُلِّ شَیْءٍ وَیَا مُصَوِّرُ نَقِّشْ عَلٰی قُلُوْبِنَا اِسْمَ ذَاتِکَ اللہ بَلِ التَّجَلِّی الْمُعْرَاةِ عَنِ الْجِهَاتِ السِّتَةِ وَاکْتُبْ تَحْتَهٗ اِسْمَ حَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍ لِیَکُوْنَ نَقْشُهُمَا مُتَّصِلًا کَقَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی فَاِذًا یَتِمُّ ذِکْرُکَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ ذِکْرَ اللہ بِحُرْمَةِ مَنْبَعِ الْمَعَارِفِ وَالْکَمَالِ رَئِیْسِ السَّادَاتِ اَلسَّیِّدِ اَمِیْرِ کُلَالْ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۶) اَللّٰهُمَّ یَا دَائِمٍ بِلَازَوَالٍ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا عَلٰی طَرِیْقِ الْحَقِّ وَاسْلُکْ بِنَا سُلُوْکَ الْاَوْلِیَاء وَاهْدِنَا وَذُرِّیَّاتِنَا وَجَمِیْعَ مُتَعَلِّقِیْنَا سُبُلَ الصّٰلِحِیْنَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْکَ وَاِنَّکَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ بِحُرْمَةِ اِمَامِ الطَّرِیْقَةِ غَوْثِ الْخَلِیْقَةِ بَدْرِ الْمِلَّةِ وَالدِّیْنِ ذِی الْفَیْضِ الْجَارِیْ وَالنُّوْرِ السَّارِیْ سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ بْنِ مُحَمَّدِ الْبُخَارِیِّ الْاُوَیْسِیِّ الْمَعْرُوْفِ اَلشَّاهِ نَقْشُبَنْدِ وَخَوَاجِهِ مُشْکِلْکُشَا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۷) اَللّٰهُمَّ یَا مُطْلِقَ الْاَسِیْرِ حَرِّرْ رِقَابَنَا عَنْ رِقِّ الْعِصْیَانِ وَالْغَوَایَةِ وَاَعْتِقْ قُلُوْبَنَا عَنْ قَیْدِ الطَّوَاغِیْتِ کَمَا اَعْتَقْتَ سَیِّدَنَا یُوْسُفَ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَنْ رِقِّ الْعُبُوْدِیَّةِ وَارْزُقْنَا خَیْرَ الدَّارَیْنِ وَارْزُقْنَا رِزْقًا کَرِیْمًا وَّاسِعًا لِّخِدْمَةِ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ بِحُرْمَةِ مِفْتَاحِ خَزَائِنِ الْاَسْرَارِ قُطْبِ الْاَقْطَابِ سَیِّدِنَا الشَّیْخِ مُحَمَّدِ نِ الْبُخَارِی اَلْمَعْرُوْفِ بِعَلَاءِ الدِّیْنِ الْعَطَّارِیِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۸) اَللّٰهُمَّ یَا وَلِیَّ الْاَوْلِیَاءِ اِزْهَدْنَا فِی الدُّنْیَا وَتَوَلَّنَا فِی مَنْ تَوَلَّیْتَ فِی الْاُوْلٰی وَالْاُخْرٰی وَاجْعَلْ ذَاتَکَ الْکَرِیْمَ وِجْهَةً لَّنَا لِنُوَلِّیَهَا کَمَا قُلْتَ وَلِکُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّیْهَا لِنَسْتَبِقَ الْخَیْرَاتَ بِحُرْمَةِ الْمَوْرِدِ لِتَوَاتُرِ عِنَایَاتِ الْبَارِی مَوْلَانَا سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ یَعْقُوْبِ الْچَرْخِیِّ الْحِصَارِی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۹) اَللّٰهُمَّ یَا جَاعِلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرِ صَقِّلْ قُلُوْبَنَا لِتَکُوْنَ کَالدُّرَرِ الْغُرَرِ وَاَذِقْنَا لَذَّةَ الذِّکْرِ وَحَبِّبْ اِلَیْنَا ذِکْرَکَ لِنَکُوْنَ مِصْدَاقَ وَاذْکُرْ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیْتَ بِحُرْمَةِ مُرَوِّجِ الدِّیْنِ وَمُقَوِّیِ الْمَشْرَبِ النَّقْشُبَنْدِی قُطْبِ الْاَوْلِیَاء سَیِّدِنَا الشَّیْخِ عُبَیْدِ اللّٰه الْاَحْرَارِ السَّمَرْقَنْدِیِّ الْمَعْرُوْفِ بِخَوَاجِه اَحْرَار رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲۰) اَللّٰهُمَّ یَا بَدِیْعَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ اَطِقْنَا اَنْ نَکُوْنَ مِنَ الصَّادِقِیْنَ وَمَکِّنَّا فِیْ صُفُوْفِ الْعَارِفِیْنَ وَاجْعَلْنَا مِمَّنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ وَزِدْنَا هُدًی بِحُرْمَةِ الرَّاکِعِ السَّاجِدِ شَیْخِ الْمَشَائِخِ مَوْلَانَا سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ زَاهِدٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲۱) اَللّٰهُمَّ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ اَقِمْنَا عَلٰی طَاعَتِکَ وَطَاعَةِ نَبِیِّکَ ﷺ وَعَامِلْنَا عَلٰی شَاکِلَتِکَ وَصَیِّرْنَا بَاقِیْنَ بِذَاتِکَ الْعَظِیْمِ فِیْ حَرَمٍ رَؤُفٍ رَّحِیْمِ الَّذِیْ یَذْکُرُکَ فِیْ کُلِّ وَقْتٍ وَحِیْنٍ بِحُرْمَةِ الْمُکَرَّمِ الْمُجَدِّدِ شَیْخِ الْمَشَائِخِ مَوْلَانَا دَرْوِیْش مُحَمَّدٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲۲) اَللّٰهُمَّ یَا مُحْیِیَ اَحْیِ قُلُوْبَنَا حَیَاةً طَیِّبَةً وَّجَدِّدْ اِیْمَانَنَا فِیْ کُلِّ لَمْحَةٍ وَاَصْلِحْ اَعْمَالَنَا وَاَدْخِلْنَا فِی الرَّبَّانِیِّیْنَ وَاَفِضْ عَلَیْنَا مِنْ فُیُوْضَاتِ الْقَیُّوْمِیَّةِ وَاَرِنَا مَنَاهِجَ تَجْدِیْدَاتِ الرَّبَّانِیْ بِحُرْمَةِ الْمَوْلَی الْکَرِیْمِ السُّنِّیِّ مَوْلَانَا خَوَاجَگِی السَّمَرْقَنْدِی الْاَمْکَنْگِی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲۳) اَللّٰهُمَّ یَا مُنْقِذَ الْهَلْکٰی وَ یَا مُنْجِیَ الْغَرْقٰی اَخْرِجْنَا مِنْ ظُلُمٰتِ الْوَهْمِ وَاَکْرِمْنَا بِنُوْرِ الْفَهْمِ وَالْیَقِیْنِ وَاحْفَظْنَا مِنْ مَّکَائِدِ الشَّیْطٰنِ وَشَرِّ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَاٰتِنَا الْعُرْوَةَ الْوُثْقٰی لِنَسْتَمْسِکَ بِهَا مَحْیَانَا وَمَمَاتَنَا بِحُرْمَةِ الْقُطْبِ الَّذِیْ لِصَهْبَاءِ الْحُبِّ الذَّاتِیْ هُوَ السَّاقِیْ مُؤَیِّدِ الدِّیْنِ الرَّضِی سَیِّدِنَا الشَّیْخِ مُحَمَّدِ نِ الْبَاقِی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲۴) اَللّٰهُمَّ یَا مُتَمِّمَ نِعْمَتِکَ عَلٰی اَهْلِ الْاِسْلَامِ ثَبِّتْنَا عَلٰی عَقِیْدَةِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ مُخْلِصِیْنَ لَکَ الدِّیْنَ مَعَ الْحُجَّةِ وَالْبُرْهَانِ سَاعِیْنَ فِی الْعِبَادَةِ حُنَفَآءَ لِحُصُوْلِ الْاِحْسَانِ وَاِقَامَةِ دِیْنِ الْقَیِّمَةِ وَحُصُوْلِ اَعْلٰی اَسْرَارِ السُّلُوْکِ وَدَقَائِقِ الْعِرْفَانِ مَعَ الْعَافِیَةِ وَالْعَفْوِ وَالْاِیْقَانِ بِحُرْمَةِ قُطْبِ الْمُدَقِّقِیْنَ وَغَوْثِ الْمُحَقِّقِیْنَ مَظْهَرِ الْعَجَائِبِ وَمَنْبَعِ الْاَسْرَارِ وَالْمَعَانِیْ وَوَاقِفِ تَاْوِیْلِ مُتَشَابِهَاتِ الْکِتَابِ وَاَسْرَارِ الْمُقَطَّعَاتِ الْقُرْاٰنِیَّةِ بِالْعِلْمِ الْوَهْبِیِّ اللَّدُنِّی وَکَانَ مُجَدِّدًا لِلْاَلِفِ الثَّانِی سَیِّدِنَا وَاِمَامِنَا الشَّیْخِ اَحْمَدَ الْفَارُوْقِیِ السَّرْهِنْدِی الْمَعْرُوْفِ الْاِمَامِ الرَّبَّانِیِّ الْمُجَدِّدِ لِلْاَلْفِ الثَّانِی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی وَرَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَاَرْضَاهُ۔

(۲۵) اَللّٰهُمَّ یَا اَحَلَّ الْمُشْکَلَاتِ حَلِّلْ مُشْکِلَاتِنَا وَاجْعَلْنَا مُطِیْعِیْنَ لِسُنَّةِ نَبِیِّکَ اعَامِلِیْنَ عَلٰی شَرِیْعَتِهٖ مُشِیْعِیْنَ فِیْ تَرْوِیْجِهَا وَتَبْلِیْغِهَا اَدَاۤءً لِحَقِّ الْبَلَاغِ بِحُرْمَةِ مَظْهَرِ النُّوْرِ اَمِیْنِ السِّرِ الْمَکْتُوْمِ شَیْخِ الْمَشَائِخِ الْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ مَعْصُوْم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲۶) اَللّٰھُمَّ یَامَانِعُ بُعْدٍ عَنْ قُلُوْبِنَا غَفْلَةً وَّ ارْزُقْنَا سَلَامَةً مِّنْ کُلِّ مَا یَشْغَلُنَا عَنْ مَّعْمُوْ لَاتِنَا الْاَوْرَادِیَّةِ وَاحْفَظْنَا مِنْ وَّسَاوِسِ الشَّیْطٰنِ وَالْاَوْھَامِ السَّاتِرَةِ لِلْقُلُوْبِ عَنْ مُّطَالَعَةِ الْغُیُوْبِ طَغٰی بِحُرْمَةِ الْمُسْتَغْرَقِ فِیْ لُجَّةِ بَحْرِ حَقِّ الْیَقِیْنِ سُلْطَانِ الْاَوْلِیَاءِ سَیِّدِنَا الشَّیْخ مُحَمَّد صِبْغَةُ اللهِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲۷) اَللّٰھُمَّ یَا مُعْطِیْ اَوْصِلْنَا اِلٰی غَایَةِ طَرِیْقِ الْوَاصِلِیْنَ اِلٰی حَضْرَتِکَ وَنِھَایَةِ مَسَاکِنِ الْعَاکِفِیْنَ عِنْدَ مَقْعَدِ صِدْقٍ وَّفَقِّ وُسْعَتِنَا وَاَجِبْ دَعْوَاتِنَا وَاقْضِ حَاجَاتِنَا بِحُرْمَةِ الْمُشَرَّفِ بِالتَّجَلِّی الذَّاتِی وَالصِّفَاتِی وَالشُّئُوْنِی الشَّیْخ مُحَمَّد اِسْمَاعِیْل اَلْمَعْرُوْف بِاِمَامِ الْعَارِفِیْنَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲۸) اَللّٰھُمَّ یَا وَلِیَّ الْوَلَاءِ وَیَا کَاشِفَ الضُّرِّ وَالْبَلَاءِ اِکْشِفْ عَنَّا غِلَافَ الْکَسْلِ وَثِقْلَ النَّوْمِ وَاجْعَلْنَا مِصْدَاقَ اَلَا اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ بِحُرْمَةِ قُطْبِ الْوَقْتِ وَشَمْسِ الْوِلَایَةِ سَیِّدِنَا الشَّیْخ غُلَام مُحَمَّد مَعْصُوْم اَلْمَعْرُوْف بِالْمَعْصُوْمِ الثَّانِی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲۹) اَللّٰھُمَّ یَا مُفَضِّلَ اَحْبَابِکَ بِکَمَالَاتِ الْفَاضِلَةِ وَیَا مَنْ یَزِیْدُ قُرْبَھُمْ بِمَرَاقَبَاتِھِمُ الْکَامِلَةِ بِفَضْلِکَ یَا ذَا الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ فَضِّلْنَا عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْتَ تَفْضِیْلًا وَاَدْخِلْنَا فِیْ اَھْلِ الْفَضْلِ بِحُرْمَةِ قُطْبِ الْاَقْطَابِ وَالْاَوْلِیَاءِ جَامِعِ الْکَمَالِ الصُّوْرِیِّ وَالْمَعْنَوِیِّ السَّیِّد اَلشَّاہ غلام مُحَمَّد اَلْمَعْرُوْف بِقُدْوَةِ الْاَوْلِیَاءِ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰی۔

(۳۰) اَللّٰھُمَّ یَا مَنْ اِرَادَتُهٗ صِفَتُهُ الْاَزَلِیَّةُ اَرَدْنَا رِضَاکَ فَارْضَ عَنَّا وَارْضِ عَنَّا نَبِیَّنَا رَسُوْلَکَ الْمُصْطَفٰی وَاَرْضِنَا بِرِضَاکَ وَاَقِمْنَا فِیْ رِضَاکَ لِاَنَّ مَنْ رَضِیْتَ عَنْهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا بِحُرْمَةِ قَیُّوْمِ الزَّمَانِ الَّذِیْ ھُوَ فِی الْحَقِیْقَةِ وَالْمَعْرِفَةِ وَحِیْدٌ حَاجِی الْحَرَمَیْنِ الشَّرِیْفَیْنِ سَیِّدِنَا الشَّیْخ صَفِیِّ اللهِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۳۱) اَللّٰھُمَّ یَا قَدِیْمَ الْاِحْسَانِ وَیَا مَنْ اِحْسَانُهٗ فَوْقَ کُلِّ اِحْسَانٍ اَحْسِنْ اِلَیْنَا بِاِحْسَانِکَ الْقَدِیْمِ اَنْزِلْ عَلَیْنَا اَنْوَارَ مَرْتَبَةِ الْاِحْسَانِ وَاجْعَلْنَا مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ بِحُرْمَةِ مَحْبُوْبِ السُّبْحَانِ غَوْثِ الزَّمَانِ الَّذِیْ کَانَ فِیْ عَصْرِہٖ وَاَوَانِهِ الْفَرِیْدِ شَاہ مُحَمَّد ضِیَاءُ الْحَقِّ اَلْمَعْرُوْف بِحَضْرَتِ شَھِیْد رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۳۲) اَللّٰھُمَّ یَا مُنَزِّلَ رُوْحِ الْقُدُسِ اَیِّدْنَا بِهٖ وَرَوِّحْ اَرْوَاحَنَا بِرَاحَةِ عِشْقِ سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ مَحْبُوْبِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَاجْعَلْنَا فَائِزِیْنَ بِرُؤْیَةِ جَمَالِهٖ مَنَامًا ثُمَّ یَقْظَةً کَمَا قَالَ ا مَنْ رَّاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَیَرَانِی فِی الْیَقْظَةِ بِحُرْمَةِ مَعْدَنِ اَسْرَارِ الْحَقِیْقَةِ قُطْبِ دَائِرَةِ الْاِرْشَادِ مَقْبُوْلِ اللهِ الصَّمَدِ الْقَوِیِّ حَاجِی الْحَرَمَیْنِ الشَّرِیْفَیْنِ اَلسَّیِّد شاہ ضیاء عرف سَیِّدِنَا میاں جی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۳۳) اَللّٰھُمَّ یَا فَاتِحُ وَیَا خَیْرَ الْفَاتِحِیْنَ وَیَا مُفَتِّحَ الْاَبْوَابِ اِفْتَحْ لَنَا اَبْوَابَ قُرْبِکَ وَاجْعَلْنَا مِنْ اَھْلِ الْفُتُوْحَاتِ وَاجْعَلْ لَطَائِفَنَا مُنَوَّرَاتٍ بِنُوْرِ الذِّکْرِ وَاجْعَلْ مَشَائِخَنَا وَسَائِلَنَا لِحُصُوْلِ فَیْضِ التَّجَلِّیَاتِ لَا سِیَّمَا فَیْضِ شَانِ الْجَامِعِ وَالتَّجَلِّی الذَّاتِی الدَّائِمِی وَاجْعَلْنَا رَبَّنَا مِنْ اَھْلِ سُلْطَانِ الذِّکْرِ وَاَصْحَابِ الْوَصْلِ الْعُرْیَانِ بِحُرْمَةِ غَوْثِ الْاَکْمَلِ وَالْفَرْدِ الْاَجَلِ مَخْزَنِ الْاَسْرَارِ الْاِلٰھِیَّةِ وَمَعْدَنِ الْاَنْوَارِ اللَّامُتَنَاھِیَّةِ (بِمَعْنٰی لَا تَقِفُ عِنْدَ حَدٍّ) اَلْمُقْبِلُ عَلٰی مَوْلَاہُ الْمُعْرِضُ عَمَّنْ سِوَاہُ سُلْطَانُ اَھْلِ الْجَذْبَةِ وَالسُّلُوْکِ سَیِّدِنَا الشَّیْخ شَمْسُ الْحَقِّ اَلْمَعْرُوْف حَضْرَتْ صَاحِبِ الْکُوْھِسْتَانِی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۳۴) اَللّٰھُمَّ یَا رَازِقُ ارْزُقْنَا الصِّدْقَ وَالصَّفَا وَالْبِرَّ وَالضِّیَائَ وَالشُّکْرَ وَالْحَیَائَ وَاَدْخِلْنَا فِیْ زُمْرَةِ الصِّدِّیْقِیْنَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الصَّادِقِیْنَ بِحُرْمَةِ شَیْخِ الْعَالَمِ قُطْبِ الْاَقْطَابِ قِبْلَةِ اَھْلِ الْعِرْفَانِ وَکَعْبَةِ اَصْحَابِ الْاِیْقَانِ غَوْثِ الثَّقَلَیْنِ الْمُسْتَضِیْءِ مِنَ الْکِتَابِ وَالسُّنَّةِ بِمِصْبَاحَیْنِ السَّیِّد اَلشَّاہ رَسُوْلِ الطَّالَقَانِی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۳۵) اَللّٰھُمَّ یَا رَازِقُ ارْزُقْنَا الصِّدْقَ وَالصَّفَا وَالْبِرَّ وَالضِّیَاءَ وَ الشُّکْرَ وَالْحَیَاءَ وَالْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ وَالْیَقِیْنَ وَاَدْخِلْنَا فِیْ زُمْرَةِ الصِّدِّیْقِیْنَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الصَّادِقِیْنَ بِحُرْمَةِ رَئِیْسِ الْاَوْلِیَاءِ سُلْطَانِ الْاَصْفِیَاءِ قُطْبِ الْاِرْشَادِ وَغَوْثِ الْاَفْرَادِ حَامِی الشَّرِیْعَةِ مُرَوِّجِ الطَّرِیْقَةِ مُظْھِرِ الْحَقِیْقَةِ ھَادِی الْخَلِیْقَةِ مَنْظُوْرِ عَیْنِ اللهِ الْقَوِیِّ مَنْبَعِ الْعِشْقِ الْحَقَّانِی حَضْرَتْ مَوْلَانَا مُحَمَّد ھَاشِمِ السَّمَنْجَانِی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(٣٦) اَللّٰهُمَّ يَا غِيَاثَ الْمُسْتَغِيْثِيْنَ اَغِثْنَا وَاسْقِنَا مِنْ غَيْثِ غَوْثِ الْاَغْوَاثِ وَرَوِّنَا مِنْ زُلَالِ بَحْرِهِ الْاَبْحُرِ وَاَشْرِقْ صُدُوْرَنَا بِنُوْرِ الْهُدٰى وَالتُّقٰى بِحُرْمَةِ حُجَّةِ الْعُرَفَاءِ الْكَامِلِيْنَ وَقُدْوَةِ الْعُلَمَآءِ الرَّاسِخِيْنَ وَقُطْبِ الْمُحَقِّقِيْنَ وَنَائِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ا فِى الْاَرْضِيْنَ بَحْرِ الْمُدَقِّقِيْنَ وَمُرْشِدِ عِبَادِ اللّٰهِ فِى الْعٰلَمِيْنَ وَمَخْزَنِ اَسْرَارِ الْاِلٰهِيَّةِ وَمُزَيِّنِ اَطْوَارِ النَّقْشْبَنْدِيَّةِ بَلِ السَّلَاسِلِ الْاَرْبَعَةِ الْمَعْرُوْفَةِ الْمُتَحَلّٰى بِالْحَقَائِقِ الْغَرِيْبَةِ الْقُدْسِيَّةِ وَالْمُنْفَرِدِ الْوَاصِلِ اِلٰى اَقْصٰى مَرَاتِبِ الْوَلَايَةِ وَالْمُتَحَقِّقِ بِكَمَالَاتِ الْاِصَالَةِ وَالْفَرْدِ الْكَامِلِ الْعَامِلِ بِالشَّرِيْعَةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ وَالْاِنْسَانِ الْعَامِلِ شَيْخِنَا وَاِمَامِنَا وَهَادِيْنَا صَاحِبِ الْوَقْتِ قَيُّوْمِ الزَّمَانِ قُطْبِ الْاِرْشَادِ مُجَدِّدِ الْعَصْرِ الْحَاضِرِ حضرت آخوندزاده سَيِّدِنَا سَيْفِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ الْقَارِىْ سَرْفِرَاز خان النَّقْشْبَنْدِى الْچِشْتِيِّ الْقَادِرِيِّ السُّهْرَوَرْدِيِّ الْمُجَدِّدِيِّ الْهَاشِمِيِّ الْحَنَفِيِّ الْمَاتُرِيْدِيِّ قَدَّسَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى بِسِرِّهِ الْاَقْدَسِ حَتّٰى يَصِلُوْا سَائِرَ الْمُسْتَرْشِدِيْنَ اِلٰى مَرَامِهٖ وَاَقْصٰى مَرَاتِبِهٖ وَيُدْرِكُوْا عَامَّةَ مِنْ عُلُوِّ مَقَاصِدِهٖ مَا يَتَمَنَّاهُ آمِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

(٣٧) اَللّٰهُمَّ يَا ذَا الْجُوْدِ وَالْعَطَاءِ وَيَا غَافِرَ الذَّنْبِ وَالْخَطَاءِ اِغْفِرْ لِسَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا حَضْرَتِ الْعَلَّامَةِ الْفَهَّامَةِ الْفَخَّامَةِ خَادِمِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَالْخَلِيْفَةِ الْمُطْلَقِ لِهٰذَا الشَّيْخِ الْاَعْظَمِ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَاشِقِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اوَ مُحِبِّ الْاَوْلِيَآءِ وَالْعُلَمَآءِ الرَّبَّانِيِّيْنَ صَاحِبِ الْاَخْلَاقِ الْحَسَنَةِ وَالْجُوْدِ وَالْاِخْلَاصِ وَالشَّجَاعَةِ وَالتَّوَاضُعِ وَالْاَوْصَافِ الْجَمِيْلَةِ لِلْاَوْلِيَآءِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا الْمُفْتِى الْعَلَّامَةِ اَلسَّيِّدُ اَحْمَدُ عَلِىْ شَاهُ اَلْحَنَفِىْ اَلْمَاتُرِيْدِىْ اَلسَّيْفِىْ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاجْعَلْهُ وَاَوْلَادَهٗ وَاَهْلَهٗ وَاِخْوَانَهُ الْمُسْلِمِيْنَ وَالسَّالِكِيْنَ مِنَ الْمُسْتَمْسِكِيْنَ بِاَذْيَالِ اَهْلِ الْبَيْتِ وَبِحَبْلِ الْاَوْلِيَآءِ الْكَامِلِيْنَ الْوَاصِلِيْنَ الْمُتَوَسِّلِيْنَ وَالْاٰخِذِيْنَ بِرِدَاءِ اَحَبِّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى اَلَّذِىْ لَوْلَاهُ لَمَا خَلَقَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا وَلَا الْجَنَّةَ وَلَا النَّارَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَارْزُقْنَا حُبَّهٗ اوَ حُبَّ اَهْلِهٖ وَآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ وَوَرَثَتِهٖ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ وَالْعَمَلَ بِسُنَّتِهٖ وَسُنَّتِهِمْ وَالْاِسْتِقَامَةَ عَلٰى هَدْيِهٖ وَهَدْيِهِمْ وَارْزُقْنَا شَفَاعَةَ الْاَمِيْنِ الْمَكِيْنِ عِنْدَكَ فِى الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ اٰمِيْن يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۔

حررہ:

العبد الفقیر السید احمد علی شاہ ترمذی حنفی سیفی

حال فقیر کالونی اورنگی ٹاؤن

جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ